

کراچی

اپریل ۱۹۶۶ء

جلد ۱-۱۸

شمارہ ۱-۱

ماہر القادری

ترتیب

۳۰	ماہر القادری	در حزب اختلاف
۴۰	محمد نواز دایم - اے	عوی
۲۶	عبدالطریق	حکیت
۳۲	جمال الدین فونگی - دانش سریندی	ماہر القادری
۴۸	محمد زکریا مانٹ	کائنات
۵۰	حافظ لدھیانوی - جاوید احسن	
۵۱	مسٹر اے کے بروہی - بیٹھک	
۵۲	میں

پبلشر: مسرور حسین

قیمت فی پرچہ ۲۲ پیسے

مقام اشاعت

دے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نقشِ اول

مقصد ہندوستان میں حب الوطنی کی غلامی ہم پر مسلط تھی، اُس دورِ صبر و استقامت میں ہم نے برطانوی پالیسی اور انگریزی زبان کے غلط اثرات کو ترک کر کے عملی حمایت و معاونت کی ہے، مولانا محمد علی جوہر کا مشہور آفاقی انگریزی معنائہ "کامریڈ" مولانا ابوالکلام آزاد کا انقلاب آفرین جہاد "الہلال" اودان کے بعد مولانا فضل علی خاں کا ہنگامہ آراء اخبار "زمیندار" ترکوں کی حمایت کے لئے وقف تھے۔ اس قسم کی تنظیمیں۔

بلغان چلو، بلغان چلو

اور

کہ رہا ہے اب شیر زار انگورہ چلو

بہت مقبول تھیں، اور ہندوستانی مسلمان اپنے ترک بھائیوں کی حمایت میں جوش سے لبریز تھے، ہر طرف اسلامی اخوت کی بقی رو رواں تھا، اشار و اخوت کا یہ نام کہ ہندوستانی مسلمانوں کو اپنی آزادی سے زیادہ ترکوں کی آزادی عزیز تھی، اور وہ اس دینی جذبہ کے تحت کہ صدیوں تک آل عثمان کی تلواروں نے اسلام اور مملکت کی حفاظت کی تھی اور ہر محاذ پر معاندین اسلام کو نیچا دکھایا تھا۔

رئیس الامام مولانا محمد علی جوہر کی خلافت کی خاطر وفد لے کر انگلستان تشریف لے گئے، برطانوی شہنشاہیت کے عروج و شباب کا یہ وہ زمانہ تھا کہ بڑی بڑی حکومتیں برطانیہ کے چشم و اہمو کے اشاروں پر چلتی تھیں، مگر ہندوستانی مسلمانوں کے اس وفد نے ترکی کی حمایت میں انگلستان جا کر اُن خیالات کا اظہار کیا، جن کی بارہ راست زبرد برطانیہ کی پالیسی پر پڑتی تھی، دینی اخوت نے عواقب سے بے پروا ہو کر اس ایمانی جہاد کا مظاہرہ کیا، ترکی کو ہندوستان کے مسلمانوں نے طبیعتی و فطری سمجھ "سمرنا فتنہ" اس جوش و خروش کے ساتھ قائم ہوا کہ ہندوستان کے کھول دعوں میں ایک ہل چل پیدا ہو گئی، فلسطین کا مسئلہ آگیا تو سید امین الخطیب مفتی اعظم فلسطین ہندوستان تشریف لائے اور یہاں کے مسلمانوں نے اُن کی بڑی پذیرائی کی!۔۔۔ شریف حسین اور سلطان ابن سعود کے درمیان آویزش ہوئی، تو حجاز مقدس کے عقد کو سلجھانے کے لئے مقصد ہندوستان کے مسلمانوں نے ہمسائیہ ہندوستان کے زبانی عالم تھا کہ دنیا کے کسی گوشہ میں بھی کسی مسلمان کے پاؤں میں

ناسان چیتتا تھا تو اس کی خوش ہم محسوس کرتے تھے! اور ہر مسلمان ملک کا مسئلہ گویا ہمارا مسئلہ ہوتا تھا۔
 وہ انگریز کی غلامی کا درد تھا، پاکستان بننے کے بعد ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے آزاد ہو گئے، تیسری و تیسری اور تعمیر و
 ترقی کی زمام ہمارے اپنے ہاتھوں میں آگئی، دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کے مالک و مختار! حکومتوں سے جنگ و صلح کے
 تمام اختیارات ہمیں مل گئے! اور وہ تلوار بھی ہمارے قبضہ میں آگئی، کہ جب قرطاس و قلم بیکار ہو جاتے ہیں تو لوگ شمشیر سے
 سیاسی عقدے داہرتے ہیں!

حقائق اس قہید کے بعد ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں نزاع و تصادم اور صوب و ضرب کے مقابلہ میں "امن" بہ ہر حال اچھی
 چیز ہے! ہر انسان کو طبعاً امن پسند اور صلح دوست ہونا چاہیے! پاکستان اور ہندوستان ہمسایہ ملک۔ اور
 سایہ جگہ نہیں ہیں، یہاں کے رہنے والے صدیوں ایک وطن کے باشندے ہونے کی حیثیت سے ساتھ ساتھ رہ رہے ہیں،
 اس لئے دونوں ملکوں کی اسی میں بھلائی ہے کہ ان کے تعلقات خوش گوار رہیں۔ اور دونوں ملک ایک دوسرے کے حق ہمسائیگی کا
 اس لحاظ کریں، پٹویدیلوں میں کبھی کبھار جھگڑا بھی ہو جاتا ہے اور پھر صلح و صفائی ہو کر بخیرانہ خیرانہ ہی جاتی ہیں!

اس حقیقت کا ہم کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں کہ ہندوستان میں بھی لوگ جن شکلیں اور ہمسائیگی نہیں ہیں۔ وہاں بے پیکارش
 امن، راجگوبال اچاریہ اور نو بھائی پٹے جیسے دھرماتما تینا بھی پائے جاتے ہیں جو انسانی بھائی چارے کے بہت بڑے حامی اور مبلغ
 ہیں اور ہندوستان کے مسلمانوں کو شکم و یکھنا چاہتے ہیں، ہاتھ کاڑھی کی اس قربانی کو نہیں بھگایا جاسکتا کہ بھارت کے پریشان حال
 مسلمانوں کی حمایت کے یوم میں انہیں گولی کا نشانہ بننا پڑا، ہندوستان میں اس ذہنیت کے ہندو بھی پائے جاتے ہیں جو اسکا اعتراف
 کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے تمدن و تہذیب بے بھارت کو نکھارا اور ترقی پا رہی ہے، ہزاروں لاکھوں ہندو اور سکھ اہل قلم اور ادب و ادب
 ذوق آندھنیان کے دل و جان سے نشیبائی ہیں، ہمیں ذاتی طور پر اس کا تجربہ ہے کہ مدراس اور ممبئی میں دھرم کا مرحلہ بڑی آسانی
 سے طے ہو گیا، اور ہمارا مسلمان اور پاکستانی ہونا اس راہ میں رکاوٹ نہیں بنا، عوامی اور جمہوری حکومت کی یہ کاروت ہے کہ بھارت
 میں مسلمانوں کے انخار و دل کی حکومت پر بڑی آزادی اور حجات کے ساتھ تنقید کرتے ہیں، فرانسیز پرچ کی ادائیگی کیلئے جتنی سہولتیں۔۔۔
 ہندوستانی مسلمانوں کو حاصل ہیں، اتنی سہولتیں پاکستان میں میسر نہیں ہیں!

مگر

اس تعمیر کا دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ تقسیم ہند کے بعد بھارت کے معاشرے اور حکومت، رہا بھائی اور جن شکلیں ذہنیت سلطنتی اور
 بھائی چالی گئی، الیا محسوس ہونے لگا کہ ہزاروں سوچے اور لاکھوں سال کے جواب تک چھپے بیٹھے تھے، ایک ایسی منظر عام ہوا گئے ہیں، امور
 پیش آنجہاں کے اثرات انداز نے اس مسلم دشمن ذہنیت کو پوری طرح غما ہو کر پائی، یہاں تک کہ راجہ پٹنشا دھیسے کا گھڑی بٹیا بھی مسلم
 قلت کے معاملے میں بے ہودا بن گئے، پنڈت جواہر لال نہرو کو جن شکلیں مزاج اور ہمسائیگی ذہنیت سے کوئی مناسبت اور دل چسپی نہ تھی،
 ان کی مجیدی کا یہ عالم تھا کہ آندھنیان کے وہ انتہائی ماح اور ہندو و غیرت جوتے ہوئے ہی حملہ آور اس کے لئے کھینچے کر سکے۔

یہ واقعہ ہے کہ بھارت میں مسلمانوں پر معیشت و روزگار کی راہیں جان کر تنگ کی گئی ہیں، خاص طور سے سرکاری محکموں میں ان
 کا تعداد نسبتاً کم ہے! لحاظ سے تیزی کے ساتھ گھٹتی چلی جا رہی ہے۔ حکومت اور مفکرین کے حوصلے آندھنیان کو صرف
 اس لئے دلیں نکالا گیا ہے کہ یہ مسلمانوں کی زبان ہے! تعلیمات کے نصاب میں اس قسم کے انکار و خیالات کو سمیٹا گیا ہے، جن سے سلام
 اصطلاح اسلامیہ کے بارے میں نفرت و مخالفت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، اسلامی تعلیمات و عقائد کو بگاڑ کر پیش کیا گیا ہے۔

ان کتابوں کو پڑھ کر ہندوستانی مسلمانوں کی نئی پیدا اپنے مذہب کے پاس میں بگنان ہو جائے گی اور کہیں کہیں اس "ذہنی خدمت" کے آثار نمایاں بھی ہونے لگے ہیں!

تفہیمِ مذہب کے بعد سے اب تک ہندوستان کے طول و عرض میں مسلمانوں کو قتل و غارت گری بے اہدئی، عصمتِ دینی اور خونِ اہلِ اسلام کے بن و برباد کرنے سے گزرتا چلا آیا ہے، ان کا کوئی شمار و حساب نہیں، مسلمانوں کو آکھاٹنے، تباہ و برباد کرنے اور انہیں خوف زدہ کر دینا ہندو اہلِ حکم بہت بنانے کے لئے سوچی سمجھی اسکیم کے تحت کام ہوتا ہے اور ہر سال کہیں نہ کہیں جیل بیلنگیلا اور جیل بیلنگیلا کا کوئی نہ کوئی قتلِ مسلمانوں کے لئے تیار ہو جاتا ہے، پولیس جو عوام کے جان و مال اور عزت و آبرو کی محافظ ہے۔ وہ قانون اور پولیس کی ہر طرح سے پشت پناہی کرتی ہے اور عدالتیں جن سے انصاف کی توقع کی جاتی ہے وہ ان قانون، فلاحی اور غارت گری کو عام طریقہ بھی کہہ دیا جاتا ہے۔

ہر مذہب حکومت میں ایک "قہری" کی شخصیت بڑی اہمیت رکھتی ہے، مگر یہ ظلم ہندوستان ہی میں دیکھنے میں آیا کہ لاکھوں مسلمانوں کو زبردستی پاکستان کی سرحدیں تو کھیل دیا گیا اس ظلم و شرارت کا مقصد یہ کہ ایک طرف ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد میں کمی واقع ہو جائے، دوسری طرف پاکستان کی معاشیات کو لاکھوں آدمی کا بار اٹھانا پڑے! یہ صورتِ حال بین الاقوامی قانون کی کھلی ہوتی خلاف ورزی ہے! مگر وہ جو پرائی کہاوت ہے کہ زبردست مارے اور رونے نہ دے۔ یہی صورتِ اس قسم کے ظالمانہ سانچوں میں پیش آرہی ہے!

رہاداری اور امن و دوستی کے نام پر ان زخموں سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا، اور جو کوئی رواداری کی اس انتہا تک پہنچا ہوا ہے! اس کے اندر دینی غیرت باقی نہیں رہی، صلح و صفائی اور امن و دوستی کے اعلان اور معاہدوں کو عسکری کامیابی اسی وقت متبرک کرتی ہے جب کہ طرفین کی جانب سے میلان اور جھکاؤ نظر نہ آئے، مگر ایک واقعہ سے نہیں بچا کرتی، اعلانِ ناश्قذ کے بعد ہی ہندوستان میں ایک کالفرنس منعقد ہوئی جس میں کھیلے خزانے ڈینکے کی پوٹ اس کا اعلان کیا گیا ہے کہ ہندوستان کی تفہیم و ترقی خفی، اسے ہمیشہ کے لئے خوش دلی کے ساتھ قبول نہیں کیا گیا، پاک و ہند کی تفہیم کی اس گیر کوٹ جانا چاہئے پاکستان اور ہندوستان کے ایک ہو جانے ہی سے ایشیا میں امن قائم ہو سکے گا! اس کے بعد اس شریہ سبک شکنوں نے اس خطرناک فتنہ کی طرح ڈالی ہے کہ۔

"جب تک مسلمان عورتوں کو پردے سے باہر نہیں لایا جائے گا، مسلمان مرد و ہندو عورتوں کے لئے خطرہ بنے رہیں گے۔" (دہشتِ روضہ کلمت)

کیا یہ دوستی کی باتیں ہیں! قطع و امن چاہئے۔ دے کیا ایسے فتنے کھڑے کیا کرتے ہیں؟ ہم اور تفہیم سے بچا چکے ہیں کہ انگریزوں کی خلائی کے وعدے میں ہم نے دوسرے ملکوں کے مسلمانوں کی مظلوریت اور پریشانی کی پر احتجاج اور آن کی ہر لاکھائی مدد کی ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی آزاد مسلم حکومت کے مالک و مختار ہوتے ہوئے ہم ایسے بے دست و پا ہو گئے ہیں کہ اس ظلم و ستم کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے، کیا قہامت کے دن ہم سے اس غفلت کی باز پرس نہ ہوگی، کیا اس دن روس، امریکہ و برطانیہ اور بھارت "اعلانِ ناश्قذ" کے نام پر ہماری وکالت کر سکیں گے۔

پاکستان اور ہندوستان کی حالیہ جنگ کی تفہیم اور اس کے محرکات و داحیات اور علاقہ کے ذکر سے ہم سے قصداً گریز کرتے ہیں، اس سلسلہ میں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اس جنگ کا اصل محرک "مسک کشمیر" تھا! ہندوستان اور کیورڈی کونسل نے کشمیر میں "استصواب رائے عامہ" کے اصول اور شرط کو مان لیا ہے، اس لئے ہندوستان جس شرط کو تسلیم کر چکا ہے اس کا ایسا

کنا چاہئے !

دعہ کہتے ہو مگر وعدہ وفا ہوتا نہیں

میری قسمت تم سے اپنا بھی کہا ہوتا نہیں

اعلان تاشقند میں مسئلہ کشمیر کے تفسیر کی نہ کوئی ضمانت دی گئی ہے اور ضمانت لکھی، ایک حرف بھی اس بارے میں نہیں کہا گیا، پھر فریق ثانی یعنی ہندوستان اس کا بار بار اعلان کر چکا ہے، کہ کشمیر تجارت کا الٹا ٹنگ ہے، اس مسئلہ پر ہم بات چیت کرنے کے لئے ہی سرے سے تیار نہیں ہیں، اس صورت میں جو مسئلہ بنائے زیار تھا، وہ بدستور اسی طرح موجود ہے۔ اس کے تفسیر کے لئے ماہ اُسی وقت ہمارے ہر ہمتی تھے کہ جنگ بندی اور فوجوں کی عالمی مشروط ہوتی !

ہندوستان کے ارباب اقتدار کھلے بندوں اعلان کر رہے ہیں کہ اعلان تاشقند سے مسئلہ کشمیر کا کوئی واسطہ ہی نہیں ہے۔ اور پاکستان کے ارباب کا اسکی خوش فہمی کا یہ عالم ہے کہ وہ اس اعلان سے تفسیر کشمیر کی توقع رکھتے ہیں، ایسا ہی تاریخ کا ایک الجوبہ ! جب فریق ثانی مسئلہ کشمیر کی دوسری ذمہ داری بھی اپنے سر لینے کے لئے تیار نہیں ہے، یہاں تک کہ اس مسئلہ پر گفتگو تک کنا بھی چاہتا تو پھر اس خوش فہمی کو آخر کی نام دیا جاتے ! یہ صورت حال کھنڈا اضطراب انگیز اور تکلیف دہ ہے ! کسی ملک کی سیاست کو ایسے عجیب غریب مرحلے سے شاید ہی سابقہ پڑا ہو !

مصر اور اخوان

جمال ناصر اور اخوان المسلمون کے حالات کے تمام رخ منظر عام پر آ چکے ہیں، جن اہل تسلیم پر اس مسئلہ میں ذہول طاری ہو گیا تھا، جس کے سبب ان کے تسلیم نے جمال ناصر کی تاریخ اور اخوان پر طنز و تعریض کی ان کو اپنے اس ذہول و لغزش کی اللہ تعالیٰ سے محضرت طلب کرنا چاہئے، عرب دنیا کی اتنی منظم دینی تحریک کو جس ظلم و ستم کے ساتھ تباہ و برباد کیا گیا ہے، وہ دین و اخلاقی بلکہ انسانیت کی دوا انگیز شریعت پر اخوان کی تباہی، یہ یونیس ڈرامہ تھر میں کھیلنا چاہئے اور اسی پر مختلف قسم کے الزامات لگا کر جس خانہ سے لے کر پچاسی کے تختہ تک ہر عقوبت اور مصیبت میں وہ مبتلا کئے جا رہے ہیں۔

ان خیالات کے لئے اسلامی اخوت کے نام پر جو تحریک مجازہ مقدس سے اٹھی ہے وہ بھی جمال عبدالناصر کو پسند نہیں ہے انہوں نے فرمایا ہے ۔

۔۔۔ یہ عرب ملکوں میں ترقی پسند تحریکوں کے خلاف سامراجیوں کی ایک اور سازش ہے اور

اسلامی معاہدہ کا یہ تصور بنایا نہیں ہے، ہم پہلے ہی ایسی سازشیں دیکھ چکے ہیں :

اسلامی اخوت اور ملت اسلامیہ کے اتحاد کے بارے میں یہودی بھی اسی قسم کے جذبات رکھتے ہیں، اور ان پر بھی یہ تحریک گراں اندہ شافی گزرتی ہے !

ناجیہ یاسین احمد بن بیلو کی شہادت عالم اسلام کا ناقابل تلافی نقصان ہے، یہ شخص اپنی جامعیت، اسلامی فکر و روش اور دینی غیرت میں ایک امت کی براہر تھا۔ مگر بھائیہ احمد اسرائیل کی طرح متحدہ عرب جمہوریہ بھی ان سے ناخوش تھی، مولانا عبداللہ عطار ندوی اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں ۔

۔۔۔ الحاج احمد، ناجیہ یاسین نہیں بلکہ پورے افریقی براعظم میں اسلام کے مبلغ تھے، ۹ ذیل

کا بلند نامت چوڑا چکر مہینہ رکھنے والا مرد مومن تھا یہاں پر دہلی کے سیلاب کے سانحے ایک ہندو کا کام کر رہا تھا، ان سے انگریز ناماں تھے، کہ یہ اسلام کا داعی اور اسلامی قندیل کے مبلغ ہیں، یہ وہاں کے لئے نکلتے تھے، کہ اسرائیلی نفوذ کو اپنے ملک میں بڑھنے نہیں دے رہے تھے، عبد اللہ امریکہ ہنر اس لئے نکلتے تھے کہ یہ کھلم کھلا اسلامی اتحاد کے داعی تھے۔

اللہ سنئے

دعوتِ ہدیہ متحدہ عرب بحرات۔ کل یہاں ابومسلم کے عظیم مندوب کی تعمیر شروع ہوئی، مقرر کے ذریعے صدارت کی طرف سے دو تہہ مندوب کی بنیادیں رکھی گئیں، ان دو چٹانوں پر مہر کے چاند میں دہلی والوں کی منتیں لگتی ہوئی تھیں، ان دو لڑکیوں کے نیچے مذہبی ماسٹین نے دو نئے قرآن کے رکھے احمد نے مقرر کے قومی دستور کے.....

مذہبوں اور بتوں کے نیچے قرآن کریم کے نئے.....!

سے آسمان رات کو بود و گریں بیاں بزمیں

خدا کی قسم ہم بے حس اور بے غیرت ہو گئے ہیں، وہ نہ تھا یہی روح فرسا خبر آنگاہوں پر نشا دینے کے لئے کافی ہے!! مقرر میں حکومت کی طاقت کے زور سے جہاں ناصرا صاحب کے نائب کی شہنشاہی راج رہی ہیں، اخبارات انہیں مقرر کا نجات دہندہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں، ایڈیٹریاں ہی کی قصیدہ خوانی کرتا ہے، ملک کی آزادی سمٹ سکا کہ ایک شخص کی معافی میں آگئی ہے، اللہ تم یہ ہے کہ اس امریت کو جہوریت کا نام دے دیا گیا ہے! آہ! آج مصر میں آزادی گنتی کتاب اور اسلام میں قند معلوم ہے۔

مفکر اعظم

صدق جہد کھنڈ میں مولانا حبیب ریحان ندوی جو پالی کا ایک مکتبہ شائع ہوا ہے، جس کے آفیز میں صاحب موصوف نے لکھا ہے کہ مصر میں صلیب قرآن پر ہندو صلیب صرف کئے جاتے ہیں اور مصر کے رب عظیم تباری شیخ مصطفیٰ امین کو حکومت مصر نے قتل دے کر فری تجوید و قرأت کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ اس تفصیل کے بعد وہ کہتے ہیں:

... ہم لوگ عید کے دن فضیلت الشیخ عبد الحمید الدبیانی شیخ الجامعہ دجالہ اسلام کو عید کی مبارک باد دینے گئے، چند رسمی جملوں کے بعد شیخ نے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی حیرت پر بھی میں نے کہا مجھے یہ نہیں انشا اللہ شیک ہی ہوں گے، وہ تو پاکستان میں رہتے ہیں، کہنے لگے وہ تو دہ اصل ہندوستان ہی ہیں، یہ یقین تو بعد کر ہوتی ہے اور اسلامی رشتہ سب قوی ہے، انہیں ہم لوگ ۱۰ منٹ بیٹھے، جس میں سے ۵ منٹ تک مولانا کی تفکیر ان کی تالیفات اور نقطہ نظر کی تعریف کرتے رہے، کہنے لگے، ان سے بڑا مفکر اسلامی دنیا میں کوئی دوسرا نہیں، دین و دنیا کا جو جامع تصور انہوں نے پیش کیا ہے، وہ کتاب و سنت کے عین مطابق ہے!

نیز کم از کم، کم از کم اور دوسرے اقتصادی نظاموں کے مقابلے میں انہوں نے اسلامی نظام اقتصاد کی شریعت کی ہیں اور قانون اسلامی کے متعین کے لئے عالم عربی و اسلامی میں شعل راہ کا درجہ رکھتی ہیں۔

مراکش تک اور ترکی سے لے کر سوڈان تک مولانا کا کیا مقام ہے !

اور ہندوستانی دہاکستانی صحافت کو بھی میرا مشہور ہے، جس کا کام - مولانا کی تعبیری غلطیاں پیش کرنا ہے کہ وہ کسی تعبیری کام میں اپنا وقت صرف کرے، اسلام اس کا نام نہیں کہ دوسری غلطیاں نکالی جائیں بلکہ دنیا کے سامنے مرض کی تشخیص کیجئے اور علاج پیش کیجئے، مگر نہ موقدعی صاحب نے جو مرض تشخیص اور جو علاج پیش کیا ہے، ہندو پاک کے چند علماء کو چھوڑ کر پورے عالم اسلامی نے اس مرض کو مہلک جانا ہے اور اس علاج کو بھی مانا ہے۔

ابن ہرنگ کی کیا کہنے جو مولانا سید ابوالاعلیٰ موقدعی کی تشخیص و تذلیل بلکہ بروہی کے مدد پر ہیں اور مولانا موقدعی کو منہنی لہانے والی کہ بھروسہ کرتے ہیں۔ اور مطمئن ہو جاتے ہیں کہ جو کچھ کہہ رہے ہیں دنیا بھی اسے صحیح تسلیم کرے جبکہ حالانکہ ایسی اور بھی باتیں ہیں یہ حضرات خود اپنے وقار کو گوارا ہے۔

پاک و ہند کی جنگ کے دوران ایک صاحب نے حکومت کو مشورہ دیا تھا کہ مولانا موقدعی کو عرب ممالک میں بھیجنے کی غلطی نہ کی جائے۔ یہ ممالک ہیں ان کا انفریل ہی سا ہے۔ اس مکتوب کو پڑھ کر ان صاحب کا فیم کاوش ! غلامت محسوس کر سکے۔

”فاران“ میں مولانا موقدعی کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے، اس تعلق خاطر اور اعتراف کا سبب صرف ”دینی غیر خواہی“ ہے ! میں مدینہ اللہ تعالیٰ کے دین کی ممانعت کے لئے مولانا موقدعی نے ہر محاذ پر نبرد آزما کی ہے، اُن کا قلم ۴۰ سال سے دین کی خدمت کے لئے وقف ہے، اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے انہوں نے قید و بند کی صعوبتیں بھی اٹھائی ہیں، یہاں تک کہ پچاسی کی کال کو بھی ان کی استقامت میں چلک پیدا نہیں کر سکی ! ہم اللہ تعالیٰ کا ان کا داکہ ہے کہ عرب کے صف اول کے مشاہیر علماء اور اسباب سیکر مولانا موقدعی کے بارے میں وہی جذبات اور خیالات رکھتے ہیں جو ہمارے دل و دماغ میں موجزن ہیں، یہ تو اردو نہیں بلکہ ”حسنِ نواہ“ ہے، اللہ تعالیٰ موقدعی صاحب اور دین کے تمام مخلص خدمت گزاروں کو خدمتِ دین کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے اور ساتھ ہی معاندین کے شر سے محفوظ رکھے۔ (دعائیں)

ماہر اذکار
۱۵ مارچ ۱۹۷۷ء

محمد نواز دایم - (سے)

اسلامی جمہوریت اور حزب اختلاف

پاکستان کے نظریاتی استحکام کا انحصار دو باتوں پر ہے :

● پہلی یہ کہ قرآن و سنت کو منبع ہدایت اور اولین مآخذ قانون تقسیم کیا جائے اور ملک کے دستور میں حاکمیت اور مطلق قرآن و سنت ہی کو حاصل ہو اور

● دوسری یہ کہ ملک میں حکومت کا ڈھانچہ جمہوریت ہی کی بنیاد پر استوار کیا جائے۔ یہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے وہ پاکستان میں اب طے شدہ ہے۔ اسے سندھ کے دستور میں بھی تسلیم کیا گیا تھا۔ اور مارشل لاء کے بعد جو دستور نافذ کیا گیا ہے اس میں بھی یہ بات نمایاں طور پر شامل ہے اس بات میں اب کسی قسم کے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ ایک طے شدہ بات ہے اس کے خلاف کوئی شخص کچھ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ صرف اسی ایک بات نے ہمارے ملک کو دارالاسلام کا درجہ دے کر اسے جس طرح محترم اور مقدس بنا دیا ہے، اس ملک کی ادنیٰ سے ادنیٰ خدمت سے لے کر اعلیٰ سے اعلیٰ منصب تک کے سارے کام عبادت کی تعریف میں آتے ہیں۔ ————— لہذا اس طے شدہ بات کے سلسلے میں مزید گفتگو کرنا تحصیل حاصل ہے !

دوسری بات، یعنی ملک کے حکومتی ڈھانچہ کو جمہوریت کے مسئلہ اور متفق علیہ اصولوں پر استوار کرنا۔ — اس سلسلے میں بعض حضرات کے ذہنوں میں خلط شائبہ پایا جاتا ہے۔ بالخصوص ہمارے ہاں کے بعض مذہبی لوگ اس مسئلے میں حد درجہ الجھ بھٹے ہیں۔ یہ نہایت ہی درد انگیز صحت حال ہے کہ جس طبقہ کو سب سے زیادہ آگے بڑھ کر جمہوریت کے فروغ اور اس کی بحالی کے سلسلے میں کوشش کرنی چاہئے تھی وہی دین ہی کے نام پر اس کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کا ذریعہ سرانجام دے رہا ہے، حالانکہ جمہوریت اسلام سے مختلف چیزیں نہیں بلکہ اسلام کے اجتماعی نظام کا ایک لازمی وصف ہے، کیا کوئی یہ کہنے کی جسارت کر سکتا ہے کہ آنا دنی، مساوات اور اخوت اسلام کے لازمی اوصاف ہیں اور کیا کسی کے پاس اس بات کی دلیل ہے کہ حریت، نفاذ آنا دنی، اجتماع اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہیں یا اسلام قانون اور عدلیہ کی برتری کے مخالف ہے اور کیا ان کے بنیادی اور اسلامی حقوق کی بحالی کا مطالبہ غیر اسلامی ہے۔

اگر ساری باتیں اسلامی ہیں اور اسلام ہی کے لازمی اوصاف ہیں تو پھر اس جمہوریت کو جو ان ساری باتوں کا جامع مظہر ہے آخر یونہی غیر اسلامی قرار دیا جاسکتا ہے؟ کیا خلافتِ راشدہ کا نظام جمہوری نہیں تھا۔ کیا خلیفہ مسلمان رائے عامہ کا نمائندہ نہیں ہو سکتا تھا، کیا اکابر صحابہ کے معاملات باہمی مشورہ سے طے نہیں ہوا کرتے تھے اور کیا خلیفۃ المسلمین اپنی خودی کے مشورہ سے کا پابند نہیں ہو سکتا تھا اور کیا خلافتِ راشدہ کے نظام میں قانون اور عدلیہ کی برتری حاصل نہیں تھی۔ اگر خلافتِ راشدہ کے نظام میں جمہوریت کی یہ ساری خصوصیات شامل ہیں تو پھر جمہوریت کو خلافتِ راشدہ کا مظہر اور پیکر نہیں سمجھا جاتا؟

اتنی واضح اور صاف بات کہ باوجود یہ بزرگانِ دین بھی کہتے ہیں کہ جمہوریت کے ساتھ "اسلامی" کے لفظ کا اضافہ کرنا ایسے جیسے کیونکر ممکن ہے۔ اسلامیہ کا لفظ استعمال کیا جائے۔ کبھی اشتادہ ہوتا ہے کہ اسلام میں محض اختلاف کا سرے سے نا تصور ہی نہیں فرمایا جاتا ہے کہ ساری امت ایک جید واحد ہے، اس لئے اس کے اندر تجدید واجبائے دین کے نام پر کوئی منظم عت بنانا لغو قرار دینا کہنے کے مترادف ہے اور کبھی دوسرے حاضر کی جمہوریتوں کے آمرانہ ایڈیشنوں پر راہ واہ اور سبحان اللہ کے درجے برائے جاتے ہیں۔

خدا معلوم یہ ساری باتیں علم و مطلقہ کی کمی کی بنا پر بھی جاری ہیں یا کچھ مقصود منحرکات کی بنا پر اور خواہ کچھ بھی ہو، لیکن یہ طے ہے کہ کسی جاتی میں کہ اوسط درجے کا پڑھا لکھا آدمی بھی حیران ہو کر حیرت کرنا ہے کہ آخر ہمارے ان بزرگانِ دین کو کیا پتا ہے؟ جمہوریت کی یہ مخالفت آخر کیوں کی جارہی ہے۔ کیا واقعہ بغیر جمہوری نظام حکومت ملک و ملت کے لئے آہِ رحمت ہے؟ جمہوریت کی راہ روکنے سے دین کو سر بلندی اور سر فرازی نصیب ہوگی اور کیا اس سے آخرت میں بھی درجہ بلند ہوئے؟ پھر بد قسمتی سے ان مخالفین میں وہ حضرات بھی ہیں جو جماعت اسلامی سے الگ ہوئے ہیں اور جماعت سے الگ ہونے کی بعض سری وجوہ میں سے ایک اہم اور بنیادی وجہ یہ بھی بنائی گئی تھی کہ جماعت کے "جبری" نظام میں مولانا مودودی کی حیثیت ایک امریکی ہے ان میں سے بعض حضرات جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کی مخالفت میں اس مسئلہ کو پیش کیے ہیں جہاں مخالفت برائے لغت ہوتی ہے، جیسے کوئی کسی کے درپے انداز ہو جائے، ہجرت ہے کہ چند سال ایک تحریک سے وابستہ رہنے، ایک مقصد اور طریق کو اپنانے اور اس پر قائم رہنے اور اس کی صداقت کا خدا اور خلق خدا کے سامنے حلف اٹھانے کے بعد وہ جماعت سے الگ تھے اور اس شانِ ادعا کے ساتھ علیحدہ ہوئے کہ جماعت کا مقصد بھی غلط، جماعت کا طریق کار بھی غلط، یہاں تک کہ خود جماعت نا بھی غلط! جو لوگ برسوں کی رفاقت کے بعد بھی حق کو نہ پہچان سکے، اور ہمارا سال ربیعہ خلیفہ، غلط طریق کار کی ایت کرتے رہے، ان کے بارے میں یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اپنے نئے موقف پر نہ جاتے کہ اب تک جیسے رہتے ہیں اور اسے چھڑ بیٹھتے ہیں، انکو عمل کے اس تئوں کا اگر کسی کو مشاہدہ کرنا ہو تو ان بزرگوں میں سے صرف کسی ایک بزرگ کی خریدیں مطلقہ کر کے دیکھ لیجئے، ان میں نمایاں تضادات ملیں گے، کہیں اقامت دین کو ایک اہم فریضہ قرار دیا جاتا ہے اور میں اسے "خط" سے تعبیر کیا گیا ہے، کبھی ارشاد ہوتا ہے کہ جماعتی زندگی واجب ہے اور کبھی نثری صا دہ ہوتا ہے کہ جماعت دینی امت میں فتنہ کے مترادف ہے، کبھی شرک و کفر کے لفظ اور داعی کی حیثیت اختیار کر لی جاتی ہے تو کبھی جمہوریت کی مخالفت۔ آخریت کے جواز میں سامانِ دوسل صرف کر دیا جاتا ہے۔

ان میں سے بعض ہوشیار حضرات براہِ راست نصب العین پر محمد کرنے کے بجائے ان ذرائع اور وسائل کی مخالفت دیکھ کر دہشت ہیں جو جماعت نے اپنے نصب العین تک پہنچنے کے لئے اختیار کر رکھے ہیں، انہی ذرائع میں سے ایک ذریعہ اختیارات کا اور آج کل کے حالات میں دوسرا ذریعہ جمہوریت کی کامل اور مکمل بحالی کا ہے۔ حالانکہ مقصد بھٹنا نام ہوتا ہے اس کے حصول کے لئے بھی اتنے ہی اہم ہوتے ہیں۔ نماز کا ادا کرنا اگر مقصد ہے تو وضو کرنا، چمک کا پاک رکھنا، بدن اندکپڑوں کا پاک کرنا، یہ سب ذرائع نماز کی تکمیل کا سبب اور ذریعہ بنتے ہیں انتہائی ضروری ہیں۔ پیاس بجھانا اگر مقصد ہے تو اس کے لئے "پانی" کی تلاش اور جستجو کرنا بھی نہ ہے کیونکہ اس کے بغیر پیاس بجھانے کا مقصد پورا ہی نہیں ہو سکتا۔ اگر ملک کا دفاع مقصد ہے اور جہاد یا قتال بھی فرض ہے، اس کے لئے ضروری وسائل اکٹھے کرنا، جنگی سامان جمع کرنا، تباہ کن ہتھیاروں کا مہیا کرنا بھی تو اتنی ہی فرض ہے اگر آپ یہ

سمجھتے ہیں کہ ملک کی اجتماعی زندگی پر خدا کا دین غالب اور یہ مقصد ملک و ملت کے دنیاوی مفاد کے نقطہ نگاہ سے بھی اور خود اپنی آخرت کی کامیابی کے خیال سے بھی۔۔۔ آپ کے نزدیک کسی دہجہ کی بھی اہمیت کا حامل ہے تو اس مقصد کے حصول کا واحد ذریعہ جمہوریت کی کامل اور مکمل بحالی ہے اگر جمہوریت بحالی نہیں ہوتی تو غلبہ دین کا خواب بھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنی تقدیر کا ملہ سے کوئی معجزہ صادر فرما دے تو بات دوسری ہے ورنہ جہاں تک تاریخی تجربات اور انسانی سرچ کا تعلق ہے ان کا فیصلہ یہی ہے کہ جمہوریت کی کامل اور مکمل بحالی ہی وہ لازمی اور ضروری ذریعہ ہے جس کی مدد سے خدا کا دین اس ملک میں حکمران بن سکتا ہے، جو شخص جمہوریت کی راہ میں حامل ہوتا ہے وہ خواہ علم و تقویٰ کے کتنے ہی اونچے برج پر کیوں نہ بیٹھا ہو وہ دراصل خدا کے دین ہی کے غلبہ کی راہ کا سنگ گراں ہے۔

سردست اس بحث کو جانے دیجئے کہ جمہوریت کا پارلیمانی نظام ہمارا مفید مطلب ہے یا اس کا صدارتی نظام۔ اس بحث کو اس سے لیا کہ کوئی اہمیت حاصل نہیں کہ ایک شخص لاہور جانے کے لئے یہ فیصلہ کرے کہ کراچی سے لاہور جانے والی گاڑیوں میں کس گاڑی میں سفر کرنا چاہئے یا بالآخر ٹرین سے جو لاہور تاخیر سے پہنچتی ہے یا خیر میں اور تیز گام کے ذریعے جو لاہور جلد پہنچتی ہیں۔ اس میں اختلاف ملے۔۔۔ ممکن ہے۔۔۔ لیکن اس بات میں ہرگز اختلاف رائے نہیں ہونا چاہئے کہ سرے سے لاہور جانے والی گاڑی ہی پر سفر نہ کیا جائے بلکہ گھر بیٹھ کر، آنکھیں بند کر کے صرف "لاہور لاہور" کی تسبیحیں گھماتے ہیں اور یہ توقع رکھیں کہ کہیں سے کوئی غیبی ہاتھ نمودار ہو کر معجزانہ طور پر پہنچا دے گا۔

جمہوریت! جماعت اسلامی کے نزدیک "جمہوریت" کی بحالی ہی وہ گاڑی ہے جسے ذریعہ بنا کر اسلامی نظام کے غلبہ کی جماعت اسلامی منزل مقصود تک پہنچا جا سکتا ہے۔ پارلیمانی نظام اس منزل تک پہنچنے کے لئے ایک تیز رفتار ذریعہ ہے اور جمہوریت کا صدارتی نظام بھی منزل تک پہنچانے کا ایک صحیح ذریعہ ہے بشرطیکہ جمہوریت ہی کا صدارتی نظام ہو اور یہ توں عملہ اقبال "آمریت کا دیوا ستبداد" جمہوری قیام میں "پائے کو ب" نہ ہو۔

جس جمہوریت کی بحالی کے مطالبہ کی تائید کی سعادت جماعت اسلامی کو حاصل ہے، اس کا بیدار سا دھماکہ مفرم امیر جماعت کے الفاظ میں حسب ذیل ہے۔

"ملک کسی خاص شخص یا طبقہ اور گروہ کا نہیں بلکہ ان تمام لوگوں کا ہے جو اس میں رہتے ہیں، لہذا اس کا نظام ان سب کی یا کم از کم ان کی اکثریت کی مرضی کے مطابق چلنا چاہئے اور اس کا اصول یہ حق اور عدل پر موقوف حاصل ہونا چاہئے کہ اپنے حکمران اپنی آنا د مرضی سے جنہیں اور اپنی آنا د مرضی سے ان کو تبدیل کر سکیں۔ اس تصور کو عملی جامہ پہنانے کی بہت سی مشکلیں دنیا میں آتی ہیں مگر جمہوریت ہی ان کی تسکین بھی ہو سکتی ہیں، بحث اس کی خاص شکل میں نہیں بلکہ اس امر میں ہے کہ جو شکل بھی یہاں اختیار کی جاتی ہے، اس میں جمہوریت کی یہ حقیقت فی الواقع موجود ہوتی ہے یا نہیں اگر یہاں کوئی ایسا نظام قائم کر دیا جائے جس میں باشندگان ملک کی نہیں بلکہ کسی خاص طبقہ کی مرضی کو غلبہ حاصل ہو تو خواہ اس پر کتنے جلی حروف ہیں "جمہوریت" کا سرعنوان لکھ دیا جائے اس پر عام لوگوں کو مطمئن ہونا اور مطمئن رہنا بہر حال ممکن نہیں اور نہ یہ ممکن ہے کہ اسے کامیابی کے ساتھ چلانے کے لئے سب یا اکثر نبدول کا دلی تعاون حاصل ہو سکے۔ ایسے نظام سے

اگر وہ کسی پرستی ہے تو اس طبقہ کو ہو سکتی ہے جس کی مرضی اس میں غالب نہ ہو بلکہ کسی طبقے کی مرضی ہو یہ کہ کسی ملک کی فساد و بربادی کی ضمانت نہیں ہو سکتی بلکہ اس کی عین فطرت میں یہ چیز شامل ہے کہ وہ رفتہ رفتہ عام لوگوں کی دلچسپی کی خدمت میں چلی جاتی ہے یہاں تک کہ یہ تضاد ایک کشمکش میں تبدیل ہو کر رہتا ہے اس نقصان دہ صورت حال میں مبتلا ہونے سے ملک کو بچانا ضروری ہے اور اس کی صورت صرف یہ ہے کہ تمام وہ لوگ جو ملک کے آئندہ نظام کی تشکیل پر اثر انداز ہو سکتے ہیں پہلے جمہوریت کے اصول کو صدق دل سے قبول کر لیں اور پھر نیک نیتی کے ساتھ ایسا نظام بنائیں جس میں اصول

ٹھیک ٹھیک کا نفاذ ہو۔
(ترجمان القرآن - اشاعت اگست ۱۹۵۷ء)

اس کی مزید تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے :-

”جمہوریت کے متعلق میں باسا اہنی تحریروں اور تقریروں میں یہ بات اچھی طرح واضح کر چکا ہوں کہ اسلام میں جمہوریت کا جو پر موجد ہے مگر جمہوریت کے اسلامی تصور اور جمہوریت کے مغربی تصورات میں بڑا فرق ہے۔ اسلام عوام کی لامحدود حاکمیت کا قائل نہیں ہے، بلکہ خدا کی حاکمیت کے تحت عمومی خلافت کا قائل ہے۔ اس عمومی خلافت کے اختیارات چونکہ کسی شخص یا خاندان یا گروہ میں مرکوز نہیں ہوتے بلکہ یہ حیثیت جمعی پوری ملت کو حاصل ہوتے ہیں اور یہی اس کا عجز ہے کہ جس کو چاہے ان اختیارات کے استعمال کے لئے منتخب کرے۔ اس لئے شخصی اور گروہی حکومت سے تمنا نہ کرنے کے لئے اسلام کے طرز حکومت کو جمہوری حکومت کہا جاسکتا ہے یہی اسلام کا مخصوص تصور جمہوریت ہے۔ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ دنیا بھر میں جمہوریت کا ایک ہی معروف اور متفق علیہ تصور مانا جاتا ہے۔ مغرب میں بھی جمہوریت کے مختلف تصورات ہیں۔ مثلاً سرمایہ دارانہ جمہوریت، اشتراکی جمہوریت وغیرہ موجود ہیں۔ ان کے بالمتقابل اسلام کے طرز حکومت کو اسلامی جمہوریت کا نام دیا جاسکتا ہے ای اسلامی جمہوریت کو میں نے فقیر ڈیرا کر سبی کے نام سے تعبیر کیا ہے اس اصطلاح سے بھی مراد جمہوریت ہی کا قسم ہے، جو اسلامی اصولوں پر مبنی ہے“ (ترجمان القرآن فروری ۱۹۵۷ء ص ۱۷۱)

اسلامی جمہوریت کے اس تصور کی مزید وضاحت اپریل ۱۹۵۷ء کے ”ترجمان“ میں ان الفاظ کے ساتھ کی گئی ہے :-

”جب یہ حقیقت مسلم ہے کہ اسلام کا نظام بادشاہت، آمریت، یا محدود مغربی جمہوریت کے تسلط کا منہمکن نہیں ہے بلکہ وہ اصل خدایت پر کام کرتا ہے یعنی اسباب امر کے انتخاب، تفویض و انقضائے اور تصدیق اور میں مسلم سوسائٹی کو باہمی مشورے پر انحصار کرنا چاہئے اور انھوں کی توجہ اصل جہت رہتا ہے میں اسلام کے مفاد کے ساتھ عامۃ المسلمین کے مفاد و مصالح کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی نظام کے ان خاص کو موجدہ دہ کی زبان اور فنی فضا کے لحاظ سے کس طرح بیان کیا جائے۔ ایک شکل نئی اصطلاح وضع کرنے کی ہو سکتی ہے مگر یہ اس صورت میں درست ہوتی جب کہ نئی اصطلاح پہلے سے وضع ہو کر دنیا میں خصوصاً پاکستان میں اپنے مفہوم خاص کے ساتھ جانی جا چکی ہوتی۔ اب نہیں ہوا۔ پھر دوسری شکل یہ رہ جاتی ہے کہ موجودہ الفاظ کو فریاداً حیط

کے ساتھ مستعمل کیا جاتے اور یہی دوسری شکل پاکستان میں اختیار کی گئی ہے "جمہوریہ اسلامیہ" کے الفاظ جمہوریت کو دو اقسام میں بانٹ رہے ہیں — ایک اسلامی دوسرے غیر اسلامی — اور پھر یہ الفاظ پاکستان کے لئے جمہوریت کی اس خالص شکل کو پیش کرتے ہیں جو اسلامی ہے۔
ترجمان القرآن (اپریل ۱۹۶۱ء ص ۵۸)

اسلامی جمہوریت کی نمایاں خصوصیات حسب ذیل ہیں :-

- اقتدار اعلیٰ اور حاکمیت مطلق اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور مسلمان جمہور اللہ تعالیٰ ہی کی مرضی کو نافذ کرنے کے پابند ہیں۔
- نصرت کا بیہ دلی اصول حکم اللہ تعالیٰ الناس بالناس بالحق ہے۔
- سیاست کے تینوں شعبے — انتظامیہ، عدلیہ، مقننہ — کا دائرہ اختیار و فروع طرز پر ملگ ہوگا۔
- شہری آزادیوں اور بنیادی حقوق کی ضمانت اور عدلیہ کا ان کے تحفظ پر قیام رہنا۔
- انتخابات کی آزادی اور اس کی حفاظت کے لئے ایسی قانونی اور انتظامی تدابیر جن سے یہ اطمینان ہو سکے کہ انتخابات نتائج فی الحقیقت راستے عام کے مطابق نکل سکیں گے۔
- قانون کی حکمرانی یعنی یہ امر کہ راہی اور سہا ہا کے لئے ایک ہی قانون ہو اور سب اس کے پابند ہوں اور عدالتوں کو یہ ہد کہ یہ سب سب سے لاکھڑے سے وہ اس کو نافذ کر سکیں۔

● ملازمین حکومت کا خفاء وہ سول سروس سے تعلق رکھتے ہوں یا فوج سے سیاست میں داخل نہ ہوں اور اس ہیئت کی اہمیت قبول نہ کیے باشندوں کی اکثریت آئینی طریقے پر ملک کا اقتدار سونپ دے۔

یہ سارے اصول ایک جمہوری نظام کے ایسے لازم ہیں کہ اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی ساتھ لیا جائے یا ساتھ نہ ہی میں ہی کر دیا جائے تو جمہوریت بے معنی ہو جاتی ہے اور پھر وہی خوابیں ظاہر ہو کر رہتی ہیں جو کسی نہ کسی نوع کے بے نقاب یا نقاب پوشیت سے نہ نما ہوا کرتی ہیں۔
ترجمان القرآن (اگست ۱۹۶۵ء صفحہ ۵۷)

جمہوریت کا یہی وہ تصور ہے جس کے فروغ اور جس کی بحالی کے لئے کوششیں کی جا رہی ہیں۔ فوراً ہی اس تصور میں کڑا پہلو ہے بین الاقوامیت کے نقطہ نگاہ سے ناقابل قبول ہے۔

جو بندگان دین فرماتے ہیں کہ جمہوریت کے اس تصور کو اسلامی نہیں کہا جاسکتا۔ اگر ان کی اس بات کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر تسلیم ہونے لگا کہ ریاست پاکستان کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" — بھی غلط ہے۔ آخر وہ کیا دھڑکتی کہ ہمارے ملک کے علماء کے ایک قابل احترام گروہ نے جمہوریہ پاکستان کے ساتھ "اسلامی" کے لفظ کا اضافہ کیا تھا۔

اس کے علاوہ اعتراض کرنے والے حضرات ہیں جو اکثر جمہوریت کی مختلف اصطلاحات اور ان کے استعمال کے باہمی فرق سے بھی غریب ہیں۔ اس بات کو مولانا محمد قدوسی نے ان الفاظ میں واضح فرمایا ہے :-

— واضح رہے کہ اصل نام انگریزی میں "اسلامک ری پبلک آف پاکستان" تحریر کیا گیا۔ یہی پہلا لفظ جمہوریت کے مقابلہ میں مختلف مفہوم رکھتا ہے۔ جمہوریت کا اطلاق وہاں ہو سکتا ہے جہاں لازماً حاکمیت کا سرچشمہ عوام بول اور مجبور عوام کی مرضی اور ان کی خواہشات نظام زندگی کی تشکیل کریں لیکن یہی پہلا لفظ کے غمزم کا دائرہ وسیع ہے اس کا اطلاق ایسی ریاست اور ایسے معاشرہ پر بھی ہو سکتا ہے

جس کی بنیاد خدا کی حاکمیت کے تصور پر ہو اور عوام بطور خود صاحب حاکمیت نہ ہوں نہ ان کی مرضی اور ان کی خواہشات آخری فیصلہ کن طاقت ہوں۔ لیکن ری پبلک میں اپنی بات نہ دہری ہوتی ہے، عوام کی رائے اور عوام کے مفاد کو نظام حکومت کے کام کرنے میں غفل حاصل ہوتا ہے۔۔۔۔۔ چنانچہ یہ لفظ روس اور چین کی سیاستوں کے لئے بھی اختیار کیا گیا ہے۔ روس سوشلسٹ سویت ری پبلک آف یو سی اے۔ جانتا م گیا نظام زندگی کا اصولی نوعیت سوشلسٹ کے لفظ میں بیان کی گئی ہے اور اس کے طریق عمل کو لفظ ری پبلک سے واضح کیا گیا ہے۔ اسی طرح یہاں نظام زندگی کی اصولی نوعیت "اسلام" سے بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی سموامیت کے پہلو کو نمایاں کرنے کے لئے لفظ "ری پبلک" اختیار کیا گیا ہے۔

(ترجمان القرآن اپریل ۱۹۵۶ء ص ۵۹)

جو حضرات اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ اسلامی جمہوریت کی اصطلاح کا استعمال بالکل ایسا ہے جیسے اسلامی کمیونزم کی اصطلاح انہیں اس مسئلہ پر ایک دوسرے نااہل سے لگا ہوا لڑائی کرنا چاہئے کہ ۱۔ بات متفق علیہ ہے کہ بینک کا مجموعہ نظام غیر اسلامی ہے اس کا سارا دار و مدار سود پر ہے لیکن اگر فرض کیجئے کہ حق اس میں سود کو ختم کر دیا جائے اور اس کے سارے نظام کو مضاربت کے اصول پر مضبوط کیا جائے تو کیا پھر بینک کے اس نظام کو "اسلامی" کہنا غلط ہوگا۔ سی طرف ہم یہ کہ موجودہ شکل میں جو اس سود شامل ہے اس لئے اس کے بعد کے شمع کو غیر اسلامی قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن فرض کیجئے اس نظام میں سے بھی سود کو ختم کر دیا جاتا ہے اور اسے اسلام ہی کے بتاتے ہوئے "معاشرتی تحفظ" یا "کفالت عامہ" کے اصول پر استوار کیا جاتا ہے تو کیا اس اصطلاح و ترمیم کے بعد بھی اسے غیر اسلامی سمجھا قرار دیں گے اور اگر کوئی شخص ایسے بینک کو "اسلامی بینک" اور ایسے جمیہ کو "اسلامی جمیہ" کہے تو آپ اسے یہ کہہ کر دو گونجی گے کہ اسلامی بینک اور اسلامی جمیہ کی اصطلاحیں ایسی ہیں جیسے "اسلامی جگہ" یا "اسلامی شراب خانہ"۔ غور فرمائیے۔ اسلامی بینک کی اصطلاح کے ساتھ "اسلامی بینک" کی اصطلاح کو کیا نسبت ہے۔ اسی طرح اسلامی جمہوریت کی اصطلاح کا اسلامی کمیونزم کی اصطلاح کے ساتھ آٹھ کیا جوتہ ہے۔

جمہوریت کی وجہ سے شمار اقسام جو دنیا میں مختلف نسلوں میں رائج رہی ہیں یا آج کل رائج ہیں ان کی شرابی کے بنیادی اسباب ہر بن ہی ہیں۔ پاکستان میں جس جمہوریت کی بجائی کا مطالعہ کیا جاتا ہے وہ الی ٹیوں اسباب سے پاک ہے، بتوں اسباب کے دھڑہڑ جانے و جھجھک جمہوریت کا "مغربی" تصور بھی مسلمان بن جاتا ہے اور وہ اسباب مولانا مودودی کے الفاظ میں یہ ہیں ۱۔

"اول یہ کہ جمہور کو مختار و مطلق (SOVEREIGN) فرض کریں گیا ہے اور اس بنا پر جمہوریت کہ مطلق العنان بننے کی کوشش کی گئی ہے حالانکہ جب مجائے خود امان کائنات میں مختار مطلق نہیں ہے تو ان لوں پر مشتمل کوئی جمہور کیسے حاکمیت کا اہل ہو سکتا ہے۔ اسی بنا پر مطلق العنان جمہوریت قسم قسم کرنے کی کوشش آخر کار جس چیز پر ختم ہوتی رہی ہے وہ جمہور پر چند آدمیوں کی عملی حاکمیت ہے اسلام پہلے ہی ہم پر اس کا صحیح علاج کر دیتا ہے وہ جمہوریت کو ایک ایسے بینک قانون کا باند بناتا ہے جو کائنات کے اصل حاکم (SOVEREIGN) نے مقرر کیا ہے اس قانون کی پابندی جمہور اور اس کے سربراہ کا عمل کو لازماً کرنی پڑتی ہے اور اس بنا پر وہ مطلق العنانی کے سرے سے پیدا ہی نہیں

ہونے پائی جو بالآخر جمہوریت کی ناکامی کا سبب بنتی ہے۔

دوم یہ کہ کوئی جمہوریت اس وقت تک نہیں چل سکتی جب تک عوام میں اس کا بوجھ بھاری نہ ہو۔ لائق شعور اور مناسب اخلاق نہ ہوں۔ اسلام اسی لئے عام مسلمانوں کو فرداً فرداً تعلیم اور تربیت پر زور دیتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایک فرد مسلمان میں ایمان اور احساسِ ذمہ داری اور اسلام کے بنیادی احکام اور ان کی پابندی کا ارادہ پیدا ہو۔ یہ چیز جتنی کم ہوگی جمہوریت کی کامیابی کے امکانات کم ہوں گے اور جتنی زیادہ ہوگی امکانات اتنے ہی زیادہ ہوں گے۔ سوم یہ کہ جمہوریت کے کامیابی کے ساتھ چلنے کا اخصا ایک میلہ اور مضبوط راستے عام رہے۔ اساس طرح کی سائے عام اسی وقت تک پیدا ہوتی ہے جب معاشرہ اچھا افراد پر مشتمل ہو، ان افراد کو صالح بنیادوں پر ایک اجتماعی نظام میں منسلک کیا گیا ہو اور اس اجتماعی نظام میں آتی طاقت موجود ہو کہ برائی اور بے زچہں چول سکیں اور نیکی اور نیک لوگ ہی اس میں ابھر سکیں اسلام نے اس کے لئے بھی ہم کو تمام ضروری ہدایات دے رکھی ہیں۔

اگر مندرجہ بالا تینوں اسباب فراہم ہو جائیں تو جمہوریت پر عمل درآمد کی مشین بنی خواہ کبھی طرح کی جاتی جائے وہ کامیابی کے ساتھ چل سکتی ہے اور اس مشین بنی کسی جگہ کوئی قیادت محسوس ہو تو اس کی اصلاح کر کے بہتر مشین بنی جاتی جاسکتی ہے اس کے بعد اصلاح اور ارتقاء کے لئے صرف اتنی بات کافی ہے کہ جمہوریت کو تجربے کا موقع ملے تجربات سے تدریجاً ایک ناقص مشین بنی بہتر اصلاح کی طرف متوجہ چلی جائے۔

(ترجمان القرآن جون ۱۹۶۳ء)

یہ ہے جمہوریت کا وہ تصور جس کی بنیاد کے لئے ہمارے ملک میں کوششیں کی جا رہی ہیں اور جس کی تائید کا شرف جماعت اسلامی کو بھی حاصل ہے لیکن بعض رنگین و بے رنگ اس تصور کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ جمہوریت کی کوئی قسم اسلامی نہیں ہو سکتی ہے۔ وہ جمہوریت کے نقطہ کے ساتھ "مغربی" کا اپنی طرف سے اضافہ کر کے جماعت اسلامی پر سناٹا بٹھاکر دیتے اور لوگوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ جماعت اسلامی گمراہ ہو گئی ہے اور اقامت دین کا نصب العین جمہوریت "مغربی" جمہوریت کی داعی اور علمبردار بن کر رہ گئی ہے۔

یہ حضرات جمہوریت کا لفظ کی بجائے پر مختلف انداز میں جو اعتراضات وارد کرتے ہیں ان میں سے ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ اسلام میں حزب اختلاف یا حزب اختلاف کا کوئی تصور ہی نہیں نہ معلوم ان کے اس نظریہ کا اصل مدعا کیا ہے یا نہ کی جمہوری حکومت میں حزب اختلاف کے وجود کوئی الواقع نام جائز سمجھتے ہیں یا اس کی آڑ میں وہ جماعت اسلامی کی دینی حیثیت کو مجروح کرنا چاہتے ہیں کوئی کہیں جانا کہ۔ پاکستان میں جماعت اسلامی ہی وہ واحد تنظیم جماعت ہے جس کے دم قدم سے ملک کی حزب اختلاف کچھ نہ کچھ متحرک ہے۔ یہ مقدس ہستیوں غالباً یہ چاہتی ہیں کہ اپنے علم و توفیق کے زور پر حزب اختلاف ہی کے وجود کو خیر اسلامی قرار دے دیا جائے اگر حزب اختلاف کو بالکل منقطع خلاف اسلام ثابت کر دیا گیا تو جماعت اسلامی کا مرتفع پھر آسانی غیر دینی اور خالصتہً سیاسی ثابت کیا جاسکتا ہے۔

قطع نظر اس بات کے کہ اسلام میں حزب اختلاف کا کوئی تصور ہے یا نہیں پہلے اس بات پر غور کر لیا جائے کہ ان علماء و دین اور عاملین شریعت میں ان بات کو تسلیم کر لیا جائے تو اس نتیجے میں اور کون کون سی باتیں لائے لیں گے کہ ان پر نہیں لگی

حزب اختلاف — اگر آپ ملکی یہ بات تسلیم کر لیں کہ مسلم کے اندر عداوت کی اجازت نہیں تو آپ کو یہ بھی
 لازماً تسلیم کرنی پڑے گی کہ نظام مذہبی کو جتنی بھی لوہیت کا پس منظر ہو — غلط ہو یا صحیح — اس سے اختلاف نہیں
 لیا جاسکتا۔ غلط نظام کی اصلاح اور اسی کے بدلنے کی کوششیں بھی نہیں کی جاسکتیں۔ اس نظام کو جبراً کھڑا یا استبداد کا اس کے خلاف
 اجتماعی طور پر آئینی حدود کے اندر ہتے ہوئے حملے احتجاج بلکہ نا بھی غیر اسلامی فعل ہو گا۔ مگر یہ تصور آپ کو ہلکے سونوں اور
 سادھوں کی زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتا ہے اور ایک مخصوص اور مختصر مذہبی دائرے کو چھوڑ کر زندگی کے اجتماعی دائرے سے قطعی
 لا تعلق رہنے کی ترغیب دیتا ہے۔

— اگر آپ یہ بات تسلیم کر لیں کہ حزب اختلاف کا وجود غیر اسلامی ہے تو دوسری بات آپ کو بھی لازماً تسلیم کرنی پڑے گی کہ حکومت
 کرنے کا حق صرف اور صرف ایک پاسی، ایک خاندان، یا ایک فرد کو ہے۔ جماعتی حق سے ایک شخص کی نہ کسی طرح اقتدار پر قابض ہو گیا اسے
 اطمینان سے حکومت کرنے کا لامحدود خدائی حق مل گیا وہ خود خلیفہ بیٹھے اور دیکھنے کا حق بھی نہیں، وہ اگر ”جن الہی“ تعین کر کے
 نافذ کرے تو کسی حزب اختلاف کی اس کی راہ میں حائل نہیں ہونا چاہیے وہ ال فرد پر جبراً استبداد سے حکومت کرے تو اسے کوئی جبرک
 نہیں کہہ سکتا، کیونکہ جب حزب اختلاف کا وجود غیر اسلامی غیر اقاب اسے مادہ دست بٹلانے اس کی غلطیوں کا احتساب کرنے
 اور اگر وہ درست نہ ہو تو آئینی ضابطے سے امتثال اقتدار کے لئے اب کوئی دوسری منظم طاقت تو ملک کے اندر موجود نہیں اگر کوئی طاقت
 حق تو اسے ہمارے ہندوستان میں غیر اسلامی قرار دے دیا ہے۔ ان ہندوستان میں اس کے اندر خلافت — علم کلام — لائبریری — لٹریچر — اسلام
 میں جمہوریت کے علاوہ آخریت، اخلاقیات اور نظامیت جیسی حکومتوں کو تو جواز کا مدہ حاصل ہو سکتا ہے لیکن جمہوریت کے لئے اسلام
 کے دوسرے ہند میں کیونکہ ہمارے بعض علمائے حزب اختلاف کے وجود کو حرام قرار دے دیا ہے۔ حزب اختلاف اگر نہیں
 ہوگی تو جمہوریت کیا خاک پر پاؤں چڑھے گی! —

— اگر آپ یہ بات تسلیم کر لیں کہ حزب اختلاف کا تصور غیر دینی ہے تو اس کے نتیجے میں آپ کو تیسری بات پر بھی تسلیم کرنی پڑے گی کہ
 تاریخ اسلامی میں شان بن ابیہ اور نہ جاس سے اسلام میں سے جن جن ہندوؤں نے اختلاف کیا، فرما فرما یا انتہائی طور پر اصلاح اور
 انقلاب حکومت کی جس جس لوہیت کی جو کوششیں کیں وہ سب غلط تھیں کیونکہ وہ حاضر کے ان فقہار کا فتویٰ ہے کہ اسلام میں حزب
 اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔ ان ہندوستان میں کہ وہ صدی قریب انیاں اور صدیوں کے آثار کے ایک جھٹکا نہیں ملتا
 میں مذہبی کے ایک مینار کی حیثیت رکھتے ہیں وہ سب کی سب بے حیثیت ہو کر رہ جائیں گے۔ اسلام کی تاریخ دعوت و عزیمت سے ہم
 بے تعلق ہو کر رہ جائیں گے اور ہمارے لئے قابل تقلید نمونے نہیں۔ سراج بن یوسف اور ابن زیاد یا ان کے خوشامدی اور
 حاشیہ بردار علماء عربی بن کر رہ جائیں گے۔

— اگر آپ یہ بات تسلیم کر لیں کہ حزب اختلاف کا وجود اسلام کے مافی ہے اور یہی بات کے اس
 لئے کہنے کا لازمی نتیجہ ہیں آپ تسلیم کر لیں کہ ان کے ساتھ ساتھ آپ یہ بھی بات تسلیم کر لیں گے کہ امر اور نہ صرف انہی میں بلکہ
 کا جوامدہ دین نے قائم کیا ہے اس پر قائم رہنے اور اسے ہر قرار دینے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف حالات میں مختلف نقشے
 ڈالنے کا امتیاز کر کے دئے ہیں ان پر عمل کرنا بھی ناممکن ہو جاتا ہے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر لمحہ اپنے نظام کو درست کرنے کے لئے
 متعدد زبان اور اصول کی خاطر کوششیں کر کے کج روایت فرمائی وہ اس حد تک فلسفہ کی مدد سے طرز العمل سمجھنے پڑے گی۔
 یہ ہیں وہ لازمی نتائج جو ہر شخص کو لازماً ملنے پڑیں گے ہمارے کم فعاؤں کے اس خود ساختہ نظریہ پر ایمان لانے کا سامان کے

ساتھ ساتھ ایک عمل نتیجہ یہ بھی برآمد ہوگا کہ تہذیب و احیائے دین کی ان ساری مساعی پر پانی پھر جائے گا جو پہلے پندہ بیس برس سے اس ملک میں سر نہ دی جا رہی ہیں اور آئندہ کے لئے اصلاح اور انقلاب کی جو کوششیں کی جا رہی ہیں وہ بھی ختم ہو جائیں گی کیونکہ عربی اختلاف کے تصور کو جو شخص خلافت اسلام قرار دیتا ہے وہ جمہوریت کے وجود کی نفی کرتا ہے اور جو جمہوریت کے وجود کا مخالف ہے وہ خواہ زبان سے اس کا اظہار کرے یا نہ کرے خواہ اس کی یہ نیت ہو یا نہ ہو، بالادادہ یا بلا ارادہ — وہ اسلامی نظام کے قیام اور اس کے غلبہ سے اس ملک کو مدد ملے گی۔

اب نہ اس سوال کا جائزہ بھی لے لیا جائے کہ کیا اسلام میں حزب اختلاف کا کوئی تصور ہے بھی یا نہیں اور اگر ہے تو مختلف حالات میں اس پر عمل کرنے کے لئے شریعت نے کیا رہنما کی دی ہے۔

اس موضوع پر حضرت سید اسماعیل شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "منہب امامت" اور محترم مولانا حسن اسلامی نے "اسلامی سیاست میں تہذیب کے حقوق و فرائض" — و اطاعت کی شرائط و حدود — میں اظہار خیال فرمایا ہے۔ ہم ان دونوں بزرگوں کے نقطہ نظر کو مناسب تلخیص کے ساتھ ذیل میں بیان کرتے ہیں۔ جو حضرات اس مسئلہ سے دلچسپی رکھتے ہیں انہیں ہم مشورہ دیں گے اور وہ مندرجہ بالا کتب کا خود بھی مطالعہ کر لیں۔

مسلمانوں کے چھوٹے سوسائے و جماعتات پر حکومتوں کی حقیقی اقسام مستطبی ہیں، ان میں سے سب سے پہلی، سب سے زیادہ باہرکت اور سب سے زیادہ قابل اطاعت حکومت خلافت راشدہ کی حکومت تھی۔ کیا خلافت راشدہ میں، جس کی اطاعت بدل و جان کنی چاہیے، حزب اختلاف کا وجود تھا اور اگر تھا تو خلفاء راشدین نے اس حزب اختلاف کو کس حد تک گوارا کیا اور اس کے لئے کیا حدود و ضوابط مقرر کیے۔ اس کا جواب مولانا امین احسن اصلاہی نے بالوضاحت دیا ہے ان کی ایک تحریر کے مندرجہ ذیل اقتبارات ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ اسلامی حکومت ان اختلافات کو بھی ایک وسیع حد تک اٹھانے کی ہے جو سیاسی نقطہ نظر کے اختلافات، تہذیب کی فطری اور نفسیاتی طرزِ تعقل سے پیدا ہوا کرتے ہیں۔ خلافت راشدہ کے دور میں ان تمام سیاسی اختلافات کو گوارا کیا گیا جو علم و کشف و ہدایتی پیدا کرنے کی کوششوں (VOIENGE) سے پکڑے۔ سیاسی و عوامی کاروبار کے اثبات

یہ ہے کہ خلافت راشدہ کا آغاز ہی انصار و مہاجرین کی دو بڑی پارٹیوں کے امتزاج و ترکیب سے ہوتا ہے۔ انصار کا یہ مطالبہ یہ تھا کہ خلافت کا منصب باری باری انصار و مہاجرین دونوں میں منتقل ہوتا رہے ایک مرتبہ ایک مہاجر خلیفہ ہو دوسری مرتبہ ایک انصاری۔ مہاجرین نے انصار کے اس مطالبہ کے اختلاف کیا جس سے شدید قسم کی نزاع اٹھ کھڑی ہوئی۔ کانڈلیش پیدا ہو گیا۔ لیکن انصار اور مہاجرین کے بڑے لیڈروں کی دماغی لاشیما نے بالآخر معاملے کو سلجھا دیا۔ اور حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت ہو گئی۔ عمر فاروق کے لیڈر محمد بن عبادہ حضرت ابوبکر کی بیعت پر راضی نہیں ہوئے اور ان پر قبائلی عصبیت کا ایسا شدید عودہ پڑا کہ انہوں نے حضرت ابوبکر کے لیے نہ نہ نہ خلافت میں نہ لٹائی کے ہاتھ پر بیعت کی اور نہ ان کی وفات کے بعد حضرت عمر کے ہاتھ پر بیعت کی بلکہ حکم کھلا لیے۔ نظم اطاعت سے بالکل الگ ہے۔

۲۔ اسلامی قانون کی رو سے محمد بن عبادہ کا یہ طرز عمل جاہلیت کا طرز عمل تھا اور ان کے خلاف

حکومت بارہ روٹی کی جاسکتی تھی۔ لیکن سیاسی رسد اداری کا یہ کہل دیکھتے کہ وہ اپنے طے خطے کے ساتھ اپنی ضد پھاڑ سے رہ جاتے ہیں اور کوئی معمولی سے معمولی منرا بھی ان کو نہیں دیتی جاتی :-

”انصار اور جہا برین کی ان دو بڑی پارٹیوں کے علاوہ خود جہا برین کے اندر بھی تین نمایاں پارٹیاں موجود تھیں۔ بنو امیہ کی پارٹی عثمان غنی کی قیادت میں، بنو زہرہ کی پارٹی رسد اور عبدالرحمن بن عوف کی سرکردگی میں، بنو ہاشم کی پارٹی حضرت علی اور عباس بن عبدالمطلب کی رہنمائی میں۔ اور ان میں سے بعض کا اختلاف حکومت کے ساتھ کھلا تھا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر کی حکومت نے انتہائی رسد اداری کے ساتھ اس اختلاف کو ابھیر کیا۔ یہاں تک کہ حضرت علی نے حضرت ابوبکر صدیق کے ماتم کئی بیعتیں تک بیعت نہیں کی لیکن حضرت ابوبکر صدیق نے ان کے خلاف کوئی کار رسدائی فعل اس وجہ سے نہیں کی کہ ان کو علی مرتضیٰ جیسے زبرداد لیڈر سے بدگمانی نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ اس اختلاف رائے کو کسی فتنہ کا ذریعہ بنائیں گے :-

”حضرت عثمان نے اپنے مخالفین اور نکتہ چیزوں کو جس حد تک ابھیر دیا اس کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہر شخص کو علم ہے انہوں نے نہایت مظلومیت کے ساتھ قتل ہو جانا گوارا کر لیا لیکن اپنے مخالفین کو قتل کے نعرے دیا مگر انہیں کیا حال کہ وہ اگر چاہتے تو یہ کر سکتے تھے امدیہ کہنے کا ان کو پہلا حق بھی حاصل تھا“

رسد اداری سیاست میں خیریت کے حقوق و فرائض ص ۳۵

حضرت علی نے حضرت عثمانؓ کی پالیسیوں امدان کے بعض اختلافات سے شدت اختلاف کیا۔ بالآخر وہ خلیفہ سوم کی خدمت میں پہنچے اور ان کے سامنے اپنے اور دوسرے لوگوں کے احساسات سمجھے اور اس موقع پر ان دونوں جلیل القند صحابہ کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس سے بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خلیفہ راشد کی پالیسیوں سے اختلاف بھی کیا جاسکتا ہے امدان کی اصلاح کی کوششیں بھی کی جاسکتی ہیں۔

ایک بار لوگوں نے جمع ہو کر حضرت علی ابن ابی طالب کے سر پر ذمہ داری ڈالی کہ وہ حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر ان سے گفتگو کریں آپ ان کے پاس گئے اور فرمایا :-

”میرے پیچھے حوام میں جنہوں نے مجھ سے آپ کی بات گفتگو کی ہے مگر خدا کی قسم میں کوئی ایسی بات نہیں جانتا جس سے آپ ناواقف ہوں، نہ آپ کو کوئی ایسی بات سمجھا سکتا ہوں جس پر خود آپ کی نظر نہ ہو جو کچھ ہم جانتے ہیں اسے آپ بھی جانتے ہیں کسی بات تک ہماری رسائی آپ سے پہلے نہیں ہوتی کہ ہم آپ کو اس سے آگاہ کر سکیں نہ کوئی بات ایسی ہے جس سے صرف ہم ہی واقف ہوں امداب آپ تک پہنچا نہیں۔۔۔۔۔ لہذا اپنے نفس کے معاملے میں اللہ سے ڈیجئے کہ نہ کہ آپ کو نہ اندھیرے سے روشنی کی طرف لانے کی ضرورت ہے نہ ناواقفیت سے علم کی طرف صبح ماہ بالکل واضح اور کھل ہوئی ہے۔ دین کے فتنات اب بھی قائم ہیں۔ عثمان! جان لو کہ اللہ کے نزدیک سب افضل بندہ وہ امام عادل ہے جس کو خود بھی ہدایت پر چلنا نصیب ہوا اور اس نے دوسروں کو بھی ہدایت کی راہ دکھلائی۔۔۔۔۔“

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا :-

خدا کی قسم میں خوب جانتا تھا کہ لوگ بھی کچھ کہیں گے جو تم نے کہا سنو! خدا کی قسم اگر میری سبکدوشی تم پر ہوتی تو میں تم پر سخت گریز کرتا نہ خوب لگا لانا نہ (عرف طعن چنے کے لئے) اکیلا چھوڑ دیتا۔ میں یہ اعتراض نے کہ نہ کھڑا ہوتا کہ تم نے صلہ بھی کیوں کی؟ کسی حاجت مندی حاجت دانی کیوں کی؟ اللہ کیوں اپنے لوگوں کو خلافت کا منصب دیا جس قسم کے لوگوں کو عہدہ بھی یہ منصب دیا کرتے تھے علی! میں تمہیں خدا کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں کیا تم نہیں جانتے کہ مغیرہ بن شعبہ اس منصب پر فائز تھے؟

حضرت علی نے جواب دیا: "ہاں" (خوب جانتا ہوں) عثمان! جانتے ہوں کہ اسے عمر نے والی بنایا تھا۔

علی! ہاں

عثمان! پھر اگر میں نے رشتہ داری اور قرابت کی وجہ سے ابن عامر کو والی بنایا تو تم اس پر کچھ کہیں خلافت کہتے ہو؟

علی! میں آپ کو بتاتا ہوں کہ حقیقت حال کی ہے۔ عمر نہیں کو والی بناتے تھے ان کا ہوتا ان کے سر پر ہوتا تھا۔ اس کے خلاف ایک حرف بھی ان تک پہنچتا تھا سے خود حاضر ہونے کا حکم دیتے اور پھر معا سے کو آخری حد تک پہنچا کہ دم لیتے۔ یہی چیز ہے جو آپ نہیں کہتے۔ آپ تو فکر نہ فرمائیے! اللہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ نرمی بہتے لگے۔

عثمان! "اللہ تمہارے قربت داروں کے ساتھ بھی تو"

علی! "بلاشبہ ان کا مجھ سے قریبی رشتہ ہے لیکن دوسرے ان سے افضل ہیں"

عثمان! "تم جانتے ہو کہ عمر نے اپنی خلافت کے پورے عہدہ معاویہ کو والی بنائے رکھا پھر میں نے بھی انہیں والی برسرِ کار رکھا۔"

علی! "میں آپ سے خدا کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں آپ جانتے ہیں کہ معاویہ عمر سے اس عہدہ پر ڈرتے تھے جتنا عمر کا ظلم برتا اور ان سے خدا تھا"

عثمان! "ہاں"

علی! اب حدیث حال یہ ہے کہ معاویہ آپ سے رائے لئے بغیر فیصلہ کرتے رہتے ہیں اور آپ کو خبر بھی نہیں ہوتی وہ لوگوں سے کہتے پھر تم میں کہ یہ عثمان کا حکم ہے یہ بات آپ تک پہنچتی ہے مگر آپ معاویہ کی تردید نہیں کرتے۔ (اسلام کا نظام عدل معصومہ یہ قطبِ رحیم ص ۳۵)

اس مکالمہ سے اظہار کیا جا سکتا ہے کہ حضرت

علیؑ نے خلیفہ راشد کی بعض باتوں سے کس طرح اختلاف کیا۔ حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کو بعض اوقات اہلِ یسویاں تبدیل کرنے پر آمادہ کر لیا تھا۔ مگر شورش برپا کرنے والی نہ تھیں اس کا موقع نہ دیا۔

خلافت راشدہ سے عام مسلمانوں کو اختلاف کا حق حاصل تھا چنانچہ خلیفہ اولیٰ نے منصبِ خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالتے

ہی سب سے پہلے جس بات کا اعلان کیا وہ یہ تھی :-

• اگر میں اپنے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دے دوں تو میری مدد کرنا اور کچھ رومی اختیار کرنا تجھے
سیدھا کر دینا •
(اسلام کا نظام عدل ص ۳۳۹ م)

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے خلیفہ کی حیثیت میں لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :-
"اگر میرے اند کوئی بھی دیکھو تو سیدھا کر دینا •"

عامۃ السالین میں سے ایک فرد اٹھ کر ناروق اعظمؐ کو ان الفاظ میں جواب دیتا ہے ۔

• اگر تم نے میرے اند کوئی بھی دیکھی تو اپنی تلوار کی دھار سے تجھے سیدھا کر دیں گے •

حضرت عمرؓ نے اس پر صرف اتنا فرمایا : "اللہ کا شکر ہے جس نے عمرؓ کی رعایا میں ایسے افراد بھی پیدا
کئے جو اسے اپنی تلوار کی دھار سے سیدھا کر سکتے ہیں •"

(اسلام کا نظام عدل ص ۳۱۱ م)

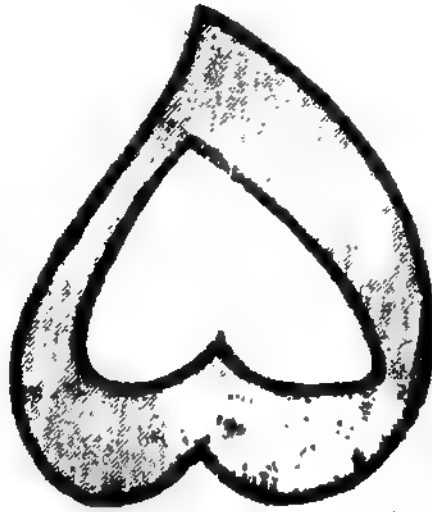
یہ نقد و احتساب کرنے والوں کی گویا حوصلہ افزائی تھی ۔

حضرت علیؓ کے زمانہ میں خوارج کے فتنہ نے سر اٹھایا ۔ لوگ نہ صرف حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور
عمر بن العاصؓ کو دانتہ اسلام سے خارج کر کے انہیں مایوس و قتل سمجھتے تھے بلکہ ان کے نزدیک خلافت کا پورا نظام سراسر کفر و معصیت تھا
اور وہ اپنے نقطہ نظر کے لحاظ سے خوارج کو ایک شیعہ ناپاچ (ANARCHISM) کے علمبردار سمجھتے تھے ان کے اس پی کی اندیشہ عقیدے
کے بارہو حضرت علیؓ نے ان کو پیغام بھیجا کہ تم کو آنا دیکھا میں ہے جہاں چاہو رہو البتہ ہمارے اندیشہ سے وہیں یہ قراءت ہے کہ
ناچار کسی کا خون نہیں بہاؤ گے بلکہ تمہیں پیدا کر دے گا وہ کسی پر ظلم نہیں ڈھائے گا وہ گناہان و اقوال میں سے کوئی بات تم سے سرزد ہوئی تو پھر میں
تمہارے خلاف جنگ کا حکم دے دوں گا ۔
(دولتانہ امین امن اصلاحی محمد باalam)

ان اقتباسات سے ذیل کی باتیں واضح طور پر نمایاں ہوئی ہیں :-

• خلافت راشدہ سے جس کی اطاعت بطیب خاطر ہوتی چاہیے، بھی اختلاف کیا جاسکتا ہے چنانچہ خلافت راشدہ کے دور میں
صرف افراد ہی نہیں بلکہ حکومت کا اختلاف رکھنے والے گروہ بھی موجود تھے، حکومت سے اختلاف کرنے والوں میں صرف معمولی وجہ
کے انسان ہی نہیں تھے بلکہ حضرت سعد بن عبادہؓ اور حضرت ابوسفیانؓ جیسی جلیل القدر ہستیوں بھی تھیں ۔
• اسلامی حکومت نہ صرف تعمیری اختلاف کو گوارا کرتی ہے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی بھی کرتی ہے اور دنیاوی حکومتوں کے برخلاف
اسلامی حکومت ایسا افراد اور گروہوں کے خلاف کسی قسم کی کارروائی نہیں کرتی جن کے نظریات حکومت سے متصادم ہوتے ہوں یا ایسے لوگوں
کو اسلامی حکومت اس وقت تک گوارا کرتی ہے جب تک کہ وہ کھلا آوازہ فساد نہ ہوں جیسا کہ حضرت علیؓ کے طرز عمل سے واضح ہے جو انہوں
نے خوارج کے ساتھ روا رکھا ۔

خلافت راشدہ کے نظام کے درہم برہم ہوجانے کے بعد امت مسلمہ کو لوگیت کی گرفت میں آگئی ۔ چودہ سو سال کے طویل دور کے
دوران امت نے لوگیت اور اس کی مختلف اقسام کے تحت زندگی بسر کی ۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لوگیت کی مختلف اقسام کے تحت ان
سے اطاعت کا معیار کس طرح استوار کیا جائے ۔ کیا اس نظام میں بھی رعایا کو اختلاف اور احتساب کا حق ہے یا نہیں ؟ اگر ہے تو وہ اس
حق کو کس طرح استعمال کرے ؟ اس کا جواب سید اسماعیل شاہ شہید رحمت اللہ علیہ نے تفصیل کے ساتھ تحریر فرمایا ہے اس کی مختصر



آزمودہ دواؤں کا مرکب انساجلین



سر درد - مکر کا درد - دانت کا درد
ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے

یقینی زود اثر اور بے ضرر علاج ہے

Special

۵/۵

عبید اللہ مدنی

ہماری قومی شاعری

قومی کا مفہوم اردو میں ایک عرصہ تک زیر بحث رہا ہے چونکہ قوم سے عام طور پر لیڈپ کی قومی تحریکوں کی طرف ذہن جاتا رہا اور مختلف ازم اس سے ایک وقت ساغنے آجاتے ہیں۔ دورِ حاضر کے پرمودہ ذہن نیشن اور نیشنلزم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جہاں پر اس قسم کی قومیت ادالیں ہی قوم کا تصور دینیائی زمانہ میں ہمارے افکار کا محور بھی رہ چکا ہے سرسید نے اس قومی تصور کو پیش کیا اور بعد کے لیڈروں نے اس میں شکرے لکھائے قومیت کے اس مجرئی تصور اور جامہ تصور سے مسلمانوں کو کالٹنے کے لئے اقبال نے ملت کا نظراستعمال کیا اور ملی ترانہ لکھ کر مسلمانوں کی قومی تحریک میں آفاقی توانائی پیدا کر دی۔

چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا
اس ترانہ نے اردو شاعری میں قومیت اور وطنیت کے جنوں کو پاش پاش کر دیا اور ملت کا تصور پوری اسلامی تحریک اور تاریخ کے ساتھ اردو شاعری میں وارد ہو گیا۔

کا گھوڑی کی پوری سیاست ملت کے تصور کی دشمن ہو گئی اور یہوں کو طرح طرح سے اس تصور سے بٹانے کی کوشش کی گئی اخبارات نے وطن پرستی اور قومیت پر مقالے لکھے اور آخریہ بحث پورے شباب پاس وقت پر پوری جب انہماک نے اپنا یہ قطعہ لکھا۔

سرو و ہر سو منبرِ کلمت از وطن است
چہ بے خبر نہ مقامِ محمد و قومیت
اس قطعہ نے اس بحث کا دو لوگ فیصلہ کر دیا اور مسلمانوں میں ملت کے تصور نے قومیت کے تصور کو تقریباً پوری قوت ملی ترقی پسندی کی تحریک ترقی پسندا یہوں کی تحریک حقیقت میں کیمرسٹ تحریک تھی کیمرسزم اپنی محدود افاقیت کے باوجود ہر کیف آفاقیت کا حامل ہے اس طرح اس تحریک نے انسانیت کے ہر پرچہ کو تاریک کا پرچہ بنا دیا اور اس تبلیغ انسانیت میں چونکہ وہ وطن اور قومیت کے بتوں کا آدرش نہیں دیتے تھے یہی چیز بالاسطہ ہمارے لئے مفید ثابت ہوئی۔

قومیت کے اس تصور سے مسلمانوں کو اس قدر بعد ہو گیا کہ عرب نیشنلزم کو کسی طرح بھی گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئے چنانچہ بعض عرب ادیب پاکستان کے اس رجحان سے متاثر بھی ہوئے اور اکثر ادیب اس تحریک کو آگے بڑھا رہے ہیں؛ حقیقت تو یہ ہے کہ کوئی مسلمان خواہ وہ اپنے اسلامی تصورات اور اس کی آفاقیت سے کتنا ہی بے بہرہ ہو اور اس پر لیڈپ کی تحریکوں اور دہان کی سیاست کا رنگ کتنا ہی غالب آگیا ہو جہاں اس میں خود کو اپنی پیدا ہوئی وہ کسی طرح بھی لیڈپ کے نیشنلزم کو گوارا نہیں کر سکتا بلکہ اس کے گھٹیا اور ملت ہونے کے وجہ سے اس سے نفرت کرنے لگتا ہے انسان کی بلند خیالی، آفاقیت اور انسانیت کے مسئلے نیشنلزم کا چراغ نہیں جل سکتا

اور جب وہ اس کی عمل صورت دیکھتا ہے تو لرزہ جاتا ہے، انسانی روح اس کے تعصب اور تنگی میں گھٹنے ٹکتی ہے اور انسان آزادی کے لئے بے چین ہو جاتا ہے۔

توسیت کا یہ تصور جس کا پرستار یوں ہے کہ اس کی پیداوار نہیں ہے بلکہ انسان کے عروج و زوال کی داستان اس تصور سے وابستہ ہے دنیا میں وہی قسم کے رہنما پیدا ہوئے ہیں۔ جنہوں نے انسانوں کی ترقی کے لئے کوشش کی، ایک تو وہ جنہوں نے ملک اور قوم کی خاطر اشارہ کئے اور اس کی فتح و کامرانی کے لئے خون بہاتے اس میں آپ دنیا کے جلیل القصد بادشاہوں اور حواریں جاں فدا مومنین کو شمار کر سکتے ہیں جن کی تنگ نظری اور تعصب اور خود پرستی نے انسانیت کی تاریخ میں غلط فہمیاں چھوٹی ہیں ان میں آپ لبنان و روم کی جنگ سے سے کہ سکنہ کی شکرگشتی تک اور جیزہ و بلا کو خان کی لڑائیوں سے لے کر عربوں کی لڑائیوں تک کو شمار کر سکتے ہیں اور بیسویں صدی میں تو تمام ہی لڑائیاں اسی قسم کی رہی گئی ہیں، جن میں آفاقیت اور انسانیت کو یکجا کیا ہے نظریات سے کوئی بحث نہیں رہتی بلکہ یہ لڑائیاں ملک گیری وطن پرستی اور حب وطن کی بنیاد پر رہی گئیں، ان لڑائیوں کے فاتح بھی اپنے ظلم و جبر اور ملک گیری کی ہوس میں غلط ہو کر اسی فتنہ بنام ہوسے جس فتنہ جنگ کی ابتدا کرنے والے بنام ہوئے ہیں اور اس سلسلہ آج بھی دنیا میں جاری ہے۔

شامی میں چنگیز و ملاکو کو بھی تعصب دیکھئے گئے ہیں اور آج بھی عام شامیوں کے لئے کرگیا، کانگوار و بیت نامہ کے ہا کو قسم کے لوگوں کی تعریف میں نظمیں لکھ چکے ہیں۔ دوسرے وہ رہنما ہیں جن میں اوتار، فلسفی اور پیروں کے گرد کو شمار کیا جاسکتا ہے جنہوں نے انسانیت کا درس دیا، آفاقیت کی تعلیم دی اور عام ترقی کی شاہراہ تعمیر کی، اس میں تنگ نہیں کہ افغانی مذاہب بھی یہ تصور شروع شروع میں صاف نہیں تھا یا یہ کہتے کہ جب اس تصور نے عملی لباس پہنا اور اس کی تفسیریں اور تعبیریں پیش کی گئیں، شریعت یا قوانین کی شکل اس تصور نے اختیار کی تو بہت محدود ہو گیا، لیکن عملی قوانین، شرائع اور فلسفیوں کی جرح مقدس کے عارضے طے کتا ہوا یہ تصور آٹھ آفاقیت کی اور انسانی ترقی کی وہ شاہراہ تعمیر کرنے میں کامیاب ہو گیا، جس میں انسانی ترقی کی رکاوٹوں کے لئے کوئی گنہگار نہیں ہے یہ تصور ہم انسانوں کے لئے ایک خاندان اور کنبہ سے بیان نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کے لئے ایک جسم نامی کافرو استعمال ہوتا ہے۔

اسد علی شاہی میں دنیا کے اس ترقی یافتہ تخیل کو کس حد تک اپنایا ہے اور تعصب توسیت، وطنیت اور ہوس کے اس جذبہ کو کس حد تک ابھارا گیا ہے جس میں آفاقیت فنا ہو جاتی ہے اور اس ترقی یافتہ ایک جسم نامی کا تین ختم ہو جاتا ہے اس کا اندازہ موجودہ دہ کی شامی کے تجزیہ سے ہو سکتا ہے۔

جنگ ہندوستانی نظریوں کے پہلو میں ۱۹۴۲ء میں لکھی گئیں۔ جب کیمونسٹوں نے انگریزوں سے ساز باز کر لیا اور فرزندش داخلی ہو گئے تو ان ترقی پسند شامیوں نے مجدد آفاقیت کے تصور کو قبول کر لینے کی وجہ سے انسانیت کی حمایت اور ظلم و جبر کے خلاف منظم آواز بلند کیا، اور ان کی منظورات اور عقائد نے اردو میں مقبول بھی ہوئے لیکن ان تناؤں میں ایک بھی ایسا دلپذیر اور اثر انگیز نہیں تھا جو قبل عام حاصل کر کے بقائے دوام اختیار کرے اور انسانی اندوہ نام و خاص ہو جاتا غالباً اس کی وجہ یہی تھی کہ جس جذبے نے ترانے نکھوائے وہ شامیوں کا عقیدہ نہیں تھا اور بغیر ان کے حسن شامی نام ہے عقیدہ کا لہذا یہ ترانے اوپر سے دل سے لکھے گئے اور بعض سپروں کی خاطر لکھے گئے اس لئے بڑے پیچھے لکھے اور شہر تو بن گئے لیکن دل کے پائندہ ہو سکے۔ انہوں نے تصور کا ایک رخ پیش کیا، جنگ کی ہولناکی اور تباہی دکھائی، ظلم و جبر کی تصویر کھینچی، اور انسانیت کی مٹتی ہوئی لکیروں کو ابھارا لیکن ان کے پاس کوئی ایسا عالمگیر ولولہ انگیز جنون پرورد پیغام نہیں تھا جو دونوں گروہ مادیات، مظلوموں کو تڑپا دیتا اور انگریزوں کی مخالفت میں اکٹھا کرتا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جب شامیوں میں تقسیم کے وقت کشت و خون ہوا ہندوستان میں بریت اور ہیمیت کا اندوہا وطن و توسیت کے نام

بہشتیاں اور قہر اچھاڑ دئے گئے تو ترقی پسند دوقوموں میں توازن پیدا کرنے میں مشغول ہو گئے، انصاف کی ترازو لے کر مہائیاں
دونوں میں نصف نصف بانٹنے بیٹھ گئے ان کی تقسیم عمل نے انہیں چھڑکی ایسے شاہکار کی تخلیق سے باز رکھا جو امت جوت بن جانا انہیں
وہ بڑھ کر سنگدل قوم ہو جانا کافر کافر ہی رہے، اور مسلمان مسلمان، کوئی بھی نظم ایسی نہیں ہوئی جو کافر کو مسلمان کر دیتی یا مسلمان کو
دین بنا دیتی۔

غیر ترقی پسند شعرا میں وہ ایک شاعر ایسے ضرور ہوئے جو اپنا رنگ بھول گئے اور ان کی حیرانی نے دنیا کو دلگیر کر دیا جس طرح
سعدی نے کہا تھا۔

چراں قوط سائے شد اندر و شوق کہ یاراں فراموش گردند عشق
جگر مراد آبادی نے اس برہمیت پر کہا تھا،

شعر نہیں ہے جو بھی غزل خواں ہے آج کل

اب آپ ہندوستان پاکستان کی سترو رعدہ جنگ پر نظمیں ادا کرانے اٹھا کر دیکھئے اور انہیں اس نظر سے پرکھئے کہ اس میں
وہ قوم و ملت کے تصور ادا فاقی، یحییٰ سے کس حد تک سمجھ میں ہیں۔

موجودہ قومی ترانوں اور نظموں میں کچھ تو ایسے شاہکار ہیں جن میں پاکستان کی تعمیر کا تصور جھلک رہا ہے جن میں وہی دولت، دُ
جذبہ ہے جو ان نیت کی تعمیر کا کام آتا ہے جن میں نہ سر پر غرور ہے نہ جبر و قہر کی ترغیب ہے نہ لعن و لعن اور عقارت کو بڑھایا گیا ہے
بلکہ انسانی نیت کی سر بلندی، اسلامی جذبہ تعمیر اور توحید یا جہم نامی کی تعریف کی گئی ہے، اس قسم کی نظموں میں آپ رہیں، مروی، مصطفیٰ
تہتم اور محمد ریلوئی کے مقبول ترانوں کو مستحضر رکھتے ہیں۔ دوسرے وہ ترانے ہیں جن میں جوش بھی ہے اور شہسوی کی ٹانگ بھی استس
کی گئی ہے، خیالات کا تسلسل بھی ہے اور مضمون آفرینی بھی، لیکن نہ تو ان ترانوں اور نظموں کو فہریت حاصل ہوتی ہے نہ بھی ان کا وجود باقی
رہے گا۔ ان ترانوں میں بھی جواہر، جواہر کو صرف یہ صفت اور قدم بقدم آگے بڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے ان میں وطن کے گن
گائے گئے ہیں، میدانوں، پہاڑوں، کھیتوں، سبزہ نادر اور مرغزاروں کی تعریف کی گئی ہے اور وطن کے محافظ اور نگہبان کے
تعبید سے شکھے گئے ہیں، لیکن ان تمام اھانے کے باوجود یہ ترانے اور نظمیں بھرتی کی ہیں اور پختہ کاروں کی لکھی ہوئی ہونے کے باوجود
نگوڑوں کی فہرست میں درج ہیں۔ اس لئے یہ جا غار نہیں ہیں، ان میں عقیدے کی گرمی نہیں ہے ان میں وہ روح نہیں ہے جو زندہ
جاوید بنا دیتی ہے بلکہ اس روح کا شائبہ تک نہیں ہے اس لئے کہ اھم وہی سب کچھ لکھا گیا ہے جو ایک پس بکا حب وطن اپنے وطن کے لئے
دوسروں کے دماغ میں لکھ سکتا ہے ان ترانوں اور نظموں میں پاکستان کے عقیدے اور تصور کی روح کا ذکر نہیں ہے یہ عام اور سطحی
خیال تک محدود ہیں جو بے سوچے سمجھنے کی طرح بہر مضمون نگار کے ذہن میں آ جاتا ہے اھم کوئی ایسی فکر انگریز جادو ٹانگی نہیں ہے جس کی
خودت سے ذہن الٹا نہ ترقی اور انبساط فکرس کرے، فتح اور کامرانی سے انبساط اور کشادہ دلی حاصل ہوتی ہے اور جو نظم یا شعر خیال
پر قبضہ کرے اس میں یقین اور اھم پیدا کرے کہ فتح و کامرانی کی کلفت اور انبساط میں حاصل ہو چکا یا بظلم ہے اس لئے کہ اس
میں جہم نامی کا شعور کا سفر ہے یا یوں کہنے کا جہم نامی میں وہ سرایت کر رہی ہے۔

جنگ کے دوران ایک ارب کو میں نے عرب کی مذہب شاہی کا کچھ شعر ترجمہ کرتے ہوئے دیکھا معلوم نہیں انہوں نے اسے ریڈیو
پر نظم میں استعمال کیا یا نہیں، بہر حال یہ کوشش بھی مریضانہ سے کم نہیں تھی جس نے حضرت سلیمان کے لشکر کی دولت کے لئے ٹڈی کی
ایک ٹانگ پیش کی تھی۔

نیت صاحب اگر کسی شاعری کی طرف توجہ کرتے تو کچھ اسچا کلام ہو جاتا لیکن ان کے ساتھ مشکل یہ ہے کہ ان کی شاعری کا مزاج ان کے عقیدے سے ہم آہنگ نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اس جنگ پر فتنے صاحب کچھ نہ لکھ سکے، ان کا عقیدہ فلسفہ محنت کوشی، کوکبی اور مذہبیت کا متقاضی ہے انسان کی شاعری کا مزاج، نرم نہ ہو گا جتنا اس دعا فی فتنے کا طلب گار ہے ان دونوں کے امتزاج سے کبھی مزاج پریم ہو جاتا ہے اور کبھی لفظ پیدا ہو کر ابھام ہو جاتا ہے نہ اپنا عقیدہ چھوڑتے ہیں اور نہ ان کی شاعری اپنا مزاج چھوڑتی ہے۔

قاسم ان کو کوئی شک نہیں اسلام غیر محدود آفاقیت کا دل ہے مگر وہ جائز انداز قری حدود میں وطن اور مذہبیت کے ذکر اور رابطہ تعلق پر توجہ نہیں لگاتا، وطن سے لگاؤ اور محبت پرستش کی حد تک پہنچ جائے تو یہ بہت توجہ دینے کے قابل ہے اسے تنگ دعوت و دعوت کی طرف نہیں اسلام کی طرف دینی چاہئے۔

پاکستان میں بہت سی مذہبی تنظیمیں الہی بھی کئی ہیں جن میں اسلام اور توحید کے ساتھ خط پاکستان کے دفاع پر بھی عوام ابھار لگے ہیں اس ملک کے سبزہ نازد، کھیتوں اور دشت و جبل کی آبرو نہیں بھی گئی ہیں۔ قیہ تعلیمات اور مذہب کے ایسے نمبر ہیں کہ ایک مسلمان کے دل میں کھٹک پیدا کریں۔

جہاں تک "شہرت" کا تعلق ہے ہزاروں اور لاکھوں ادیب اس شاعر شہر نہیں ہوا کرتے، شہرت چندی کے حصے میں آتی ہے، مثلاً وزیر کا ہریان میں شہرت و مقبولیت کے اعتبار سے صوبہ آمل کے چھ سات شاعری تھے جس کے بعد نصف دوم کے ہندوہ میں شاعر و پروفیسر سوم کے اس تعداد سے زیادہ شاعر باقی شعراء کے نام میں تذکرہ میں آکر رہ جاتے ہیں، شہرت ان کو میر تقی میر آتی اب بھی ہوتا ہے کچھ اچھے شعراء کو خط خواہ شہرت نصیب نہیں ہوتی، مثلاً ابان اللہ اکبر الہ آباد کے ات دو حیدر الہ آبادی کو وہ شہرت کہاں ہی ہے جس کے وہ مستحق تھے، ان کا نہایت شعر۔

پڑے میں صورتی اخلاقی قدم نہ چھوڑیں
ہم اس خاک میں مل جائیں گے اٹھانے سے

سینکڑوں غزلوں پر بھاری ہے۔

اسی طرح ہزاروں اور لاکھوں کہ بولی میں چند کہنا ہیں ہی شہرت باقی ہیں، شہرت اور مقبولیت دو متضاد چیزیں ہیں "شہرت" کا لغوی معنی تعداد اور شواہ سے ہے، غزلیں اور نظمیں بھی چند ہی مشہور ہوا کرتی ہیں، شہرت میں مقدار کو بھی دخل ہے کہ "نور سیر" ساری دنیا میں مشہور ہے مگر کوں کہہ سکتا ہے کہ اس میر سے کیا زیادہ بڑے اور قیمتی میر کے خاک کی تہوں میں پوشیدہ نہیں ہیں! شعراء ابھی پر پختہ نہیں ہوئے ہیں، میر تقی میر، کھلاڑی اور سلطان ہوں، شہرت چندی کو میر تقی میر آتی ہے۔ میر تقی میر کی شہرت کسی ایک شخص کا حصہ اور حق ہو کر نہیں رہ جاتی کہ جس شاعری غزلیں اور نظمیں مقبول ہوں، اسی کے ذریعہ نفس بھی شہرت پائیں، اللہ تعالیٰ کی دین اور تقیم ہے کسی کو کچھ اور کسی کو کچھ ملا۔

غزلوں، نظمیں، انجمنوں اور گیتوں کی شہرت اور مقبولیت کا سبب ان چیزوں کی معنویت کے علاوہ اس پر بھی ہے کہ جس کو بھی منظور ہو جائے گا وہ اس سے شہرت حاصل ہو جاتی ہے جسے نہیں ملتا وہ مشہور نہیں ہو جاتا ہے وہ غیر مشہور نزل اور نظم اس مشہور نزل اور نظم سے بہتر بھی کہیں نہ ہو۔

پاکستان میں چند غیر نفعی مشہور ہوئے ہیں وہ شاعرانہ نقطہ نگاہ سے قابل تحریف ہیں گمان کی شہرت کا اصل سبب یہ ہے کہ مرثیہ نے ان کی دلکش "وہیں" بنا دی اور وہ "وہیں" دیکھ کر سے شاعر ہیں، اس پر وہ لکھے چل پڑے اگر بعض دوسرے شاعروں کی مذہبیت

آج کل شعر و ادب کی شہرت کے لئے انہماک اور سلسلے ہیں، فلم اور ٹیلیوے، مگر جب یہ چیزیں نہ تھیں اور اخبارات و رسائل کی تعداد بہت ہی محدود تھی، اس وقت طوائفوں اور قوالوں کے ذریعہ غزلوں کی شہرت ہوتی تھی؛ مثلاً یہ غزل جو نواب اعجاز امام آثر سے منسوب ہے۔

آنکھ والا ترے جو بن کا تماشا دیکھے
دیدہ کرد کو کیا آنے نظر کیا دیکھے

اب سے ساٹھ سال پہلے گانے والوں کے ذریعہ شہر ہوئی،
ہرزا داغ و بوس کے علاوہ آغا شاعر و بڑی اور مضطر خیر آبادی کی غزلیں نصف صدی قبل مغلوں میں گائی جاتی تھیں
پھر نواب نصرت جنگ بہادر جیل کی یہ غزل۔

دیکھا جو حسن یا رب طبیعت چل گئی
آنکھوں کا تھا قصور چھری دلیہ چل گئی

حوافظ کو درو نہ بان اور تماشا بنیوں کی سوز جان تھی۔ چاس سال قبل جو غزلیں بہت نیا وہ شہر تھیں ان میں چند یہ تھیں
مجھے سیح کے احسان سے بچالینا تمہیں نے وعدہ دیا ہے تمہیں دوا دینا
یہی دن ہیں دعا لے لو کسی کے قلب مضطر سے

جوانی آنہیں سکتی مری جاں پھرتے مرے

۴ چہا رہی کالی گھٹا جیرا مورا ابرائے ہے

۵ یہ بت پتھر کے ہیں ترشے ہوئے ذراؤں کے ٹکڑے

۶ میں مرغیہ عشق ہوں میری دوا پر دے میں ہو

اس زمانے میں گراموفون رواج پا چکے تھے، اللہ آباد کی جالنگی بائی، کلکتہ کے بابا صاحب اورنگینہ کے قوال محمد حسین ۱۱
کے بھرے ہوئے دیکارڈوں کی بہت شہرت تھی، یہ صرف دھن اور گانے والے کا کمال تھا کہ۔

۷ میں تو پانی میں کی مینڈکی

جیسے گیت کو محمد حسین نگینہ والے کے گانے کے سبب شہرت میسر آئی!

گراموفون کے دیکارڈوں کے علاوہ اس زمانے میں جو شہرہ فقیر گینیاں تھیں، مثلاً نبی الیفرڈ، حبیب کپٹی وغیرہ
ان میں جو گیت گاتے جاتے تھے وہ بہت جلد شہرہ ہو کر سارے ملک میں پھیل جاتے، مثلاً ان دو گیتوں کو فقیر معمولی شہرست
حاصل ہوتی۔

(۱) چھوٹی بڑی سوسیاں رے! جالی کا مور کا رخصنا

(۲) اب کے بالم پھر نہیں دے آسمانی چوڑیاں

یہ وہ گھٹیا چیزیں ہیں جو صرف دھن کے سبب مقبول اور مشہور ہوتی ہیں۔

یہی وہ زمانہ ہے جب خلافت اللہ کا لگوئیں کی تحریکیں زور پھرتیں اس دور میں یہ نظم جو مرزا طاہر مراد آباد
کی کہی ہوئی ہے بے حد مشہور و مقبول ہوئی۔

بولیں اماں محمد علی کی
جان بیٹا خلافت پہ دیدو
کہ رہے ہیں کراچی کے قیدی
ہم تو جاتے ہیں رو رو برس کو

اور
سہ گاندھی چٹے سے لندن اڑائے دیں گے
پٹیلیں مہرلی اور سیدی سادی ہیں مگر ایک تو ماحول اور فضا کی سازگاری میسر آئی، پھر ان کی "دھنیں کسی نے
خوب لگائیں یہی حال اس نظم کا تھا۔

سہ تیغ سے اور نہ خنجر سے لیں گے
کام اللہ اکبر سے لیں گے
لاکوری ڈکیتی کیس میں جن لوگوں کو پھانسی دی گئی ان میں لاہری پر شاہ حسن خاص مشہور شخصیت تھی ان کی یہ غزل
بہت مشہور ہوئی۔

سرفروشی کی تنہا اب ہمارے دل میں ہے
وقت آنے دیں دکھا دیں گے تجھے اسے آسمان
دیکھنا ہے زور کتنا بازو سے قاتل میں ہے
ہم ابھی سے کیا بتائیں کیا ہمارے دل میں ہے
اور یہ غزل نہ جانے کس شاوکی ہے ان دنوں بہت زیادہ گائی جاتی تھی۔
جانے کیا ساقی کی نظروں نے اُتار کر دیا
نفسِ غریب ہم نے زہد و تقویٰ کر دیا
لطفِ بدایونی کو کون جانتا ہے ان کی شہرت بدایوں اور نواحِ بدایوں سے آگے نہ بڑھ سکی مگر ان کی یہ غزل بدایوں کے
مشہور قوال نتھانے پیران گدیر شریف کے عرس میں جو گائی ہے تو اس چل نکی اور خوب مشہور ہوئی۔
تو وہ میر غوثی ہے اسے جلوۂ جاناں
ہر جگہ ہے ترا بلبل ہر شمع ہے پروانہ

۱۹۳۲ء کے لگ بھگ، قافی بدایونی کی اس غزل —
سہ قافلِ سوزِ غم ہائے نہانی دیکھتے جہاد
نے جڑی شہرت پائی، جگر مراد آبادی کی ایک دہائیوں بہت سی غزلیں شہزادہ مقبول ہویں! اسی زمانے (۱۹۲۲ء-۱۹۲۴ء) میں
سندھ ذیل انتظامیہ کی شہرت کی کوئی حد نہایت نہیں رہی۔

میرے مولا بلال مدینے مجھے
ختمِ جگر تو دے گا نہ جینے مجھے
انہی دنوں ایک صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ میں ایک انگریز لڑکے کو "میرے مولا بلال مدینے مجھے" گاتے
ہوئے سنا، وہ "مدینے" کا لفظ "مدینے" کرتا تھا۔
اب سے تقریباً تیس سال پہلے آخری باقی فیض آبادی نے ہزار لکھنوی کی یہ غزل۔

دلیانہ بنانا ہے تو دلیانہ بنا دے

گائی، اور اس منزل نے شہرت کی تمام حدود کو توڑ دیا۔ فلم "دینت" میں تختہ چارچہ کی قوالی۔

آپس نہ بھریں، شکوے نہ لگئے کچھ بھی نہ زبان سے کام لیا

کی غیر معمولی شہرت نے تختہ کے مستقبل کو کس قدر شاندار بنادیا، کہ راوی چین ہی چین اور چاندی ہی چاندی لکھتا ہے۔

اس نغمے سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ جو چیز مشہور ہوتی ہے وہ لازمی طور پر نیک اور کمتر حیثیت کی ہوتی ہے، نظیر اکبر آبادی

کا۔ "بجاء نامہ" —

سب ٹھٹھاں پڑا رہ جائے گا جب لاو چلے گا بجارہ

گلانے داوں کی گلوکاری کے سبب نہیں بلکہ اپنی شہوانت کے سبب شہر ہوا اسی طرح حال کی پانی پتی کے مدرس اور اقبال کے شکوہ

کی مقبولیت اور شہرت کسی موسیقار کے فن کی رہن منت نہیں ہے؛ غالب اور اقبال یہ تو اس درجہ کے شاعر ہیں کہ خود ان کے کلام

کی بہ دولت موسیقاروں اور فن کاروں کے کمال فن کو چار چاند لگتے ہیں !

لیکن

یہ بھی واقعہ ہے، "دھن" "طرز" "گلوکاری" اور "موسیقی" کے سبب بہت سی معمولی اور پست چیزیں بہت زیادہ مشہور ہوجاتی ہیں !

جناب مجید اللہ قدسی کے مضمون نے اس طرف ذہن کو منتقل کر دیا، ورنہ اس موضوع پر لکھنے کا کبھی خیال ہی نہیں آیا، یہ ایک

سرمزہ ہی جاترہ ہے، کوئی دوسرے صاحب اس پر تحقیق کر کے کچھ لکھیں تو یہ موضوع سے بڑا دلچسپ !

شہرت کا ذکر لکھنا تو خواہر عزیز الحسن مجذوب مرحوم کی غزل کا یہ مطلع یاد آگیا —

تد مجذوب کی خاصان خدا سے پوچھو

شہرت عام تو اک طرح کی رسوائی ہے

طاقت و توانائی کا مکمل کورس

بیوب کبیر خاص الخاص

احصائے تجربہ اور جینی قوتوں کو بحال کرنے والا کستھری، جنرل

نعمت، مقرر سرکشیگ، طاقت، غریبہ، کشتہ جانگ، سہ دھاتہ

قلبی، جین، مرحوم اور مؤثر ترین توانائی اور اسے مرکب۔

ایک ماہ ۱۶-۲ روپے

مستقل فائدہ، تاب امتداد توانائی، فرصت ملتی نکلتی

کامیاب عملی اشارے

فطری ہول، دلچسپ کا منتظر

درجہ کی سکاٹ پیڈ

تربیت کی پکی

ایک ماہ ۱۶-۲ روپے

جس سے بھولے نہیں

اشرف لیبارٹریز پوسٹ بکس نمبر ۱۱۱ لائل پور

دل، دماغ، معدہ، جگر کیلئے

اکسیر

طلحائے شباب خاص

بیوب کبیر خاص

تربیت کی پکی

ایک ماہ ۱۶-۲ روپے

جس سے بھولے نہیں

محرر: جلال الدین لنگی
ترتیب: تہذیب و عادت سرسندی

قربانی کی شرعی حیثیت

پاکستان میں ایک وقت سے تجدید پسند حضرات ایک ہمہ گیر جہم چلا رہے ہیں، جس کا مقصد شرعاً اسلامیہ میں رخنہ اندازی اور تشکیک متل کے متعلق حرام میں شکوک و شبہات کی پیدا کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔

محدثہ چند سالوں سے قربانی کے خلاف جہم کا یہ کھڑا کیا گیا ہے وہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اگرچہ بظاہر یہ تحریک ایک نئی معلوم ہوتی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کی جڑیں بڑی گہرائی میں جا کر اس سلسلہ کو مربوط کیا جاتا تو اس کی گہرائی فرقہ معترضہ کے عقائد سے جائیں گی۔ معترضہ کی اس مدخ کا سبب اپنی فی غلہ سے حریمیت تھی اور موجودہ وہ ہیں اس کی وجہ مغربی تہذیب کی ظہری

چمک و دکھ اس نام نہاد عقلیت پسندی کی کھانا تعلقاً صاحب اس کمتری ہے۔ سماں عظیم پاکستان و ہند میں اس تحریک کو فروغ گزشتہ تیس چالیس سال میں ہمارے آٹھ صدی پہلے تیار شدہ پوری نے اسی قسم کے مسائل پر عبور حاصل سے اختلاف ہی نہیں کیا بلکہ قلمی جدلی شروع کیا اور جو عرض مخالفت میں نماز روزہ اور صوم سے شعائر اسلامی کو ہیکہ و درہی متاثر ہے جو عہد احادیث کو معرض خلاف کا طائر قرار دیا تھا۔ نیاز فقہور کے اس معاندانہ رویہ کی وجہ جہاں ان کا فلسفہ سے اشتغال تھا وہاں ایک نفسیاتی سبب بعض خشک نظر و سخت گیر اساتذہ عارض و فنیہ کا تشدد بھی تھا۔ جس کی وجہ سے موصوف کو طبقہ علماء سے اتنی شدید نفرت ہو گئی کہ وہ کھرے اللہ کھولنے میں امتیاز کرنے کی قوت سے بھی محروم ہو گئے اور انہوں نے علیٰ اکی ہر بات کی مخالفت پر مگر باندھ لی۔ چنانچہ نصف اسلام کی مخالفت کر کے انہوں نے اپنے سخت گیر اساتذہ سے انتقام لینے کی کوشش کی۔ موصوف نے اپنے حالات زندگی مطبوعہ آپ بیتی نمبر رسالہ "نقوش" لاہور میں اسے خود بھی تسلیم کیا ہے ان کا یہ رد عمل ہم سب کے لئے عبرتناک ہے۔

بہر حال نیاز صاحب جب اس تحریک و مخالفت کا مقصد ہی ہر بات میں عموماً کی مخالفت ہے، علاوہ ہر اس امتداد و تفرع اور تقاضے عمر نے بھی ان کے اس جوش کو بڑی حد تک مضبوط کر دیا۔ اگرچہ اب بھی نیاز صاحب کے خیالات میں کوئی نمایاں تغیر نہیں ہوا لیکن باب ان کی مخالفت میں وہ جوش اور تشدد بھی باقی نہیں۔

اس کے بعد اس کے وجود ہی صاحب نے اس تان کو انوکھا کیا، لیکن اس سے بھی لوگ زیادہ متاثر نہ ہوئے، کیونکہ لوگ ایک ہی قسم کے دلائل کو دبا دبا کر کرنا چکے تھے۔

پاکستان بآزغلام احمد حیدر نے پھر اس تحریک کی بنیادیں استوار کرنے کا کوشش کی اور عظیم طور پر اس تحریک کو چلایا۔ موصوف نے

جملہ احادیث نبوی کو دفتر ترجمہ مصنفی قرار دیا اور تمام مسائل کو بلا استناد احادیث قرآن حکیم سے استخراج و مستند کرنے پر زور دیا۔ یہ اگرچہ درست ہے کہ قرآن مجید ایک مکمل اور جامع و مانع کتبہ استوار العمل ہے۔ لیکن مبطل بھی حضور اکرم (رفاءہ موسیٰ) کے اقوال و افعال کی روشنی میں ہی ہر قرآن حکیم کو مکمل سمجھ سکتے ہیں۔ اگرچہ نبوت قرآن عزیمت اور دیگر کتب و صحف مذکورہ بلا واسطہ پیغمبر نازل کر دے جاتے، تاہم لوگ خود ہی تمام احکام کو سمجھ کر ان پر عمل پیرا ہو جاتے۔ لیکن ایسا ممکن نہ تھا کیونکہ اگر احکام خلافتی بلا واسطہ پیغمبر نازل ہوتے تو ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق انھیں ادا کر دیتے کی رائے ایک دوسرے سے مختلف ہوتی اور اس طرح ایک انتہا و خلط پیدا ہو جاتا، جو مقصد ہدایت کے منافی ہوتا۔ چنانچہ تمام کتب و صحف مذکورہ کو انبیاء و مرسلین علیہم السلام پر نازل کیا گیا تاکہ یہ نفوس فاسدہ جو براہ راست ظالمین اور منافق تھے، اپنے اقوال و افعال سے کلام خلافتی کے صحیح مفہوم پر غور سے متعلق مکلف کو آتش کے ہدایت و صلاح کے مقصد کے صحیح معنوں میں پیدا کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی صحیفہ یا کتاب بلا واسطہ پیغمبر نازل نہیں ہوئی۔ چنانچہ دستور خلافتی کے مطابق خدائے ازل کا آخری اور مکمل دستور العمل یعنی قرآن مجید بھی بلا واسطہ نازل ہوا بلکہ اللہ کے بلا واسطہ احادیث کے سے حضور اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب کیا گیا اور اللہ کے کردار کو اسوہ حسنہ قرار دے کر آپ کی عادت کو لازمی اصولین کا جزو لازم تک قرار دیا گیا۔ اس فقرہ کی بحث سے یہ حقیقت ہماری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسوہ رسولی سے اعراض کر کے کوئی شخص قرآن حکیم کے صحیح مطالب سے آشنا نہیں ہو سکتا۔ اور بلا سمجھے اور بوجہ عمل کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ رسول آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے ہمیں اہم احادیث نبوی اور فقہاء و ائمہ کی تشریحات کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ چونکہ اکابر امت اس حقیقت سے یہی طرح باخبر تھے اس لئے انہوں نے صحیح احادیث اور استنباط احکام میں بڑی جگہ رکھ دی۔ احادیث کی صحت کو جانچنے کے لئے اسفند حزم و احتیاط سے کام لیا کہ اس سے زیادہ بشری امکان میں نہیں۔ چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لئے دفاع و قاعدے وضع کیے گئے جو اصول و روایات اور اصول ہدایت کے نام سے معروف ہیں۔

اصول ولایت کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

- ۱۔ کوئی روایت تاریخ مشہور کے خلاف نہ ہو۔
۲۔ وقت حال کے قریب کے خلاف نہ ہو۔
۳۔ اقتضائے عقل و شرع کے خلاف نہ ہو۔
۴۔ رسول اللہ کے اخلاقِ حسنہ کے منافی نہ ہو۔
۵۔ قرآن کریم سے متصادم نہ ہو۔

اصولِ سعادت کو انتہائی بلند معیار تک پہنچانے کے لئے ایک الگ اور مستقل فن ایجاد کیا گیا جو اصلاح میں نئے جہز و توسیع اور معرفت عام میں فنِ رجال کے نام سے مشہور ہے۔ فنِ رجال فنِ انسا۔ یہی ہے متفقین ہے۔ جس کے تحت تمام سادیاں حدیث کے حالات و کوائف پر تحقیق و تدقیق کے ساتھ جمع کئے گئے اور اس ضمن میں کسی روحِ سعادت سے کام نہیں لیا گیا۔ چنانچہ سعادت کے لحاظ سے احادیث کی تعداد قائم قرار دی گئیں۔ جن کی مجمل تشریح درج ذیل ہے۔

- ۱۔ صحیح :- وہ حدیث جس کے راویوں کا پورا سلسلہ نہایت معتبر ہو اور حدیث میں کوئی بات عقائد و درجہ کے خلاف نہ ہو۔
۲۔ حسن :- وہ حدیث جس کے سلسلہ روایات میں کوئی راوی کم درجہ کا ہو یا اسناد نا مکمل ہو۔

- ۳۔ ضعیف ۱۔ وہ حدیث جس کا راوی مشتبہ ہو اور روایت میں کوئی بات مشتبہ ہو۔
 - ۴۔ مدح ۱۔ وہ حدیث جس کے راوی الفاظ رسول کی بجائے کہیں کہیں اپنے الفاظ بعضی استعمل کئے ہوں۔
 - ۵۔ متروک ۱۔ وہ حدیث جس کا ایک ہی راوی ہو اور اس کی روایت ضعیف سمجھی جاتی ہو۔
 - ۶۔ مسند ۱۔ وہ حدیث جس کی روایت کا سلسلہ نہایت معتبر ہو اور غیر منقطع ہو اور کسی حوالی تک پہنچے۔
 - ۷۔ مسلسل الحف ۱۔ وہ حدیث جس کی ہر راوی نے قسم کھا کر ادا کیا ہے یا تھا مگر روایت کم ہو۔
 - ۸۔ عالی ۱۔ وہ حدیث جس کی اسناد یکم اور تھمروں یعنی پہلے اور آخری راوی کے درمیان بہت کم فاصلہ ہو۔
 - ۹۔ متصل ۱۔ وہ حدیث جس کے راویوں کا سلسلہ غیر منقطع ہو۔
 - ۱۰۔ منقطع ۱۔ وہ حدیث جس کے راویوں کا سلسلہ درمیان میں ٹوٹ جائے یعنی تابعین کے طبقہ کا کوئی راوی نہ ہو۔
 - ۱۱۔ موضوع ۱۔ وہ حدیث جو روایات اور اقوال کے لحاظ سے غلط قرار دی جا چکی ہو۔
 - ۱۲۔ مرسل ۱۔ وہ حدیث جس کا راوی کوئی تابعی ہو لیکن یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے کس صحابی سے روایت کی ہے۔
 - ۱۳۔ معنعن ۱۔ وہ حدیث جس کی اسناد صرف سہمی ہوں اور من فلاں ومن فلاں سے روایت کی گئی ہو۔
 - ۱۴۔ بیہم ۱۔ وہ حدیث جس کا کوئی راوی غیر متعین ہو۔
 - ۱۵۔ مترشح ۱۔ وہ حدیث جس کو علیحدہ علیحدہ بہت سے لوگوں نے بیان کیا ہو اور سب معتبر واقعہ ہوں۔
 - ۱۶۔ مشہور ۱۔ وہ حدیث جس کو کم از کم تین معتبر طبقوں کے راویوں نے بیان کیا ہو۔
 - ۱۷۔ سحرینہ ۱۔ وہ حدیث جس کو علیحدہ علیحدہ راویوں نے بیان کیا ہو۔
 - ۱۸۔ احادیث ۱۔ وہ حدیث جس کو ایک ہی راوی نے بیان کیا ہو۔
 - ۱۹۔ غریب مطلق ۱۔ وہ حدیث جس کو صرف ایک تابعی نے بیان کیا ہو۔
 - ۲۰۔ مرفوع ۱۔ وہ حدیث جس میں صحابہ کے اقوال و افعال کے ساتھ رسول اللہ کا ذکر بھی ہو۔
 - ۲۱۔ موقوف ۱۔ وہ حدیث جس میں صرف صحابہ کے اقوال و افعال کا ذکر ہو۔
 - ۲۲۔ مقطوع ۱۔ وہ حدیث جس میں صرف تابعین کے اقوال و افعال کا ذکر ہو۔
- متکین حدیث کو احادیث، برصغیر بڑا اعتراض یہ ہے کہ ان میں ہر طرح کا رطب و بابس بھرا ہوا ہے اس لئے ممکن نہیں کہ ان میں سے کسی کو صحیح یا غلط قرار دیا جائے یہ درست ہے کہ بعض صاحب اللیس قسم کے حضرات نے بت تحقیق احادیث کا ایک آب رنگ کیا اور بعض دفاتر الطبع لوگوں نے وضع احادیث کا کاروبار شروع کر دیا لیکن اخرا اصول و روایت کس مرض کا علاج ہیں۔ اگر روایت احادیث یہ کرتا میان سرزد نہ ہوتی ہوتی تو ان خاص دو معیاروں کو وضع کرنے کی ضرورت کیا ہوتی یہ بھی اس لئے تو وضع ہوئے کہ کھریے اور کھریے کو الگ کیا جاسکے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ احادیث کے صحیح ترین کہلانے والے مجرورون شفاء صحاح ستہ امدان میں سے بھی بالخصوص صحیحین تک موضوع اور ضعیف روایات موجود ہیں، جہاں تمام مجرورون کو ساقط الاعتبار بنا دیتی ہیں۔

یہ اعتراض اگرچہ باوی النظر میں معقول معلوم ہوتا ہے، لیکن غور کیا جائے تو یہ بھی محض اعتراض برائے اعتراض ہی کے سلسلہ میں ہے۔ صحاح ستہ امدان بالخصوص صحیحین میں موضوع اور ضعیف روایات کے ثمری سے ان کی اہمیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ ہر حدیث

سنا تھا اس کی اسناد بھی بیان کر دی گئی تھی۔ جس سے ہر حدیث کی نوعیت واضح ہو جاتی ہے پھر اصول ہدایت کی کسوٹی ہمارے پاس موجود ہے۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ جب جامعین احادیث کے پیش نظر یہ تمام اصول تھے تو انہوں نے اپنے احادیث کے مجموعوں میں کمزور حدیث کی احادیث کیوں شامل کیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر قسم کی احادیث کو قلمبند کر دینے سے ان کا یہ مقصد تھا کہ آئندہ وضع حدیث کا کاروبار بند ہو جائے چنانچہ وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب رہے اور اس کے بعد وضع حدیث کا سلسلہ منقطع ہو گیا کہ جو کہ سب کو معلوم ہو چکا تھا کہ ہر قسم کی احادیث مختلف مجموعوں میں شامل ہو چکی ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد کوئی حدیث ٹھہری نہیں گئی اور اس کے علاوہ اسی طرح ہر قسم کی روایات کے نمونے ہمارے سامنے آ گئے۔ ایسی صورت میں تمام احادیث کو مجموعہ مخرجات قرلو وینا سخت علمی بددیانتی ہے اور حدیث کی حیثیت سے انکار کرنا عند اللہ سے زیادہ نہیں۔ کہیں نہ کھرا اند کوٹا اگ ہو چکا ہے اور جہاں شبہ ہو جائے گا مبیحا ہمارے پاس موجود ہے۔

بہ یہ حضرات چونکہ احادیث سے تو تعلق ختم کر بیٹھے ہیں۔ اس لئے مسائل کے استنباط و استخراج اس کے سرا ان کے پاس کوئی ذریعہ نہیں کہ قرآن حکیم سے مسئلے استخراج کرنے کے لئے اپنی عقل و فہم پر انحصار کریں یہ صحیح ظاہر ہے کہ ہر شخص کی فہم و فکر اور فراست و ذہانت یکساں نہیں ہوتی اس لئے تفسیر بالرائے ایک طرح کا غفلان بن کر رہ گئی ہے اور ہر شخص اپنے ذاتی چال و انگ ٹھکانے میں مصروف ہے جس کا نتیجہ انتشار و خلقت رکے سوا کچھ نہیں۔ حالانکہ اسی انتشار و افتراق سے غلط فہمی کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی تبلیغ کے لئے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کو مبعوث فرمایا تھا اور ان کے کردار کو مثال و نمونہ قرار دے کر اس کی تقلید کو دین کا جزو اول قرار دیا گیا۔ چنانچہ قرآن حکیم کو شائع اسلام مفہم اگر ہم سے الگ کر دینے کے بعد قرآن کا کوئی مقصد ہی باقی نہیں رہتا۔

ہاں تو میں پر دینا صحیحاً ذکر کر رہا تھا کہ انہوں نے تفسیر بالرائے کی ہم کو منظم طور پر چھلایا و شروع شروع میں تو ان کی اس تحریک میں بڑی کشش تھکیس چوری دیکھیں جاتے خودیں بھی اس سے کسی قدر متاثر ہوا اس کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ کل مجھ پڑ لکھنا اور دوسری وجہ یہ کہ انہوں نے اس وقت تک کھن کر حدیث کا انکار نہیں کیا تھا۔ جب بعض علماء نے موصوف کے ان خیالات کو ہدف تنقید بنایا تو میں نے ضروری خیال کیا کہ اس باب میں پر دینا صاحب کی رائے بھی معلوم کرنی چاہئے چنانچہ میں نے ایک خط لکھ کر ان سے دریافت کیا کہ آیا وہ واقعی منکر حدیث ہیں؟ یا ان کی مخالفت ہمارے مخالفت ہمدردی ہے اس کا جواب مجھے یہ ملا کہ پر دینا صاحب صرف موضوعات دینی کے خلاف نہیں اور اپنی احادیث سے انکار کرتے ہیں جو معانی قرآن ہوں یا جن سے شروع اسلام کی فات پر مبنی ہوتی ہو اس جواب سے میں مطمئن ہو گیا اور میں نے علماء کے احتجاج کو ان کی تنگ نظری پر محمول کر کے نظر انداز کر دیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میں نے کھانے والوں میں سے اکثر حضرات باہم دست و گریبان رہتے ہیں۔ لیکن بعد میں پر دینا صاحب اور یادہ مکمل کچھ اور مسائل کا مفہم اب قرار دیا جس سے رسول کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کو جو مقبولیت حاصل ہوئی تھی وہ بڑی صدمہ ختم ہو گئی اور مجھے بھی ان کے تعلق اپنی رائے تبدیل کرنی پڑی۔ ان کے ساتھ اب صرف وہی لوگ رہ گئے ہیں جو دین کو اپنی مرضی کے تابع اور بازیچہ اطفال سمجھتے ہیں، پر دینا صاحب کی اس تحریک کے ابتدائی وعدہ میں ڈاکٹر فہام جیلانی برقی نے بھی دو قرآن اور اسلام لکھ کر ان کی ہمنوائی کی۔ لیکن بعد میں وہ کھنچ گئے اور اس موضوع پر پھر خاموش فرمائی نہیں کی۔ بلکہ میرے ایک خط کے جواب میں موصوف نے جو کچھ لکھا اس سے بچا ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اس مسلک سے رجوع کر لیا ہے۔

ان حالات کے پیش نظر تبدیلی و تبدیلی نے یہ سوچا کہ اس وقت تک اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ جب تک احادیث کا سامنا نہ لیں۔ چنانچہ احادیث کا سامنا کرنے کا مترادف و اتفاق کی ایک اہم چیز چلائی گئی اور عام مسلمانین کو متفق علیہ شہادت اسلامی سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی گئی اس سلسلہ کی ایک کڑی۔ وہ ہم ہے جو قربانی کے خلاف شروع کی گئی۔ چنانچہ چند سال قبل بادشاہی مسجد لاہور کے خطیب غلام مرشد صاحب نے عید الاضحیٰ کی قربانی کے بدلے نقد قسم صدقہ دے دینے کے بجائے فرتویٰ صادر کر دیا عوام اور علماء کے شدید احتجاج پر غلام مرشد صاحب کو تو اپنے فتویٰ کی تکرار اور احادیث کی حرمت نہ ہوتی لیکن اس گروہ کے بعض دوسرے سرخیوں نے قلمی طور پر اس ہم کو جاری رکھا۔ جن میں رحمت اللہ طارق پیش ہیں۔ اس وقت نہ بحث رحمت اللہ طارق کا ایک مضمون ہے۔ جو قربانی کی شرعی حیثیت کے عنوان سے مئی ۱۹۶۵ء کے ماہنامہ "نور" لاہور میں شائع ہوا تھا اس مضمون کے جواب کی ضرورت اس نے محسوس ہوتی کہ مضمون نگار نے قربانی کے خلاف ہم میں احادیث پر ہی۔ آثار و صحابہ۔ و اجماع امت سے بھی استناد کی ہے۔ اسی صحت میں عام ذہن کا اس سے متاثر ہونا لازمی بات ہے اور کچھ لوگ جو قربانی کے باب میں شک و شبہ میں مصروف ہو گئے ہیں۔ اپنے اس مضمون میں طارق صاحب نے زیادہ تر منہ بھریاں اور پورے زور دیا ہے۔

- ۱۔ قربانی واجب نہیں۔ اس کے وجوب کے قائل صرف امام ابوحنیفہؒ ہیں۔ جب کہ دوسرے امام فقہاء و وجوب کے قائل نہیں۔
- ۲۔ قربانی شارب اسلام کا ذاتی فعل ہے جس پر عمل کرنے کی امت پابند نہیں۔
- ۳۔ اگر قربانی سنت ہے تو بھی مستحبات کے درجہ کی سنت ہے جس کے ترک واجباً میں ہر شخص آزاد ہے۔
- ۴۔ صحابہ باجماع اس کے ترک کے معید تھے۔
- ۵۔ صحابہ قربانی کے بدلے بھی قائل تھے۔

۶۔ سیدہ کوثرؓ سے قربانی کا استمال بہت بعد یعنی آخر میں صدی ہجری کی بات ہے اس سے پہلے کسی نے مسلمانوں سے قربانی کا انکار نہیں کیا غلط فہمی انتظام خدا بھی ہو کہ یہ فہم و فہم کے نزدیک شرک الہی العاطفہ کے خاص ہی کا تین نگران تھے پھر یہ بتانے کے لیے یہاں غلط فہم ترک الہی ہے۔ اگرچہ بعض علماء نے اس کے خلاف آواز اٹھائی اور بعض میں مضامین بھی لکھے۔ لیکن ان مضامین کی حیثیت مجموعی تھی اس لئے ان میں اس مضمون میں پیش کردہ دلائل کا پوری طرح احاطہ نہیں ہو سکا اور عام ذہن میں جو شک پیدا ہو گئی تھی وہ پوری طرح دوند ہو سکی۔ جب سے میں نے طارق صاحب کا مضمون دیکھا تھا اسی روز سے اس کا جواب لکھنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ لیکن بوجہ یہ ارادہ یہ تکمیل تک نہ پہنچ سکا اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ میں ایک ایسے مفاد فائدہ مقام پر تھیم چلی جاں کوئی اچھا کتب خانہ نہیں۔ ارد نہ کوئی ایسا عالم ہی موجود ہے جس سے مدد لی جاسکے اور مجھ میں اتنی استطاعت نہیں کہ میں اپنا ذاتی کتب خانہ قائم کر سکوں۔ جو میری تمام ضروریات کو مستحضر ہو۔ ظاہر ہے کہ موصوف نے اپنے مضمون میں جن کتابوں سے حوالے پیش کئے ہیں، جب تک ان کا مطالعہ کر کے اصل و نقل کا مقابلہ نہ کر لیا جائے مضمون کا جواب لکھنا ممکن نہ تھا۔ اس نے علاوہ میری معاشی الجھنیں مجھے اتنی اہمیت ہی کہاں دی تھی کہ وہ بھی کر کے ساتھ اس قسم کے علمی کاموں میں مشغول ہو سکوں۔ چنانچہ میں نے اپنے ایک کرم فرما صاحب جلال دین صاحب شمیم لوگ راجستان بھارت سے اس سلسلہ میں اطلاع چاہی۔ موصوف نے اندازہ ہوا کہ میری ذاتی طبیعت کے باوجود بڑی کاوش اور محنت سے جوابی مضمون لکھ کر مجھے بھیج دیا اور اس میں ترمیم و ترمیم کا ممکن اختیار بھی مجھے تفویض کر دیا۔ اسی اختیار سے کام لیتے ہوئے میں نے اصل مضمون کی ترتیب بجا میں مناسب خیال کیا بدل دیا۔ اس میں کبھی خف و افادہ سے بھی کام لیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ طارق صاحب کے مضمون سے قرآنی کے متعلق جو شبہات پیدا ہو سکتے ہیں یہ مضمون ان کا انکار کر دے گا اور اللہ بھی واضح ہوا ہے کہ موصوف نے غلط جوار

مضمون اپنی ذاتی خواہش کی اتباع میں اپنے عملی تضاد کا جواز تلاش کرنے کے لئے لائینی تاویلات کا سہارا لے کر قرآنی کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ کیونکہ جو لوگ اپنی تمام تر خواہشات کو دینی تقاضوں کے سامنے ختم کر دیتے ہیں وہ قرآنی اصلاحات، مال کے معاملہ میں گریزاؤں، زر کی دہائیوں، تلاش نہیں کیا کرتے ہیں۔ البتہ لوگ کرتے ہیں۔ جو دین کی آڑ میں ذاتی خواہشات کی تکمیل کے بہانے تلاش کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ مضمون نگار کی یہ کوشش اسی دوسرے گروہ کی طرز فکر سے وابستہ ہے۔

آج کے جن کو صرف کا دین کے خارجی اور داخلی پہلو کی نفی مذہبی کرتے ہوئے حقیقتات اور رسوم کو ایک سمجھنا ہی غلط ہے اور پھر حقیقتات کا تعلق دین کے خارجی پہلو سے قائم کرنا ایک بڑا الجھی سے کم نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حقائق مذہب میں اصلاحات اور رسوم کی حیثیت خارجی لباس کی سی ہوتی ہے۔ کیونکہ حقائق کا تعلق قلب و دماغ سے ہوتا ہے اور اصلاحات کا اعضاء و جوارح سے جس طرح جسم و روح کا منظر ہوتا ہے اسی طرح اعمال حقائق کے منظر ہوتے ہیں۔

اس کے باوجود جب تورات جو مضمون نگار کے بیانی کی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کے لئے کسی مسئلہ کی شرعی حیثیت حیثیت کا اسلام سے قطعاً ہونا ہے۔ تاہم حقیقت اس کے برعکس ہے یہ سوال کہ فعل و معاملہ کی شرعی حیثیت کیا ہے صرف اسی شخص کے لئے چینی کرنا ہے جس نے اسلام کو ایک طریقہ اس احساس، طریقہ فکر اور انداز زندگی کی حیثیت سے اپنا لیا جو جس شخص کے منہ سے ہے اسلام صلیبی کر گیا ہو۔ اسی کی زد کے دامن گیر ہو گیا کہ وہ معاملہ میں شرعی حکم معلوم کرے تاکہ اس کا کوئی قدم شرعی احکام کے خلاف نہ اٹھ جائے اس کے برخلاف جس شخص کا تعلق اسلام سے پہلے نام ہوگا۔ اس کو یہ معاملہ میں شرعی حکم معلوم کرنے سے کوئی تعلق ہی نہ ہوگا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مسلمان نہیں تو کیا کوئی کافر یہ معلوم کر سکتا ہے کہ کونسا معاملہ میں اسلام کا کیا حکم ہے اگر صرف کا مشاعرہ ہے کہ جو شخص اسلام کو طرز فکر طریقہ احساس اور انداز زندگی کی حیثیت سے اپنا لیتا ہے اس پر بغیر کب کتاب کے ہر مسئلہ کا شرعی مسئلہ خود بخود منکشف ہو جاتا ہے۔ تو ایسی صورت میں سوائے رسول کریم کے کوئی شخص بھی امت محمدیہ میں مسلم کہلا سکتا ہے۔ کیونکہ احکام شرعی کے منکشف ہونے کا سلسلہ اسی ذاتیات و بات کر کے شروع ہوا ہے۔ صحابہ کرام بھی حضور سے اسلامی بات کی شرعی حیثیت دریافت کیا کرتے تھے، کیا وہ بھی مدد اسلام سے نا آشنا تھے، اگر نہیں تو ایسا اسلام پسندانہ افراد کو جو مسائل کی شرعی حیثیت معلوم کر کے خواہاں ہوئے۔ مدد اسلام سے نا آشنا قرار دینا دین کے ساتھ جو تڑا مذاق اور دنیا دلی نہیں تو اورد کیا ہے یہ کیا حقیقت کو رخ کرنا ہے کہ فائدہ کے نثار نے اسلام کے مایاندل کو نظر ملے اور جن کو دیا ہے حرام ہوں یا حرام کوئی بھی کسی امام مجتہد کی تقلید اس خیال سے نہیں کرتا کہ وہ امام کو رسول اکرم پر ترجیح دیتا ہے بلکہ یہ سمجھ کر تقلید و اتباع کرتا ہے کہ اس امام نے قرآن و احادیث سے دلیل کو سامنے لے کر اس کا استنباط کیا ہے۔ اگر بات، اگر بات کی بات ہے کہ اہل بیت نے اہل بیت سے رسول کو معلوم کرنے کی پیش از پیش سچی کی۔ اسباب طرف سے اس مقصد کے حصول میں کوئی دقیقہ فرو گزشت نہیں کیا اور پھر رسول اکرم سے جو جتنا زیادہ قرب رسانی و روحانی رکھتا ہے وہ اتنا ہی زیادہ ایمانے رسول کو سمجھ سکتا ہے۔ اسی لئے اگر بات کی اگر بات دیکھا جاتا ہے اور ایسا بھی چاہئے۔

فائدہ کا اندازہ شریعت اسلامی کے لئے شرم کی بات نہیں بلکہ غفر کی بات ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ صلوات اللہ علیہ نے ایمانے رسول کو معلوم کرنے کی سچی پہنچ کی اور دقیقہ رکھا سے کام لیا ہے اس ضمن میں جو ان کہیں اختلافات آپا پیدا ہو گیا ہے تو وہ بھی نیک نیتی پر مبنی ہے اور اس کی انال بھی قرآن و احادیث سے دلیل ہی ہے۔ ایسی صورت میں فائدہ کی انال کو ہدف مباحن بنانا انتہا مذہب کی ناشکر گنہگار ہے۔

یہ درست ہے کہ بعض احکام ایسے بھی ہیں جن میں شارع اور امت کے بقیہ افراد کے درمیان کچھ فرق ہے لیکن اس فرق کو معلوم

کہا ہر کس دن اس کا کام نہیں۔ اس فرق کو ائمہ اہل سنت کے بعد ہی نفوس قدسیہ رافضیہ کے کچھ میں جو اسلام کے مزاج خاص اور مسلم اسلامی کے بجز خار کے شکار ہیں اس تہجد کے اہد اب ایسے نفسی معنوں کی طرف معنوں کے آغاز میں طارق صاحب نے ابن رشد کی کتاب "ہدایت المجتہد" کے حوالہ سے یہ عبارت درج کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وجب صیغہ امر سے ہوتا نام ابو حنیفہ کے نزدیک وجب پر دلالت کرے گا۔ لیکن عبادت کا کہنا ہے کہ امام ربوی فرداً فرداً نہیں خواہ بالجہد ان سے سنت محسنہ کا استنساخ ہو سکتا ہے، وجوب وغیرہ کا نہیں۔ اس کے بعد دوسری وضاحت اس طرح ہے کہ

قرآنی کے بارے میں وارد احادیث کا مفہوم متعین کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہی مداحصل اس کی شرعی حیثیت متعین کرنے میں تضاد اور اختلاف کا موجب بنا۔

ہدایت المجتہد کی کتاب..... ماباب اول اس وقت سامنے ہے مگر کہیں بھی ایسی عبارت نظر نہ آئی جس کا یہ ترجمہ یا مفہوم ہو سکے۔ ابن رشد تو خود کتاب کے خطبہ میں فرما رہے ہیں۔

والا حسان فہم منہ الجنم ولفظ العقاب تبد کہ مسمی دا جہا ان فہم منہ الثواب علی الفص والاد
نشقوا العقاب مع الذل مسمی مذبا و

اس سے ظاہر ہے کہ علامہ ابن رشد کی یہ رائے نہیں کہ اس سے صرف سفت کا استنساخ ہی ہو سکتا ہے۔ ابن رشد کی طرف من گھڑت عبارت کو منسوب کرنا اور پھر موصوف کی رائے کے خلاف احادیث کے معنی بیان کر کے اس کا ذمہ داری نہیں ٹھیکرنا حد درجہ کی جسارت ہے۔ امام ابو حنیفہ سے بخلاف ولفظ العقاب کی پامالی عبارت گھڑی جا رہی ہے۔ جس سے یہ سمجھا جائے کہ ابن رشد ایک طرف امام اعظم کو کہتے ہیں اور دوسری طرف عبادت کو یا امام ابو حنیفہ کا شمار علما و علمائے امت میں ہوتا ہی نہیں۔

اس کا تہدی ابن رشد کی اس عبارت "وہذہ حدیث جواس فی الغرض الذی یصححہ فیہ خالا احتیاج بہ ضعیف" کا ترجمہ یہ کیا ہو جو حدیث بھی مقصداً اصل وجوب قرآنی کی طرف رافضیہ مفہوم لیکر نہائی کہنے سے قاصر ہے، اسے (وجوب کی) دلیلیں بنانا ضعیف (اور کمزور اسلوب) ہے۔

توسہ میں وجوب قرآنی اور وجوب کے الفاظ کلمہ کلمات طارق صاحب نے مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ یہ ظاہر ہو سکے کہ ابن رشد وجوب قرآنی کے مفہود میں سے مخاطب ہیں۔ اور کمزوری استدلال کا الزام ان پر عائد کرتے ہیں اگر تو سہ میں وجوب قرآنی اور وجوب کی جگہ عدم وجوب قرآنی اور عدم وجوب کے الفاظ رکھ دیتے جاتیں تو کیا اس سے یہ بھی تو کیا جا سکتا ہے کہ علامہ کا روئے من شکرین و جہت کی طرف ہے آخر طارق صاحب کے پاس اس کا کیا قرینہ ہے، حالانکہ علامہ موصوف نے ایک عام قاعدہ بیان کیا ہے اس وجوب یا عدم وجوب کے متعلق اپنا کوئی فیصلہ نہیں دیا بلکہ دونوں طرف کے دلائل بیان کر کے ہیں ایسی صورت میں ان کو منکرین وجوب کا بھی قرار دیکر سند بنا سکتے ہیں تحقیقی ممانعت کے منافی ہے معنوں نگار نے الحلی کے حوالے سے یہ روایت بیان کی ہے۔

"عن ابی سیرج بن اسد الغفاری قال لقد رايت ابا جکی وعمرہ الضیحات کما ہتت ان یقتدائی بہما یعنی حضرت خلیفہ فرمائے تھے کہ میرا رانا کا شاہد ہے (اور میں نے ہر بار اس کو لوٹ کیا ہے) کہ ابو جکر اور عمر رضی اللہ عنہما اس نہال سے قرآنی کی مکروہ جانتے تھے کہ لوگ ان کی اقتدا کو ضروری سمجھ کر قرآنی کے عادی نہ بن جائیں۔

یہ روایت کئی طریقوں سے مروی ہے اور اس پر ضعیف ہونے کا الزام بھی ہے تاہم اگر صحیح بھی ہو جیسا کہ صاحب بدایہ نے تحریر کیا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخین صاحب احوال زنگی، قرآنی نہیں فرماتے تھے۔ تاکہ لوگ نہ سمجھیں کہ مسرور بن ہشام قرآنی صاحب ہے۔
 وہ سوچنے کی بات ہے کہ اس زمانہ میں وہ قرآنی نہیں کرتے تھے۔ اگر ذی استطاعت ہوتے تو یہ کس طرح ممکن تھا کہ قرآنی کو چھوڑ دیتے
 کیونکہ قرآنی کی فضیلت قرآن مجید میں کمال تک پہنچا ہے جو خود مصنفین نگار نے بھی اس کے وجہ سے انکار کیا ہے اس کی منت ہر خفا اقل
 کیا ہے اگر شیخین رضی اللہ عنہما قرآنی نہیں فرماتے تھے تو ایسا ان کے ذی استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے تھا اور مسرور بن ہشام قرآنی صاحب ہونے
 کا کوئی بھی تاق نہیں ہے۔ اس کے بعد مصنفین نگار نے اعلیٰ سے حضرت ابو مسعود حق بن عمر البندی کا یہ قول مع ترجمہ درج کیا ہے۔

”لقد حمیت عن اروع الاضیاء دانی لمن الیس کہ مخافة من یحسب الناس انها حتمہ واجب“ یعنی بلاشبہ مسلمانوں کی ہمت
 اور یس کے خیال سے قرآنی تک کر دینے کا ارادہ ترک کر چکا ہوں کیونکہ یہ اندیشہ ہے کہ یہ لوگ اسے فردی (مذہبی) اور واجب سمجھیں گے۔
 حالانکہ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ باوجودیکہ کرتب میں سے مقرر ہیں مگر اس اندیشہ سے لوگ قرآنی کو واجب سمجھیں گے۔ یہ نہ اس کے چھوڑ
 دینے کا ارادہ کر لیا ہے۔

اس اثر سے کسی طرح بھی عدم وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ مسرور ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اتنے دوسرے کہ ان پتہ قرآنی صاحب
 ہوتا اور غیر مسرور وجوب کا کوئی بھی تاق نہیں۔ دوسرے یہ کہ کوئی ثابت نہیں لہذا کہ انہوں نے واقعی قرآنی ترک کر دی نیز اس افکے آخری
 فقرے خلاصہ الخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگ مسرور ہونے کے باوجود قرآنی کرنے کے خواہشمند ہیں گے۔

اس کے بعد مصنفین نگار نے اعلیٰ ابن رشد اور ابن حزم کے حوالہ سے حضرت بلال رضی اللہ عنہما بن عباس کے دعاثر نفس
 کلمہ میں جو یہ آیا۔

۱۔ ما کنت ابائی لوضیعتہ ہدایت ولا ان اخذ من الاضیاء، فالصدق بدھ علی مسکین مقتدر فمواحب الی
 من ان اضیاء۔

۲۔ اشتد علیا ومن لعینک فقل هذا اضیاء ابن عباس۔

حضرت بلال کی مرضی کی قرآنی اور حضرت عبداللہ بن عباس کی دوسرے کے گوشت کی قربانی سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس وقت
 مسرور بھی تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ صاحب احوال میں ہونے کے باوجود عید قرآن پرقرآنی کا شوق ہمارے لئے کچھ نہ
 کچھ بعد حدتہ خوب کہنا فردی سمجھتے تھے۔

”من رانی حلال ذی الحجۃ فاما ان لیفعل فلا یأخذ من من مشرب ولا من اقطاع حق لیفعل“

اس حدیث سے فقہانے استدلال کیا ہے کہ چونکہ شرائط قرآنی واجب ہیں اس لئے قرآنی بھی واجب ہے۔

طارق صاحب کا جواب یہ ہے کہ چونکہ قرآنی ہر لم نے ارادہ سے واجب ہے اس لئے واجب یا فرض نہیں ہو سکتی۔ شرائط کی پابندی کا
 طرح ہے جس طرح نفل نماز کے لئے بھی جہاں ان نماز کی پابندی نہ ہو۔

یہ درست ہے کہ بعض شرائط کی پابندی کے باعث کسی عمل کی فرضیت یا وجوب یا استحلال نہیں کیا جاسکتا لیکن اس حدیث :-
 عدم وجوب بھی ثابت نہیں ہوتا اور نہ حدیث میں قرآنی کو لوگوں کی مرضی پر منحصر کیا گیا ہے اس حدیث میں ارادہ کے لفظ سے یہ کی طرح ثابت
 نہیں ہوتا کہ واجب نہیں بلکہ لوگوں کی مرضی پر منحصر ہے واجب یا فرض حالات کے لئے بھی پہلے ارادہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ کسی عبادت
 فرضیت یا وجوب کا فیض نہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ قرآنی پر شخصی یا لحاظ مسرور یا وجوب نہیں جس طرح نماز فرض ہے یا
 مسرور واجب ہے اور مسرور کا مکلف نہیں۔ اس لئے اس حدیث میں ارادہ کے لفظ سے اس کے عدم وجوب یا استحلال نہیں کیا جاسکتا

اس حدیث - من وجد سعۃ فلم یسم یغنی فلا یکتب مصلانا "

ہمارے صاحب کو یہ اعتراض ہے کہ اس کا لفظ سعۃ اللہ بن عباس بن عباس - نہایت صریح و صاف اور ناقابل اعتبار ہے حالانکہ معترض کے لیے یہ ورمش ابن حزم نے ان کو "لیس صریحاً فاللغة" لکھا ہے اور ابن جریر نے "تقریب التہذیب" میں "صدق لفظ" کہا ہے اس نرم صریح کے مقابل میں طارق صاحب کی یہ سخت صریح کوئی وقعت نہیں رکھتی۔

اس کے بعد طارق صاحب نے یہ حدیث - کتب علی النسخ ولسہ یکتب علیہ کہ پیش کر کے اس پر تنقید کی ہے کہ اس کی اسناد میں جعفر الجعفی کتاب ہے بلکہ اصل دیکھ کر کتاب ہے معلوم نہیں معترض کو یہ حدیث پیش کرنے اور اس پر صریح و تنقید کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی کیونکہ یہ حدیث عدم وجوب قرآنی کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہے۔ صریحاً تسلیم ہے کہ یہ حدیث کمزور ہے لہذا اس سے عدم وجوب کے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ اگر یہ حدیث قائلین وجوب کی طرف سے پیش کی جاتی تو اس پر کافی صاحب کی تنقید کا کوئی مقدمہ ہو سکتا تھا۔ موجودہ صورت میں بصورت موجودہ اس پر اعتراض نہ صرف غفلت ہے بلکہ اس سے معترض پر صرف کے مسلک پر بھی زور پڑتی ہے۔

آخر میں معترض نے سورہ کوثر کی آیت - فصل لہم لک والنہی سے استدلال وجوب قرآنی پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے -
"فقطہ کا آخری سہا اسود کوثر میں - فصل لہم لک والنہی کا فقرہ ہے۔ لیکن محدثین کہتے ہیں کہ کوئی لفظ جب مشترک المعانی اور متعدد معانی کا متحمل ہو تو اس سے کسی خاص مفہوم کا تعین کرنا قرآن پر بہتان ہے۔ چنانچہ کسی ایک صحابی سے بھی خبر کے معنی کسی خاص معنی میں منقول نہیں ہوئے۔ مثلاً پہلے مجاہد ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور اسماعیل بن ابی خالد ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ شرط ضرور ادا اس طرح قرآنی کا ثبوت قرآن سے پیش کیا جائے گا۔ اعادنا من شرور انفسنا"

لفظ "غر" قرآنی کرنے اور دیگر معانی میں مشترک ہے اور صاحب مضمون کا کہنا ہے کہ جب کوئی لفظ مشترک المعانی ہو اور متعدد معانی کا متحمل ہو تو اس سے کسی خاص مفہوم کا تعین کرنا قرآن پر بہتان ہے۔

یہ خیال سراسر جاہلانہ ہے۔ قرآن میں عربی ہی ایک مشترک المعانی لفظ استعمال نہیں ہوا، بلکہ متعدد ایسے لفظ موجود ہیں۔ مثلاً لفظ "قر" کے معنی طہر اور حیض دونوں کے ہیں یہ لفظ نہ صرف مشترک المعانی بلکہ متضاد المعانی ہے۔ امام ابو حنیفہ نے اس سے حیض مراد لیا ہے اسامہ ثنونی نے طہر۔ اگر لفظ مشترک کے کوئی مخصوص معنی مراد لیا ہے قرآن پر بہتان ہے تو پھر کلام اللہ میں جتنے الفاظ اس قبیل سے ہیں ان کے کوئی حکم مستخرج نہیں ہو سکتا۔

واقعہ یہ ہے کہ حنفی اصول فقہ کی مد سے لفظ مشترک کے کسی متعین معنی کے اتفاق کا تحقق ہے اس میں توقف کرنا اولیٰ ہے۔ لیکن جہاں تک عمل کا تعلق ہے اولہ واماوات پر خود کرنے کے بعد جو پہلو واضح نظر آئے گا اس پر عمل کیا جائے گا۔ اس لئے "والخر" سے "اور قرآنی کیجئے" کے معنی مراد لے کر قاضی نے قرآن پر بہتان باندھا ہے اس لئے اپنے اصول کے خلاف کوئی کام کیا ہے۔ جب خبر ادا یا قیاس یا باقی و سببی وغیرہ سے مشترک کے ایک معنی متعین کرنے جائیں تو پھر وہ مشترک نہیں رہتا بلکہ اول ہوتا ہے اور اس پر عمل واجب ہوتا ہے، گو غلطی کا احتمال باقی رہتا ہے۔

اگر "خر" کے معنی آیت مذکور میں قرآنی کی بجائے نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنا یا دعا میں سینہ تک ہاتھ اٹھانا لئے جائیں تو کیا طاق صاحب اس کو قرآن پر بہتان سے تعبیر کریں گے۔ کیا "قرو" سے امام ابو حنیفہ نے حیض اور امام ثنونی نے طہر مراد لے کر قرآن پر بہتان باندھا ہے یا دعا بھی عجیب غریب ہے کہ مجاہد ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور اسماعیل بن ابی خالد ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی مرتبہ سورہ کوثر میں "خر" کے

معنی قربانی بیان کئے ہیں۔

نہا ہوا اسماعیل بن ابی خالہ کے نام کے ایک سے زیادہ ملاوی گزرے ہیں۔ اگر مضمون نگار اپنا پتہ بتا دیتے تو معلوم کیا جاسکتا کہ کس نے کس موقع پر کیا کہا۔ بہر حال خود نقلی۔ ابن حزم میں (جس سے مضمون نگار نے اکثر استناد کیا ہے) یہ عبارت درج ہے:-
”و فرک و قول اللہ تعالیٰ (فصل لسبک و احر) نقالی احوالا ضعیفہ“

ابن حزم کی وفات ۵۴۵ھ میں ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچویں صدی کے اوائل میں یہ تفسیر موجود تھی۔ پھر یہ کہا کہ ساتویں یا تھوڑی صدی میں یہ تفسیر چھڑ گیا کہاں تک درست ہے؟ نیز محمد جریر طبری نے حکیم، حسن، انس بن مالک، عطاء، مجاہد اور سعید بن جبیر وغیرہ سے اپنی تفسیر سمعہ کوثر میں جو روایات درج کی ہیں، ان میں یہ تحریر سے قربانی ہی مراد لی گئی ہے۔

ابن حجر کی ذات ۵۶۵ھ یا ۵۷۵ھ میں ہوئی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تیسری صدی میں یہ تفسیر عام تھی۔ انوار التفسیر میں تفسیر قاضی بیضاوی متوفی ۵۸۵ھ میں بھی یہی تفسیر موجود ہے، امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۵ھ اپنی تفسیر کبیر میں اس آیت سے متعلق فرماتے ہیں:- ”وہو قول عامة المفسرین ان الملأ وھونھا البدن“ اور پھر آگے اس تفسیر کی ترجیح کے وجہ بیان کئے ہیں۔

شیخ الاسلام ابوالعباس ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ نے ایک متعلق رسالہ سورہ کوثر کی تفسیر میں لکھا تھا، جس کا اس وقت محمد عبدالرزاق میخ آبادی نے کیا، جو اہل بلک یعنی انشیرالوالہ و روانہ، لاہور سے ۱۳۲۵ھ میں شائع ہوا۔ اس میں بھی شیخ موصوف نے یہ تحریر کے معنی قربانی ہی لئے ہیں۔

فہا یہ مجاہد اور اسماعیل، دونوں ہی حضرات ہیں جن کا ذکر ابن حزم نے صفحہ ۳۵۷ پر کیا ہے اور لکھا ہے:- ”وما فعلہ محمد اقبلہم قال۔ انہما الا ضاحی“ اگر اہل بے نظر ہر حکم و کلمہ انکم تفسیر یا چوتھی صدی ہجری کے ہونے لگے کیونکہ ابن حزم کی ذات ہی ۵۴۵ھ میں ہوئی تھی۔ اس زمانہ میں مجاہد بن جبر خزاز، مجاہد بن یزید خواندہ صفی اور مجاہد بن وردان مدنی گزرے ہیں ان میں سے ایک کو امام ابن حجر مصلحی نے ”تقریب التہذیب“ میں ثقہ و امام تفسیر، دوسرے کو ثقہ و تفسیر کے مصنف کہا ہے ان میں سے پہلے مجاہد سے صحیح اصحاب سنن نے اربعہ دونوں سے شیخین کے علاوہ اربعہ نے دعایت کی ہے اسماعیل بن ابی خالہ کے نام کے بھی ایک سے زیادہ ملاوی اس زمانہ میں گزرے ہیں۔ ان میں سے ایک احمسی اور دوسرے مدنی ہیں پہلے کو ابن حجر نے ”تقریب التہذیب“ میں ثقہ و دوسرے کو مصنف لکھا ہے۔ ان دونوں کے متعلق یہ کہا کہ انہوں نے یہ تحریر کے معنی قربانی بنا کر شورشہ چھڑا ہے، کچھ کم مدنی اہل بیت ان نہیں۔

دیگر مرد سے دفع نظریہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ سمعہ کوثر میں ”واحی“ سے مراد قربانی ہے یا نہیں؟

اور بتایا جا چکا ہے کہ ابن حجر نے غلط تابعین اور تبع تابعین سے روایت کی ہے کہ یہ تحریر سے مراد قربانی ہے ان تیممہ اور بیضاوی اور نیز حاشیہ بیضاوی میں شیخ زادہ نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔ تفسیر جلالین میں بھی ”والنحر“ کے ”لکے“ لکھا ہے۔ امام رازی نے خود شافعی المسک میں اس تفسیر کی ترجیح بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:- ”اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں صلوٰۃ کے ساتھ رکوع کا حکم فرماتا ہے اس لئے یہاں ”نحر“ سے قربانی ہی مراد لینی چاہئے۔ دوسرے یہ کہ اگر ”نحر“ سے سینہ پرانا نہ رکھا وغیرہ

مرد لئے جائیں تو یہ افعال تو خود آدابِ صلوة میں شامل ہیں اس لئے بعد کا عطف کل پر صحیح نہیں ہو گا کیونکہ صلوة کلی ہے اور "نحر" ان معانی میں اس کا جزو نہیں۔ تیسرے یہ کہ "نحر" اپنے دوسرے معانی کی نسبت "نحر الہدن" کے معنی میں نیاہ شہد ہے۔ اس لئے سورہ کثر میں یہی معنی مراد لئے جانے مناسب ہیں۔

ابن مرقوبہ نے سید بن جبر سے روایت کی ہے کہ یہ آیت دوم حدیث میں نازل ہوئی چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز و قربانی اور اونٹوں کی قربانی کی۔ ابن ابی حاتم نے کہا، مگر ہر اور عطا سے روایت کی ہے کہ اس آیت میں قربانی ہی مراد ہے۔ ابن مندہ نے ابن ابی حاتم سے ابن جبر سے کہا، ابن ابی حاتم نے سید بن جبر سے ایسی ہی روایات بیان کی ہیں۔ یہ تفصیلات بیرونی کی۔ روشنی سے یہ دیکھی جا سکتی ہیں۔

اگرچہ ابن حزم اس آیت کی یہ تفسیر نہیں کرتے، لیکن حق شخص "الحملی" تک ہی محدود و منحصر نہیں۔
کہم اللہ کے بعد اب اگر احادیث متعلقہ کا جائزہ بھی لے لیا جائے تو مناسب ہو گا۔

صحیحین میں حضرت جندب بن سفیان الجملی سے روایت ہے: "اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوم افضی قال لا نصاف ذنابا لعلہ وفی یاتح الا ضحیٰ نضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہما ذبحتا قبل ان یصلی فقال من کان ذبح قبل ان یصلی فیدب بک مکانہما اخری ومن لم یدب بک فہم حق صلیت فلیذبح"۔

ایک دوسری روایت صحیحین میں حضرت انس سے ہے کہ: "قال قال النبی صلعم دوم النحر من کان ذبح قبل ان یصلی فلیذبح"۔

سوطی، امام مالک میں عباد بن یحییٰ سے روایت ہے: "ان عودیس بن اشقر ذبح ضحیۃ قبل ان یذبح ویدب ما ضحیٰ دائرہ ذکر رسول اللہ صلعم قاضی ان یذبح"۔

ساقی میں بھی حضرت جندب بن سفیان سے حدیث ہے وہ صحیحین کے مطابق ہے۔
مترجم بالا احادیث سے دو امور واضح ہیں:۔

۱۔ جس نے قبل صلوة قربانی کی، اس پر عادیہ قربانی ضروری ہے۔

۲۔ بعد از صلوة ہر شخص پر قربانی واجب ہے۔

چونکہ دونوں جگہ امر کے پیچھے مستثنیٰ ہیں اس لئے تا وقتیکہ اس کے خلاف کوئی قرینہ نہ پایا جائے ان صیغوں سے وجوب ہی مراد لیا جائے گا۔

امام ابن حزم نے "الحملی" میں یہ تو تسلیم کیا ہے کہ جس شخص نے قبل از صلوة قربانی کی ہو اس پر عادیہ واجب ہے، مگر اس کی وجہ یہ نہیں بتائی کہ نفس قربانی واجب ہے بلکہ یہ کہا ہے کہ یہ عادیہ اسی طرح ہے جس طرح نفس زندہ کو شروع کرنے کے بعد فاسد کرنے سے بائقی بچ کر نہ سڑک دینے سے قضا واجب ہوتی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ مثال صورت حال کے مطابق انہیں بکرنے کے بعد فاسد نہ کر دینا چاہیے۔ ان کی قضا اس لئے واجب ہوتی ہے کہ یہ عبادتیں اپنے تمام شرائط کے ساتھ جن میں وقت بھی شامل ہے، شروع کی گئی تھیں۔ مکمل ہوئی۔ انکار ان کی تکمیل سے پہلے فاسد کر دی گئی تھیں۔ مگر قربانی تو اپنے وقت سے پہلے شروع کی گئی اور وقت سے پہلے ختم کر دی گئی اور کوئی کین فاسد نہیں کیا گیا۔ اس لئے اس پر ان مذکورہ عبادات کی مثال کیونکر صادق آ سکتی ہے اگر کوئی شخص رات ہی

کو منہ شرمناک کے مات ہی کو ختم کر دے یا ربیع الاخر کے پہلے میں ہی شروع کر کے ختم کر دے تو کیا اس پر تضا لازم ہوگی اس کے علاوہ نقل قرآنی کے لئے وقت کی بھی کئی قید نہیں۔ ایسی صورت میں قبل از نماز ہونے والی قرآنی کے اعادہ کا حکم یہ ظاہر کیا ہے کہ بعد قربان کی قرآنی واجب ہے چونکہ تسبیح فی غضب واجب ہے ادا اپنے وقت پر انہیں کی گئی۔ اس لئے اس کے اعادہ کا حکم صادر فرمایا۔

حدیث کے دوسرے ٹکڑے ۱۔ "من لم یصلحین ذبح صحی صلینا فلینذبح" سے جب ابن عزم کی کوئی مقررہ ملائی میں صیغہ امر کے وجہ پر دل ہولہ سے انکار کر دیا چنانچہ کہتے ہیں کہ یہ امر مذہب (استحباب) کے لئے ہے۔ اس کی دلیل یہ دیا ہے کہ اگر کوئی شخص بعد نماز اونٹ کا خر کر دے تو اس پر اس حجاج سے کہ اب اس کو کسی ذبح کی ضرورت نہ ہوگی۔ گو با امام موصوف اس موقع پر بھی "ذبح" کو اس کے لغوی معنی "مگر بیدار" تک ہی محدود کر رکھتے ہیں اور سینہ شگافتن "مک نہیں بڑھائے۔ حالانکہ "فلینذبح" سے منٹے مبارک ہی تھا کہ قرآنی لی جائے۔ "صرح" میں ذبح کے معنی قرآنی بھی دئے گئے ہیں۔ چونکہ اس حدیث کے موقع پر جو ذبح کرنے کا ذکر تھا۔ اس لئے آپ نے موقع کی نسبت کے لحاظ سے یہ لفظ استعمال فرمایا۔ "خود الخلی" میں یہ روایت ہے ۲۔ "من طعن ذکیع انا لربیع عن الحسن بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" اور بالاضافی "اس سے بھی وجہ قرآنی ثابت ہے۔ ابن عزم نے اس حدیث پر صرف انسان کا احقر ہی کیا ہے۔ لیکن ارسال اگر قرون ثلاثہ کے حضرات سے تو ہمارے نزدیک بالائتقان مقبول ہو گا۔ اگر ان قرون کے بعد کے اصحاب کا ارسال ہو تو وہ کسی کے نزدیک تو مقبول ہے، مگر ابن ابان کے نزدیک نہیں ہے۔

اسی طرح صاحب مکی نے مجاہد، یحیٰی، ابو شیبہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ حاجی اور مسافر کے سوا کسی کو ترک قرآنی کی، ہازت نہیں دیتے تھے، چنانچہ اس سے بھی وجہ ہی ثابت ہوتا ہے۔ خاص کلام یہ کہ سمدہ کو ثرا ادا حدیث مذکورہ سے بلاشبہ وجہ قرآنی ثابت ہوتا ہے۔

آخر میں نامناسب نہ ہوگا اگر سر لانا البراء علی سرودہ کی تفسیر تفہیم القرآن سے ایک اقتباس پیش کر دیا جائے۔
 مولانا سرودہ رحمہ اللہ کی آیت "لن ینال اللہ لمحومہا ولا ذوا ذہا ولكن ینالہ التقویٰ منکم"۔ کن اذت
 مستحقا لکم لیتکبر واللہ علی ما ھذا کہ

کی تفسیر میں رقمطراز ہیں ہے۔ یعنی اس کی جزائی اور عینری اور اہل عمل سے اس کا احلان و اظہار کر دے۔ یہ حکم قرآنی کی غرض اہل سنت کی طرف اشارہ ہے۔ قرآنی صرف اسی لئے واجب نہیں کی گئی کہ یہ تسخیر حیوانات پر لاندہ کا شک یہ ہے، بلکہ اس لئے بھی واجب کی گئی ہے کہ جس کے یہ جان نہیں ادا جس نے انہیں ہمارے لئے مسخر کیا ہے، اس کے حقوق، لنگانہ کا ہر دل سے بھی اور مکمل بھی اعتراف کریں۔ تاکہ ہمیں کبھی یہ بھول لاحق نہ ہو جائے کہ یہ سب کچھ ہمارا اپنا مال ہے اسی مغموں کو وہ فقرہ ادا کرتا ہے جو قرآنی کے وقت کہا جاتا ہے کہ "اللہم منہ ورت" "خدا یا تیری، مال ہے اور تیرے لئے حاضر ہے۔

اس مقام پر یہ جان لینا چاہئے کہ اس پر اگر ارف میں قرآنی کا جو حکم دیا گیا ہے۔ وہ صرف حاجیوں کے لئے ہی نہیں۔ اور صرف مکہ میں حج ہی کے موقع پر ادا کر کے لئے نہیں ہے بلکہ تمام ذی استطاعت مسلمانوں کے لئے عام ہے تاکہ وہ تسخیر حیوانات کی محنت پر شک یہ اندیشہ کا فرض بھی ادا کریں اسی ساتھ اپنے مقامات پر حاجیوں کے شریک حال بھی ہو جائیں۔ حج کی سعادت میری آتی۔ یہی، کہ اگر حج کے دنوں میں ساری دنیا کے مسلمان وہ کام کو کر رہے ہوں۔ جو حاجی جو بیت اللہ میں کریں۔ اس مغموں کی تصریح

متعدد صحیح احادیث میں ماحول ہوتا ہے اور کثرت معتبر روایات سے بھی ثابت ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود عینہ طیبہ کے پورے زمانہ قیام میں برساتی بقرہ کے موقعہ پر قرآنی کتب رہے اور سنانوں میں آپ ہی کی سنت سے یہ طریق جاری ہوا۔ مسند احمد و ابن ابی شیبہ کی روایت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

من وجد منة فلم يضع فلا يقرب مطلقا -
جو شخص استطاعت رکھتا ہوا دیکھ کر قرآنی نہ کرے وہ ہر عید گاہ کے قریب نہ آئے۔

اس روایت کے تمام راوی ائمہ ہیں۔ محدثین میں صرف اس امر پر اختلاف ہے کہ یہ مرفوعہ روایات ہے یا موقوفہ۔ ترمذی کی روایت ہے:-

اقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینہ عشر سنين یعنی:-
نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں دس سال رہے اور ہر سال عید گاہ کرتے رہے۔

بخاری میں حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بقرہ عید کے روز فرمایا:-
من كان ذبح قبل الصلوة فليعد ومن ذبح بعد الصلوة فقد تمته نسكه واصاب سنة المسلمين -
جو شخص نے عید کی نماز سے پہلے ذبح کر لیا، اسے دوبارہ قربانی کرنا چاہیے اور جو شخص نے نماز کے بعد قربانی کی اس کی قربانی پہنچا ہو گئی اس نے مسلمانوں کا طریقہ پالیا۔

اسی معلوم ہے کہ کویم المنز کو عید میں کوئی نماز الی نہیں ہوتی جس سے پہلے قربانی کی سنت مسلمین کے خلاف ہو۔ اور چہرہ کرنا مطابق لہذا لا محالہ یہ ارشاد مدینہ میں ہی ہوا نہ کہ حج کے موقعہ پر مکہ میں۔

مسلم میں جابر بن عبد اللہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں بقرہ عید کی نماز پڑھائی اور بعض لوگوں نے یہ کہہ کر قربانی کر چکے ہیں، اپنی اپنی قربانیاں کر لیں اس پر آپ نے حکم دیا کہ مجھ سے پہلے جن لوگوں نے قربانی کر لی ہے وہ پھر ادا نہ کریں! پس یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ بقرہ عید کے روز جو قربانی عام مسلمان دیتا ہے اس کے لئے یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر سنت ہے البتہ اگر اختلاف ہے تو اس امر میں کہ آیا یہ واجب ہے یا صرف سنت۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام محمد، روایت کے مطابق امام ابو یوسف بھی اس کو واجب جانتے ہیں اگر امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک یہ صرف سنت مسلمین ہے ابو یوسف کی لکھی ہوئی اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کوئی نہ کرے تو مضائقہ نہیں۔ تاہم علماء راست میں سے کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں اگر تمام مسلمان متفق ہرگز سے چھوڑ دیں تب بھی کوئی مضافہ نہیں یہ نئی آچھ حرف ہمارے زمانہ کے بعض لوگوں کو سر جھی ہے۔
لئے ان کا نفس ہی قرآن بھی ہے اور سنت بھی۔

اگر مضمون نگار نیک نیتی کے ساتھ حق کے جوا ہیں تو ان واضح اور روشن دلائل سے ان کا احسن ہر جانا چاہئے لیکن محض اعتراض ہلکتے اعتراض اور تفصیل عات المسلمین ہے لوگ بات ہے تاہم اس مضمون سے قارئین کو اتنا فہم معلوم ہو کہ طاری صاحب نے غلط جوابوں اور غلط تعبیرات سے کام لے کر اہل مفہم کو کتنا توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے اور یہی اس مفہم مقصوداتی ہے۔

محمد زکریا مائل

اندلس پر ایک طائرانہ نظر

یادش بخیر جب کبھی اسلامی اندلس کی یاد آجاتی ہے تو بے اختیار دل ٹپپنے لگتا ہے اندکی شاعر کا یہ مصرعہ زبان پر جاری ہو جاتا ہے

ہما بھی رہا ہے اس چمن میں آستیاں بیوں

یقیناً، جبے ایک لمحے کے لئے سنا آجاتا ہے دنیا کے انقلابات، اس کی بے ثباتی اور عروج و زوال کے مناظر حشیم قصود کے آگے فلموں کی طرح گردش کرنے لگتے ہیں اور بے ساختہ رونے کو ہی چاہتا ہے۔ آخر مزایگانہ چنگیزی کا یہ شعر حافظ میں ابھر کر فی الجملہ کسی کا سا اہمیا کرتا ہے۔

سہ یکساں کبھی کسی کی نہ گزری نہائے میں

یادش بخیر بیٹھے تھے کل آستیاں نے میں

یوں تو اس آستیاں کو اجڑے ہوئے صدیاں گزرتی ہیں مگر بعض وقت بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے پچھلے کل ہی یہ ساخو دنیا سے اسلام پر گزرتا ہے۔ خیر اب کہ انکم آتنا لہذا نہیں چاہتے کہ کبھی کبھی اس قصہ پایہ نہ کیا دیکھ کے داخلے سینہ کو آزار دہنے کی کوشش کی جاتے۔ چنانچہ یہ مختصر مضمون اسی قسم کی ایک کوشش ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلامی اندلس پر عربی زبان میں اس کثرت سے کتابیں لکھی جا چکی ہیں کہ ان کا احصاء کرنی آسان کام نہیں۔ اگر ان کتابوں کا لغتاری کتبے کی کوشش کی جائے۔ تو ایک اچھی خاصی ضخیم کتاب تیار ہو جائے گی اس کے لئے متعدد لہجہ کی زبانوں میں اندلیات کے موضوع پر بہت کثرت سے کتابیں لکھی گئیں مثلاً جنسی، فلسفی، انجینیئر اور اطوری زبانوں کے ادبی خزائن، ان علمی و تاریخی جہازات سے، لہذا یہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان گنج خانے کو نمایاں تک رسائی ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ اس لئے انہیں پھوڑ کر اگر صرف اردو زبان میں اندلس سے متعلق کثیر المقداد تراجم اور تالیفات کے مطالعہ پر اکتفا کیا جائے تو اس کے لئے بھی خاص وقت و کار ہوگا۔ مجبوراً ان کی شرح و تفصیل سے بھی صرف نظر کرتا ہوں اور صرف ایک جدید ترین عربی ماخذ "الموسمۃ الذہبیہ" کو سامنے رکھ کر ایک مضمون قارئین کے لئے پیش کر رہا ہوں۔ اس سلسلے میں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ خدا کو جب کوئی کام بنانا منظور ہوتا ہے تو بقول۔

علامہ اقبال مرحوم سے

یاسوں لگے کیسے کو صنم خانے سے

اکثر و بیشتر غیر مسلم حضرات شہودی یا غیر شہودی طور پر اسلام کی کوئی نہ کوئی اہم خدمت انجام دیتے نظر آتے ہیں۔ الموسمۃ الذہبیہ کے نگار نے انسائیکلو پیڈیا امریکہ کے علمی اداکاروں کے زیر اہتمام بارہ مضمونیں عربی زبان میں مرتب ہوئی ہیں۔ اس مجموعہ کے لئے جس فراخ دلی سے بہترین طباعت اور جلد بندی وغیرہ کا قابل رنگ انتظام کیا گیا ہے اس کی بے ساختہ داد دینا پڑتی ہے۔ اب یہ کہنا اہم بات ہے کہ اس مجموعہ میں اندلس پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اندلیات کے موضوع پر دنیا میں سے ایک نظر کا مصداق ہے یقیناً اندلس پر اس سے کہیں زیادہ تفصیل اور بے نقصی کے ساتھ لکھا جاسکتا تھا، امریکی اعانت کے زیر سرپرستی اپنی علمی خدمت کا سرا انجام پانا بھی دلی شکر گزاری کا مستحق ہے۔ من

لعل لیک انہی لم یشک اللہ۔ اب آئندہ سطور میں حوالہ بالا مضمون ملاحظہ ہو۔

کوئی بارہ سو برس پہلے کا واقعہ ہے جب اسلامی فتوحات کا دائرہ مشرق اوسط میں وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا تھا اس زمانے میں مسلمانوں نے بہت بڑی قوت پیدا کر لی تھی۔ بحر متوسط کی مشرقی جانب میں اسی اعلیٰ افریقہ کے شمال میں جو آٹھ سو واقع تھے ان پر عربوں کا قبضہ و تسلط قائم تھا یہاں تک کہ وہ جبل الطاق (جبل الطاق) کو عبور کر کے اسیانیا (اسپین) میں داخل ہوئے اور وہیں روم کا مذہم کی مغربی حکومت کو شکست دے کر اپنی حکومت قائم کی پھر شمال البرانس میں جا پہنچے اس زمانے کی نظر میں ان پہاڑوں کے اس بارے کے علاقوں پر پڑیں تو ان کی افواج نے فرانس پر تاخت کی جہاں زمانے میں بلاد فانی (مال گنری) کے نام سے مشہور تھا۔ لیکن ان اطراف میں اسلامی فتوحات کا سیل بے پناہ شہر تھوڑے ہی پر پہنچ کر ٹھہر گیا۔ اس لئے کہ بلاد فانی کے وزیر خاں راجہ شامل مارشل (چارلس مارشل) نے اس مقام پر اسلامی افواج کو آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔

اندلس کے عرب اندلس کے اصلی باشندوں اور عرب فاتحین کا ایک ملا جلا مرکب تھے۔ اسپین پر عربوں کی حکومت پر یہاں جس قائم رہی جو مدنی و انصاف میں بہت ممتاز تھی۔ اس دوران میں انہوں نے اس ملک کی ترقی اور صفاء و بہبود میں نمایاں حصہ لیا اور کئی شاہ گشتی کو بڑی کامیابی سے منتقل کیا۔ یہ کوئی ایسی حیرت کی بات نہیں ہے اس لئے کہ عرب اس زمانے میں ریاضیات، فلکیات، نجوم و طب میں استاد تھے۔ انہوں نے یونانی زبان کے مدئے کو عربی زبان میں منتقل کر کے اس کی خاطر خواہ حفاظت کی تھی۔ عربوں نے عربی زبان کے بہت الفاظ عربی زبان میں داخل کئے مثلاً الجبر، کیمیا، الکون، الکونین، دکان، دکان، قلعہ (کوکر) مشرب (شرب) اسی طرح انہوں نے مشرق کی بہت سی مصنوعات اور ہنر میں منتقل کیں جن میں کاغذ، لہا، سب سے نیا وہ اہمیت رکھتا ہے اسپین کے بھارتی تجارتی سامان افریقہ اور ایشیا میں بھی پہنچاتے رہتے تھے،

عربوں نے اسپین میں بہت سے شہروں کی بنیاد رکھی جن میں قرطبہ سب سے نیا وہ قابل ذکر ہے وہ اس زمانے کے عظیم ترین شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ اس شہر میں تین ہزار مسجدیں، تین سو گزایں حمام، یونیورسٹی اور بہت سے خوب صورت محل تھے۔ اس شہر میں ایک ہزار سے زیادہ کتاب خانے جو خوش نما عربی فرش و فرش اور خوش انداز دے وغیرہ بنا کئے تھے۔

غزنا طہ بھی عظیم الشان عربی شہروں میں سے تھا جس میں اندلس کی مشہور ترین عمارت قصر الحمراء واقع تھی۔

جب یہاں مسلمانوں پر زوال آیا تو ان کے آخری قلعے غزنا طہ کے ختم ہونے پر ۱۴۹۲ء میں ان کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا یہ زمانہ کہ اس سفر سے پہلے کا ہے جس میں اس نے پہلی مرتبہ امریکہ کو دریافت کیا تھا۔

(الموسمۃ الذہبیہ، دہلی ان سیکو پٹیا)

بہ حضور سرور کائنات

نردوں کو کیا ہمسرہ نور شید جہاں تاب
 ہر نگہ سرورہ کو کیا گوہر نایاب
 پہنچے ہیں ترے نور سے کیا کیا خض و خاشاک
 اے صاحبِ لولاک
 ہے نقشِ کعبہ پاترا تاروں کی جبین پر
 احسان ترے نور کا ہے ماہِ مبین پر
 تابندہ ترے قدموں سے ہے عرصہٴ افلاک
 اے صاحبِ لولاک
 ہے غمخیز تجھے تقریباً اے شاہِ دو عالم
 اے ختمِ رسل، مادی دین، خلقِ مجسم
 سرورہ ہے مری آنکھ کا پاؤں کی تری خاک
 اے صاحبِ لولاک
 تو رحمتِ عالم ہے، دو عالم کا انبیا ہے
 تو صاحبِ معراج ہے محبوبِ خدا ہے
 کیا سمجھے گا رتبہٴ ترا، انسان کا ادراک
 اے صاحبِ لولاک

جاوید احسن۔

کس کے پر تو سے رہ دہر میں جلوہ افشاں
 کس کے صدقے میں ستاروں نے ضیا پائی ہے
 اک تری ذات زمانے میں ہے "کن" کا مقصود
 اک ترے نور سے ہے انجمنِ آرائی ہے
 بشریت کی حقیقت شبِ معراج کھلی
 "سایہ تک ساتھ نہیں کیا تری یکتائی ہے

ماہر القادری۔

کیا مدینہ سے بھی پیغام کوئی لائی ہے
 یا نسیمِ شہری یوں ہی پہلی آئی ہے

مسٹر اے۔ کے بروہی ایڈووکیٹ

روح انتخاب

میری گزارش یہ ہے کہ ہماری تعلیم کاہوں ہیں "اسلامیات" کا موصوفہ اسلام کا کلی نصب العین ہونا چاہیے۔ کاہوں کی تلاش ہمارا کمر ہے۔ ایک ہی دفعہ جان دے دینا آسان ہے۔ لیکن جاہلیت کے خلاف مسلسل جنگ کرنا اور چھوٹے چھوٹے قیمرلوں کے علی الرغم کلمہ حق کا اعلان کرنا میرے نزدیک یہ جہت، الہی کا ایک برتر اور بلند تر مظہر ہے۔

اسلامیات کے بارے میں مزید ایک غلط فہمی یہ ہے کہ اسے بعض اوقات محض تعابیر قرآن، انتخاب حدیث اور قدیم کتب فقہ کے مطالعے تک محدود کر لیا جاتا ہے یہ بھی صحیح اسلامی نقطہ نظر نہیں ہے۔ طبیعات، علم کیمیا، علم الحیات، ریاضی، فلکیات، زراعت، طب، قانون، تاریخ وغیرہ کا مطالعہ بھی اگر اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر کیا جائے کہ فروع کی زندگی پر گہرا اور پختہ تفہیم کے لئے فائدہ اتحاد و تساہل ثابت ہو تو یہ مطالعہ بھی اسلامیات ہی کا ایک حصہ ہے۔

اسلامی طرز حیات میں دین و دنیا کے باہمی کوئی منافات و تیناف نہ ہیں ہے۔ اسلام میں قیصر کا حق قیصر کو ادا کرنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہاں قیصر کا کچھ سرے سے ہی نہیں، سب کچھ اللہ کا ہے، اسلام قیصریت کا مخالف ہے، کیونکہ قیصر اس راہ میں کاؤ ہے جس پر سچ کرانی اپنے خدا تک پہنچتا ہے۔ ہر شکل میں برائی کا مقابلہ بھاد ہے اور اللہ کی کھنڈاؤ کی تاریخ درحقیقت شریکے خلاف بھاد کی تدبیر ہے۔ جان دینے والوں نے اپنی جانب اسی لئے دی ہیں کہ سبیل اللہ کے موانع و قدروں اور اللہ کے بندے کو مستقیم ہر گناہ میں ہر گناہی منزل پر مقصود تک رسائی حاصل کریں۔ قیصر شاہراہ عام ہر ایک شگ گراں ہے۔ زیادہ سے زیادہ وہ ایک جاہل گمشدگی کی ضحکہ خیز نام دے سکتا ہے لیکن اگر وہ خدا کے قانون کے بجائے اپنا قانون چلائے اور اس طرح خدائی قانون کے خلاف جنگ کرے تو خدائی قانون کے مطابق اس کا رستے سے ہٹا یا جائے گا مفہوم ہر چکا ہے۔ تمام قیام و صبر و تہجد و ریاضت پر عین غلط کی حیثیت رکھتے ہیں اور کسی نوع و خانہ اندک کہ ان کے بغیر ان کا مٹ جانا یقینی ہے۔ اسلام اپنے نظام میں قیصر کو تسلیم نہیں کرتا کیونکہ حاکمیت اور پادشاہی اللہ کے لئے ہے، ولہذا مافی السموات و مافی الارض زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اللہ کی ملکیت ہے تمام طاقت و اقتدار اسی کے لئے ہے اس میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔

اس لئے اس دم کے طالب علم کو متنبہ رہنے کی ضرورت ہے کہ دینی و غیر دینی کی تفریق کا مہیا نظریہ تسلیم نہیں کرنا چاہیے۔ یہی زندگی ایک وقت ہے اور مشیت الہی سے وجود میں آئی ہے اس میں ہر ایک اجزاء کا کوئی دخل نہیں ایک مسلم اس کا کوئی عصب و ارگم جوئی کے ساتھ اپنے اسلامی نصب العین سے ہمکنار ہونا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت و عبودیت کے جذبے میں سرشار ہو کر تحصیل علم کا کام کرنا چاہئے۔

اس طریقے سے نہ صرف اس کی انفرادی تکمیل ہوگی بلکہ وہ خودی انسانیت کو ان بے راہ رویوں سے بچائے گا جو خدا کے حقوق اور قیصر کے حقوق کی مصنوعی تفریق کا نتیجہ ہیں۔

وقت کی پکار یہی ہے حالات کا تقاضا یہی ہے خوش بخت اور خوش نصیب میں وہ مردان کار جو اس پکار کو سنیں اور اپنی سیم جڑوں کے درپے سے اس اعلیٰ و ارفع نصب العین کو حاصل کریں جس کے لئے انسانیت آفاقی تخلیق سے اب تک لڑتی چلی آ رہی ہے۔

ہماری نظر میں

أنحاء السکن
الی من یطالع
اعلاء السنن

از۔ مولانا غفر احمد عثمانی متاخری، ضمانت لمہ صفحات (شہادۂ دیدہ ریپبلک) ،
قیمت پچھروپے ، (علاوہ محصور لڈاک)

لکھنے کا پتہ۔ دارالعلوم اسلامیہ، شندوہہ یار (مخبر پاکستان)

جناب مولانا غفر احمد عثمانی متاخری نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

قدس سرہ کے ایما سے بلکہ ان کی زیر ہدایت و نگرانی - اعلاء السنن کی متعدد جلدیں مرتب فرمائی

تھیں، جن میں پوری شرح و بسط اور عقلی و فطری دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ فقہ حنفی کا کوئی مسئلہ کتاب و سنت کا مخالف نہیں
ہے! یہ کتاب راہنما و السکن، جس پر تبصرہ کیا جا رہا ہے، اسی معرکہ آما تالیف (اعلاء السنن) کا مقدمہ ہے، جس پر حضرت مولانا
اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے (جمادی الآخرہ ۱۳۲۶ھ میں) جو کلمات تحسین فرمائے ہیں، ان سے اس مقدمہ کا آغاز ہوتا ہے
اس کے بعد شاہناہ الکرخری رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر ملے گی۔

اس کتاب کے شروع میں احادیث نبوی کے اقسام سے مفصل بحث کی گئی ہے۔ یہ کہ متواتر کیا ہے، بشہود و غیرہ کے کہتے ہیں ،
ارب لہ تدبیر سے کیا مراد ہے، رفع و نفع، وصال و قطع کا حدیث کی بحیثیت میں کیا مقام ہے؟ احادیث میں حدیث کو شریعت میں
حجت سمجھتے ہیں، اس کو ثابت کرنے کے لئے۔ مراسیل پر بھی تفصیل کے ساتھ سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے، جو صحیح کیا ہے؟ تعدیل کی کیا
تعریف ہے؟ - ہذا حدیث منکرہ کہ کہ مستعدین اور متاخرین کیا مراد بتیجہ ہیں؟ - انہ لیس شیء کی اصطلاح کے کیا معنی ہیں
غرض احادیث کے تمام گوشوں اور پہلوؤں پر جس عالمانہ اور بصیرانہ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے اس نے اس کتاب کو نون حدیث
کے موضوع پر انتہائی مفید کارآمد اور معلومات آفرین بنا دیا ہے۔ اس کتاب میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حدیث صحیح کا انحصار صرف
بخاری اور مسلم پر نہیں ہے، بلکہ دوسرے مجرور میں بھی احادیث صحیحہ ملتے ہیں۔

احادیث سے بعض علماء نے - ارجاع کو منسوب کیا ہے، اس پر بنیاد الزام کی پرندہ تردید کی گئی ہے کہ مذہب حنفیہ
کی کتابیں، مذہب مرجعہ کو باطل قرار دیتی ہیں، - تو جس چیز کو حنفی مذہب نے باطل ٹھہرایا ہے، وہ الزام اس پر کیسے عائد
ہو سکتا ہے۔

شاہیر علماء اسلام دین نے حضرت ابو حنیفہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جو اخراج عقیدت پیش کیا ہے،
اس کے مستند حوالے اس کتاب میں ملتے ہیں، یہ واقعہ ہے کہ صحابہ کرام کے بعد کسی اور شخصیت کی اتنی تحسین و تکریم نہیں کی گئی جس نے

تمہارے دھڑکے، تمہارے پیمائش، تمہارے قتل و قرار کین
یہ دو دلی کا ہے نقد سودا آدھا دے کر میں کیا کروں گا

مصرارخہ۔

آواز جنوں فتنہ نسبیاد ہی
اخلاص و وفا کی مار، بیاد ہی
رکھا ہوں نگاہ اپنے مستقبل پر
ماضی سے امروز کی بنیاد ہی

اس رہائی کے آنوی دونوں مصیبت خوب ہیں! اگر شرم کے مصرعے بہم ہیں، آواز جنوں سے کیا مراد ہے! "فتنہ فرار" کیا ہوتا ہے
اخلاص و وفا کی مار، بیاد کیوں!!

پشتِ عفریتِ مشب پر میں کٹے برسائے آیا ہوں

نورانی صبح کے جلوس کو جنیام مٹا دے آیا ہوں (ص ۱۲۲)
"صبح کا تارا" اس نظم کا عنوان ہے! شب کے عفریت کی پیشہ پر "صبح" کے تارے کا کٹے برساؤ — کس قدر بناوٹی خیال ہے اس
میں کتنا تکلف پایا جاتا ہے اور تکلف بھی بے لطف!

عجب عاترہ ہے محبت کی دنیا
شعر میں کوئی نقص نہیں — مگر زیبا ردوی کا یہ شعر بے ساختہ یاد آ گیا، اس قیامت کا شعر ہے —
تھپتھپتے سکرے ہاتھ ہیں جہاں سے چلتے تھے وہیں آگئے ہیں
ضیا صاحب کی منزل کا مطلق ہے —

سہانا ساز مانہ چاہتا ہوں جنوں کے گیت گانا چاہتا ہوں
اس قسم کے اشتیاق انتخاب میں چھانٹ دینے چاہتے تھے۔

موجِ جذبات میں جو بہ نہ سکے اُن سے وہ دل کا حال کہ نہ سکے (ص ۱۲۴)

یعنی !!!

ضیا نچ آباوی کی طبیعت کو نظم سے زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے، مختلف موضوعات پر اُن کی نظمیں اس مہرے میں
فریک ہیں، لہذا رسول کے یہ شعر کہتے ایمان افروز ہیں —

ہر دے ابھی آنکھوں پہ جہالت کے ٹپے ہیں ہاتھ کوئی کیجیے درِ فیضانِ محمد
کسم گئی دنیا میں ضیا نورِ لقیں سے
انسان کی تاریخ بہ عزرائل محمد

اذا — خضر مئی، ضخامت ۱۷۶ صفحات (جلد، رنگین گروپوش، قیمت دو روپے پچاس پیسے
لینے کا پتہ — سنگم کتاب گھر، آبد و بازار، دہلی —

گل و سنگ

جناب خضر مئی پرانے صفائی اور کہنہ مشق شاعری، اُن کی زندگی انہی دلیوں کی سیر و سیاحت میں گزری ہے! زبان صاف و

شستہ اور بیان میں تفضل کا پٹھارہ ملتا ہے — منتخب اشعار —

آدمی چھوڑ کے جنت کو کہاں آیا ہے
نکوائی زندگی میں ہزاروں سے زندگی
یاد کرنے اپنی بربادی کا عالم ڈرتے
کس کو ہے کتنا پیارا، ذرا دل ٹٹولتے
کروستی کو خود ہی مذہب طغیان دیکھے کیا ہو
ہنہ خزاں میں کیا نہیں، جو ہے بساریں
میکش وہی میکش ہے پی کر بوسنیل جاتے
جوتے تجھے پایا ہے دنیا سے ہوں بیگانہ
تلخ ہے جام مگر پھر بھی پتے جاتے ہیں

اک نمونہ ہے جہنم کا جہاں آ رہا ہے
پھر بھی دہاں دہاں ہے برفضل خدا ہوز
اور کتنے بھی کو کیا، اتم گستاخی کے سرا
غیروں پر التفات و کرم ہم سے اجتناب
سہارا خدا کا اور ساحل کی تمنا کیا
کچھ گریختیں آج گئیں لیل و نہاریں
کم غرت پہنچتے ہیں تھوڑی سی بول جاتے
جب سے مجھے دیکھا ہے دنیا کو نہیں دیکھا
راز داری کے سبب ضبط کئے جاتے ہیں

دوسرا رخ —

آہی میرے لب پہ فقط یار کی باتیں (ص ۲۱)
دل میں بھڑکی آگ آن کی چشم نکسائے (ص ۲۵)
بہاں گم ہو کے رہ جاتی ہے سب تدبیراں کی (ص ۲۶)

اخیار کا کچھ ذکر نہ ہیں پیار کی باتیں
یار کی باتیں — کیا پیار کی باتیں نہیں ہوئیں ؟
اسے بیگانے ہوتے برقی نظر کے سامنے
مغرب بطن شامی میں گھٹ کر رہ گیا۔

فنائے عالم اسکاں لگی ہے خضرانے (ص ۲۹)
یہ زبان اور دندمرہ نہیں ہے، پھر یہ جالغہ ہی ہے کہ دیوالوں کو
رقص میں دیکھ کر عالم اسکاں کی فضا خضرانے لگی۔

نقدیدن کا باز نہنا — کیا بات ہوئی ؟
پھر راج رقص میں آئے ہوئے ہیں دیوانے
"وہ ہیں آئے ہوئے ہیں، کہنا تھا،" وہ رقص آگیا یا آیا ہوا ہے؟ یہ زبان اور دندمرہ نہیں ہے، پھر یہ جالغہ ہی ہے کہ دیوالوں کو
رقص میں دیکھ کر عالم اسکاں کی فضا خضرانے لگی۔

آپ روپ عشق میں نامح کو بکنے دیجئے
محبوب کو۔ روپ عشق، کہ کہ خطاب کرنا، کچھ عجیب سا لگتا ہے اس ترکیب سے شعر میں کیا فغلی اور محضوی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔
سے خانے میں ساتی کا فیضان ہوا جاری
سے خوار و ملا بڑھو آگے اک اذن کہی م آیا (ص ۵۲)

مے نور روں کہ تبت کی غلطی معلوم ہوتی ہے "مے خوارو!" لکھا چاہئے تھا! "اک اذن کہ عام آیا" اس کڑواے نے شرکا لطف خاست
کر دیا۔

نظام عالم کو کیا ہوا ہے کہ میری ہستی جواں نہیں ہے

مگر کسی کا کرم ہے شامل جو مجھ پہ طاری خزاں نہیں ہے (ص ۴۶)

مصرعہ اولی خاصہ مبہم ہے۔
کوئی ہے جنا کا عادی کوئی شانِ غم بڑھائے
کوئی مستقل ساتھ کوئی پھر فریب کھائے (ص ۱۳)

خضر برنی جیسے کہنہ مشق شاعر کے محبوب کلام میں ایسے اشعار اجیرت ہے۔

درباب گنہ کبھی مدد و محاب کریں وہ مجھ کو درد و محبت سے کامیاب کریں (ص ۱۱۱)
اس مطلع کا بھی وہی رنگ ہے، ایسے اشعار نو مشقی کے زمانے میں کہے جاتے ہیں۔

مکوس نظر کی یہ سب ساز باز ہے تجویز میں ہوں، تو وہ بے نیاز ہے (ص ۱۰۶)
مکوس نظر کی شے شعر کا ستیا ناس کر دیا۔

مجن ہی کامیاب ہونا تھا عشق آخر خواب ہونا تھا (ص ۱۰۲)
شاعر کے فن کا بڑا تعارف ہے، یہ مطلع!

کیا جادو کیا ہے کسی نے انک غم پڑ گئے آج پینے (ص ۱۲۳)
اس میں جادو کی آخر کیا بات ہے! انک غم پیٹا، تو محبت کا مہول ہے!
محبت میں جنوں شوق اب شامل نہ ہو جائے

ہمارا دھڑی صدق و صفا باطل نہ ہو جائے (ص ۱۲۰)
”جنوں شوق“ میں ہوا و محسوس کب پاتی جاتی ہے، جس کے شامل ہوجانے سے ”صدق و صفا“ کا دھڑی ہی سرے سے باطل ہو جائیگا۔
بول نظر نظر میں سما گئی، اسی اک نظر کی تماش ہے

مرا کھو گیا ہے دل و جگر مجھے تو کیا بھر کی تماش ہے (ص ۱۲۷)
دن تو کھیرا جاتا ہے مگر خضر برنی صاحب کا ”جگر“ بھی دل کے ساتھ کھو گیا! عجیب فخر، ”دنیا بھر“ پڑھتے ہوئے نہ بان کتنی اذیت محسوس کرتی ہے!

بہری غریب زندگی کس کے سہاگ جائے گی سجدے تو پی کے سحر ہے میکدہ مجاز میں (ص ۱۲۴)
اب ہم نہیں! ہم! سحر مصر و ادبی میں زبان کی خامی و جہان کو کس قدر کھٹکتی ہے!

کتاب خانے اہتم سے ترتیب دی گئی ہے، جگر جگر تصویریں اور قلمی خاکیں! جوش شاعری زنگین مزاج کی دلیں ہیں، حالانکہ خود شاعر کی تصویر ”مولویانہ“ ہے! کتاب کا نام اُس کے مضامین کا بھی ترجمان ہے کہ اس میں پھول کی نرمی کے ساتھ سنگ و خشک کی سختی ملتی ہے، مگر وجدان شاعری میں نرمی و رعنائی کو ڈھونڈتا ہے اور۔

سے مریخ خوام بار بھی کیا گل کتر گئی
سے یہ وقت ہے شگفتن گلہائے ناز کا
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود ایاں
نہ کوئی بندہ رن، اور نہ کوئی بندہ نواز

جیسی شاعری سے محفوظ ہوتا ہے۔

از:۔ علامہ اقبال، انگریزی ترجمہ، بشیر احمد ڈار
صفحات ۱۰، صفحات، قیمت تین روپے،
لئے کا پتہ:۔ انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک کچھ، کلب روڈ، لاہور
EULSHAN-I
RAZ-I-JADID
AND
BANDAGI NAMAH

گشت میں صبا کو جستجو تیری ہے انیس بلب کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قسمت کا • جس بھولی کو سونگتا بھول بھول تیری ہے
اشارہ ہے یہی بار صبا کا اکبر چمن اک رنگ ہے اُس کی ادا کا
نسیم صبح گاہی بعد میں ہے • عجب مطلب ہے بلب کی صدا کا
گل آستین ہستی میں دم ہے ہر تن گوش آتش بلب کا یہ نالہ نہیں افسانہ ہے اُس کا
انگریزی شاعر کہتا ہے :-

*I wander in the ways of men
Alike unknowing & unknown.*

آگرا لہ آبادی نے اس خیال کی ان لفظوں میں ادا کیا ہے -

نہ قطع ہے کسی سے نہ شناسائی ہے انجن میں ہوں مگر جام تہائی ہے

*misery is but the shadow of happiness
is but the cloak of misery. LAO TSE.*

درد کے شعر میں اس مفہوم کا حسین فاراد وہی ہے -

شادی کی اور غم کی ہے دنیا میں ایک شکل گل کو گشتہ دل کہو تم یا شکستہ دل
درد کے شگفتہ دل اور شکستہ دل کہ کہ مثال اور ثبوت سے شعر کو کس قدر وزنی اور اثر انگیز بنا دیا -

*what in fact is the world? A glass which shines
which is a breath has made, and which a breath
can destroy.*

Sulla de Caux.

میر تقی میر فرماتے ہیں -

سے سانس بگڑا ہے کہ نازک ہے بہت کام آفاق کی اس کا لہر شیشہ مری کا
اس کتاب میں تیر کا ایک شعر نگاہ سے گزرا -

ساتی قدے کہ ذوق مل ہے مطرب غزلے کہ فصل گل ہے
اس شعر میں تیر کے حام رنگ سے بہت کس قدر فارسیت بلکہ "ایرانیت" پائی جاتی ہے -
صفحہ ۱۶۱ پر جوش ملیح آبادی کا ایک شعر ہے -

آپ سے ہم سے رنج ہی کیا ہے مسکرا دیجئے مضاف ہے
کاش! افاضل مولف کو تم بدلتے پیش ہادی تہی تلمیذ تیر مینائی کا یہ شعر یاد رہتا -

میری آن کی کوئی لڑائی ہے اب چلا جاؤں اب مصفا ہے
عربی میں "مصطر" جس کو کہتے ہیں، مگر اُس میں مصطر اور بے قرار کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے، یہ اُس وقت عرب کا لفظ ہے،
سراج الدین طغترک نے اسی معنی میں یہ لفظ مصطر منظم کیا ہے، فرماتے ہیں۔

آیا نہیں ہے وہ جو صبر چاروڑ سے مصطر ہے دل خدایا تم چاروڑ سے (صفحہ ۱۰)
جناب سیدی صاحب کو میرا اس کے کلام ہے بہت نیا وہ شغف اور محبت ہے، کتاب کا آغاز تیرے شعر کے بعد اس کے شعر کے کیا ہے
انسانیں کا شعر یا خاتمہ، لکھتا ہے! اسی عقیدت و شغف کی رو میں غالب کے اس شہر و شعر۔

ہاں یہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا کہ میرے لفظ نے بوسے مری زبان کے لئے
اور وہ انیس سے منسوب کئے ہیں (صفحہ ۸۹)

صفحہ ۲۰ پر "شعاعیں" کا اعلان "شعاعیں" دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی! خدا کے یہ ٹاپ جوڑنے والے دیکھ کر بیڑی کی غلطی ہو۔
بدگمانی، بے اعتباری اور طرح طرح کے دہم و خیال کا آنا، محبت کی فطرت ہے، اس موضوع پر مولانا الطاف حسین حالی کا یہ
شعر۔

یاد اب اس اعتقاد کا انجام ہو بخیر تھا اس کو ہم سے ربط مگر اس تبدیلیاں
جو درجہ کیا گیا ہے اس کا "بدگمانی" سے برائے نام بلکہ "مواصل" زوال غمت سے تعلق ہے! یہ ایک نفسیاتی نکتہ ہے کہ جب آدمی کو توقع کے
خلاف کامیابی اور صبر و شادمانی کے اسباب اسی نظر آتے ہیں تو اس کے دل میں کشمکش، دہم اور دھڑکا پیدا ہوتا ہے کہ کہیں میں اس کا
انجام نہ ہو! غمت نہ ہو!

اس نکتہ میں بعض غیر معروف ادیبان شاعر اس وقت بازنطی، رشتاق، ناز۔ کے اشعار بھی نظر آئے!
ماضی دوم میں ایک "عظیم آبادی" اور دوسرے "دلہی" اس کی مزاحمت ضروری تھی۔

اُس وقت ادیب میں یہ پسلی کتاب ہے، جس میں اُس وقت دوا گویا شاعر کے اشعار اس ہتھام و انتخاب کے ساتھ یکجا کئے گئے ہیں! یہ
دلیل ہے فاضل مولف کی دیدہ بندی اور صحت مطالعہ کی کہ وہ انگریزی ادیب اور شاعر ادیب اس قدر بصیرت رکھتے ہیں!
جناب ایس اسے مہدی اس انتخاب پر تنبیہ و تحسین کے مستحق ہیں!

قدت کا ملہ نے موسم سرما کو



انسانی ہم کی حاضرتہ نازل شدہ قدت کی بجائی، واقعی قلبی اور جنسی طاقت کی منتقلی کے لئے مخصوص ہے۔
اگر آپ کو کسی کمزور محسوس کرتے ہیں تو اس موسم میں قوت و سحر جات، اور گویا طعن سے فائدہ اٹھائیں۔ اگر آپ بات و
مطاب اشرف کی جانب رجوع فرمائیے۔

مطب اشرف

جس کی جگہ ہلا وادت ہاکن نے کہ مطب مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف شریف تھے ہیں۔ بیرونات کے بعض مفصل اور کثرت شوق و کرم ہر ایک کے لئے ہیں۔

مطب اشرف اشرف منزل نزوجام مسجد جناح کالونی لائل پور

باوانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

منگھا پیر روڈ کراچی

ہر قسم کا سوتی اور اونی کپڑا ————— کورا اور دھلا لٹھا

ہر قسم کا دھاگہ تیار ہوتا ہے

باوانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا

ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہے

پاکستان کی صنعت کی قدر

اور

حوصلہ افزائی

آپ کا قومی سرِ نصیب ہے

آدم جی کا پیرچہ بتا میرے دوستوں



آدم جی کاٹن ملز - لائڈھی کراچی

درد شکم، پیٹھی، بھوک کی کمی،
آپاڑہ، قبض، قے، دست
ہضم کی خرابی

کارمینا

یہ اور معدہ اور جگر کے دوسرے امراض کی کل عام ہیں۔ اور ان شکایاتوں کی وجہ سے نہ صرف ہمیں خراب
رہتی ہیں بلکہ کار بار اور زندگی کے دوسرے مسائل پر بھی اثر پڑتا ہے۔ آپنا ہضم اور صحیح معدہ اپنی صحت کا
خدا میں ہوتا ہے۔ کچھ ہیں کہ آپ وہی ہیں جو کچھ آپ کھاتے ہیں۔ لیکن جب آپ کا کھانا ہوا جسم کو نہ گئے،
اور جڑو بدن ہو کر خون بن کر آپ کو طاقت نہ پہنچائے تو کھانا پینا ہی بے کار نہیں ہوتا بلکہ آٹنا بیشنا، سڑا جانا
مشکل ہو جاتا ہے اور جینا آدھیر۔

ہمدرد کی بیمار ڈپل اور جڑو دھلیوں میں چیدہ خیری ٹوٹیلا اور ان کے قدرتی ٹکھات برطولی قربات اور
تاشی تحقیقات کے بعد ایک متوازن اور مفید و کارمینا تیار کی گئی جو ہضم کی جلد خرابیوں کو دور کرنے میں
خصوصیت رکھتی ہے۔ کارمینا معدہ پر نہایت خوشگوار اثر کرتی ہے اور اس کے استعمال کو درست کرتی جو ہضم
کے فعل کے لیے جو طریق ضروری ہیں کارمینا ان کو مناسب مقدار میں پیدا کرتی ہے۔ جگر کی اصلاح کرتی اور جگر
کی جلد خرابیوں کو درست کرتی ہے۔



چھپک جان، تیزابیت، پیٹ کا بھاری ہونا، نفخ، بد ہضمی،
پیٹ کا درد، کھٹی ذکاریں، درد شکم، متلی اسقے، بھوک کی
کمی، قبض یا معدہ اور جگر کے دوسری بیماریوں میں کارمینا
کا استعمال نہایت مفید ہوتا ہے۔

کارمینا نظام ہضم کو درست اور قدرتی کرنے کی یقینی
دوا ہے۔ ہر موسم اور ہر آب و ہوا میں ہر مزاج کے لوگوں کے لیے
فائدہ بخش اور خوش ہے۔ بلا خطر استعمال کی جاسکتی ہے۔
کارمینا ہر گھر کی ایک ضرورت ہے۔

ہمدرد دواخانہ (دقت) پاکستان
کراچی ڈھاکہ لاہور پٹنم

ہمدرد

مئی ۱۹۶۶ء

کچی

فاران

ماہنامہ

ایڈیٹر

جلد ۱- ۱۸

شمارہ ۵- ۲

ماہر القادری

ترتیب

۳
۶
۱۳
۲۵
۴۱
۵۱
۵۴
۵۹
۶۱

ماہر القادری
مولانا محبوب الرحمن
اسرار احمد بہادری (ایم۔ اے)
پروفیسر وحید اللہ لنگی (ایم۔ اے)
محمد خاں (جنگ صدر)
مولانا محمد حسام اللہ شریانی
مختلف شعراء
مولوی ضیاء الدین اصلاحی

نقشب ازل
محمد مصطفیٰ اصل اللہ علیہ وسلم
آداب مراسلہ نگاری
ابن ابی البریج
اقبال کا فارسی کلام
اسلامی حکومت میں مالیات کا شعبہ
سفینہ بغزل
روح انتخاب
ہماری نظر میں

پبلشر: مسرور حسین

قیمت فی پرچہ ۶۲ پیسے

چند سالہ سائٹ پوے

مقام اشاعت

دفتر ماہنامہ فاران کیمپل اسٹریٹ کراچی

سرمدین پبلشر نے انٹرنیشنل پریس کالج میں چھ ماہر اگر دفتر ماہنامہ فاران" میں اسٹریٹ لائی گئے تھے تھے لیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقشِ اول

پاکستان اسلام کے نام پر اور اسلام کے لئے بنا ہے مگر افسوس ہے کہ اس ملک کا جو مقصد وجود اور اخلاقی تعلیم ہے اس سے یہاں شروع ہی سے غفلت برتی جاتی رہی ہے۔ یہاں کی معاشرت، سیاست، طریق تعلیم و تربیت اور قانونی دستور ان میں کسی شعبہ کو بھی "خالص اسلامی" بننے کی سعادت حاصل نہیں ہو سکی! اس امید و انتظار میں کہتے دین پسندوں کے ہاں سپید ہو گئے کہ اس خطہ میں کمیت و کیفیت کے اعتبار سے چھوٹے پرمانہ پر ہی ہے، خلافت راشدہ کی ایک صبح تو نمودار ہو سکتی۔

حزبنِ انفاق سے پاک و ہند کی جنگ کے زمانہ میں پاکستان کے معاشرے میں دینی جھلک اور اخلاقی رنگ پیدا ہو گیا، خشیتِ الہی اور محاسبہ آخرت نے فکر و خیال اور قول و عمل کو پاکیزگی عطا کی، ریڈیو کی نشر گاہ سے لے کر عوام کی محفلوں تک "لا الہ الا اللہ" کی صدا میں گونجنے لگیں، بڑے بڑے عادی مجرم اور بدعاش برائیوں سے ڈک گئے، بھیجے جرائم کی چلتی ہوئی گاڑی میں کبھی نے ایک ایک بریک لگا دیا، پولیس کے رجسٹروں میں آئے دن جو قاتل و داعی "دبج ہوئی رہتی ہیں ان میں حیرت انگیز تبدیلی طاق ہو گئی! جو جرمیں تبرج جاہلیت اور ناک بھانک کی عادی ہیں ان کو کلامِ پاک کی تلاوت کرتے اور نماز پڑھتے دیکھا گیا، برطرت اللہ، رسول کی تذکرے، دین اور نیکی کی باتیں، جوش جہاد نے دلوں سے ثروت کا ورنکار دیا تھا! اور مسلمانوں کی سوسائٹی میں دینی تبدیلی کے آثار نمایاں ہوئے اور آدھر اللہ تعالیٰ کی نصرت نازل ہوئی، دنیائے اس حقیقت کا اس بیسویں صدی میں بھی شاہدہ کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے چھوٹی جماعتیں بڑے گروہوں پر غالب آ جاتی ہیں اور جنگ کے میدانوں میں طاقتور کے ذریعہ مجاہدین کی مدد کی جاتی ہے پھر تو یہ ہے کہ اس جہاد نے مسلمانوں کی گزشتہ تاریخ کی تصدیق کر دی! محبوب، پاکوٹ، لاہور اور پونہ کے محاذ سے لے کر بنگلہ کے میدان تک اہل ایمان کی شجاعت، ہر فرد کی استعداد کا یہ سلسلہ اللہ بھلا ہوا ہو گیا! کچھ دیر پہلے اور خدا کے منکر تھے جو مجاہدین اور خدائیں پر نصرت الہی کا نزول دیکھ کر بے ساختہ "اللہ" کا نام نیکار آئے! اگر اللہ بادی نے اس نفسیاتی کیفیت کو جو حقیقت میں نظرت کی پکار ہے، اس معاشرہ زبان میں بولی بیان کیا ہے۔

ہر متضرع کو اس کی طرف التفات ہے

آخر خدا کے نام میں کوئی قربات ہے

دینی طبقہ نے معاشرے میں دین و اخلاق اور جوشِ الی اللہ کا یہ رنگ دیکھ کر دلی مسرت کا اظہار اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، اور پاکستان کے ادراک بہ نسبت دلت و کوہ باد ماں اس طرف توجہ کیا کہ حکومت اپنے تمام مذاہب کا نام میں لائے، اور جنگ کے بعد اس کی حالت میں بھی معاشرے کی یہ اخلاقی سطح ہتھراد اور قائم رہ سکتی ہے! اس فضا کو باقی رہنا چاہئے، بلکہ اس کو بلند سے بلند تر کرنے کی ضرورت ہے

مگر

اعلانِ صلح کے بعد اخلاقِ زہنی اور اخلاقی کا یہ چڑھتا ہوا پارہ صدمہ روز گزرنے لگا۔ اخبارات میں پھر اُنہی جو اتم اندہ دارِ مادی کی خبریں آنے لگیں، جو جنگ کے زمانے میں رک گئی تھیں۔ — جگہ جگہ دوسرے دارِ شخصیتوں کے تعاونِ مایہ ناز سے کچھ لڑنے کے نام پر نقص و سرور کی وہ معصیتیں سمجھ لیں، جن پر قرآنی اصطلاح میں "فحش و منکر" کا اطلاق ہوتا ہے! ابدِ جن کے ناچار تہہ ہونے میں دو مائیں ہو ہی نہیں سکتیں! اُس پر دیر کا یہ عالم کہ انہماک میں کھلے خزانے بٹے غزو و مباحثات کے ساتھ ان معصیت آلود مناظر کی تقریریں چھپ رہی ہیں۔ یہ عورتوں کی قرانی ہے، وہ لڑکیوں کا ناچ ہے، ابدیہ مسلمان کنواریوں کی اداکاری کا منظر ہے؛ شمشیر و سناں کے چند روزہ وعدہ کے بعد "فاؤس و رباب" کا پھر وہی اخلاقِ سزد تماشہ، بلکہ پہلے سے نیا ہندو رشور کے ساتھ اور اس انداز اور تنظیم کے ساتھ جیسے زمانہ "جہاد" کی دینی فضا کو رنگ و بو، ہوا و دھواں اور فحش و منکر کے قالب میں ڈھال دینا ہے! نصرتِ الہی اور انجی م خداوندی پر شک کی بجائے اس کے اس تندہ جلد اور ڈنکے کی جھوٹ "کفران"!

نہ ناطقہ سہر بگریاں کہ اسے کیا کہئے!

جو کوئی ان حیا سوز حرکتوں کا صریحاً کلام کے "سماج" سے جھٹلانا چاہتا ہے، وہ نہ "سماج" کی حقیقت سے واقف ہے اور نہ صوفیہ کے مزاج اور اندکھار کو پہچانتا ہے۔ صریحاً کلام کی اکثریت، مزا میر اور آلاتِ سرود و غنائ کی مخالف رہی ہے، چاہے اُس کے بچانے والے صرف مرد ہی کیوں نہ ہوں، یہی عورتوں کی گلوکاری، نقص و سرور اور ایکٹنگ ابدہ بھی مردوں کو خوش کرنے اور اُتھانے کے لئے، لڑکیہ ہر صوفی کے نزدیک قطعاً ناجائز اور حرام ہے۔

بھارت، ہند، امریکہ اور روس وغیرہ ممالک میں بے شک اس معصیت اور منکر "آرٹ" سمجھا جاتا ہے، مگر اسلام ایسے "آرٹ" پر جو کھلی ہوئی ہے حیا ہے، لغت سمجھتا ہے! ان ہے حیا کی باقوں اور اخلاقِ سوز حرکتوں نے دنیا کی جو حالت کہہ سکی ہے اس کا اندازہ کر لے کہ لے امریکہ کے معاشرے کا سرسری جائزہ لیجئے — کہ وہاں۔

ہر پانچ منٹ میں	ایک ڈکیتی ہوتی ہے۔
ہر ۳۰ منٹ پر	ایک شدید خونیں حملہ ہوتا ہے۔
ہر منٹ پر	ایک موٹر کی چوری ہوتی ہے۔

اور

ہر ۲۰ سکند پر ایک نقب زنی کی واردات ہوتی ہے۔

اس کے نتیجہ میں امریکہ کے سہ کار و خزانے کو جو مالی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے، وہ اربوں ڈالروں تک پہنچتا ہے۔

عرب میں شرک و بت پرستی کے ساتھ جو بیائیاں پائی جاتی تھیں اُن میں عورتوں کا نقص و سرور، تہرج اور عریانی بھی شامل تھی جس نے پورے معاشرے کو سرتاپا معصیت و گناہ بنا رکھا تھا، اسلام نے اس ایک ایک ہڈی کو مٹایا، ابدہ عورت جو پہلے اندر پہنہ ہو کر ناپتی گانی اور ساتی گری کرتی تھی، اُس کے سینہ و سراپہ پر سے کوہلباب و عمامہ اٹھائے اور اس قسم کی چال ڈھال اور پہنہ سے پرہیز بند کی لگا دی جس سے عورت کی "ذہنیت" ظاہر ہوئی ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازہ ہے کہ جو عورت خوشبو لگا کر گھر سے باہر نکلتی ہے وہ "ذانیہ" ہے!

ذہنیت اور عہدِ خلافت میں ایسی اخلاقِ سوز حرکتوں کا ارتکاب ہوتا تو ان پر شرعی حد لگائی جاتی اور اس مزاج و ذہنیت اور

معاشرے کی اچھائی کے قعیدہ و خول اور حاح بن جاتے! پاکستان کے ہائی مہازوں میں "خاتون میزائل" (Missiles) کی جگہ مردوں کو میزبانی کے فرائض انجام دیتے ہوئے دیکھ کر غیر ملکی مسافر یہ اثر قبول کرتے کہ پاکستان کا معاشرہ مردوں کے اختلاط میں اسلامی حدود کی پابندی کرتا ہے اور یہاں کا ہر محکمہ، ہر شعبہ اور ہر ادارہ اسلام کے دے سے ضابطہ اخلاق کا سختی سے پابند ہے، یہاں دوسرے ملکوں کے تمدن و تہذیب کی نقالی نہیں کی جاتی یہاں فکر و نظر گرد و غیر نہیں ہونے پاتے! پاکستان کے ہمارے میں دوسروں کے کاش ایسی تصورات ہوتے اور ہونے چاہتے تھے، اس صورت میں ساری دنیا اخلاق و نیکی کی روشنی پاکستان سے حاصل کرتی، دنیا میں ہمارے پاکیزہ معاشرے کی مثالیں دی جاتیں، جہاں ملک اخلاق و انسانیت کا تعلق ہے، دنیا کی رام قیادت ہم پاکستانی مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہوگی اور پاکستان دنیا کے نقشہ پر مینارۃ الدین کو بکرا بھرا دے گا۔

مگر

افسوس ہے کہ پاکستان کے کسی شعبہ حیات میں بھی اسلام غالب قوت نہ بن سکا، یہاں کے معاشرے میں کوئی ایسا امتیاز نظر نہیں آتا جسے دیکھ کر دوسرے ملک اپنے یہاں کی سوسائٹی اور پاکستان کے معاشرے میں نمایاں طور پر فرق محسوس کریں، بعد میں راہ پر جا رہا ہے، انہی خطوط پر پاکستان کو بھی لے جایا جا رہا ہے، عوام کی تسلی کے لئے "اسلام" کا نام بار بار لیا جاتا ہے مگر اسلام کو حلقہ نافذ نہیں ہونے دیا جاتا! اس غم کو کئی افسانوں میں بیان کیجئے کہ جو خط اسلام کے نام پر بنا ہے، حالانکہ اس قدر اجنبی نظر آتا ہے! پاکستان کے کچھ بڑے آدمیوں کو سب سے زیادہ اس کی فکر ہے کہ یہاں کی آبادی میں اضافہ کیوں ہو رہا ہے اس کے کم کرنے اور گھٹانے کی تدبیریں کی جا رہی ہیں، حالانکہ فکر اس کی ہوتی چاہئے تھی کہ پاکستان کے معاشرے کو اسلامی اخلاق کے قالب میں ڈھالا جائے! — "اقامت صلوٰۃ" اور "ایتائے زکوٰۃ" کے فریضہ کو نظر انا کر کے "ضبط ولادت" پر دہیہ اور وقت کا خرچ، دینی نقطہ نگاہ سے کسی قدر قابل غور بلکہ مستحق نقد و نظر ہے۔ حیث و تفریح کا گھٹنا، روپیہ کا سامان، پاکستان میں دس ملین جاتا ہے جس کے لئے پاکستان کو زر مبادلہ دینا پڑتا ہے اس پر کوئی احتساب، قدغن اور روک ٹوک نہیں۔ نذر مبادلہ کی ساری کفایت شکاری اور احتیاط فریضہ خرچ کے معاشرے کی جاتی ہے! انگلیں کے وعدے میں جاہلوں کی تعلیم پر کوئی پابندی نہ تھی، بھارت کے موجودہ حدود پر ملک میں دال کے مطابق کو فریضہ خرچ کے سلسلہ میں بڑی ہولتیں اور آسانیاں میسر ہیں۔ — ملک پاکستان میں زائرین خرچ کی تعداد کا کوئی کم ہوتا چلا جا رہا ہے اور احوال جاہلوں کی تعداد پر جو قدغن لگائی گئی ہے اس سے دین پسند طبقہ کو بڑا دکھ ہو رہا ہے۔

پچھلے دو ہفتوں میں جس گراہی کے ساتھ منظم طور پر مختلف شہروں میں "راستی غم" منعقد ہوئے ہیں، اس کی مثال پاکستان کی پوری اخبار سالہ تاریخ میں جمہوری طور پر بھی نہیں ملتی، یہ رنگ رنگ بدگراہی میں پاکستانی طبقہ اور طبقات حصہ لے رہی ہیں۔ لوہاروں کے سیرت و کردار میں جس قدر بھی اخلاقی بگاڑ پیدا کر دیں کم ہے، جولا کی غیر مردوں کو خوش کرنے اور ان سے داد و ستاد حاصل کرنے کے لئے کبھی بڑا کرگاہی ناچتی اور رت کرتی ہے، اس کچھلے ہوئے فحش و بے حیائی کے سبب اس کا کردار و انداز تو ہر جگہ ابدہ اس کے بعد برائی کی جس بہت سطح تک بھی پہنچ جائے، اس کا دار و مدار ماحول اور ماحول پر ہے کہ غمراہی لنگے میں یہ حرکت۔

"آٹ" ہے مگر اسلام کا رنگہ ہیں۔ گناہ ہے اور الی گناہ ہے جس کے بارے میں دعائیں پڑھی نہیں سکتیں۔ ہمارے آنے والے معزز بھائیوں کے غیر مقدم میں عثمان خاقان کے "تبرج جاہلیہ" کا منظرہ، کہیں طالب کا ناچ، کسی مق پر غمراہی کی پریڈ۔۔۔۔۔ یہ تمام بائبل اللہ اور رسول کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ ہیں! آخر یہ کیا ہو رہا ہے؟ اور کیوں ہو رہا ہے؟ کیا اس طرح معاشرے کو بااخلاق بنا کر دین پسند طبقہ کو کمزور اور بے اثر کرنا مقصود

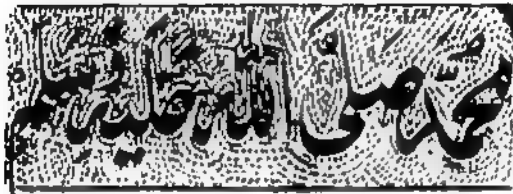
ہے! جہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نصرت کے نزول کے فوراً بعد اس کے غضب کو رحمت دینے کے یہ محرکات واسباب اور مظاہر سے کس قدر آفسرناک ہیں! ملکِ فتنہ کے قیام میں اس کے نتائج کتنے سنگین ثابت ہوں گے!

انسان فرشتہ نہیں ہے اس سے غلطیاں بھی سرزد ہوتی رہتی ہیں، سبک پہلے راقم الحروف اپنی اخلاقی کمزوریوں کا اعتراف کرتا ہے، پاکستانی ممالک کا میں بھی دعویٰ نہیں ہے، ہم بھی اصلاح و تقدس کے قہار ہیں۔ مگر "فحش و منکر" کا ایک پروگرام کے تحت مظاہرہ اور اس کا مسلسل اعادہ! اسے حرام میں مقبول بنانے کی سعی و تدبیر.....!! یہ ہے وہ ٹریجڈی میں سے پاکستان درجہ دار ہے، یہ وہ ماحول ہے جس میں وہ کر خدا کا خوف دل سے نکل جاتا ہے، لگتا ہوں سے تو یہ کہنے اور لکھنے کا خیال تک نہیں آتا! افسوس! افسوس! سخت پراسیدان باقی نہیں رہتا!

حالات جب یہ ہوں تو کس کا نام لے اندر قی کی تعریفیں کریں، کس کی دانش و تدبیر کو سراہیں، کس کے حضور سپاس مانے میں کریں، کس کی شان میں قصیدے پڑھیں۔ مگر پھر کیا کریں؟ کیا مایوس ہو کر خاک و کھوش بیٹھے رہیں، حالات کتنا گئے سپر انداختہ ہو جاتیں..... نہیں یہ نہیں ہو سکتا، مرد و عورت کے عزم و فراست کی یہ قرین ہے، بہادرانہ بھی فرض ہے کہ حالات کو بدلنے کے لئے مسلسل جدوجہد کرتے رہیں جہاں باقی دکھائی دے اس کو مٹانے کی کوشش کریں، زبان سے برا کہیں، کم از کم دل میں برا سمجھیں اگرچہ ایمان کا یہ آخری درجہ ہے! قیامت کے دن ہم سے یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ تم نے ماحول کو بدل کیوں نہیں دیا، ہانڈ پر اس کی ہوگی کہ تم نے بڑے ماحول کو بدلنے کے لئے کیا کیا؟ آخرت میں سرخروئی اسی کو میسر آئے گی، جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے تبلیغِ خیر اور غیر منکر کی جدوجہد کی ہوگی! آؤ! ہم اس جدوجہد میں شریک ہو کر اللہ تعالیٰ کی رضا کے طلب گار بن جائیں۔

ماہرِ زمانہ درجی
۲۶/۵/۲۰۲۲ء

ترجمہ ۱۔ مولانا محبوب الرحمن
خطیب جامعہ سلفانی (ملفوظ آباد، آزاد کشمیر)



دعالمی میں ایک مضمون 'النزاع حول اسم النبی صلی اللہ علیہ وسلم' کے عنوان سے ماہنامہ البعث الاسلامی بابت ماہ مارچ ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا ہے۔ مستشرقین نے جو اعتراض اس مضمون پر کئے ہیں۔ ان کی تردید ڈاکٹر عبدالمجید نے اپنے انگریزی پرچہ ISLAMIC CULTURE - ثقافت اسلامیہ - بابت اکثر پرچہ ۱۹۸۷ء میں کی ہے۔ اب ان اعتراضات و جوابات کو استاذ ذیاد احتتام احمد ندوی مدنی لغت عربی جامعہ دہلی شوریہ نے ایک مضمون کی شکل میں شائع کیا ہے۔ مضمون اس لحاظ سے بڑا اہم ہے کہ آپ معلوم کریں گے کہ ہم مسلم دنیا کے انوی پیئر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی پر مستشرقین نے کس قسم کے اعتراض کئے ہیں اور مسکت ورائے سے ان اعتراضات کی تردید ہماری حاضرت سے کس خوبی سے ہوئی ہے۔ میں نے اسی خیال کے پیش نظر اس کتابی مضمون کا اردو ترجمہ کر دیا ہے۔

عربی عنوان کا اگر اردو ترجمہ کریں تو خدا تعالیٰ ہو جاتا ہے جو طبیعت کو کھٹکتا ہے۔ چونکہ مستشرقین کی جانب سے ہم محمد پر اعتراض ہوا ہے اور ہمارے نزدیک آپ کا حقیقی نام بھی یہی ہے۔ اس لئے اس اسم کو میں نے عنوان مضمون قرار دیا ہے۔ ()

مستشرقین ہمیشہ سے اسلام اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراضات کرتے آئے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کو ناقص یقین قرار دیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی شریعت کے بارے میں لوگوں کو شک میں ڈال دیں۔ انتہائی افسوس کی بات یہ ہے کہ اکثر معتزین اسلام پر ایسے اعتراض کرتے ہیں جن کی اصل قطعاً نہیں ہوتی۔

انتہائی تعجب کی بات یہ ہے کہ ایسے کے لوگ جو علم، دلیل، تحقیق، تاریخ کی چھان بین اور واقعات میں اپنی صحیح رائے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ کس طرح وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے متعلق ایسی غلط فہمیاں اپنی کتابوں میں بھروسے ہیں۔ اس طرح سے ان کی اسلام کوئی ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہ مستشرقین کا خیال یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد بھی نہیں سنا اور آپ کا یہ نام اسلام کے بعد کھو گیا اور آپ کا حقیقی نام ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا۔

ڈاکٹر عبدالمجید خان نے اپنے پرچہ ثقافت اسلامیہ - ISLAMIC CULTURE - میں مستشرقین کے اس باطل نظریہ کا معقول ورائے سے تعاقب کیا ہے۔ پھر ساتھ ہی ڈاکٹر موصوف نے نہایت واضح اور روشن ورائے سے ثابت کیا ہے کہ محمد آپ کا پہلا ہی نام ہے

جس کی حقیقت تک ستر تین کی صافی نہیں ہو سکی مستشرق ہرنش فلڈ - HIRSH FELD - نے ویلن حسان بن ثابتؓ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ اس شاعر نے اسم محمدؐ اسلامی پیغمبر کے لئے استعمال کیا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ محمدؐ آپ کا نام نہیں تھا۔ بلکہ اسلام کی جانب سے آپ کو یہ لقب دیا گیا تھا۔ پیغمبر کے وفات سے دو سال قبل ط دھا زائد حقیقت یہ کہ آپ کو دو لقب مجزا اور مجموعہ ملے تھے۔ آپ نے آخری لقب کا اختیار کر لیا اور پہلے کو ترک کر دیا۔

ایسی ہی باتیں ہندو سرکٹی - Hitti - نے اپنی کتاب تاریخ عرب - HISTORY OF THE ARABS میں اختیار کی ہے کہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے قبیلہ میں سن ۶۰۱ یا اس کے قریب پیدا ہوئے۔ آپ کی ماں نے بنو عام رکھا اور ابھی تک معلوم نہیں ہوا کہ اس کا اندازہ ہے کہ آپ کا نام ہمیشہ غیر عرف رہا۔

سخت انوس کی بات یہ ہے کہ ستر تین ہفت فروری نام نہیں جانتے جو آپ کی ماں نے آپ کا رکھا اس لئے ان لوگوں نے یہ نظریہ اپنی جانب سے گھڑ دیا ہے اور دیں کے طور پر یہ کہتے ہیں کہ اسم - محمدؐ قرآن کی مکی سورتوں میں نہیں آیا اس لئے حسان بن ثابتؓ کے مقدمہ میں یہ اسم استعمال ہوا ہے یہ ویلن گویا ان کی نظر میں پائے لغات کو پہنچا ہوا ہے۔

ستر تین ان احادیث اللہ واقعات کی طرف توجہ نہیں کرتے جو ہجرت سے پہلے زندہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ ان واقعات پر محمدؐ کے لغوی انہوں نے یہ اندازہ لکھا کہ حضورؐ کا نام مبارک محمدؐ اسلام سے پہلے اسلام ہی نہیں رہا البتہ وفات سے دو سال قبل دینی لقب کے طور پر آپ کے لئے یہ لفظ استعمال ہونے لگا۔

لیکن ڈاکٹر دوسو الحید نے اس غلط فہمیہ کا بڑی اچھی طرح تجزیہ کر کے جسے معقول دلائل سے اس کی تردید کی ہے اور اس بحث کی دلائل قاطعہ سے تائید کی ہے۔ جن سے پورا اچھی طرح یہ بات ثابت کی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کا ذاتی نام محمدؐ اور اس کے سوا کوئی اور نہ تھا ڈاکٹر صاحبؒ بیان ہے کہ اسم محمدؐ سورہ آل عمران، احزاب، فتح اور محمدؐ میں آیا ہے۔ اور یہ سورتیں مدنی ہیں جو نزوح و فتح کے نزول سے متعلق مفسرین نے اذعان کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ دونوں سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں۔ اس واسطے میں تو کسی کو شبہ نہیں کہ یہ سورتیں صلح حدیبیہ کے موقع پر سن ۶ ہجری میں مکہ اور مدینہ کے مابین نازل ہوئیں۔ اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ لکھانا چاہے تھے،

”یہ وہ محمدؐ ہے جسے محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلیم فرما لیا ہے۔“ یہیں نے کہا اگر ہمیں یقین ہوتا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، ہم آپ کو بیت اللہ کی طرف جانے سے نہ روکتے۔ اس کے بجائے آپ محمدؐ بن عبد اللہ کہئے۔ ستر تین نے حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے متعلق جو غلط فہمی قائم کیا ہے۔ اس کی تردید میں یہ چیز قطعی حجت کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہیں نے کلمہ رسول پر ... اعتراض کیا اگر اس طرح محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب ہوتا تو یہیں اس پر بھی اعتراض کیا اور پھر اس نام حضورؐ کا بچپن سے مشہور تھا اس نام کے لئے اصرار کرتا۔ اس بات سے کامل طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ ابن عربؒ آپ کے نام محمدؐ کے سوا اور

IN OR ABOUT A.D. 610, A CHILD WAS BORN TO THE QURAYSH AT MAKKAH AND WAS GIVEN BY HIS MOTHER A NAME WHICH MAY REMAIN FOR EVER UN CERTAIN.

(CHAPTER VIII - PAGE - 14)

نام نہیں جانتے تھے۔ اسی نے قرآنہوں نے اس نام کو صحیح حدیث کے موقع پر قبول کر لیا تھا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ وہ کلمہ طیبہ جس سے ایک انسان اسلام میں داخل ہو جاتا ہے وہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے اور یہ رکانِ خمسہ میں سے پہلا رکن ہے۔ اس کلمہ کا ذکر سورہ ابراہیم میں شجرہ طیبہ کی تشبیہ سے کیا گیا ہے اس پر بہ مفسرین نے اتفاق کیا ہے کہ شجرہ طیبہ سے مراد یہی کلمہ طیبہ ہے جس کے اقرار سے ایک کافر مسلمان ہو جاتا ہے اسی طرح یہ کلمہ ایک کی سمیت صفات میں "انتم سم اذا قیل لہم لا الہ الا اللہ یتکبرون" بھی آیا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں نبی علیہ السلام کے اس استاذ کو بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔

"اشرت ان امانی الناس حتی یقروا لا الہ الا اللہ"

بلاتک ان دونوں سے مراد کلمہ کا پہلا جز ہے اور دوسرا جز سورہ ابراہیم میں آیا ہے۔ جس پر یہ کلمہ لایا ہو جاتا ہے اس سے پوری طرح یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ محمدؐ دینی لقب نہ تھا۔ بلکہ کہیں اسلام کی ابتدا سے ہی موجود تھا اور پھر مہذب بنا۔

ایک اندیشہ دہیں یہ ہے کہ مسلمان کلمہ شہادت کو اپنی پانچ نمازوں میں پڑھتے ہیں۔ یہ آداب کی طرح روشن دلیل ہے کہ اہم کے لئے ضروری ہے کہ وہ تہذیبی امت میں عام ہو مشہور ہو جائے اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی صفات سے دو برس پہلے ہی دینی لقب دیا گیا ہوتا تو یہ حقیقی نام کس طرح جلد شہور ہو جاتا اس میں شبہ نہ تھا کہ قوم فدائی اسی سے جھلکے دینی اگر عالم ایسا ہی ہوتا تو اہل کلام حقیقی تعداد، محافرات، قصص اور کتب متنازعہ میں بیان ہوتا۔ یہ حقیقت بھی دیکھنے کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انان کا حکم ہجرت کے پہلے سال دیا اس میں حضرت کا یہی نام استعمال ہوا۔

مستشرق ہرش فیلڈ Hirschfeld نے کیا عجیب فیصلہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات سے دو نام قبل یہ لقب اختیار کیا تھا۔ اس نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں حسان بن ثابتؓ کا یہ شعر پیش کیا ہے

وثلث من اسمہ یحیدہ فذل العرش محمود وھذا محمد

ترجمہ۔ اللہ نے حضورؐ کی عظمت کا ہر نمونے کے لئے اپنے نام سے حضرت کا نام مشتق فرمایا۔ پس وہ صاحبِ عرش محمود ہے اور آپ محمدؐ ہیں۔ ڈاکٹر عبد المجید خان نے مستشرق کے خیال کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس کی رائے میں حسان بن ثابتؓ غزوہ بدر کے بعد اسلام میں داخل ہوئے اس کی رائے یہ بھی ہے کہ حسان بن ثابتؓ نے اس قبیلہ کے ایک شعر میں "نا یألف نستحیی دایاؤش لہبہ" بولا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ مصرعہ سورہ فاتحہ سے لیا گیا ہے اور سورہ فاتحہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ حسانؓ کا کہنا ہے کہ یہ قبیلہ ہجرت اور فتح مکہ ہجری کے درمیان عرصہ سے خلق رکھتا ہے۔

اس موقع پر سورہ فاتحہ کے تمام نزل کے بارے میں مفسرین نے اختلاف کیا ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ مکہ میں نازل ہوئی اور بعض کی رائے ہے کہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ لیکن مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اپنی تفسیر میں واضح دلائل سے ثابت کیا ہے کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی۔ کیونکہ اس سورہ کا ایک نام "شافی" ہے اور ایک موقع پر اشعار دہاتی ہے۔ "ولقد ائتینک سبعاً من المظاہر فی القرآن العظیم" اور یہ آیت بلا اختلاف مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

حسان بن ثابتؓ مدینہ کے قبیلہ خزاعہ میں سے تھے اور یہ قبیلہ بنو خزاعہ کا ایک شاخ ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچے تو اس وقت حسان بن ثابتؓ کی عمر گیارہ برس کی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ سال کے تھے۔ ان دونوں کی عمر کے درمیان آٹھ سال کا فرق تھا۔ اس صورت میں میں معلوم ہو جاتا ہے کہ اس وقت حسان بن ثابتؓ کعبہ کا کار، دانا اور معروف شاعر تھے لوگوں میں ان کی بڑی عزت اور تکریم پائی جاتی تھی جیسا کہ بیعت عقبہ اربعہ میں رضوان مدینہ میں لوگوں کے درمیان مشہور تھی۔ بنو خزاعہ

انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تھے، سب اہل مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد مدینہ کے منتظر تھے۔ ان تمام وجوہ کی بنا پر یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ صحابیؓ ان انصار میں سے تھے جو مسیح پہلے اسلام لائے اور انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی مدد کی۔ درحقیقت وہ غزوہ بدر سے پہلے اسلام لائے تھے، جیسا کہ ان تمام انصار سے معلوم ہوتا ہے جو اہل غزوہ بدر سے پہلے کہے۔ ایک فقید وہیں جس کا مطلع ہے۔ واللہ سابق لا فلاح لاحد ما بعدہ ۱۰ مجھے اپنے رب کی قسم ہے کہ اس بزرگ و بزر سے کبھی علیحدہ نہیں ہوں گا۔ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ یہ انصار اس وقت کہے گئے تھے جبکہ قریش نے انصار مدینہ کو دھمکایا تھا کہ وہ اسلام اور نبی علیہ السلام کی مدد سے باز نہیں۔ اس موقع پر صحابہؓ نے ایک شعر میں ابو جہل پر طعن کیا ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ابو جہل اس وقت زندہ تھا۔ کیونکہ ان کی عادت ہے کہ کسی کے مرنے کے بعد اس پر طعن نہیں کیا۔ انصار ابو جہل غزوہ بدر کے موقع پر قتل ہوا ان تمام ملاح سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہؓ نے ابو جہل کی زندگی میں اس کی موت سے قبل یہ شعر کہا تھا۔

هَذَا مِنْ اَمْرِ حَنْبَلٍ يَتَقَوَّدهُمْ دَجْنِي بَنِي شَيْحٍ طَلَبَ مُحَمَّدٌ

ترجمہ ۱۔ خدا کے رحمن نے محمدؐ سے لڑنے والے اس گروہ پر لعنت کی ہے۔ جس کی رہنمائی بنی شیح کا ایک شخص کر رہا ہے۔ حبان بن ثابتؓ کے بہن سے اشارہ ہم معلوم کرتے ہیں کہ غزوہ بدر ۲ ہجری، غزوہ احد ۳ ہجری، غزوہ خندق ۵ ہجری میں کہے گئے ہیں۔ ان کے بارے میں کسی کو بھی شک نہیں ہو سکتا۔ غزوہ بدر کے موقع پر ان کا شعر ہے۔

اِمام محمد قد آذره عَنِ الْاَهْدَاءِ فِي لُغَةِ الْحَرْبِ

واقف عین محمد واصحابہ دَاذِلْ كُلَّ مَكْنَبٍ حَرَّابِ

ترجمہ ۱۔ محمد ایک تانہ ہیں۔ جن کی امداد ان کے مرنے والے دشمنان حق کے مقابل میں جگ بھر کاٹنے میں کی ہے۔

الشیخ نے محمدؐ انصاری کے ساتھیوں کی آنکھوں کو کھنکھائی۔ ادھر تک کہ ان کے دماغ کو ذلیل و خوار کیا۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم محمد صاف طور پر لایا گیا ہے۔ اسی طرح اسی قیس شخص ہی نے ایک فقیدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں اپنے اسم اسلام لانے کے اہدائی مدد میں کہا تھا جس میں وہ کہتا ہے۔

قَالِيَتْ لَا أَدْرِي لِمَا مِنْ كَلَامَتِي وَلا مِنْ حَقِّي تِلَا فِي مُحَمَّدٍ

مَتَى مَا تَنَاقَى عِنْدَ بَابِ ابْنِ حَاشِمٍ تَوَاحَى وَتَلَقَى مِنْ فِرَاضِلِهِ مَدَى

اَجْدَلْتُ لَمْ تَسْمَعْ رِصَاةَ مُحَمَّدٍ نَبِيِ الْاَلَانِ عَيْنِ اَوْحَى وَاشْهَدُ ا

ان شعاریں اُس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا تھا۔ محمد کا ذکر کیا ہے اس موقع پر اور صحابیوں نے اسے مدینہ جانے سے منع کر دیا تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا کہہ دینا نام محمدؐ معروف تھا اور آپ کی شہرت اسی نام سے عرب میں پہنچی تھی۔ اسی نے یہ فقیدہ مع حبیبہ کے زمانے میں کہا تھا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات سے پانچ سال قبل بھی اسم محمدؐ کے نام سے مشہور تھے۔

اسی طرح ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ابواسمیر بن عرش نے ایک شعر میں کہہ میں اسلام کی شکلات کا ذکر کیا ہے۔ جس میں سرے خند کا ذکر ہے جو تین ہجری میں واقع ہوا۔ اُس میں وہ کہتا ہے۔

خند ددکم عما يقول محمد وكنف به واللہ ساء وشاهد

ترجمہ ۱۔ محمد کو کچھ فرماتے ہیں۔ تم لوگوں کو اس سے دیکھتے ہو اس سے انکار کرتے ہو اللہ تعالیٰ یہ سب کچھ دیکھتا ہے اور گواہ ہے۔ یہ ایک

پڑی گواہی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم محمدؐ مکہ کے لوگوں میں ہجرت کے تین سال قبل مشہور تھا۔ ابوہریرہؓ غزوہ بدر میں کفار کی جانب سے شریک ہوا تھا۔ پھر ہشتر سو اسی دن حق تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی مانگی اور آپ نے مد گنہ فرمایا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ میں تجھے اس بات پر مجبور نہ ہوں کہ تو آئندہ دشمنان اسلام سے لعنہ لے لے کر کہے گا ابوہریرہؓ نے ایسا ہی وعدہ کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم والسلام کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھا جس میں وہ کہتا ہے۔

الا بلعنا عفی اللہ عنی محمدؐ
فانت امرؤ قد عوا الی الشیخ والشیخ
ولکن اذا ذکرت بدائی و اھلھا
بانتک حق والمہدیٰ حمید
علیک من اللہ المکرم شہید
تادب ما فی مصحف و تصور

ترجمہ۔ اے لوگو! یہ سلام محمدؐ کو پہنچا دو کہ آپ بلا شک حق پر ہیں اور جو لائق حمد و ثناء ہے۔ آپ الہی شخصیت ہیں جس سے ہدایت کی طرف بلانی ہے۔ آپ اللہ صیب العزت پر گناہ ہیں۔

لیکن ایک بات ہے کہ جب مجھے یہ اصرار ہوا تو آپس تو حضرت و فدات کا ہجوم ٹوٹ پڑا ہے۔ یہ مکی سائنس دانوں کی جلیلہ کا نام۔ محمدؐ ۲ ہجری میں بولتا ہے کہ یہ مکہ وہ اس کے سوا اور کوئی مصر نام آپ کا نہیں جانتا۔ یہاں شاعر کے کلام میں ایک اندیشہ کی طرف بھی اشارہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمدؐ اپنے نام۔ جس سے نکالا ہے اس سے اشارہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے سمات سال قبل کہے گئے ہیں اس پر تو پرستش و شوق کی اس بات پر کہ سن بن ثابتؓ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ لقب دیا تھا۔ عقل حیران رہ جاتی ہے کہ جو نام لوگوں کے یہاں غیر معروف مہاجر، اہل کی تشریح و تفسیر ایسا نام سے کی جاتی ہے جو معروف ہو۔

حق اذ قال المرسل محمدؐ ابن سلیم قد وفیتہ فادفعوا

— اللہ —

حضرت حسان بن ثابتؓ نے کہا۔

لصفا وادینا اللہ محمدؐ علی الفیاض من معدن و ما علم

ترجمہ۔ ہم نے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی اور انیس پناہ دی۔ ریاضی، معدن اور علم کی ناریاضی کے بارے میں۔ چونکہ لفظ نبی اس موقع پر مشہور نہ تھا۔ اس لئے شاعر نے معروف نام محمدؐ کے ذکر سے توہین کر دی۔

یہ گواہی تاریخی دلائل ہیں۔ جن سے محض کریہ ثابت ہو جاتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمدؐ ابتداء ہی سے رکھا گیا تھا۔ اس واقعے معاملہ میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں۔ اگر مستشرقین پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کوئی دوسرا نام جانتے ہیں۔ تو انہیں چاہئے کہ دلائل کے ہمراہ پیش کریں، تاکہ سچ، جو حوثِ ادا حق و باطل کے درمیان تمیز ہو سکے۔

(صفحہ ۹۹ م کا بقیہ)

پس طریقت جہیت اے دلائل حیات شرح را دیدن یہ احوال حیات

انتہا دین نہیں ہیں جالاک و حجت فک کے مالک تھے مگر یہاں عمل میں کچھ گمراہ تھے، اس کا اعتراف خود انہوں نے بھی کیا ہے اور اگر وہ عمل کے لئے ہر بار دعا مانگتی ہے۔ شتوی۔ پس ہر ماہ گرو۔ میں فرماتے ہیں۔

فکر میں درہم میں چالاک چست
تیشہ ام را نیز تر گروں کہ من
مومن از خوشن کا فسر نیم
تھم کہ ار سے خاک من نہ دست
نمختے دارم فروں از گوہ کن
برف نام زن کہ بد گوہ پر منم

اسرار احمد ہادی (ایم۔ اے)

آداب مُراسلہ نگاری

انسان تمدن بننے سے پہلے بھی مدنی الطبع تھا وہ اپنی فطرت کے اس قدمے بس اندک زندہ رہتا ہے کہ اگر اس کو اس کی مسلسل کوئی سال تک دیکھ بھال اور پرورش نہ کریں تو وہ زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ اسی وجہ سے ابتدائے آفرینش سے انسان کو رنگارنگی زندگی ہی ملا آئی ہے دوسرے جانداروں کی یہ کیفیت نہیں ہے ان کے بچے پیدا ہوتے ہی خود کفیل ہو جاتے ہیں یا بہت قوت سے عرصے میں اپنی حفاظت کئے، ان کے ہر کام میں۔ اسی وجہ سے اکثر جانوروں کو گروہ اندہ بچہ بنا کر زندگی گزارنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اس کے علاوہ انسانی زندگی کا اہمیت پس خالق کائنات کے نزدیک کھنڈیا وہ معلوم ہوتی ہے اس لئے اس کی زندگی کی حفاظت اور بقا کے نسل کی ضمانت دوسرے جانوروں کی نسبت زیادہ کاٹھی ہے۔ جان کی حفاظت کئے اس کو سب سے بڑی اور طاقت ور چیز عقل عطا کی گئی ہے جو دوسرے جانوروں کو نہیں ملی، اس سے محروم ہوتا ہے کائنات کی زندگی کی بقا قسمت کو بہت عزیز ہے۔

تیسرا کیا جاتا ہے کہ ابتدائے آفرینش میں انسان ایک دوسرے کو اشاروں سے مخاطب کرتا ہوگا۔ پھر کچھ بے منظم قسم کی آوازوں کو کام میں لایا گیا ہوگا اور آواز میں اشارے مل کر کام کرنے میں آئے۔ غصہ، محبت، نفرت وغیرہ کے جذبات کو آواز کے تار چڑھا کر اشاروں کی منتقلی دوسرے سے ظاہر کیا گیا ہوگا۔ لیکن جیسے جیسے انسان تہذیب و تمدن کا نشوونما ہوا اس کی زندگی میں پیچیدگی پیدا ہوئی۔ اس کی ضرورت میں اضافہ ہوا۔ بعد وہ دلہنستان آباد ہوئی جہاں کہ اشارے اور آوازیں ابلاغ کئے کافی نہیں ہو سکتے تھے، چنانچہ ضرورت نے انسان کو ایک نئی ترکیب سمجھائی اور اس نے تعابیر بنا کر اپنے پیغام عزیزوں اور دوستوں کے پاس بھیجا شروع کئے، اشاروں اور آوازوں کو انسان نے ایک تباہی یہ بھی محسوس کی ہوگی کہ ہر بات ایسی نہیں ہوتی کہ اس کو سوائے مخاطب اصل کے کوئی دوسرا سمجھ لیکن اشاروں اور آوازوں کو زیادہ پیغام رسائی بنانے سے مازداری ممکن نہ تھی اس وجہ سے تعابیر کا فن ایجاد ہوا۔ تعابیر نے ایک طرف مل دت گزرنے کے بعد صرف کچھ کی صورت اختیار کر لی اور آہستہ آہستہ خبر کا ایک مستحق فن ایجاد ہوا۔

مندرجہ بالا گنا دخول سے ایک بات یہ ذہن میں آئی ہے کہ خطوط نویسی کا ایک بڑا مقصد مازداری ہی تھا۔ انسان اپنی بعض باتوں کو حینئہ ماز میں رکھنا چاہتا ہے اور بلا کوئی بات اگر نہیں کر سکتا تو تحسیر کے ذریعے سے اپنے پیغام کو اپنے مخاطب تک بڑی آسانی اور حفاظت سے پہنچا سکتا ہے۔ یہ مازداری کا مادہ ہی دراصل خطوط نویسی کی جان ہے، خط دراصل وہی ہے جس میں ایسی باتیں بیان کر دی گئی ہوں جو دوسروں کے لئے نہ ہوں بلکہ صرف مخاطب کے لئے ہی مخصوص ہوں بلکہ ان کو دوسروں کی نگاہوں سے محفوظ رکھنا ہی مقصد ہو اسی لئے مشرقی آداب میں خطوط کی مازداری کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور جہاں مشرقی گھرانوں میں دوسرے اخلاقی سبق دئے جاتے ہیں۔ مانا ایک سبق یہ بھی ہوتا ہے کہ دوسروں کے خطوط بغیر اجازت کے نہ چھنا منع ہے۔ چنانچہ اسلامی آداب معاشرت میں کسی کی بات کو چھپ کر سننا یا کسی کے مال کو خاش کرنا انتہائی نتیجہ نفس گمانا گیا ہے۔ لیکن آج کل کی معاشرت کے آداب میں ان اخلاقی اصولوں کی تعداد کو تسلیم نہیں

یا ہمارا ادا ہے۔ آہستہ آہستہ رنگ ان قدموں کو نظر انداز کرتے ہوئے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ ان کا دلنا کچھ نہیں اس کا ہر پر فصل نام کا مال ہے اور عوام کو حق حاصل ہے کہ اس کا کوئی دلائل نہ رہنے دیں اور اس کا ہر راز کو طشت از با م کریں۔ جہاں آج کل قدموں میں جسمانی عروانی پسند کی جاتی ہے وہاں ان کو رنگا رنگ دنیا بھی ایک مستحسن فعل ٹھہرا دیتا ہے۔ ہر حال پسند واپسند کے حوالہ دیتے رہتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں عقل سلیم عطا فرمائی ہے تو ہمیں چاہئے کہ ہم یہ سمجھتے رہیں کہ کون سے معیاد ہمارے زندگی کے لئے مفید ہیں اور کون سے عیاد مضر ہیں۔ بعض دلی خواہش اور نفس کے حکم کے پابند ہو گئے ہاں۔ میں یہاں اضافیت سے انکار کرتا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ اضافیت کو تسلیم کرتے ہوئے بھی ان کو اچھائی اور ہلائی کے یہاں سے غور کرنے کی کوشش کریں۔ اضافیت کے معنی مزاج اور اخلاقی انارک کے نہیں ہیں۔ تاہم ان اس کی پابندی تنبیہ و تہذیب کی علامت ہے، مزاج اور انارک کی وحشت کی۔ میں خبر و خبر کے یہاں مقرر کرتے وقت اور کچھ نہیں لکھ کر ان کو انارکیت کا ہی خیال رکھنا چاہئے۔ یعنی جو چیز عمومی حیثیت سے انسانی زندگی کو ہلندی، خوف اور سکون عطا کرنے والی ہو اس کو اپنا لیا جائے اور جو چیز ان کو گھسی، ذلت اور انتشار کی طرف لے جائے اس کو ترک کر دیا جائے۔ میرے خیال سے عروانی خواہ کسی قسم کی ہو، فحش یا جسمانی انسانی شرف کو مٹانے والی، اس کو ذلیل کرنے والی اور اس کی زندگی میں انتشار پھیلانے والی چیز ہے۔ ان نے لاکھوں سال کی زندگی میں تجربات حاصل کیے ہیں نتیجہ نکال لیا ہے کہ عروانی فحش اور نقصان دہ چیز ہے۔ اس لیے ان کو ہر حال میں اس کی سطح پر لے آئی ہے۔ یہ انسان اور جہان میں امتیاز پیدا کرنے والی ہے۔ راز داری اور پردہ پوشی ان کی تمدن کی پیداوار ہے۔ اگر ہم خاص افادیت کی نظر سے اس سطح پر غور کریں تو یہ بات آسانی سے ہماری سمجھ میں آ جاتی ہے کہ عروانی میں بہت سی تباہیتیں ہیں۔ جسمانی عروانی میں انسان کو مادی سمجھنا پڑتی ہے۔ شرم و حیا کا تصور ختم ہو جاتا ہے۔ اخلاقی اور جنسی انتشار پھیل جاتا ہے، لڑائی و فساد قتل و غارت کا رواج پھیل جاتا ہے۔ فحش سلیم پر بھی عروانی نراں۔۔۔ گورتی ہے اگر یہ کہیں کہ ان ہر چیز کا عادی ہو جاتا ہے تو کیا یہ اچھی بات ہے کہ انسان اپنے آپ کو ایسی چیزوں کا عادی بنائے جو فحش و طہر پاس کو بالکل حالہ بنا دیں۔ لباس انسان کی حفاظت ہی نہیں کرتا بلکہ اس کی زینت کا باعث بھی ہے۔ اس کے بہت سے عجیب کی بھی پردہ پوشی کرتا ہے۔ ننگے آدمی کا ہر عجیب نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے اور ہمیں زندگی میں خوبصورتی کا اظہار اور پسند و پسندی کی اس لئے ضرورت ہے کہ ہم زندگی کو بدعجیب اور خوبصورت ہی دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ اتفاق اور عجیب سے فطری طور پر ہمیں کوفت اور کراہت محسوس ہوتی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہر چیز ہمارے سامنے ایک اچھے عیاد اور حسن صورت اور حسن سیرت کا بیکر بن کر آئے تاکہ ہم اس کو حمد اور عیاد سمجھ کر اس کی پیروی کریں اپنے ذوق جمال کی تسکین کریں اور اگر ہر کے کو اس عیاد کو آگے بڑھانے کی کوشش کریں۔ اگر ایک انسان جسمانی طور پر بدعجیبیت، مکرر اور مکرر ہے لیکن وہ ہمارے سامنے آتا چاہتا ہے تو اس کو تن کرنا ہونا چاہئے کہ وہ ایسا کرے اس میں ہمارا بھی فائدہ ہے اس کا بھی۔ اپنے اس ادھاکے ساتھ وہ ایک تمدنیت اور خوبصورت اور خوش مزاج انسان کی سی حرکتیں کرے گا۔ اس میں خود اعتمادی پیدا ہوگی اور نفسیاتی طور پر اس کی زندگی پر بھی خوش گوار اثر پڑے گا اور دوسروں کی زندگی پر بھی۔

مندرجہ بالا تمام باتوں کا اخلاق و فہم عروانی پر بھی ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے ذہن کی چند علامات کو پس پردہ رکھنا چاہتا ہے۔ خصوصاً وہ علامات جو تمدنی اخلاقی اصولوں میں قابل اعتراض سمجھے جاتے ہیں کہیں اس کا یہ حق چھین نہیں لینا چاہئے خصوصاً جب کہ ہمارے دھیان و ذہن اور اپنے آپ کو لگاتے ہوئے ان لوگوں کی توجہ یہ نہ کہنا چاہیے کہ ان کی تفسیر اس صرح نہ کرنا چاہیے کہ اس کو لگاتے ہوئے التزامی سے خبر لگائے۔ مرنے کے بعد کسی کے ذاتی خطوط یا کہ دنیا خصوصاً جن کو وہ زندگی میں شائق کرنا

پسند نہ کرنا ہو بڑا ظلم ہے۔

ہیں ہر شخص کے ان خیالات کو معلوم کرنا چاہئے۔ جو وقت سے فعل میں منتقل ہو کر کسی طرح ہمارے معاشرتی طرز پر اثر انداز ہو رہے ہوں۔ یہی دنیا میں ہر جگہ خالوں، فاضلے جو خیالوں میں ظاہر ہو اس پر کہیں دامن گیر نہیں ہوتی۔ بڑے خیال کا پیدا ہونا ہر شخص کے ذہن میں ممکن ہے۔ لیکن اچھے لوگ اس کو بڑا دیتے ہیں اور خرد خیال کی اہانت نہیں دیتے۔ ان کے بس میں اتنی ہی بات ہے اسی سے نیکی و بدی کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ بھی انہیں خیالات اور خواہشات پر مدار دیکھ کر کہتا ہے جو وقت سے فعل میں آجائیں اور معاشرے میں خرابی کا باعث بنیں۔ خطوط کا بھی معاملہ بڑی حد تک خیالات کا ہی ہے۔ ان کی مہارت بہت محدود ہے۔ بشرطیکہ ہم اس کے تعین کو خود تمام دنیا میں پھیلانے کی کوشش نہ کریں۔ تعجب ہے کہ ہم کسی کے خطوط پر غور نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اس نے یہ غیر اخلاقی بات لکھی لیکن غرض اس کو بدنام کرنے کے شرع میں اس حدود برائی کو غیر محدود ہم خود بنا ڈالنے میں کیا پھر چلتے ہیں اور واقعی نگل جاتے ہیں۔ یہاں مثال کے طور پر میں مولانا شبلی کے خطوط کا ذکر کر دینا چاہتا ہوں کہ سادہ و انتہائی ظلم کیا گیا ہے کہ اس وقت جبکہ وہ اس دنیا میں نہیں اور اپنی مخالفت نہیں کر سکتے اور نہیں بتا سکتے کہ انہوں نے کیا بات کس خیال خیال سے کہی کہ ان کے ایک ہی بات مختلف خیال کے تحت کی جاسکتی ہے ہم نے ان کے بعض وہ خطوط شائع کر دیے جن کو شاید اپنی زندگی میں شائع کرنا پسند نہ کرتے چند سالے پاسقی شہرت حاصل کرنے کے لئے اپنی شخصیت کی کوئی کمی بردہ کر کے لے گئے یا اس کی بکتری کو دہر کر کے لکھتے ہیں کہ عروم کے ناموں پر جس حد کرنا گوارا کریں۔ آخر ہم اپنے جسم کے بعض حصوں کو دھروں کی نظر کے سامنے نہیں لاتے تو ذہن کے بعض گوشوں کو چھانے سے بھی کیوں عروم کر دیا جائے۔ ہاں شاید اگر ہماری ملازمتی کسی بڑے فتنے کا باعث ہو رہی ہے تو مغلانہ کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو برا ظاہر کیا جائے۔ لیکن شبلی کے چند خطوط کی بڑے معاشرتی یا اخلاقی فتنے کا سبب نہیں بن سکتے تھے اگر وہ اخلاقی فتنہ بن سکتے تھے تو اپنی اشاعت کی وجہ سے ہی بن سکتے تھے۔ تو یہ کام شبلی نے نہیں کیا وہ ہم نے کر ڈالا۔ پہلے وہ خطوط ایک ذات تک محدود تھے اب ہم نے ان کو عالم گیر بنا دیا۔ دماغی اور تدبیر کا یہ کارنامہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ یقینی ان کے خطوط شائع کرنے جاتے لیکن وہ چند خطوط جو اخلاقی طور پر قابل اعتراض ہو سکتے ہیں ان کو شبلی کا ناموس سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا تو کوئی بہت بڑا خاصہ قوم کے چھ میں نہ آ جاتا یا کوئی بہت بڑا ادبی ضیاع نہ ہو جاتا۔ شبلی کے تقدس کو مجبوراً کہہ ہم نے کوئی کارنامہ سراہا ہم نہیں دیا یقیناً ایک مقدس شبلی ایک عاشق مزاج شبلی سے قوم کے لئے کہیں زیادہ مفید ہو سکتا ہے۔ خواہ انہوں نے تقدس کا لبا ہی اٹھ لیا تھا لیکن ہمیں ان کے لبا سے کوئی تار نہ گر دینے کا حق نہیں تھا جب کہ انہوں نے اپنی ساری زندگی تقدس کے دنگ میں ہی گزارنے کی کوشش کی تھی اس وجہ سے کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ہم پر ان کی تقدس کی زندگی ہی نظر انداز ہو رہی تھی ان کی پس پردہ زندگی یا عاشق مزاجی قوم پر کسی قسم کا اثر نہیں ڈال رہی تھی اس لئے ہمیں ان کی اس دودنگ کی شکایت کرنے کا بھی کوئی حق نہیں تھا۔ اب ایک ادبی مکتہ یہ رہتا ہے کہ ہر اخبار ان کے خطوط کے شبلی کے کام کو صحیح طریقے سے نہیں سمجھ سکتے تھے، یہ خیال بھی ایک دم اور خدنگ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ کیونکہ کسی کے کام کو سمجھنے کے لئے اس سے استفادہ کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ لازمی طور پر یہ بھی معلوم کریں کہ اس نے الفاظ کی کیا معنی لکھے ہیں یا کسی خاص جذبے کے تحت کوئی شعر مدوں کیا ہے۔ بلکہ محض ہم ان الفاظ سے جو معنی متبادر ہوتے ہیں انہیں کر لیتے ہیں۔ چنانچہ اگر کسی شعر سے بہت سی پیچیدہ ہوں تو ہم اس کو پہلو وار ذکر کرتے ہیں اور ہر معنی سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور کسی معنی کو یہ کہہ کر رو نہیں کر دیتے کہ شعر کا ان الفاظ سے یہ مطلب نہیں تھا۔ چنانچہ غالب کا کام اس خط میں اپنی خاص شہرت رکھتا ہے کہ کوئی شخص اس بات کے پیچھے نہیں پڑتا کہ غالب کا اس شعر سے کیا مطلب تھا اور کس جذبے کے تحت یہ شعر کیا گیا بلکہ جتنے مطالب بھی ایک شعر سے

نکلتے ہوں ان سے لطف اشیا ہوتا ہے خواہ وہ معافی غالب کے کسی دھم و گمان میں نہ آئے ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کثرتِ عواظ خاص جنبہ یا خاص مطلب ایک ناولی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی صرف اتنی اہمیت ہے کہ اگر معلوم ہو جائے کہ یہ متعین ہو جاتا ہے کثرتِ عواظ اپنے شکر کو خود کو طرح سمجھتا تھا اس بات کی اتنی اہمیت نہیں ہوتی چاہے کثرتِ عواظ کو خاک میں ملا دیا جائے اور اس کی زندگی بھر کی کثرتِ عواظ کوئی جانے ہر چیز کی ایک جہتی چاہتے باشندے ہیں اس کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم یہ گھوڑ لگائیں کہ کثرتِ عواظ ایک شکر کھتے وقت کس جذبے سے کس قدر متاثر تھا۔ لیکن جس طرح ہم اپنے جسم کے کچھ حصوں کو بردے میں رکھتے ہیں اور کسی کے سامنے ان کو کھلنا پسند نہیں کرتے اور یہ ہماری تہذیبی حق تسلیم کیا جاتا ہے اسی طرح ذہن کے بعض گوشوں کے متعلق بھی یہ حق تسلیم کیا جانا چاہیے کہ اگر ہم ان کو دوسروں کی نگاہوں سے محفوظ رکھنا چاہیں تو ان کو محفوظ ہی رہنے دیا جائے خصوصاً ان لوگوں کے بارے میں جو ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے ہیں اور اپنا دماغ خود نہیں کر سکتے۔ چنانچہ اگر شبلی کے خطوط عطیہ بیگم کے نام اس قدر حاشیہ آرائی کے ساتھ نقل کیے گئے تھے جتنے کہ ان کے بعد اس قدر حاشیہ آرائی کی جاتی کہ ان کی باتا عدہ "سمات عاشقہ" تصنیف کردی گئی تو ان کے اشعار خصوصاً فارسی غزلیات کے سمجھنے یا ان سے لطف اندوز ہونے میں کسی قسم کی کمی واقع نہ ہوتی۔ الفاظ اور ان کے معنی مرصع ہوتے۔ ان کی تاثیریں بھی کوئی کمی واقع نہ ہوتی۔ وہ اشعار بہر حال رنگین۔ جذبات آفرین اور پستائیں بھی کہے جاتے اور شرف اپنے شرف اور سحر کے مطابق ان کو معنی پہنا دیتا۔ مراسلہ نگاری کی تکنیک میں دوسری اہم چیز سادگی اظہار ہے۔ بعض لوگوں نے صحیح طریقے سے اس امر کا ادھی کیا ہے کہ خط لکھنا کی سادگی کا لائق تہذیب کے ارتقاء سے بھی ہے۔ صرف خطوط کی عبارت میں ہی نہیں بلکہ دوسرے مطالب کے اظہار میں بھی تہذیب و تمدن کے ارتقاء کے ساتھ سادگی کا پیدا ہو جانا عام ہے۔ اگر ہم دنیا کی مختلف زبانوں کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں یہ بات آسانی سے معلوم ہو جائے گی کہ ہر زبان کے ادب میں شروع میں اس قدر سادگی نہیں ہوتی جس قدر کہ تہذیب و تمدن کی ترقی کے بعد پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ہر ادب کا بھی شروع میں یہی طریقہ ہوتا ہے کہ بڑے بڑے اور نامور شعرا کے الفاظ استعمال کرتے کی کوشش کرتے ہیں۔ کچھ تو زبان پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے اور کچھ احساسِ کمتری کا شکار ہونے کی وجہ سے لیکن جب زبان پر پوری قدرت حاصل ہو جاتی ہے اور خود اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے تو سادگی اظہار کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور پیچیدہ سے پیچیدہ ساخت کی کوئی نہایت سادہ الفاظ اور سلیس عبارت میں ادا کرتا چلا جاتا ہے۔ خطوط میں خصوصاً سادگی ادا کی اس لئے بھی ضرورت پڑتی ہے کہ لکھنے والا ایک بے تکلف فضا میں ایک دوست یا عزیز کو مخاطب کرتا ہے وہ بے تکلفی کا ماحول قدرتی طور پر اس بات کا متقاضی ہوتا ہے کہ وہ اظہارِ مطلب بھی بے تکلف نہ ہو۔ حالانکہ اظہارِ احساسِ فضا کے لئے سازگار نہیں ہو سکتا۔ پھر خط کا ہر مخاطب تعلیم یافتہ اور نگارِ رس ہے کہ وہ اظہار نہیں ہو سکتا۔ ہر وجہ اہم قریابت کے شخص کو خط لکھنے پر تہمیں اس لئے عام طور پر دبا دبا ہی ہو جاتا ہے کہ اظہار میں سادگی پیدا کی جاتی ہے اور یہی سادگی دل پہنچا دہ اثر انداز ہوتی ہے اور خطوط میں دو دلی میں براہِ راست بلا کسی حجاب کے گفتگو ہوتی ہے اسی وجہ سے اگر آپ بھی خطوط کوئی کا ایک اہم اندازِ فکر تصور کی جاتی ہے۔ وہ خط خط نہیں ہو سکتا بلکہ خط خط کے دل پر از پیدا نہ کر سکے۔ یہ ظاہر بات ہے کہ ہم زبان جن خطوط کا ذکر کر رہے ہیں۔ وہ عام کا ادب ہی خطوط نہیں ہیں جن میں کسی قسم کے جذبات کے اظہار کا شائبہ بھی نہیں ہوتا یا ان ہماری ملاقاتیں خطوط سے جن میں کسی نہ کسی قسم کے جذبات کا اظہار کیا گیا ہو۔ خواہ وہ کا ادب ہی خطوط ہی کہوں نہ ہوں۔ ہر قسم کا خط اگر اس میں کسی جذبے کے اظہار کا موقع آ گیا ہے تو ایسا خط ادب پاروں میں رشما ہو سکتا ہے۔ اگر قسم کے خطوط ادب میں اپنی مستقل جگہ محفوظ کر لیتے ہیں اور اگر کسی خط میں کسی جذبے کی لافروانی نہیں اور نہ طرزِ ادا میں کوئی دلکشی پیدا ہو سکی ہے تو ہم اس خط کو ادبی خطوط میں شمار نہیں کریں گے۔ خواہ وہ کتنے ہی بڑے آدمی کے خطوط کہوں نہ ہوں ان کی افادیت تاریخ یا کاروبار کے لحاظ سے بہت کچھ ہو سکتی ہے

لیکن ادب میں ان کو کوئی مقام حاصل نہیں ہو سکتا۔ ایک ادبی خط لکھنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ کاتب ایک ادبی شخصیت ہی ہو بلکہ عام آدمی کا خط جذبات کی فراوانی، اظہار کی سادگی اور بے تکلفی کی وجہ سے ادبی خطوط میں شہام ہو سکتا ہے اور ایک ادیب کا خط ادب کا دیواری خط ادب کے دائرے سے خارج ہو سکتا ہے۔ ویسے عموماً جوتا یہی ہے کہ عام آدمیوں کے بہترین خطوط بھی ضائع جاتے ہیں اور خاص کے بیکار خطوط بھی بڑی احتیاط اور طعراق سے شائع کر دئے جاتے ہیں صرف خواص کی نسبت سے ان کے خط میں خصوصیت پیدا ہو جاتی ہے اور اب تو خط "ہمارے ادب کی ایک مستقل صنف ہو گئی ہے، بلکہ بہت سے ناول اور افسانے بھی" کی شکل میں لکھے اور شائع کئے گئے ہیں اور اپنی جگہ بڑے کامیاب ہیں اس لئے یہ بحث چھوڑنا ضرور ہے کہ خط کو ادب میں شہانہ جاسکتا ہے یا نہیں جیسا کہ بعض لوگ اکثر کہا کرتے ہیں۔ مندرجہ بالا اثرات خط کے ساتھ خط ہمارے ادب کی ایک اعلیٰ صنف ہے جسے ناول انداز نہیں کیا جاسکتا۔

ہمارے آئندہ خط نویسوں کے سامنے فارسی خطوط کے نمونے تھے۔ فارسی خطوط کی حیثیت عام طور پر مسجع اور متعقی ہوتی تھی طرز انتہائی پر تکلف۔ عربی القاب و آداب سے گراں بار ہوتے تھے، چنانچہ اکثر لوگ نے اس سلسلے میں فارسی کا ترویج کیا۔ لیکن فارسی خطوط بھی جہاں البرافض اور نیعی کے خطوط عالمانہ شان و شوکت کا حامل تھے طرز اظہار اور عبارات آمیز عبارت کے لئے بدنام ہیں وہاں عالم گیر ادیب زبیب اور حضرت شیخ احمد رضا کی یعنی محمد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے خطوط سادگی اور بے تکلفی کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ شاید اردو کے پہلے سادہ نویس مرزا غالب بہان و دلف حضرت کی طرز نگارش کا اثر بنا ہوگا۔ خصوصاً حضرت مجتبیٰ اپنے خطوط میں بڑی سادگی کا اظہار فرماتے ہیں۔ اکثر القاب و آداب بھی نہایت مختصر اور سادہ استعمال کئے ہیں۔ جس طرح خاتون نے اپنے اردو خطوط میں اہتمام کیا ہے اسی طرح مجدد صاحب بھی اکثر القاب میں وہ ایک لفظ ہی لکھ کر بڑی مہارت اصلی مطلب پر آ جاتے ہیں اور بڑی سادہ اور دلنشین عبارت میں اپنا مطلب ادا کرتے چلے جاتے ہیں اور خط کی خوبی بھی قرار پاتی ہے کہ اس پر کسی قسم کے تکلفات کی گراں باری نہ ہو بلکہ خط لکھنے والا اپنی خوبیاں اور برائیاں بھی بلا تکلف بیان کر دے اس کے ذہن کے کسی گوشے پر بھی یہ خیال نہ ہو کہ اس کا دامن فاش ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے لوگ عموماً اپنے خطوط میں اپنی ہر قسم کی خواہشات اور آرزوؤں کا بھی اظہار کر جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ خطوط میں بے تکلفی اور سادگی کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ خط پہلے سے تیار ہو کر نہیں لکھے جاتے نہ ان کا پہلے کوئی مسودہ تیار کیا جاتا ہے نہ ان کی اصلاح کی جاتی ہے بلکہ ہر شخص خط کو ختم ہر فاش ہی لکھتا ہے۔ اسی وجہ سے کسی شخص کی ساری حیات لکھنے کے سلسلے میں خطوط کو معتبر ترین ذریعہ تسلیم کیا گیا ہے۔ کیونکہ خط کے ذریعے سے ہی آپ کے دل کے تاریک ترین اور روشن ترین گوشہ ہر جھانک کر دیکھ سکتے ہیں اور اس کی مجموعی شخصیت کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔ خطوط اس وجہ سے بھی اپنے ذہن کی تاریخی دستاویز ثابت ہو سکتے ہیں کہ..... اس میں اہم قسم کے تاریخی واقعات کی طرف اہم اشارات مل جاتے ہیں۔ خصوصاً خط لکھنے والا اور خط کا مخاطب اگر تاریخی لحاظ سے اہم شخصیت کے مالک ہوں اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خط کو طرز ادب ایک تاریخی دستاویز بنایا جائے بلکہ تمدنی طور پر اس قسم کے تاریخی اشارات خود بخود ان میں آ جاتے ہیں جس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اگر حالات اور شخص کی طبیعت۔ اس میں تاریخی واقعات کو لکھا جاتا ہے تو وہ تاریخ ہرگز خطوط نہیں ہوں گے۔ تاریخ کے علاوہ کسی علمی موضوع کا شعری طور پر ان خطوط میں مل کر دینا بھی انہیں حراست کے درجے سے گھٹایا ہے اور وہ ایک علمی مقالے کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں چنانچہ اسی وجہ سے مولانا آزاد کے اخبارات طرز دئے خطوط کو بعض لوگ خطوط کا درجہ دینے کے لئے تیار نہیں ہیں کیونکہ ان میں بہت گراں بار اور نادر قسم کے مباحث کو شعری طور پر چھپا لکھا ہے اور اکثر یہ اس میں ہوتا ہے کہ باوجود مولانا اور اہل خاں صاحب کے مدحی کے مولانا کیا احساس ضرور تھا کہ ان کے خطوط

کسی مدفن پر مشائخ کئے جائیں گے اس کے علاوہ تجاریں تکلف اور آمد و بھی پائی جاتی ہے اسی ذیل میں میری افادہ کے کچھ خطوط غالب کے بعض مکاتیب اور نیاز فقیری کے بہت سے خطوط آ جاتے ہیں۔ البتہ مشعلی لسانی اور بروی عبدالحق کے خطوط اس عیب سے بری معلوم ہوتے ہیں۔

جیل قدائی - مکتوب عبدالحق کے مقدمے میں اس بارے میں لکھتے ہیں: "غالب کو آمد و خط نویسی خصوصاً - مراد کو مکالمہ بنا دینے والی خط نویسی کا باقاعدہ اوسم سمجھا جاتا ہے جس پر اس فن کا کمال ختم بھی ہو گیا مگر اہل نظر اس امر سے انکار بھی نہیں کر سکتے کہ ان کے بعض خطوط کی برستی میں بھی اہتمام اور ادوکا دخل پایا جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ غالب نے خط نویسی کو ایک فن کی حیثیت سے اختیار کیا تھا وہ اپنے اس باب کو خاص اہتمام سے خط لکھتے تھے اور اپنی ہی طرز کی ان سے داد بھی طلب کرتے تھے، انہیں خط لکھتے وقت اس بات کا احساس رہتا تھا کہ وہ شائع کئے جائیں گے بلکہ انہوں نے خدا احباب سے کران کو بھی کیا تھا۔ ممکن ہے ان پر نظر ثانی بھی کی ہو اور بعد کے خط نویسوں مثلاً اہل کلام آنا و ادیبانہ مقصدی کے ہاں تو اس کی توقع ہی فضول ہے اس لئے کہ یہ دونوں نمدگ اہتمام اور ادوکا کے اہم میں ریزہ نشینا نیا دہم ان کے خطوط نہ مراٹے نہ مکالمے۔ جن حضرت کے نام خطوط میں وہ یا تو معدوم ہیں یا تو ان کے یہاں یا مشکوک۔ خطوط کیا ہیں مختلف موضوعات پر مستقل مقالات یا تصانیف میں جوشا پنا پنے مخاطب کو مرعوب کرنے کے لئے لکھے گئے ہیں؟

جیل قدائی صاحب کا تبصرہ وی جٹک صحیح معلوم ہوتا ہے، غالب کے خطوط اور دفتر میں اندماج خطوط نویسی میں اولیت کا درجہ رکھتے ہیں۔ ر. د. جی. بے لکھی ان کا جو سر ہے لیکن یہ دعویٰ کتنا مشکل ہے کہ انہیں اس بات کا احساس نہیں تھا کہ ان کے خطوط شائع کئے جائیں لیکن اس سے ان کی فنکاری کی عظمت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، یہ حقیقت ہے کہ ان کا ایسا دیکھ دہ طرز انہیں پر ختم بھی ہو گیا اور آج تک کوئی ان کا تبحر بھی صحیح طریقے سے نہیں کر سکا کیونکہ یہ صحیح کہا ہے کہ طرز تحریر شخص کی اپنی مخصوص شخصیت کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے غالب کی شخصیت پہلہ درستی۔ اس لئے غالب اپنے طرز کو اپنے ساتھ ہی لے گئے۔ ان کی طراوت۔ ان کی دل سوزی، خلوص، شاعرانہ عظمت، تفکر، طبیعت کی مروتی، دوستانہ جبلت، بارے جہاں کا درو جہ میں ہمیشہ لینے کی عادت، زبان پر قدرت۔ پھر زبان دانی کے معاملے میں زبردست ریاض، یہ تمام باتیں کسی ایک شخص میں۔ ایک وقت صحیح ہو جانا محال سا ہو گیا ہے جس طرح شاعری میں غالب تمام شعرا پر چمکے ہیں۔ اسی طرح خطوط نویسی میں بھی آج تک کوئی ان کا مد مقابل پیدا نہیں ہو سکا۔ بقول سید عبداللہ کے غالب نے اپنی ہمہ گیر شخصیت کا اثر بڑا بڑا ڈالا۔ اردو میں خدا لکھ کر میں نثر کا ایک الی نمونہ دیا جواب تک مغرور ہے۔ نثر میں غالب کا سرمایہ وہ خطوط میں جو انہوں نے اپنے دوستوں کو لکھے اور بہ مرزا کے قلم کا اجماع ہے کہ اس قلیل سوائے کے باوجود وہ اردو ادب میں ایک ایسا مقام حاصل کر گئے جو کسی دوسرے ادبی کو نہیں مل سکتا۔

دعائے مرزا کے خطوط میں زندگی کا ایک خاص نقطہ نظر ہے جو ان کی عبادت اور خیالات میں جان ڈال دیتا ہے۔ مرزا زندگی کے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ انہوں نے زندگی کے بہت سے رنگ دیکھے تھے لیکن ان کی بلا آتش طبیعت ان کو چند عرصے ہی سمجھتی رہی وہ سیر نہیں ہو سکے اور تیشگی کا احساس ہی ان کی زندگی اور اندازہ دلی کا سبب بن گیا۔ ان کا شہر شہر حاصل ان کے دل کی بات کی ترجمانی کرتا ہے۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکلتے

بہت نیکام مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلتے

وہ ایک بچے سیما ہی ادیبانہ نادے کی طرح زندگی کی شکلات کا حباب بھی کرتے رہے اور بقدر بہت لطافت اس کا رس بھی پھوڑتے

رہے انسان کی کوشش یہ رہی کہ ایک ایک قطرہ بخور لپی جاتی تھی کہ حدوتہ جسم بھی۔ جہولان کے انھوں کو جنبش نہیں، انھوں میں تو دم ہے مگر رہنے دعا بھی ساغر و میغا میرے آگے

مذاکی اس بے پناہ حوصلہ مندی اور زندگی کی پناہت نے انہیں یہ بہت عطا کی کہ انھوں نے پوٹوں کو صرف برداشت ہی نہیں کیا بلکہ ان پر سکنا بھی سکھایا۔ مادی قوت برداشت کی بنا پر اپنے اپنے بھی بچتے رہے۔ اپنے اپنے بچنے کے لئے معاتب کے مجرم میں سکرانے کے لئے بڑا حوصلہ چاہتے اسیہ حوصلہ مزاکر حاصل تھا۔

زمانہ سخت کم آثار ہے بھان آمد

اگر ہم تو قوی زیادہ رکھتے ہیں

ایسے حوصلہ مند آدمی کی تحسیر میں زندگی۔ شگفتگی اسیہ غدی نہ ہوگی تو میر کی تحسیر میں ہوگی۔

غالب ایک رقیں نادے تھے، ان کی خانمانی زندگی کی سعادت محض آمانی تھی۔ اس زمانے کے دورِ سعادت میں انجن آمانی گدایات کا نام نہ لے سکتے تھے، اندکوش اس بات کی ہوتی تھی کہ مل کے گندہ ہی تمام قسم کی دلچسپیاں ہیسا ہو جاتیں۔ ہر قسم کے آدمی کی صحبت میں میسر جاتے۔ اس کا لہذا اہتمام کیا جاتا تھا۔ اندکوش کی قضاوی پر دولت پانی کی طرح بہا ہوتی جاتی تھی غالب بھی زندگی بھر محض آمانی کی کوشش کرتے رہے لیکن اپنے معیار اعلیٰ نہ کہ مطابقی انجن آمانی نہ کہ کے اس جذبہ کی آسودگی بھی انہیں زندگی بھر ستانی رہی شروہ میں کسی نہ کسی طرح اس کا اہتمام کیا اور حوصلہ کے پیر جا کہ انجن آمانی کا لطف اٹھایا اور قسم کی صحبت میں بچتے رہے لیکن برصا ہے میں یہ چیز میسر نہ رہی۔ کچھ مغربی کی وجہ سے اندکوش کی زندگی میں آمانی پانگتا کا بڑا اندھ سہلایا۔

بہ آدی بجائے خدا کا عشر خیال ہم انجن بچنے میں محنت ہی کیوں نہ ہو

صرف عشر خیال ہونے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کی جنت پسند اسکتہ در طبیعت نے محض آمانی کے لئے ایک صدی ماہ بھی نکال لی اسیہ ماہ حارسہ نگاری کا راہ ہے۔ آپ ہر خط میں محض آمانی کا رنگ دیکھیں گے۔ غرض ہادی چلیں، ہنسنا، گنگنا، انا کے کائنات، خلق جگت، بستی، محبت اور لسنوی کا انھار، درستانہ دھندلایوں کا انھار، قاضی انکار، غرض کہ ہر چیز صریح طور و دستور اور آشتاؤں کی محض میں ہر گت ہے وہ غالب کے خطوط میں موجود ہے۔

خطوط کے معاملے میں غالب کی ایک بڑی خدمت یہ بھی شمار کی جاتی ہے کہ انہوں نے طویل قسم کے القاب و کواب کو ختم کر دیا۔ وہ نہایت بے تکلفی سے خط کو شروع کرتے تھے۔ وہ ان سے پہلے کی کئی سطروں میں صرف القاب چلا کرتے تھے، پھر کہیں جا کہ اصل دعا شروع ہوتا تھا۔ وہ بھی تشبیہ، استعارہ، رعایت لفظی، بے جا کلفت اور صبا لہ میں مرنے ان تمام تکلفات کو یکے بعد دیگرے ختم کر دیا۔ وہ صرف "پیر و مرشد" "بندہ نوادہ" میر سے پیاسے میر پر دی و غیرہ کے القاب سے خط کو شروع کر کے براہ راست انھار دیا پڑا جاتے تھے۔ ایک اور بڑی اہم چیز جو مرشد کے خطوط میں نظر آتی ہے وہ یہ کہ وہ ہمیشہ مخاطب کی عمر۔ اس کی نصیبات اور پسند و ناپسند کا خیال رکھتے تھے۔ وہ انتہائی کوشش کرتے تھے کہ اپنے مخاطب کو کسی نہ کسی طرح خوش کریں۔ خود خواہ غم کے دیبا میں ڈوبے ہوئے ہوں لیکن کوشش یہاں ہوگی کہ اپنی پلیٹنی کا اثر مخاطب پر نہ پڑے چنانچہ اگر وہ مجبوراً انھار غم کرنا بھی پڑ جائے تو نیز و جن کہتے ہیں کہ مخاطب پر اس کا کم سے کم اثر ہے۔ غم کی داستان کے ساتھ کوئی چٹکے کوئی لطیفہ شروع کر دیتے ہیں۔ خدا ہے اور بچنے لگتے ہیں۔ اپنا مذاق اٹھانا شروع کر دیتے ہیں تاکہ غم کا بوجھ کم ہو جائے یہ دلنوی کہاں پائی جاتی ہے۔ صفا نہیں لکھتا تھا کہ غم کا بوجھ کم ہے پھر بچوں سے بچوں کی طرح، جہانوں سے جہانوں کی طرح اور لہجہ صول سے ہڈی صول کی طرح باتیں کرتے ہیں اسیہ باتیں واقعی باتیں ہی ہوتی ہیں۔ حالانکہ ہر زمانے

میں یہ اصول تسلیم کیا گیا ہے کہ تحسیر کی زبان اور ہوتی ہے اور اس میں گفتگو کی زبان اور لیکن واقعی غالب نے مراسلے کو مکالمہ بنا کر دکھا دیا۔ تحسیر میں گھر لڑ بات صحبت کا لطف پیدا کر دیا ایک اور بڑی ہلکھٹ اور اہم چیز میں مرزا نے صنف میں وہ ان کی خطوط میں مکالمہ نہیں ہے نہ ان سے پہلے نہ بعد میں کسی نے خطوط میں مکالمے لکھے۔ مکالمے انتہائی بے ساختہ اور دل چسپ ہیں۔ ظرافت کی چاشنی کوٹ کر کٹ کر بھری ہے۔ غالب کا وہ خط جو انہوں میں سرور ہدیٰ کو ایک مکالمے کی صورت میں لکھا ہے بہت شہرہ ہے۔ کبھی کبھی کلمہ ابیہ کو غالب نے من کر لیتے ہیں ان کے خطوط ذاتی واقعات سے پر ہیں۔ اگر کوئی چاہے ان سے ان کی پوری سوانح عمری مرتب کر سکتا ہے اور وہ حالات بھی لکھ گئے ہیں جو غالباً دوسرا اپنے بارے میں کبھی نہ لکھتا۔ خطوط ان کی زندگی کا آئینہ ہیں اور اس چیز کو خطوط نگاری میں خصوص کیا گیا ہے کہ ہر قسم کا خلوص بھی دوسری جگہ نہیں ملتا ہے اور وہ خطوط نگاری میں غالب، شبلی، مود، آزاد، مہدی اناری نیا ز فخری زہرا مشہور ہیں۔ علامہ اقبال اور مولوی محمد تقی صاحب کے خطوط بھی شائع ہوئے ہیں ادیبہ دولی حضرت بھی اس لحاظ سے بہت بڑی حیثیت کے مالک ہیں۔ مسجد سلیمان ندوی کے خطوط بھی اہتمام سے شائع ہوئے ہیں۔ مولانا مودودی کے خطوط کا مجموعہ بھی مکاتیب زندوں کے نام سے شائع ہو چکا ہے اور بہت سے لوگوں کے خطوط بھی شائع ہوئے ہیں اور ہر صنف میں لیکن میرے خیال میں خطوط لکھی کے بارے میں جو لوگ صاحب طرز کہے جاسکتے ہیں وہ غالب، شبلی، آزاد اور مہدی اناری کی ہیں۔ ان میں سے ہر شخص کی کوئی نہ کوئی ایسی خصوصیت ہے جو دوسرے میں نہیں ملتی یا نہ ملنے کے برابر ہے۔ مثلاً مولانا ابوالکلام آزاد نے خطوط میں ایک نئی راہ نکالی ہے یہ سمجھتے ہوئے کہ شاید ان کے مخاطب کو کبھی غصہ نہ پہونچ سکیں گے، انہوں نے خط لکھے ہیں۔ تمام خطوط میں عالمانہ شان پائی جاتی ہے جسے بلند پایہ علمی مباحث کے خطوط میں چھپا ہے اور ان پر فاضلہ بحث کی ہے طرز ادا بھی ایک قسم کا اختیار کیا ہے، حضرت مولانا کی زندگی محنت اور مصداق جینٹلمنری میں جٹی ہوئی ہے وہ ایک ہی وقت میں مصنف بھی ہیں، مقرر بھی ہیں، مفکر بھی ہیں، ادیب بھی ہیں اور ہر صنف میں نئی علوم میں تحسیر کے ساتھ عقیدات اور فلسفے کا دوق بہت کم بھی ہوتا ہے۔ مولانا آزاد نے اپنی اسی جامعیت کا پورا پورا اظہار اپنے خطوط میں کر دیا ہے، انہوں نے فلسفے کے ساق بھی چھڑے ہیں، ادیب پر بھی نکلی ڈالی ہے، دینی مسائل کو بھی سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ شہر و شہر کا بھی ذکر کیا ہے، تاریخی واقعات بھی بیان کئے ہیں، سیاسی حالات کا بھی سراپہ ذکر کر دیا ہے، لہذا دوسری پر بھی دل چسپ بحث کے ڈالے۔ غرض کہ ان کے خطوط نیز نگہی موضوعات کی وجہ سے اس قدر کی کسی کیفیت پیش کرتے ہیں اور لکھنا ہے کہ یہ کہ مرصعوں کے لحاظ سے طرز ادا اور عبارت آسانی کا رنگ بھی بدل جاتا ہے۔ شہر و شہر کا بھی بیان میں کچھ اندنگ ہے، چھڑیا کی کہانی کا کچھ ادا۔ تاریخ اور دینی مسائل کا کچھ ادا۔

لیکن مولانا کی ہر اہم موضوع پر لکھنے کی عادت نے ان کے خطوط میں مقالاتی کیفیت پیدا کر دی ہے وہ خطوط رائے نام لگنے ہیں، انہیں خطنامہ مقالات کہا جائے تو کیا وہ منہ پر ہوگا۔ چنانچہ بعض لوگ ان کے خطوط کے مقالات ہی کہتے ہیں خصوصاً کسی بے تکلفی سا دگ اور احسن زانماری مولانا کے یہاں بالکل مفقود ہے بالکل بھی کیفیت نیا ز کے خطوط کی بھی ہے لیکن غالب، مہدی اور مولانا کی خطوط میں بینین خوبیاں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ خط لکھی کے دوران میں اگر یہ خیال آجائے کہ کیا لکھنا ہے اور کیا نہیں لکھنا تو غرض سے بے تکلفی اور سادگی کی نصیحتاتی نہیں رہتی۔ اظہار میں لگا لگت نہیں رہتی البتہ عہد اللہ کے ”رنگ، رشتہ“ ”محدوم ہو جاتا ہے، مولانا آزاد خود ایک خط میں لکھتے ہیں ”میری دکان سخن میں ایک طرح کی جنس نہیں رہتی لیکن آپ کے لئے کچھ نکالتا ہوں نا جنہر طبعی چھائی میں اچھی طرح چھان لیگا تا ہوں کہ کسی طرح کی سیاسی علامت باقی نہ رہے“ مولانا آزاد کے خطوط کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ عبارت میں اشعار جگہ جگہ استعمال کرتے ہیں خصوصاً کی بے تکلف و فضا

اس قدر اشعار کی گرا ناری کہ برداشت نہیں کر پاتی اس کا اکثر آدمی شان پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا رنگ خط کے لئے بالکل مناسب نہیں ہے۔ اس میں تنگ نہیں کہ اشعار صحت اور عقل استعمال کئے گئے ہیں اور بات خود ہے اعلیٰ معیار کے اشعار ہیں۔ جماعت میں نگینوں کی طرح جہت میں اشعار میں رنگینی و لطف و دبلا کر دیتے ہیں لیکن یہ طرز ایک ادبی مضمت کے لئے زیادہ موزوں اور خطوط کے لئے کم مناسب ہے اس طرز پر اصل خان صاحب نے جس طرح تبصرہ کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے نثر میں شاعری کا رنگ بھرنے کی کوشش کی ہے مگر خطوط کی عبارت نثر کم ہے شاعری زیادہ ہے۔ مولانا کی اپنی عبارت کے لحاظ سے بھی اور اشعار کی کثرت کے لحاظ سے بھی لکھتے ہیں اور انہوں نے نثر میں شاعری کا جواب نہیں دیا وہ ہے۔ مولانا کی اپنی عبارت کے لحاظ سے بھی اور اشعار کی کثرت کے لحاظ سے بھی لکھتے ہیں اور انہوں نے نثر میں شاعری کا جواب نہیں دیا وہ ہے۔ مولانا کی اپنی عبارت کے لحاظ سے بھی اور اشعار کی کثرت کے لحاظ سے بھی لکھتے ہیں اور انہوں نے نثر میں شاعری کا جواب نہیں دیا وہ ہے۔

تھیل رنگ در وزن بھر رہی ہے۔ اجتہاد و فکر و گشت میں وہ طرز عام سے اپنی دلکش الگ رکھیں گے۔ انہوں نے جس وقت سے نظم یا غزلیں سمجھا لیا ہے، ہمیشہ میں رد اصحاب اسلوب سے ہیں بغیر کسی اہتمام اور کاوش کے نظم پر ماحولت لکھتے گئے ہیں لیکن قدرت بیان ہے جو بے ساختگی میں بھری جاتی ہے اور کاوش نہ کرے جو ان میں بھی آد سے زیادہ بنتی اور سنو رتی رہتی ہے۔ ظرافت ہے تو وہ اپنی بے داغ لطافت رکھتی ہے واقعہ نگاری ہے تو اس کی نقش آرائی کا جواب نہیں۔ فکر کا پیمانہ ہر جگہ بلند اور نظر کا معیار ہر جگہ اوج ہے۔ اچھن خان صاحب کی سندھ بہ بالا عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ صورت نے بھی تبصرے میں شاعری ہی کی ہے اور اخبار خاطر کے رنگ کو اپنانے کی کوشش فرمائی ہے وہ اخبار خاطر میں ظرافت کی بے داغ لطافت کے اظہار کا صرف ایک اور مقام پر مروج آگیا ہے وہ بھی سرا ہے۔ چننا چڑے کی کہانی میں چند فقرے ناگہانی لکھ گئے ہیں یا پخت نہر و وغیرہ کا جہن میں ذکر کرتے ہوئے کچھ فقرے چست ہو گئے ہیں، مگر خیالی میں ان کی اہمیت اتنی نہیں کہ مولانا آزاد کی تحسیروں میں ظرافت کا مستقل رنگ تلاش کیا جائے۔ ظرافت مولانا کے مزاج سے بالکل مناسب نہیں رکھتی۔

مولانا شوقی کے خطوط کو بھی ان دنوں میں بہت شہرت حاصل ہوئی ہے اور یہ شہرت خصوصاً ان خطوط کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے جو انہوں نے عطیہ رضی کو لکھے تھے۔ مولانا کے خطوط ٹیکنک کے لحاظ سے غالب کے بعد بہترین خطوط شمار کئے جاسکتے ہیں۔ کیونکہ ان میں اکثر دل کی بات یا کسی دینی تحفظات کے کہہ دی گئی ہے۔ جو بات دل میں ہوتی ہے مولانا بلا کم و کاست اس کو نوٹ کر تسلیم کر لیتے ہیں اور یہی حصول وہ بات خطوط کی ٹیکنک کی جان ہے۔ یہ صداقت مرزا غالب کے یہاں بھی موجود ہے اور یہی ان کی لافانی کے خطوط میں بھی۔ مولانا آزاد اور نیاز فتح پوری کے خطوط اس سے محروم ہیں۔ مولانا، عطیہ بیگم کو خطوط لکھتے وقت ایسی باتیں بھی لکھ گئے ہیں جن کو آسانی سے ان کے زہد و دروغ کے خلاف استعمال کیا جاسکتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اپنے مخاطب کی خاندانی شرافت اور وجاہت کی وجہ سے یہ پورا اعتماد تھا کہ ان کو خطوط کو کسی شائع نہیں کیا جائے گا اور اس معاملہ سے ان کے خطوط تمام مشہور خط نویسوں سے اہمیت میں بڑھ گئے ہیں۔ کیونکہ غالب اور بہت حسن کو بھی کچھ عرصے کے بعد یہ احساس ہو گیا تھا کہ ان کے خطوط کی تصدیق جاہل سے اور بڑا امکان ہے کہ ان کے خطوط کو شائع کر دیا جائے لیکن مولانا کو یقین تھا کہ کم از کم عطیہ بیگم دے خطوط ہرگز شائع نہیں ہوں گے۔ ان خطوط میں مولانا ایسی باتیں بھی لکھ گئے ہیں کہ وہ لوگوں نے خوب براہی اور اپنی ادبی شہرت کا زینہ بنا لیا۔ چنانچہ چند حضرات نے ان خطوط کو طرح طرح سے استعمال کیا۔ کسی نے ان خطوط کی روشنی میں حسیہ افسانہ تصنیف کیا۔ کسی نے مولانا کی نازی غزلوں کی ترجمہ ان خطوط کے ذریعے سے ان خطوط اور غزلیات میں تاریخی قطعات پیدا کرنے کی کوشش کی تاکہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ مولانا کے خطوط ہی عطیہ بیگم کے لئے نہیں بلکہ غزلیات بھی عطیہ بیگم کے لئے ہی لکھی گئی تھیں۔ مگر یہ جیسا کہ اس مضمون میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں۔ ان حضرات سے اختلاف کرتا ہوں۔ میرا خیال یہ ہے کہ نہ تو یہ خطوط حسیہ خطوط تھے اور نہ مولانا کی نازی غزلیات کسی ذات کو سامنے رکھ کر لکھی گئی تھیں۔ دراصل اس بارے میں بہت زیادہ مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ مولانا فطری طور پر عزم مزاج اور نفاست پسند قسم کے

آدی تھے۔ انہیں صرف فارسی ادب سے ہی نہیں بلکہ ایرانی تہذیب و تمدن سے بھی بڑا لگاؤ تھا۔ امدان کے زمانے میں ہندوستانی معاشرت پر ایرانی تمدن کی چھاپ کافی گہری تھی خطوط تک اکثر فارسی میں لکھے جاتے تھے۔ سیکڑوں سال کا افرا یک ساتھ توڑا نہ ہو نہیں سکتا تھا۔ اس حقیقت یہ ہے کہ وہ آثار آج تک بڑی حد تک باقی ہے۔ ایرانی خراج میں مبالغہ آفاق ایک جزو لاینفک ہے اس کے علاوہ ان کے یہاں عام دستوں اور کٹنا ساول سے مخاطب اسی طرح کیا جاتا ہے جس طرح ہم کسی محبوب کو مخاطب کرتے ہیں۔ مثلاً ہمارے یہاں میری جان، ایک مبتذل قسم کا مخاطب ہے اور ہم عام طور پر استعمال نہیں کرتے۔ ہمارے بے تکلف دوستوں میں شاید بھی استعمال ہو جائے لیکن چھوٹوں کو خصوصاً جوانوں کو ہم ان الفاظ سے کسی مخاطب نہیں کریں گے۔ لیکن ایران میں یہ مخاطب بالکل عام ہے اور مجھے بڑے مروتانہ محبت میں کوئی امتیاز نہیں۔ اسی طرح دوسرے عاشقانہ الفاظ ایرانی ادب اور ایرانی نظموں میں عام طور پر بلا تکلف استعمال کئے جاتے ہیں۔ ادب بات صرف چند الفاظ تک محدود نہیں بلکہ کلام کے عام لہجے اور عام تعلقات میں بھی یہ رنگ پایا جاتا ہے۔ یوں نا سنجی نے اپنے خطوط امواجی غزلیات میں اسی رنگ کو اختیار کیا ہے۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ عطیہ بیگم کے گھرانے میں زندگی ایرانی تہذیب کی سطح پر ہی گذاری جاتی تھی۔ بس لئے مولانا سنجی نے وہی طرز مخاطب اختیار کیا اور عام تعلقات میں بھی اسی رنگ کو غالب رکھا۔ امواجی تہذیب اس کے طرز مخاطب ایرانی ادب کے لہجے وغیرہ سے مولانا کے متعلق افسانہ طرازی کرنے والے مجھ سے کہیں زیادہ جانتے ہیں۔ لیکن میں حسن ظن سے کام لیں کہ یہی کہہ سکتا ہوں ان لوگوں نے ایک شاعرانہ تخلیقی خاطر کو خالص ہوس انگیز مدعا بنادیا۔

اب چند باتیں مہدی حسن آدھی کے خطوط کے متعلق عرض کر کے میں اسی مضمون کو ختم کر دینا چاہتا ہوں۔ مہدی حسن مرحوم اپنی طرز نگارش میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں وہ جملہ بڑے نازک خراج، نفاست پسند، رنگین طبع اور دوست نواز قسم کے آدمی تھے، وہ عادتاً دوم درجے کی چیز پسند نہیں کرتے تھے، ان کا مذاق سلیم ان کو ہر چیز اعلیٰ درجے کی منتخب کرنے پر مجبور کرتا تھا چنانچہ ان کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لباس اور غذا کے معاملے میں بھی معیار بہیدہ بلند رکھتے تھے۔ کتابوں کے معاملے میں بھی ان کی پسند اور نپی تھی۔ ہمیشہ کوشش کرتے کہ اعلیٰ قسم کی طباعت والا ایڈیشن خریدیں۔ یہی بلند معیار انہوں نے اپنی تحریروں میں بھی ہر قسم رکھا ہے اور اس نفاست میں کاسے زیادہ اظہار ان کے خطوط میں ہوتا ہے۔ ان ذات مہدی کی عبارت میں بھی الفاظ کا انتخاب اس قدر اعلیٰ اور پرس نہیں ہے جتنا کہ ان کے خطوط میں نظر آتا ہے ان کے خطوط تکنیک کی تقریباً تمام شرائط کو پورا کرتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ وہ خطوط بہت سوچ سمجھ کر بڑی احتیاط اور جسے اتمام سے لکھتے تھے۔ لیکن یہ اس وجہ سے نہیں تھا کہ وہ ان خطوط کو شائع کرنا چاہتے تھے بلکہ عادتاً وہ محتاط تھے اور چاہتے تھے کہ امد چیزوں کی طرح ان کے خطوط بھی ادبی درجے کے ہوں۔ وہ خط لکھنے میں بڑی کاوش سے کام لیتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ اس اتمام اور کاوش کی وجہ سے ان کے خطوط میں اکثر امداد و تضحیح کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن کہاں یہ ہے کہ باوجود تضحیح کے احساس کے قاری کی دل چسپی میں کمی نہیں ہوتی۔ ان کی طرز نگارش اور اسلوب پر قاری کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور اس وجہ سے ان کے خطوط میں رنگ آسانی کی نمود موجود ہوتی ہے۔ کسی جگہ بیگانگی کا احساس نہیں ہوتا۔

مہدی حسن مرحوم بڑے رنگین طبع آدمی تھے۔ ان کی طبیعت کی رنگینی جا بجا ان کے خطوط میں مچھلکتی ہے۔ صنف نازک سے انہیں خاص شغف تھا۔ اپنے خطوط میں طرز طرز سے انکا ذکر کرتے ہیں اور بڑے دالہانہ انداز میں کہتے ہیں جس طرح دیا حق خیرا ہوئی اپنے اشعار میں شرب کا ذکر نہیں چس کر کرتے ہیں اور ایک گونہ بے غصی ان پر طاسی ہو جاتی ہے یہی حال مہدی حسن کا جس لطیف کے بارے میں ہے کبھی کبھی وہ اس جنس کا ذکر کھن خراج یہاں لکھنے لگے بھی کر جاتے ہیں لیکن یہ بات مسلم ہے کہ مرحوم آزادہ خراج باغیض صبح ان کی نہیں تھے۔ ان کے خطوط کے مخاطب اکثر ان کے ہم عصر اہل تسلیم تھے جن میں سید سلیمان ندوی، مولانا آزاد، مولانا جالندھری



آزمودہ دواؤں کا مرکب انالجین



سر درد - کمر کا درد - دانت کا درد
ایام - انفلوینزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے

یقینی زود اثر اور بے ضرر علاج ہے

Sports

01/03

پروفیسر وحید الدین نقوی (ایم اے)

ابن ابی الزریع

تاریخ فلسفہ سیاسیات میں وہ پہلا مفکر ہے جس نے اعتبار اعلیٰ کا نظریہ قائم کیا اور اس کی آئینی حیثیت متعین کی سماج میں سیاسی اداروں کی حقیقی بنیادوں کا کھوج لگا کر فلسفہ سیاسیات کی بنیادوں پر روشنی اور تفسیری مملکت کے ساتھ ساتھ فنِ محامدانی کے بھی بہترین اصول متعین کئے اس نے سیاسی اعمال کو اخلاق کا پابند بنایا اور بادشاہ کے موصوفا پرست پہلی کتاب تصنیف کی

احمد بن محمد بن ابی الزریع آٹھویں صدی خلیفہ معتصم باللہ کے زمانہ خلافت ۲۱۸ھ تا ۲۲۷ھ میں عراقی علوم کا ایک بہت بڑا ماہر تھا۔ خلیفہ معتصم اس کی صلاحیت اور عالمانہ مرتبے سے واقف تھا۔ چنانچہ اس نے ابن ابی الزریع سے ایک ایسی کتاب لکھنے کی فرمائش کی جس میں اخلاق اور معاملات کے مختلف پہلو جامع انداز میں پیش کئے گئے ہوں۔ ابن ابی الزریع نے جو معتصم کے حسن انتظام اور حسن سیرت سے ذاتی طور پر بہت متاثر تھا، اس فرمائش کے بموجب ایک کتاب "سلوک المملک فی تدبیر المملک" کے نام سے لکھ کر پیش کی۔

یہ کتاب چار حصوں میں منقسم ہے، پہلے حصے میں مصنف نے مقدمہ کتاب تحریر کیا ہے جس میں کتاب کے لکھنے کی غایت پر روشنی ڈالی ہے دوسرے حصے میں اخلاق کے احکام بیان کئے ہیں، تیسرے حصے میں سیرت عقلمند کا ذکر کیا ہے اور چوتھے حصے میں سیاسیات کے اصول و احکام پر بحث کی ہے۔

سلوک المملک فی تدبیر المملک جس زمانے میں لکھی گئی وہ تہذیب و تمدن کے اعتبار سے بڑے عروج اور ترقی کا زمانہ تھا۔ عباسی خلیفہ ہارون الرشید جو متقدمہ طور پر سلاطین عالم میں سب سے زیادہ شان و شکوہ اور جلال و جبروت والا حکمران مانا جاتا ہے، محض سستی سے ابھی رخصت ہوا تھا اس کے عہد میں عظیم مملکت اسلامیہ کا دار الخلافہ بغداد، جہاں عالمی سیاست کا سب سے بڑا مرکز تھا وہ اس وقت کی دنیا میں علوم و فنون کا بھی سب سے بڑا گہوارہ بھی تھا۔ اس کے بعد اس کے لائق فرزند ہارون الرشید نے بیت الحکمت کا اضافہ کر کے بغداد کی عظمت میں اور چار چاند لگا دئے تھے۔ چنانچہ ہارون ہی کے بیت الحکمت کا عظیم ہے کہ جدید دنیا یونانیوں کے علوم و افکار اور ان کے فنون و فلسفے سے روشناس ہوئی۔ پھر ہارون نے جلیلی عظیم الشان سلطنت پر فوٹو رمانی کی دیں ہیں عظیم الشان نظیر اپنے گہوارے کی یہ قائم کر گیا کہ اپنے بعد اپنے بیٹے جس کو ولی عہد سے محروم کر کے اپنے بھائی معتصم کو

معضل اس سے جا شین مقرر کیا کہ اس میں اتنی بڑی سلطنت کے نظم و نسق کے سنبھالنے کی پوری صلاحیت موجود نہ تھی اور وہ اپنی سیرت و کردار کے اعتبار سے بھی فائق تر تھا۔ منقسم جس نے اپنے عظیم المرتبت باپ ہارون الرشید کا عہد اور اس عہد کے علوم اور علماء کی قد وانیوں پر اپنی آنکھوں سے دیکھی تھیں، پھر اپنے بھائی مامون کے عہد میں ان کا مزید فروغ اور ارتقاء ملاحظہ کیا تھا، جب خود سرورد سے خلافت ہمارا اس نے بھی اپنے عظیم پیش روؤں کی رعایات کو بقسار رکھا اور علوم اور علماء کی قد وانی میں کو تا ہی نہ کی۔ ابن ابی الربیع نے بھی جو منقسم کی بے حد تعریف کی ہے، ہاتھوں ادا مامون کے زمانے کی روایتیں دیکھی ہوں گی۔ اس نے آگاہہ منقسم کو ان دوروں کے معیار سے کم نہ یا تو رغبا اپنی سائنس ذکر کیا۔

علمی مقام

علمی مقام | سیاسی مفکر ہونے کی حیثیت سے ابن ابی الربیع، تاریخ فلسفہ سیاسیات میں بعض اہم خصوصیات کا حامل ہے اور ان میں سب سے بڑی خصوصیت جو اس کو حاصل ہے وہ یہ ہے کہ سیاسی فلسفے میں اقتدار اعلیٰ کا نظریہ قائم کرنے کا شرف سب سے پہلے ہی کو حاصل ہوا۔ ہمارے زمانے میں اقتدار اعلیٰ کی آئینی حیثیت کو سیاسی فلسفے میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے لیکن ابن ابی الربیع کا کمال یہ ہے کہ اقتدار اعلیٰ کی آئینی حیثیت کو اس نے آج سے تقریباً گیارہ سو سال پہلے ہی متعین کر دیا تھا۔ اس کے آٹھ سو سال بعد ہمدان (Bodin)، ہابس (Hobbes)، آسٹائن (Austin) وغیرہ نے اقتدار اعلیٰ کے موضوع پر جو کچھ لکھا ہے اس میں ابن ابی الربیع ہی کا نتیجہ کیا گیا ہے۔

ابن الیاریج کے سیاسی فلسفے کی دوسری بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے سماج میں سیاسی اور اخلاقی اصول بنیاد کا کھوج لگایا ہے۔
 اساس کا تفصیلی تجزیہ کیا ہے۔ اس طرح لکھ گیا اس نے اپنے سیاسی فلسفے کی بنیاد و مکاریات پر کئی ہے اور آئے والی نسلوں کے لئے تحقیق کا
 ایک نیا اور وسیع میدان فراہم کر دیا ہے۔

اس کی نیروری بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے سیاسی فلسفے کی پیشکش میں محض نظریہ اور تجریدی مباحث میں الجھ کر نہیں رہ گیا ہے بلکہ اس نے فن حکمرانی اور نظم سلطنت کو اپنا موضوع سخن قرار دیا ہے اور ایسے اہول متین کئے ہیں جو کسی بھی وعدہ کے حکمران اپنے انظم حکومت میں استعمال کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں سبکے زیادہ قابل ستائش بات یہ ہے کہ ابن ابی البریج نے جو فن حکومت پیش کیا ہے اس کی بنیاد از سر تا سر اسراخلاق پر رکھی ہے اور اس کی پابندی میں وہ اس درجہ متحکم ہے کہ جنگ جیسے نازک موقع پر بھی وہ اخلاق کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ فن حکمرانی کی اس بحث میں اس نے نظریہ مملکت کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے بلکہ اس پر بھی اپنے مخصوص نقطہ نگاہ کے مطابق بڑی اہم بحث کی ہے۔

اس کی کتاب "سلوک الممالک فی تدبیر الممالک" کا موضوع چونکہ "بادشاہ" ہے اس لئے تاریخی اعتبار سے یہ کتاب بادشاہ پر بھی پہلی کتاب ہے۔

سیاسی افکار

دلائل کی فطرت اس کو بالاطمینان ادا اجتماع کی طرف مائل کرتی ہے اور اس کی اس فطرت کا انہماک اس کی احتیاجات اور ضروریات کی معرفت ہوتا ہے۔ جب اجتماع قائم ہو جاتا ہے تو اس کو باقی رکھنے کے لئے سنن و فرائض (آیین) کی ضرورت ہوتی ہے جنہیں حکام نافذ کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ چیز بھی خالق فطرت خود ہی فراہم کرتا ہے۔ دوسرے الفاظ

میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص فطرت پیدا کیا ہے اور اس فطرت کے مطابق اس کی زندگی کو نظم بھی چھلایا ہے

انسانی فطرت

ابن ابی اربعہ نے سیاست اور تمدن پر اپنی علمی بحث کا آغاز کرتے ہوئے سب سے پہلے اس مسئلے پر روشنی ڈالی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک خاص فطرت پیدا کیا ہے اور یہ فطرت ہی اس کو "بالطبع انسان" اور اجتماع کی طرف مائل کرتی ہے یعنی تمام مخلوقات میں انسان ایک ایسی نوع ہے جس کی فطرت اسے ایک جانب تو اپنے ہی نوع کے ساتھ محبت و مراست کے بندھن میں باندھ دیتی ہے اور دوسری جانب اسے ایک اجتماع یا معاشرے میں رہنے پر مجبور کرتی ہے اس لئے انسان صرف اس کو قرار دیا جائے گا جس میں یہ دونوں انسانی اوصاف یعنی محبت اور معاشرت پسندی موجود ہو اس بحث سے ایک نتیجہ یہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ جہاں انسان فطرت کے مطابق انسانیت و محبت کا وجود فطری ہے وہیں معاشرے کا وجود بھی کلیتہً فطری ہے۔

معاشرے کا قیام

عملاً معاشرے کے قیام میں انسانی فطرت کا اظہار اس کی احتیاجات اور ضروریات کی معرفت ہوتا ہے یعنی وہ بنیادی ضروریات جن پر انسان کی زندگی کا انحصار ہے، بالفعل معاشرے کے قیام کا وسیلہ بنتی ہیں ابن ابی اربعہ کے نزدیک وہ ضروریات پانچ ہیں: ۱۔ غذا - زندگی بسر کرنے کے لئے انسان کو سب سے پہلے غذا کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت اس لئے پیدا ہوتی ہے کہ ضرورت محنت اور محنت کی وجہ سے جسمانی قوتیں تحلیل ہوتی رہتی ہیں۔ غذا کسی کو لپکھ کر ملتی ہے اور قوتوں کو بحال رکھتی ہے اس لئے اگر غذا نہ ملے تو انسان زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔

۲۔ لباس - جسم کے تحفظ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کو سردی گرمی اور ہوائی تکالیف سے بچایا جائے چنانچہ یہ کام لباس کے ذریعے سے کیا جاتا ہے اس لئے اس کا شمار بھی بنیادی ضروریات میں ہوتا ہے۔

۳۔ مکان - سکون و راحت حاصل کرنے اور ہر قسم کی آفتوں سے محفوظ رہنے کے لئے مکان کی ضرورت ہے۔

۴۔ ازدواج - عالم امکان میں بقائے حیات کا طریقہ صرف یہ ہے کہ تولید و تناسل کا سلسلہ جاری رکھا جائے اس کے علاوہ بقائے شخصی کا بھی کوئی اور طریقہ موجود نہیں اس لئے ازدواج کو ضروری قرار دیا گیا تاکہ نسل اور نوع انسان باقی رہے۔

۵۔ علاج - جسم انسانی کو کبھی کسی کچھ عارضے لاحق ہو جاتے ہیں جن کا دور کرنا اس کی بقا کے لئے انتہائی ضروری ہے اور یہ چیز چونکہ علاج کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے اس لئے اس کا شمار بھی بنیادی ضروریات میں کیا گیا ہے۔

ابن ابی اربعہ کے نزدیک یہ پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ انسان اس سے کسی حال میں بھی مستغنی نہیں ہو سکتا اس لئے ان چیزوں کو لازم کرنا اس کے لئے ہرگز بربہ نہیں لیکن یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ ان اشیاء کی فراہمی ایک مربوط نظم کی محتاج ہے۔ مثلاً جب انسان غذاؤں کا طلب گار ہوتا ہے تو اس نے اپنے لئے محض وہ غذا مناسب غذا حیرانات اور نباتات کو پال لیکن ان دونوں کے حصول کے لئے ضروری ہوا کہ حیرانات کی پرورش اور حفاظت اور نباتات کی کاشت و حیرو کا اہتمام کیا جائے پھر ان غذاؤں کو بھی محفوظ رکھنے اور استعمال کے قابل بنانے کے لئے بہت سی صنعتوں کی ضرورت پیش آتی۔ اس طرح ضروریات کی فراہمی کا تقاضا یہ نئی

ضرورتیں پیدا ہو گئیں اور ان کا ایک بسیط مسئلہ قائم ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام امور پر انسان کے لئے ضروری ہیں لیکن پرانے
تہا ان امور کو انجام نہیں دے سکتا اس لئے تمام ان بن ایک دوسرے کے تعاون کے قیام پر تھے اس کی ایک فرست دوسرے سے
قابلیت ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگ ایک ہی مقام پر مل جل کر رہنے لگے تاکہ باہمی تبادلہ محنت اور لین دین کے ذریعہ سے ایک دوسرے
کے ساتھ تعاون کر سکیں، اس طرح شہر آباد ہو گئے اور معاشرے اور تمدن کی بنیاد پڑ گئی۔

مملکت کی ابتداء

ابن ابی اربعہ کے خیال میں بستیوں یا شہروں کی آبادی کے ساتھ ہی ساتھ لوگوں نے مل جل کر کام کیا بھی شروع کیا لیکن معاشرتی زندگی میں چونکہ عمل بالانصاف اور ظلم و ستم دلوں ہی کا امکان تھا اور ان امور میں ہر شخص علیحدہ علیحدہ روش بھی اختیار کر سکتا تھا جس کے نتیجے میں معاشرہ ہی منتشر ہو جاتا۔ پس لئے باری تعالیٰ کی شان پر ربوبیت اس صورت مترجہ ہوئی اور اس نے سب ہی کے لئے سنن و فرائض و آئین، مفسر و فرائض کے تاکہ تمام لوگ اپنے معاملات میں ان پر عمل اور فرائض میں اختلافات کی صورت میں ان ہی کی جانب رجوع کریں اور ان لوگوں کو بھی جو ان سے انحراف کریں ان پر عمل پیرا ہونے کے لئے مجبور کریں تاکہ ان کے معاشرتی امور میں باضابطگی اور ان کے معاملات میں یکسانیت پیدا ہو۔ اس طرح تمام لوگ ظلم و ستم سے بچ جاتے ہیں۔ اور سنن و فرائض کی تنفیذ کے لئے چونکہ حکام کا ہونا ضروری تھا چنانچہ شریعت بطور ہدایت اس جانب بھی ہدایت فرمادیا اور حاکموں کو بھی مقصر کر دیا تاکہ وہ احکام ربانی کی حفاظت کریں اور لوگوں کو ان پر عمل پیرا ہونے کے لئے مجبور کریں۔

۱۔ ابن ابی اربعہ کی یہ لچہری بحث دراصل مملکت کی ابتدا اور اس کی تخلیق پر دلالت کرتی ہے اور یہ بتاتی ہے کہ اس کے نزدیک مملکت ایک فطری انجمن ہے اور اس کی بنیاد نہ کسی بعد اور خوف پر رکھی گئی۔ نہ یہ کسی باہمی معاہدے کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہے اور نہ یہ کسی لاشعری ارتقا کے باعث وجود پا کر آئی ہے بلکہ ان تمام فطری پیچیدگیوں سے پہلے کہ اس نے صاف اور بدھمی یہ بات بتا دی کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص فطرت پر پیدا کیا ہے اور اسی فطرت کے مطابق اس کی زندگی کو نظم بھی عطا کیا ہے۔ ابن ابی اربعہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی شانِ حکمت سے یہ فطری بعد تھا کہ وہ ان کو زمین پر اپنے خلیفہ کی حیثیت سے پیدا بھی فرماتا اور ہم اس کو نامور کیوں میں بھیجے۔ کہ نہ چھوڑ دیتا۔ اسی اگر ان کو بھیج کر دیکھتے تو یہ اس حیثیت کو پاتے گا کہ جس خدائے زندگی جیسی شے پیدا فرماتی ہے، اسی نے نہ ان کی تمام ضروریات اور اس کے لئے اسباب و آلات بھی فراہم کر دیے ہیں اور یہ بات متفق ہے کہ ان کی زندگی کی ضرورتوں میں تنبیہ چڑی ضرورت مملکت کی ہے اس لئے محدثہ کو نبی یا الفعل یا انسانی تعالیٰ ہی نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ سے قائم کر دیا اور قیامت تک اس کو باقی رکھنے کے لئے اصول و قوانین بھی بھیج دیئے۔

۲۔ ابن ابی ربیع کی گفت و گو دوسرا فقیر یہ اخذ ہوتا ہے کہ قیام مملکت کے لئے ان کی ضرورت خود مصالہہ کرتی ہے لیکن بقائے مملکت کے لئے آئین و احکام شریعت کی ضرورت ہے۔ اسی لئے مہتمم کہ نظم و ترتیب آئین کے بغیر ممکن ہی نہیں اور علم و حکماء استیعاف سے قوائین کے بغیر ہر نہیں سیکھا جاتا۔ یہ دونوں چیزیں متفق طور پر شریعت ہی فراہم کرتی ہے۔

۳۔ تیسری بات اس کی گفتگو سے یہ اخذ ہوتی ہے کہ سرحدات میں حکمرانی کا بنیاد و فاضل یہ ہے کہ وہ احکام ربانی کی اطاعت کریں۔ اُن احکام کی حفاظت کریں اور لوگوں کو ان کے مطابق زندگی بسر کرنے کی ہدایت کریں اگر وہ ایسا کریں گے تو قلعے شریعت کے ساتھ ساتھ مملکت بھی باقی رہ سکے گی ورنہ خود مملکت ہی کا وجود خطرہ میں پڑ جائے گا۔

۴۔ ابن ابی الریث نے اس بحث میں جو تائید خود مقصود مملکت کے بارے میں بیان کیا ہے اس سے یہ ہے کہ مملکت صرف اس لئے قائم ہوتی ہے کہ اس کے اندر ایسے احکام رہیں جو ان کے لئے نفع دے تاکہ لوگ ان احکام سے واقف ہو کر اپنی زندگیوں کو ان کے مطابق بسر کر سکیں۔ مملکت کے لئے غالباً اس سے بڑا اسلام کوئی اور مقصد متعین نہیں کیا جاسکتا۔

مملکت کا تحفظ

زندگی کی نفسیاتی تمام ہی ضروریات مملکت سے وابستہ ہیں اس لئے انتہائی ضروری ہے کہ قزیم کی خواہشوں اور باتوں سے مملکت کو محفوظ رکھا جائے جو خرابیوں مملکت کو لاحق ہوتی ہیں ان کو ابن ابی الریث نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ پہلی قسم ان خواہشوں کی ہے جو حکمرانوں کے خلاف نفس کی جانب سے پیدا ہوتی ہیں اور یہی مملکت پر اثر انداز ہوجاتی ہیں۔ چنانچہ اس سے پہلے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر حاکم و عامل شخص نزدیک نفس کی فکر کرے، پرانیوں سے ہے اللہ بھلا تیل کو اخیلا۔ کہے اس وقت ہی معاملات میں اپنے جذبات کا غلام نہ بن جائے بلکہ ہر معاملے پر عقل و دانش سے کام لے۔

۲۔ دوسری قسم ان خواہشوں کی ہے جو اہل ملک کی جانب سے پیدا ہوتی ہیں ان خواہشوں کو رفع کرنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ نافرمانی و نافرمانی کو مسترد کیا جائے۔ عام لوگوں سے۔ اقدار شدہ اور سختی کی بجائے سلیکھ و سلیکھ کا طریقہ اختیار کیا جائے۔

۳۔ مملکت کے لئے تیسری قسم کی خواہشیں وہ ہیں جو غیر افراد اور جماعتوں کے دلیہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ ان خواہشوں سے مملکت پر اثر انداز ہوتا ہے، چنانچہ ان خواہشوں اور ہمتوں پر قسم کے ہتھیار چھپائے جائیں تاکہ ان کو ہر حال سے بھری مملکت کا دفاع ہو سکے۔

مملکت کے تحفظ کی اپنی ذمہ داری حکمرانوں، وزراء، پرستہ، و لیجنز اولاً اپنے نفس کی خواہشوں سے مملکت کو نیک رکھنا۔ دوسرے یہ کہ عام لوگوں سے، تہذیب و تمدن کے لئے بہترین تدابیر اختیار کرنا اور اسلام و مسلمانوں کا دفاع کرنا۔ لیکن ابن ابی الریث کا خیال ہے کہ ان تمام ذمہ داریوں کے لئے صرف وہ حکمران چاہئے جو ہر مسئلے میں جو عقل و حکمت و شریعت پر مبنی ہوں وہ نہ جو شخص خود قانون کا پابند نہ ہو وہ دوسروں کو اس کا پابند نہیں کر سکتا اور یہ معسر ہے کہ جہاں تو خدا کی پابندی نہ ہوگی وہ مملکت بہت جلد برباد ہو جائیگی۔

مکہ انوں میں ترتیباً، و تفسیر نامہ لکھنے کے لئے ابن ابی الریث کا دواں ہے، حکمران اعلیٰ کی ضرورت ثابت کرتے ہیں۔ قد ہی اس لئے ہے۔ کائنات، ہر جی بھی کرنا ہے کہ بادشاہوں اور تیسروں کی کثرت ہمیشہ فتنہ و فساد کی موجب ہوا کرتی ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہر شے میں ایک بادشاہ ہو۔ اس پر ایک ہی نظام ہو۔ اور بادشاہ کی وراثت کے ساتھ ہی۔ بعد ابن ابی الریث اس بات کا پورا احسان و فہم ہے کہ بادشاہ کی رعایا کو تو ان کے اندر جو مصلحتیں ہیں ان سے چھپا کر وہ عوام سے یہ درخواست کرے کہ وہ اپنے بادشاہ کے مین و ماوراء بن کر رہیں اور اس کے جملہ احکامات کی اطاعت کریں۔ اعلیٰ عزت کے سبب میں وہ یہ پیش بیان کرے کہ اس طرح کائنات میں تمام اعضاء اطاعت کے خوف و جست میں داخل ہوں گے اور کائنات کا نظام اس عزت قائم ہونا چاہئے۔ تاکہ بادشاہ بن جائے۔ ان کے سامنے یہ ہے۔ لیکن بادشاہ کو بھی وہ غیر فہم و دانش و انصاف اور ایمان کی ہرگز اجازت نہیں دیتا ہر س کو

۵۔ چنانچہ نظام کے لئے بادشاہ کا نہیں تو اعلیٰ غیر اس ہے اس لئے ابن ابی الریث کے سیاسی افکار میں اس کی موجودگی نہ ہی بہترین کر بہت زیادہ کشمکش ہے۔

اس مرکباً بند کرتا ہے کہ اس کے جملہ احوال ایسے ہونے چاہئیں گویا کہ وہ انہیں دھاریا کے روبرو انجام دے رہا ہے۔

بادشاہت کے جو ان کے لئے وہ ایک دلیل یہ بیان کرتا ہے کہ ہر مملکت ایک کا نظام تدبیر کے لئے محتاج ہے اور مملکت کا یہ اختیار ان تکالیف کی وجہ سے ہے جو انسان ایک دوسرے کو پہنچاتے ہیں بادشاہ چونکہ ان تکالیف کا ازالہ کرتا ہے اس لئے اس کو دھونا گزیر ہے اور اس کا تدبیر لوگوں کے لئے وہ مواقع فراہم کرتا ہے جن کی بدولت وہ مختلف پیشے اختیار کرتے ہیں اور دوسروں کی مداخلت کے خوف سے سلسلہ میں ہر کوئی سب کے لئے زندگی کی ضروریات فراہم کرتے ہیں اس طرح ہر مملکت کے لئے معاشرت اور معیشت کا ایک نظم قائم ہو جاتا ہے۔

ابن ابی الربیع نے یہ دلیل بادشاہی نظام کے حواز کے لئے پیش کی ہے۔ لیکن اگر اس کا تجزیہ کیا جائے تو یہی دلیل ہر سیاسی نظام کے لئے جو ان فراہم کر دیتی ہے اسی لئے یہاں یہ مضبوطی پیدا ہوتا ہے کہ اگرچہ جس کو بادشاہی نظام قرار دیتا ہے حقیقت میں وہ بادشاہی نظام نہیں بلکہ عام سیاسی نظام ہے اور جس کے لئے وہ لفظ "ملک" استعمال کرتا ہے اس سے صرف بادشاہ نہیں بلکہ عام سیاسی سربراہ مراد ہے۔ گورنر کے لحاظ سے بھی اس کا "ملک" عام بادشاہان عالم سے مختلف ہے۔

ارکان مملکت

ابن ابی الربیع نے اس باب میں مملکت پر ایک نئے انداز سے گفتگو کی ہے۔ اس کی یہ گفتگو محض نظری یا فلسفیانہ نہیں ہے اور نہ اس نے مملکت کے محض تحریدی تصور ہی کو موضوع بحث بنایا ہے بلکہ ایک مملکت کے صحیح خطوط پر چلائے کے لئے جن تدابیر کی ضرورت ہے ان پر اس نے بڑے حکیمانہ انداز میں گفتگو کی ہے جو اس کے سیاسی انداز کا حقیقی قلب اسی باب کے اندہ چمکتا ہے، وہ اپنے اس تئیں میں بالکل منفسر ہے کہ مملکت چار ستونوں پر قائم ہوتی ہے یا بہ الفاظ دیگر ارکان مملکت چار ہیں۔ (۱) بادشاہ (۲) رعایا (۳) عدلیہ (۴) تدبیر۔ ان میں سے اگر ایک رکن بھی کم ہو جائے تو مملکت کی حمایت ہی منہدم ہو جائے گی۔ دوسرے تمام رکنوں کے نزدیک مستحکم طور پر مملکت کے چار حصر ترکیبی، رعایا، علاقہ، حکومت اور اقتدار اعلیٰ ہیں، لیکن اگر خود سے دیکھا جائے تو ابن ابی الربیع کا تئیں زیادہ جامع اور زیادہ معقول ہے اور وہ اس طرح کہ رعایا تو دونوں فرقوں کے یہاں مشترک ہے لیکن عام مفکرین نے حکومت اور اقتدار اعلیٰ کو الگ الگ ہر دو مختلف جنس کی حیثیت سے پیش کیا ہے ان میں اقتدار اعلیٰ کی حیثیت محض اعتباری ہے اس کا کوئی واقعی مظاہرہ، بجز حکومت کے اندہ نہیں موجود نہیں ہوتا اس لئے ابن ابی الربیع نے ان دونوں کو بادشاہ کے اندر ضم کر دیا ہے۔ رعایا کے ساتھ تو غالباً اس نے اس مفروضہ پر عمل کیا ہے کہ رعایا، بادشاہ اور اس کی حکومت وغیرہ آخری سب ادا میں زمین ہی پر قائم ہوتی ہیں اس لئے ہر بحث میں زمین کو بھی ایک جزو اعظم کی حیثیت سے پیش کرنا اس نے تفصیل حاصل سمجھا اس طرح گویا اس کے ارکان مملکت میں عام مملکتوں کے چاروں مسکن عناصر ترکیبی کو لازماً شامل ہیں لیکن مملکت کو حقیقی معنوں میں مملکت بنانے کے لئے اس نے دو ہونے عناصر ضروری عدلیہ و تدبیر شامل کئے ہیں، انی الواقع ایسے ہیں کہ ان کے بغیر مملکت ایک جملہ بے روح کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان ارکان مملکت کا مختصر جائزہ مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ بادشاہ

روسلٹ کا حصر اور اس کی بقا اعلیٰ اخلاق پر منحصر ہے اور اس اعلیٰ اخلاق کا مظہر بیکی زیادہ خود بادشاہ کرنا چاہئے۔

لہذا تاریخ فلسفہ سیاسیات میں ابن ابی الربیع وہ پہلا مفکر ہے اور ملوک الملک فی تدبیر الملک وہ پہلی کتاب ہے جس نے

بادشاہ کو سیاسی فلسفہ کا موضوع قرار دیا ہے اور اس کو مملکت کے دکن اول کی حیثیت سے پیش کیا ہے اس کتاب میں اگرچہ سیاسیات کے نقطہ بھی دوسرے عقلی اور اخلاقی مضامین پر مشتمل ہستعلیٰ اباب موجود ہیں لیکن پوری کتاب کی مدح یا اس کا مرکز ہی قصہ بالکل سیاسی ہے اور اس سیاست کا محور بادشاہ کی ذات ہے۔ یہی وجہ ہے مصنف نے خود کتاب کا عنوان "سلوک المملک فی تدبیر المملک" قرار کیا ہے۔ مادہ اور سہل الفاظ میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ مملکت کے لئے بہترین تدابیر اختیار کرنیں یا بادشاہ کو کیا روش اختیار کرنی چاہئے چنانچہ اس مضمون سے اس امر کی قطعی طور پر تصدیق ہر جاتی ہے کہ اس کتاب کا اصل موضوع بادشاہ ہے لیکن تاریخی نقطہ پر یہ بھی مسلم ہے کہ یہ کتاب بادشاہ پر پہلی کتاب ہے۔

بادشاہت کے لوازم

مملکت کا بنیادی رکن ہونے کی حیثیت سے بادشاہ کے لئے ابن ابی اریج چھ چیزیں ضروری قرار دیتا ہے۔

(۱) پہلی ضروری چیز یہ ہے کہ وہ شاہی خاندان سے تعلق رکھتا ہو اور اپنے پیش رو بادشاہ کا سب سے قریبی رشتہ دار ہو تاکہ تمام رعایا اس کی بادشاہت پر مطمئن ہو سکے۔ گروہ موردی بادشاہت کا حامی ہے اور مملکت میں امن و استحکام کی واحد صورت اس کے نزدیک صرف یہی ہے کہ داخلی سیاست میں انتخابات یا انتخابات جیسے مضطرب احوال سے قطع نظر بادشاہ کا غور و انداز پر امن طریقہ اختیار کر لیا جائے۔ اپنے اس تصور کی تائید میں چونکہ ابن ابی اریج نے کوئی دلیل پیش نہیں کی ہے اس لئے اس پر تنقید کی بجائے صرف اتنا کہ دین ہی کافی ہے کہ خلافت عباسیہ کے موردی نظام کا یہ ایک تاثر ہے جو مصنف کے ذہن پر جم گیا ہے۔

۲۔ دوسری ضروری چیز یہ ہے کہ بادشاہ العزم اور عالی مرتبت ہو یعنی اس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا ہو اور اس کے اخلاق مفرد گئے ہوں اور اس کی قرب غصہ بھی حالت احتیال پر ہو کیونکہ جب تک اس میں یہ اخلاقی رفعت پیدا نہیں ہو جائے گی اس وقت تک اسے ملک حاصل نہیں ہو سکے گا اور کوئی طرح حاصل ہو بھی گی تو باقی نہیں رہے گا۔ یہ تصور کس امر پر دلالت کرتا ہے کہ سلطنت کا حصول اور بقا اعلیٰ اخلاق پر منحصر ہے اور اس اعلیٰ اخلاق کا مظہر ہے۔ یا وہ خود بادشاہ کو برنا چاہئے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ پورے فلسفہ سیاسیات کا خلاصہ صرف یہی ایک بات ہے۔

۳۔ "تیسری چیز جس کی بادشاہ کو سخت ضرورت ہے وہ حکم دینے ہے جس کے بغیر کوئی معاملہ طے نہیں ہو سکتا۔ دانتے کی یہ اہم بات مطلقہ تاریخ اور گذرے ہوئے بادشاہوں کے حالات، ان کی تباہی و ان کے تجربات پر غور و فکر کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور جس بادشاہ میں بھی یہ پیدا ہو جاتی ہے وہ لوگوں کے گرد و فریب کا آسانی کے ساتھ شکار نہیں ہو سکتا۔ یہ بات سیاسی افادیت کے لئے بڑی حکم اور سیاسی استقلال کے لئے بہت ضروری ہے اور اگر سیاسی سربراہ خود ہی اس سے محروم ہو تو اور مملکت باز پھر اطفال کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔

۴۔ چوتھی چیز صبر ہے، جو قوت اور شجاعت کے استعمال سے پیدا ہوتا ہے۔ جس بادشاہ میں یہ وصف موجود ہوتا ہے اس کے تمام امور پائیدار ہوتے ہیں اور دشمن اس کے مقابلے میں پسپا رہتے ہیں یہ بات بیشک پرانہ حکمت ہے اور اس کا مادہ اصلی یہ ہے کہ ہر ایک اخلاقی قوت ہے اور ایسی قوت ہے جو کبھی شکست یا بے نہیں ہوتی اس لئے جس بادشاہ میں بھی یہ قوت موجود ہوگی وہ اپنے تمام امور میں غالب رہے گا۔

۵۔ باخوبی چیز یہ ہے۔ بادشاہ اگر اپنے ملک کو آباد کئے اور عیال کے مال میں بھری اور انصاف سے کام لے تو اس کا خزانہ محدود رہے گا اور اس کی حکومت مستحکم رہے گی۔

۶۔ چھٹی اور آخری چیز یہ ہے کہ بادشاہ کے کچھ مستشار و مخلص دوست ہوں جو اس کے دست و پاؤں کی طرح اس کا ساتھ دیں تاکہ شاہ کا دل مطمئن رہے۔ ایسے دوست بڑے التفات و اکرام اور بے پناہ لطف و عنایت کے ذریعے سے حاصل ہوتے ہیں اور ان کے انتخاب یا بڑی یا ایک بیانیہ انسان کش کی ضرورت ہوتی ہے۔

بادشاہ کے سیاسی مشاغل

ابن الربیع کے نزدیک مملکت کی جلد سیاسی سرگرمیوں کا مرکز یا شاہ کی ذات ہے اب اگر یہ مرکز سیاسی اعتبار سے درست ہے تو یہ یقین رکھنا ہے کہ مملکت کا جلد سیاسی نظام بھی درست رہے گا اور اگر یہ مرکز ہی خوبصورت کا شمار ہوگا تو پھر مملکت کی پوری سیاسی زندگی خوبصورت میں مبتلا ہو جائے گی اور اس کا کوئی ایک گوشہ بھی ان خوبصورتی سے محفوظ نہیں رہ سکے گا۔ چنانچہ اس نے اپنے پیش کردہ سیاسی نظام میں بادشاہ کو سیاسی اعتبار سے درست رکھنے کے لئے بڑی ٹھوس تجاویز پیش کی ہیں اور یہ بتایا ہے کہ ایک بادشاہ کو کس قسم کی یا کئی زندگی بھر گریزا چاہئے تاکہ اس کے ریاست پر مملکت میں صحیح قسم کی سیاسی زندگی نشوونما پائے اس خیال میں بادشاہ کی سیاسی زندگی کے پانچ پہلو یا اور پانچوں بہت اہم ہیں اس لئے اس نے ہر ایک پہلو کی الگ الگ وضاحت کی ہے اور اس کو درست رکھنے کے لئے مناسب تدابیر بھی بتائی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(۱) نفس کی سیاست

بادشاہ کی سیاسی زندگی کا سب سے اوّلین پہلو اس کے نزدیک خود بادشاہ کے اپنے نفس کی سیاست ہے یعنی اگر اس کا نفس درست نہ ہو تو اس کے لئے ایک نفس الہی ہے تو اس کے تمام امور خیر و خوبی کے ساتھ انجام پائیں گے لیکن اگر اس کا نفس ہی غلاب ہے یا وہ جیٹھٹس تو پھر اس کے کسی بھی خوبی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ دنیا کے تمام سیاسی نظاموں میں جو کبھی قائم تھے یا آج قائم ہیں یہی ایک سب سے زیادہ بنیاد ہے کہ خود سربراہ سیاست کی کیفیت یا نفس کیسی ہے یا نہ شریف النفس ہے یا جیٹھٹا النفس؟ صرف اس بات کے فیصلے پر سے سیاسی نظام کی خوبی اور برائی کا انحصار ہے اس لئے ابن الربیع نے بادشاہ کو سب سے پہلے خود اپنے نفس کی سیاست کی جانب رجوع کیا ہے اور اس کی تربیت کے طریقے بھی بتائے ہیں تاکہ سیاسی نظام کی یہ خشت اولیٰ سیدھی جھم جائے۔ اس نے بادشاہ کو یہ مشورہ ہے کہ اس کو کاموں کے اعتبار سے اپنے اوقات اس طرح تقسیم کرنے چاہئیں کہ دن کا ابتدائی حصہ الشغلی کی عبادت اور اس کے ذکر و فکر کے لئے مخصوص ہے۔ عبادت سے فارغ ہونے کے بعد دوپہر تک اس کو بنیاد پر خود رعایا کے کاموں کو دیکھنا اور انہیں تنقید کرنا اور ان کے لئے اپنے تمام اہل اہل کام کے لئے رکھے اور دن کے آخری حصے میں کچھ وقت سیر و تفریح کے لئے مقدر کر لے۔ بطور اس کی زندگی ایک معتدہ نظام اور اوقات کے مطابق بسر ہونی چاہئے، دوسری چیز یہ کہ بادشاہ کو دنیا اور حکم ہونا چاہئے اور اس سے بڑی کچھ بھی ہو تو اسے حکمت و تدبیر کے حصول کا شوق غرض ہونا چاہئے۔ تاکہ اس کے معاملات میں نادانی یا سماعت جھگڑا یا کئے قیصری نہ رہے کہ بادشاہ کو اچھی طرح یہ جان لینا چاہئے کہ اس کا حقیقی خزانہ رعایا کے دل میں اب اگر وہ ان میں مجلساتی قائلے کا قور محفوظ ہے گی اور اگر برائی قائلے کا لڑوہ بھی صبح رہے گی۔ اس لئے رعایا کے معاملات کی انجام دہی میں اسے سبکے زیادہ یہی بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اس کے اس حقیقی خزانے میں کوئی ہلکی کچھ نہ ہونے پائے۔ جو کبھی چیز یہ کہ غلط عیب جیٹی سے معذور یا غلط تعریف سے سرور نہ ہوں۔ اپنے پانچویں چیز یہ کہ تدبیر کے فیصلوں پر گھبرانا نہ چاہئے اور کسی کام کو کبھی اس کے غیر وقت میں نہ کرنا چاہئے۔ چھٹی چیز یہ

کہ ہر حال میں خدا کا شکر بجالائے اسلئے لوگوں پر اس کی کلمے کا ہر وقت خواہش مند ہے۔ ساقی چیز یہ کہ کسی معاملے میں بھی غلط نہ کرنا نہ لگائے اسلئے ہر حالت سے اچھی طرح واقف ہے۔ انھوں چیز یہ کہ ہر کام میں حق و انصاف کو دیکھنا اصول کی حیثیت سے اختیار کرے اور جو بھی ان کا فیصلہ ہو اس کے مطابق عمل کرے۔ اسلئے چیز یہ کہ لوگوں کے غلط شیعوں کو اپنی جانب مائل کرے۔ یہاں پر اگر بادشاہ اپنے قریب ابن ابی الربیع کا خیال ہے کہ سیاہ احمد میں اس کا نفس اس کو غلط راستے پر نہ ڈال سکے گا اسلئے تمام خیالوں کا بھی مستجاب ہو جائے گا۔ جو کسی سیاہی سر بلہ کے حرف نفس کی دہر سے پیدا ہوتی ہیں۔

(۲) جسم کی سیاست

دوسرا پہلہ بادشاہ کی سیاسی زندگی کا اس کی جسمانی کیفیات سے متعلق ہے۔ اپنی اگر یہ کیفیات جسمانی اور مائل بہ خوبی ہیں تو اس کے اثرات ملکی سیاست پر بھی اچھے پڑیں گے لیکن اگر یہ جسمانی کیفیات بادشاہ کو اپنی اندہ برائی کی جانب مائل رکھتی ہیں تو اس کے زیارت پر سیاہی نظام قائم ہوگا اس میں بھی لازماً خرابیاں پیدا ہو کر رہیں گی۔ اسلئے ابن ابی الربیع اس کو بادشاہی سیاست کا دوسرا باب قرار دیتا ہے اس کی اصلاح کی بھی فکر کرتا ہے، چنانچہ اس کا مشہور یہ ہے کہ بادشاہ کو اپنی جسمانی کمزوری کا غم نہ کرنا چاہئے بلکہ اس کو ہر حالت میں اندہ ممکن طریقے سے اپنی شہرت کو محفوظ رکھنا چاہئے چنانچہ جو شخص شہرت کا بندہ بن گیا ہو اس کو وہ سرے سے بادشاہت ہی کا مستحق نہیں سمجھتا دوسری چیز یہ کہ بادشاہ کو بڑی لذت کا نوکر نہیں ہونا چاہئے اس امر کا اہتمام کرنا چاہئے کہ ان سے بالکل ہی محفوظ رہے۔ تیسری چیز یہ کہ اپنے اندہ اخلاقی اوصاف پیدا کرنا اور بڑے خصلت سے پاک رہنا چاہئے۔ چوتھی چیز یہ کہ سستی، کاہلی اور غفلت کا شکار نہ ہو اور ہر وقت چوکنا اور مستعد رہے، اپنی چیز یہ کہ اپنی خواہش گاہ سے کسی کو واقف نہ کرے، چوتھی چیز یہ کہ تندرست اور طاقت ور ہو اور کھڑے کی سہولت میں ہمارت حاصل کرے۔ ساقی چیز یہ کہ اگر شکل و صورت اچھی ہو تو یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہے۔ انھوں چیز یہ کہ اس کے تمام اعضاء سلامت ہوں تاکہ چلنے پھرنے اور اپنی ذمہ داریاں کو انجام دینے میں کوئی دیر نہ محسوس نہ کرے۔ فوجی چیز یہ کہ ملک کو آئندہ نسل کے لئے موجودہ حالت سے زیادہ آباد کرے۔ دوسری چیز یہ کہ کسی چیز کا عادی نہ بن جائے تاکہ اگر اس کو چھوٹنے کی ضرورت پیش آئے تو یہ آسانی سے چھوڑ سکے۔ گیارہویں یہ کہ ہر نفسیات کے وقت اپنے دل بھر کے کاموں کا احتساب کرے اور ہاں ہو یہ کہ اپنی ذات کے مقابلے میں ملکی مصالح کو مقدم رکھے تاکہ مملکت کو سیاہی کا عادی نہ ہو۔ حاصل ہوا۔ ان بادشاہوں کا اختیار کہ لجنہ کے بعد، بادشاہ کے پاس ہیں ابن ابی الربیع مطمئن ہے کہ اس کی جسمانی کمزورت مملکت کے سیاسی لشروں اور ملکی غلط طریقہ کار اور انداز نہ ہوگی اسلئے فتنے بیلہ نہ ہو سکیں گے جو جسمانی تقاضوں کے آگے تھک جائے۔ ملنے فرماں سداؤں کے ذریعے سے لازماً پیدا ہوا کرتے ہیں۔

(۳) خاص لوگوں کی سیاست

مملکت کے سیاسی نظام کو چلانے کے لئے بادشاہ کے چند خاص اور متحدہ رنگ ہونے میں اس کی خدمت و نفع کی طرح خدمت انجام دیتے ہیں۔ ان لوگوں کے ساتھ بادشاہ کا سیاسی تعلق ایک خاص نوعیت کا حامل ہوتا ہے اس خاص تعلق کو بہتر سے بہتر حالت میں باقی اور برقرار رکھنے اور اس کو زیادہ سے زیادہ استحکام دینے کی بھی بہتری پر مشید ہوتی ہے۔ اسلئے بادشاہ کو سیاست کا یہ پہلو درست رکھنے کے لئے بڑی احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے۔ ابن ابی الربیع نے ہی باعث اس پہلو کو بھی رعایت کی ہے

ادشاہ و شاہ کو ان مصلحتوں سے روشناس کر لیا ہے جن کی معرفت وہ اس مرحلے سے کامیابی کے ساتھ گزرتا ہے اس کے خیال میں ان خاص لوگوں میں سے بھی سلطنت کے محافظ تین اشخاص ہیں، وزیر، محتسب اور قاضی۔ بادشاہ کے جسم کے لحاظ سے تین ہیں، بائیں منہمک اور طبیب۔ اس لئے بادشاہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان خاص لوگوں کی پرستیدہ اور علانیہ مدد و ملذذوں سے نگرانی رکھے اور ان کی فہم اور اندازوں سے واقف ہے ہر وقت ان لوگوں کے ساتھ ہمراہی سے پیش آئے اور اپنی ہی جان کی طرح ان کی بھی حفاظت کرے اگر کوئی معمولی سی خطا یا لخرش ان سے سرزد ہو جائے تو ان کو معاف کر دے اور مواخذہ نہ کرے ان میں ہونہار اور معززوں کو ان کی حیثیت کے مطابق ان کے دیجات بھی ملنے کے اور ان کے حقوق کی پوری طرح حفاظت کرے۔ ان کے پاسے میں اگر کوئی شکایت برسر ہو تو بلا تحقیق اس پر یقین نہ کرے۔ پھر ان کے مراتب کا اس طرح لحاظ رکھے کہ کسی کی حیثیت بغیر سب طور پر نہ فرج و چٹا دہ نہ دوسرے لوگ بدل ہو جائیں گے۔ طبیب کے ساتھ دفعتاً فوتنا اچھا سلوک کرتا رہے۔ حافل اور اہل حد و حرمت کو اپنا ہم نشین بنائے اور ان کی ضروریات کی کفالت کرے تاکہ ان کی محبتوں سے مستفید ہو سکے۔ بادشاہ کے لئے ان تمام تدابیر کو اختیار کرنا اس کے نزدیک نہایت ضروری ہے ورنہ امور مملکت صحیح طریقے سے انجام نہیں پاسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان تدابیر کو خاص لوگوں کی یا ست سے تعبیر کرتا ہے

۴) عوام کی سیاست

مملکت کی حقیقی قوت عوام ہیں اور اگر غور سے دیکھا جائے تو سمجھتا ہوں ان ہی کے لئے قائم ہوئی ہے اور ان ہی کے دم سے باقی رہتی ہے یہی نظام کی فوجی اور خرابی کا انحصار بھی ان ہی پر ہے اس لئے بادشاہ کو ان کی جانب سے کبھی بھی غافل نہ رہنا چاہئے اور اپنی تمام قوتیں اور صلاحیتیں ان کی بہتری کے لئے صرف کرنی چاہئیں۔ بادشاہ کی زندگی میں جتنی بھی سیاستیں ہیں ان میں اہم ترین یہی عوامی سیاست ہے اور اسی باعث ابن ابی الربیع نے عوام کے ساتھ سیاسی مداخلت استوار کرنے کے لئے بادشاہ کو تفصیل کے ساتھ مشورے دئے ہیں۔ اس کے اہل مشورے حسب ذیل ہیں۔

- ۱۔ رعایا کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرے تاکہ وہ خوف سے نہیں بلکہ دلی محبت سے اس کی اطاعت کریں۔
- ۲۔ پہلے ان کے ساتھ نیکی سے پیش آئے اور پھر ان کے دل میں اپنی قربت اور مدارج کی ترقی کی خواہش پیدا کرے۔
- ۳۔ ان کے مازوں سے واقف ہونے تک ان کی خبریں دریافت کرنے سے غافل نہ رہے۔
- ۴۔ ان کے دل میں اپنی محبت و ہمدردی و وجدان کی طرح سے نہیں بلکہ مذہب کا سچا پیرو ہونے کی حیثیت سے پیدا کرے۔
- ۵۔ اپنے دیبا کے عادات و خصلتیں اور ان کی قابلیتوں کے بارے میں واقفیت پیدا کرے تاکہ صلاحیتوں کے مطابق ان کو عہدوں پر مامور کیا جاسکے۔

- ۶۔ اپنے قریب کے بادشاہوں کی خبریں دریافت کرتا رہے اور ہر مدلی پر کثیر فوج رکھے۔
- ۷۔ اپنے شکر کی اچھی طرح ظہیر کرے تاکہ انہیں انعام و اکرام سے نوازا رہے تاکہ انہیں شکایت کا موقع نہ ملے۔
- ۸۔ پہلے مدد و اعانت کا جواب دے اس کے بعد جس کی زیادتی ہو اس کو سزا دے۔

اسلامی نظام زندگی میں اس کی کوئی سند موجود نہیں ہے۔ سیاسی اعتبار سے بھی یہ ایک ہمہ جہت بات ہے کیونکہ اگر خدا بادشاہ منہمک کا طریق بن گیا تو اس سیاسی قوت منہمک کے ماتحتین منتقل ہو جائے گی۔

۹۔ پوشمن لینے کے لئے آئے اس کو خوش کر دے تاکہ اس کے اوصاف کی شہرت ہو۔

۱۰۔ شہر کی سب رتنی اصفیہ کی اشیاء کے ترغیب کی دیکھ بھال کرتا رہے۔

۱۱۔ اپنی رہنمائی کو دیکھ دیکھ اوصاف و بیم میں نہ رکھے۔

۱۲۔ بادشاہ کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ عام طریقے سے لوگوں کو نفع پہونچانا بہترین اثر پیدا کرتا ہے۔

۱۳۔ اچھول درجہوں کو ایک ہی درجے پر نہ رکھے کیونکہ اس طرز میں سے اچھے لوگ بادشاہ سے نفرت کریں گے۔

۱۴۔ جھگڑے اور ناوکہ اصل اسباب کی بیج گنی کرے۔

۱۵۔ اپنی رعایا کو دوسری مملکت سے متاثر نہ ہونے دے ورنہ رفتہ رفتہ وہی مالک ہو جائیں گے۔

۱۶۔ تمام ملک پر سیاست جاری رکھے۔

مندرجہ بالا سولہ باتوں میں ابن ابی الربیع نے عوامی سیاست کے تقسیماً تمام ہی بنیادی اصول بیان کر دیے ہیں تاکہ اگر کوئی

بادشاہ وہاں سے تربطاً نائل ان سے استفادہ کر سکے۔ نیز سے دیکھا جائے تو ابن ابی الربیع کے ان اصولوں کی پیروی کرنے والا بادشاہ

جسہری مملکتوں کے سربراہوں سے زیادہ بہتر اور زیادہ عوامی ہے۔

(۵) جنگی سیاست

جنگی سیاست دراصل سیاست خارجی کا ایک جلد ہے اور مملکت کے استحکام اور اس کی بقا کے لئے ایک بہت ہی اہم عنصر ہے

اس لئے اس کو کسی صاحب نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ابن ابی الربیع نے بھی جتنی یا سٹیں بادشاہ کے ساتھ مخصوص کی ہیں ان میں جنگی

سیاست کو بھی شامل کیا ہے۔ ترتیب کے اعتبار سے اگرچہ یہ پانچویں اور آخری سیاست ہے جو بادشاہ اختیار کرتا ہے لیکن اہمیت کے اعتبار

سے لبا اوقات ہی سیاست سب سے اولیٰ بھی ہے اس لئے اس معنی میں اس نے بادشاہ کو جو مشورے دیے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ دشمن سے غافل نہ رہے اور ہر وقت اپنے جاسوسوں کے ذریعے سے اس کی خبریں حاصل کرتا رہے۔

۲۔ دشمن اسی سے خصامی مانے سے اپنی خبروں کو پوشیدہ رکھے۔

۳۔ دشمن اور اس کے ساتھیوں کو دھوکا دینے اور ان کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے جتنی ممکن ہو دولت خرچ کرے۔

۴۔ دشمن کے ملک کا باشندہ اگر اپنے ملک میں پناہ گزیں ہو تو اس کے صحیح حالات جانے بغیر اس پر کسی بھروسہ نہ کرے۔

۵۔ دشمن اگر قوی ہو تو کثیر فوج کے ساتھ خود کو مقابلہ کرے۔

۶۔ اگر دشمن کمزور ہو تو کسی شریف، دلیر اور قابل اعتماد آدمی کو اس کے مقابلے کے لئے بھیجے۔

۷۔ اپنی فوج کو ایسی جگہ رکھے جس سے دشمن غافل رہے۔

۸۔ دشمن کو تنگ پہونچانے کے لئے اس کو مسائل سے محروم کر دے۔

۹۔ سپاہیوں کی ہر رعایت پر تجسس کا راجہ بادشاہ افسوس مند کرے۔

۱۰۔ دشمن سے جو کچھ رہے اور اپنی فوج کو محفوظ مقام پر رکھے۔

۱۱۔ دشمن کو کبھی حقیقتاً دیکھے اور اس سے ڈٹ کر مقابلہ کرے۔

۱۲۔ جہاں تک ممکن ہو لڑائی سے بچنے کی کوشش کرے اور لڑائی اس وقت شروع کرے جب اس سے بچنے کی کوئی صورت ممکن ہی

نہ ہوا گدلت خوچ کے لڑائی مال سکتا ہر قوال دے ۔

۳۔ اگر کسی جیلے سے لڑائی مال دے تو اس میں دلت ادھانیں دلتوں ہی محفوظ رہیں گی ۔

۱۱۔ دشمن ہر فتح حاصل ہوجانے کے بعد امن عام کا اعلان کر دے اور لوگوں کے ساتھ صلح مانعاف کیساتھ پیش آئے ۔

۱۵۔ مال غنیمت کو فروغ میں تقسیم کر دے اور مستحقین کو ترقی دے ۔

۱۶۔ جہولی اور بے بنیاد باتوں کی تحقیق کرے اور جو بھولے ثابت ہوجائیں ان کو سزا دے ۔

ان سربراہوں میں ابن ابی الربیع نے جنگ کے بارے میں وہ بنیادی سیاسی اصول پیش کئے ہیں جن کو اختیار کرنے سے ایک مملکت عظیم غلظت سے بچ سکتی ہے۔ ان اصولوں کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ ان کو مش کرنے والے نے جنگی امور کو بھی اخلاقی حدود کے اندر رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اور طاقت کو محض طاقت گردانے کی بجائے اس کو انسانیت کا محافظ بنایا ہے۔ سیاسی تدبیر کا یہ وہ مقام ہے جہاں ہر بے بسے سیاسی مفکرین نے فکر کریں رکھی ہیں لیکن ابن ابی الربیع وہ مفکر ہے جس نے سیاسی نظم آراؤں کے لئے بھی ان خاکوں سے بچنے والے نئے کام کر دیا ہے۔

بادشاہ کی سیاستوں کی تعمیر اور ان کا تعین کر رکھنے کے بعد ابن ابی الربیع نے اپنے پیش کردہ اصولوں کو بتائے اور ان کو عمل میں لانے کے طریقوں کی بھی تفصیل کے ساتھ وضاحت کی ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ بادشاہ کو مختلف کاموں کے لئے لوگوں کا انتخاب کس طرح کرنا چاہئے اور اہل اور نااہل لوگوں کی شناخت کرنے کے طریقے کیا ہیں۔ پھر بادشاہ جن چیزوں سے سختی نہیں ہوسکتا ان کی ایک تفصیل ہے اور ساتھ ہی بادشاہ کے لئے فردی اور غیر فردی چیزوں کی بھی فہرست مرتب کر دی ہے۔ بادشاہ کے اچھے اور بُرے خصائل انسان کے تاریخ و اشاعت پر بھی بڑی طرح مددگار ڈالتی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اس باب میں اس نے فن حکمرانی کو مکمل طور پر پیش کر دیا ہے۔

۲۔ رعایا

بادشاہ کی ذمہ داری یہ ہے کہ رعایا کو اپنے اپنے جائز پیشے اور کاموں میں مصروف رکھے اور کسی کو ہلائی میں نہ لے

یا کسی باتوں کو سوچنے کی مہلت نہ دے اور ایسا معقول بندوبست کرے کہ تمام لوگوں کی معیشت کا بہتر طور پر

انتظام ہو جائے۔ اور رعایا کا فرض یہ ہے کہ وہ مستقل طور پر اپنے بادشاہ کے اعمال و افعال کی نگرانی کرتا رہے م

بن ابی الربیع کے نزدیک مملکت کا دوسرا رکن رعایا دھوم ام ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ مملکت ان ہی کے لئے قائم ہوتی ہے

اور ان ہی پر اس کی کل زندگی کا انحصار ہوتا ہے۔ اگر ان کی حالت بہتر اور ان کا معیار بلند ہے تو مملکت بھی اسی اعتبار سے طاقتور

اور ترقی یافتہ ہوگی لیکن اگر اس کے عوام پس ماندہ انسان کے اعمال اور سرور ہوئے تو مملکت بھی اسی قدر بہت اور کمزور ہوگی صرف

حکومت کی شان و شوکت اور عسکرانوں کا طعنان کسی بھی مملکت کی عظمت کی دلیل نہیں بن سکتا۔ مملکت عظیم اسی وقت ہوتی

ہے جب اس کی رعایا عظیم ہر پہلو پر جس مملکت میں عوام کی بہتری کے لئے مسلسل کوشش نہیں کی جاتی وہ مملکت اپنے ظاہری مدد کے

اعتبار سے کتنی بھی کیوں نہ ہو وہ حقیقی طاقت اور ترقی سے محروم ہی رہتی ہے۔ رعایا کی اسی اہمیت کے پیش نظر ابن ابی الربیع نے

اس کا تجزیہ کیا ہے اور لوگوں کی اقسام تین کی ہیں تاکہ ان کے ساتھ سیاسی مہمتاؤں کو کرنے میں آسانی پیدا ہو جائے۔

تقسیم بر اعتبار حالت

عام شہر لوگ کسی نے سات قسموں میں بانٹ دیا ہے اور سب پہلی قسم میں ان لوگوں کو شامل کیا ہے جو بدلتوسی اختیار کرتے ہیں اور یہ وقت خلا کی یاد اور اس کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور لوگوں کو اپنے نمونہ اخلاق اور سبکی و عیب کے ذریعہ سے نیکی کی تلقین کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ کے لوگ یا اہل اللہ کہلاتے ہیں۔ دوسری قسم میں وہ لوگ شامل ہیں جو علوم حکمت مشائخ طیب، صاحب ہند رسد اور منطق و غیرہ سے واقف ہوتے ہیں ایسے لوگ حکماء یا اہل عقل کہلاتے ہیں۔ تیسری قسم میں اس نے علماء و اہل علم کو شامل کیا ہے ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو سخن نبوی کے حامل اور انبیاء کے خلفاء ہیں اور جن کی جانب لوگ حلال دعوام اور تفسیر و تادل کے مسائل میں رجوع کرتے ہیں۔ چوتھی قسم خاندانی یا صاحب نسب لوگوں پر مشتمل ہے یہ لوگ شریف، ذی عزت اور صاحب جاہ و مرتبت ہوتے ہیں۔ پنجم میں ان کی کثرت خوبی کی دلیل ہے۔ یہ لوگ صاحب الاحترام ہیں اور بادشاہ کا حقیقی ساندساں بھی یہی لوگ ہیں۔ چھٹی قسم فوجیوں یا اہل سیف کی ہے یہ لوگ سلطنت کے محافظ ہیں۔ ان ہی کے ذریعہ سے ملک فتح ہوتے ہیں اور دشمن کو شکست دے کر یہی اس کے شر سے ملک کو محفوظ رکھتے ہیں۔ چھٹی قسم بانسلاطوں یا اہل ثروت کی ہے جن میں تمام اہل حوزہ، کالیا، پیشہ ور اور تاجروں وغیرہ شامل ہیں۔ ان لوگوں کے ذریعہ سے لوگوں کے کام نکلے ہیں اور سب کی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور ان لوگوں میں وہ بات دالے یا اہل وہ شامل ہیں یہ لوگ کاشت کاری کرتے اور چاندنی کو پاتے ہیں جن سے لوگوں کی دنیاوی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں سال تمام اہل اللہ، اہل عقل، اہل علم، صاحب نسب، اہل سیف، اہل ثروت اور اہل وہ سے مملکت آباد ہوتی ہے چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان تمام لوگوں کو اپنے اپنے مشاغل میں مصروف رہنے دیا جائے تاکہ مملکت کے تمدنی امور بطریق احسن انجام پاتے ہیں اور بادشاہ ہر ایک کے ساتھ اس کے اعمال کو محفوظ رکھتے ہوئے معاملہ کرے۔

تقسیم بر اعتبار سیرت

مملکت میں تمام لوگ اپنی سیرت و کردار کے اعتبار سے یکساں نہیں ہوتے۔ ان میں کچھ لوگ تو اخلاقی درجہ کی سیرت کے مالک ہوتے ہیں اور کچھ کی سیرت و دینی حیثیت کی ہوتی ہے لیکن کچھ دیگر وار بھی ہوتے ہیں، اس لئے ابن ابی البریج ان سب کے ساتھ یکساں ہوتا و کو مناسب نہیں خیال کرتا۔

۱۔ اس کے نزدیک اچھے لوگ ہلاقی کو دشمن اور بھلائی کو دوست رکھتے ہیں، پھر ہی مستعدی کے ساتھ ادا امر کی اطاعت کرتے اور لوہا ہی سے باز رہتے ہیں اور جس چیز میں مملکت کی بھلائی ہو اس کی کو اختیار کرتے ہیں چنانچہ ان کا حق یہ ہے کہ ان کے ساتھ اکرام و ماحول کا معاملہ کیا جائے دوسروں پر ان کو مقدم رکھا جائے اور پھر ہی ذمہ داریوں کے عہدہ سے ان کے سپرد کئے جائیں اور ہر طریقہ سے ان کے خارجہ بلند رکھے جائیں۔

۲۔ آزاد، متوسطہ درجے کی سیرت رکھنے والوں کے بارے میں اس کا خیال ہے کہ یہ لوگ ہلاقی اور بھلائی کی جانب برابر رغبت رکھتے ہیں، اس لئے کبھی بھلائی کی جانب مائل ہو جاتے ہیں اور کبھی ہلاقی کی جانب۔ چنانچہ ان کا حق یہ ہے کہ ان کی برائیتوں کی اصلاح کی جائے جس طرح طبیب برص کا علاج کرتا ہے۔ اسی طرح کبھی چشم لوشی کے لئے کبھی سزا کے ذریعہ ان کی بری عادات کو دھوکا دیا جائے۔ (۱/۱۱)

تربیت سے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا کیونکہ یہ لوگ طبعاً موزی دماغوں کے مانند ہیں، اس لئے ان کا حق یہ ہے کہ جب ان پر نرا سزا کا کوئی اثر نہ ہو اور ان کی اصلاح سے قطعاً مایوسی ہو جائے تو ان کو کسی وعدہ مقام پر پہنچنے کا حکم دیا جائے تاکہ ان کے شر سے عام رعایا بامعین رہے۔

رعایا کے بارے میں بادشاہ کی ذمہ داری

مندرجہ بالا تمام اقسام کے لوگوں کے بارے میں بادشاہ کی ذمہ داری یہ ہے کہ ان کو اپنے اپنے جائز چیتے اور کاموں میں مصروف رکھے اور کسی کو برائی میں پڑنے یا بری باتوں کو سوچنے کی ہمت نہ دے اور جو جیسے لوگ ہیں ان کو بادشاہ کے معاملات میں خود غور کرنے سے روک دے۔ مگر جو لوگوں کی گنہ اوقات کے لئے المیہ دہوں سے ان کی حیثیت کے مطابق وصولی کرے۔ سیاست میں قریب اور بعید کو مساوی رکھے۔ مظلوم کو سزا نہ دے بلکہ اس کو بلا روک ٹوک اپنے پاس آنے دے۔ ان ظالم کے مقابلے میں اس کی راہ دہی کرے۔ رعایا کی شکایات سننے اور ان کی حاجت برآری کے لئے بہ وقت مستعد ہے۔ مضبوط شہر بنانے کے ذریعہ اپنی رعایا کو برائی و دشمنوں سے محفوظ رکھے۔ دشمنوں سے ملک کو پاک کرے۔ اشیائے خورد و نوش کی حاجت کا اہتمام کرے۔ رعایا کے گھروں کو چوروں سے محفوظ رکھے۔ تمام راستوں میں امن بحال رکھے اور شہریوں کی بچ بچائی کرتا رہے۔

رعایا کے فرائض

سیاسی فلسفہ کا یہ وہ پہلو ہے جس کو عام مفکر نظیر انداز کرتے ہیں لیکن بعض مفکر رعایا کو متاثر مطلق اور مقتدر اعلیٰ بھی سمجھتے ہیں۔ اس لئے ان کے نزدیک رعایا فرائض سے بالا ہو جاتی ہے۔ بہر کیف دونوں ہی صورتوں میں رعایا کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاتا لیکن ابن ابی البریج نے اپنے پیش کردہ سیاسی نظام میں رعایا کے فرائض سے بھی گفتگو کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ سبھی نظام کی اس وقت تک تکمیل نہیں ہو سکتی جب تک کہ رعایا بھی اپنے فرائض کو ادا نہ کرے۔ مختصر طور پر اس کے نزدیک رعایا کے فرائض میں یہ امور شامل ہیں کہ وہ بادشاہ کی عیب جوئی اور اس کے رازدوں کی تجویز کریں، اگر بادشاہ کسی بے کام کا قصد کرے تو فوراً اس کو نصیحت کرنے سے باز رہیں، یعنی یہ رعایا کی ذمہ داری ہے کہ وہ مستقل طور پر اپنے بادشاہ کے افعال و اعمال کی نگرانی کرتے رہیں۔ اصدیہ نگرائی سیاسی نظام کی بہتر کی دلیل ہے۔ اگر بادشاہ کے کسی خاص شخص سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس سے کچھ نہ کہے بلکہ بادشاہ پر اپنی تکلیف کا اظہار کرے۔ اس طرح جمالی حکومت برائیوں کے انکباب سے باز رہے گی، بادشاہ کی مسرتوں میں انہماک نہ کرتے اور اس کے غم میں شریک نہ ہوں۔ بادشاہ جب بلا سے گھر حاضر ہو جائے تو اقبال و جہر اس کی مخالفت نہ کریں۔ الغرض مملکت کی بھلائی اسی میں ہے کہ رعایا بھی اپنے فرائض خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دے۔

۳۔ عدل

(عدل ایک ذہنی کیفیت کا نام ہے جو ہر فرد کی سیرت کا ایک لازمی جزو ہے) مملکت کا تیسرا رکن ابن ابی البریج کے نزدیک عدل ہے اس بارے میں اس کا قول یہ ہے کہ "عدل مخلوق کے لئے اللہ کا ایک حکم ہے، اس کے تابع احرام ہونے کی دلیل یہ ہے کہ تمام قوموں نے خدا کے امتحانات کے باوجود قیام عدل پر اتفاق کیا ہے اور اللہ کوئی ایک قوم بھی ایسی نہیں ہے جس نے انصاف قائم کرنے کی ہلاکت نہ کی ہو یا اس کی تعظیلت سے واقف نہ کرایا ہو۔"

عام سیاسی مفکرین کی طرح عدل کے بارے میں ابن ابی الربیع کا خیال بہت محدود نہیں ہے یعنی وہ صرف اسی شے کو عدل تسلیم نہیں دیتا جسے ایک سیاسی نظام اپنی علاقوں کے فائدے کے لیے نافذ کرتا ہے بلکہ اس کے نزدیک عدل ایک ذہنی کیفیت کا نام ہے جو ہر فرد کی سیرت کا ایک لازمی عنصر ہوتی ہے اور اسی کیفیت کی مدد سے اور نہ دوسری پر حقیقی عدل کا انحصار ہے۔ اس طرح وہ عدل کو ایسی چیز نہیں بلکہ ہر شے سے معاشرے کو عدل کا دوسرا دشمن قرار دیتا ہے اور اس ذمہ داری کو مذہبی عقائد کی معرفت ادا کرنے کی تلقین کرتا ہے اس کے نزدیک عدل کے تین درجے یا تین قسمیں ہیں۔

پہلے درجے میں وہ عدل ہے جس کی رو سے ہندو سے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتے ہیں یعنی وہ تمام فرائض اور واجبات جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مقصد فرماتے ہیں ان کو ادا کرتے ہیں، عرف اللہ کے لئے قربانیاں ادا کرتے ہیں وہ جہاد کو ادا کرتے ہیں، نرائس کا اہتمام کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ آدمی اگر دیانت داری کے ساتھ طور گزرتے تو فی الواقع وہ ابن ابی الربیع کے اس خیال سے اتفاق کر لگا کہ اللہ ہر شے پہلے حق اپنے پیدا کرنے والے کا ہے اس لئے حقیقی انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ہندو سب سے پہلے اپنے خلاق ادا کرے اور جو ہندو اس حق کو ادا نہیں کرتا اس سے جو زندگی میں کسی بھی قسم کے انصاف کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

عدل کی دوسری قسم وہ ہے جس کی روح سے اللہ ایک دوسرے کے حقوق کی حفاظت کرتے ہیں اور وہ خدا وند جس کی بنیاد پر خود معاشرہ قائم ہوتا ہے، عام کر دیتے ہیں۔ مثلاً اگر کچھ لوگ ان کے معاشرے میں ضرورت مند ہیں انکی وجہ سے وہ خود اپنی ضرورت پوری نہیں کر سکتے ہیں تو اپنے دل میں سے بلا تامل ان کو قرض دیں اور انہیں کھانے کمانے کے قابل بنائیں یا یہ کہ معاشرے کی جانب سے جو مالیاتی یا جزدہ داریاں لوگوں کے سپرد کی جائیں وہ ان اتالیقوں کا پورا پورا حق ادا کریں اور اگر معاشرے کے کچھ لوگ اپنی شہداء ادا اپنے اموال کی ضرورت نہ کر سکیں اور انہیں بطور امانت دوسروں کے سپرد کر دیں تو ان کی وہ تمام اشیاء و دوسری چیزیں انکے ہاتھوں میں جب نہ ہوں یا مستثنیٰ کی نوبت پیش آئے تو جاننے والے بالکل سچ گویا دیں اور معاشرے کے تمام لوگ نیک کاموں کی جانب سبقت کریں۔

عدل کی یہ صورت دراصل معاشرے کے قیام اور بقا کی ضامن ہے۔ معاشرے کے ساتھ سچے بڑا انصاف یہی ہے کہ گرس کے کھانا، کان معاشی جد جہد میں ناکام ہو کر اندھن اندھنگی کا شکار ہو گئے ہیں تو ان کے لئے کوئی حصول اللہ با عزت مہم نہ فرما کر دیا جائے تاکہ ان کے لئے کوئی حصول اللہ با عزت مہم نہ فرما کر دیا جائے تاکہ ان کی معاشی زندگی بھر اس مہم سے امداد و جرم یا لغت ہو یا دوسری مہم نہ ہو۔ ہر حال میں اس طرح معاشرے کی کوئی غلامی میں مبتلا نہ کر دیں چنانچہ ابن ابی الربیع کی یہ توجہ کہ ان کو قرض دے کہ پھر سنبھلے کا موقع دیا جائے معاشرتی انصاف کی بڑی کارگزار صورت ہے۔ پھر معاشرے کی بقا اس امر سے وابستہ ہے کہ اجتماعی ذمہ داریاں یا جہاد سے ادا نہ ہو بلکہ حقیقی انصاف کے تحت ہی ادا کی جائیں، شرط انصاف یہ ہے کہ ان کا پورا حق ادا کیا جائے۔ دوسری قسم کی بھی کوئی ناکامی نہیں ہرگز روانہ رکھا جائے۔ تاکہ معاشرہ شکست اور آفت سے محفوظ رہ سکے۔ انفرادی باتوں کا دوسرے گن بھی اسی لئے ضروری ہے کہ وہ قرین انصاف ہے اور اس سے بھی معاشرتی زندگی میں استحکام پیدا ہوتا ہے پھر اختلاف اور کشمکش کی صورت میں بھی گواہی کے بغیر انصاف کا قیام غیر ممکن ہے اس لئے ابن ابی الربیع اس کو بھی عدل کے لئے ایک ضروری شرط قرار دیتا ہے۔ ادب سے، خویشی، تو وہ اجتماعی عدل کے تصور کو اس قدر سمجھ کر دیتا ہے جہاں وہ کسی کے ہم صفت بن جاتا ہے یعنی جو انسان بھی اختیار نہیں کرتا وہ عدل کے شرائط پورے نہیں کرتا یا بالفاظ دیگر دوسرا عدل ظلم اس کے نزدیک

ہم معنی پہنچے۔ اس پر ہی بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عدل کے اس تصور میں وہ چیز تو لانا شامل ہے جس کو ایک مملکت اپنی عدالتوں کے ذریعے نافذ کرتی ہے لیکن اس کے علاوہ انسان کی لہری اخلاقی زندگی بھی اس تصور کی مد سے عدل اور انصاف کی زندگی بن جاتی ہے۔ عدل کی تیسری قسم وہ ہے جس کی مد سے لوگ اپنے اسلاف کے حقوق کی حفاظت کرتے ہیں۔ خود سے دیکھا جائے تو انسان کی زندگی اس سلسلے کے بیشتر اسباب زندگی کی فراہمی میں اس کے اسلاف کی کوششوں اور خدمتوں کا بہت بڑا دخل ہوتا ہے۔ اس لئے ہر نسل پر اس کے اسلاف کا بھی کچھ نہ کچھ حق ضرور ہوتا ہے اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ جن کی کوششوں کے نتیجے میں ہمیں مہذب اور متمدن زندگی میسر آئی ہے ان کا بھی حق ادا کیا جائے۔ چنانچہ ابن ابی الربیع نے اپنے فلسفہ عدل میں اس امر کا اہتمام کیا ہے۔ کہ اسلاف کے حقوق ادا کئے جائیں انسان کی ادائیگی کی یہ صورت ہو کہ ان کی میتوں کی تجنیز اور تکفین کی جائے انسان کی قبروں میں انہیں راحت فراہم کی جائے ان کے فتنے اگر کچھ تھے ہوں تو ان کو داکو یا جائے تاکہ ان کی روح اس لو جھ سے انسان کا نام اس آلودگی سے پاک ہو جائے۔ ان کے قیم بچوں کی تربیت اور تعلیم کا حصول انتظام کیا جائے انسان کی جانب سے غیر ضرورت کی جائے تاکہ انہیں ہادی سکون حاصل ہو۔

عدل کی اقسام بیان کرنے کے بعد ابن ابی الربیع ان امر کو بھی بیان کرتا ہے جو ایک عادل کے لئے ضروری ہیں چنانچہ اس کے خیال میں وہ امور یہ ہیں ۱۔

- ۱۔ دونا دار اور امانت دار ہو۔
- ۲۔ رحم دل ہو اور محبت سے پاک ہے۔
- ۳۔ اپنے وعدوں کو یاد رکھے انسان کو پورا کرے۔
- ۴۔ ہر معاملے میں سچا رہے۔
- ۵۔ عدل کے لئے جو طریقے مقرر ہیں ان کے خلاف نہ کرے۔
- ۶۔ ہر چیز کو اس کے حق اور صحیح معرفت پر پہنچا دے۔

عدل اور انصاف کا وہ پہلو جسے مملکت کی عدالتیں جاری نہ کر سکتی ہیں اس کی اہمیت پر بھی ابن ابی الربیع بہت زور دیتا ہے اور اس کے قیام کی سفارش کرتا ہے۔ اس کے خیال میں مملکت کی بقا کے لئے بھی نظام عدل کا قیام نہایت ضروری ہے کیونکہ یہی وہ حقیقی روح ہے جس کے سہارے مملکت زندہ رہتی ہے۔ نیز وہ یہ سمجھتا ہے کہ مملکت میں انصاف کی وجہ سے امن اور نظم قائم رہتا ہے اور اگر انصاف ہی باقی نہ ہے تو مملکت میں فساد برپا ہو جاتا ہے۔ انصاف کا قیام احکام شریعت کے مطابق کیا جانا چاہئے اور جو سزائیں

سلا سلاط کے نزدیک خیر و عظم ہے اور شر و جہل۔ یعنی جو شخص ظلم حاصل کرتا ہے وہ صاحب خیر ہے اور جو جاہل رہ جاتا ہے وہ مجرم شر اور جاہل ہے۔ ابن ابی الربیع اپنی فکری گہرائی اور حقیقت پسندی میں یہاں سقراط سے آگے بڑھ گیا ہے اور وہ اس طرح کہ زندگی کے حقائق اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ اگر ظلم سے ہی مایاں و سست و جہتی ہیں اور اس وقت جاہل بھی نہیں کہ گذشتہ میں لیکن جو شخص ظلم کرتا ہے وہ یقیناً ہلاک و کرب ہے اور کسی بھی مرحلے پر جا کر ظلم کی دیکھا ہے۔ یعنی ظلم ایک باقی ہے اور حالت میں اس کو بہت ہی سے تعبیر کیا جائے گا اور صورت بعینہ میں سے منسوب نہیں کی جاسکتی۔ البتہ افلاطون کے نزدیک عدل ایک اخلاقی صفت ہے اور اسی صفت پر سیاست کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔

شریعت نے مقصد کی ہیں ان کو جاری ہونا چاہئے۔ اس سلسلے میں اس نے انصاف کرنے کے اصول اور قواعد بھی بیان کئے ہیں اور حکم انصاف کے حکام اور فیصلے کرنے والے قاضیوں کے اوصاف بھی تفصیل سے بتائے ہیں۔ تاکہ انصاف کے پورے مرتبے میں کہیں کوئی نقص باقی نہ رہ جائے۔

۴۔ تدبیر

دخوش تدبیری اوصاف داتے سے مملکت آباد اور خوش حال رہتی ہے، اس کو قوت اور استحکام حاصل ہوتا ہے اس کا نظم و نسق بھی ٹھیک رہتا ہے۔

مملکت کا پورا رخا کن تدبیر ہے۔ خور سے دیکھا جائے تو خوش تدبیری اور صاحب داتے سے مملکت آباد اور خوش حال رہتی ہے اس کو قوت اور استحکام حاصل ہوتا ہے اور اس کا نظم و نسق بھی ٹھیک رہتا ہے اور اگر بے تدبیری اختیار کر لی جائے یا غلط تدبیر کی پیروی کی جائے گی تو پھر مملکت نیا وہ عرصے تک قائم نہیں رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ ابن ابی الربیع تدبیر کو بھی مملکت کا ایک کن قرار دیتا ہے اس کے خیال میں مملکت میں جاہل اور دیوانہ کی تدبیر بنیادی اہمیت کی حامل ہے، اول مملکت کو آباد رکھنے کے بارے میں دوم رعایا کی حفاظت کی خاطر رسوم و رواج کی تنظیم کے سلسلے میں اور چہارم مالی حالت کی درستگی کے لئے۔

۱) مملکت کی آبادی

تدابیر مملکت میں رہنے پہلی تدبیر یہی ہے کہ مملکت کو زیادہ سے زیادہ آباد اور خوش حال رکھنے کی فکر کی جائے۔ لیکن چونکہ مملکت کی آبادی درحصول میں منقسم ہوتی ہے اس لئے ان دونوں حصوں کے لئے علیحدہ علیحدہ تدابیر اختیار کی جاتی ہیں۔ آبادی کا ایک حصہ دیہات پر مشتمل ہوتا ہے جہاں ٹھیک باڑی کی جاتی ہے اور لوگوں کی ضرورت کی اشیاء و فراہم کی جاتی ہیں۔ مملکت کے لئے دیہات کا وجود ناگزیر ہے اور بادشاہ کے لئے ان کے تین حقوق ہیں، اول یہ کہ احکام شریعت کے مطابق محصول وصول کرے تاکہ کاشتکاروں پر ظلم و زیادتی نہ ہوئے پاتے اور وہ اطمینان کے ساتھ اپنے کام میں مصروف رہیں۔ دوم یہ کہ کاشتکاروں کو تکلیف نہ پہنچائے تاکہ وہ زراعت کو چھوڑ کر کسی دوسرے کام میں مصروف نہ ہو جائیں اور سوم یہ کہ دیہات میں پانی کا معقول انتظام کیا جائے تاکہ اہل زراعت کو راحت نہ اٹھانی پڑے۔ بادشاہ ان حقوق میں سے کسی ایک کی بھی امانتگی میں کوتاہی کرے یا کسی اور طریقے سے ان پر ظلم و زیادتی کر بیٹھے تو اس کے نتائج انتہائی سنگین برآمد ہوں گے اور مملکت ہرگز آباد اور خوش حال نہ ہو سکے گی۔

آبادی کا دوسرا حصہ شہروں میں رہتا ہے یہ شہر آبادی کے ہر حصے پر ہے اجتماعات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جہاں لوگ مل جل کر رہتے ہیں اور تمدن کی خدمت کرتے ہیں۔ بادشاہ کو شہروں کے بارے میں جن امور کو ملحوظ رکھنا چاہئے وہ یہ ہیں کہ شہر کے لوگ راحت و سکون کی خاطر وطن بناتے ہیں اس لئے انہیں سکون حاصل رہنا چاہئے۔ ان کے مال و متاع کی اچھی طرح حفاظت ہونی چاہئے۔ اور ان کی عورتوں کی پردہ داری باقی رہنی چاہئے۔ اہل شہر کے لئے فردی اشیاء کی فراہمی کا بھی معقول انتظام ہونا چاہئے اور اس امر کی بھی دیکھ بھال رکھنی چاہئے کہ جائز پیشے اختیار کرنے میں کوئی معترض نہ ہو۔ اگر شہروں میں ان میں سے ایک بھی چیز معدوم ہو تو پھر وہ سب کا مقام نہیں رہے گا اور اس کی آبادی اور رونق گھٹنے لگے گی۔

بادشاہ اگر کوئی نیا شہر بنانا چاہے تو اس صورت میں بھی چند امور کو ملحوظ رکھنا انتہائی ضروری ہے مثلاً راتوں میں ٹھکانا

وافر مقدار میں موجود مواد رکھانے یعنی کاسمان بہ آسانی دستیاب ہونگے جو مقام معتدل ہوا آداب دہا اچھی ہو۔ چلا گیا ہیں قریب ہوں۔ مکانات خوف و خطرات سے محفوظ ہوں اصطراف میں کچلے میدان ہوں۔

(۲) رعایا کا تحفظ

رعایا اللہ کی امانت ہے جس کی حفاظت اور نگہبانی خداوند عالم نے بادشاہ کے سپرد کی ہے، اس لئے بادشاہ پر واجب ہے کہ وہ اس امانت کا پورا پورا احاطہ کرے اور رعایا کی حفاظت میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھے۔ اس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی (۱)

(۳) فوج کی تنظیم

بیرونی خطرات سے مملکت کا دفاع افواج ہی کے ذریعے سے کیا جاتا ہے اور انہیں کے ذریعے سے مملکت فتح کئے جاتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ فوج کو اچھی طرح منظم کیا جائے اور ٹھیک طور پر ان کی نگہداشت کی جائے، فوج کا سالانہ ایسے شخص کو مقرر کیا جائے جو ایماندار، عقلمند، کارگزار اور فنون جنگ سے بخوبی واقف ہو۔ اسی کے ساتھ ساتھ اطاعت شعار اور ملازموں کی حفاظت کرنے والا ہو اور بادشاہ کو نیک نصیحت کرتا ہو۔

فوج میں ایسے لوگ نہ رکھے جائیں جو کاہل اور آدم پسند ہوں فوجوں کو ہر وقت سخت کوشی، محنت اور محوڑے کی سواری میں مصروف رکھا جائے انسان کی ایسی طرح بگڑتی کی جائے ان کی تنخواہیں معقول ہوں تاکہ دلچسپی کے ساتھ کام کریں، فوج کا ہر سپاہی تیز قدم اور تند غم ہو، بہادر اور جنگجو ہو اور ہر وقت بادشاہ کی اطاعت پر کمر بستہ رہے۔

بادشاہ ہر ماہ خود فوج کا معائنہ کرے اور اس کی تعداد قابل اطمینان حد تک بڑھائے۔ ذی قریب اور فنون جنگ سے واقف لوگوں کو فوجی سرانیاں عطا کرے۔ فوج کی تنظیم اس طرح سے کرے کہ ہر دس سپاہیوں پر ایک افسر ہو اور ایسے دس افسروں پر ایک رئیس مامور ہو اور اس طرح یہ سلسلہ پانچ سالہ رنگ پہنچ جائے۔ فوجیوں کی جملہ ضروریات کا کفیل ہے تاکہ انہیں شکایات کا موقع نہ ملے ورنہ ان تین غلامیوں میں سے ایک نوابی لازماً پیدا ہوگی۔ یہ کہ وہ رعایا پر مسلط ہو جائیں گے یا حیران کو کافی خواہ دے گا اس کے پاس منسلق ہو جائیں گے یا پھر کسی کاروبار میں مشغول ہو جائیں گے۔ اس طرح ضرورت کے وقت وہ کسی کام نہ آسکیں گے۔

(۴) مالی حالت کی درستگی

مملکت کا نظم بغیر مال کے نہیں چلتا اس لئے ضروری ہے کہ مملکت کی مالی حالت کو درست اور مستحکم رکھا جائے تاکہ نظام میں خرابی واقع نہ ہو۔ مالی حالت کے استحکام کا ایک پہلو یہ ہے کہ آمدنی کے ذرائع متعین ہوں۔ یعنی شریعت نے جو طریقے متعین کر دیے ہیں ان کو مانڈ کیا جائے اور ان کی بالکل حفاظت و تدبیر کی جائے۔ نیز منصف خراج اور نیک نفس حکام نے جو ذرائع آمدنی پہلے سے مقرر کر دیے ہیں ان کو ختم نہ کیا جائے۔ اس طرح مملکت کی آمدنی کی ایک حیثیت متعین ہو جائے گی پھر مالیاتی استحکام کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ مصارف کا بھی تعین کیا جائے یعنی جن امور میں خرچ کرنا جائز اور ضروری ہے وہاں خرچ کیا جائے پھر اس کے بعد جو آمدنی بچے ہے اس کو عام بھلائی کے کاموں میں صرف کیا جائے اس طرح آمدنی اخراج میں جو نسبت قائم ہوگی اس کی تین نوعیتیں ہوں گی۔ پہلی یہ کہ آمدنی خرچ سے زیادہ ہوگی۔ جس مملکت میں یہ صورت قائم ہوگی وہ مملکت بہتر ہے اور اس کی تدبیر درست ہے کیونکہ اس طرح

سے میں نے نظم کا طریقہ اختیار کیا ہے مدد

نہ بنی غیر انسانی مرد و عورت
کہ ہرین تہمتا شعرو سخن بست
یہ تو سنا ایک خط کا حالہ، اب ان کے ہر اشعار بھی دیکھتے
نغمہ کجا وں کجا ساز سخن بہانہ است
سوتے قطار کی کشم ناتو بے زمام را
نہ تیغ نہ شمشیر نہ شاعر نہ خدہ پوش اقبال
فقیر راہ نشین است و دل عنی داد
امرا و خدای کے دیباچہ میں لکھتے ہیں

شاعری میں مقصدی مقصد نیست
بہت پرستی بہت گری مقصد نیست
آئینہ گفتم از جہانے دیگر است
اس کتاب از آسمانے دیگر است

اس الکانکی وجہ یہ ہے کہ وہ شاعر اس شاعری کا مقام بہت بلند سمجھتے تھے۔ وہ شاعر کو سینہ ملت میں دل کی مثل تصور کرتے ہیں وہ شیعہ کے اس خیال سے متفق تھے کہ اخلاقیات کی بنیادیں و اصولوں کے ماتحت نہیں شاعر دل کے ماتحت رکھی جاتی ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ شاعری کو واسطہ پیغمبری بتاتے ہیں۔

۸ شاعری ہم وارث پیغمبری است

مخبر یہ کہ ان کی شاعری مقصدیت سے لبریز تھی۔ بعض خاص مقاصد کو پیش نظر رکھ کر انہوں نے شاعری کا آغاز کیا۔ ان مقاصد میں سے دو ہیں مقصد سوتے قطار کی کشم ناتو بے زمام را۔ تھائی بولی بھلی قوم کو راہ راست پر لانا دوسرے منظور میں اصلاح ملت مقصد تھی بعض نظریہ طبع اور ترقی کے لئے شعر کہنا ان کا مطمح نظر تھا۔ وہ صحیح قوم کی حیثیت سے شاعری کرتے تھے اس لئے ان کا نام قیامت تک مفر بہت سے نہیں مٹ سکتا۔

جب اقبال نے شروع شاعری کا آغاز کیا تو اس وقت قوم کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ اس حالت کا فتنہ انہوں نے ایک خط میں یوں کھینچا ہے: علماء میں ملامت آگئی ہے یہ گدہ حق کہنے سے ڈرتا ہے۔ مونی اسلام سے بے پروا اور حکام کے ٹھہرنے میں ہیں۔ انجالیوں اصلاح کل کے تعلیم یافتہ لیڈر خود غرض ہیں اور ذاتی منفعت و عزت کے سوا کوئی مقصد ان کی زندگی کا نہیں ہے عوام میں جذبہ موجود ہے مگر ان کا کوئی بے غرض رہنا نہیں ہے۔ اقبال کو یہ صورت حال ناپسند تھی اور وہ اس کی اصلاح کرنا چاہتے تھے یہ اصلاح کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس کے لئے طویل وقت اور انتہائی محنت درکار تھی۔ انہوں نے جب تاریخ کا مطالعہ کیا اور اسلامی کاروشن ماضی ان کی نظر سے گزرا تو وہ مشتعل ہو گئے اور یہ سمجھنے لگے کہ اب مسلمان کیوں محکوم و مظلوم بن کر رہ گئے ہیں۔ اس سچی کے دھجہ اور اسباب کیا ہیں! آسمان کو معلوم ہو گیا کہ ایمان کی کمزوری، مومنانہ فضائل کا فقدان اور قرآن سے بیزار ی نے مسلمانوں کو ذلت و پستی میں مبتلا کر دیا ہے۔ قرآن کا یہ فرمان برحق ہے کہ انتہا لا علون ان کنتہم مومنین یعنی ایمان دار لوگ کبھی ذلیل و مہمانہ ہوں گے وہ ہمیشہ ہی غالب رہیں گے بشرطیکہ عدالت ایمان کو کسی صورت میں بھی ہاتھ سے نہ جانے دیں شکم پرستی اور خود فروشی ایسے منافقانہ خصوصیات مسلمان کے شان و شان نہیں۔ دین فراموشی مسلمان کا دیکھو نہیں۔ لیکن اُس وقت کا ہندی مسلم خود فروشی، پیٹ کی پوجا اور دین فراموشی میں بلا خوف و خطر معروف تھا

مسلم ہندی شکم را بندہ خود فروشی و دل زویں رکندہ
اقبال نے جب اپنی قوم کو کھوئی ہوئی عظمت یا د دلائی اور حالیہ سچی کا سبب پوچھا تو وہ کہنے لگی کہ یہ سب کچھ گردش روزگار کی کارستانی

ہے، نہ سدا ایک سانس میں رہتا حالات ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں اس نیکلو ملک نے ہمارے عروج کو بچی میں بدل دیا ہے اس میں ہمارا کچھ قصور نہیں۔ اقبال کے ہم سلیم نے یہ جواب سن کر اسے لڑکا اندام صبح الفاظ میں بتا دیا کہ گردشِ دھواں کا شکوہ بالکل بے جا ہے اصل وجہ بستی کی بھوسہ کی قرآن ہے۔

خود از بھوسہ کی قسا آں شدی شکوہ بخو کہ خوش دھواں شدی

اقبال لا الہ کی مشکلات کو جانتے تھے اس لئے جب وہ مسلمان ہوئے کا دم بھرتے تو رزہ برادرم ہر جاتے تھے

ہو سن گویم مسلمانم بلہ زدم کہ دامن مشکلات لا الہ مل

اقبال کی شاعری کا طور پر قومی شاعری میں اصدہ یقیناً ہمارے قومی وطنی شاعر ہیں۔ انہوں نے اپنے کلام سے پیمبری کا کام لیا ہے، یہ ان کا بہت بڑا کام ہے۔ ان کا کام دیکھ کر ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ

از خستہ تان بہن جام شراب آ دمدم نغمہ واژد از تار بہاب آ دمدم

اسے حکیم روح ملت از دعا سے غلغلہ دین ابراہیم را بعد شباب آ دمدم

ایک خط میں لکھتے ہیں: "میرے زیرِ نظر حقائق اخلاقی وطنی ہیں۔ زبان میرے لئے نالی حیثیت رکھتی ہے بلکہ فنِ شعر سے بھی میں بحیثیت فن کے نا بلند ہوں۔ یہ مجھے اس بات کی واضح شہادت دیتے ہیں کہ وہ اصلاحِ ملت کے جذبہ سے سرشار تھے محض خیرت کے لئے طبع آزمائی نہیں کرتے تھے۔"

اقبال کا فارسی کلام بہت وسیع ہے راقم السطح کے لئے ان کے پورے فارسی کلام پر پتھر کرنا نہ صرف مشکل بلکہ محال ہے یہ تو گویا ایک وسیع و عریض بحر ہے جس کے تمام گہروں کو پہنچنا میرے بس کی بات نہیں اس کے علاوہ میں فارسی دان نہیں۔ فارسی خوان ہوں۔ سچیدان ہوں، فارسی شعر و ادب سے پوری طرح شناسا نہیں اس لئے چند سطحی باتیں عرض کروں گا۔ قارئین کرام اگر محترم لغت و حضرات سے گزارش ہے کہ وہ میری اس کوتاہی پر بہم ہونے کے بجائے ہمدردی سکون سے کام لیں۔

بول تو اقبال نے غالب، بیدل، فردوسی، سنائی، قافائی، فارابی، حافظ، مدنی اور متحدی سب سے استفادہ کیا ہے لیکن وہ حافظ کے بڑے شائق تھے۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ جب میں حافظ کے رنگ میں ہوتا ہوں تو ان کی اس پرست مجھ میں آ جاتی ہے۔ حافظ فارسی کے شہرِ بزرگ گشتاویں۔ آہنگ تغزل میں اقبال ان سے بہت متاثر ہوئے ہیں اسیان کے متعلق کئی اشعار کہے ہیں، مدنی اقبال کے روحانی مرشد تھے۔ اقبال کو ان سے بڑی گہری تھی اس لئے جا بجا ان کی مدح کرتے ہیں مثلاً

پیر روی مرشدِ روشن ضمیر کاروانِ عشقِ مستی را امیر

منزل کش برتر از ما و آفتاب خیبر را از کہکشاں ساز و خطاب

نورِ قمر آں رویاں سیزاش جامِ جمِ شرمندہ از آئینہ اش

مولانا دم کی شاعری جس کے متعلق جاسمی نے کہا ہے کہ یہ فارسی زبان میں قرآن ہے

مثنوی مولوی معنوی ہست قرآن و مدنیانِ بیہولی

اقبال کے کلام کا سرچشمہ ہے، اقبال کا عالم گیر پیغام بول نظریہ خودی کے نام سے موسوم ہے مدنی ہی کا مرہونِ منت ہے اس کا اظہار اقبال نے بڑی غراغ دی سے کیا ہے

نقطہٴ نور ہے کہ نام او خودیت خاک پر یا شر او زندگیت

نہ مگر غلط نے بار و دشاہد و دانش و رنگ کو جس پر بیاہیں نظم کیا ہے، اس کو آہنگ کے علاوہ اقبال مخالف تھے دم۔ ق،

بیا کہ من زخیم پریدم آدم

ی سخن کہ بوال تر زیادہ معنی امت

اس خط میں ایک انگریزی اقتباس بھی ملاحظہ فرمائیے۔

"I claim that the philosophy of ASRA is direct development out of the experience and speculation of old Muslim Sufis and thinkers."

یعنی فلسفہ خودی میں نے پرانے صوفیاء اور مفکرین اسلام کے افکار سے حاصل کیا ہے۔ اس تصریح کے بعد یہ کہنا کہ وہ نئے، نئے، کائنات، برگسان اور بیگیں سے متاثر ہیں اور ان کے افکار سے خوشہ چینی کر کے نظریات قائم کرتے ہیں کسی طرح قرین الحقائق نہیں۔ ملاحظہ مذکورہ بالا مغربی مفکرین نے تو ہمارے مسلم فلاسفوں مثلاً برہنہ سیبیا، امام غزالی، خواجہ نصیر الدین طوسی، امام غزالی دینی دازی اور جمال الدین رومی سے استفادہ کیا ہے جس کا وہ خود بھی اعتراف کرتے ہیں۔

فلسفہ خودی کیا ہے؟ اس کے متعلق مختصر عرض کئے دیتا ہوں۔ خودی سے مراد خداوند کی خبر نہیں بلکہ عرفان نفس اور خوشنویسی ہے۔ قرآن پاک میں حق تعالیٰ فرماتا ہے: "موتوں کے لئے دو ستار ہیں پر میری عظمت اور وحدانیت کی بے شمار نشانیوں میں اندر یہ نشانیوں خود انسان کے وجود میں بھی کثرت سے موجود ہیں۔ کیا یہ اندھا جان پر غور نہیں کرتا؟ گویا ہماری زندگی کا مقصد اپنی ذات کو پہچانا اور دنیا میں اپنے مقام اور منصب کا ادراک کرنا بھی ہے۔ انسان ذات ہی حق ہے۔ کیا ہمت کا منصب بڑا بلند ہے، اشرف المخلوقات ہونا اس کی زندگی کی دلیل ہے اپنی عظمت کے باوجود احساس کمتری کا شکار ہونا کسی طرح بھی اچھا نہیں۔ اقبال جانتے ہیں کہ انسان اپنی عظمت و حقیقت کو سمجھے اپنی ذات سے دلچسپی لے ادا سے اپنے میلان اسلحا سے مشغول ہو۔

عج ہست معشوقہ نہال اند دولت

پھر اس نور معرفت میں حق تعالیٰ کی ذات و صفات کا نظارہ کرے۔ اسرار خودی میں بڑے لطیف حیرانے جس خوشنویسی کی تلقین کرتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

تا کہا خود را شہساری مار و طین	از گل خود شہد خود آفرین
منش جیواں خودن آسودن چہ سود؟	گر خود محکم نہ، برون چہ سود
خوبش را چون اند خودی حکم کنی	تو اگر خواہی جہاں پریم کنی
گرفتہ خواہی ز خود آنا و شد	گرفتہ خواہی بخود آنا و شد
اسے نہ آداب امانت بے فکر	از دو عالم خویش ما بہتر شمر
اند کے اند حوائے دلانشیں	تو کہ خود کن سوئے حق محبت گزین
محکم از حق شو، سوئے خود کا مرزن	لالت و عزائے ہوس ما سر شکن

اقبال کے ماہر جدید شیخ اند محمد ایک حرفی منش نہیں تھے، اقبال کو بھی قدردانی طور پر نصرت سے لگاؤ تھا لیکن وہ اخلاص فی عمل کو نصرت سمجھتے تھے ان کے یہاں ہر دلی قنصل اور بے عمل کا نام نہیں، ذاتی استفادہ اور ذاتی ضمیر کا نام ہے۔ وہ نصرت کو فلسفہ بنانے کے خلاف ہیں یہی وجہ ہے کہ جب حرفی نظام عالم کے حقائق اور بار حق تعالیٰ کی ذات کے متعلق مرتضیٰ کاغذیوں کے کشتی فلسفہ پیش کرتا ہے تو ان کی روح اس کے خلاف بغاوت کرنے کو تیار ہو جاتی ہے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں۔

تعارف کا سبب پہلا شاعر اسی ہے اور سب سے آخری شاعر حافظ ہے۔ یہ حیرت کی بات ہے کہ تصوف کی تمام شاعری مسلمانوں کے
 ہونے کی اخطاط کندہ کرنے میں پیدا ہوئی اور ہونا بھی یہی چاہئے تھا۔ خود ہندوستان کے مسلمانوں کو دیکھئے کہ ادبیات کا انہماک کمال لکھنؤ کی مرثیہ
 گوئی پر ختم ہوا :
 اقبال کے عمل صرفیہ کے سخت مخالف ہیں۔ وہ حرکت کو روح زندگی سمجھتے ہیں۔ نئی احتیاجات سے بے خبر صوفیوں کو سوداگران دین فروش
 کا نام دیتے ہیں ۔

فی شہد پر محمدانہ سے خرقہ پوش آہ زہی سوداگران دین فروش
 ہا مریاں مہندو شہب اندھ غم از حضرت آئے قلت بے خبر
 دیدہ بابہ زرش زگرس اند سینہ از دعات دل غفس اند
 وہ ہجرہ نشین صوفیہ کو میدان عمل میں آنے کی دعوت دیتے ہیں۔

اے کہ اندھ جسدہ ساز ی سخن لہرہ کا پیش محمد سے بزن
 ایں کہ می بینی نیز ز باد و جو از جہول کا الہ آگاہ شو
 اقبال عمل ہی کو زندگی سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ہر چیز کو کشش کا تمام سے نفع ہے اور دنیا نے فانی کے گلشن کی بہرہ میں ہم سے ہے اسے
 سو کی نفسہ کہتے ہیں اور اسی دہر سے انہیں ہمہ حرکت و حواس کا نام دیا جاتا ہے وہ کہتے ہیں کہ قوموں کے زوال اس اخطاط کی سبب سے بڑی نشانی
 ہے کہ وہ حرکت سے گریز کرتی ہیں اور سکون میں اپنی راحت دیکھتی ہیں ۔

چو نمود اندیشہ توے خواب ناسرہ گرد و پیش سیم ناب
 میر دانشد سینہ اش قلب سلیم دنگاو ادک آید مستقیم
 برگراں از صوب ضرب کائنات چشم او اند سکون بیند حیات

اس پیغام حد بہرہ میں بھی اقبال مدعی سے متاثر دکھائی دیتے ہیں۔ مدعی نے ان سے کوئی سات رسال پہلے بعد ہی پیغام دیا تھا
 جو ان کے ہندو فریڈ نے اپنی قوم تک پہنچایا ہے، مشنری مولانا دوم کا تفسیراً دوسرا حصہ اسی پیغام ہی دہلی پستل ہے۔ حرکت میں پرت
 اور جویندہ یا بندہ وغیرہ الفاظ کی مشنری میں مل جاتے ہیں اس وقت کہا جاتا تھا کہ انسان مجبور شخص ہے اس سے کچھ نہیں ہو سکتا ۔
 ہمدردی حاصل ہے۔ توکل علی اللہ ان کی کہنے کا فی ہے مولانا دوم نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے علم اٹھایا اور لوگوں میں
 ہوش عمل پیدا کرنے کی کوشش کی ان کے چند اشعار دیکھئے ۔

ایں حرکت شتبرک ما کلید و توکل گردی اسے ولی مستفید
 عاقبت جویندہ یا بندہ بود چوں کہ وہ خدمت شتقا بندہ بود
 گر توکل می کنی و کار کن رکشت کن پس تکیہ بر جبار کن
 رمز الکاسب جیب اللہ شنو از توکل نہ سبب غافل مشو

اقبال رہبانیت اور دنیا سے روگردانی کے سخت مخالف ہیں۔ ایسا فقر و دنیا سے روگردانی کرنے، بندہ حجروں میں چلے کاٹنے اور جنگ و باب
 پر دھن کرنے کی تعلیم دے فقیر کا فر ہے۔ یہ فحش کے لئے پیغام ہوت ہے، فقر کا مقصد ایک نگاہ وادہ میں اور دل نہ نہ پیدا کرنا ہے، نفسہ
 زوق و شوق کی تعلیم دینا کا دوسرا نام ہے۔ مرد فقیر زانی ہوتا ہے اور تمام کائنات چھا جاتا ہے۔ خوب و سیرک اسے مذہب و توت کا

کا مالک بنا دیتے ہیں اسلئے سلاطین کے سامنے لاٹھیاں لگانے سے دریغ نہیں کرتا

فقر میں جیت بخت و تسخیر جہات
بندہ از تاثیر اور ملامت
تقر کا فرطت و دشت و دوات
فقر میں لذت و بحر و ہواست
آلہ خودی و لکھن و داسوختن
ابن خودی ماچوں چلتے افریقن

نفر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرت ہے، اقبال بھی مرد فقیر تھے۔ اس کا اظہار خود انہوں نے اپنے اشعار میں کیا ہے اگر میں ان کو مرد فقیر کہتا تو شاید آپ اسے مانگ لیتے۔ وہ آخر دم تک اپنے آپ کو مرد فقیر کہتے تھے۔ یہ اشعار بھلا شہادت پیش کرتے ہیں۔

ازب و تاہم نصیب خود بجز
بہدازیں ناپید ہوں مرد فقیر
نہ رخ شہر نہ شاہ عزت و فخر
فقر راہ نشین است دل حنی مارو

اس دنیا کے فانی سے رغبت ہونے سے ایک گھنٹہ پہلے اقبال نے جو اشعار کہے ان میں بھی وہ خود کو فقیر ہی کہتے ہیں مگر یہ بھی انہیں اپنے فقر پر انداز رکھتا ہے

مرد سے نفرت باز آید کہ ناپید
نہیے از حجاز آید کہ ناپید
سرا آمد مددگار سے این فقرے
وگر دلتاے باز آید کہ ناپید

موت کا ڈر عموماً دلوں میں فالتو ہوتا ہے۔ موت ایک آگڑ ہوتی ہے۔ اس سے گریز ممکن نہیں۔ ان کی زندگی ایسے خوش نما پسندے کی مانند ہے جو کوئی دم شایخ و دست پر بیٹھ کر چھوٹے اور پھر لڑ جائے۔ موت کا وقت عین ہوتا ہے جس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہوتی، انا وادہ عجب۔ تو میں موت سے نہیں ڈرتا جب موت کو ایک دن آنا ہی ہے تو اس سے ڈنکا کیا۔ پھر مسلمان جو حیات بعد ممات کا ناقض ہے موت سے کیوں ڈرے اس کی زندگی اور موت حق تعالیٰ کے لئے ہے، حب الی اور تری مرگ تو اس کے لئے فتنہ ہیں۔ علامہ موصوف چاہتے ہیں کہ مسلمان ہل و نہل کی محبت میں گرفتار نہ ہو کہ اور موت کے ڈر کو دل میں جگہ دے کہ اپنے خدا خدا سے کہیں دیکھتے مسلمان کی موجودہ ذمہ داریت پر کس طرح انہیں کھنکھاتی ہے

آنکہ بعد از اساد و اساد مرگ
فتنہ اور عجب مال و ترس مرگ
بچو کافر از اجل ترسندہ ای
سینا ش فارغ ز قلب زلفہ ای

مسلمان با ایمان خدا کے سوا کسی چیز سے نہیں ڈرتا وہ ہم غیر اللہ کو دل میں نہیں آنے دیتا کیونکہ یہ عمل کا دشمن اور کاروائی زندگی کا راہزن ہے اگر بخیر فائز دیکھا جائے تو یہاں سے دل میں پوشیدہ ہر شے کی جڑیں ہی ڈرتے ہیں اس کو بعد دیکھنا از صغر و کبری ہے۔

بیم خیر اللہ عمل مال و دشمن آ
کاروائی زندگی را بہن است
ہر شے نہاں کہ اللہ قلب است
اصلی بویم است اگر عینی و دلت

موت کا ڈر غلامی کی علامت ہے مرد میں کئے زندگی لا منتہی ہے۔ اس کے بعد اس مقامات سے ہے موت بھی ایک مقام ہے وہ خداوندیش تو جاتا ہے، مرگ اندیش نہیں ہوتا، موت اسے مانہ زندگی بخشی ہے اس لئے وہ خود موت کی طلب کرتا ہے۔

بندہ حق ضعیف واکہ مرگ
یک مقام اندہ مقام اور مرگ
ہر حال میر و غلام از بیم مرگ
زندگی اسوا حوام از بیم مرگ
بندہ آزاد مانتاے وگر
مرگ اور دای دہد ہائے وگر

از خرم اندیش است مرگ اندیش نیست مرگ آزادان ز آئے بیش نیست
مردمیں جان دیتے دلت گھبرتا نہیں کیونکہ وہ سمجھتے کہ موت ایک زینہ ہے جس کی مدد سے مجھے اس دنیا سے اُس جہان کی طرف کوچ کرنا
ہے جہاں میرے اسات پہلے سے ہی موجود ہیں اس لئے وہ مسکرا کر دنیا والوں کو اذواج کہتا ہے۔

نشانِ مردومیں باقر گویم ہومرگ آبادتعمیم پر لب اوست
سوائے اتفاق سے علامہ مصروف کے جہد میں مسلمان محکوم اور مظلوم تھے وہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے، برصغیر پر انگریزوں کی
حکومت تھی۔ ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی حالت ابتر تھی۔ انہوں نے سوچا کہ اگر برصغیر کو آزادی مل بھی گئی تو حیرانہ سدا میں جس طرح
مظلوم ہیں گے اس لئے کہ ہندوؤں سے مرگنا زیادہ ہیں۔ اسی لہذا شیعہ کے پیش فہم انہوں نے پاکستان کا تصور پیش کیا۔ انہوں نے صاف الفاظ
میں یہ فرمایا کہ اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت کے اسی صورت میں زندہ رہ سکتا ہے کہ اسے ایک مخصوص علاقہ میں مرکوز کیا جائے۔
پھر اس خاکے کا عملی حل اس طرح پیش کیا کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو مل کر ایک واحد ریاست قائم کی جائے۔ اکثر مسلمان
نے اس نظریہ کی مخالفت کی اس لئے انتشار پیدا کرنے کی ایک کوشش قرار دیا۔ اقبال مرحوم غلامی سے سخت ناگاہ تھے وہ مسلمانوں میں جوش
آزادی پیدا کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ غلامی سے اس طرح نفرت دلاتے ہیں کہ

تا فلاحم در غلامی نادہ ام ز آستان کہہ درد افتادہ ام
چوں بنام مصطفیٰ خوانم دود از جہالت آب می گردد وجود
عشق می گوید کہ اے محکوم غیر منیت تو از بتاں مانند ویر
تا ناسی از خستہ سنگ دود از دود و خند میال نام او

قیام پاکستان میں یقیناً اقبال کا اہم حصہ ہے یہ ادبات ہے کہ پاکستان ان کی وفات کے کئی سال بعد پیدا ہوا۔
دنیا میں کئی مختلف نظام حکومت پائے جاتے ہیں لیکن ان میں سے کوئی ایک واحد اور صرف نظام شریعت ہے۔ دیگر نظام ناقص سے خالی
نہیں ہیں اس لئے کہ وہ انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں اور نظام شریعت خالق انسانیت نے خود اپنے دست قدرت سے بنایا ہے اس کی بنیاد و اساس
الہی ہے اس لئے کہ یہ لوگ الہی کے تمام مضامین اور نکالین کا کامیابی سے ختم کر سکتے ہیں اس لئے غیر شرعی نظام حکومت کے خلاف اقبال
نے آواز بلند کیا کہ وہ دیا کہ

تا نہ دہلا نہ گرواں نظم دانش و ہندیت و بی سدا کے خام

شریعت اور طریقت میں کیا فرق ہے؟ مدعی کے الفاظ میں

شریعت جو شمس است کہ ماہ می نماید، چوں دور آدما، ایمان و حق و طریقت است، چوں بہر دور و بی آں حقیقت است
(سوانح دوم از علامہ شبلی)

اقبال مرحوم کہتے ہیں کہ

آدمی اندر جان فیروشا کہ شمس نہ فہم خود را از ضرر
کس نہ انداخت و گویا کار چیت جاہ ہوا و ناہم اور چیت
شرح بر خیزد ناساقی حیات روشن از نورش ظلم کائنات
از شریعت امن التعمیم شد وادیت ایمان اہل اسیم شد

تحریر :- استاد عبدالقادر عہودہ شہید
ترجمہ :- مولانا محمد مصباح اللہ شریانی

اسلامی حکومت میں مالیات کا شعبہ

اسلامی حکومت و سلطنت کے قیام کے ردی اول ہی سے اسلام نے ایک ایسے مستقل مالیاتی شعبے کی بنیاد ڈالی کہ قبل ازیں لوگ اس سے یکسر نا آشنا تھے، اسلام کی بدولت ہی دنیا اس نظام سے روشناس ہوئی اور اسی دین کامل کے طفیل شعبہ مالیات کا خاکہ اُن کے سامنے آیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نظام حکومت چلانے کے لئے مختلف عہدیداروں کا تعین فرمایا۔ حدیث کے لئے قاضی مقرر فرمایا، انضامیہ کے لئے ایسے افراد منتخب فرمایا جو کاروبار مملکت، یا مریضوں کی اہلیت رکھتے ہوں، ان کے علاوہ ایسے لوگوں کا بھی تعین فرمایا جو امراء سے صدقات وصول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ ان کے فرائض میں یہ بات شامل تھی کہ وہ طبقہ امراء سے صدقات بھی کرے جسی حالت کے تھے اور مساکین اور غریبوں پر تقسیم کر دیں اور فاضل رقم بیت المال میں سپرد کر دیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مسلمانوں کو کامیابی اور کامرانی سے ہمکنار کیا اور ان کی حدود مملکت میں وسعت پیدا ہوئی تو یہ شعبے کے فرائض میں بھی اضافہ ہو گیا اور صدقات، خراج، جزیہ، مالیات اور مالی غنیمت کے آمدنی اور پھر اس کی تقسیم کی وجہ سے ہونے لگی۔ ان مختلف ذرائع سے وصول شدہ رقم پہلے خزانے میں جمع کرادی جاتی اور پھر بیت المال کی جانب سے اس کی تقسیم کتاب و سنت میں مذکور مصالح کے مطابق عمل میں آتی تاکہ کسی کے لئے اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے اور کوئی شخص بھی محروم نہ رہے۔ پائے اور برآدی کو اس کا حصہ ملا جائے۔ حضرت عمرؓ نے بیت المال سے ہر مرد اور عورت، ہر بڑے اور چھوٹے کے لئے مالانہ و خراج مقرر فرمائے۔ یہی نہیں بلکہ مرنے والوں کا دھنڈا، اس کی ولادت کے وقت ہی سے مقرر فرمایا اور عرصہ ملازم تک یہ سلسلہ ہی طرز قائم رہا۔

جب مقررہ رقم رضی اللہ عنہ ہر شخص سے اس بات کا احترام کر لیتے اور صرف انہی کے لئے کہ کوئی شخص بھی اس مال میں کسی دوسرے آدمی سے زیادہ حصہ کا مالک نہیں یہاں تک کہ مجھے بھی کسی دوسرے شخص سے زیادہ لینے کا حق حاصل نہیں۔ لہذا سب مسلمان، سوائے عہدیداروں کے اس مال میں ہر ایک کا حصہ ہے۔

کتاب اللہ و سنت رسول اللہ اور دین و مذہب کی خدمت کے لحاظ سے حضرت عمرؓ نے فرقہ پرستی کا خیال رکھا۔ وہ لوگ جنہوں نے اسلام لانے میں سبقت کی اور اس کی خاطر صدقہ و تکلیفیں برداشت کیں۔ مطلقاً مقصد کرنے میں ان کا خاص خیال رکھا۔ ان کے علاوہ غیر مندرجہ افراد اور اہل غریبہ و عجزہ میں شریعت کرنے والے اصحاب اور اس سعادت سے محروم نہ جانے والے افراد اور اس طرح دوسرے خدمات اور امتیازات کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہوں نے مالانہ و مطلقاً کی رقم کا تعین کیا۔ لیکن اپنے دوسرے مصلحت کے آخری حصے

میں حضرت عمر فاروقؓ نے اس تفریق دامیتاد کو مدلل و مفصّل اور مساوی کے خلاف سمجھتے ہوئے اس حکم کو منسوخ کر دیا اور خلیفہ اول جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ممانعت کرتے ہوئے وفات کی تعلیم میں سب لوگوں سے ایک ہی جیسا سلوک شروع کر دیا اور کسی کے مدعیان کوئی فرق مدعا نہ رکھا۔

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق اور خلیفہ رابع جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تعلیم مال کے سلسلہ میں لوگوں کے مدعیان سے کوٹھڑ رکھتے تھے اور اس معاملے میں ان دونوں بزرگوں کا ایک ہی مسلک تھا البتہ خلیفہ ثالث جناب عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے طریقے پر عمل کرتے ہوئے فرق مراتب کا خیال رکھتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نگاہ میں تو اہل عہد دونوں ایک ہی صبحہ رکھتے تھے۔ اسی بنا پر وہ تعلیم مال میں دونوں کو شریک کرتے تھے لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے اس عہد کو اس میں شرکت سے محروم رکھا اور اس کی بنیاد انہوں نے اپنے اس اجتہاد پر رکھی کہ عہد چوک کسی چیز کا مالک نہیں ہو سکتا اس لئے اس رقم میں بھی اس کا حصہ نہیں رکھا جاسکتا۔ جناب محمد بن مالک رضی اللہ عنہ نے حیات کیا ”یا رسول اللہ! جو شخص قوم کا حاکم اور مدکار ہو کر رہا ہو کیا اس کا اہل دوسرے لوگوں کا حصہ برابر ہوگا؟“ حضرت نے فرمایا: تم لوگ اپنی ہی جماعت کے کمزوروں اور ضعیفوں کے رزق کا سامان فراہم کرنے اور ان کی مدد کے لئے ہی ایسا کرتے ہو۔ پھر اس کا اور دوسرے لوگوں کا حصہ برابر ہو کیوں نہ ہوگا۔

اس حقیقت سے کوئی شخص انکار کر سکتا ہے کہ مال و دولت کی حقیقی ملکیت خدا ہی کو حاصل ہے۔

اور حقیقت مالک ہر شے خداست

اس امانت چند مددہ نزد ماست

ابنہ اس کے بارے میں ہر قوم کا فیصلہ بھی اسی حکم الحاکمین اور مالک حقیقی ہی کا تابعی تبدیل ہونا چاہئے۔ کوئی شخص بھی اس کی آمد و خروج کے متعلق کوئی قسم کا فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ”میں کسی کو دیتا ہوں نہ محروم رکھتا ہوں بلکہ میں تو محض تعلیم کرنے والا ہوں جسے عطا کرنے کا حکم ملتا ہے اُسے عطا کر دیتا ہوں“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد و گواہی ہی کو حضرت عمر فاروقؓ نے دستور العمل کی حیثیت سے نافذ کیا اور جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسی فرمان نبوی کی روشنی میں فرمایا ”یا مدکار کھو تھارے مال و دولت بیت المال کی کنجیاں اگرچہ میرے پاس محفوظ ہیں مگر مجھے اس میں سے ایک درہم بھی تمہاری اجازت کے بغیر لینے کا حق حاصل نہیں“۔

سربراہ و مملکت اپنے تمام اختیارات کے ساتھ پہلی طبقہ مسلمہ کی نمائندگی کرتا ہے۔ ثانیہ مالیات کے نظم و نسق کا ذمہ دار بھی ملکہ ہے اور تیسرے شعبہ کے عزل و نصب کا اختیار بھی اسی کو حاصل ہے۔ وہی انتظام و انصرام کرنا اور اس کی نگرانی کا فریضہ سرانجام دینا ہے مگر اس مقام پر اس لئے کو ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ کارکنان شعبہ ساری قوم کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیں گے۔ سربراہ مملکت کی جانب سے ان کا اقتدار رکھنے جانے کے باوجود وہ صرف اس کے ذاتی نمائندہ کے طور پر کام نہیں کر سکیں گے اس شعبہ کا مدیر ہی جیسا معاملہ ہے کہ محض حاکم وقت کے انتقال کر جانے سے عدلیہ ختم اور قضاء معزول نہیں ہوجائے گے اور عدلیہ کی بقول سبب کے کوئی شخص بھی ان کو معزول نہیں کر سکے گا۔ (اس سلسلے میں خلیفہ ثالث جناب عثمان رضی اللہ عنہ کے دو وظائف خازن بیت المال کی مثال اور تیسرے شعبہ مالیات کے فرائض امدان کی حیثیت کی وضاحت کے لئے، بہت کافی ہے۔ خازن بیت المال کے خیال میں رقم کو اس مقصد کے لئے صرف کرنا درست نہیں تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان فرما رہے تھے۔ جب خلیفہ ثالث نے

اُس کی وجہ اس کے منصب کی طرف مہدلی کراہی اور فرمایا کہ ”تمہاری حیثیت صرف خازن کی ہے۔ تو اُس نے جواب میں کہا: ”وہ مسلمانوں کے بیت المال کا خازن اور انگوٹا ہے۔ حاکم وقت اور خلیفہ کا خازن نہیں۔“

کارکنانِ شعبہ مالیات اپنے فرائض پوری ذمہ داری کے ساتھ قرآن و سنت میں مذکور احکام کی روشنی میں بالکل آزادانہ طریقہ پر انجام دیتے تھے اسی نظم کے مطابق کامیاب مملکت انجام پاتے ہیں یہاں تک کہ برسرِ اقتدار طبقے نے اسلام کے طریقے کو چھوڑ دیا اور اس کے احکام کو بدل ڈالا اور انہیں اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لینے کی کوشش کی۔

شعبہ مالیات کے کارکن یا حاکم وقت اور سربراہ مملکت مذکورہ فرائض سے حاصل شدہ رقم کسی بھی صورت میں اپنی مرضی کے مطابق خرچ نہیں کر سکتے بلکہ اسلام کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے ہی اس رقم کو استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔ جماعتِ حکومت کے مرتبے اور منصب اور ان کی مختلف حاجتوں اور ضرورتوں کو دیکھتے ہوئے وظائف کے طور پر جو رسم اُن کے لئے مقصد کی گئی ہے کسی بھی کارکن کو اس سے ناکہ رقم لینے کی اجازت نہیں۔ اُن کے منصب اور حاجتوں کو دیکھتے ہوئے اس حد کا تعین بھی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا :-

”مسلمانوں میں سے جس شخص کو حاکم مقصد کیا جائے وہ اپنے اور اپنی بیوی کے اخراجات حکومت کے خزانے سے وصول کر سکتا ہے خادم نہ ہونے کی علت میں ایک خادم لے سکتا ہے اور اگر سائس کے لئے مکان نہ ہو تو ایک مکان بھی حاصل کر سکتا ہے۔“

خلیفہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”مجھے بتایا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی یہ بھی ہے: ”من اتخذ غیر ذلک فہو غافل اور اسی (والحیث) یا تو غافل ہے اور یا پھر چرچ ہے۔“

اس کی مزید وضاحت جناب ختم المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسمیہ کے اس فرمان سے بھی ہو جاتی ہے: ”من استخلفنا علی عمل فہو غافل اور غافل“ جس شخص کو ہم نے کسی کام کے لئے کارندہ مقرر کیا (خلیفہ نہا) ”فما اخذ بعد ذلک فہو غفل“ تو اس کے کھانے پینے کا انتظام کتنا ہمارا فرض ہے اس کے علاوہ کچھ لے گا تو وہ خیانت کا مرتکب ہو گا۔ (والحیث)

شعبہ احتساب و نگران

اس شعبے کا مقصد برسرِ اقتدار طبقے کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھنا اور ان کے احتساب و نگرانی کا فریضہ سر انجام دینا ہے یہ شعبہ تمام امت کی تمام مقامی کرتے ہوئے علماء و فقہاء و پیشواں شیعہ کی قیام میں مدد دیتا ہے۔ اس شعبے کا قیام دو وجوہ کی بنا پر ملتِ مسلمہ کے لئے نہایت ضروری ہے۔

اول یہ کہ برسرِ اقتدار طبقے کے قول و فعل کی نگرانی کا امتِ مسلمہ کا فرضِ اولیٰ ہے۔ وہ انہیں برائی میں مبتلا دیکھ کر خاموش ہو کر نہ بیٹھ جائے بلکہ اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف اور نہی منکر کا جو عظیم فریضہ ملتِ مسلمہ پر عائد کیا ہے اس فریضے کو صحیح طریقہ سے نبھالائے۔ دوسری باتوں سے اس ملت کے بہتر اور اشرف و افضل ہونے کا مادہ و سبب یہی ہے کہ دنیا میں پہرہ پر کائنات کے اپنے مالوں کے نفع سے غفلت نہ ہوتے۔ ان کو بھلائیوں کا حکم دے اور برائیوں سے روکے اور اللہ تعالیٰ کی نجات پامیان واقعہ رکھے۔

کنتم ضیاعاً منہ اخذت للناس تار من بالعدوت و قتل من المنکس وقوم صفت بالذل - (الفرقان)
ولکن منکم امۃ ینعون الی الخیر بامر من
بالعدوت و ینعون عن المنکس و اولئک ہم
المفلحون (آل عمران: ۱۰۴)
تمہارے اندہ ایک ایسی جماعت ہوتی چاہئے جو عدوت خیر
اور نیکوں کا حکم دے اور بدیوں سے روکے۔ کامیاب اور
کامرانی ایسے ہی لوگوں کے قدم جو سستی ہے جو ان صفات
سے مستغف ہوتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی وضاحت فرمادی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کو ترک کر دینے
کا نتیجہ معاشرے میں فتنہ و فساد کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

تار من بالعدوت و لکنھن عن المنکس
او یسلطن اللہ علیکم شراراً کم
ثم یدعو خیارکم فلا یستجاب لھم
(الحديث)
تم لوگ نیکوں کا حکم دیتے رہنے اور بدیوں سے روکتے
رہنے کو اپنے اوپر لازم قرار دے لو۔ اس فریضے کو ترک
کر دینے کی صورت میں اللہ تعالیٰ ایسے افراد کو تم پر مسلط
داد تمہارے حاکم مقرر کر دیگا جو تمہاری جماعت میں ہزین
(افراد ہوں گے) پھر دان کے دیر حکومت کے خاتمے کیجئے۔
تم میں سے نیک لوگ دعائیں کریں گے مگر ان کی دعائیں قبول نہ ہوگی۔

اس لئے ہر شخص کو اپنی وسعت اور قدرت کے مطابق بدیوں کی روک تھام کا اہتمام کرنا چاہئے، عدم قدرت کے سبب جو لوگ موافقت کی مدد
تھام کے لئے کوئی قدم اٹھانے سے محذور ہوں۔ ان کہنے بھی نہایت ضروری ہے کہ وہ اس فعل کو دل سے بڑھائیں اور اس بدی پر
مثلاً اصحاب سے نفرت اور شدید ناراضگی کا اظہار کریں۔

ومن نراى منکم منکراً فلیغیرہ بید کا فان
لہ یستطیع فہانہ - فان لہ یستطیع
فبقبلہ و ذلک اضعف الایمان
(الحديث)
تم میں سے جو شخص کسی بدی کو ہوتا ہوا دیکھے وہ وقت کے
نور پر اس کا استیصال کرے۔ وقت اور اقتدار سے
محروم ہونے کی صورت میں زبان سے کلمہ حق کہے اور اگر اس
کی بھی قدرت نہ ہو تو کم از کم دل سے اُسے بڑھائے لیکن
یا روکنا چاہئے کہ یہ ایمان کا سب سے اونٹنی درجہ ہے۔

شعبۂ احتساب دنگوں کے قیام کا دوسرا سبب یہ ہے کہ چونکہ حاکم وقت، ملت مسلمہ کے نائب کی حیثیت سے احکام جاری
کریں بلکہ ملت سے متعلقہ مسائل پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس کے حقوق میں مداخلت کرتا ہے، ملت کے لئے اپنے حقوق کی خلاف
اور دفاع کی خاطر بھی اس شعبے کا قیام ناگزیر ہے۔ یہی نہیں بلکہ خود حکم الی کہین نے برسر اقتدار طبقے کو ہر مسئلے میں ملت مسلمہ سے
وجود کرنے کی تلقین فرمائی ہے اور یہ معاملے میں الزام اس سے شمرہ کرتے ہوئے کا حکم دیا ہے اور فرمایا: ۱۔

و تار ہم فی الامس (آل عمران: ۱۵۹)
وامرهم شورى بیخیم (الشوری: ۳۸)
اور کاروبار سلطنت میں ان سے مشورہ کیا کرو۔
انسان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ آپس کے مشورے سے نظام
حکومت چلاتے ہیں۔

بناہیں ملت مسلمہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ برسر اقتدار طبقے کے ہر سر عمل کا محاسبہ کرے اور جب انہیں کوئی غلط کام کرتا

ہوئے دیکھ کر ان پر گرفت کرے اور جب بھی وہ راہ راست سے ہٹے ہوتے نظر آئیں ان کو حراط مستقیم پر لانے کا فریضہ سرانجام دے۔ حکام کی نگرانی اور احتساب کے باوجود یہ نصروں میں ہر لمحہ اور دلائل قطعیہ کی کثرت کے پیش نظر اس معاملے میں کسی قسم کے بحث و مباحثہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

آئیے آج کے اوراق حقیقت کو کبھی نظر انداز نہیں کر سکیں گے کہ خلفائے رسول اللہ نے مسیح پہلے اس کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس تاریخی حقیقت کو وہی لوگ جھٹلاتے ہیں اور ان نصروں میں ہر لمحہ کو وہ خدا عطاء و تعزیر نہیں کرتے جو اپنی دنیا کی زندگی کو حیات اخروی پر ترجیح دیتے ہیں اور سہرا ہر مملکت پر ملت مسلمہ کے لیے اور تسلط کر ایسے اصحاب ہی حاضریہ مصلیٰ کی حیثیت دینے کی حوالت کرتے ہیں جن کی نگاہوں میں احکام خداوندی کوئی اہمیت نہیں رکھتے وہ اپنے میں سے ایسے ظالم و جاہل افراد کو جو حقیقت کے حقوق سلب کر لینے کو کوئی عائدہ سمجھتے ہوں، مسند حکومت پر بٹھا کر امت مسلمہ کے حق میں کانٹے بڑھاتے ہیں یا کو اپنا مسیح بڑا کا زمانہ تصور کرتے ہیں پھر پھر اس قدر ربط و عوام کی بالادستی سے چھٹکارا حاصل کر کے خود اپنی پرستی حاصل کرنے کا خواہش مند ہوتا ہے اور اس کا واحد سبب یہ ہوتا ہے کہ ملت مسلمہ اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی برتی ہے اور امت مسلمہ العزت کے احکام کو قائم کرنے کے بارے میں اپنے فرائض سے غافل رہ کر سگوت اختیار کر لیتی ہے اور اپنے حقوق کی واپسی کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھاتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ رسول منتخب کیا گیا تو یہی بات جو ان کے منہ سے نکل اس میں اسی بات کا اعتراف تھا کہ ملت مسلمہ کو مکروں و خبیثہ پر بالادستی حاصل ہے اور حاکم وقت کی جانب سے بکروئی اختیار لینے کی صورت میں اس کو حراط مستقیم پر لانے کی ذمہ داری بھی ملت مسلمہ ہی پر عائد ہوتی ہے۔ بیعت کے بعد پہلے خطبے میں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لو کہ اچھے تمہارا والی مقید کیا گیا ہے حالانکہ میں تم میں سے بہتر نہیں ہوں اگر میں اچھا کی کا لام کروں تو تم میری ملکد اور اس میں بُرائی کی طرف تامل ہوں تو تم مجھے سیدھا کر دو۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا گیا تو انہوں نے قدم سے پہلی مرتبہ یہ خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "جو شخص مجھے راہ راست سے ہٹا ہوا دیکھے اس پر لازم ہے کہ وہ مجھے سیدھا کر دے۔" ایک اعرابی نے اُس کو کہا: "خدا کی قسم اگر ہم نے تجھ میں مذہبی دیکھی تو تجھے ہم اپنی تلواروں کے نیچے سیدھا کر دیں گے۔"

جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ ثالث منتخب ہوئے تو انتخاب کے فوراً بعد ملت مسلمہ سے خطاب کیا اور اس میں فرمایا: "اگر تم مجھے کسی وقت حراط مستقیم سے ہٹا ہوا دیکھو تو اسی لمحے مجھے حراط مستقیم پر چلنے کی تلقین کرو اور ایسے اقدامات کرو کہ میں اس سے ایک قدم بھی اُدھر اور دھڑھڑاؤں۔"

علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی خلافت کے فرائض منجائے کے بعد مسیح پہلا خطبہ ہی دیا: "کاروبار مملکت میں کسی شخص کو بھی دخل دینے کا حق حاصل نہیں سوائے اس کے جسے تم اجازت دے سکتی کہ تمہاری اجازت اور مشورے کے بغیر میرے لئے اس میں دخل دینا درست نہیں یہ خائن تمہارے معاملات ہیں۔"

قرآنِ ادنیٰ کے مصلحت سے امت اسی طریقہ پر چلتی ہے اور صورت میں پھر اس قدر قطعہ پر انہوں نے اپنی بالادستی قائم رکھی اور اسلام کی جانب سے بچنے ہوئے اپنے اس حق کو استعمال کرتے رہے حضرت عمر بن الخطابؓ اور ایک شخص کے درمیان کسی معاملے میں بات چیت ہو رہی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: "ایسا المؤمنین کچھ خدا کا خوف کرو۔" وہاں جو لوگ موجود تھے اُن میں سے ایک کہنے لگا: "تو ایسا المؤمنین کو خدا سے ڈرنے کے لئے کہتا ہے تو اگر ایسا المؤمنین کو خدا کا خوف نہیں تو پھر خدا کو خدا کا خوف کرنے کا۔" خلیفہ دوم نے دخل و مداخلات

کرنے والے شخص کو ٹانٹ پٹائی کہ تم اس معاملے میں دخل نہ دو۔ اس نے کتنی عمدہ بات کہی ہے۔ پھر فرمایا: ”اگر تم ہم کو اس طرح نہ تو تم بھلائی سے محروم ہو جاؤ، ہمارا بھلائی سے کوئی تعلق نہیں اگر ہم اسے قبول نہ کریں؟“

خلیفہ دوم جناب عمر فاروقؓ ایک دفعہ دو چاندوں سے تیار شدہ عجبہ پہنے ہوئے، منبر پر چڑھے اور فرمانے لگے: ”لوگو! ذوقِ عمر سے سنو: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ہم سنانے کے لئے تیار نہیں“ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”ابو عبد اللہ! کیوں؟“ انہوں نے کہا: ”تم نے سب کو ایک ایک چاند دی اور تمہارے بجائے ظاہر ہوتا ہے کہ خود عدل والہانہ کو چھوڑ کر ایک سے زائد چاند رکھ لیں (کیونکہ تمہارا عجبہ ایک چاند میں تیار ہونا ممکن نہیں)“ خلیفہ دوم نے فرمایا: ”ابو عبد اللہ! جلدی نہ کرو ذرا انتظار کرو“ پھر عبد اللہؓ کو آواز دی مگر خاموشی رہی تو آپؓ نے عبد اللہ بن عمرؓ کو کہہ کر لکارا۔ انہوں نے لبیک کہہ کر جواب دیا۔ عمر فاروقؓ نے فرمایا: ”میں تمہیں خدا کے فضل و اجلال کی قسم دے کر دیا سنت کرنا چاہتا ہوں کہ جس گپڑے کا میں نے عجبہ بنوا کر پہنا ہے وہ تمہارا ہی ہے؟“ عبد اللہ بن عمرؓ نے جواب دیا: ”خدا کی قسم آپ دوست فرماتے ہیں۔ یہ کپڑا میرا ہی ہے۔“ یہ سن کر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ہاں! اب کہو، ہم تمہاری بات سنیں گے۔“

جناب معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ لوگوں کے وظائف دیکھ لئے۔ ایک مجلس میں ابو سلمہ قرانیؓ کو کھڑے ہر کہنے لگے: ”اے معاویہ! تو نے اپنی محنت سے نہیں کیا۔ نہ تیرے باپ اور نہ تیری ماں نے محنت کر کہ یہ دولت حاصل کی ہے۔“ یہ سن کر حضرت معاویہؓ کو بڑا غصہ آیا۔ منبر سے اتر پڑے۔ لوگوں سے کہنے لگے کچھ دیلمی اپنی جگہ پر بیٹھو کہ میرا انتظار کرو۔ تم کوئی دیر کے بعد اس حالت میں واپس آئے کہ جیسے نہا کر آ رہے ہوں۔ پھر فرمایا: ”ابو سلمہؓ کے کلام نے مجھے غصے میں مبتلا کر دیا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود نہ ہے کہ حضرت شیطان ملا تھا۔ شیطان کی تحفیں آگ سے ہوتی ہے جسے پانی ہی بجھا سکتا ہے لہذا تم میں سے کسی شخص کو جب غصہ آئے تو پانی کے ذریعے غصہ کو دھو کر نہ کھینکے اسے غسل کر لینا چاہئے، میں گیا ادب حاصل کرنے کے بعد واپس آیا ہوں۔“

صدق ابو مسلم اندھ بیس من گندی
دلا من کدابی نہ کدالی عطا نکم

ابو مسلم نے پچ کہا ہے کہ یہ دولت میں نے ابو میر سے باپ
نے محنت کے ذریعے حاصل نہیں کی۔ آؤ ادا اپنے

عطیات لے جاؤ۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو ابو جعفر منصور کے پاس لایا گیا۔ منصور نے آپ سے عرض کیا کسی معاملے میں آپ کو ہماری خدمت محسوس ہوتی ہو تو فرمائیے۔ امام سفیان ثوریؓ نے فرمایا: ”خدا کے فضل سے تو نے زمین کو ظلم اور ریاوتی سے بھر دیا ہے۔ یہ سن کر اس نے سر جھکا لیا کچھ دیر بعد سر اٹھا کر کہنے لگا: ”اپنی کوئی حاجت بتائیے۔“ آپ نے فرمایا: ”مجھے اس مرتبہ تک ہر یومین والہانہ کی تلواریں نے ہر یوم پہنا ہے مگر تو نے ان کی ادا دیکھنے تو میری ریت کا نہیں فاقوں پر عجبہ کر دیا ہے خدا کا کچھ تو خوف خدا ان کی خیریت غلام کرنے کی طرف توجہ دے ان کے حقوق ادا کر؟“ اس نے خدا دیر کہنے سر جھکا لیا اور پھر سر اٹھا کر کہنے لگا: ”آپ کوئی اپنی حاجت ظاہر کریں جسے پورا کر دیا جائے۔“ امام ثوریؓ نے فرمایا: ”خلیفہ دوم عمر بن الخطابؓ نے پچ کیا تھا ہے خازن سے دیا تھا کیا کتنی رقم خرچ ہو گئی۔ خازن نے بتایا کہ دس مہم ہے کچھ ہی زائد قسم صرف ہوتی ہے لیکن تمہارے ان خرچ کا کوئی حساب ہی نہیں اس کثرت سے مال اٹھا لیا ہے کہ اگر وہ ایک اس بوجھ کو اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے، یہ کہا اور نکل کر چلے۔“ خلفاء اور سربراہ مملکت امت مسلمہ کے سامنے اسی بنا پر تسلیم ختم کرتے اور ان کی باتوں کو قبول کرتے تھے کہ وہ جانتے تھے امت اس حقیقت کی اچھی طرح باخبر ہے کہ اسے حکمران طبقہ کی بھڑائی اور اعتبار کا پورا پورا راسخ حاصل ہے اور وہ ان کی کبی کر دیکھ کر نیکی صلاحیت رکھتے ہیں اور انہیں غلط راستے پر چلنا دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتی بلکہ وہ اپنے حق کو استعمال کر کے انہیں صراطِ مستقیم پر لانے کی پوری پوری کوشش کرے گی۔“

سفینہ غزل

ساقیا ے کہ دورِ قتل ہے
مغرب غزلے کہ فصل گل ہے

یہ لقی تیرے —

سورج لیدی

اور غم کس کی امانت ہے تمہیں کیا معلوم
اس میں کس کی ثمرات ہے تمہیں کیا معلوم
یہ مناشہ نہیں آنت ہے تمہیں کیا معلوم
یہ بھی فیضانِ محبت ہے تمہیں کیا معلوم
جو بچے غم سے شکایت ہے تمہیں کیا معلوم
دوستی صرتِ تجارت ہے تمہیں کیا معلوم
دل کی پلنے میں حالت ہے تمہیں کیا معلوم

زندگی غم ہے جہالت ہے تمہیں کیا معلوم
جگہ شرق کے شہ پائی تو گستاخِ بونی
شروعی محسن کو فردوسِ نظر کے ہو
میرا نام آتے ہی جہر ہے یہ شفقِ پتلی ہے
میں تھک کرے کی جگہ شکوہ ستم کرتا ہوں
ہر گھڑی سوزِ دنیاں ہی یہ نظر رہتی ہے
تم تو ہونٹوں پہ حرے، سورج تبسم دیکھو

تم کو معلوم ہے سب حالی پریشانی عود ہے
اللہ یہ کس کی بدولت ہے تمہیں کیا معلوم

دو گھر راجی واہد کیٹ

وہی ہے ساختہ لب پہ تپا نام آتا ہے
تو ساقی گری پہ ساقیا الزام آتا ہے
خود بھی کام آتی ہے جنوں بھی کام آتا ہے

جہاں مجھ کو خیالِ گردشِ ایام آتا ہے
پہ نامِ خاصِ گردش میں جو کوئی جام آتا ہے
یہ سب موقعِ سخن کی بات ہے لے ضرورتِ ناسخ

سند لکھنا لکھی

دھوکے تری نظر کے مگر کھارے ہے دل
ترکِ وفا کی بات کہاں مانتا ہے دل
ذکرِ بیاد ہی سے بہنے لگا ہے دل
کھلتا نہیں کچھ آپ سے کیا چاہتا ہے دل
اپنے ہونکے رنگ کو پہچانتا ہے دل

ہر شخص کی نگاہ کو پہچانتا ہے دل
اے چارہ گرا علاجِ کوئی اور ہی بنا
ٹائید کہ اب بہارِ چمن میں نہ آسکے
یکساں ہے الفتِ و فغانِ دل کی آندہ
آئے کسی لباس میں رنگینی بہار

نازک حراجِ ایک تمہیں تو نہیں ہو سوز
دنیا میں سب کو ایک سا بخش گیا ہے دل

افضل قریشی

جانے کس گوشہ ساحل میں نہال ہوتا ہے وہ جو طرِ فانی مری آنکھوں سے رمال ہوتا ہے
 ہم نے دیکھی ہے بہت ترے گلستاں کی تحسیر سارے گلشن میں قیامت کا دھواں ہوتا ہے
 اشک ہی تیرا امانت آہیں برباد نہ کر ہیں جو مدعا ہوں، تو تیرا ہی زیاں ہوتا ہے
 بند کلیں میں کہاں بھول کی خوشبو افضل
 عمر بڑھتی ہے تو احساسِ جواں ہوتا ہے

آئندہ دہائی

مجھ سے ہے کائنات میں رونقِ ہنرم کائنات
 میں ہوں ویسے زندگی میں ہوں حقیقتِ حیات
 میرے خیال و فکر سے دشت میں گل کھلے ہوئے
 میری ہی انگلیوں کی ضرب نغمہ سازِ ممکنات
 نہ رہیں ہیں مجھ پر شمس و قمر چہ نظر
 فرشتے سے عرض تک مرا دائرۂ تصرفات

ماہر القادی

گلشن میں تم آ جاؤ، اب رت بھی پہانی ہے
 کلیں کا رنگین ہے، پتھروں کی جہانی ہے
 اب وقت ہی ایسا ہے ایک ایک سالگرہ کو
 طرِ فانی سے بھی رٹا ہے، کشتی بھی بھانی ہے
 کچھ دن سے گلستاں کے حالات پہیلیاں ہیں
 بیل کے بھی تہجہ میں آشفۃ بیسانی ہے
 اے حسن ترے مدقہ کیا خوب کرشمے ہیں
 جلوسے بھی دکھانے میں صورت بھی چھپانی ہے

جو اشک ترے غم میں مرگاں پہ ابھر آیا
 رُک جائے تو موتی ہے بہ جائے تو پانی ہے

روح انتخاب

ابوالعلاء معری کی شاعری

عربی شعروادب اور فلسفہ و حکمت کی تاریخ میں ابوالعلاء کا نہایت بلند مقام ہے، عربی شاعری میں اس نے بڑا انقلاب پیدا کیا۔ اس کو ایک نیا رنگ اور نئی روشنی بخشی، جو لوگ اس کو متنبی کا متبع اور نمونہ سمجھتے ہیں، ان کی رائے صرف اس حد تک صحیح ہے جتنا وہ متنبی سے متاثر تھا، لیکن بعد میں اس نے اپنی نئی راہ نکالی، وہ نئی شاعری کے مزاج اور مذاق میں بہت اختلاف تھا۔ بے تردید، عرب پر ان کی شاعری میں بھی بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ متنبی کے الفاظ و اسلوب بیان ابوالعلاء کے مقابل میں زیادہ واضح ہیں۔ اس کا فلسفہ اور حکمت محض تکلف اور آمادہ ہے۔ اس کے مقابلے میں ابوالعلاء فطری طبعی اور حکیم ہے۔ اس کے فلسفہ نہ نئی، نہ پرانے تکلف نہیں معلوم ہوتا۔ ابوالعلاء نے شعروادب سے کبھی کوئی بادی فائدہ حاصل نہیں کیا لیکن متنبی کا پیشہ شاعری تھا، متنبی عزت نفس، عظمت و تن کے دعوے کے باوجود مال و دولت کا ورثہ اور دنیا کا دلدادہ تھا۔ اس کے لئے عمر بھر بادشاہوں اور وزیروں کی مدد سے، لیکن ابوالعلاء کو مال و دولت سے نفرت اور دنیا کے چاہ و حشم سے کوئی واسطہ نہ تھا اس لئے کبھی کسی کی مدد و ستائش نہیں کی، متنبی پر اور تکبر کے باوجود شاعری کو ہمیشہ جانے میں عار نہ ہوا۔ لیکن ابوالعلاء نے انگار و تراش کے باوجود زندگی بھر کسی کا احسان نہ کیا۔ متنبی کو چاہ و عظمت کی طلب نے دودھ کو پیہرا دے دیا، اور ابوالعلاء کی نگاہ میں دنیا وی چاہ و عظمت کی کوئی وقعت نہ تھی اور فی واسطہ زمی کا دامن اس کے ہاتھ سے کبھی نہ چھوٹا، متنبی دولت مند محکمہ بن گیا تھا اور ابوالعلاء گندے پنہا لیکن دل کا صافی تھا۔ بے قدر و تا دونوں کی شاعری میں بھی بڑا فرق ہے، ابوالعلاء کی شاعری تکلف سے پاک سادہ اور عام ان کی جذبات اور ہمنما اخلاقی سہل نہ خیالات کی صحیح عکاسی کرتی ہے۔

اس نے شاعری کو حقین کی دنیا سے نکال کر حقیقت کا جامہ پہنایا اور ایسا فلسفہ نہ طرز بیان ایجاد کیا جس سے لوگ آپ تک نا آشنا ہو سکتے تھے۔ اگر ابوالعلاء سے بہت پہلے عربی شاعری فلسفیانہ خیالات سے آشنا ہو چکی تھی اور زہیر بن ابی سلمیٰ، عدی بن زہیر، ابوالعلاء میلاد، دکنوہ بنی فلسفہ و حکمت کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا اور ابوالعلاء کا کوئی مقابلہ نہیں، زہیر محنت فطری اور ان کی سادہ زندگی کے تجربات کا نتیجہ تھی۔ اس لئے اس میں کسی خاص نظریہ اور فکر کو کوئی دخل نہیں ہے، عدی، ابوالعلاء، زہیر، دکنوہ بنی فلسفہ و حکمت کا پیرو تھا اور دونوں کی حکمت ان کے مذاہب سے ماخوذ ہے، متنبی کے فلسفہ و حکمت کی نوعیت محض مدنی ہے، لیکن شاعری میں الہیات، طبیعیات اور مباحثات کے متعلق فلسفیانہ خیالات پیش کرنا اور فلسفہ کو اس کے مقام اور کثرتوں سے نکال کر اسی جگہ لے آنا کہ ان کا ذہن خود بخود اس کی جانب مائل ہو جاتا ہے، ابوالعلاء کا کام نہ ہے، ابوالعلاء

کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس نے ایک مستقل موضوع پر ایک پہلا دہان مرتب کیا، یعنی درجیات جس میں صرف ندم کا ذکر ہے۔

اس کی شاعری کا ایک خاص مقصد اور نقطہ نظر ہے، اس کی تفصیل آئندہ آئے گی، فرض، یا وہ گوئی، کذب بیانی، اور آملی، ہے جامد اس کا جس کو شاعری کا اصلی کمال سمجھا جاتا ہے۔ اس کے یہاں کوئی وجود نہیں۔

انا قلت شعرا المست فیہ بجاتب فما انا تا تب اکا کلید

جب میں شعر کہا ہوں تو کوئی گناہ کی بات نہیں کہ تا بلکہ لہجہ کی طرح میں بھی تا تب ہو گیا ہوں

یہ کہ نہ غفران میں اپنی غلطیوں کو معاف کئے جانے پر ناگواری اور اپنی غلط کاری کا اعتراف کرتے ہوئے حضرت یحییٰ کے واقعہ استدلال کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ زبان فارسی کے چھوڑنے اور عربی لغت کے شہادہ کی تلاش میری شاعری میں بے سود ہے وہ شاعری کہ جس سے صدقہ و کذب، صحیح و غلط اور ہدایت و ضلالت میں امتیاز نہ ہو سکے،

من بیخ حندی نحو او یروہ لعدۃ فما یسا عف من هذا ولا ھذا

یکفیک شعل من الدنیا ومنقصۃ ان لای بین للساھرا من الھار

وہ ان شاعروں پر اس پر کرتا ہے جن کی شاعری کا مقصد صرف لغز و لہجہ ہے، اس لئے ان کی پروا نہ کذب، یا وہ گوئی اور حلائی تک نہ ہو کہ وہ جانتی ہے اور عام لوگ اسی کو کمال سمجھتے ہیں۔

بنی الا فاب غرتکمد قسدا یسا نہا خارف مثل نہ مزمتہ الذباب

وما شعل کمالا لک تا تب تلصص فی المدائح والسیاب

اضر من ترو من الا صاوی واسرق للمقال من الزبا

عام شاعروں کا حال وہ رسالہ غفران میں یہ بیان کرتا ہے کہ شعراء آزاد اور بے ماہ دو ہوتے ہیں، وہ انکل پھر اور غلط باتیں کرتے ہیں، قرآن کی اس آیت سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے اللہ تو انھیں کل فادیہ یحمرن وانھم یقرؤن مسالا یفعلون (ص ۲۴، ۲۵)

وہ اس اصول کا قائل ہے کہ شعراء اب کو انسانی زندگی کے حالات و تجربات کا ترجمان ہونا چاہئے، یہی وجہ ہے کہ انسانی فطرت کی صحیح تصویر انسانی زندگی کی جتنی دلچسپ تصویر اس کے یہاں ملتی ہے اس کی مثال ان شاعروں کے یہاں تلاش کرنے کی بجائے سدھ جن کا مقصد صرف خیالی آملی ہے۔

ومن تا مل اقوالی حل ہی جولا یظلل فیہی سلا سلا مشرقا

ابراہیم وکانفقد اس کے نقطہ نظر کی طرح اس کی زندگی اور تفصیل میں پسند آ جا کر ہے، مثلاً اس کی طبیعت سادگی و نزاحت، عزت، روزہ کی مداومت، شراب نوشی سے اجتناب، تجرؤ کی زندگی، اور وہی انداز ہنر و وطن، ماحول اصفانہ کا بھی ذکر ہے۔

(سروری ضیا المالدین اصلاحی)

بادانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

منگھاپیر روڈ کراچی

ہر قسم کا سوتی اور اونی کپڑا ————— کما اور دھلا لٹھا

(دوسرے)

ہر قسم کا دھاگہ تیار ہوتا ہے

بادانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا

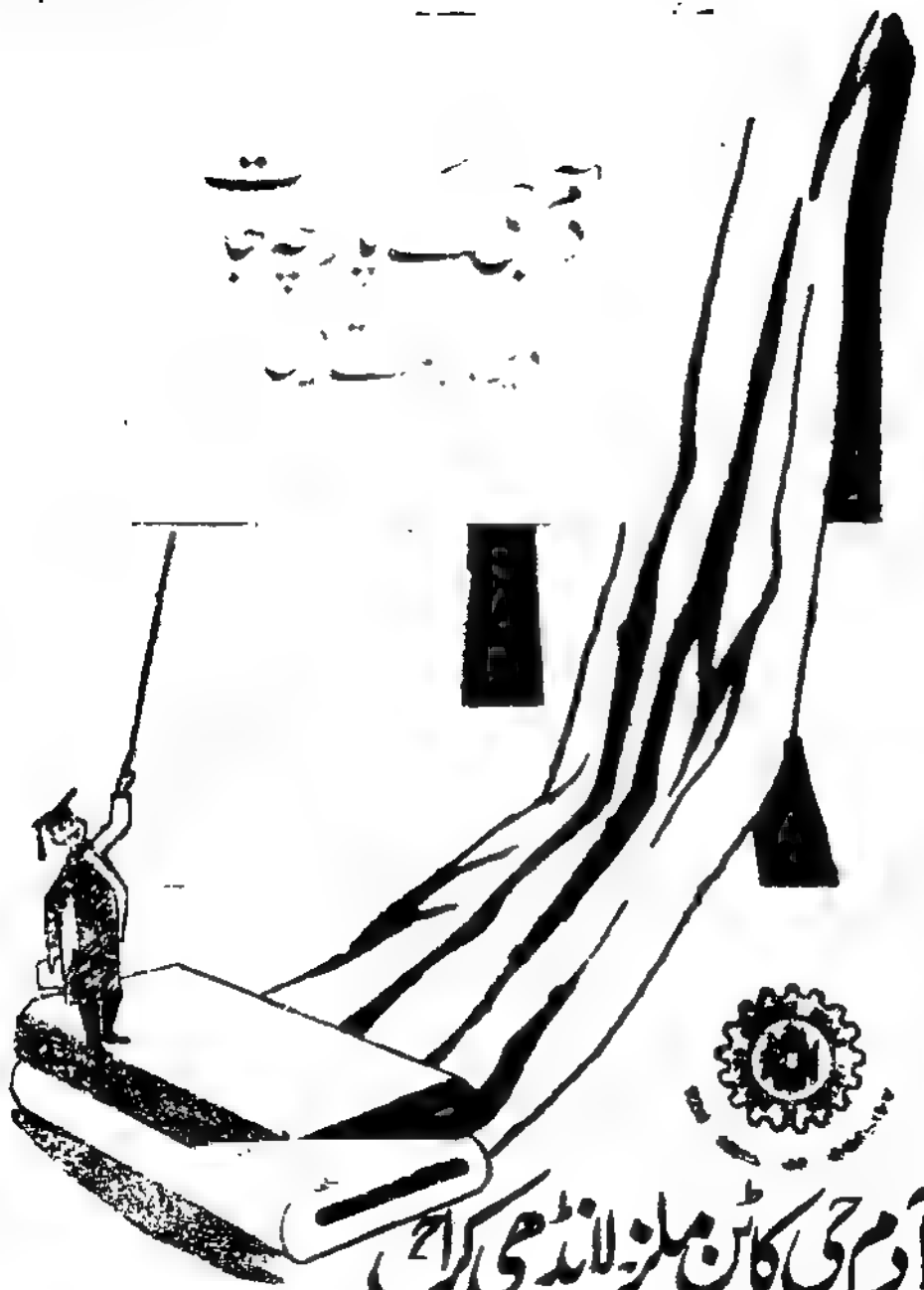
ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہے

پاکستان کی صنعت کی قدر

اور حوصلہ افزائی

آپ کا قومی فریضہ ہے

کے لیے پڑھنا
میں سے



آدم جی کاشن ملز لائنڈ می کراچی

— *Journal of the American Medical Association*

بہمداد کی خدمات

- ۱۔ بہت مشرقی کو پاکستان میں محدود فزور دیکھا اور اس طہت کے مضبوطیات کو بڑھانے کے مقبیلہ خاص طور پر مینا۔
- ۲۔ بہت مشرقی کی دوا بخاری کے اسطو معیلات تکمیل کے اور صوبہ کے کچھ اور ریزنر متفقہ۔
- ۳۔ جنوبی ساحل طریشہ و طریشہ کے مقام کو بڑھانے۔
- ۴۔ پاکستان کے خاص طور پر اس کا تکرار از سر حق خدمت انجام دے۔
- ۵۔ بہت مشرقی کی کارروائی کو پاکستان کے کوٹہ کے لیے مینا۔

קמנד



جون ۱۹۶۶ء

کچی

جلد ۱۸ شماره ۳

ایڈیٹر۔
ماہر القادری

ترتیب



۳	ماہر القادری	نقشِ اول
۱۰	تفہیم و ترجمہ عربی و اردو سرائی	خامیہ
۱۵	مولانا محمد مصطفیٰ رحمانی	ایک نغمہ
۱۸	پروفیسر اسرار احمد ماہر القادری	انگریزی
۲۳	شمس تبریز خان کاردی	عیدِ بھولا
۲۹	ماہر القادری	جنگلیاں
۳۳	مولانا محمد مصطفیٰ رحمانی	تاریخات
۳۶	مفتی شہزاد	سورگ کی ساری
۳۸	روحِ انتخاب
۴۵	ہماری نظریں

پیشہ منسوبین

پتہ:- ماہنامہ فاران مجیل اسٹریٹ کلاں

مشرقیہ پبلشرز انٹرنیشنل پریس کلاں میں چھاپا گیا۔ ماہنامہ فاران مجیل اسٹریٹ کلاں سے شائع کیا۔

یاس کی بری کے نام کے ساتھ "حضرت حکم عالیہ" لکھا جاتا ہے۔ انصاف سے بتائیے کہ اصل بادشاہ کی تعریف میراں "حلیہ جلی بادشاہ" کی عیدہ نمانی اور انھیں بدعت کے طور پر دیکھ کر منافقت اور دین و فریب کے علاوہ اندکی سمجھا جاسکتا ہے، یہی مثال مرزا غلام احمد دہلوی کے ان اقوال پر ہدی اترتی ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و توصیف کی گئی ہے۔

قرآن کریم واضح طور پر کسی تشابہ اور رمز و کنیہ کے بغیر حضرت سیدنا محمد بن عبد اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو "خاتم النبیین" کہتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "لا نبی بعدی" فرماتے ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ کتاب و سنت کے ان شواہد و احادیث نے بعد مرزا غلام احمد کا "دعوائے نبوت" خدا اور رسول کو ہر معنی میں جھٹلانا نہیں کہ اندکیا ہے (معاذ اللہ) انشاء خداوندی اور اقوال رسول کی مدید و تکذیب کرتے ہوئے مرزا غلام احمد کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و توقیت کرنا، کتنی خطرناک منافقت اور کس درجہ گمراہی و دہلیز پرست ہے۔

"نعم نبوت" کے حکم و مستحق علیہ عقیدہ کے ہوتے ہوئے "نبوت" کا اعلان اس سے بڑی بغاوت و نافرمانی، مخالفت اور گستاخی ناپا نبوت میں اندکیا جوسکتی ہے۔ اس صورت میں غلام احمد دہلوی نبی کا لقب کی زبان سے نبی آخر صنادق و مصدوق کی مدح و توصیف اپنی نگہ خود ایک بہت بڑا دھوکا اور فراڈ ہے اور مسلمانوں کو بے وقوف بنانے کی ایک چال ہے۔

اسی انداز و پنج پیت دہلوی اپنی تحسید و تقریریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "خاتم النبیین" کہتے ہیں اور اس طرح مسلمانوں کو مخاطب دیا جاتا ہے "امت مسلمہ" خاتم النبیین" سے میرا دینی ہے کہ اب قیامت تک کچھ قسم کا کوئی (نبی) نہیں آئے گا، ذات رسالت آپ پر نبوت کو ختم کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کا دین ہر اعتبار سے مکمل ہو چکا، ابگو قادیانی اس لفظ و خاتم النبیین کو بولی کر یہ مفہوم پیدا کرتے اور عقیدہ رکھتے ہیں "خاتم النبیین" سے مراد انفس النبیین ہے۔ نبوت اس معنی میں ختم نہیں ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کسی قسم کا کوئی "نبی" ہی نہیں آئے گا۔ دین کی تجدید و اصلاح کے لئے "انبیاء" آتے رہیں گے۔ دہم ہو جاؤ۔ قادیانیوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "خاتم النبیین" کہنا، اس تصور عقیدہ اور نظریہ سے بالکل مختلف ہے، جو عقیدہ اور نظریہ امت مسلمہ کا ہے۔

نعم نبوت کے بنیادی عقیدہ کی تکذیب و نفی کرنے والے نبی کا لقب کو نبی ماننے کے بعد قادیانی "کسی مذہب و اشتباہ کے بغیر کافر" ہو جاتے ہیں، اور "کفر" کے بعد کوئی عمل خیر شرف نہاد، رندہ، حج، قرآن کا پڑھنا، زکوٰۃ کا دینا، ... ان کے لئے نفی ٹکس نہیں ہو سکتا، نیک اعمال "ایمان" کے ساتھ ناندہ دیتے اور آخرت میں کام آتے ہیں، کفر و استناد کی حالت میں ان کا حال بیت کے ذریعہ کی طرح ہے جو ذرا سی بھرنے لگے اور نہ سے اڑ جاتے ہیں۔

قادیانی جو پورے امت مسلمہ اور اُس کے تمام فرقوں کے نزدیک امت محمدیہ اور اسلام کے دائرہ سے خارج ہیں اسلام کا نام لے کر، اپنے سب کفر و ضلالت کی طرف دعوت دیتے ہیں، اسلام، قرآن، خدا اور رسول کے ناموں اور اصطلاحوں کو ان لوگوں نے اپنے کفریہ عقائد کی تبلیغ کے لئے اڑ بنا رکھا ہے۔

۱۹۵۵ء میں اس گنہگار کو جو جن شریفین کی زیارت اور اُس ارض مقدس کی حاضری نصیب ہوئی، میں نے محسوس کیا کہ قادیانیوں کا نام آنے ہی نہ ہو سکا اور مصر و شام کے علماء کی پٹیاں نہیں پہنچ جاتیں، مجھے یہ ذکر آن کے لئے انتہائی تکلیف دہ ہے، قادیانیوں کے "کفر" کے سبب قاض ہیں۔

میں نے بتا دیا تو معلوم ہوا کہ شریفین کے عہد حکومت میں پاک پٹن (پنجاب) کے کچھ قادیانی آج بھارت آئے تھے، جن کی جدہ جو تجارت تھی، یہ لوگ "فتنی" کہلاتے تھے انہوں نے یہاں کے لوگوں میں اپنے عقائد کی تبلیغ روپیہ چپ کے لالچے سے شروع کی، کچھ دن تک یہ

خام احمد دہانی کی شاعری گھٹیا درجہ کی شاعری ہے انگریزی حال اس کی آراء منفرد کا ہے، انیساد گرام کے اہل حقانی نے اعلیٰ و معلیٰ کی نصاحت و بلاغت اور "جماع الکلم" جماعت فرماتے ہیں اسانیا و گرام شاعری بھی نہیں کیا کرتے یہ ان کے حق اور مقام سے فروتر چیز ہے۔ اس کے علاوہ مرزا قادیان کے جو حالات اور اقوال ملتے ہیں ان میں نہ وہ پاکیزگی اور اولوالعزمی نظر آتی ہے جو مجددین اور تعلیمین وقت کے یہاں پائی جاتی ہے نہ اس میں بلند خی فکر ملتی ہے اور نہ حریت خیال! مرزا غلام احمد دہانی نے پنجاب کے لعنت گورنر کو بدبو استیں دی تھیں ان کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیے :-

● میں دعوے سے گورنمنٹ کی خدمت میں اطلاع دیتا ہوں کہ بہ اعتبار مذہبی اصول کے مسلمانوں کے تمام فسر قوں میں سے گورنمنٹ کا اول درجہ کا وفا دار اور جہاں شادی بی نیا فرستہ ہے، جس کے اصولوں میں سے کوئی اصول گورنمنٹ کے لئے خطرناک نہیں :-

● جو ہدایتیں اس فرستے کے لئے میں نے کی ہیں جن کو میں نے اٹھ سے لکھ کر اچھا پ کر ہر ایک مرید کو دیا ہے کائن کو اپنا دستور اصل رکھے ان ہدایتوں کو پڑھ کر گورنمنٹ کو معلوم ہو گا کہ کیسے اس کیش اصولوں کی اس جماعت کو تعلیم دی جاتی ہے اور کس طرح بارہا ان کو ناکیدی کی گئی ہیں کہ وہ گورنمنٹ برطانیہ کے بچے خیر خواہ اور مطیع ہیں :-

● یہ ایک ایسی جماعت ہے جو سرکار انگریزی کی نیک پروردہ اور نیکیاں حاصل کردہ اور صمد و مراعہ گورنمنٹ ہے :-

● ہماری قریبی دعا ہے کہ خدا اس گورنمنٹ محترمہ کو جزائے خور دے اور اس سے نیکی کرے جیسا کہ اس نعم سے نیکی کی یہی وجہ ہے کہ میرا باپ، میرا بھائی اور خود میں روح کے جوش سے اس بات میں مصروف رہے کہ اس گورنمنٹ کے فوائد و احسانات کو عام لوگوں پر ظاہر کریں اور اس کی اطاعت کی فرضیت کو لوگوں کے دلوں میں جما دیں اور یہی وجہ ہے کہ میں انشاء میں سے ایسی کتابوں کی تالیف میں مشغول ہوں کہ جو مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی محبت اور اطاعت کی طرف مائل کر رہے ہیں :-

انگریز کو اسلام اور مسلمانوں سے جتنی کہ اور عداوت دینا ہے، وہ کسی نبوت کا محتاج نہیں ہے، انگریزی حکومت کی چاہ رہا بھی سب پر دشمن میں جس شخص نے ایسی مشتبہ اور اسلام دشمن حکومت کی، اطاعت کی فرضیت، لوگوں کے دلوں میں جمانے اور مسلمانوں کے دلوں کو انگریزی حکومت کی محبت و اطاعت کی طرف مائل کرنے کے لئے انشاء میں نیک بیاضت و محنت کی ہو، اس شخص کے کردار و میرت کے بارے میں کیا کوئی اچھی مائے قائم کی جا سکتی ہے؟ قرآن کریم میں جس "اول الامر" کی اطاعت کا حکم ہے اس کا مسلمان ہونا لازمی ہے، جو شخص "انگریز کی اطاعت" کو منصوص اور فرض سمجھتا ہو، اس کی دینی فکر کس قدر پست، سطحی بلکہ غیر اسلامی ہے، کیا امام وقت اور مجدد و زمان کا ایسا ہی کردار انسان کی شکست فرست دے ای قسم کی ہوا کرتی ہے۔ جو فرقہ انگریزی حکومت کا "نیک پروردہ" ہے، جس کی اطاعت و وفاداری پر اس فرقہ کا پانی اور پشیرا نذر کرتا ہو اور لعنت کی لعنت کی خدمت میں درخواستیں بھیج کر اپنی نیاز مندی کا یقین دلاتا ہو۔ اس سے اندازہ کر لیجئے کہ وہ "فرقہ" کیا ہو گا اور اس کے بنانے والے کے قول و کردار کی سطح کیا ہو گی؟ "نا دہشت" نے دہا صل انگریز کے سایہ عاطفت میں نشو و نما پائی ہے اور اس امت کے نبی کا ذنب کی عمر کا خامہ صحرہ انگریز کی نصیہ خوائی، دغا داری اور دنیا دہندی میں بس رہا ہے، ہم مسلمانوں کو جنہوں نے انگریزی سامراج سے نکولی ہے اس شخص کی خود ساختہ نبوت، مسیحیت امت

وہ ثبوت طلب کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ اس مسلمان کا نہ ختم نبوت پر ایمان نہیں، جسے تو وہ
مکمل نبوت (مستثنیٰ) سے ثبوت نبوت طلب کرتا ہے اسلئے ختم نبوت پر ایمان نہ رکھنے اور خصوصاً قائم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ نئی
کے بعد نبوت بعثت کے امکان کو ماننے کے بعد وہ مسلمان کافر ہو گیا۔

بالکل سامنے کی بات یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کی نبوت کا بھی ظہور صحابہ کرام کے نزدیک ممکن
اور جائز ہوتا تو دور خلافت میں جن لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، ان سے جنگ کر کے، انہیں قتل نہ کیا جاتا بلکہ پھر ان کے حالات معلوم
کئے جاتے، ان کی زندگیوں کو جانچا اور پرکھا جاتا، ان سے نبوت اللہ نامہ من اللہ ہونے پر گفتگو کی جاتی۔ مگر صحابہ کرام جو کچھ نبی آخر
کے بعد کسی نئے نبی کا ظہور بعثت کے قائل نہ تھے، اس لئے انہوں نے صحابان نبوت کو کاذب مفسد و فحش و فاسق خاتم النبیین سمجھ کر ان سے بغاوت اور عقائد
کیا اور کافروں اور مرتدوں کی طرح ان سے جنگ کی جس طرح یحییٰ بن زید اللہ ثانی کے سر کسی دوسرے الٹو گروہ اور بدعادت نہیں کر سکتی اس طرح حضرت نبوت
حضور سید المرسلین حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کسی نئے نبی کے ظہور کو گراما اور بدعادت نہیں کر سکتی اس مسئلے پر جو کوئی تہمت اٹھاتا اور دلائل
سے کام لیتا ہے وہ منافق ہے۔

معاذ اللہ جن سب میں بدعتی چاہتے اہمات کو نزع و جدال کرنا چاہتے وہ بھی اختلافات میں جو کوئی رشتہ دین، آئین، باطن اور ظہور آقا محمد خلیفہ الام
پہنچا رہا ہے وہ امت میں اختلاف ڈالنے اور انتشار و تفریق کے جرم عظیم کا مذکاب کتا ہے :

مگر

ختم نبوت کا مذکورہ فروعی فقہی مسئلہ نہیں ہے یہ تو ایمانیات کا بنیادی مسئلہ ہے اس کے نہ ماننے سے ایمان و اسلام کی نفی ہوتی ہے ۱
امت مسلمہ میں بڑے اختلاف و تفریق تو مروجہ امام احمدیائی کا یہ ایک جہاں کو شیخ مہدی نے مذہب توحید کے متعبدین امت احمدیہ نے ایمانی و فکری اختلاف
ساختہ جھوٹی نبوت کا نیا سٹیٹوشن قائم کر دیا "تایا نبوت" کا دوسرا ہی اسلام اور ملت میں اختلاف و تفریق کا سبب بنا لیا ہے۔ یہ فتنہ جہاں پہنچا لکھتا ہے اپنے مسلک
کفر و ضلالت کی طرف سب لوگوں کو لٹکا رہا ہے اندر اس کی ضلالت و کفر و غیبت کی پابندی اور فرض نہیں تو اس فتنے کی تہدیک کا کیا سلاخوں کو قطع حاصل ہوگا؟ جھوٹی نبوت کی تہدیک
جو کوئی ملے میں تفریق و انتشار پیدا کرنے کا سبب سمجھتا ہے اسے اپنے ایمان اور۔۔۔ اسلام کا ہاتھ لینا چاہیے۔

فساد و فتنہ اور کافروں کو بھی بھی کھار سچا خواب نظر آ سکتا ہے اور کافروں، مجرموں اور جوشیروں کی پیشین گوئیاں بھی
ٹھیک ثابت ہوتی ہیں، ان باتوں کی اہمیت "ایمان کے ساتھ ہے" کفر کے ساتھ ایمان کا کوئی وزن اور اہمیت نہیں ہے، تو جو شخص حضور
خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد "نبوت" کا دعویٰ کر کے کافر و مرتد ہو چکا اس کے کسی بچے خواب کا نہ تو کوئی وزن ہے اور نہ
اس کی کسی پیشین گوئی کا درست ثابت ہونا، اس کے دھماکے نبوت کے "کذب" اور کفر و ارتداد کو ہلکا کر سکتا ہے، اس کے علاوہ جھوٹے نبی
کے ماننے والے روپے سے ہوا و قدر اور پیش گوئیوں کے بارے میں بھی مخالفہ آمیزہ و طیلوں اور کذب و افتراء سے کام لیتے ہیں۔

جہاں تک امامت اور تجدید و اصلاح کے منصب کا تعلق ہے امامت کی نگاہ ان شخصوں کی طرف جاتے گی جو مسلمان ہیں، عالم دین
ہیں، صاحب تقویٰ ہیں، جن کی زندگیوں میں وہ خوبیاں ملتی ہیں جو اسلام کو مطلوب اور اللہ اور رسول کے نزدیک پسندیدہ ہیں،
امام الانبیاء، قذوۃ الاصفیاء، سید المرسلین، خاتم النبیین حضرت سیدنا و مطہرنا محمد موعظی علیہ الصلوٰۃ والسلام لرعاہ
ابی حامی امیر اللہ ثانی نے نبوت کے سلسلہ کو ختم فرما دیا اب قیامت تک کسی قسم کا بھی کوئی نئی نہیں آئے گا یہ امت مسلمہ کا متفقہ عقیدہ۔
اس کی معافی میں کسی بدعتی نبوت کی طرف جب بھی کوئی دعوت دی جائے گی اس سے دین و ملت میں انتشار پیدا ہوگا اور اس فتنے کی تہدیک
اور مذک تمام کرنا اصلی نوع و واجب ہوگا، تائیائیوں کے تازہ لٹریچر کے جواب میں ہم نے اس فریضہ کو ادا کیا ہے !

قبر انصاری

از۔ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی
تلمیذ ترجمہ۔ عزیز الرحمن سراقی
مستطعم دارالعلوم کراچی

حکایت

کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو تختیں نہیں بنایا اور ہم
ہی نے تم کو چٹا بنایا اور ہم ہی نے تمہارے سر کے گورے حلت کی پھیر
بنایا اور ہم نے رات کو پردہ کی چیز بنایا اور ہم ہی نے دن کو معاش
کا وقت بنایا اور ہم ہی نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے
اور ہم نے ایک روشن چار بنایا اور ہم ہی نے پانی بھرے، دھل
سے کثرت سے پانی بھریا تاکہ ہم اس پانی کے ذریعہ سے غلہ
اکسیری اور گنجان پائے پیدا کریں۔

یاشہ آسمان کے اور زمین کے بنائے ہیں اور ان کے بعد بگڑے رات
اور دن کے آنے میں اور چاند میں جو کہ سمندر میں چلتے ہیں اور مریں
کی نفع کی چیزیں سے کر اور پانی میں جس کو اللہ نے آسمان سے ہر پرب
پھر اس سے زمین کو تروتازہ کیا اس کے خشک ہونے چھپے اور ہر قسم
کے حیوانات اس میں پیدا ہوئے اور جانور کے بدلے میں اور مریں
جو زمین و آسمان کے درمیان مقیم ہوتا ہے۔ دلائل حیان و گول
کے لئے جو عقل رکھتے ہیں۔

کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ نے کس طرح رات آسمان اور پتے پیدا
کئے اور ان میں چاند کو نور بنایا اور سورج کو چمک بنایا اور
اللہ نے تم کو زمین سے ایک خاموہم پیدا کیا پھر تم کو ہر زمین
ہی میں سے جانے گا اور تم کو ہر پرب سے آوے گا اور پھر ہر بخار
تیرے ہونے پر پھر تم کو تم کو آدھی بنائے ہو یا ہم بنائے ہو
ان آیتوں کو بار بار پڑھئے اور اس کائنات میں غلہ کیجئے زمین و آسمان کی یہ عجیب و غریب مخلوقات، قسم قسم کے حیوانات یہ طرح طرح کے

السم تجعل الارض مهادا والجبال اوتادا و
خلقناکم ازماجا وجعلنا فوقکم سباتا وجعلنا
الین لباسا وجعلنا انھما معاشا وینینا فوقکم
سبعاً بشدا واداً وجعلنا سلجاً وھاجا
وانزلنا من المعمرات ماء شجا جانحاً
بہ حباً ونباتا وجنات افقا ۵

ان فی خلق السموات والارض واختلاف الیل
والنھما والظلمۃ النور تجزی فی الھما بما ینفع الناس
وما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیا بلہ الارض
بعد موتھا وبث فیھا من کل وابتۃ ونصر یطرا ۵
والسحاب المسخن بن السماء والارض لا یات
لنورہ لعلقون ۵

السم تروا کیف خلق اللہ سبع سموات طباقا و
جد القسم فیمن نوراً وجعل الشمس سراجاً ۵
واللہ انبتکم من الارض نباتا ۵ ثم لعلکم
فیھا ویخرجکم اخراجا ۵ افسع یتیم ما تموت
انتم تخلقون ۵ ام نحن الخالقون۔

ان آیتوں کو بار بار پڑھئے اور اس کائنات میں غلہ کیجئے زمین و آسمان کی یہ عجیب و غریب مخلوقات، قسم قسم کے حیوانات یہ طرح طرح کے

سب سے زیادہ کائنات کا یہ مضبوط اور مسلسل چلتا ہوا نظام جو نہ کبھی ٹوٹتا ہے اور نہ کبھی اس میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے، کیا یہ سب کچھ از خود ہوتا ہے؟ کیا یہ عجیب غریب نظام کسی پیدا کرنے والے سے پہلے نیاز ہے؟ اگر آپ کے دماغ میں کوئی فہم نہیں ہے تو آپ ان سوالات کا جواب ضرور غلطی میں دیں گے، بلکہ آپ یقین کر لیتے ہیں کہ جو ہر جگہ ہوا جائے گی کہ یہ کائنات خود کسی عظیم فرمانبردار کے تابع ہے اور اسی کی تدبیر و تصرف سے اس کا یہ نظام قائم ہے۔ یہی بات قرآن کریم کی ان آیتوں میں بھی بتلائی گئی ہے۔

اُنّی اللّٰہُ شَکَّ فَاطْرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؟ کیا اللہ کے ہاں سے میں شک ہے جو کہ آسمانی اور زمینی کا پیدا کرنے والا ہے ؟

اللہ تعالیٰ نے دولت و تدبیر کے لئے انبیاء بھی بھیجے اور کتاب میں بھی نازل کیں، انہوں نے مخلوق کو حیدر کی طرف تو بلایا لیکن یہ کہیں نہیں کہا کہ تم صانع کا اثر کرنا اس لئے کہ یہ بات پہلے ہی سے ان کی عقلوں میں صرف موجود ہی نہیں بلکہ راسخ عقل جیسے ہی انہوں نے ہوش سمجھا انسان میں عقل آگئی نہیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ اس کائنات کا ضرور کوئی پیدا کرنے والا ہے اس بات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی ان آیتوں میں بیان فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوۡا وَلَیْسَ بِاللّٰہِ ؕ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو ضرور یہی جواب دیں گے کہ "اللہ" نے پیدا کیا ہے

تو تم یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف رکھو اللہ کی ہی ہمتی قابلیت کا اتباع کرو جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے بلکہ نہ چاہتے ہیں سدا دین یہی ہے۔

عقائد اسمعین شہید دہلویؒ فرماتے ہیں :-

اس عالم میں خدا کے لئے بعد کہ اس کا ایک شاندار نظام ہے ایک کامل اور مضبوط تدبیر سے یہ نظام چل رہا ہے اس میں بلند ولست اور غائب و حاضر کے درمیان ایک خاص ربط ہے، اس میں ہم قسم کے تعمرات اور تبدیلیاں ایک خوب صورت اور بہتر تہا سب سے پائی جاتی ہیں، ایک عقلمند آدمی اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ یہ سب کچھ ضرور کسی کے ارادے سے ہوتا ہے اگر ان واضح دلائل کے بعد بھی وہ اس صانع و مختار کا انکار کرے تو اس کی شکل ایسی ہی ہوگی جہ کوئی شخص ایک معمر کو دیکھے کہ اس میں شاندار سے شاندار الفاظ بہترین ترتیب سے موجود ہیں اور اس میں تمام فنی خوبیوں کی رعایت رکھی گئی ہے، اور اس کے بعد وہ اس عبارت سے یہ نتیجہ نکالے کہ اصل میں اللہ کو زندہ ہر حال اس وقت تا بعد میں تسلیم بھی ہو جو وہاں تو اس زندہ کی وجہ سے ظہر سے غیر اختیاری طور سے کاغذ پر کچھ لکھا اور اتفاقی طور سے اچانک اس میں یہ شاندار ترتیب قائم ہو گئی، کہ نہ تو الفاظ میں کچھ نہ وہ الفاظ غیر متسلسل ہیں اور نہ اس میں کوئی غلطی باقی جاتی ہے، تو کیا آپ کے خیال میں ایسے شخص کو ہانکنا نہیں چھو جائے گا؟ یا یہ مثال لے لیجئے کہ ایک شخص ایک قصیدہ سنتا ہے جس میں وزن کا لپڑا لفظ رکھا گیا ہے اور اس طرح اس کی صنعتیں اس میں موجود ہیں، فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ معیار پر وہ لپڑا اترتا ہے اور اس کے بعد یہ رائے قائم کرتا ہے کہ دماغ میں شعور دوسرے بے چین تھا اس کے منہ سے چھین نکل رہی تھیں اتفاق سے وہ چھین معراج سے نکل کر الفاظ میں تبدیل ہو گئیں۔ الفاظ میں ایک خاص قسم کا تسلسل پیدا ہو گیا اور پھر یہ شاندار ترتیب قائم ہو گئی، اس کے بعد خود بخود اس میں وزن اور قافیہ پیدا ہو گیا اور اسی طرح الفاظ کا ایک شاندار

تعبید بن گیا، نہ شاعر نے وزن و قافیہ کی طرف توجہ کی تھی نہ اس نے تعبید کہنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس نے اس تعبید میں قسم قسم کی صنعتیں پیدا کرنے کا خیال تک کیا تھا، کیا آپ اپنے من شاعر سے میرا یہی معاملہ کا وجود بدداشت کریں گے؟ ایک بدی سے پوچھا گیا تھا کہ صافی کے وجود کی دلیل کیا ہے؟ سبحان اللہ! کیا شاہ نادر جواب دیا، کہنے لگا:۔

”اہنٹ کی سیٹھنوں کو دیکھ کر اس سے ہم اونٹ کی موجودگی کا اندازہ لگاتے ہیں اور جب ہم کو کہیں پائوں کہ تھوڑے نظر سے میں تو ہم سمجھ لیتے ہیں کہ یہی سے کوئی گڑا ہے، پھر اسان جس میں تار سے جگہ لگاتے ہیں ادیب زمین جو دلکش لٹیب و فزائے محمور ہے ادیب ہر منہ میں کہہ چکے عجبیں اٹھتی ہیں، کیا یہ ایک لطیف و غیر کے وجود میں دلالت نہیں کرتے؟“

امام رازحی نے لفظ کیا ہے کہ ایک دفعہ خطیفہ ہارون رشید نے امام مالک سے وجود باری کی دلیل پوچھی تو آپ نے فرمایا: ”یہ قسم قسم کی بریاں اور طرح طرح کی آوازیں اور جملہ اچھے اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔“ خداوند کو فرمائیے دنیا میں اہل حق ہیں ان میں سے ہر ایک کی آواز ایک اپنے اس سے کم جگہ سے نکلتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان سب اہل حق میں ایک فرق پیدا کر دیا ہے کہ سننے والا گھوڑے اور گدھے، انسان و وحش، ہر ایک کی آواز میں فرق کر سکتا ہے، اسی طرح انسانوں میں بھی ہر انسان قسم کی زبانیں بولتا ہے لیکن سننے والے کو قطعاً کوئی اشتباہ نہیں ہوتا اور وہ ان میں واضح فرق محسوس کرتا ہے، مگر انسانوں میں اللہ تعالیٰ نے ایسا امتیاز پیدا کر دیا ہے کہ ہر ہر ایک ہر ایک کا صوت ہر ایک مرد، نوجوان، عورت ہر ایک مرد، نوجوان، عورت ہر ایک کی آواز کو جدا جدا پہچانا جاتا ہے اور اس سے بولنے والے کا نوجوان یا بچہ، مرد یا عورت ہونا معلوم کیا جاسکتا ہے، اس دنیا میں اہل حق انسان جیتے ہیں۔ لیکن ہر ایک کی آواز دوسرے سے مختلف ہے کیا آپ اسے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عجیب و غریب کرشمہ نہیں کہیں گے؟ کوئی شخص یہ کہہ کر کہ یہ شخص اخلاق ہے اپنی مختلف ہی کا ثبوت نہیں دے سکتا، ایک لمحہ امام ابو حلیفہ سے وجود صافی کی دلیل پوچھی، آپ نے فرمایا:۔

”مجھے تھوڑی دیر کے لئے بہت درد، کچھ لوگوں نے مجھ سے ایک بات کہی ہے میں اس پر غصہ کرنا چاہتا ہوں، چند لوگ آتے اور مجھ سے کہنے لگے کہ تمہاری ایک بہت بڑی کشتی ہے اس میں طرح طرح کا سامان تجارت لدا ہوا ہے، نہ اس میں کوئی لحاظ ہے اور نہ طالع، وہ کشتی خود خود چلتی ہے اور بڑی بڑی نوجوانوں کو بھاڑتی ہوئی نکل جاتی ہے، جہاں جانا چاہتی ہے طالع کے بغیر اچھے لئے راستہ بنا تی ہے اور پہنچ جاتی ہے؟ وہ لوگ سن کر کہنے لگے کہ یہ تو کسی عاقل کے کہنے کی بات نہیں ہے، تو امام نے فرمایا:۔

”خدا کے بند و غلام کو کہو! یہ کائنات جس میں سورج اور چاند کا جو انتظام ہے اللہ تعالیٰ کا جملہ انداز میں قسم قسم کی عجیب و غریب چیزیں ہیں لیکن ان کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں؟“

حاضرین امام صاحب کی اس حاضر جوابی اور شعور و استدلال کو سن کر بہت حیران رہے اللہ رب العزت ان کے ان عقیدہ اسلام قبول کیا، ایک دفعہ امام شافعی سے وجود صافی کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:۔

”یہ دیکھئے! آواز کا تہ ہے یہ ایک ہی ذائقہ رکھتا ہے، لیکن اس پر تہ کو کیڑا دکھاتا ہے تو اس سے لعیم نکلتا ہے اس عجب شہد کی قسم اس کو کھائی ہے تو اس سے شہد پیدا ہو جاتا ہے اور جب اس پر تہ کو کیڑی لگائی، اس سے دوسرے جاندار نکلتے ہیں کہ یہ میٹن، ادیب کی شکل، انسان کی شکل ہے، اور ہر ایک اس کے کھاتی ہے تو یہی تہ شہد بن جاتا ہے، حالانکہ

تہ دہی ایک ہے معلوم ہوا کہ اس میں یہ خاصیت از خود نہیں آتی بلکہ کسی کے پیدا کرنے سے آتی ہے۔

یہ سوال امام احمد بن حنبل سے بھی کیا گیا تھا آپ نے فرمایا تھا کہ

تیرہ دیکھئے ! ایک مضبوط ادا چٹا قلندر ہے جس میں نہ کوئی سوراخ ہے اور نہ دھواڑہ ، اس کا پی پر چاڑی کی طرح سفید چمکا رہا ہے اور اندھا کھڑے ہونے کی طرح نمدنہرا ہے ، اچانک اس قلندر کی دیوار پھٹ جاتی ہے اور اس میں سے ایک خوبصورت انکشیہ سر آواز والا جالندھل آتا ہے جو چلتا پھرتا بھی ہے اور نسا دیکھتا بھی ہے۔
 رام کی مراد اٹھتا ہے !

کیا آپ اسے اتفاق کا نتیجہ کہیں گے ؟ قطعاً نہیں یہ ضرور کسی مقدر و جانے کی قدرت سے ہوا ہے، تعجب کی بات ہے لوگ ان کھلی ٹانگوں کے بعد بھی اللہ کے وجود کا انکار کرتے ہیں اس کی بے وفائی کہ جسے یہ حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز میں اس کے واحد و یکہ ہونے پر دلالت کرنے والی علامات و دلائل موجود ہیں، — (علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ میں یہ احوال نقل کئے ہیں)

توحید خداوندی کے دلائل وہی بات کہ صالح کی توحید کی کیا دلیل ہے تو ہم اس وحدانیت کو سب سے پہلے ایک عقلی دلیل سے ثابت کرتے ہیں۔ اصطلاح میں اس دلیل عقلی کو برہانِ تملیح کہا جاتا ہے، قرآن کریم میں وحدانیت کو اسی برہانِ تملیح کے ذریعہ ثابت کیا گیا ہے علامہ کلندیؒ فرماتے ہیں کہ تملیح کے دلائل یہ ان کئے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ صالح مقدس ہیں ان میں سے ایک مقدس اور مضرعہ کے بعد کہ چاہتا ہے اور دوسرا اس کی نفی اور عدم کا لگاؤ نہ کرتا ہے، علامہ فرماتے ہیں کہ صالح برہانِ تملیح کا اطلاق انھیں پر ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ صالح کو پیش اور ان میں سے ایک یہ چاہتا ہے کہ نہیں ہی اس مقصد کو بیکاروں، دوسرا خدا اس کے پیدا کئے میں قطعاً کوئی دخل نہ دے، ظاہر ہے کہ ایک چیز دو افراد کا مستقل مقصد نہیں بن سکتی، مشکلیں جو کہتے ہیں کہ اگر خدا کی ان لئے چاہیں تو ممکنات میں سے کوئی چیز جو وجود میں نہیں آسکتی اس کا مطلب یہی ہے کہ اس صورت میں یا تو ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے، یا ایک مقصد بہ دو افراد سے حاصل کرنا ناممکن ہے اور یہ دونوں باتیں محال ہیں۔

اس وجہ کے بعد ہم اس دلیل کو قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ — اس دلیل کی تفصیل یہ ہے کہ اگر ایسے دو خدا مان لئے جاتیں جن میں ہر ایک کا ان طریقہ سے کسی چیز کے پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہو تو ایسی صورت میں ان دو خداؤں کے درمیان کے تنازع لازم آئے گا۔ اور وہ باطل ہے اس لئے کہ اگر وہ دو خدا متفق کریں یعنی ان میں سے ہر ایک یہ چاہے کہ میں ہی اس مقدور کو دوسرے خدا کی شرکت بے بغیر پیدا کرنے کی تو ایسی صورت میں یا تو وہ مغضوب پایا جائے نہ جانتے گا یا پھر ہر ایک کی قدرت سے یعنی شرکت سے موجود ہوگا اور ایسا ایک ہی خدا اُس کا حاصل ہوگا اور اُسی کی ایجاد سے وہ موجود ہوگا دوسرے خدا کو اس کی ایجاد میں کوئی دخل نہیں ہوگا، یہ تینوں صورتیں صحیح نہیں ہیں، پہلی صورت میں تو ظاہر ہے پایا جائے نہ گیا، دوسری صورت میں بھی اُس کا وجود ممکن نہیں ہے، اس لئے کہ جب ان میں سے ہر ایک کامل خدا ہے اور ہر ایک کو مستحق اپنے ادا سے کے نافذ کرنے کا کلی اختیار ہے تو ایسی صورت میں کسی چیز کا وجود ان دونوں کی شرکت سے معرض وجود میں آنا دونوں کی کمزوریاں اور عاجزی کی علامت ہے، چونکہ ان دونوں میں سے کوئی بھی اپنے ادا سے کو پورا نہ کر سکا بلکہ وہ چیز دونوں کے اشتراک سے موجود رہتی، ایسی صورت میں وہ دونوں کا ان طریقہ سے "خدا" کہلانے کے مستحق نہیں ہو سکتے، حالانکہ شروع میں ہم ان چکے تھے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کا ان طریقہ سے قادر ہے اور ہر ایک کو اس کا کلی اختیار ہے کہ وہ مستحق بلا شرکت غیر سے اپنے ادا سے کو پورا نہ کر سکا بلکہ، تیسری صورت بھی صحیح نہیں ہے اس لئے کہ جب اس مقدمہ کو صرف ایک خدا نے ہی پایا اور دوسرے نے پیدا نہ کیا حالانکہ وہ دونوں خدا تھے اور اس کو

پیدا کرنا چاہتے تھے تو صدم ہوا کہ اس دوسرے میں پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں تھی اور وہ قادر نہیں تھا لہذا یہ بھی خدا نہیں ہو سکتا جب لازم کا نقصان کا ہر ہوگی تو لزوم یعنی کئی خدائوں کے ہاتے جانے کا بطلان بھی واضح ہو گیا ، اور وحدانیت ثابت ہو گئی اب یہ بات ہر ہی طرح واضح ہو گئی کہ بالفرض اگر تعدد کی صورت میں معصوم پایا جائے گا تو وہ حائل میں سے ایک امکان لازم آئے گا — کہ اگر امکان تو وارد لازم آئے گا اور اس امکان ترجیح بلا مرجح تفصیل باقی میں آچکی ہے اس تفسیر کے بعد فکر کریم کی اس آیت پر غور کیجئے ۔

لَوْ كَانَ فِیْهِمَا الْهُدٰى لَآ اَلٰلَہٗ اِلَّا ہٗ لَعَلَّہُمْ یَعْلَمٰنَا

یعنی اگر وہ زمین و آسمان میں ان کے سوا دوسرے خدا بھی ہوتے تو یہ دونوں خاسر ہو جاتے ۔

عام طور سے اس دلیل کو اتنا ہی سمجھا جاتا ہے لیکن اگر اس آیت میں "خدا کے صفیہ سے لئے جاتیں کہ وہ دوسرے میں نہ آئے " تو یہی دلیل قطعی بھی ہو سکتی ہے ۔

توحید کی ایک اور دلیل

توحید باریک ایک اور دلیل بھی بیان کی جاتی ہے جو بہت واضح اور محض ہے اور یہ کہ اس دنیا میں جب بھی ایک جنس کی دو چیزیں باقی جاتی ہیں تو ان میں بعض باقی مشترک ہوتی ہیں اور بعض باقی مختلف ، فرض کیجئے تیرہ اور تیرہ دھان میں ، ان میں بعض باقی مشترک ہیں ، مثلاً یہ کہ دونوں انسان ہیں ، دونوں مرد ہیں ، دونوں چمچے پھر نہ پے قادر ہیں ، دونوں کے جسم میں آنکھیں ، کان اور ناک موجود ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی بعض چیزیں یقیناً مختلف بھی ہیں ، مثلاً یہ کہ ایک نرید ہے ، دوسرا نر ، نرید خال کا بیٹا ہے اور نر محمود کا ، نرید غلامند ہے ، نر اتنا ہوشیار نہیں ہے ، نرید مالدار ہے اور نر مفس اور غریب ہے ، اگر ان دونوں میں اس قسم کا کوئی اختلاف نہ ہو تو یہ وہ نہیں رہیں گے ، ایک بن جائیں گے ، جو باقی ان میں مشترک طور سے ہوتی جاتی ہیں انہیں منطق کی اصطلاح میں "ماہ الامتیاز" کہتے ہیں اور جو باقی مختلف ہیں انہیں "ماہ الامتیاز" کہا جاتا ہے ، آپ اس کائنات کی کسی بھی دو چیزوں کے لیجئے ، ان میں بعض چیزیں ماہ الامتیاز ہیں اور بعض چیزیں ماہ الامتیاز ۔

اس بات کو سمجھنے کے بعد دیکھئے کہ اگر اس کائنات میں ایک زیادہ خدا ان لئے جاتیں تو لا محالہ ان دونوں کچھ چیزیں ماہ الامتیاز نہ ہوگی جو دونوں میں مشترک ہونے پائی جائیں گی ، اور کچھ چیزیں ماہ الامتیاز نہ ہوگی جو ایک میں باقی جاتیں گی ، دوسرے میں نہیں ۔

اب سوال یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان ماہ الامتیاز کیا ہوگا ؟ یعنی وہ کئی چیز ہوگی جو ایک کو دوسرے سے متماز کرے گی ہر جہ سے کہ ان کی ماہیت و حقیقت اور ماہ الامتیاز نہیں ہو سکتی اس لئے کہ ہم دونوں کی ماہیت و حقیقت ایک ہی ، ان کچھ میں کہ وہ دونوں خدا ہیں ۔ اگر آپ کہیں کہ ماہ الامتیاز ان کی کوئی صفت ہوگی تو سوال یہ ہے کہ آیا وہ صفت صفت کمال ہے یا صفت نقص اگر وہ صفت کمال ہے اور خدا علیہ پائی ہو رہی ہے تو ظاہر ہے کہ خدا میں یہ صفت کمال نہ ہوگی دیکھئے کہ یہ صفت ماہ الامتیاز نہیں ہے بلکہ ماہ الامتیاز ہے ، اس صفت میں لازم آئے گا کہ خدا ایک صفت کمال کے طور پر ہے اور وہ خدا ہی ہوا جو کسی صفت کمال کے طور پر ہو ؟ اس کا جواب یہ کہ نہیں کہ وہ صفت نقص ہے جو خدا کو خدا سے متماز کرے گا ، تو اس سے خدا کو تو نقص سے محض نہ رہے گا لیکن لازم آئے گا کہ خدا علیہ ایک نقص پایا جائے اور اس ذات میں کوئی نقص ہو گے خدا کیسے کہا جاسکتا ہے ؟

اس کا جواب یہ کہ خدا کو کوئی جزو اسے خدا سے متماز کرے گا تو اس سے لازم آئے گا کہ خدا اجزاء سے مرکب ہے ، حالانکہ خدا میں اجزاء نہیں ہوتے اس لئے کہ ہر مرکب اپنے وجود میں اپنے اجزاء کا متحد ہوتا ہے ان اُس وقت تک وجود میں نہیں آسکتا جب تک کہ اس کے اجزاء یعنی سر ، پیرو ، ہاتھ ، پاؤں وغیرہ نہ ہوں اس لئے وہ ان اجزاء کا متحد ہے ، دھت دھت دھت تک دھت نہیں کہہ سکتا جب تک کہ اس میں تنہا نہ ہو شکیان نہ ہوں ، اجزاء دھت نہ ہوں اگر آپ خدا کے اندر بھی اجزاء فرض کریں گے تو لازم آئے گا کہ خدا اپنے وجود میں اپنے اجزاء کا متحد ہے حالانکہ خدا کسی کا متحد نہیں ہوتا اس لئے کسی جزو کو بھی ماہ الامتیاز نہیں بنایا جاسکتا جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ خدا میں کوئی چیز ماہ الامتیاز نہیں بن سکتی تو لا محالہ ایک سے زیادہ خدا کا وجود بھی باطل ہو گیا اس لئے کہ دوسرے میں بغیر ماہ الامتیاز کے نہیں پائی جاسکتیں ۔

مولانا محمد مصطفیٰ

(علی گڑھ)

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ

۹۔ ایاات نستعین سے تمام مخلوق حق کہ افضل المخلوقات یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام کا بھی عاجز و دانا نہ و محقق و مگاہ الہی ہونا ظاہر ہوا کیونکہ صاحب قدرت کا کلمہ خدا مانگنے کی کیا حاجت ؟

۱۰۔ اے اھدنا الصراط المستقیم سے تمام مخلوق کا عالم الغیب نہ ہونا بھی ثابت ہوا کیونکہ مجھے علم غیب حاصل ہے اسے عوام کی تعظیم دینا کرنا چھ معنی دارد ؟

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ علم محیط اور قدرت کا کلمہ خاصا حق تعالیٰ سے ہے اور ہونا بھی چاہئے ، اس لئے کہ قدرت کا تسبیح نفل اور عمل سے ہوتا ہے اور فعل و عمل کا سرزد ہونا بعینہ علم کے ، معلوم پس جب قدرت کا کلمہ ہوئی تو علم بھی محیط و کامل ہوگا اور جب تمام مخلوق عاجز و بھری تو علم محیط یعنی علم غیب سے بھی بے بہرہ ہوئی ، چنانچہ عارف معارف الہیہ صاحب علوم لدنیہ ، نالراستین فی العلم ، الفضل الرسد ، لکا طین فی العلم سینا و مولانا محمد خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ ارشاد ہوا کرتا ہے ۔

رَبِّ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ نَفَعْنَا لَكَ ذُنُوبُنَا أَلَا مَا شَاءَ اللَّهُ وَكَانَتْ عَلَيْهَا الْغَيْبُ لَا سَكْنَتْ مِنْ الْخَيْرِ وَمَنْ مَسْنَى إِلَهٍ . غ

کہ دیکھئے اسے نبی کہ میں اپنی ذات کے لئے کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر یہ کہ اللہ چاہے اور میں علم غیب رکھتا تو بہت کچھ ضرور نفع حاصل کر لیتا اور مجھے نقصان و ضرر نہ پہنچتا ۔

صاف طور پر قدرت کا کلمہ اور علم غیب کی نفی ہوتی ہے ، حیرت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور دوسرے خاصہ بن خدا کے بارے میں یہ علم غیب کا عقیدہ جو سراسر لہجہ قرآنی اور تہذیبیات ائمہ شریعت و طریقت کے خلاف ہے ، امت مروجہ کے بعض افراد نے کہاں سے اٹھایا ، انصاف شرط ہے کہ جب خاصا حق نعمت سے اپنے تئیں متصف گنا گنا ، دشمن بدینا کی حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ ، والتسلیم کے لئے بھی قابل گرفت ہے تو لہجہ کیا خاصا حق الوہیت سے حضرات انبیاء و اولیاء کو متصف سمجھنا کہ انہیں اتنا بھی قابل مواضع نہیں ، بلکہ ، قاعدہ توحید چاہتا ہے کہ ادھی زیادہ مذہم ہے کیونکہ پہلی صفت میں مخلوق کی مماثلت مخلوق سے ہوتی اور وہ دونوں متناہی خواہ ایک اسفل بھی اور دوسری اجل ، اور دوسری شکل میں مخلوق کی مماثلت خالق سے ہوتی حالانکہ مخلوق متناہی اور خالق نامتناہی ہے ۔

اے انکار کیسے نشود دام باز ہیں کایں جاہمیشہ یا و بدست است دام را

صاحب عقیدہ بحدہ شیخ برصیری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ۔

منزلہ من شریک فی ممانہ فخرہ احسن فیہ غیر منقسم

یعنی خاص ظاہری و باطنی میں سرود کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کا شریک و ہم سیم کوئی بھی نہیں ۔ چوں کہ اس اسلوب بیان سے شبہ ہوسکتا ہے کہ کہیں آپ خط تو نہیں ہیں (نعم بالندہ) لہذا اس وہم و شبہ سے بچانے کے لئے آگے فرماتے ہیں ۔

وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ غَافِلِينَ ۖ أَفَلَا يَرَوْنَ
وَالنَّسَبَ إِلَىٰ ذَاكَ مَا أَشْتَدَّ مِنْ شَاقِّ
فَإِنَّ فَضْلَ رَسُولِ اللَّهِ لَئِيسٌ لَّهٗ
وَأَحْكَمَ بِمَا أَشْتَدَّ مَدْحًا فِيهِ وَاعْتَمِدَ
وَالنَّسَبَ إِلَىٰ ذَاكَ مَا أَشْتَدَّ مِنْ شَاقِّ
فَإِنَّ فَضْلَ رَسُولِ اللَّهِ لَئِيسٌ لَّهٗ
وَأَحْكَمَ بِمَا أَشْتَدَّ مَدْحًا فِيهِ وَاعْتَمِدَ

یعنی جس طرح نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خصائص الوصیت کا دعویٰ کیا، تم ایسی باتیں نہ کرنا اور اس کے علاوہ اور جو
سے بڑے روحانی نعنائیں اور کمالات ہو سکتے ہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح و لغت میں نہایت وقت کے ساتھ کہیں کیونکہ آنحضرت
نفس و کمال الٰہ نہیں ہے مجھے قوتِ ناطقہ حیطہ بیابان میں لائیکے۔ ہاں اس قصبہ میں اس شہر سے علم غیب کا مشہور کیا جائے۔

فَإِنَّ مِنْ جُودِكَ الدُّنْيَا وَفُضِّرَ فَمِنْهَا
وَمِنْ عِلْمِكَ صَلَواتُ الدُّوْحِ وَالْقَلَمِ
کہ جب روح و قلم کا علم حضور کے علوم کا جزو ہے تو حضور کو علم غیب حاصل ہے، اس لئے کہ روح میں قیامت تک کے حالات قلم بند ہیں
حضور کو بعض دیگر حالات آنحضرت کا بھی علم ہے جیسا کہ شیخ خالد الدہری باطریق باجود نے وجہ و تشریح کی ہے، بلکہ آنحضرت کی طرف سے
علوم و معارف، و مابعد و احوال کی تو حائے محمد و مجاہد کے کسی کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوتی چنانچہ رومی مع اللہ وقت واد
مکتبہ قدس لاہور: موسس میں بھی اس طرف اشارہ ہے۔

ہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ حضور کے مراتب و علوم میں جس طرح آفات و آفات حیات طیبہ میں اضافہ ہوتا رہتا تھا اسی طرح آپ صحت و برکت
بھی آفتا و فائز تھے اصنافاً مضاعفہ ہوتی رہتی ہے، چنانچہ من جملہ دیگر دلائل کے ان اللہ و ملائکہ یصدقون علی النبی امین
الذین امنوا صلوات علیہم و سلم و تسلیما میں جو برکت اور حکم ہے اس سے بھی یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ نہ کہ نہزل رحمت سستا
ترقی و حال کی اتالیقی و سلامتی و قیام و قیام و معارف الٰہیہ کو، پس خود فرمایا جاتے کہ جب علوم شریفہ نبویہ میں ہر لمحہ اضافہ ہوتا رہتا ہے تو
غیب کہاں رہا؟ علم غیب کی گہریت ان ہے کہ الان کا کان، اللهم ارنا الاشیاء کما حی بالنبی الای دلہ و صحبہ صد
اللہ صلیہم اجمعین، آمین،

صلوات الذین انعمت علیہم پہلے بندہ نے اپنے رجب مراد مستقیم کی جانب ہدایت فرمانے کی درخواست کی تھی اور بدل
کے طور پر دعا عرض کرتا ہے کہ ماہِ ماسیت اُن عورت کی جن پر آپ نے انعام فرمایا جو علم معرفت اور حسن فکر کے جامع تھے، فایضاً اللہ
علیہم ولا الضالین اور نہ مغضوب تھے اس نہضت تھے نہ وہ جن پر آپ کا غضب ہوا اور نہ جو گمراہ تھے یعنی کوئی ضلالت
مطلوب نہیں بلکہ وہی جو جمع علیہ ہے، وہی جو سب مقبولین بارگاہ کا ہے، جس پر تو لا و نعلیٰ اجماع بھی ہو چکا ہے اور کن حضرات
الذین انعم اللہ علیہم من المہین والصدیقین والشہداء والصابغین انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صابغین
یہ حضرات نعمت ایمان اور نعمت سلامت و ایمان و دوزل سے بہرہ ور ہیں، جن کا حال بھی اچھا، قابل بھی اچھا اور دل بھی اچھا ہے
نے نہ وقتِ نظیر کہ جو غلط استعمال کیے کہ گمراہی اختیار کی اور نہ وقتِ حلیہ کہ بے کام میں لاکر غضب الٰہی کے مستحق بنے بلکہ وہ حضرت
اپنی تعلیمات و تربیات سے نفوس کا تزکیہ فرماتے ہیں اور حکمت الٰہی کے سبکی نظریہ و عملی کا آب حیات پاتے ہیں و نیز کیہم و یلہ
الکتاب ہے حکمت جن کے صدق و دیانت پر جن کی عظمت و مقبولیت پر تمام عالم کی تاریخ شاہد ہے جن کے نفوس تدبیر اور ہدایت
کے سامنے جا کر سرکش بادشاہ مجہور و مششہد جاتے ہیں و فیہت الذی کف، ہاں ہاں! جن حضرات کو آپ نے اپنا یا
نعمت و رحمت میں بھی جانتا ہوں و اولئک مع الذین انعم اللہ علیہم الایہ، انہی کے نفوس قدم پر سر کے بن چلا مجھے
ہے۔ انہی کی تقلید میرے لئے شغراہ ہے نہ اُن لوگوں کی جنہوں نے وقتِ حلی کا بے جا استعمال کیا اور گمراہ و ہدہا ہو گئے،

تقلید تو کفار کا مشربہ ہے جن کے لئے آپ نے فرمایا ہے اولو کان آباؤہم لا یعقلون شیئاً ولا یمتدین جو بے عقل اور بے راہ لوگوں کی لیکر کر بیٹھے چلے جاتے ہیں، میں ایسوں سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

منضرب علیہم اور ضالین میں شیطان ابلیس بھی داخل ہے اُس نے قوت عملی کا بے جا استعمال کیا۔ ابلی یعنی طاقت نہ کی اور اور یہ انکار کسی تراویح یا عین ادب کی وجہ سے نہ تھا درحقیقت توئی نہنگ اپنے کسی معتقد سے سرائے بیٹھے کے لئے کہے اور وہ ادب اسر مجھ کا ہے اور سرائے نہ بیٹھے بلکہ غرور کے سبب واسطیکبر اللہ اس میں افراط بھی ہے کیونکہ جس طرح اس نفس و خود داری محمود ہے اسی طرح کبر و نخوت اور کج بدمعاشی ہے اور قوت نظری کو بھی غلط موقع پر استعمال کیا یعنی نفس صریح اور حکم اطمین کے مقابلہ میں اور جو نیاس کیا وہ بھی اصولاً اور عقلاً یعنی خلقی من ناس و خلقی من طین کیونکہ مقدمہ کبریٰ صریح یعنی "والناس انفس من الطین" یا "والناس من الطین" اور یہ انصاف ناری کی خاکی پر اُس نے اسے زعم باطل میں بغیر کو تسک کے قرار دی اور یہ بیچہ تھا اُس کی انایت کا، اس اس کی ریلین کیا تھی ایک سفسطہ تھا جس کا ثمرہ "وان عیلت لحنی انی فیہ الدین ظ"۔

لکھنا واستنباطات ۱۔ ۱۔ صراط الذین انعمت علیہم سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ راہ راست ایک ہی ہے اسی راہ سے اُسے صحیح موصول کی طرف منصف کرتے ہوئے بھی واحد یعنی "صراط" استعمال کیا ہے ورنہ صراط کہا جاتا ہے یہ بھی دلیل ہے مذہب حق کے تقرب اور عدم لغت کے خلاف اس دلیل کے مجرا ہذا الصراط المستقیم کے تحت میں سابقاً تحریر کی گئی تھی۔

۲۔ اور یہ انکل کے طور پر استعمال کرنے میں یہ راز بھی ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ یہ صراط مستقیم موجب حصول انجام ہے اور سب نعمت سے اس کا ثبوت یاقوت و محمود ہے۔

۳۔ انبیاء اور صدیقین کی تقلید یا مودہ اور شہداء اور صلحاء کی فی حد ذاتہ مستحسن ہے اور بصورت اختلاف ظاہری بقا و لا لادیم فلا قدم مقدم کے مقابلہ میں کو حق متروک رہے گی۔

۴۔ گمراہوں اور بدماہوں کی تقلید نا جائز اور مردود ہے۔

۵۔ "صراط الذین" سے یہ بھی مستنبط ہوا کہ انبیاء و علیہم السلام اصول میں متفق و متقدم ہیں۔ فروع میں مختلف ہیں اور یہ فروع بھی انہی اصول صحیح پر مشتمل ہیں، اور یہ صریح اختلاف باختلاف زمان و مکان و لمعاظ امر جزاء انعام و نعل مرگیا ہے جس طرح مجرمین داخلہ کے خلاف کے قول کے مطابق بعض ادیب کے مفاد و بیرو طرق استعمال میں اختلاف نظر رہتا ہے۔

۶۔ "غیرا المنضرب علیہم" الذین غضبت علیہم اور "ولا الضالین" کے بجائے "ولا الذین انضمتہم" نہیں فرمایا گیا، قرآن حکیم کا اسلوب بیان یہ بھی ہے کہ عموماً مکروہ و مبغض چیزوں کی نسبت رب العباد کی جانب نہیں کی جاتی، بلکہ اس حالت کے کہ تعجب انہی کا بیان ہو چنانچہ واذا امرضمت فمرویشغین میں مرض کی نسبت اپنی طرف کی گئی یہ نہیں کہہ سکتے، واذا امرضمتی بلکہ شغافین کے نسبت حق تعالیٰ کی جانب کی گئی فمرویشغین اسی طرح یہ انعام دینے کا لائق کی طرف متوجہ کیا الذین انعمت علیہم اور غضبت ضلالت کو ان لوگوں کی طرف جبروت نے گمراہی اور بدکاری کو اپنی طبیعت ثانیہ یا ثانیہ اساس لئے غضب الہی کے مستحق ہوتے اور بھٹکتے رہے اور

مارے پڑے سے ہرچہ بہت اقامت ناسا نہ بیاندہام است

ورنہ تشریف تو بردارے کس کو تہ نیستند

۷۔ منضرب علیہم اور ضالین میں یہ خود نفاذ ہی داخل نہیں بلکہ وہ تمام لوگ بھی جو شریعت اسلامیہ کا بائیکاٹ کرتے ہیں، اپنی ایمانات و اعتراضات سے سنت نبوی کی عدم تردید کا باعث ہوتے ہیں۔ کیونکہ فرمایا جی صادق مصدوق علیہ السلام نے کہ بدعت ضلالتہ دیر بدعت ضلالتہ و گویا ہے یا بارگاہی توین و یجیکم آپ کی ممانعت میں نہیں بلکہ آپ کی ممانعت پر ہیں آپ کے قرآن کا پناہ تو انہ

انہی ایمانات و اعتراضات سے سنت نبوی کی عدم تردید کا باعث ہوتے ہیں۔ کیونکہ فرمایا جی صادق مصدوق علیہ السلام نے کہ بدعت ضلالتہ دیر بدعت ضلالتہ و گویا ہے یا بارگاہی توین و یجیکم آپ کی ممانعت میں نہیں بلکہ آپ کی ممانعت پر ہیں آپ کے قرآن کا پناہ تو انہ

پروفیسر السرا احمد سہاوری

الفقان

ان کی یہ نفلت ہے کہ وہ تکرار سے گھرا جاتا ہے۔ ایک دفعہ کے بعد کسی چیز کا دوبارہ ذکر کیا جائے تو وہ لطف نہیں رہتا۔ اگر یہ بارہ ذکر کیا جائے تو طبیعت اکتا جاتی ہے، بقول مولوی محمد حسین آزاد کے "حیر ہوا پر ہی گلے کا بار ہو جائے تو اجیرن ہو جاتی ہے" لیکن محبت کا معاملہ اس سے جدا گانہ ہے۔ محبوب کے ذکر کی تکرار میں جو لطف ہے کسی دوسری چیز میں نہیں۔ اس کے ذکر کھٹے تو طبیعت بہانہ جوئی کرتی رہتی ہے کہ کوئی تقریب ہاتھ آئے تو اس کا ذکر کیا جائے، پھر محبوب، محبوب میں بھی فرق ہوتا ہے۔ بعض محبتیں بھی اکتا دینے والی ہوتی ہیں۔ غالب نے تو ہر قسم کی محبت اور اس کی وفا داری کو عین ایمان کہہ دیا۔ لیکن مجھے مرحوم سے اس معاملے میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ وفا داری کا معیار بھی محبوب کے معیار سے ہی متعین ہونا چاہئے ورنہ محبت کرنے والا بہت خسارے میں رہے گا۔ اگر محبوب گھٹیا معیار کا ہے یا خود وفا دار نہیں تو میں ایک طے شدہ وفا داری اور استواری کا حق نہیں ہوں۔ چنانچہ غالب کو بھی ایک جگہ یہ کہنا پڑا "غالباً دنیاوی مجبوروں کی نفاستواری کو دیکھ کر اپنے خیال سے ہرج کیا ہوگا۔ فرماتے ہیں ۔"

چاکر مت کہ حبیب ہے ایام گل کچھ اُدھر سے کا بھی اشارہ چاہئے
میں بھی یہی عرض کر رہا تھا کہ بغیر اُدھر کے اشارے کے چاکر گیان کہ لطف نہیں دیتا لیکن ایک محبوب ایسا بھی ہے کہ جس کے ذکر کی تکرار میں کبھی بے لطفی پیدا نہیں ہوتی، جس کے حضور میں معیار کی انتہائی بلندیاں بھی پست ہو کر رہ جاتی ہیں جس کے کھٹے وفا داری بشرط استواری و دائمی عین ایمان ہو جاتی ہے جس کی محبت کے سہارے کے بغیر زندگی کی حقیقت ایک تہمت سے زیادہ نہیں رہتی اللہ اس تہمت کو برداشت کرنا دائمی بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ دیکھنے والی مرحوم کا شعور اس وقت لطف دے گیا، فرماتے ہیں ۔

بچنے جانے کی تہمت کس سے اٹھتی کس طرح اٹھتی ترسے غم نے بچالی زندگی کی آبد ہر سوں
دائمی اگر اس غم کا سہارا نہ ہو تو زندگی کی آبد کا گریبان بہت سے دیوانوں کے ہاتھوں تار تار ہو کر رہ جائے۔ اس کی محبت کا غم قدم قدم پر سہارا دیتا ہے اور ان زندگی کی تہمت کو برداشت کرنا چھوڑا جاتا ہے اور لطف یہ ہے محبوب ترین محبوب ہونے کے باوجود مجھے نیاز کی نگاہ بھی ممکن ہیں۔ کبھی محبت کا جواب سرودہری سے نہیں دیتا، محبت کی نگاہ کا جواب محبت سے ہی ملتا ہے۔ اصرار مرحوم خوب فرماتے ہیں ۔

ہر تن ہستی خراب سیدہ مری جاگے اٹھی ہر تن موسے مرے آس نے پکارا مجھ کو
جس مجرب نے مجھ کے ہر تن موسے اگر پکارا ہو اس کے لئے ان کی کچھ قربان نہیں کر سکتا۔ زندگی کا اندازہ تو اس مقام پر بڑا کم قدمہ و مقرب نظر آنے لگتا ہے یہ راز کے دلی فداؤں کے لئے جو لائق پذیرائی نہیں۔ دیکھئے ایک غیر معروف شاعر کا ایک شعر یاد آگیا۔ کسی شاعر نے میں نے اس کا لائق پیام یاد فرماؤ آسے خستیں دیدو اجل کو جب مڑ سستی اتار کے

شاعر غیر معروف ہے لیکن شعر کی بلا کا ہے۔ محبوب کی فدا افزائی اللہ اپنی سپردگی کی انتہا کر دے کہ پیام لانے والا موت کا فرشتہ ہے پیام موت کا

م ہے لیکن جس کا پیغام ہے وہ اس قدر مستقیم اور محرب ہے کہ پیامبر کو اپنی جان کا خطرہ نہ گذرتا ہے کیونکہ یہ فقرہ محرب کے شان و نشان نہیں تھا اس واقعہ کو اس کے پیامبر کے تلامذہ پر ہمارا کیا جاتا ہے آپ انکار کریں کہ ایسے محرب کے ذکر کی تکرار میں بے لطفی یا کٹ پھٹ کسی طرح پیدا ہو سکتی ہے اس کا جواب بھی ذکر نیما ہی معلوم ہو گا اور فائدہ مند کہ اس لطف دے گا۔ حاکمی نے غضب کی بات کی ہے

نیما ہے لیکن محب نام افسوس کا بڑی وسعت ہے میری داستان میں

داستان کی وسعت کا اندازہ آپ اس بات سے کریں کہ اس کا ذکر ساری زندگی کا محرب ترین مشغلہ ہے ۱۰۰ دن یا پانچ وقت نمازوں میں پابندی سے ذکر کرتے ہیں ذرا نہیں لگتا ہے۔ اس کے علاوہ ہزار قسم کے بہانے تراشتے ہیں اور اس کے ذکر کی تقریب نکال لیتے ہیں اور آج بھی ہمارے مشرق، جنوب، ایک تربہ ہمایا کر رہی ہے کہ اس کے کلام کا ذکر کر کے اس کو یاد کریں اس کے کلام کا نام قرآن بھی ہے اور فرقان بھی۔ میں اس صحبت میں صرف فرقان کے لئے دعا کرتا ہوں کہ یہ ضرور حیات کا ذکر کر لیں گے۔

توحید و شرک :- فرقان کہ معنی میں کسوٹی جو کھرے اور کھوٹے میں تفریق کرے قرآن نے چونکہ حق و باطل میں امتیاز پیدا کیا، ان دونوں کی ہیئت کا فرق بے حد روشن کی طرح واضح کر دیا۔ اس لئے اس کو افغانستان کے خطاب سے نوازا گیا۔ باطل کے بہت سے عقائد ان کی ذہن میں استہمو ہوئے تھے، جن کو قرآن نے اگر ختم کیا۔ لیکن یہاں میں صرف دو ایک کا ہی ذکر کروں گا۔ سب سے بڑا باطل جس نے اسلام سے قبل اس دنیا کے باشندوں کے دل و جان پر قبضہ کر لیا۔ وہ شرک ہے، عیسائیوں نے ٹیلیک کا عقیدہ اختیار کر لیا تھا اور حضرت عیسیٰ مرسل اور حضرت مریم کو بھی خدا کا شرک ٹھہرایا۔ یہودیوں نے دعویٰ کیا کہ حضرت عزرا پر خدا کے بیٹے تھے، ہندو مذہب میں بت پرستی اور حضرت پرستی عین ایمان تھی۔ چین اور بدھ مت نے اول تر خدا کا کوئی واضح تصور ہی نہیں دیا لیکن بعد میں انہوں نے بھی باق عہد بت پرستی شروع کر دی، غرضیکہ دنیا میں کہیں خاص توحید پرستی باقی نہ رہی تھی، حالانکہ حق صرف توحید کے رستہ پر چلنا چاہیے بلکہ توحید پرستی تو انسانیت ہی نے انسان کے ضمیر میں گندھ دی ہے، انسان نے اپنی خاصات اعمال سے شرک کر کے ذہن میں پیدا کیا ہے اس کا رستہ ہے کہ دنیا کی تسمیہ ترین آداب و ادب کی تاریخ بتاتی ہے کہ تاریخ کے ابتدائی دور میں انسان توحید پرست ہی تھا، دینا کے بنی کی ادویوں کی آیت ہزار سال قبل مسیح کی تہذیب کے آثار تحقیق نے تلاش کر لیں ہیں ان میں کچھ نوشتہ ہی نہیں ان کو شجرہ میں معبود اعظم آدمی ہادی ہادشہ اور آخرت کے پاک بھیہ اعجاز ہے جس پر اس بات کی بین دلیں ہیں کہ خدا کے ماحول اور مطلق کا تصور انسانی زندگی کے اس ابتدائی دور میں موجود تھا۔ اس کے علاوہ مرنجی مارو کے آثار تدبیر، کھدائی نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہاں بھی توحید الہی کا تصور موجود تھا وہ اپنے خاتمہ ماحول کو "آدم" کہہ کر پکارتے تھے، ان تمام اگلیں کائنات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان کا تہذیب ہم زمین خدائی تصور توحید ہی تھا اس میں شرک کا شبہ بھی نہ تھا۔ اس وقت اس کی فطرت اپنی اصلی حالت میں تھی۔ دنیاوی آداب و ادب کے پاک صاف اس لئے اس کی آنکھ اپنے اصلی مرکز یا سرچشمہ کی طرف ہی مگی ہوئی تھی، لیکن بعد میں آہستہ آہستہ شیطان و دوسروں کو ابھرنے کا موقع ملا اور تہذیب باطل غالب ہونا چاہا گیا۔ انسان نے باطل کے اس پوسے کو تدارک دیا اور حق کی جڑ نمایاں اور سرور ہوئے کار آگئیں اور خدا کی توحید اور حق ہی آپ صاف سے چمکنے لگا۔ بلکہ یہی نہیں توحید کے تصور میں بھی ایک اضافہ ہوا ہے کہ اس کے پہلے خدا کے تصور میں تمثال اور عظیم کا عنصر تھا تھا قرآن نے انتہائی نثر ہی تصور پیش کیا۔ مثلاً قرآن کریم نے فرمایا۔ "لینس کشفہ شی" یعنی اس میں کائنات میں کوئی چیز نہیں ہے۔ ایک اور جرمیں دنیا۔ لاندہا کہ الا بصائر۔ نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں وغیرہ وغیرہ۔ بابا فاضل نے اس کیفیت کو شاعرانہ انداز میں خوب بیان کیا ہے

مشکل حکایت ہے امت کہ ہر ذہن عین دوست لیکن نئی توانی کہ اشارت بہ او کند

لیکن قرآن کریم نے اس بات کا خیال ضرور رکھا ہے کہ انسانی ذہن کی گزرت اور معنائی محدود ہے اس لئے تنزیہ کو اس حد تک بے جا یا جائے کہ نفی حق کی صورت پیدا ہو جائے۔ اسی وجہ سے اس نے خدا کی وہ صفات جو انسانی تصور میں آسکتی ہیں انسان ان میں خود بھی جاتی ہیں بیان کی نہیں مثلاً وہ بندہ ہے، عظیم کریم ہے، عظیم و بھیر ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی صاف کہہ دیا کہ وہ عظیم المثل ہے۔ "لینس کشفہ شی" تاکہ انسان یہ بھی سمجھ

ہے کہ اس کے جسم و کرم و سماعت اور بصارت اور خدا کے حکم و کرم و سماعت و بصارت میں کوئی نسبت نہیں ہے اور اگرچہ بھی تو نہ سوچئے واپس ہے
 الفسوفان نے صرف حق باطل کو علیحدہ کیے ہی نہیں دکھایا بلکہ ایک قانون خداوندی یہ بھی بتا دیا کہ حق باطل
 کا قانون بقائے اصل ہے۔ نیز یہ اصل باطل باطل شر اور خدا کی سنت یہ ہے کہ اس دنیا میں بقائے نفع کا قانون نافذ ہے یعنی یہاں

صرف منیہ چیز باقی رہے گی، ورنہ مضر چیز کو آہستہ آہستہ ختم کر دیا جائے گا۔ سچا باطل و ذرا باطل ان اہل باطل کا نہ رہوگا، یعنی یہاں حق آیا
 باطل معدوم ہو گیا۔ ایک اور جگہ فرمایا: فاما الذين ظنوا انهم امنوا بما رزقوا من عندنا فليس لهم اجر لانهم كفروا به. یعنی جو لوگ سمجھے کہ ہم نے ان کو کھانا
 پیرا ہوا ہے وہ ضائع کر دیا جائے گا اور جس چیز میں ان کے لئے نفع ہے وہ زمین میں باقی رہ جاتی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ وہ باطل کو فنا ختم نہیں
 کر سکتا ہے ورنہ یہ بھی ہلکتا رہتا ہے تاکہ اتمام حجت ہو جائے اور ہلکتا نہ لٹنے کی بھی حسرت نہ رہے اور دراصل اس کی رحمت کا تقاضا بھی یہی تھا۔
 کہ لوہہ دانا ب کا دانا نہ آخرت تک کھا رکھا جائے اس لئے اس کا نام غفران درجیم ہے۔ ورنہ باطل انفس و دھار حتمہ کا، یعنی اسے خیر نہیں تھا۔ وہ
 بڑا صواب رحمت اور بخشش والا ہے ایک اور جگہ فرمایا کہ من خدا سے یوں نہیں رہتا، صلیت فریض میں آیا ہے۔ انساب میں الذنب کن لا تقبہ نہ، یعنی
 تو جس کی قبل ہو گئی، وہ گناہوں سے پاک ہو گیا۔ ان آیات اور عقیدہ بالا حدیث سے اس عقیدے کی تردید ہو جاتی ہے کہ ایک دفعہ گناہ گزند ہو جائے
 تو پھر بغیر سزا کے چارہ نہیں، اس عقیدے کی بنا پر ایک تیروں میں کفار کے کا عقیدہ پیدا ہوا جس نے انہوں کے گناہوں کی معافی کے لئے کفارے کے
 طریقہ حضرت عیسیٰ کو سولی پر چڑھانے جانے کا قصد اور جان دے کر اپنی امت بخترا نے کی کئی بیان کی۔

نیز قرآن کے وقت کفار کے سیکے زیادہ حیات بعد الموت کے عقیدے پر بھڑک اٹھتے رہ گئے تھے کہ نہ ان میں مصدق
 حیات بعد الموت، نہ کوئی سچی دلیل مل جائے کہ بعد بھلا دیا یہ زندگی کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرقان کے ذریعے ان
 کے باطل عقائد کی تردید کی اور فرمایا تحقیق اول، تحقیق ثانی سے زیادہ مشکل نہیں۔ پھر فرمایا کہ اگر تمہاری بات بھی ان کی جیسے کہ لفظ مانا اور جتنا ہے
 تو نہ بھی ہی ہوں۔ مجھ سے بڑے کرم کسی طرح نہیں نکل سکتے، مولانا آزاد ترجمان القرآن میں اس باب میں فرماتے ہیں کہ ان کو، رضی کی بہترین حقوق ہے۔
 جس فرقان کی جسمانی اور معنوی نشرو نما کے لئے خاطر کائنات نے اس قدر ہتھام کیے ہیں کہ ممکن ہے کہ محض دنیا کی چند سرفرازیوں کے لئے ہی ہت
 کی ہو اور اس کی زندگی کا کوئی پل نہ ترمقصد نہ ہو۔ افسوس کہ انہما خفتکھ حبشاً ذلکم اینا لا نخرسحون۔ یعنی کیا تم نہیں کرتے ہو کہ کہنے
 نہیں پونہی بلا مقصد پیدا کر دیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے۔ کائنات میں ہر جگہ اتفاقاً قانون کام کر رہا ہے ہر چیز درجہ ہدیہ آگے کی طرف
 بڑھ رہی ہے تو انسان اپنی جگہ ہاں دوسا کن کس طرح رہ سکتا ہے۔ یقیناً طبعاً وہ بھی ایک بہتر ملک کی زندگی کی طرف بڑھ رہا ہے ممکن ہے کہ ہر درجہ
 ارتقا کے پرمانہ نہ نہ کر سکے اور چھپے رہ جائے لیکن بحیثیت ایک لوح کے ان ضرورتاً آگے بڑھے گا۔ مولانا مومن نے بھی اپنی منتزعی میں اسی
 خیال کا اظہار کیا ہے کہ جس جہات، نباتات، حیوانات کے علاوہ سے گزرتے کر انسانی قابض میں نور اور ہما ہوں اب یہ قابض بدل کر اس سے بہتر قابض
 اختیار کر کے بالا ہوں۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ

یہ کائنات ابھی ناقص ہے شاید کہ آہی ہے و دایم مدللے کن فیکون

صفات جمال و جمال۔ اللہ تعالیٰ کی صفات جمال و جمال کے ہاں میں بھی بڑی کمالات ہیں جن کی تین بعض لوگوں نے جسد
 کے سپرد پاس قدرہ دیا کہ بجای رخ با نکل پس پردہ چلا گیا۔ بعض لوگوں نے جمالی پسندوں کو اس قدر اچھا کر دیا کہ جس کی کیفیات با نکل معدوم ہو کر رہ
 گئیں۔ یہ معاملہ افراط و تفریط کا تقابلیج ماستہ حاصل درمیان کائنات تقابلیج و دلیلی و غور کی نظروں سے اوجھن تھا۔ یہ دینا نے خدا کے جلال



آزموده دواؤں کا مرکب انساجین



سردرد - کمر کا درد - دانت کا درد
ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے

یقینی زود اثر اور بے ضرر علاج ہے

Spec: 10

10/11

شمس تبریز خاں آردی

حَدِيثٌ بِطُورِ تَفْسِيرِ قُرْآنٍ

مکین حدیث کے جواب میں اب آرد ویں کافی ذخیرہ جو چاہے، جن میں انتہائی صحابہ کی "فقہ انکار حدیث کا منظر" و پس منظر "تدوین حدیث" مرانائیکہ نامی اور ترجمان القرآن کے منصب رسالت فہر، اور مرقا مودودی کی دوسری کتاب میں اس موضوع پر نمائندہ کتابیں ہیں اس میں شہید میسر: موضوع نیا ہے مگر مفسرین خصوصاً ابن قیم و ابن کثیر، سیوطی و صاحب دہشتدہ نے اس کا التزام کیا ہے کہ تفسیر حدیث سے کریں۔ یہ کام کچھ زیادہ مشکل نہیں شاید کوئی حدیث ایسی نہیں جو کسی نہ کسی آیت کے ذیل میں آگراس کی تشریح و تفسیر، توضیح و تفسیر کا کام نہ کرے۔ قرآن و حدیث کے اس ربط و تضابط اور گہرے تعلق کی مثال دنیا کی کسی دکانوں میں نہیں۔ قرآن و حدیث کا باہمی رشتہ جان دن اور پول دامن کا رشتہ ہے ﴿

ایں دو شمع اندک کہ ایک دگر افروختہ اند :

مرقاہ آرد نے تذکرہ کی کئی نصدوں میں قرآن و حدیث کے باہمی ربط پر روشنی ڈالی ہے چندہ طریق ملاحظہ ہوں :-
 "و ما حصل قرآن اور حیاة نبوة معاً ایک ہی میں قرآن متن ہے اور حدیث اس کی شرح، قرآن علم ہے اور حدیث اس کا عمل ؛ قرآن قراطیس باہن الدنیا اور فی صدد الذین اولوا العلم میں ہے اور یہ ایک مجسم و مثل قرآن تھا جو یثرب کی سبزیں پہ چلتا پھرتا نظر آتا تھا کما قالت الصدیقہ : و کان خلقہ القرآن ۔

فادد جانے آردہ و دیک بدن ، من کیم ؟ ایلی ، و لیلی کیت ؟ من

بعض عرفا و اصحاب اشاعت نے کہا ہے بسم اللہ سے ماناس تک جو کچھ ہے گروہات موسیٰ و کیم کی جو لیکن ان سب مقصد ایک ہی ہے اور گونا گوارہ :
 کہ چون گم شدہ سن اسی طرف ہے کا چشم سوئے فلک دہن سن سوئے نور

دکانیہ : بفتح من التصحیح : خوش و کشت تھہ خجالت روزگار تو یوسفی و تھہ تو احن القصص

حق یہ ہے کہ قرآن اور صاحب سنت کی باہمی رگت و اتحاد کے باب میں جو کچھ بھی اندیس قد کہا جائے اس سے بہت کم ہے جس قدر کہنا چاہئے
 حتی کہ اگر تاریخ تشریفات کے تمام وسائل محدود ہو جائیں اور حدیث و حکایت کے تمام صحائف سے قطع نظر کر لیا جائے تب بھی صاحب تشریفات کے وجود : حدیث کی تاریخی حقیقت ، اسی طرح روشن رہیں باقی رہے گی جس طرح تاریخ کے دفاتر میں ہے انداز دینا چاہے تو اس کی پوری سوانح عمری اور تاریخ : یہاں صرف ایک کتاب اللہ کی روح تھرتھارت اور کتاب قیم ہی سے بلا ایک لفظ کی فروگزاشت کے مرتب کر کے " (ص ۱۸۲)

خود قرآن نے حکمت : "ذکرہ علم" : تذکرہ اللہ شہادہ : جیسے الفاظ میں حدیث کا تعارف کر لیا ہے میرت ہے کہ بعض لوگ قرآن کو مانتے ہیں اور حدیث کو انکار کرتے ہیں بدعتوں بعض اکتب دیکھن دن بعض اسم و سنی، صورت و سنی، چاند و چاندی، آفتاب اور اس کی روشنی کے تعلق کا انکار خیر و پیشی اور کشتی

نہیں تو ادا کیا ہے۔ قرآن و حدیث دونوں میں بولشہدہ ہے آفتاب ایک مختلف حکم میں اگر دونوں کا سرچشمہ ایک ہے
بحریت متحدہ کہ با شلال مختلف
مشفق و نیک و دہنگوی صفت است
کیاں وصفات کا ہر فرد مضر کا مدہ

یہ سب مضمون کی روشنی میں ہے، وہ حدیثیں جن میں حضورؐ کے کسی آیت قرآنی سے استدلال فرمایا ہے اور اس نے صرف انہی حدیثوں کو ہی ہے ۱۲۰ حدیثیں جو بغیر
مداحت نبوی کے قرآن کی تفسیر بن گئی ہیں اور جن کے الفاظ میں جملے ملتے ہیں اس قسم میں بھی خاصی کمی و کثرت ہے۔ امام بخاریؒ کا کمال نفع تھا کہ اپنے تراجم
میں ۱۰۰۰ حدیثوں کو کسی نہ کسی آیت قرآنی کے ذیل میں لائے ہیں، جس سے دل و عقل و فہم کے انداز میں اور حدیث و کلام کے اسباب میں ان کا حدیث کا
رد و چڑھتا ہے کام و حاصل مراد سید سبحان نقی کا چھوٹا ہمارا ہے جس کی تکمیل کی سعادت مجھے نصیب ہوئی جن کا ذکر معارف کے سلسلے میں ہے۔ مولانا ابوبکر
ع کی ہے کہ انہوں نے دو کئی اقوال پر ۱۰۰ حدیثیں بھی کی تھیں مگر وہ ہندو غیر مضر ہیں۔ میں نے اللہ کا نام نہ کرکے صرف بخاری سے اسامہ و جہاد کی اہل نظر نہ لانا
کر سکتے ہیں کہ دوسرے جامع حدیث میں کئی ذخیرہ ہوگا۔

۵ ہندو بادۃ ناخودہ درگ تافست

حضرت عائشہؓ کی حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ جبریلؑ نے فاروقؓ میں پڑھایا۔ "اقرأ باسم ربك الذي خلق الانسان من علق اقرأ و ربك الاكرم"
حقیقت جابر بن عبد اللہؓ کی روایت میں ہے کہ حضورؐ جبریلؑ کو دعائیں دیکھ کر کہہ سکتے تھے اور گھبرا کر چلا دے اللہ جل آیت اتری "یا اے اللہ شریعتہ نانا و درویش
نکب و شریعتہ بک لطفہ و بالرحمۃ فاجبر۔" ان عباس کہتے ہیں کہ حضورؐ نے حضرت عوفؓ سے دو کچھ حدیثیں جلدی یا دفرائے لکھ گئے تھے تو آیت اتری و تحریف
ہے لہذا نہ لکھیں یہ ۱۰۰ ہی ابو سفیانؓ سے نامی میں کہ حضورؐ نے برقر یہ خط مبارک لکھا تھا۔ من محمد عبد اللہ و رسولہ اہی ہر نفس
عظیم اس م سلام علی من اتبع الهدی ما بعد فانی اور علیؓ یہ غایۃ الاسلام اسلامہ تسلیم فیہ اللہ اچلہ مرین فان
قولیت فان علیؓ اشہ الابرار۔ یہی و یا علیؓ الکتاب لغز الی کلمۃ سواد بینا ابینکہ ان لا فید الذلک ولا نشر البیہ شیا
ولا تخذ بعضنا بعضا ربنا یا من دون اللہ فان کرہا فکروا و اشد ما ہا تا مسلمون

حدیث اس میں جبریلؑ نے پیامت کے بارے میں پوچھا کہ آپؐ نے فرمایا۔ "اس کا علم پانچ باتوں میں سے ہے، چہ نہیں اللہ ہی جانتا ہے پھر حالات
فرمائی۔ "ان اللہ صمد کا علم اب علقہ"

یہ حدیث کے باب یا مدعا ہے۔ "قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم العین النمیمۃ .." در رسولہ و العلم ان کتب کی حدیث ہے کہ حضورؐ نے
حضور موسیٰؑ کا دل دیکھا کہ فرمایا۔ "ارایت اذا ویسا الی الصخرۃ .." قصص

پھر آپؐ نے فرمایا۔ "اس کے بعد انہوں نے حضورؐ کو دیکھا جن کا مائدہ قرآن نے بیان کیا ہے یہ حدیث باب انظر مع موسیٰ اور ابن جندبہؓ کے حوالہ سے بھی نقل ہوئی
ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ یہ دو روئے کے درج کے تعلق برمال پر صحنہ خاموش رہے اندھیرے وہی تھوڑی سی دینے لگا کہ "وینزلونک فی الارجح من امر ربی نما اوتیم
من العدمہ لا ذلیلہ" حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا۔ "انہا کبر حضرت خبیلاؓ انزلنا بساۃ قوم فاصباح المسلمین"

اور تین بار دہرایا۔

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے ان القرآن یکلمک والسنة تقرک واعادہ المومنین ۲۹۸ م صاحبین کہتے ہیں ولا السنة ما فهم احدنا القرآن والمیزان الشعل فی
ص ۱۰۵ م صاحبین منہ فرماتے ہیں ان السنة تفسیر کتاب وتلیہ والمرافقات لثبوتہ من ۱۰۰ م امام شافعیؒ کا قول ہے بیح ما قرئہ الا تمہ شرح للسنة
و بیح السنة شرح القرآن و کول۔ "القرآن اوضح علی السنة الی القرآن" (جامع بیان العلم)

الہمیرہ کی حدیث میں فرمایا کہ سات کعبہ میں میری نماز خواب کرنا چاہتا تھا میں نے اسے سمجھ کے تون سے باندھنا چاہا کہ تم بھی دیکھ لیتے مگر اپنے بھائی سلمان کا قول یاد آگیا۔ "وہ جب لیٹا نہ بیٹھتا تو جہنم میں جہنمی پھر اسے چھوڑ دیا۔" تمہارے بھائی نے کہا کہ میں کہ قبل طلوع و غروب نمازوں کی نایک کے بعد آپ نے پڑھا۔ "فیسر بعد ویک قبل طلوع الشمس و قبل الغروب۔" التی فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو نماز قبول جائے وہ تضا پڑھ لے جب اسے یاد آئے۔ اقم الصلاة لذكرى

حضرت ایک انصاف علی بن ابی حمزہ کے ہاں آئے حضرت فاطمہ بھی تھیں پھر اسی نماز نہیں پڑھی حضرت علیؑ نے کہا جب اللہ چاہے گا تو میں بھی حق سنیہ کی تشریف لے سکتے۔ "وكان الاذان اكثر شي جدلا"

جہاں کی تشریف میں حضور نے حدیث علیؑ میں فرمایا کہ یہی سب سے بڑی برکت ہے۔ "فاما من اعطى راتقاً و
برائاً کی حدیث ہے کہ حضور نے فرمایا: "میں قرآن مجید و رسالت کی گواہی دے گا اس طرف آیت میں انشاء ہے۔" يثبت القرآن الذين
امنوا بالقرآن الثابت في الجزيرة الدنيا وفي الاخرى

ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے کہ زکریاؑ نے اپنے والد قاسمؑ میں اٹھنا لا طوق پچھنے کا وہ انا مالک انا کثرہ کہہ کر گئے دے گا۔
پھر تلاوت کی۔ "ولا تحسبن الذين يخرجون..... بما اتمم الله من فضله حوزہ علم پبل حوزہ علم سبطہ قون ما بخلافہ بلہ یور
القیسمہ"

حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے کہ میں یہ سب سے اس کے دین دنیا کا زیادہ عقلمان ہوں۔ النبی اولیٰ المؤمنین من انفسهم۔ مزنیہ
کا ویک اس کا خاندان ہوگا اہل قرآن میرے ذمہ ہوگا۔

ابن عمرؓ کی حدیث ہے کہ تا دم سکن سے اللہ کہے گا میں نے تمہارے گناہ دنیا میں چھپائے اسباب یہاں بیان کرتا ہوں کہ فروری اور مائون
کا مہم ہوگا۔ فیقول الا شہاء و هو لا الذین کن ذرا علی درہم الا لعنة الله علی الظالمین

انشاء بن قیس کی حدیث ہے کہ حضور نے بھری قسم والے کھٹے یہ آیت پڑھی۔ "ان الذین یشترکون بعهد الله واپمانہم
ثمناً..... و نسیم مذاہب المیسیم۔" حضرت ابی ذکریاؓ کہتے ہیں حضور نے یہ آیت پڑھی۔ "قال الم اقل انک من تسلیم حق ہوگا"
حضرت ابی ذکریاؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے سورہ کے طوع و غروب کا حال بتا کر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ "والشمس تجری لمستقر لها فאלک تقدیر
الغیر والعلہ"

حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ حضور نے قیامت کا ذکر کر کے یہ پڑھا۔ "وتضع کل فان حمل حملها وترى الناس سكاراً وما
هم لساکر وکن مذاہب اللہ شدیداً"

حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے کہ حضور نے فرمایا میں قیامت میں اپنے اصحاب کے لئے کہوں گا جب مبعوض (عیسیٰ) کہیں گے "وکنک
عیسہم شہیداً اما دعت فیہم فلما رقی کنت انت عظیمہم"

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ معاذؓ نے یہ آیت امیر المؤمنین علیؑ سے پڑھوایا۔ "من کہ حضورؐ نے کہا یا رسول اللہ!
ہم سے کرنا تم سے کہا ہوگا پھر ہمارا کیا حضور ہوگا؟ آپ نے انہیں تسلی دی اسیہ آیت پڑھی۔ "یا بنی لا تشک بالذین انزلک
لظلم عظیمہ"

حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے کہ حضور نے فرمایا کہ تم قیامت میں ننگ و درنگ اور غیر مختار اٹھائے جاؤ گے پھر یہ آیت پڑھی کہ
ہذا نا اول خلق فیہدک و هذا انا کناہ عین۔

ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد صاحب (حضرت عمرؓ) سے کہا کہ "آئیے ہم اب میرے ذہن میں لکھا تھا" انہوں نے کہا پھر بتایا کیون نہیں؟ میں نے کہا یہ سچو ادب تھا دیتا ہے (تو قیام کا حکم مل گیا) میں نے خیال کیا کہ وہ مجھ سے کہہ جائیں کہ وہ کچھ غرضات میں لکھنا چاہتے ہیں لیکن وہ کچھ نہیں، پھر حضرت نے خود ہی بتایا کہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ میں نے اپنے والد صاحب (حضرت عمرؓ) سے کہا کہ "آئیے ہم اب میرے ذہن میں لکھا تھا" انہوں نے کہا پھر بتایا کیون نہیں؟ میں نے کہا یہ سچو ادب تھا حضرت عمرؓ نے کہا اگر تم نے بتا دیا ہے تو مجھ سے کھانا سوت ہوتا!

ان مائت کی رعایت ہے کہ حضرت فرمایا کہ مسلمان قبر میں جہاں ان کے شہادت پڑھے گا اسی ہی ہے جس کا ذکر اللہ نے کیا ہے مثبت اللہ الذین امنوا بالقول فی الحیۃ الدنیا و فی الآخرة ۔

البرہید بن الحنفی کہتے ہیں کہ حالت نماز میں حضورؐ نے مجھ کو بلایا، گریں نہ لائی، نہ کہے کا فرق، نہ ان حضرات کے متعلق، نہ خدا کی نماز پڑھنا، نہ آپؐ فرمایا کیا اللہ نے نہیں کہا ہے: ”یا حبیبہ! الذین امنوا استجیبوا للہم ولعلہم ینزلوا“؟

ابن مسعود فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو کبیر میں ۳۶۰ رکعت دیکھی، دست مبارک میں ایک گڑی تھی جس سے ان کو گناہوں سے بچنے کا ہاتھ ملتا تھا۔

پھر کیا افسوس! فلا فقیہ ہمہ عجم الفیترۃ فذلنا

انہی کی رعایت ہے جس نے کفر یا ایمان پر پیدا ہوتا ہے مگر اس کے اسباب اچھے برے ہی ہیں ان میں جو بھی بناوٹ ہے اس میں پھر یہ آیت پڑھیں لفظ اللہ کا لفظ

آپ ہی کی حدیث میں ہے حضرت نے فرمایا کہ اللہ کہتا ہے میں نے صالحین کے لئے وہ دنیا رکھا ہے جسے کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی بشر کے دلی میں خیال کیا۔ پھر بتا دیتا کہ فلا تعلم نفس ما ألقى لهم من قرة العین جہان بھلا کا فواید ہیں۔

آپ کی دوسری روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رسول بہت عبادت گزار اللہ کے اس قول سے پتہ چلتا ہے یا ایہا الذین امنوا صلیوا لکم فرائضکم لعلکم ترحمون۔

ابن مسعود روایت کرتے ہیں کہ ایک بھڑی مالٹہ آپ سے کہا کہ تم میں سے کیا تم پر آسمان، زمین، درخت، سمندر اور تمام مخلوقات کے رکھ کر کہے گا۔ "اللہ اعلم" اس پر آپ نے فرمایا کہ "خیر میں تعلقت نہیں"۔ دعا قدس واللہ اعلم بقدر

ابن مسعود کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کو گھبراہٹ کا غرل پڑا یا کہ زمین سے اس تک دھڑل دھڑل ہو گیا تھا۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی فاعلم انقلب
 یومئذی السما والارض فان مبین لئن فی الناس هذا الذاب الیم تا فاعلم انقلب

باب ۱۲۴ فریاد ہے حضور کے فرمایا اللہ نے جب غزوات پیدا کیں تو رحمہ نے ان کی مگر قسم لی اللہ نے کہا تم اس پر داعی نہیں کہو تجھے جوڑے اسے میں
جھٹلا دو جو تجھے جوڑے اسے میں میرے توڑوں و رحمہ نے کہا میں اس پر داعی نہیں ہوں۔ شخص نے فرمایا تم پڑھ سکتے ہو غول عیثم ان تو یتیم ان قصدوا
فی الارض و تقطعوا ارسلکم۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کہ تمہیں کہ جہنم کتنی رہے گی اہل من مہرید، آخر کار اللہ تعالیٰ ہڈوں کو رکھ دیگا تو کہے کہ بس کافی ہو چکا۔

۱۷۰۰

۱۔ من دونہما جنتی ۲۔ ابن قتیب کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا دو جنتیں انسان کے سامان چاندی اور دھات کے سونے کے ہونگی،
 ۳۔ دھن محمد ود ۴۔ ابراہیمؑ کہتے ہیں آپؐ نے فرمایا جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ سارا سال میں بھی اس سے نہ ٹپکے پائے گا پھر وہ آیت پڑھی۔
 ام علیہ کہتی ہیں کہ حضورؐ نے یہ شہ کہم سے بیعت لی۔ ان لایسکن باللہ ۵۔ فوہ سے منیج کیا تو ایک عورت نے کہا کہ میں ایک عورت کا بدلہ دینا چاہتی
 ہوں تو حضورؐ خاموش رہے پھر وہ گئی اور پھر واپس آکر حضورؐ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

ابن عمرؓ فرماتے ہیں حضورؐ نے فرمایا: لوہہ پتھر انسان لوہہ العالمین کا عالم یہ ہوگا کہ لوہہ کا ٹکڑا ایک پھنے میں ڈوبے ہوں گے۔
 عبداللہ بن زبیرؓ کہتے ہیں میں نے حضورؐ کا وہ خطبہ سنا تھا جس میں آپؐ نے ناقہ نمود کا ذکر کیا تھا آپؐ نے ازبعتہ اشتقاہا کی تشبیہ
 میں کیا کہ وہ اپنی قوم کا سردار تھا مجھے اللہ سے جو چیز کا چاہا ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کی تدفین میں ایک جنازے میں شریک تھے آپؐ نے فرمایا ہر آدمی کا مقام جنت یا دوزخ میں لکھا ہوا ہے عبادہ
 نے عرض کیا یا رسول اللہؐ پھر کیا ہم اس لقب پر پرکھ لیں؟ آپؐ نے فرمایا اصل کہ اس سے کہ ہر آدمی کے لئے آسانیاں ہیں پھر آپؐ نے عذرت فرمائی
 فاما من اعطی والحق وصدقی بالحق فنیسکاً للیسک ۶۔

ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہم نے ایک طرفہ میں حضورؐ کے شخص کی اجازت مانگی تو آپؐ نے دعا اللہ سے کی اجازت دی اور پھر آیت پڑھی یا ایہا الذین
 امنوا لا تفسدوا لیہات ۷۔ احل اللہ کلہم ولا تقصدوا ان اللہ لا یحب المفسدین ۸۔

ابوہریرہؓ فرماتے ہیں سرور عالمؐ نے فرمایا بدگئی سے بچو وہ سب بڑا جھوٹ ہے۔ ولا تحسبوا ولا تجسبوا ۹۔ ولا تحاسدوا
 ولا تنابضوا ولا تذابوا ۱۰۔ اور وہ کو فرمایا اللہ اعلمنا ۱۱۔

آپؐ کی رعایت میں ہے حضورؐ نے اٹھا دفرمایا۔ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو اور جب آپؐ ہوگا تو سب ایمان لائیں گے
 مگر لا ینفع لفسا ایمانہا لہم کن امت من قبل او کسبت فی ایمانہما خیرا ۱۲۔

حضرت ابراہیمؑ خدیجی کہتے ہیں سرکارِ عالمؐ نے فرمایا، نوح قیامت میں پوچھے جائیں گے کہ کیا آپؐ نے پیغام پہنچایا تھا وہ کہہ جائیں
 مگر ان کی است کہہ گی ما جادنا من ذنوبہ ۱۳۔ تو وہ گمراہی میں مجھے ادم کو لاسٹ تھی (کولائیں گے تو تم گمراہ ہی دو گے پھر آپؐ نے پڑھا۔ وکن اندک
 جعلناکم امۃ وسطا لعلکم تہتدوا ۱۴۔ علی الناس یکون الرسول علیکم شہیدا ۱۵۔

امام بخاریؒ نے ایک باب قائم کیا ہے۔ قول الغیر ۱۶۔ حسب النفاۃ مع السفۃ الکلام البصر ۱۷۔ (۱۱۲۰)
 ان احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن، سنت میں کس قسم سلطانی ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور قرآن کے کچھ انداز کے احکام
 کی تفسیل کے لئے ہم احادیث رسولؐ کے کس قدر محتاج ہیں!

جہاں امر صاحب نے شہ فیصل کو زہری حملہ کی دھمکی دے دی، تصور؟ یہ کون سی اسلامی ہولناکی ہے۔ اتحاد کا نعرہ کوئی بے گناہ نہیں! امر صاحب کو سب زیادہ چڑھ اسلامی اتحاد سے ہے۔ اسلامی اتحاد پر وہ سارا حجت کی پہنچت فرماتے ہیں!

شہ فیصل کی حکومت پر چڑھائی کے اصل ارض مقدس پر چڑھ جائے ہے، اس ارض مقدس پر جہاں گمراہ عبد اللہ بن مسعود نے شہزادہ عباسی! اللہ کوئی برس سے بڑا مسلمان بھی گمراہ اور بغیر پر حملہ کرنے کا تصور تک نہیں کر سکتا! گمراہ عبد اللہ سے محبت و عقیدت مسلمان کے دین و ایمان کا تقاضا ہے۔ مگر جس دل میں فرقہ واریت کی محبت گھر کر گئی ہو، وہاں عزم و شرفین کا احترام اور محبت و عقیدت کہاں باقی رہ سکتی ہے! خدا کی قسم شہزادہ فیصل کی ملکیت، آمر کی۔ جمہوریت سے خوار و ذلیلیت ملتی آ رہی! اس وعدہ کے سلی فوری کو کیسے کیسے حاکم و فرمانداروں کا بھڑکا ہے۔

کراچی و لاہور سے نہیں بظاہر سے خبر آتی ہے کہ "خیر خاندان ملکوں کے سربراہوں کی کانفرنسیں ہر ہی ہیں۔ یہ غیر جانبدار ملک کون ہیں؟ ان کے اسماء گرامی بھی کسٹن لیجئے۔ بھارت، بنگلہ دیش، پاکستان، ان کانفرنسوں میں کیا ہوا؟" حالی احمد پر غیر جانبداری کے نفاذ نگاہ سے غور و فکر!

یہ تینوں سربراہوں "مسند کشمیر پر غور و فکر کرنے کی رحمت فرماتے ہیں" یہ بھی تو حالی سند ہے کہ اس مسئلے سے الٹیپار کا امن وامان اللہ مشرقی ملک کی سلامتی وابستہ ہے!

مگر

مقررہ پروگرام کے سربراہوں نے پاک و ہند کے مابین جنگ کے دوران ہی جب "مسند کشمیر" کی کھدایت نہیں بھی تو اب کیا سمجھیں گے! یہ بازو مرے آواز سے بول رہے ہیں

اللہ

مع من جواب الجواب حلت بے اللہ اذاعت

شہ فیصل کی اتحاد اسلامی کی رحمت پر جہاں آمر صاحب کی وہ برہمی! کہ حکومت نند و بجاؤ کہ "مسند من" کی آواز بنا کر، جنگ تک کا اٹلی میٹم دے دیا، مگر کانفرنسوں میں اتحاد کے لئے اتنی سرگرمی اس قدر دھڑپ!

ایک شاعر کو لگا گیا کہ تم شراب کی زبان سے خدمت کرتے ہو، یہ حرام ہے، ام الفیاض ہے، غرض حوی میں "جام و مینا" ادا دہ و صہبا! کانکر کتہ ہو یہ تھا و کچل! ہاں عورت جواب دیا۔

یہ مشرقی نہیں ہوں شاعر ہوں

اصطلاحاً مشرب مینا ہوں

اس پر تاقی شرابین کے پھروں سے شرمندگی کی تراوش ہونے لگی۔

اسی وعدہ کے چند منتخب اشارہ جن سے ملاحظہ ملاحظہ ہوتا رہے۔

دامن پکڑ لیا ہے شب انتظار کا (دم بوش گویا نہ)

جس طرح ہمیں پائوں تہہ گیسو بھی نہیں (فرج ہادی)

یہ بھی نہ جاسکے گی۔ اگر وہ نہ آ سکے

اس ترے سر کی قسم فرقہ سر تو بھی نہیں

تڑپتے تڑپتے سکون پا گئے ہیں جہاں سے پہلے تھے وہیں آ گئے ہیں (نیسا راولی)
 دیکھ کر حال پریشاں اپنا ہم بھی ہنس لیتے ہیں دنیا کی طرح (لنا بلی ڈپری)
 آخری وقت آہ کرتا ہوں آج پہلا گناہ کرتا ہوں (نخشب چارپوی)
 جہت مذکورہ ہوا ہے ثابت جمال کا محسوس یہ ہمارا گلستاں میں آ گئے (نظر الخرموی)
 ہم تو بے نام پہ بیٹھے والے تجھ پر غم کے سوا کیا کرتے (در کی کیفی)
 شیر بھی جا دی ساقی پہ دو گھڑی کیلئے تمام عمر پڑی ہے رواروی کے لئے (رشاد کا قصص یا نہیں؟)
 وہ مخاطب بھی ہیں، قریب بھی ہیں اُن کو دیکھیں کہ اُن سے بات کریں (زرقا گوگیموری)
 بدلی جو چشم ساقی، سجاد چھوڑ آیا کس تشنگی میں، کیا میخاد چھوڑ آیا (نظر حبیب آبادی)
 کبھی سر بھی رکھ دیتے اُن کے قدم پر ابھی حرف نقش قدم دیکھتے ہیں (اردم کھنوی)
 ہندوستانی مصرے، جن کے شعور کے مصرعے باور نہیں رہے۔

س بڑے آئے مرا چاک گریاں دیکھنے والے
 س جیتے ہوئے دیکھا ہے محبت کو ہوس بھی
 س اُفتخ کی دھار پہ ہنسا بکٹ گیا ہوگا
 س خون دل صرف کیا ہے تو بشار آئی ہے
 س کہ میں بھی ہوں تری خوشبو کی طرح آمادہ

کامیاب مطلب

مثلاً

کی جیتنے کے خصوصیات

• تشنیں پر احساس ذہن والی کے ساتھ عزو نہ کر جو • تجویز نسخہ میں منی ہمارت اور برائیں سے بے حسدی کا جذبہ کار بند ہوا ہو • دو باتیں ایسی ہوں جو مہیج تیار کی گئی ہوں۔

یہ ہر سہ بنیا دی اس۔ اللہ ذوالجلال و بڑا فی مطلق میں کے اذی سے برائیں کی شفا یابی۔

مطلب کی کامیابی کا ذریعہ ہیں سہم پر سہم اہمیان سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ مطلب اشرف انہی خصوصیات کا حامل ہے اسباب تکہا کستان کے ہر وقت کے مریض اس مطلب سے شفا یاب ہو چکے ہیں اگر آپ کسی مریض کی ضرورت محسوس فرمائیں تو آپ مطلب اشرف کی بابت رجوع فرمائیں جسکی نگرانی بلو دراستہ کستان کے نامہ طبیب مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف خود فرمائیں سب بیلو کا حکم مریض منفع شد کہ کہ شہرہ منت میں کیں اور اساتذہ طب فرمائیں۔

(مطلب اشرف اشرف منزل در بیان بھی جناح کا اولیٰ کا طبع)

مولانا محمد سام الدین شریفی

تاثرات

(۱)

تاریخ کے کسی دور میں بھی دنیا کی کسی تحریک اور کسی غصہ میں فرزانہاں سے وہ کام نہیں ہو سکا جو دیرانگانِ عشق نے کر دکھایا۔ فرزانہاں نے مصلحت میں سرزدندیاں ہی کی جھکریں پڑے رہے اور دیرانے نفع نقصان سے بے نیاز ہو کر بے خوف و خطر میدانِ عمل میں کود پڑے اور اپنی اکی جھلک دنیا سے ہمت مراد کے سبب تاریخِ عالم میں ایک انقباضِ عظیم برپا کر کے انہوں نے اس دنیا کے بایسوں کو حیران کر دیا۔

بے غصہ کو دہڑا تشبہ نمود میں عشق

عقل ہے محو تماشائے لبِ بامِ ابھی

ہذا باب پر حسین اللہ جل جلالہ والتسمیٰ تنہا ایک عظیم طاقت سے ٹکرا جاتے ہیں قاسم کی جانب سے آپ کو دلہنی آگ میں ڈال دینے والے حکم کا حکم دیا جاتا ہے اس حکم کو سن کر آپ پر کوئی خوف و ہراس طاری نہیں ہوتا۔ آپ کی پیشانی پر تلک نہیں پڑتا اور نہ آپ کے کسی نص سے کسی قسم کی گھبراہٹ ظاہر ہوتی ہے۔ اب عشق و خود سرجتے رہ جاتے ہیں مگر عشق اور خلوص و ایمان آپ کو خوشی خوشی اس آگ میں کودنے پر آمادہ کر دیتے ہیں اور پھر دنیا دیکھتی ہے کہ اس کے نتیجے میں دہی آگ میں دھڑلہ کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

ایک مدت کے بعد جب کہ یہ ان میں پھر عین عاشقانہ صادقانہ نظر آتے ہیں جتنا بچے سے بڑا ہو کر میدانِ جنگ میں کود پڑے اور ہزاروں کے لشکر سے ٹکرا کر ہمت پیدا کر لیں اور پھر اپنے عمل سے دنیا کو بتا دیا کہ کامیابی ایسے ہی لوگوں کے قدم چومتی ہے جو نفع نقصان کو یکسر نظر انداز کر کے عشق کے راستے پر چلنا پسند کرتے ہیں۔

دنیا کی تاریخ سارا ہستی یہی مردانِ کار ہی تو رہے ہیں۔ انہوں نے اس مقصد کے لئے تجلیں پستول سے زیادہ کام کیا ہے۔ کرہا کے نئے میدانِ آپہ بھی اس حقیقت کی گواہی دے رہے ہیں کہ جنابِ حسین علیہ السلام اپنے بہتر شاہینوں کی معیت میں جب ایک لشکرِ جوار کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلے ہیں تو عقلِ معصوم وقت کا ساتھ دیتی اور ماہانت سے کام لینے کی تلقین کرتی ہے مگر عشق کا فیصلہ اس سے یکسر مختلف ہوتا ہے۔ تب امامِ موصوفہ عقل و فہم کے فزے سے ہمت کے ٹیپھ کو ترجیح دیتے ہیں اور اس پر عمل کر کے اپنی جان تک کی بازی لگا دیتے ہیں۔ گروہی طور پر مخالفین امام حسین علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں پر قابو آ جاتے ہیں لیکن بالآخر عشق اور اخلاص ہی کی جوتی ہے اور حق و صداقت ہی غالب بنتے ہیں۔ آج اس عاشق صادق کے نام لیا تو بے شمار مل جاتے ہیں مگر اس کے خالق کو یاد رکھنے کا عہدہ اور پھر اپنے آپ کو اس کی جماعت میں شمار کرنے والے گنتی کے چند لوگوں کے سوا شاید ہی کوئی مل سکے۔

تاریخ کے اس ایمان افزہ نائنہ سے اور آگے بڑھتے تو امامِ اکبر، امامِ ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل میں بھی طرق و سوسائلیں پیسے سرزد ہوں گی کی صف میں کھڑے ہونے نظر آتے ہیں ہزار طرح کی تکلیفیں برداشت کرنے کے باوجود کبھی اخلاص و وفا کے دامن کو اتارنے سے نہیں چھوڑتے۔ کڑوں کی ضرب سے سارا جسم ہرہان اور چھٹی ہر جانے اس عقیدہ عیند کی صورتیں برداشت کرتے ہوئے بھی وہ اس مانتے کو کسی صدمت ترک کر دینے پر آمادہ نہیں ہوتے۔

تاریخ کے مزید کچھ اہلِ انصاف نے قزاقی جماعت کے ایک دوسرے مگرام رکن حضرت محمد سرمدی سے طاقتاقت ہوتی ہے۔ گمناں کے تھقے میں طرح طرح کی مصیبتیں بھجیں مگر بے استغناء میں نہ باجی لڑیں نہیں اتنے پانی اگر یہ بے لاشتی کی کاغذاتی نہیں تو پھر اندک یہ ہے۔

برصغیر کی جاہل تاریخ میں ہیں ان لوگوں نے لے کر اپنے نمایاں سولہ نام کے جن کا تعلق سرسودھو اور حق پرستوں کی اسی جماعت سے تھا جنہوں نے اپنے نام حضرت ملک وقت کے لئے سرنگ وقت کر دیا تھا۔ جو محلی چچو حضرت زمانا، اور ظفر علی خاں الجیمری دیوانیوں سے تھے۔

تاریخ کی مدق کے عالمی اس حقیقت کو نظر کر لے کہ ان کے سرسودھو کے اور سرنگ کے ان کے لئے مقصد پر مبنی ہے جو بعض پیشین گوئیوں کا اندازہ لگائی پر اور تاریخ دیتے ہیں جو حالات اور حقیقت سے صحیح کر لیتے ہیں۔ اس کے باوجود ان کے حقائق کو اپنا شعار قرار دیتے ہیں اور حق کو اپنی خاطر مرغا اپنے لئے باعث صداقت قرار دیتے ہیں۔

ہم دماغی طور پر تیز کے پسپائی کی طرف جارہا ہے اور ہر معاملے میں وہ تعلیم و تہذیب کے مسدود یا ثقافت و معاشرت کا، وہ اخلاق و کردار سے، اور ہر انسان کے اندرون خانہ کے معاملات سے متعلق ہر یا بیرونی خانہ سے، عالمی اور تمدنی مسائل سے اس کا تعلق ہو یا آئین وادارہ سے، غرض کہ زندگی کے کسی بھی شعبہ وہ سائنس و معاملات تعلق رکھتے ہوں۔ اسلامی حقایق کی جس طرح کھلے بندوں خلاف زندگی کی جارہی ہے اور اپنی سائنس و مادی خواہش اسلامی احکام سے بغیر کے اسلام کے ساتھ جو سنگین منافق کیا جارہا ہے اس کی روک تھام کے لئے اپنی وصیت کی ضرورت ہے۔

(۲)

لفظ دہم ہائے کے سب سے پہلے ایک اشتہار نظر سے گزرا۔ موضوع باختر ہے: "ہمیز ایک معاشرتی لغت ہے" مختلف رسائل و جرائد میں یہ اس سے متعلق مضامین دیکھے جاتے رہتے ہیں مگر ان تمام مضامین کے مطالعہ سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ یہ سب لوگ باوجود اظہار کاشا نہیں دیتے بلکہ میں مبالغہ ہیں۔ مابعد امتحالی سے دلوں ہی گمراہ ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

شادی کے معاملے میں فریقین کا نقطہ نظر یہ ہوتا ہے کہ کسی طرح اپنے سے بہتر لوگوں اور اعلیٰ طبقہ سے تعلقات قائم کیے جائیں۔ وہ اپنے سر اور نیچے طبقہ کو ان میں بہت سی خوبیاں ہونے کے باوجود یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اور ظاہر ہے اسلام کی ہدایات کو ترک کر دینے کے لئے تیار ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس سے معاشرے میں جو فساد و فحشا ہونا چاہتے وہ کچھ ہے جس کی حدائے بازگشت "مشرق" و "مغرب" میں سنہ دسویں ہے۔

اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے جب تک اسلام کا تباہ و برباد ہو ا ہے اور اس کا اختیار نہیں کیا جاتا یہ مسئلہ سلجھنے کے بجائے آجھڑی چلا جائے گا اس پر مسلم رسالہ کے مدیرین نے چڑھتی چلی جاتی ہیں تاکہ اسلام کی اہم شکل کا پتہ چھلانا ہی و شراب ہو جائے گا۔

اسلام اور ہمیز اسلام جناب محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مسئلے میں جو ہدایات دی ہیں وہ بالکل واضح ہیں۔ قرآن کے سب سے پہلے ہمیز کے اخلاق و اعمال اور کردار و افعال کی درستگی، علم و عمل سے آشنا کی اور دین سے دلچسپی ہے۔ اگر مادی دنیا میں یہ صفات عاید ہونے کی کوئی شے نہیں ہے تو ہمیز میں زیادہ سے زیادہ اور قیمتی سے قیمتی سامان بھی اس کی تلافی نہیں کر سکتا اور اگر وہ اپنی رذائل میں یہ صفات مہم پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں تو پھر اس سے بڑھ کر کوئی ہمیز نہیں ہو سکتا۔ لڑکے والوں کو بھی سرباب کے پیچھے بھاگنے کے بجائے اس صفاتی یا جانب ہمیز کو کاوش کرنا چاہئے۔ حمیرہ کا بیٹی قیمت سامان بھی ان صفات کے ساتھ بیچ ہے۔

ضروری نہیں کہ سامانی ہمیز اپنے ساتھ خوشی و مسرت بھی لے کر آئے۔ جب کہ یہ یقینی امر ہے کہ صفات مذکورہ سے آراستہ ایک لڑکی اپنی اور اپنے ساتھی کی زندگی کو بہتر طریقے سے سنبھال دے گی اور اس کے لئے خوشی و مسرت کے پیمانے بہتر کر دے گی۔

دوسری جانب سے لڑکی والوں کو کسی لمحے بھی یہ حقیقت فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ ہر کی زیادتی کسی پائیدار اور خوش حال زندگی کی ضمانت نہیں بن سکتی تاہم ہر کی زیادتی کو محض اس لئے نظر انداز کر دینا کہ اس رقم کو ادا کر دیا جائے نہیں چھوڑ دینا وہ کم ہونے سے کہا فرق پڑتا ہے۔ ایک ایسی غلطی ہے جس سے صرف نظر کرنا کسی صورت میں بھی درست نہیں ایسے لوگوں کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس طرح ان کا

نکاح ہی جائز نہ ہوگا اور وہ زندگی بھر نعل حرام کے مرکب ہوتے رہیں گے۔ اسی کی اولاد بھی صحیح النسل نہیں ہوگی۔) —
 میں ممکن ہے کہ ہر کی یہ زیادتی خوش حال زندگی کے ماتے میں رہنے بڑی رکاوٹ بن جائے۔ اس لئے اپنی معاملہ کے لئے اس امر پر نظر
 رکھنا نہایت ضروری ہے کہ ہر کی مرد و عورت کے ساتھ ہی ساتھ زندگی بھر کو بھی دائرۂ اعتدال میں لانے کے لئے مناسب تدبیریں اٹھائیں۔
 افراد ملت سے دراصل کی جائے کہ وہ خود و تماشق کی غرض سے زیادہ سے زیادہ سامانی چیز دینے سے اجتناب کریں اور اس جتنی اور پائیدار
 چیز کی طرف زیادہ توجہ کریں جس کی طرف سطور بالا میں اشارہ کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی دسم ہر کی تجدید کے لئے ہم جلد ہی جائے۔
 خوش حال زندگی بسر کرنے کے لئے ایک اور اہم مسئلہ، جسے عام طور پر غفلت سے انداز کر دیا جاتا ہے حالانکہ وہ بنیادی اہمیت کا حامل
 ہے، یہ ہے کہ دونوں کے درمیان فکری اور نفسیاتی طور پر ہم آہنگی پائی جاتی ہو۔ اس کے بغیر وہ اپنی زندگی بہتر طریقے سے گزارنے کے لئے
 کسی بھی کوئی مشترک لائحہ عمل مرتب نہیں کر سکتے۔ فرق اول برسرے کو مشرقی نقطہ نظر سے دیکھنے کا اور فرق ثانی مغربی دنیا کی دشت
 سے اس کا مطالعہ کرنے کا عادی ہونا دونوں کے نقطہ نظر کے درمیان اس قدر بعد اور اختلاف پیدا ہو جانے کا قوی امکان ہے کہ اس
 بعد کو ختم کرنے کی کوئی شخص ہمت نہیں کر سکے گا۔ اور نتیجہ وہ اپنی زندگی ہی میں جہنم کی سیر کریں گے۔ اس لئے مستحقہ افراد (ڑکے اور لڑکیاں)
 کے درمیان فکری اور نفسیاتی ہم آہنگی کا ہونا بھی اشد ضروری ہے۔

تقریر سیرت النبیؐ کی مفت تقسیم

اخبار "الجماعت" کراچی کی طرف سے ہر سال عید میلاد النبیؐ پر سیرت
 حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان افروز کتابیں شائع کی جاتی ہیں جو سارے
 ملک میں مفت تقسیم کی جاتی ہیں۔ اس سال ربیع الاول کے پہلے ہفتہ میں تقریر سیرت "رسول اللہؐ کے میٹھے بول"
 شائع کی جا رہی ہے جو پاکستان اور ہندوستان ہر جگہ وسیع پیمانہ پر مفت تقسیم کی جائیگی صرف ڈاک خرچ کیئے
 سات پیسے کے ٹکٹ نفاذ میں ارسال کر کے اپنا نام و پتہ پہلے ہی درج کرالیں تاکہ میلاد النبیؐ سے پہلے پہلے آپ
 کو بذریعہ ڈاک تقریر سیرت مفت ارسال کی جائے۔
 (نوٹ: بھارت کے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لئے ڈاک کے ٹکٹ ہم اپنے پاس سے لگائیں گے)

پتہ ۱۔

سرور شاہ گیلانی ایڈیٹر الجماعت کراچی ۲

سوز و ساز

نسکین قرشی

مجھ سے مل کر بھی اسے دوست ہم کیا کریں
دل سے چتا نہیں دل کا غم ہم کیا کریں

اب کسی اور سے عجز غم کیا کریں
جب نہیں کہہ رہے ہو کہ ہم کیا کریں
ذلتِ شغل آہ و فغان کیا کریں؟

شکرِ عالم شبِ دانے غم کیا کریں؟

کیا کریں اُن کے جو دستم کا نگہ
دل میں غم نہیں اُن سے کم کیا کریں

عاشقِ عاشقی ہے، گدائی نہیں

پھر کسی سے سوال کر م کیا کریں

تھی بہت حسرتِ پائمالی مگر

رک گئے خود اُنہیں کے قدم کیا کریں

کام آئی نہ تسکینِ سلامتِ روی

پڑ گئے اور بھی بیچ و غم کیا کریں

(۲)

اُدھر ساقی، اُدھر پیرِ خرابات

مہاک نے پرستانِ خوش اوقات

غمِ دل کے بہت نازک ہیں حالات

شکایتِ لبِ چو آئی اور تھی بات

سمجھ میں اپنی دنیا خوب یہ بات

کہ دنیا ہی نہیں دایرِ مکافات

بہت دلکش تھی ہر عالمِ حسن

مگر بے رخی میں ادھی بات

کمالِ عشق میں یکس ہیں دون

غمِ فرقت ہو یا جیشِ ملاقات

نظرِ اُٹتی نہیں اور آگئے وہ

زباں کھولی نہیں اور ہو گئی بات

سراپا شوق دیکھ رہے نیازی

یہی جذب و جنوں کی ہیں علامات

زیارتِ گماہ اہلِ جستجو ہیں!

مری ہر لُغزِ سخن پاکے نشانات

خود کی دسترس، مدِ نظر تک

جنوں ہے صاحبِ کُف و کُلا

مجھ کل محبتِ واحد میں تسکین

بہت یاد آئے بیخانے کے دنِ ملت

ہوشِ تمیزی

وہ تقاضے جنوں اب کے بہارِ دل میں تھا

ایک دامن بھی تو اُلجھا ہوا خدوں میں نہ تھا

اشکِ غم غم گئے یاد آتے ہی اُن کی صورت

جب چڑھا چاند تو پھر لہوِ ستار میں تھا

مرنے جیسے کو نہ سمجھے تو خطا کس کی ہے

کون سا حکم ہے جہان کے اُٹار دینے کا

ہر قدم خاک سے دامن کو بچا یا تم نے

اور یہ شکوہ کہ میں راگِ بزمِ دل میں تھا

تم سا لاکھوں میں نہ تھا جانِ تنہا لیکن

ہم سب محروم تنہا بھی ہزاروں میں تھا

ہوش کرتے نہ اگر ضبطِ فغان کیا کرتے

پسشِ غم کا سلیقہ بھی تو یادوں میں نہ تھا

(۲۱)

اے عشق تیری دوسری منزل بھی ہے کہیں
مرنا ہے ابتدا میں تو کیا انتہا میں ہے
لائی ہے جب صبا تو چمکتے ہیں بام و در
یہ بدشگونی کیا تری لئے تباہ ہے
ہر سنگدشتاں ہے تری سمت کا سگر
اقرار نامہ کی بھی ہر کہ لکھی تباہ ہے
توصیف حسن، صل میں ہے وصف حسن ساز
بندوں سے جس کو پایا ہے یا غلام ہے
یہ تشنگی یہ پاس و فدا، یہ جو دم غم
کیا کاروان عشق کسی کو لایا ہے

(۲۲)

کس سے کہنے کے زمانے کو گراں گزرا ہے
وہ فساد جو مری حسرت گفتا میں تھا
دل کو آتا ہی نہیں تنگ تن کی طرف
کوئی اقرار کا پہلو ترے اٹکا میں تھا
کچھ تجھے یاد ہے اے شہم زینا نے کہاں
ہم سارے ہی کوئی مگر کے بانا میں تھا
زندگی جانہ کی شام و سحر ہے آگے
ساما عالم اسی آئینہ حکماء میں تھا

عمر بھر چشم تنگ کی جس کی تلاش
ہوش و ہوش گریزاں حشر شاہ میں تھا

شفقت کاظمی

ترے حضور جو لب پر نہ آسکا ہوگا
وہ حرف ہم نے انا میں کہہ دیا ہوگا
خبر نہ مٹی کہ سب جادہ و فہم کو
تقدم قدم پہ بلاؤں کا سامنا ہوگا
تجھے خیال بھی اُس کا نہیں مگر اب تک
کوئی غریب تری ماہ دیکھتا ہوگا

کچھ نے ہم کو دیا ہے جو دہشتناکی
کچھ تو اُس کا عاں بھی جو چاہا ہوگا
بہار جن کا مقصد نہ ہو سکی ہوگی
چمن چمن انہی پتروں کا تذکرہ ہوگا
اُسی قدر مرے دل کی ہوس بڑھی ہوگی
تو کجا گاہ نے جتنا کرم کیا ہوگا
ایسا ہوا ہے جو اک اُسی مرے دل میں
فرد مجھ سے وہ شفقت کہیں ملا ہوگا

عروج زیدی

ناش ماڑ نہاں نہ ہو جائے
آن کے قدموں کو نہ بکشتا
کرم بے سبب کا طالب ہوں
غم چھپانے کو شکر فدا ہوں
بڑھتے بڑھتے یہ ہے مٹی لظہر
جنبہ و تھپی دل اس کی ہے
جو بچہ چاہے لب نہیں کھٹکتے
نور غم بنائے جس کو عروج
وہ کہیں ہمسایاں نہ ہو جائے

شمار برقی

پھر رہندہ کہ ہے شوقِ معشوق پھر نہ تھی بے نال انسانیت
پھر عصائے کیم کی حاجت نہ تھی پھر نہ تھی بھری فرحنت
ڈھل گئی شامِ تیریاں چھٹ گئیں دن کے سورج سے پھر چھٹنے لگے
دویشاں مری نگر کہ گئے گیا ایک دلکش سی مینا و جہر ریت
بادِ خوار کا ہے اہم قہر ہے پھر مری پیر و مل کی میں پاکستا
چو باقیات و اغوا ہے عصمت دیکھا دیکھا تالی پیا پر سب غیریت



روح انتخاب طلب کیشن کی رپورٹ

ایک جائزہ

اسلامی جمعیت طلبہ کراچی کی جانب سے ایک کتابچہ شائع ہوا ہے جس میں طلبہ کیشن کی رپورٹ کا
جس ایمانی فراست علمی و تعلیمی بصیرت اور بالغ نظری کے ساتھ جائزہ لیا گیا ہے وہ اس کا
مقتضی ہے کہ یہ ممکن بقصود قارئین نامان تک پہنچا دیا جائے۔ (م۔ ق۔ م)

دسبریسٹس، جس حکومت نے سپریم کورٹ کے جج جناب محمد داؤد حسن صاحب کی سرکردگی میں جو کیشن قائم کیا تھا اس کی رپورٹ اس
ماہ شائع کر دی گئی ہے، کیشن کا کام یہ تھا کہ تعلیمی دنیا کو جو مسئلہ پیش ہیں ان کا جائزہ لے اور ان کے حل کے لئے ٹھوس اور عملی سفارشات
پیش کرے۔ کیشن نے پورے ملک کا دورہ کر کے اساتذہ، طلبہ اور تعلیم سے دلچسپ رکھنے والے دیگر تمام افراد سے ملاقاتیں کی ہیں
اور تقریباً ایک سو بیس کی محنت اور غور و فکر کے بعد یہ رپورٹ مرتب کی ہے۔

۱۔ نظریاتی پہلو

جو بڑے نظام تعلیم کا اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ اب تک نظریاتی بنیادوں پر اس کی تشکیل تو نہیں کی گئی ہے، ایک لادینی اور مادی
تہذیبی نظام کے لئے یہ چاہیے یا نکل مناسب جو مین ایسی ریاست کے لئے جس کی بنیاد اسلام کا ہمہ گیر نظریہ حیات ہے، یہ نہ صرف غیر
اطمینان بخش ہے بلکہ مثبت طور پر اس کو نقصان پہنچانے والا ہے۔ قومی لحاظ سے، بیماری اس سے بڑی ناکامی اور کوئی نہیں کہ ۱۹۸۱ء
کی مدت میں بھی ہم اس نظام کو نئی شکل نہیں دے سکے ہیں اس خامی کو سب محسوس کرتے ہیں خطبہائے تعلیم ان میں طلبہ میں اعلیٰ اخلاقی اقدار
اور مضبوط سیرت و کردار کے فقدان کا شکرہ سب کرتے ہیں لیکن کوئی ٹھوس قدم اصل مسئلہ کو حل کرنے کے لئے نہیں اٹھایا جاتا۔ جب تک
نظام تعلیم طلبہ کو زندگی کا کوئی اعلیٰ مقصد عطا نہ کر دے گا، ان میں نظم و ضبط کا فقدان اخلاقی اقدار سے روگردانی یہاں تک کہ پڑھائی
تک میں عدم دلچسپی کی شکایات دوہرہ نہیں ہو سکتیں۔ قومی تعلیمی کیشن کی سربراہ ناکامی بھی یہی تھی کہ اس نے انگریزوں کے چھوڑے ہوئے اس
نظام تعلیم میں کسی بنیادی اور ہمہ گیر تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں کی اس لئے اسے ایک دایرہ کن رپورٹ قرار دیا گیا۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ
موجودہ رپورٹ بھی، اپنی بعض جہدی خوبیوں کے باوجود اس بنیادی مسئلہ کو حل کرنے کی کوئی خاطر خواہ کوشش نہیں کرتی۔ بلکہ مقام ہجرت
و انکس ہے کہ تبدیلی کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتی!

کیشن کا دائرہ کار محدود نہ تھا اس نے خود تسلیم کیا ہے کہ اس کا دائرہ کار اتنا وسیع تھا کہ تعلیمی دنیا سے متعلق ہر مسئلہ اس میں آسکتا تھا۔ اصطلاحاً یہی وجہ تھی کہ جمعیت نے کیشن کے سامنے جو یا دعا داشت پیش کی اس میں جہاں بھر لیا انا از سے جلدی اور وقتاً فوقتاً کی طرف توجہ دلائی وہیں پر زور الفاظ میں یہ بھی واضح کیا کہ موجودہ نظام کو اسلام کے ساتھ میں ڈھلے غیر ملکی کے من کی توقع بحث ہے۔ تعلیمی نظام کے غلط ترشح پر چلنے کی وجہ سے جو مسلسل اور ناقابل تلافی نقصان ایک آزاد مسلمان قوم کی حیثیت میں ہم کو پہنچ رہا ہے، اس کی بنا پر تو قہراً ہی کہ کیشن اپنے فرائض سے جہدہ برآ ہونے کے لئے نظام تعلیم میں بنیادی تبدیلی کی سفارش ناگزیر تصور کر رہا لیکن کیشن نے نہ صرف یہ کہ موجودہ نظام پر اپنے کامل اطمینان و اعتماد کا اظہار کیا ہے بلکہ یہ انکشاف بھی کیا ہے کہ "وہ بے مقصدیت جواب تک ہمارے نظام تعلیم پر چھائی ہوئی تھی اب ختم ہو چکی ہے" (صفحہ ۲۴) کیشن نے لکھا ہے کہ "ہم نے کوشش کی ہے کہ اپنی موجودہ تعلیمی پالیسی میں اور حالات کے اس نظام میں جو اس وقت جاری ہے کسی قابل لحاظ تبدیلی کی سفارش نہ کریں" (صفحہ ۱۹۲) کیشن نے جا بجا رسوائے زمانہ تو یہی تعلیمی کیشن کی رپورٹ کو مرکزی نقطہ احیاء سابق مانا ہے اور انہیں اس میں کوئی خواہی نظر نہیں آسکی۔ اس طرح یہ دراصل اسی رپورٹ کا ایک حصہ ہے اور یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس کی سفارشات کو زیادہ خوش اسلوبی سے فائدہ کرنے کا راستہ جاننے والی ہے۔

اسلامی نظام تعلیم کے بارے میں کیشن کے فاضل ممبران نے جس پریٹن ناری کا اظہار کیا ہے وہ اس امر کی عکاس ہے کہ یا تو تعلیم کے اساسی اور خصوصیت سے فطریاتی اہم کے بارے میں ان کا علم بہت محدود ہے اور اس کا اعتراف تو خود کیشن نے کیا ہے کہ اس کا کوئی بھی ممبر طبعاً یا تعلیم گاہوں کے معاملات سے بہت دانت تعلق نہ رکھتا تھا۔ صفحہ ۲ پر موجودہ اسلام کے تصور تعلیم سے واقف ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ "مختلف علوم و فنون میں مسلمانوں کا جو حصہ رہا ہے اگر اسے بھی پڑھا دیا جائے تو یہ بہت کافی ہے (صفحہ ۵۰) پھر وہ یہ فرماتے ہیں کہ طبیعت، ڈاکٹری، انجینئرنگ اور دوسرے سائنسی اور فنی مضامین کو اسلامی نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ کیا ہم یہ سفارش کریں کہ ان علوم میں مسلمانوں کے زمانے کے بعد جو کچھ ترقی ہوتی ہے اس سے ہم اپنے طلبہ کو ناواقف رکھیں (صفحہ ۲۵) اسلامی نظام تعلیم کے بارے میں اتنی بے جا بات کی تو قہراً کیشن کے فاضل ممبران سے کوئی بھی نہ کر سکتا تھا۔ انہیں ہے کہ وہ اس بنیادی بات کو بھی نہیں سمجھ سکے کہ نظام تعلیم کسی نہ کسی تہذیب اور ثقافت کا آئینہ دار ہوتا ہے اور اپنے طلبہ کو اس مخصوص نظام کا علمبردار بناتا ہے یہ نظریہ حیات اس کے طریق تعلیم اور طرز تعمیر ہی میں نہیں، لہذا بات مضامین کی ایک ایک سطح میں اور تعلیم گاہوں کے ماحول کے معاملات تک میں سمیٹا ہوا ہوتا ہے۔ اس کے تحت تربیت پانے والے کی لہری شخصیت پر اس کی چھاپ ہوتی ہے۔ مجبورہ کسی دوسری تہذیب کے تقال اور اس کے گن گانے والے نہیں ہوتے۔ جب اس ملک کے باشندے اسلامی نظام تعلیم کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ اپنی اولاد کے لئے ایسے نظام تعلیم کا مطالعہ کرتے ہیں جو سائنس، انجینئرنگ اور دیگر علوم میں ان کو درجہ اول کا ہار تو بناتے لیکن ان کی شخصیت ان کی فکر اور انسان کا محض اسلامی نظام حیات کا عملی پیکر ہو۔ مصدوم نہیں کیشن کے معزز ممبران یہ بھی بات کیوں سمجھ نہیں پاتے کہ جب تک ہمارا نظام تعلیم زیر تعلیم نفس کو ہمارے بنیادی عقائد سے کائنات کا ایک حلقہ بنانے کے، اسلام کے ممکن ضابطہ حیات ہونے کے اور آخرت میں جہاد ہی کے تقاریرات سے آزاد نہ نہیں کرے گا ہم نہ تو اچھے مسلمان بن سکیں گے اور نہ اچھے ماسٹر مغرب کی خوشہ چینی کر کے ہم دنیا کی فکری قید و تن نہیں منجھال سکتے، دنیا بک کے ایک پیر میں نے خواہ وہ بی اے تک ہو یا انٹرمیڈیٹ، نہ یہ کام فاضل میں سرانجام دیا ہے اور نہ مستقبل میں دے گا کیا ۱۸ سال کا تجربہ ہمیں یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ اس بنیادی اصلاح کو نہ کہنے اور اپنا رشتہ اپنی تہذیب و ثقافت سے نہ جھٹلنے کی وجہ سے ہم تعلیم کے میدان میں ہار رہے ہیں۔ ہمارے اسباب کار کا دعویٰ ہے کہ گزشتہ ۱۸ سال میں تعلیم کے میدان میں نمایاں ترقی ہوئی ہے لیکن اس رپورٹ نے تعلیمی اداروں کا جو آنکھیں کھول دینے والا نقشہ کھینچا ہے وہ خود گاہ

ہے کہ کیا ترقی ہو سکتی ہے! پس اس کمیشن کی سب سے بڑی ناکامی یہی ہے کہ اس نے نظریاتی تفکیکوں کی ضرورت محسوس نہیں کی ہے اور تعلیم اور اسلام کو دو علیحدہ عناصر تصور کیا ہے۔

تعلیم کی نظریاتی حیات سے لاطعناتی کا بنیادی نقطہ نظری ہے جو ساری سفارشات میں کارفرما ہے۔ چونکہ وہ تعلیم اور نظریاتی حیات میں کوئی ربط تلاش نہیں کر سکے ہیں اس لئے یہ اگر مشنری اسکولوں میں دی جائے تو بھی مناسب ہے! اور قومی زبان میں نہ دی جائے تب بھی کوئی فکر کی بات نہیں! اسی لئے ان کی ساری سفارشات اس محمد کے گرد گھومتی ہیں کہ تعلیم کے لئے انتظامات مناسب ہونے چاہئیں۔ کلاس روم کٹ دہ ہوں کھیلوں کے میدان موجود ہوں، فرنیچر مناسب ہو، دانش کا انتظام معقول ہو۔۔۔ یہ سب بجا لیکن کیا یہ ہمارے مسائل کا حل ہے، کیا یہ طلبہ کی بے چینی کو، ان میں نظم و ضبط کے فقدان کو مایوسی اور بے اطمینانی کے احساسات کو تعلیم کے تشریف کشانگ گردنہ ہوتے ہیں کہ وہ امتحانات میں ناچانزہ نتائج کے کھٹے پھندوں استغناء کو دھنوا کر دے گا۔ کاش کہ وہ یہ محسوس کریں کہ جب تک ہم اپنے طلبہ کو کسی مقصد حیات سے منترار نہ کریں، امتحان کی ساری سعی و جہد کو اس اعلیٰ ترین مقصد کے گرد نہ گھمائیں جو اسلام ان کو عطا کرتا ہے ان کوششوں کے لئے ناکامی مقصد ہے! اور اگر ان کوششوں کو کامیابی نصیب ہو بھی جائے تو اس کا حاصل اس کے علاوہ اور کیا ہوگا کہ ہم مغرب کی تہذیب کو جس کا علمبردار یہ نظام تعلیم بنایا وہ بہتر اور مستعد کارکن فراہم کر کے دیں گے!

۲۔ واحد نظام تعلیم

کمیشن کی دوسری اہم ناکامی یہ ہے کہ وہ پورے ملک کے لئے ایک ہی اور ہمگیر نظام تعلیم کی ضرورت محسوس کرنے سے قاصر ہے۔ رائج الوقت نظام مختلف لہجہ بانیئے تعلیم کے تحت ذہنی و فکری لحاظ سے تنہا و افراد تیار کر رہا ہے مستقبل کے لئے یہ جتنا بڑا خطرہ ہے اس کا اندازہ ہر کسی کو ہے لیکن کمیشن اسے جاری رکھنے کے حق میں ہے۔ چنانچہ اس کی سفارشات ہے کہ ”عربی مدارس دسکالٹ اپنا مٹری کے بعد از حدیث کی ذمہ داری سنبھالیں جو ان کی تعلیم حاصل کرنا چاہیں۔“ صفحہ ۳۳۔ یہ مطالبہ بھی رد کر دیا گیا ہے کہ انگلش میڈیم اور کنڈ گارڈن اسکولوں اور عام اسکولوں کے تفاوت کو دور کیا جائے۔ (صفحہ ۱۱) کمیشن نے یہ تسلیم کیا ہے کہ ہمارے سامنے مختلف طبقات کے لئے مختلف قسم کی تعلیم گاہوں میں مختلف طرز تعلیم کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے: لیکن ان کے لئے جو علاج تجویز کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جاپان کی طرح سارے ڈل اور نائی اسکولوں میں اسکول یونیفارم جاری کرنے پر غور کیا جائے۔ کمیشن نے توقع ظاہر کی ہے کہ اس طرح وہ قصود سادات حاصل ہوگا جو اسام پاپا کرنا چاہتا ہے۔ (صفحہ ۳۳)

مشنری اسکول

ان مختلف قسم کے اداروں میں ایک قسم مشنری اسکولوں کی ہے جن کے لئے کمیشن نے جا بجا کلمات غیر کہے ہیں یہاں تک کہ معلوم ہوا کہ دنیا کی تعلیم بھی سب سے اچھی جیسی دی جاتی ہے (صفحہ ۱۴) صرف ایک مختلف اسکول ہونے کے لحاظ سے نہیں بلکہ صریح طور پر نظم و ضبط پاکستان اور پاکستان کے مضافات کے خلاف کام کرنے والے اداروں کی حیثیت سے ان کے بند کرنے یا انہیں صرف ان کے ہم مذہبوں تک محدود کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ ان اسکولوں کے بارے میں اخبارات میں آئے دن واقعات شائع ہوتے رہتے ہیں کہ کس طرح یہ اسام اور اسلامی عقائد کی دانت اور حیثیت کی تبلیغ کرتے ہیں ان کی وسعت و اشاعت کا عالم یہ ہے کہ صرف کراچی میں صرف کیتھولک بورڈ ۲۴ پرائمری اسکول مشنری اور ۴ کالج چلا رہا ہے جو ام میں ان کی سرگرمیوں کے خلاف سخت ختم و ختم ہے لیکن کمیشن نے انہیں بھی وہ تحفظ عطا کیا ہے اور بہترین کارکردگی کا دوسرے ملک حثایت فرمایا ہے جو اس سے پہلے سرکاری طور پر انہیں شاید نہ ملتا ہو۔ یہ الزام کہ ان اسکولوں میں مشنری کام ہوتا ہے اور جو طلبہ منظرین کے ہم مذہب نہیں ہوتے انہیں مختلف طریقوں سے مذہب تبدیل کرنے پر آمادہ کیا جاتا ہے صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

۳۔ تحدید تعلیم

تعلیم کو محدود کرنے اور اعلیٰ تعلیم کو کم سے کم خوش قسمت افراد کے لئے قابل تحصیل بنانے کے بارے میں یہ بحثیں نہ کی گئیں کہ مکمل حلی ہے
اس کی نظر میں بہت سے مسائل کا بوجھ میں ہے یا جو کم کا نتیجہ ہیں۔ طلبہ کی تعداد میں زیادتی انہیں ناگوار گذرتی ہے۔ وہ اس کا علاج یہ نہیں بتاتے
کہ لاپرواہی سے جاتے ہیں بلکہ یہ بتاتے ہیں کہ طلبہ ان کا بوجھ تک کم ہو گئیں۔ چنانچہ نہ تو یہ ممکن ہے اور نہ پسندیدہ ہے کہ تیسرے پنجاب منعقد
لی بدت میں آخر میں جماعت تک لازمی تعلیم کر دی جائے۔ (صفحہ ۱۱) اگر کابلوں میں "بے سوچے سمجھے داخلہ کی رو" کو کم کرنا ہے تو BIRACATION
کی اسکیم پر عمل فرمائی ہے۔ (صفحہ ۱۲) کمیشن کی نظر میں طلبہ کو میٹرک کے بعد تعلیم پھر ڈینی چاہئے یا بہت سے بہت اہل کے بعد۔ ڈگری کابلوں میں بہت کم
قابل علم نہیں تاکہ انہیں سلیقہ سے پڑھایا جاسکے اور پھر روزگار کے مسائل بھی پیدا نہ ہوں۔

شام کے کالج

شام کے کالجوں کے بارے میں بھی اس روشنی میں معائنہ کی گئی ہے کہ اب جب کہ سارے لہو ڈاؤنڈیئر مسٹریاں بیرونی امتحانات کی
اجازت دے رہے ہیں تو ان طالبان علم کے لئے جو ملازمت کے تھکے ہوئے یا کسی وجہ سے دن کے کالج میں داخلہ نہ کر سکتے ہوں۔ دروازے کھلے
ہوئے ہیں اس طرح اب شام کے کالجوں کی ضرورت کم سے کم تر ہو گئی ہے۔ لہو ڈاؤنڈیئر مسٹریاں سے باقاعدہ الحاق کے بغیر یہ شام کے وقت
COACHING CENTRES کے انشاء پر عمل کئے ہیں۔ (صفحہ ۱۲۹)

۴۔ ذریعہ تعلیم

گزشتہ چند سالوں میں ذریعہ تعلیم کے مسئلہ کو ملک کے ماہرین تعلیم نے سنجیدگی سے سوچا ہے اس کے نتیجے میں کراچی اور پنجاب کی جماعت
نے اپنی حد تک امداد ذریعہ تعلیم اختیار کرنے کے لئے عملی اقدامات اٹھائے ہیں۔ اسی لئے جن اہل مشرقی پاکستان میں بھی سہولتیں پیش کی گئیں
کو ذریعہ تعلیم بنانے کی طرف عملی اقدام شروع کر دیے ہیں۔ ہمارے ادب کار میں ایک مؤثر طبقہ ایسے افراد کا ہے جن کا تعلق انگلیزی سے
انسان تعلق محسوس کرتے ہیں کسی نہ کسی زمانے قومی ناپاک کی تردید کو ماننا چاہتے ہیں۔ بدقسمتی سے کمیشن نے اپنا وزن اس دور سے گروہ کے پارٹ
میں ڈالنا پسند کیا ہے۔ پنجاب اور کراچی کی جماعتوں نے جن مشکلات اور حالات کے علی الرغم قومی زبان کو ذریعہ تعلیم کی حیثیت سے اختیار کیا ہے
اس پر بہت افزائی کا کوئی کلمہ تو کیا، کمیشن نے اس پر اپنے غیظ و غضب کا اظہار کیا ہے۔ اس میدان میں جو اشتراک کر رہے اور کسی متوازن اور
ہم آہنگ پالیسی کے فقدان کی جو کیفیت ہے، اس پر حکومت کی کوئی گزرت نہیں کی گئی ہے۔ اس معاملہ پر کمیشن نے ۹ (۱۰۸-۱۱۴) صفحے لکھے ہیں
ہم چند اقتباسات پر اکتفا کریں گے۔ ہم اس بات پر افسوس کا اظہار کرتے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ہمارے بعض یونیورسٹیوں نے ذریعہ تعلیم کی تبدیلی
کی سفاکتی تیز کرنے میں معقول حدود سے تجاوز کر کے ٹھنڈے فیصلے سے ناپاؤہ جذبات میں پھنسنے کو ترجیح دی ہے: (صفحہ ۱۱۲)۔ "بھلا اوساں
اصولیات ہمارے طالب علموں کے لئے ناقابل فہم ہوں گی" (صفحہ ۱۱۵)۔ کراچی یونیورسٹی کا فیصلہ تو اتنا DRASTIC ہے کہ ۶۵-۶۶ء
کے بعد اب کوئی طالب علم جس نے انگریز میڈیم اسکولوں میں پڑھا ہو اس کے تعلیمی اوسان میں اعلیٰ تعلیم کے حق سے محروم رہے گا۔ ہمیں نہیں
معلوم کہ کراچی یونیورسٹی کو اس بات کا کیا حق تھا کہ وہ طلبہ کے ایک مستند طبقہ کو اس طرح تعلیم سے محروم کر دے۔ (صفحہ ۱۱۵-۱۱۶)۔ دیکھا ہم یہ
عرض کریں کہ ہمارے تعلیمی اوسان کو یہ حق کہاں سے حاصل ہو گیا ہے کہ وہ انگریزی ذریعہ تعلیم پر قرار رکھے کہ اردو میڈیم اسکولوں کے طلبہ
کو اعلیٰ تعلیم سے محروم کریں؟ مگر کیا اس مسئلہ کا حل یہ نہیں ہے کہ انگریز میڈیم اسکولوں میں بھی قومی زبان کو اختیار کیا جائے نہ کہ ان کی
مستحق ہر قسم کی خاطر اعلیٰ تعلیم کا سا نظام خواب کیا جاتے؟ آخر ہمارے فاضل میران کے جذبات انگریز میڈیم اسکول کے طلبہ کے لئے

اتنے نازک کہیں ہو جاتے ہیں؟ — فلیپہ تعلیم کے مسئلہ پر یہ کمیشن ہیں اب اس مقام پر کاٹھڑا آگاہ ہے کہ ”مرکزی مذہب تعلیم کی بنیاد میں ایک کمیٹی بنائی جائے جو ساری صورت حال کا تفصیلی جائزہ لے کر بتائے کہ مذہبہ تعلیم میں تبدیلی کب سے کی جاسکتی ہے؟ اور جب تک یہ کمیٹی مطمئن نہ ہو کہ تبدیلی ممکن ہے کسی یونیورسٹی کا جانتا نہ ہو کہ وہ ان خود فلیپہ تعلیم تبدیل کرنے سے“۔ صفحہ ۱۶۔ گویا کہ ہندو مذہب کی کیفیت ہے اور جو مذہم بھی سمیت ہو آگے بڑھ چکے ہیں ان کو تسلیم کر دیا جائے اگرچہ اور پنجاب کی یونیورسٹیوں نے ایک ہی تو ایاب فیصلہ کیا تھا پر یہ کمیٹی قوم نے ان کی تائید کی تھی۔ لیکن انہوں نے کمیشن کو یہی اقدام سب سے زیادہ ناگوار لگتا ہے۔ انگریزوں کے لئے یہ رواداری غیر ملکی دشمنی کا ادا کرنا کے لئے یہ وسعت اور بے جا دہ قومی زبان کے لئے یہ غلط و غصب اس تجویز سے متاثر ہے کہ ہم بتائیں کیا

۵۔ مخطوطہ تعلیم، ضرورتوں کی تعلیم اور خواتین یونیورسٹی

مورل کی تعلیم کے بارے میں بھی کمیشن کوئی صحیح طور پر فکر پیش نہ کر سکا۔ کمیشن نے اس پر علیحدہ گفتگو میں صرف ایک صفحہ صرف کیا ہے اور تینوں اہم ترین مسائل کو اس میں نبٹا دیا ہے۔ مخطوطہ تعلیم کا ہمارے دین اور معاشرت کے خلاف ہونا تو امر مسلمہ ہے ہی لیکن گذشتہ سالوں میں اس نے تعلیم کا ہرول کے خلاف کی مائل کو طلبہ اور طالبات کی تعلیم میں دلی چسپی کو اور خواتین کی تعلیم کے معیار کو جس تشویش ناک انداز سے متاثر کیا ہے، وہ آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے پھر مورل کی سچی ضروریات اور معاشرہ میں ان کے مقام کے لحاظ سے ان کے لئے مکمل طور پر علیحدہ نصاب کا مطالبہ پہلی طور پر ایک مناسب اور ضروری مطالبہ تھا۔ لیکن کمیشن نے موجودہ طرز تعلیم ہی کو سند بواز عطا کی ہے اور کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں کی ہے۔ ان کے خیال میں ”یہ بات عام طور پر تسلیم شدہ ہے کہ ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم کے زمانے میں مخطوطہ تعلیم پر کوئی اعتراض نہ کرنا چاہئے یہ بہتر سمجھا جاتا ہے کہ اگر اراکہ طالبات کی عمر کے دوران انہیں علیحدہ رکھا جائے۔ ہمارا نظام انہی امور کی مدد میں مرتب ہوا ہے اور بہت اچھا ہے۔“ (صفحہ ۱۶)۔ معاشرہ کے تمام پسند طبع کا لحاظ رکھتے ہوئے ہم نے ہر ضلع میں علیحدہ امٹر کالہ کی سفارش کی ہے۔ لیکن ہر اس پوزیشن میں نہیں کہ علیحدہ ڈگری کالہ کی بھی سفارش کریں۔ علیحدہ نصاب کا تصور تو کمیشن کے لئے دروازہ کھاتا تھا، یہ کہہ گیا ہے کہ ”یونیورسٹیوں میں انہیں ان کی ضروریات کے لحاظ سے مناسب مضامین پڑھائے جائیں۔“ خواتین یونیورسٹی کا مطالبہ دیکھ دیا گیا ہے ہمارے نزدیک اس کے لئے کوئی حقیقی وجہ ہوا نہیں ہے۔ کمیشن نے بار بار ہمایہ مالک کا ذکر کیا ہے کیا اسے یہ معلوم نہیں کہ دین دایمان کی خاطر نہیں، دنیاویات و لغات کی خاطر نہیں، صرف تعلیمی ضروریات ہی کی خاطر ہندوستان نے ایک نہیں دو دو خواتین یونیورسٹیاں قائم کی ہیں! آخر کیا وجہ ہے کہ مغرب کی اندھی تقلید کی راہ سے ہٹ کر سوچنا ہی ہمارے لئے مشکل ہو گیا ہے؟ اچھے اچھے لوگ جن کی اپنی پرورش اسلامی روایات کی آغوش میں ہوئی ہے وہ بھی جب زندگی کے حقیقی مسائل کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو اپنے کو مغرب کی طرف سے آزاد نہیں کہتے۔

۶۔ طلبہ کے اداروں میں جمہوریت رجحانات کا خاتمہ

طلبہ کے مسائل کے پیدا ہونے اور ان کے نمٹنے کی سب سے بڑی وجہ انتخابیہ کی طلبہ پر عدم اعتماد ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ کمیشن اس بارے میں ضرور کوئی مفید خدمت انجام دے گا۔ لیکن یہاں بھی بالکل ایسی ہوتی ہے۔ الفاظ کی حد تک تو کمیشن نے یہ بات کہی ہوئی ہے کہ طلبہ قابل اعتماد ہیں اور وہ لازماً سیاسی دانشور بن جائیں گے ہر گز ہوتے ہی نہیں ہوتے لیکن جب اس نے کالہ یونیورسٹی کے لئے نیا نظام تجویز کیا ہے تو خود طلبہ پر بدترین قسم کی بد اعتمادی اور سرورطن کا ثبوت دیا ہے۔ یونیورسٹی کے مراحل تک وہ طلبہ کو آزادی سے کام کرنے کا موقع نہیں دینا چاہئے۔ ملک کے لڑکے کسٹم کے طرز پر ایک نیم آزاد نظام تجویز کیا گیا ہے۔ وہاں وجہ ہوا عدم کام۔ جاہل ہونا تھا۔ کیا اب جہالت ہمارے طلبہ میں آگئی ہے کہ وہ اپنے مسائل کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ یا پھر اصل مطلب آزادی عمل اور سامنے کو نظر کرنا ہے! کمیشن کے مجوزہ نظام کے تحت دسمبر ۱۹۸۱ء تا ۱۹۸۳ء کالہ کی ایک کونسل ہوئی جو ۵۰۰ طلبہ کے منتخبہ ایک نمائندہ پر مشتمل ہوگی۔ اب یہ کونسل ہمارے امور کی

ذمہ دار ہے۔ یہاں تک کہ نائب صدر اور جنرل سکریٹری بھی منتخب کر دیے گئے۔ کالج کے طلبہ اس لائق بھی نہیں کہ وہ براہ راست جنرل سکریٹری منتخب کر سکیں۔ کونسل کا صدر لازماً وائس چانسلر یا پرنسپل ہو گا اور اسے کونسل کو ۳ ماہ معطل کرنے، انجمنہ منظرہ کرنے، میننگ کی تاریخ یا وقت مقرر کرنے اور کسی فیصلہ شدہ امر پر عملدرآمد دے دینے کے اختیارات ہوں گے۔ غالباً اس کوئی کی انجمنیں اس سے زیادہ آزادی سے کام کرتی ہیں!

ہمیں نہیں معلوم کہ کیشن نے کیا سرچ کر یہ سفارشات پیش کی ہیں شاید وہ چاہتے ہیں کہ طلبہ اپنے اجتماعی معاملات میں دھپ لینا چھوڑ دیں، اس لئے کہ اس سے سارے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر کیشن نے طلبہ کی ان تنظیموں پر بھی بڑی سخت گرفت کی ہے اور وہ ان کو زندگی کا حق دینے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں جو بین الکیلیاتی بنیادوں پر کام کرتی ہیں۔ کیشن کی غیبت یہ ہے کہ یہ تنظیمیں کالج میں داخل ہونے والے نئے طالب علموں کو بہرہ کیلیت ہیں، اس لئے اگر انہیں ختم کر دیا جائے تو صورت حال ناہموار آجائے گی۔ یہ مسائل کو حل کرنے کی خاطر ان کو کڑی ذمہ داری ہے اور اس طرح میں کسی حل نہیں ہوتے۔ طلبہ کی اچھی اور بری سبھی طرح کی تنظیمیں ہو سکتی ہیں، کیشن کو برسرِ شرف کے تو امداد کی سفارشات کرنے کی بجائے طلبہ کے شعور پر اعتماد رکھیں کہ وہ غلط انداز کی تنظیموں کو خود جگہ نہ دیں گے۔ مسائل کے اٹھنے اور ان پر طلبہ کے جذبہ نازک ہونے کی وجہ اس کے علاوہ اور کیا ہے کہ یہ شکایات موجود ہیں اور جب کہ کیشن نے خود بھی تسلیم کیا ہے کہ حکومت دعوے کرتی ہے مگر عملی اقدام نہیں کرتی۔ اگر اس امر کی اصلاح ہو جائے تو طلبہ کا ماحول سدھ سکتا ہے۔ اور پھر کوئی وجہ نہیں کہ یہ تنظیمیں دوسری تعمیراتی سرگرمیوں میں مشغول نہ ہوں لیکن اگر کیشن طلبہ کی مشکلات دہرا دہرا کر دے اس کے اندر کوئی حتمی چارہ بتا دے تاکہ سرے سے آواز ہی نہ اٹھے، تو کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتا ہے کہ حکومت اپنی مدد سے بد لے والی بہر حال نہیں ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو کیشن کو اس پر کیا اعتراض ہے کہ طلبہ اپنی آواز متحدہ پلیٹ فارم سے اٹھاتے ہیں۔

۴۔ فیسوں کی شرح

فیسوں کے بارے میں کیشن کا فیصلہ یہ ہے۔

حکومت یا مقامی اداروں کے تحت چلنے والے اسکولوں میں فیسوں کی طرح بھی نیا دہ یا غیر معقول نہیں ہیں۔ ان اداروں میں فیس کم کرنے کا کوئی ہوا نہیں نظر نہیں آتا۔ صفحہ ۲۹۔ ہم کالوں میں پاپس یا چالیں فی صدگی کے مطالبہ کو حق بجانب سمجھتے ہیں۔ انٹر میڈیٹ اور ڈگری دونوں جگہ ۱۰ سے ۲۰ روپے ماہانہ تک فیس لی جاتی ہے اور اسے کسی طرح بھی نیا دہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ صفحہ ۵۰۔ مغربی پاکستان کے بعض طلبہ نے امتحانات کی فیسوں میں کمی کا مطالبہ بھی کیا ہے۔ ہم مطمئن ہیں کہ امتحانات کی فیسیں اس وقت لی جا رہی ہیں وہ معقول ہیں اور ان میں مزید کمی کوئی سوال نہیں۔ اس لئے ہم اس مطالبہ کو حق بجانب نہیں سمجھتے۔ صفحہ ۱۰۶۔

۸۔ یونیورسٹی آرڈیننس

طلبہ کے حالیہ احتجاج کو برصغیر کا رولانے والے حوالوں میں سے ایک یونیورسٹی آرڈیننس بھی تھا جس کے بارے میں ترقی پسنی کیشن اس کے سربراہ سر خیر جہوری مزاح کے پیش نظر اس کی تفسیر یا کم از کم اس میں بنیادی ترمیمات کی سفارش کرے گا۔ لیکن اسے بس آواز دے گا کہ خاک شدہ ایکشن نے اس بارے میں طلبہ اور اساتذہ کے نقطہ نظر کو سمجھنے میں بڑی کوتاہی کی ہے۔ اس آرڈیننس نے تعلیمی زندگی کو ایسے نامدافضاطوں اور بندھنوں میں باندھ دیا ہے کہ یونیورسٹیوں اور سرکاری بنیادوں میں بدل گئی ہیں۔ اور باہم اعتماد کی فضا معدوم ہو گئی ہے۔ کیشن کا قصہ یہ کہ دنیا کے امتحانات جیسے بھی تھے کوئی حق نہیں۔ بلاشبہ انتظامی امور میں کچھ ناخوشگوار لحاظ بھی آتے ہیں لیکن ان کی بنا پر جو رشوت اور دس لکھ لاکھ جمعہ ہزار کو منہ ہوا نہیں دی جاسکتی۔ مشنری اداروں اور انگریزی ذریعہ تعلیم کے اداروں کے سلسلے میں تو کیشن کو دستہ کے بنیادی حقوق کا بڑا خیال رہا

لیکن تمام اساتذہ اور تمام طلبہ کے معاملہ میں آخر انہی بنیادی حقوق کا احساس کیوں پیدا نہ ہوا؟

کیشن کی تعلیمی تجاویز

ہم اس ویسٹ انڈیائی تہذیب میں گونا گویں کے مجرم ہوں گے اگر یہ اعتراف نہ کریں کہ ان کمزوریوں کے باوجود اس رپورٹ کے بعض اچھے پہلو بھی ظاہری خواہشوں کو قور کرنے کے لئے جو کچھ تجاویز پیش کی جاسکتی تھیں وہ اس نے پیش کی ہیں انکی بہت مفید اور تعمیری تجاویز پیش کی ہیں۔ لیکن ان کو کے مدبلس ہونے اور نتیجہ خیز ہونے کا سامنا تھا۔ اس پر ہے کہ حکومت ان پر غور و دیانت داری سے عمل کرے کیشن نے تعلیمی اداروں کے لئے اپنے ضرورتوں کی جو فہرست دی ہے، جلد از جلد سب اداروں کو اس معیار پر پہنچنا چاہئے کیشن نے سفارش کی ہے کہ طلباء کے لئے مفت طبی امداد کے لئے انشاء کئے جائیں، بسوں کے کرائیوں میں رعایت کا انتظام کیا جائے گا کچھ میں سرکلر ویڈیو سے یونیورسٹی سے قریب کیشن قائم کرے، ہوشوں کا معقول اور مناسب انتظام ہو، نصابی کتب سستی ہوں، باس بارہ بدلیں اور آسانی سے دستیاب ہوں۔ امتحانات میں ناجائز طریقے کے استعمال کا سدباب کیا جائے تعلیمی امان میں آپس کا داخلہ ممنوع ہو۔ پائلس سے ڈگری دلنے کا اختیار واپس لیا جائے۔ اتہادہ کو باعزت مقام دیا جائے۔ ملازمتوں کے قوانین نظر انصاف کے اصول کے خلاف نہ ہوں۔ اور اس طرح کی دوسری وہ سفارشات جنہیں کیشن نے حق بجانب مانا ہے ہم حکومت سے پرہیز در مطالبہ کریں گے اب جبکہ یہ مطالبات طلبہ کے مطالبات نہیں بلکہ کیشن کے مطالبات ہیں امداد پر پاسی پائڈن کے برہانے کا الزام نہیں لگ سکتا تو وہ کسی مختصر اور متعین میں ان کو پورا کرے۔ لیکن اس ضمن میں ہم فاضل ممبران کیشن، ارباب حکومت اور تمام اساتذہ و طلبہ کو ایک نکتہ کی طرف دعوت دیتے ہیں گے

یہ تجاویز ایسی نہیں جن کی اچھائی یا حق کیشن نے دیانت کی ہو گزشتہ ۸ سال میں یہ امر کبھی مشتبہ نہ تھا کہ طلبہ کے لئے سائنس کا انتخاب معقول ہونا چاہئے مگر مسئلہ ایسا نہیں ہوا اب ہم کس بنیاد پر یہ توقع کریں کہ ان تجاویز پکسل ہو جائے گا؟ ہم یہ عرض کریں گے کہ ان تجاویز پر عمل لئے ضروری ہے کہ ساری مشینری و پائندار ہو، خدائے قدس والی امداد خوراک کی جگہ بدی کا احساس رکھتی ہو اور خود عوام کے سامنے بھی جوابدہ اگر یہ نہ ہوا اور سفارش کرکشن اور مشورات کا وعدہ دہہ ہر قریض قواعد قوانین یا تجاویز و سفارشات کبھی کوئی اصلاح نہیں لایا کرتیں۔ غور کے لئے دوشا لیں ہیں۔

کیشن نے خود تسلیم کیا ہے کہ INTERNAL EVALUATION کے لئے ہم نے کسی سے کلیم نہیں سنا (صفحہ ۵) اس کی ناکامی کی کیا ہے؟ اساتذہ کا کردار؟ یا کچھ اور؟ لیکن کیشن کے پاس اس کے لئے کوئی سفارش نہیں کر کم از کم اساتذہ کے ٹریننگ کالج میں کردار کی عکس تربیت کا امداد سہی حقائق تک بنیادوں پر انتظام کیا جائے اور اساتذہ کی عملی تربیت کی نگرانی کی جائے۔

امتحانات میں بدعنوانیوں کی باک ن گیر شکایات ہر کیشن نے نشر و اشاعت کی اور اس کے لئے اس نے اپنا، انکی نامی منصوبہ پیش کیا ہے صفحہ ۱۰-۱۱۔ لیکن یہ کوئی نیا سے قواعد نہیں ان پر عمل پہلے سے ہوتا ہے لیکن بدعنوانیاں اس کے باوجود مورتی ہیں۔ یہ طلبہ اساتذہ اور انتظامیہ خدائے موجود اور صلح و بصیرت ہونے کے احساس کو زندہ ایسا فی قوت بنائے بغیر اس مسئلہ کا حل ہو سکتا ہے؟

ایسی طرح دیگر تجاویز ہیں۔ سب کے لئے ضروری ہے کہ حکومت کی رستم ایمانداری سے نچوڑ کی جائے لیکن سب جانتے ہیں کہ کل رقم کا کتنا حصہ دیں گے؟ اساتذہ کیشن کی نذر ہو جاتا ہے۔ کیا اس کی اصلاح محض قواعد قوانین سے ہو سکتی ہے؟

ہم آخر میں پھر اس بات پر تردد دیں گے کہ آج ہمارا اہم ترین مسئلہ ہاگرو اور اسمان پیدا کیا ہے۔ نظام تعلیم کا یہ فریضہ ہے کہ وہ یہ کام انجام دے اور معاشرے کے بچے جو تھے وہ حضرات کے آگے روک بن جائے۔ نہ کہ ان کو آگے بڑھے گا قلعہ بنے۔ اندیشہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا تک کہ ہمارا نصاب اور طریق تعلیم ہمارے نظریہ صحت سے ہم آہنگ نہ ہو، دینیات کا پیر پٹ، میٹرک تک ہر پائی اسے تک دینی معلومات میں اضافہ چاہے کرے لیکن وہ کہنا پیدا نہیں کر سکتا جو صرف اسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے کہ پورا نظام تعلیم اسلام کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہر امانی زیر تعلیم نہ کی سلام کے سانچے میں اس طرح ڈھالے کہ تو حیدر رسالت اور اخوت کے عقیدہ اس کی زندگی کے وہ بنیادیں ہیں جن سے وہ گردانی دین کی بڑی بڑی طاقت



تالیف: مولانا حافظ عزیزی الدین مراد آبادی
ضمانت: ۱۴ صفحات

اکمل البیان

فی تائید
تقویتہ الایمان

و جلد: رنگین سسورق، قیمت: اٹھارہ روپے
پیش کش: مکتبہ رشیدیہ، لاہور

حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے توارک کے ذریعہ سکھوں سے اور زبان و قلم سے شرک و بدعت کے مظاہر اور رسوم و عقائد سے جہاد کیا، حضرت شاہ شہید جہاٹ ایمانی سے کام لے کر شرک و بدعت کا رد فرماتے اور ہندوستان میں توحید فاضل کا مطلع خطاباً فرماتا، یہ ان کی جہد جہد تھی، جس کی بدولت آج پاکستان اور ہندوستان کے مسلمانوں میں توحید و سنت اور شرک و بدعت کے درمیان امتیاز برپا ہے، "تقویتہ الایمان" شاہ شہید کی شہرہ آفاق اور بے مثال تصنیف ہے، شرک و بدعت کے لئے پانچ "فرب کیم" اور دو جو سہ سہ کاندہ عقائد و رسوم اور بدعات سے شغف رکھتے ہیں، ان کو سب سے زیادہ جلن تقویتہ الایمان کا نام سن کر ہوتی ہے کہ یہ کتاب قبر پرستوں کے مسلک ضلالت پر فیصد کن ضرب لگاتی ہے۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی، جن کے نام کے ساتھ ان کے معتقدین "اعلیٰ حضرت" لکھتے ہیں، مولانا مفتی نعیم الدین مراد آبادی دامتوفی ۱۳۹۷ھ، اہل "اعلیٰ حضرت" کے شہید گرو اور خلیفہ گزرے ہیں۔ ان مراد آبادی صاحب نے "تقویتہ الایمان" کے مد میں "اطیب البیان" نام کی ایک کتاب لکھی تھی جس کے جواب اور تردید کی توفیق اسی شہر کے ایک توحید شناس عالم — مولانا حافظ عزیزی الدین — کو میسر آئی۔

یہ کتاب در اکمل البیان، فاضل فائدہ مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم و مفتی کے ایما پر لکھی شروع کی تھی، جس کے بعض اجزاء انھیں "ابن حدیث" امرتسری شائع ہوتے رہے، مگر اشاعت کا یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوبھائی اگر جہد و جہد فرماتے تو یہ نادر و شگفتہ تالیف گنگائی کی نذر ہو کر رہ جاتی، مولانا محمد سرفراز نے ۱۹۵۷ء میں دیکھی جاگن اس کتاب کا پتہ لگایا، اسے حاصل کیا، اور پھر اس کی ترتیب و ترمیم کی، جہاں شدید ضرورت محسوس کی گئی، وہاں عبارت کو رد فرمایا، مولانا محمد عطاء اللہ صاحب نے جس پر محض محنت و حق بینی کے ساتھ "اکمل البیان" کی ترتیب و ترمیم کی ہے، اس دینی کارنامہ پر وہ ملت اسلامیہ کی جانب سے تحسین و تہنیک کے مستحق ہیں۔

کتاب کی ترتیب و ترمیم کے بعد اس کی کتابت و طباعت کا مرحلہ پیش آیا، یہ مرحلہ و فرما مولانا محمد اسماعیل صاحب امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کی کوششوں سے طے ہو گیا۔ ان کے بعض اصحاب نے طباعت و اشاعت کی مالی ذمہ داری اپنے سر لے لی، اور اس طرح شرک و بدعت کے رد میں یہ "الف نیکو پیڈیا" تیار ہو کر منظر عام پر آگئی۔

اس کتاب پر بھیا مولانا محمد عطاء اللہ حنیف نے جو مقدمہ بہ عنوان "تصدیر" لکھا ہے وہ معلومات آفریں ہے، فرماتے ہیں: ۱۔

تقریباً ایمان پر اعتراضات مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی مرحوم کو بھی تھے، مثلاً وہ جو بعد میں
 "مسئلہ اسکان و امتناع نظیر" کا عنوان پا گیا، جس کا جواب مولانا ہشتبند ہی نے تسلیم برداشتہ
 لکھ دیا تھا، جو "یک مذی کے نام سے شائع ہو چکا ہے، غالباً اس کے بعد مولانا خیر آبادی مرصوف نے
 "تحقیق الفتویٰ فی البطلان الفتویٰ" کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی، جس کا جواب مولانا سید مصیٰ (راہبوری)
 (ڈیڑی و متوفی ۱۸۷۵ء) نے تحفہ قریبا (صواعق ص ۲۶) میں

اس سلسلہ میں مولانا ہشتبند کی قوت و دلیل کا شاید نتیجہ تھا کہ مولانا فضل حق کے بعض شاگردوں نے بھی
 مولانا کی تائید کی، مثلاً مولانا سراج الدین گھنوی، جنہوں نے اُسٹا کے رد اور مولانا کے حق میں ایک رسالہ
 لکھا (زینتہ الخواطر ص ۱۹، ۷۶) بلکہ حضرت مفتی حسام الدین آزادہ وغیرہ نے بھی مولانا کی تائید میں قریب
 شائع کرائیں۔

"سلم ہوتا ہے کہ یہ فریض یا مسودہ جہ بمصداق" الناس اعادہ لما بعدہ " غلط مفروض پر مبنی
 اور زیادہ تر علمی یا معاشرانہ چٹسنگ قسم کی رالی، تکفیر و تبدیلی کے فتوؤں تک اس کی نوبت نہیں
 پہنچتی تھی، اور نہ مولانا پر "وہایت" کا ٹھہر لگا گیا تھا، اور جوں جوں غلط ہمیں کے ہاں چٹھنے گئے،
 وہ مخالفت بتدریج کم ہوتے ہوئے تقریباً ختم ہی ہو گئی تھی، مولانا ہشتبند الدین بھی "خوف" کا پڑ گئے،
 مولانا فضل حق خیر آبادی نے تو اپنی "غلطی کا اعتراف ہی فرمایا تھا وہایت معنی وہایت احد
 صاحب دھنیت علم الصیغہ کہ ا۔"

"مولوی فضل حق صاحب بہت نادوم تھے اور دیتے تھے کہ وہ مجھ سے سخت غلطی
 ہوئی کہ میں نے مولوی اسماعیل صاحب کی مخالفت کی، وہ بے شک حق پر تھے، اور میں
 غلطی پر تھا۔" (اکس البیان ص ۸۱۱ بحوالہ امیر المصلیات)

اس کے بعد مولانا مرصوف نے وہ تفصیل بیان کی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انگریزی حکومت کے اٹھائے ہوئے "وہایت" کے
 پر توجید و سنت کے احیاء کی اس مقدس تحریک کی کس کس طرح مخالفت کی گئی، اور اس سے مقصود مجاہدین کو ہندوستان کے سب لوگوں پر
 ہندم کنا اور غیر مقبول بنانا تھا۔

مولانا مفتی نعیم الدین مراد آبادی نے "تقریباً ایمان" کے مدعیوں جو زبان استعمال کی ہے وہ سب دشمن کی زبان ہے اور جب ا
 تک دلائل کا قصق ہے وہ اکثر و بیشتر انتہائی کمزور و ضعیف، پلر، پوچھ جگہ متعدد مقامات پر صحت کے انگریز ہیں، بدعت و شرک کا امر
 دنیا میں یہ دہل پڑتا ہے کہ ہر علمی فہم صحیح اور سوچنے سمجھنے کی قوت سے محروم ہو جاتا ہے! مولانا حافظ عزیز الدین مراد آبادی نے اس قدر
 مقبول اور مستجاب جواب دے دیے ہیں کہ ان کے لئے ایک ایک سطر پر دل سے دعائیں نکلتی ہیں!

کتاب کی زبان بھی سادہ و اندھا فہم ہے مگر کیا نہیں "خوابات" (ص ۹۶) اور "انبیاء و اولیاء" (ص ۸۰)
 بھی پڑھنا پڑا، صفحہ ۶۶ پر "تبرکات ان ناموں کو پکار کر کہتے تھے" نظر آیا یہ کتاب کی غلطی ہے کہ "بیا کرتے تھے" کے بجائے "پہا کرتے تھے"
 چھپ گیا۔

یہ کتاب ہے تو، اطمینان کے رد اور تقریباً ایمان کی تائید میں، مگر اس میں تقریباً وہ مائل آگئے ہیں جو شرک کا نہ عقائد

درموم اللہ ہدایات کی بنیاد پر، انھوں نے قسم الطور سے ذہن و فکر میں بعض خلیفانہ تھے، جو اس کتاب کے مطالعہ سے مدد ہو گئے، ان کے ذہن کی اس قدر تفصیل و توضیح کے ساتھ تردید اللہ کی کتاب میں دیکھنے میں نہیں آتی، پھر جو بات کہی ہے عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ کہی ہے یہ کتاب خواص و عوام سبھی کے پڑھنے کے لائق ہے، فاضل مصنف نے اپنی فکر و ہدایت کے علم کلام کی دھجیاں بکھیر کر دکھادی ہیں، اللہ ان کے مشکب فضیلت کو ہر ہی طرح سے نقاب کر دیا ہے، یہ کتاب اپنے موضوع پر ہر عقیدہ کا مایاب، مفید اللہ قابل مطالعہ ہے، کتب سببش علی مدظلہ اہل ہدایت کے کارکنوں کو بھی اس کتاب کی اشاعت پر اللہ تعالیٰ وادین میں اجر عطا فرماتے گا!

برائے عثمانؓ
از: مولانا خضر احمد عثمانی، ضخامت ۸، صفحات ۸، قیمت بارہ آنے،
مرکزی مجلس خدام صحابہ طہان۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنے رسالہ "ترجمان القرآن" میں ایک طویل مقالہ — خلافت راشدہ سے ملوکیت تک — لکھا تھا، اس مضمون میں حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت کے بعض اہم واقعات پر تنقید کی گئی تھی جن میں قریب قریب تمام مروجین کے نزدیک "اضطراب" پایا جاتا ہے، مولانا مودودی کے اس مقالہ پر دینی حلقوں میں خاصی چرچا ہوئی، اور بعض جوانوں نے اس کا جواب بھی دیا، اہل سنت دار شہابؒ دلا ہدم میں حضرت مولانا خضر احمد عثمانی نے اس مضمون کی تفصیل کے ساتھ مولانا مودودی کے مقالہ کا جواب تحریر فرمایا ہے، مرکزی مجلس خدام صحابہؓ پاکستان طہان نے کتابی صورت میں "برائے عثمان" کے نام سے شائع کیا ہے۔

مولانا خضر احمد عثمانی کا علم و فضل اہل علم کے نزدیک مسلم ہے، ان کی کوئی ایسی قریبی جہادری نظر سے نہیں گزری، جس میں مولانا مودودی کی ذات سے کہہ سکیں کہ انھوں نے اپنی ذات سے کہہ سکیں، مولانا مودودی نے یہ مقالہ خاص و مختاریت کے جذبہ کے تحت لکھا ہے، اپنے مسلک اور عقیدے کی تائید میں انہوں نے تاریخی حوالوں سے استدلال کیا ہے، زبان اور لہجہ بھی شائستہ ہے، اس کتاب کو پڑھ کر لکھنے کا قلب اس پر مطمئن ہو جائے کہ حضرت عثمانؓ کی پالیسی اور عمل سے جو "اضطراب" منسوب کئے جاتے ہیں، وہ جوتے نہیں، اللہ ہی کے ستور ہیں — تو ہم اس "قلب مطمئن" کے واسطے ہیں کوئی شکک محسوس نہیں کریں گے، بلکہ اس کو قدر و استحقاق کی نگاہ سے دیکھیں گے!

ہم نے ابھی ابھی "برائے عثمان" کے فاضل مصنف کے زبان و لہجہ کی تعریف کی ہے مگر اس کتاب پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے جو مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔ اس سے جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے خلاف بعض و عداوت کا جذبہ نمایاں طریقہ ہو چکا ہے، ہم ان علماء کو جانتے ہیں جنہوں نے جماعت اسلامی اور اس کے امیر پر بے بنیاد الزامات لگا کر اند غلط کہیں جو کہ حرام کو گمراہ کیا ہے!

اس کتاب دربار عثمانی پر نقد و تبصرہ کے سلسلہ میں جو موضوعات سامنے آئے ہیں، اس پر ہم اللہ سے تفصیل کے ساتھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ صحابہ کرام کے دینیان جو اختلافات و مباحثات رہے، تو بہت نزاع اور جنگ و جدل تک پہنچی اور فرشتہ تقدیر بوسا ہو کر با اس کے بارے میں تین مسلک ہیں (۱) یہ کہ ان معاملات میں سر سے سے ہی گفتگو نہ کی جائے، خاموشی ہی بہتر ہے، کیونکہ تمامیت کے بدلے ہمارے اپنے اعمال کے بارے میں بات چیس کی جائے گی، صحابہ کرام کے معاملات میں جاری کیا راتہ اور فیصلہ ہے، اس کی باز پرس نہ ہوگی، — (۲) یہ کہ صحابہ کرام پر جو جوتے مقابلیہ میں "تعدیل" کو ترجیح دیا جائے، اگر ایسی رعایت ہو کر زور اور ضعیف ہر اس کے کسی صحابی کے حق اعتراض قول و فعل کی، تعدیل ہو کر تو اسے قبول کر لیا جائے، یہ کہ صحابہ کرام کے دینیان جو معاملات چمچ آئے، وہ تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں جن نسخہ مروجین نے ان واقعات کو تبدیل کیا ہے وہ صحابہ کرام کے معاندانہ دین کے برخلاف نہیں تھے، جو واقعات سینکڑوں صفحات میں پیچھے ہوئے ہیں، ان کے بارے میں اہل علم اور اہل تحقیق گفتگو اور خاکہ کریں تو ان کے اس فعل کو "تبیح صحابہ" سے منسوب اندر مروج نہیں کیا جائے گا۔ تاریخ کی ان کتابوں کو مسلمان بھی نہیں غور نہیں کرتے ہیں، ہمارے کاروں اندر پڑ کر کئیوں کے نقاب تک میں بعض کتابیں داخل ہیں،

ان کتابوں کے ساتھ دوسرے کئے جاسکتے ہیں ایک یہ کہ ان میں اختلاف صحابہ کے واقعات میں، ان پر کوئی رائے نہ دی جائے نہ گفتگو اور محاکمہ کیا جائے، ان واقعات کے پڑھنے والے جو چاہیں پڑھ لیں، دوسرا یہ کہ ان واقعات پر محتاط انداز میں نقد و تعریف کر کے قارئین کو وہ تصدیق دیا جائے جو اعتدال و انصاف سے زیادہ سے زیادہ قریب ہو، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

”ابن محمد فرماتے ہیں یہ وہ ناخیز جن سے میں نے اپنی بحث میں سامان مواد لیا ہے، اگر یہ اُس دور کی تاریخ کے معاملہ میں قابل اعتماد نہیں تو پھر اعلان کر دیجئے کہ مجدد رسالت سے آئینوں و ملک کی کوئی اسلامی تاریخ دنیا میں موجود نہیں ہے کیونکہ مجدد رسالت کے بعد سے کئی صدیوں تک پوری اسلامی تاریخ زمین کی تاریخ سمیت، انہی ذرائع سے ہم تک پہنچی ہے، اگر یہ قابل اعتماد نہیں ہیں تو ان کی بیان کی ہوئی خلافت راشدہ کی تاریخ اور اس اسلام کی سیرت اہل انصاف کے کارنامے سب اکاذیب کے دفتر میں، مضبوطی کے ساتھ بھی و ثوق کے ساتھ نہیں کر سکتے، دنیا بھی اس اصول کو نہیں مان سکتی اور کوئی کیا، خود مسلمانوں کا موجودہ تسلیم بھی اس بات کو ہرگز قبول نہ کریں کہ ہمارے ہندوؤں کی جو خوبیاں یہ تاریخیں بیان کرتی ہیں وہ تو سب جھج ہیں، مگر جو کمزوریاں بھی کتاب میں پیش کرتی ہیں، وہ سب غلط ہیں، اور اگر آپ کا خیال ہے کہ شعبوں کی سازش ایسی طاقت و مدد دیتی کہ ان کے دلائل سے اہل سنت کے یہ لوگ بھی محفوظ نہ رہ سکے اہل ان کتابوں میں بھی شیشی دھماکے نے داخل ہو کر اُس دور کی تصویر بگاڑ کر رکھ دی ہے، تو میں حیران ہوں کہ ان کی اس نخل انانادگی سے آخر حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی سیرت اور ان کے مجدد کی تاریخ کیسے محفوظ رہ گئی؟“

مولانا مودودی کی تحسید کا جو اقتباس اوپر دیا گیا ہے، وہ ایک مختصر، معقول اور صاحب تحقیق و نظر انسان کی رائے ہے۔

یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ ابن سعد، ابن جریر طبری، حافظ ابن عبد البر، ابن الاثیر اور ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہم نے خدا انہیں مستند صحابہ کرام کو بدنام اور مطعون کرنے کی نیت سے ان واقعات کا ذکر نہیں کیا، ان کے بعد جن کسی نے بھی اُس دور کی تاریخ لکھی ہے، ان واقعات کو ذکر ہرایا ہے اور بعض مورخین نے ان واقعات کے مابین محاکمہ بھی کیا ہے۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی ان واقعات کو مستند تاریخی حوالوں کے ساتھ پیش کر کے نتیجہ اخذ کیا ہے۔ گزشتہ اکابر مورخین اور اہل نقد و نظر کو ایسا کہنے کے سبب ”قدح صحابہ“ کا کسی نے مجرم نہیں گردانا۔ اس صورت میں مودودی صاحب پر بھی فرد جرم بھی نہیں لگائی جاسکتی، زیادہ سے زیادہ ان کے پاس سے یہ کہا جاسکتا ہے، کہ وہ ان جہات سے صرف نظر کرتے تو اچھا تھا۔

اس قسم کے مضامین اور اس نوع کی تحریروں میں سب سے پہلے یہ چیز دیکھنی کی ہے کہ لکھنے والے کا مسلک کیا ہے! مثلاً ایک عالم سنت رسولؐ کو دین میں جنت سمجھتا ہے اُس نے اپنی تحریروں اور کتابوں میں جگہ جگہ ”سنت رسولؐ کو دینی جنت کی حیثیت سے پیش کیا ہے، اس عقیدہ کے ساتھ بعض روایات پر جو حضورؐ یا کسی دوسرے نبیؐ کی سیرت یا کسی دینی اصل سے متصادم نظر آتی ہیں، وہ جرح بھی کرتا ہے تو ایسا کہنے کے سبب اُس پر انکار حدیث کی فرد جرم نہیں لگائی جائے گی! اسی طرح ایک اہل باطن جو صحابہ کرام کے ”مدول“ ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے، اُس نے اپنی تحریروں میں صحابہ کرام کے اقوال و افعال کو جگہ جگہ دینی سند کے طور پر پیش کیا ہے اور وہ نہ تو ناموسی ہے اور نہ خارجی اور اضعاف ہے، اس مسلک اور عقیدہ کے ساتھ مستند تاریخی روایات کا تذکرہ اور ان کے مابین محاکمہ کرتے ہوئے، دوچار صحابہ کے بعض مابہ التزام احوال و واقعات پر نقد و نظر کی نوبت تک آجاتی ہے تو ایسا کہنے کے سبب صحابہ کرام

کی امانت کا التزام اس پر نہیں لگایا جاسکتا۔

اس عقیدے کی صحت سے کون الٹا کر سکتا ہے کہ عصمت صرف نبوت و رسالت کی صفت اور خصوصیت ہے، صوابیت یا ولایت کی صفت "عصمت" نہیں ہے، اسی لئے تنقید سے بالاتر صرف انبیاء کرام کی مقدس شخصیتیں ہیں، بعض لوگ "تنقید کا نام سن کر ہمارے ہوجاتے ہیں۔ تنقید کے معنی جب جوتی کے نہیں بلکہ پرکھنے کے ہیں، انبیاء معصوم میں ایذا والی "پرکھنے" کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، صحابہ کرام معصوم نہیں ہیں، ان "تنقید" کی گنجائش کا امکان ہے! "تنقید کے معنی صحابہ کرام کی تکفیر و تفسیس، تفسیق، امانت کے ہرگز نہیں، ہیں (خاصی، خارجی اور داخلی جو معاملہ صحابہ کرام کے ساتھ کرتے ہیں وہ کھلی ہوئی ضلالت و گمراہی کا معاملہ ہے، اللہ تعالیٰ ان فاسق و فہاد سے ہر اہل ایمان کو محفوظ رکھے۔ (آمین)

غالب اہل علم میں جن فقہی مسائل کے درمیان اختلاف پائے جاتے ہیں ان میں اصل بنیادی یہی تو ہے کہ صحابہ کرام کے اقوال و آثار اور فتاویٰ کے حرمیان ہمارے ایک کو دوسرے پر ترجیح دیا گئی ہے، جبکہ بعض مسائل میں ائمہ فقہ نے کسی ایک یا چند صحابہ کے قول و عمل اور فتویٰ کے مقابلہ میں دوسرے صحابی کے قول و عمل کو صحیح اور درست نہیں سمجھا، اور باب فقہ کا یہ عمل "پرکھنا" و تنقید نہیں تو ادا کیا ہے، جب یہ بات یقینی جاتی ہے کہ انبیاء کرام کے علاوہ اور کوئی شخصیت تنقید سے بالاتر نہیں ہے تو اس سے یہ غلط فہم نکالنا ذہن کی بجلی کی دیس ہے کہ اس عقیدہ اور تفسیر کے بعد انہی صحابہ کرام کو غلط کار ٹھہرا دیا اور ان کا "عدل" ہونا مجروح ہو گیا،

تنقید کی روشنائیں، — حضرت سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سب کے نزدیک محترم اور مکرم ہیں، ان کے فتویٰ کی دھول بھی ہم جیسوں پر پڑ جائے تو ہم پاک ہو جائیں لیکن جب ان کی سیرت کا ذکر ہوگا تو ان واسطے اب اور دوسری وسائل کے بارے میں جو غلط فہم رکھتے تھے، اس پر ضرور تنقید کی جائے گی، کہ اس مسئلہ میں وہ بہت زیادہ شدید اور انتہا پسند تھے، ان کے اس نظریہ کے ساتھ دنیا کے کاروبار کا چھنا مشکل ہے — کیا اس قسم کی تنقید پر متعین "لاگناں" ہو سکتا ہے، اور یہ تنقید کیا جائز تنقید نہیں ہے، جس سے دین ہی کی بھڑائی منقص رہے، دوسری مثال حضرت سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے کہ "معاذین" کو دوسری سورتوں کی طرح قرآن کا پھونکھنے میں، ان کی مائے دوسرے صحابہ سے منفرد بلکہ مختلف تھی، حضرت عبداللہ ابن مسعود کی عظمت، صوابیت، تفقہ فی الدین اور علم و تقویٰ اپنی جگہ مسلم گمراہان کی اس مائے قبول نہیں کیا گیا اور نہ کیا جائے گا اور جب بھی صحیح و ترتیب قرآن کی مفصل تاریخ لکھی جائے گی تو ان کی اس منفرد مائے پرفروغ تنقید ہوگی۔

تنقید کی ایک اور مثال جہان دونوں مثالوں سے شدید تر ہے، وہ حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ انہی نے حضرات یثربین (رضی اللہ عنہم) کی بیعت نہیں کی، حضرت سعد کا یہ طرز عمل پسندیدہ نہ تھا، مولانا ابن احسن اصحابی نے تو حضرت موصوف کے اس خاص طرز عمل کی "بقائے بحیثیت" کو منسوب کیا ہے، ایک اور فقہ عالم، جو کتنی ہی کتابوں کے مصنف ہیں اور حنفی مذہب کی ممانعت میں مجاہد کی حیثیت رکھتے ہیں، ان سے اس واقعہ کا ذکر آیا تو فرمایا کہ حضرت سعد ابن عبادہ کے اس طرز عمل میں ان کا "نفس" شریک تھا، کبھی کبھار یہ تقاضاے بشری بعض صحابہ کرام سے اس قسم کی گمراہیاں پائے گئی ہیں، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے "اانت" یا "قدح" نہیں کہا جاسکتا، اور نہ اس سے "العیاذ باللہ" کی واقعیت پر صرف آتا ہے، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنے مضمون میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے —

"صحابہ کرام کے متعلق میرا عقیدہ بھی وہی ہے جو تمام محدثین و فقہاء اور علما و ائمتہ کا عقیدہ ہے کہ "کلمہ عدل" ظاہر ہے کہ ہم تک دین کو پہنچنے کا ذریعہ دیکھیں، اگر ان کی عظمت میں ذلہ و بابت شب پیدا ہو جائے تو دین ہی مشتبہ

ہو جاتا ہے، لیکن میں "اصحابِ کلیم عدول" (صحابہ راستہ ازہیں) کا مطلب یہ نہیں لیتا کہ تمام صحابہ بے خط تھے، اور ان میں کا ہر ایک ہر قسم کی بشری کمزوریوں سے بالاتر تھا اور ان میں سے کسی نے بھی کوئی فعلی نہیں کی ہے، بلکہ میں اس کا مطلب یہ لیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ اہمیت کرنے یا آپ کی طرف کوئی بات منسوب کرنے میں، کسی صحابی نے کسی راستی سے ہرگز تجاوز نہیں کیا ہے، پہلا مطلب گریا جانے کو تاریخ ہی نہیں، حدیث کی مستند اور قوی روایات بھی اس کی تائید نہیں کریں گی، اور دوسرا مطلب اگر یہ جانتے تو وہ قطعی طور پر ثابت ہے، جس کے خلاف کوئی شخص کسی قابلِ اعتماد ذیلیہ سے کوئی ثبوت نہیں لاسکتا، عہد ہے کہ صحابہ کی باہمی لڑائیوں تک میں جب کہ سخت خونریزیاں اُٹنے کے درمیان ہوتیں کبھی کسی فحشیت سے کوئی حدیث اپنے مطلب کے لئے اپنی طرف سے گھڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں کی، نہ کسی صحیح حدیث کو اس بنا پر جھٹلایا کہ وہ اس کے خلاف دیکھے گئے خلاف پڑتی ہے اس سچے مٹ جرات صحابہ کی بحث میں یہ ذہنی الجھن لائق نہیں ہونی چاہئے کہ اگر کسی کا فعلی پر ہونا مان لیا جائے تو اس سے بین خط کے میں پڑ جائے گا.....

میں صحابہ پر سب سے تمام غیر نبوی انسانوں کو غیر مصہوم سمجھتا ہوں، اور مصہومیت میرے نزدیک صرف انہی کیسے خاص ہے میرا خیال ہے کہ غیر نبوی انسانوں میں کوئی شخص اس معنی میں ہندگ نہیں جوتا کہ اس سے فعلی کا صدور محال ہے یا اس نے کبھی فعلی نہیں کی ہے بلکہ اس معنی میں ہندگ ہوتا ہے کہ علم و حسن کے لحاظ سے اس کی زندگی میں غیر غالب ہے، پھر حقائق زیادہ کسی میں غیر غالب ہوتا ہے، میں اس کو اتنا ہی بڑا ہندگ مانتا ہوں!

اس معاملہ میں میرے اور دوسرے لوگوں کے نقطہ نظر میں ایک بنیادی فرق ہے جس کی وجہ سے بسا اوقات میری پوزیشن کو سمجھنے میں غلط فہمی لاحق ہو جاتی ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ جو ہندگ ہے وہ فعلی نہیں کرتا اور جو فعلی کرتا ہے وہ ہندگ نہیں ہے، اس نظر کے کی بنا پر وہ جانتے ہیں کہ کسی ہندگ کے کسی کام کو غلط نہ کہا جائے اور مزید برآں وہ یہ بھی گمان کرتے ہیں کہ جو شخص ان کے کسی کام کو غلط کہتا ہے وہ ان کو ہندگ نہیں مانتا، میرا نظریہ اس کے برعکس ہے، میرے نزدیک ایک غیر نبوی ہندگ کا کوئی کام غلط بھی ہو سکتا ہے اور اس کے باوجود وہ ہندگ ہی رہ سکتا ہے.....

..... غلطیاں بڑے سے بڑے انسانوں سے بھی ہو جاتی ہیں اور ان سے ان کی بڑائی میں کوئی تسدق نہیں آتا، کیونکہ ان کا مرتبہ ان کے عظیم کارناموں کی بنا پر تعین ہوتا ہے نہ کہ ان کی کسی ایک یا دو خاص فیصلہ کی بنا پر!

مولانا مودودی کی اس وضاحت و تصریح کے بعد اُن لوگوں کا ذہن صاف ہو جانا چاہئے جو ان کی بعض تنقیدیں سے ہندگوں کا امانت یا سرور ادب منسوب کرتے ہیں، یہ تقاضائے بشری سرود ہی صاحب کا قلم تنقید میں کہیں تیز ہو گیا ہے اور یہ "تیزی" اُن پر واضح کر دیا جائے تو مروت اپنی کبھی ہوئی عبارت پر اصرار نہیں کرتے، دلائل کے ذریعہ مطمئن ہو جانے کے بعد وہ اپنی تحریروں میں رد و بدل اور اضافہ کرنے میں پس و پیش نہیں کرتے! مجھے یحییٰ عہد ان سے اُن کے لکھے ہوئے بعض جملوں پر انہیں تو کا تو مودودی صاحب نے فراموشی کے س اپنی لکھنؤ قیاسم کو مان لیا۔ مودودی صاحب کی عظمت و احترام کے باوجود میں اُن کو غلطیوں سے محفوظ نہیں سمجھتا، مگر مولانا مودودی بشدہ

کمزور ہیں اور غلطیوں کے باوجود مگر وہ نہیں ہیں، وہ دین و ملت کے غیر خواہ اور ہمدرد ہیں ان کے زبان و قلم اور فکر و عمل کی قوتوں سے دین و ملت کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور انہوں نے عمر و محاذ پر زبان و قلم سے اسلام کی ممانعت کی ہے، ان کی کتابیں اسلامی ادب کا قابل قدر سرمایہ ہیں جو لوگ مروت و دی صاحب سے "دین کی تحریک" منسوب کرتے ہیں وہ محاذ و قلعہ اور بغض و عناد میں مبتلا ہیں اور انہیں اس تہمت تراشی اور افتراء بازی کی اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دہی کافی ہوگی۔

اب ہم نفسِ سید کی طرف آتے ہیں۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اور حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا نام نہ لے سکتا۔ سے دینی ترقی کے شباب و جمال کا زمانہ ہے، خلیفہ کے طرز انتخاب کا معاملہ ہو یا باغ و ترک کا مسئلہ مرتدین اور معاندین زکوٰۃ سے جنگ کا موضوع یا اصولِ حکمرانی کا بحث، سادہ ہے "اقامتِ دین کا مسئلہ بھی"۔ ان تمام مسائل اور واقعات و حالات میں مسلمانوں کے ایک فرقہ کے علاوہ پوری ملت اسلامیہ حضراتِ شیعین کے موقف اور طرزِ نگاہ کو نہ صرف حق یہ جانب بلکہ میں حق سمجھتی، ناجائز اور ناجائز ہے! جو مومنین شیعین کے دورِ خلافت کو سراہتے ہیں، انہی نے حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے "اضطرابات" کا ذکر کیا ہے یہ تمام کے تمام "اضطرابات" جلی، فرضی اور وضعی نہیں ہیں، مولانا مروتی نے بھی اپنے مقالہ میں حمد عثمانی کے ان اضطرابات کو دہرایا ہے! اس حقیقت اور واقعیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت صدیق و فاروق کے دورِ خلافت میں حکومت کی مشینیں جس سبب کے ساتھ کسی ہوئی تھی، حضرت عثمانؓ کے عہد میں وہ بالکل ویسی نہیں رہی، حکومت کے کل پندوں میں کہیں کہیں ڈھیس پیدا ہو گئی! اس ڈھیل کا نمایاں مظہر نواسیہ کا سرور ہے جس نے آگے چل کر خلافت کا رخ ملکیت کی طرف موڑ دیا۔

مولانا مروتی نے ہر عثمانی کے اضطرابات کا بینک ذکر کیا ہے، مگر انہوں نے ان واقعات سے کوئی ایسا نتیجہ نہیں نکالا جس سے حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی نیت پر کوئی صحت آتا ہو۔ مروتی صاحب لکھتے ہیں۔

"سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اقربا کے معاملہ میں جو طرزِ عمل اختیار فرمایا، اس کے متعلق میرے وہم و گمان میں بھی، کبھی یہ شبہ نہیں آیا کہ سداً اللہ کسی بدینتی پر مبنی تھا، ایمان والے کے سے ان کی شہادت تک ان کی پوری زندگی اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ترین اور محبوب ترین صحابیوں میں سے تھے، دین حق کے لئے ان کی قربانیاں ان کے جاہات پاکیزہ اخلاق اور ان کے توفی و جہاد کو دیکھ کر، آخر کو ان صاحبِ عقل یہ گمان کسکتا ہے کہ اس سیرت و کردار کا الٹا بدینتی کے ساتھ وہ طرزِ عمل اختیار کرسکتا ہے، جس کو آج کل کی سیاسی اصطلاح میں خونی فساد (Red Spot) کہتے ہیں وہ ان کے اس طرزِ عمل کی بنیاد دیتی تھی، انہوں نے خود بیان فرمائی ہے وہ اچھے صلہ رکھی کا حکم چاہتا ہے اس کا تقاضا اسی طرح پورا ہو سکتا ہے کہ اپنے منہ داند کے ساتھ جو بھلائی کتا بھی آدھی کے اختیار میں ہو، وہ اس سے دیکھتا ہے کہ یہ نیت کی غلطی نہیں، رائے کی غلطی ہے یا الفاظ دیگر اجتہاد کی غلطی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

یہ قرآن مجید اور مفسرین اور مفسرین اور طرزِ تفسیر و احتساب ہے کہ وہ خلفاء راشدین کی غلطیاں جن کا رنگ بدین گت نہ انہیں مگر وہ، ظالم بلکہ کافر تک کہتے ہیں! مولانا مروتی کا اس مسلک سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے کسی مضطرب واقعہ کے بارے میں معاذ اللہ بدینت نہیں لکھتے، وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاکیزہ اخلاق اور عبادت و تقویٰ کے قائل ہیں ان کی دینی قربانیاں کو مانع نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ترین اور مخصوص ترین صحابیوں میں انہیں شمار کرتے ہیں۔

جہاں کہا تھا کہ حضراتِ شیعین کے دورِ خلافت کے مقابلہ میں ہر عثمانی میں حکومت کی مشینیں کہیں کہیں ڈھیس پیدا ہو گئی تھی،

اس منید کے ساتھ ہم ابیں کامل ائمہ احمدیہ، خلیفہ راشد، ذوالنورین، دین دولت کا حسن، صاحب خدمات و تقویٰ، جس پر رسول
 انسانا قدم سمجھتے ہیں، بیشک سیدنا عثمانؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بنا دے دی تھی، آپ کی نیت الایمان کے
 انعام میں کوئی شے نہیں کیا جا سکتا اور ہمارا دلی یہ چاہتا ہے کہ ان اضطرابات میں درلیات و استبدالات کے ذریعہ مورخین ہمارے جہود
 ہو جائیں، مگر حضرت عثمانؓ نے جسے جو بعض مضطرب واقعات منسوب ہیں ان کی تبدیل ہو جائے (رضی اللہ عنہ)۔

مروان کی شخصیت کے بارے میں مولانا طہسار احمد عثمانی نجاشی کتاب (ربأہ عثمان) میں جو "تسلیل" کی زحمت فرماتی ہے،
 وہ بہت کچھ نقل نظر ہے تاریخ کی مستند روایات یہ بتاتی ہیں کہ مروان سے جو احوال واقعات تلمذ میں آئے ہیں وہ نقل عثمانؓ نہ کا
 سبب بنے، مروان حضرت عثمانؓ کی طرف سے ان کی اطلاع کے بغیر کسی حکم دے دیا کرتا تھا؛ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ
 کی حکومت قائم نہ ہونے دینے میں، تفرقہ کا باعث "مروان" ہی قرار پاتا ہے، طبقات ابن سعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ نقل مروان
 کے بارے میں ملتا ہے۔

"لیحمدن سرایہ ضلالتہ....."

مروان ضلالت کا جھنڈا اٹھانے کا

جولہ مروانؓ اللہ تعالیٰ کی "تسلیل" کی ذمہ داری اپنے سر لیتے ہیں وہ حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ کی "تسلیل" کو بھی کھلواور
 نقل نظر بنا دیتے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ حضرت سیدنا عثمانؓ رضی اللہ عنہ سے بالکل مختلف ہے، امت کا اس پر اجماع ہے کہ
 جس وصفین میں حق حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ملتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جس کے واقعہ پر ہدایت و مراجعت
 کی لافین نصیب ہوئی، حضرت امیر معاویہ اپنے وقت پر تھے، انہوں نے خلافت راشدہ کے مقابلہ میں اپنی امت قائم رکھی اور شریعت میں غلطی
 مائل نہ آئیں گورنری سے معزولی کیا، تو اس کے حکم کی خلاف ورزی کی، فقہ حنفی کی شہرہ آفاق کتاب ہدایہ میں امیر معاویہ کو "سکھان
 جائز" بتایا گیا ہے، اور حضرت علیؓ کو مروان کے موقف کے بارے میں لکھا ہے۔

"..... والحق بین علی رضی اللہ عنہ"

یہ موقف کہ حضرت علیؓ نا حق تھے، اور امیر معاویہ حق تھے، نا صبروں کا موقف ہے جو سو فیصدی غلط اور گمراہ کن ہے، دوسرا موقف یہ کہ
 حضرت علیؓ اور امیر معاویہ دونوں ہی حق تھے، یہ بھی درست نہیں ہے، سچی بات یہ ہے امیر معاویہ کا موقف ہے کہ امیر معاویہ اور حضرت علیؓ کے معاملہ
 میں "حق" علیؓ کے ساتھ تھا؛ امیر معاویہ نے خلافت کو لوگوں میں تبدیل کر دیا، ان کے پیچھے بیٹھے، ولی عہد اور جانشین — نہیں۔
 لے بادشاہ جن کو کچھ کیا وہ اسلامی تاریخ کے سپاہ اوراق ہیں!

مولانا عثمانی نے بڑی دلی جہد کی جو ان میں جو مبالغہ مچی کتب میں ان میں "امویت" کی جھلک پائی جاتی ہے، انہوں نے دلی جہد کی
 امیر معاویہ کا نا پسندیدہ کارنامہ ہے!

مروان کا معاملہ صفار صحابہ میں نہ تو حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور عبداللہ ابن زبیرؓ جیسے اور نہ بڑی عمر کے صحابہ
 میں امیر معاویہ کی مانند ہے، اب بھی احادیث کی دعایت تو اہل تشیع سے بعض روایتیں عدلیہ نے لی ہیں۔



مولانا ظفر احمد عثمانی فقہ حنفی کے کچھ بڑے عالم اللہ اعلا مالکین "جسٹس شوکت" اور کاتب کے مصنف اور مخالف ہیں، حیرت ہے کہ وہ اس حقیقت سے غریب نظر کر جاتے ہیں کہ "بقاات" کے مؤلفین فقہ حنفی میں اصل "قدحہ" حضرت سیدنا علیؑ مانے گئے ہیں اور ان سے لڑنے والے ہائی نظیر لائے گئے ہیں، خلیفہ راشد حضرت علیؑ کو م اللہ دبر کے مقابلہ میں حضرت امیر معاویہ کی حیثیت باقی گذر چکی ہے؛ اللہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حق واضح ہو گیا تھا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کرینید کے ولی محمد بنانے کی ہجرات سمجھائی تھی وہ دست مشورہ نہ تھا اور حضرت عمر بن العاص نے حضرت امیر معاویہ کو لڑائی میں جو یہ مشورہ دیا تھا کہ فوج نیزوں پر قرآن کو اٹھا لے، بٹنگ جنگی چال تھی۔ مگر ایسی چال جس کی تحسین نہیں کی جاسکتی، پھر "حکیم" کے مسئلہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ حضرت عمر بن العاص نے جو معاملہ کیا اُس کی جو کوئی "تعدیل" کرے گا، وہ ہر صحیح فطی کا ارتکاب کرے گا۔ کھلی ہرئی خطیروں اور دنیاوی تیروں کی "تعدیل" اپنی جگہ ذہنیت ہرئی فطی ہے اس ہمارے زمانے میں محمد و عباسی نے یہ فتنہ کھڑا کیا ہے کہ امیر معاویہ کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کے موقف کو ناقص اور تہید کے مقابلہ میں حضرت امام حسینؑ کا کو خطا کار ثابت کرنے کی مذہم کوشش کی ہے یہ "نا بصیرت" ہے، جو فضائل کا مسلک ہے، ہم اس مسلک سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہیں، انہوں نے کوشش کی ہے کہ شیعیہ سے فطی اور ناراضگی کے جوش میں بعض اہل سنت محمد و عباسی کے مسلک "بصیرت" سے متاثر ہو گئے ہیں۔

حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے موقف کی "تعدیل" کرتے کرتے خود ناقص مصنف (مولانا ظفر احمد عثمانی) ان معایتوں کو دہر کر گئے ہیں، جن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علیؑ کو م اللہ دبر کا موقف بخروج ہوتا ہے۔

● "ابن عباسؓ کو دغیرو نے حضرت شعبیؓ رجعت اللہ علیہ سے معایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کی وفات اُس وقت تک نہیں ہوئی، جب تک قریش اُن سے اُکتا نہ گئے، انہوں نے قریش (کے ہما جوین) کو مدینہ میں محصور کر دیا تھا۔ (دس ۶۲)

● "زبیل کے وہ افراد جو ہما جوین کرینید مانگے تھے، سب ہی خلافت کے اہل تھے، اس لئے ان سب کو حضرت عمرؓ مدینہ سے باہر آنے کی اجازت نہیں دی، بلکہ مدینہ میں محصور رکھا۔" (دس ۶۵)

● "اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان بھائیوں کی پند لیمن مضبوط کرتے کہ مالک اشتر غنی کو فوج کا کمانڈر انچیف بنادیا اللہ محمد بن ابی بکرؓ کو اپنا مشیر خاص یا سکریٹری بنالیا جو فتنہ قتل عثمان کے باقی تھے) اور ان کے ساتھیوں میں سے بھی کسی کو جس شہر میں شامل کر لیا گی، کچھ کو فوج میں، بلکہ خلافت کا منصب سنبھالتے ہی سب دن سے اپیل کرتے کہ ان بھائیوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ تو حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کو مقابلہ دم (خون) عثمان کے لئے دست اقدام پہنچنے کی نوبت نہ آئی۔"

● "اکی چترہ حضرت معاویہؓ اور ان کے ہم خیال صحابہ کی نظروں میں خلافت علیؑ کو خود غرض بنالیا اور بیک چلنے اس خیر مشورہ کو زیادہ قوی کر دیا۔"

حضرت عثمان غنیؓ کے وہ خلاف کے مسئلہ میں سیدنا علیؑ اور سیدی نبیؓ معایتوں کو نقل کیا ہے اور حضرت عمرؓ حضرت علیؑ کے ہم خیال نظروں میں لائی تھی معایتوں کو دہرایا ہے۔ اس صورت میں معایت کے نقل دکان سے فقہ جرحہ کی جو بصیرت پیش آتی ہے اس میں کوئی بزرگ کی ایک ہی مرتبہ

آئینِ وفا اٹالی گزیدہ مسندِ حسین، فضیلت، صفات (جلد ۱) رنگین سرِ صادق، کثرت، طباعت کاغذ، ہر پیریدہ زیب
قیمت ۱- تین روپے، غلے کا پتہ - مکتبہ دانشِ افروز، ۵۸ شریعت آباد، لاہور۔

سید مسندِ حسین صاحب کو، اہم اطراف اُس وقت سے جانتا ہے جب وہ ڈاکٹر "نہیں" ہوئے تھے، اللہ فانی ایم اے کے صاحبِ علم تھے، تیرھویں
اُن سے بارہ ماہ پہلے اب ۱۳۷۲-۷۳ سال پہلے کی بات ہے، راجِ صمدی تقدیر یا ختم ہو چکا ہے، شبہ شاعروں سے لئے اور خردِ ادب کی نشتر
اور محبتوں میں شریک ہونے کا مسندِ صاحب کو بہت شوق تھا شعر و سخن کے موضوع پر وہ دلچسپ گفتگو بھی کیا کرتے تھے۔ مگر اُن کا کوئی شعر
اُن کی زبان سے نہیں سنا۔ یہ انکشت تو لگا آج میں اب سے چھ سات برس پہلے ہوا کہ وہ بد وضع ہی سے شکر رہے ہیں، مگر متحدہ ہندوستان میں
شہر کی حیثیت سے نمایاں ہونے کی انہوں نے کوشش نہیں کی، پاکستان میں وہ منظر عام پر آئے، اس شان سے آئے کہ اونچے درجہ کے اہلِ نقد و
نظر کو چمکا دیا۔ شہرت و لغت "کے لئے کسی سید کی ضرورت ہے اس گزشتہ مسندِ صاحب واقف ہیں۔

سید مسندِ حسین علی گڑھ کے ایم اے، ایل بی اور پنجاب کے پی ایچ ڈی ہیں۔ کراچی میں کئی سال حکمران قیادت کے ڈپٹی ڈائریکٹر رہے، ادب
گوشت کا بچہ، پیر آباد کے پشپس ہیں، اُن کی نظم و نثر کی تعداد کئی ہزار ہے۔ "رقص و لہو" جو اُن کی روحانی نظموں کا مجموعہ ہے، اُس پر
"نہان" میں خاصی افسوس کے ساتھ تبصرہ آچکا ہے، ڈاکٹر صاحبِ بصورت کے تنقیدی مضامین معلومات آفریں ہوتے ہیں۔ اُن کی تخلیقات کی تعداد گیارہ
کتابوں تک پہنچ چکی ہے!

شعر گوئی اور نثر نگاری کے علاوہ "مرفیہ خوانی" ڈاکٹر مسندِ حسین صاحب کا خاص فن ہے۔ کراچی کی مجالسِ عظیم انہوں نے اس شان سے مرفیے
پڑھے کہ نہر میں دھرم پڑ گئی، اندیشہ تنقید کتاب "آئینِ وفا" میں ڈاکٹر محمد احسن قادری، بنجاب ہسپتال، حسین احمد قائم اطراف کے وہ تاثرات شامل کئے
گئے ہیں، جن میں مسندِ صاحب کی مرفیہ خوانی کو خاص تحسین و محبت پیش کی گئی ہے۔

"آئینِ وفا" — ڈاکٹر مسندِ حسین کا پہلا مآثر ہے۔ جس میں حضرت عباس علیہ السلام کی سیرت و حیات اور مذہم آرائی کو پوری قوت
کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، سید عابد علی قادری نے اس پر فاضلہ مسندِ صاحبہ، اس کے بعد خود شاعر نے اپنے بعض نظریات کے اقتباسات پیش کئے
ہیں جو مرفیہ گوئی کی صفت پر دلکش انداز میں تبصرہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

"آئینِ وفا" میں مسندِ صاحب نے بڑے سلیقہ اور محبت و محبت کے ساتھ اپنے جذبات اور تاثرات پیش کئے ہیں اور صنفِ نثر
کی رعایتوں کا خیال رکھا ہے۔ اور اپنی حد تک کوشش کی ہے کہ "مرفیہ" کی خصوصیات اول سے آخر تک بھلکتی رہیں۔ حضرت عباس کی منقبت میں یہ
بند کتنا پر شکوہ ہے —

عزم و جس کے لئے تنگ ہو غرور کو نین
وہ شہادت جو بچی قوت بازو سے حسین
وہ جلال کہ جو ستمی آیت رب الثقلین
ہم رن حوصلہ فاتحِ صفین و حنین

سرِ لبِ باپ کے اوصاف کی تصویر لئے
آئینہ عرش سے اُترا وہی تصویر لئے

ایک اور دلکش بند —

مدحِ عباس کا منصب مری قیمت کو عا
ایک ایک بیت پہ لینا ہے عسکری عدا

نہ حوصلہ ام لای کی بجائے - پیہر نظم کن پہنچتا تھا

بنس کے کہتے تھے کہ خستہ ہے شجاعت پر سلام
مرحمت شاہ کی جب آئینہ دکھاتی تھی
ہر شکن ابروئے عباس کی مٹ جاتی تھی

پہلی قدمی کوئی کرتا، یہ نہ تھی تاب و جمال
ابتری فوج میں ظاہر ہوئی جیسے بھرپور
شاہراہ سپہ شام تھے بھرے ہوئے چال
بدحواسی میں سمجھنے لگے تلوار کو ڈھال
دوش پر جاتے کمان فوجی بڑاں رکھا
تیغ و کشمیر رکھی دیان میں پکیاں رکھا

ماس و چپ آن کے محافظ تھے سندھ و سوار
شاہد عزم عزم تھی جن کی رفعت ار
ز پس پشت سپہ اور نہ کمر میں تلوار
چشم افلاک نے دیکھے تھے نہ ایسے جوار
دل شگفتہ تھے دیروں کے چمن کی صورت
دست نو لاد میں نیرے تھے کرن کی صورت

ایک بیک در سے بڑھتے ہوئے سائے دیکھے
کچھ جوی دوش پہ مشکیزے اٹھائے دیکھے

تالیق حکم عہدار تھے وہ تیس سوار نو
جن کی ثابت قدمی لفظ شجاعت کا وقار
جن کے زخموں سے کیا گلشن ملت نے سنگھار
خون سے جن کے لکھی وقت نے تاریخ بہار
رانسرس ہے اتنے جاندار شعروں کے بعد اس بند کی آخری بیت —
جن کا انسانہ روایات نکو کی سحرخی
بہرہ فخر پر ہے جن کی ہر کی سحرخی
میں کس قدر آندہ پائی جاتی ہے)

دم بخود نوج ہوئی سفیر خوشن کی طرح
خاک اڑنے لگی ڈیروں میں بیابان کی طرح

پس اس طرح سے ٹھکرا دے بھلا پانی کو
مڑ دیتی ہے دف فطرت۔ ان کی کو

دوسرا رخ —

چہرہ تصویر بنا رنگ نہایت کے لئے ان کی تلوار بنی ہاتھ مشیت کے لئے (ص ۴۷)
مصرعہ ثانی میں "آمد کی بجائے" آمد "نمایاں ہے۔

یہ وہ پانی کہ شجاعت کا جہ قلم میں سے ہوا دلاکھ کے لشکر میں تلاطم میں سے (ص ۵۱)
مصرعہ اولیٰ اظہار خیال اور اسلوبِ ادب کے اعتبار سے "ناپختہ" ہے۔

جسورہ قد حسین کی ہے عباس میں حضور ان کے آئینے پہ ہے شیر خدا کا پر تو (ص ۵۲)
"ان کے آئینے" سے آخر کیا مراد ہے؟ شاید "آئینہ دل" تو پھر "دل" کا آنا ضروری تھا!

ہوئے پیدا تو کھلی گود میں شیر کی آنکھ عمر بھر دیکھی اسی صاحبِ توقیر کی آنکھ (ص ۵۳)
مخادہ یوں ہے کہ "ندان شخص ہندگوں کی آنکھیں دیکھتے ہوئے ہے" اس میں "آنکھوں" کا بچہ نا ضروری ہے، واحد کے ساتھ جس طرح اس
مصرعہ ۱۔

میں ہے، دست نہیں، خود شاعری اس مصرعہ کی صحت اور درست کے بارے میں مذہب ہے اس لئے ذیلی حاشیہ میں اس کا بدل یہ مصرعہ ۱۔
نظر آتی تو اسی صاحبِ توقیر کی آنکھ

بھی لکھ دیا ہے، مگر اس مصرعہ میں شاعرانہ لطف کی خاصی محسوس ہوتی ہے! "تو" نے بات کو اندھا دہ بگاڑ دیا، کیا حضرت عباس کو امام
حسین کی آنکھ کے علاوہ پورے گھرانے میں اندکسی کی آنکھ ہی دکھائی نہیں دیتی تھی۔

ہر تہمت سے نمایاں ہوئی تنہا کی آنکھ

آنکھ وہ آنکھ کہ کہنے جسے تاثیر کی آنکھ

"تنہا کی آنکھ" کیا ہوتی ہے! "تاثیر کی آنکھ" اس سے زیادہ مفہم فیضِ اشعار کا پہلا مصرعہ خاصہ اچھا ہے (ہوئے پیدا تو کھلی گود میں شیر
کی آنکھ) اس مصرعہ کو ہنسنا د رکھنے کے لئے انہوں نے بعد کے تین مصرعے جوڑے ہیں!

ہوئی عباس کو تعویضِ خلائی حسین لوحِ قسمت پہ کھدا نام گرائی حسین (ص ۵۴)
مصرعہ ثانی میں بڑا تکلف پایا جاتا ہے! "کھدا" نے شکر کی لطافت کو مجسورہ کر دیا۔

دل سے آواز آیا تو حق اُجھ لایکھتے عزم کہتا تھا کہ دنیا تو بالائیکھتے (ص ۵۵)
اس سے پہلے مصرعوں میں "اندھیرے" کا ذکر آتا تو بند کی آواز بیت میں "اچھا لکھتے" موزوں لگتا!

بیتِ شیر سے گر گئی ہوئی حاکم کی زبان گرجِ سر دفترِ اشعارِ مدینہ مروان (ص ۵۶)

معمر ثانی میں "تھا" یا "سمجھا جاتا تھا" لفظ فردی تھا، ایسے موقعوں پر الفاظ کا حذف ہونا شعر کی ناپختہ کاری کی دلیل ہے۔
 حادثہ بدولت عباس کے حق میں ہوا تیر :- زبور حضرت مسلم نہیں حقیقی ہمشیر (ص ۵۹)
 معمر ثانی کسی قدر گزند بگڑا ہے۔

مانگ امد کو کہ ہے کیا امر الہی میں بہن
 اس بیت میں "شربت" کا قند و در پر نہیں :- مانگ امد کو کہ ہے کیا "اس نگرے نے شرم و گناہ قسم کا ابہام بھی پیدا کیا۔
 ہر نہ دایس ابھی تہسہ خدا ماہ میں ہے
 ہر نہ گولیت مولائے حق آگاہ میں ہے (ص ۶۰)
 حرف غزلوں کو جو کر شعر استود کر دیا ہے، حالانکہ شاعر کا لفظ بیان کا نام ہے۔

کئی دن سے نہ ملا تھا آنہیں اک قطرہ آب
 ہر نگ و دے دکھایا تھا تماشائے مراب
 شکلیں خالی تھیں اور انکوں کی بھری تھی آنکھیں
 ساتریض ادم مدنی تھی آنکھیں
 دروں شہرول کے ثانی معمر میں :- آند کے علاوہ امد کیا رکھا ہے !
 آمد دیر ہے کہ حضرت نہ مصیبت میں پڑیں
 کون چاہے لاکھ سہارا ہلاکت میں پڑیں (ص ۶۵)
 سدر کی آخری بیت ادا تھی مگر زور !

میں ہوں حاضر توجہ ہو ہر بار بے صواب
 آپ کا غم ہماروں ہے سراپا ہے صواب (ص ۶۶)
 یہ شاعری نہیں، شاعری کے ساتھ مذاق ہے !
 دوسری ماہ محرم سے دوہم تک پیہم
 "نازنی آدم" وہ دن کس قدر کھٹکتا ہے !
 استعمال گاہ میں تھے نازنی آدم کے قدم

ایک لمحے کے لئے اذن و غافل جاتے
 جہن اہر و کس قسم گوئے نہیں مل جاتے (ص ۶۷)
 "گوئے" میں "کی ترکیب نے شعر کی قوت اور معنوں کے شکوہ کو بہت کچھ کم کر دیا۔
 روک لڑا تھہر امت کہیں برباد نہ ہو
 میرا منٹے شہادت کہیں برباد نہ ہو (ص ۶۸)
 مگر "بیت" ۱۰ "منٹ" کا برباد ہونا "یہ کی" انما نبیان اور زمرہ و زبان ہے۔

پھر سے بیساختہ پن آگیا تنویروں میں
 دلوے قید ہوتے علم کی زنجیروں میں (ص ۶۹)
 "تنویروں" میں "بیساختہ پن آنا" عجیب و غریب اظہار ہے، اس پر مستزاد "دلوں کا علم کی زنجیروں میں قید ہونا" !
 دل چہ مگر کالم و غسم کا صحاب آتا ہے
 پیرسائی کوثر ہوں حجاب آتا ہے (ص ۷۰)

مگر

میراثیں جو فسرنا چکے ہیں :-

تو زماں خشک جوانی مجھے دکھلاتا ہے
 پیرسائی کوثر کو حجاب آتا ہے

انہی شہر بیت کے معمر ثانی سے قرار دیکھ اندکیوں !؟ اچھا عالم کے باروں کی گھڑی سے پیرسائی کوثر کے حجاب سے کو کیا نسبت ہے، ان! میں نہیں کیلا۔ پیر
 جگر مین سے جاگے ہوئے غم کھائے ہوئے
 دہت کرار سے زخموں کا فریاد پائے ہوئے (ص ۷۱)

نارمان لکھی : شاعر نے "بیت" ۱۰ "منٹ" کا برباد ہونا "یہ کی" انما نبیان اور زمرہ و زبان ہے۔

”ختم کھلے ہوئے“ نے اس نیت کو سلی اور بے لطف بنا دیا۔ ”سب گراڑ کی جگہ“ تیار کرنا ہوتا تو شعر میں زیادہ وقت پیدا ہو جاتی۔
 بندشِ آب میں جوڑے ہوئے سسر کو باہم لاف زن تھے کہ بٹھے ہیں کہیں مردوں کے قدم (ص ۸۰)
 ”بندشِ آب“ کی ترکیب اہلِ قلم اس طرح انا فوس محسوس ہوتی ہے۔ پھر یہ لکھا۔ ”جوڑے ہوئے سسر کو باہم“ پسے معرکہ کے لفظی مدد و نیت کے ساتھ عجیب سا لگتا ہے۔

ہم جو کہ جس توپ ہاڑوں کے جگر پختے ہیں قہرِ بدعت کی بنا بقی ہے در پختے میں (ص ۸۲)
 ”معرکہ“ اولیٰ کوئی شک نہیں محفوظ اور پر جوش ہے مگر دوسرے ”معرکہ“ میں لفظ ”بدعت“ ”بعتی کا لفظ ہے“ ”قہرِ شہابی“ کہنا تھا۔ پھر ”بنیاد کے پختے“ کے بعد یہ کہنا کہ ”در پختے میں“ کس قدر کڑوا ہوا انداز بیان ہے! یعنی ”ترقی“ کی بجائے ”تنزل“
 مشکیں بھر بھر کے برآمد ہوئے پیاسے ذی جاہ نکر تھی آپ پہر پرخ جائے سوئے خیر شاہ (ص ۸۵)
 پانی کی بجائے ”آب“ ”معرکہ“ نامی میں کس قدر کھٹکتا ہے!

جوش نے ”دودھ“ خون کے جو لفس تیز کیا ہاتھ یزے پگی، گھرڑے کو ہمیز کیا (ص ۸۶)
 ”دودھ“ خون“ لانے کی ضرورت تھی کہ یہاں ”فنِ طب“ ”موضوعِ سخن“ نہیں ہے، پھر اس ”معرکہ“ میں ”تھید“ ”عجیب“ بھی پیدا ہو گیا؟ اس بیت کا ”معرکہ“ نامی خوب نہیں۔ بہت خوب ہے۔

جہدِ اطفالِ شہنشاہِ مدینہ نے پیا پی چکے اصغرِ ناداں تو سکینے نہ پیا (ص ۹۱)
 ”جہدِ اطفال“ ”تیرہ سال لگتا ہے،“ ”اصغرِ ناداں“ ”کچھ کا یہ کیس تھا،“ ”اصغر کمن“ ”موزوں“ لفظ تھا۔
 ”جہد“ ”حق“ میں وہ دن مات گزارے ب نے خاک پر گیسوئے احوالِ نواہرے سب نے (ص ۹۲)
 دوسرا ”معرکہ“ مکلف و آلودہ کا مجموعہ ہے!

نکرندہ کی نہ بچوں کی جدائی کا خیال دھڑکنے کا خیال تھا ہر حال میں بھائی کا خیال (ص ۹۴)
 ”دندانِ تو جہد در دانا“ — کی شکل ایسے ہی شعروں پر ہادوق آتی ہے۔

نکڑے ہو جانے کا گلزارِ جنابِ شہر چھد کے رہ جائے گا میدانِ میں اکبر کا جگر (ص ۹۶)
 ”گلزار کا نکڑے ہو جانا“ یہ کہاں کو زبان ہے! انا! جب کسی بانگ کا ثراہ ہوا اس سے بہت سے حصوں میں تقسیم کی جائے تو ”بانگ کا نکڑے نکڑے“ چلنا اس وقت بولا جائے گا۔

قافلہ وقت کا گزشتہ ہر گام میں ہے ماندگی شہدائے حالست آرام میں ہے (ص ۱۰۰)
 ”قافلہ“ ”صاحب نے متعدد مقامات پر“ ”آسود و تکلف“ ”کوشا“ ”صفت“ ”مجھ کو استعمال کیا ہے! اس بیت کا بھی یہی رنگ ہے۔
 ہے ازل سے ہی تسالونِ طبیعت آقا کہ شجاعت ہے اک ایمان کی شفت آقا (ص ۱۰۳)
 دوسرا ”معرکہ“ ”منقول“ کے کہنے کا ہے۔

جہدِ بندہٴ ممدوشی مولا ہو قبول اپنے اس صفدِ ناچیز کا سجدہ ہو قبول (ص ۱۰۳)
 ”جہد“ کی جگہ ”ہدیہ“ لانا تھا! تیسرا ”معرکہ“ یوں ہے —

لکھ کے نام آپ کا سجدے میں تسلیم ہے حضرت
 مگر

اپنے اس صفہ ناپسند کا سجدہ ہو قبول

اس پر تسلیم کے سجدے کی طرف ذہن نہیں جانا، بلکہ غفلت سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر اپنے عروج کو پیشانی سے سجدہ کر رہا ہے۔ حالانکہ جو شعرِ نجات باری کو سزاوار ہے۔

ڈاکٹر صفہ حسین کے مرثیہ کی ایک بیت ہے۔

یہ دسائے یہ قطاریں یہ پیادے کیا ہیں

نزدہ رہنا ہے تو کہہ دو کہ انا دے کیا ہیں

کاش امان کے مرثیہ میں مشعرِ دے سے لے کر آخر تک یہی رنگ و آہنگ قائم رہتا۔ صورت یہ ہے کہ ایک ہی بند میں تین چار مصرعے خاصے بلند ہیں مگر ایک مصرعے بہت پست بھی آگئے ہیں، انہیں غفلتوں کے در و بست میں بھول جاتا ہے، کسی جگہ آدھ اند تکلف، اُن کی شاعری میں چاہے وہ غزل ہو یا مرثیہ، نظم ہو یا سلام و رباعی۔ ابھی وہ پیشگی پیدا نہیں ہوئی جو بڑے شاعروں کا طرہ امتیاز ہے۔ صفہ صاحب ایک ایک میدانِ شاعری میں آئے، ادا کرتے ہی ان کی شاعری پر مضامین بھی رسالوں میں چھپنے لگے، انہوں نے شہرت کے طوفانی آغاز ہی میں کئی کتابیں بھی مرتب کر ڈالیں، انہوں نے تعریف و تحسین بھی کی، اس ماحول میں اگر بلورنگ کمال اور نکلیں تو ان کا احساس پیدا ہو جائے تو کچھ مستبعد نہیں ہے کہ ان کا شاعری کی نگاہ ترک جاتی ہے، امد وقت سے پہلے بلورنگ کمال کی خوش فہمی میں شاعر مبتلا ہو جاتا ہے۔

شہرت و تحسین سے کوئی تنگ نہیں شو، مرثیہ کی حمد و افزائی ہوتی ہے مگر یہ چیز ترقی کی راہ میں رکاوٹ بھی بن جاتی ہے۔

شعروں کے معاملے میں ہم، انہوں سے کہ سادہ داری اور صروت کو "تا انصافی" سمجھتے ہیں، شعریات میں خدا ہی بھی کہیں ادبی بیچ اور کسر محسوس ہوتی ہے تو ہم اُس کا اظہار کر دیتے ہیں، اسی صاف گوئی نے ہمیں نہ جانے کس کی نگاہ میں مبغوض اور ناپسندیدہ بنا دیا ہے۔

سہ آئینہ اپنی لطافت کی سستا پاتا ہے

ترتیب دینے والے ۱۔ ظہورِ احمد، محتاج احمد، عارف الحق۔ صفحات ۲۶۰ قیمت صفحہ کا ہزار پدم روپے، نیزہ پش پدم روپے۔ شے کا پتہ ۱۔ ادارہ مطبوعات جمعیتہ طہر ۲۳ اسٹریٹ روڈ کلاچ

اسلامی جمعیتہ طلبہ پاکستان میں طلبہ کے فلاح و بہبود انسان کے اخلاسی اور دینی اخلاق پیدا کرنے کی برسوں سے کوشش کر رہی ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس ادارے کی کوششوں کے بڑے مفید نتائج نکلے ہیں، اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جہاں بھی جمعیتہ طلبہ کے متفرقین نظر آئیں گے، وہ اپنے بلند انداز پاکیزہ اخلاق کے سبب پہچانے جاسکتے ہیں، مغرب زدگی، اشتراکیت اور بد اخلاقی کی دسل میں اُن کا حال "گنوں کی" نہ رہے، یہ طلبہ تعلیم میں بھی اپنے دوسرے ساتھیوں سے کسی طرح پیچھے نہیں ہیں بلکہ مجموعی طور پر اُن میں متوازن نظر آتے ہیں؛ سادہ جمعیتہ طلبہ پاکستان کی سہ ماہی میں اللہ تعالیٰ کی آیہ رحمت ہے، اسلامی اخلاقیات نے مغربی اندازِ شہرتی پاکستان کے دین پسند طلبہ میں ناقابل شکست اتحاد پیدا کر دیا ہے۔

اس ادارے کی بارگاہ میں شائع ہونے والی جرن کا پورا سیدھ چار روپے میں مل سکتا ہے، اس نئی کارڈ، نشانات کتابی، پوسٹ کارڈ، تعارف، اور عجیب بھی شائع کئے ہیں، جن کی ہر سطر دین و دانش سے معمور ہے۔

اس کتاب و تعلیم کا مسئلہ میں پچھتے بھی مضامین میں اونچے درجہ کے مضامین ہیں۔ چند مضامین ۱۔

نقدِ مہتمم ادب ارباب اختیار (مولانا امین احسن اصلاحی) تعلیم کا بگاڑ (ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی)۔

تعلیم کی ماہیں (ڈاکٹر یحییٰ عبداللہ) تعلیم کے تعلق (محمد شعیب احمد) نظامِ تعلیم کا سیاسی نہیں (عبدالحیہ صدیقی)

تعلیم کا مقصد (اے اے کے بروہی) ————— یہ تعلیم اچھے اخلاق کیوں پیدا نہیں کرتی وہی بالاطاعتی مودری —————
 ہمارے دینی مدارس (نعیم صدیقی) ————— ہندوستان کا نظام تعلیم ————— ایک تاریخی تجزیہ (غورشیہ احمد)
 ہر وقت لہا پتی جگہ ایک علمی منشور اور تعلیمی دستاویز ہے، اچھی باتیں، مفید شہودے، دانشورانہ تجزیے، اس کتاب کو بڑے سلیقہ
 اور خوش ذوقی کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے !

ان فاضلہ معارفوں کے علاوہ یونیورسٹی آرڈیننس اور قومی تعلیمی کمیشن کی رپورٹ پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے، یہ تبصرے متوازن اور
 عادلانہ ہیں، ساتھ ہی جرأت آمیز بھی ! خطرات سے بے پرواہ ہو کر، اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اظہارِ حق ویر مردِ مومن کی خاص
 شان ہے !
 یہ کتاب حکومت کے محکمہ تعلیمات کے اربابِ است و کث و کو خاص طور سے دعوتِ نیک دیتی ہے ! اخبارات میں بھی اس کے مضامین
 آنے چاہئیں ! جمعیتِ طبہ کو ہم اس علمی اور تعلیمی پیشکش پر مبارکباد دیتے ہیں !

پچھلے کے دنیا میں خوشے گوارا انقلاب !

تین نئے پیسے پچائیسے اور ہر ماہ آفٹیس، **اچھا سا کھتی** پڑھیے !

دلچسپ با مقصد کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں ————— دلچسپ لطائف و لطائف، معلوماتی مضامین اور ہلانیس

انعامی مقابلے !

طالب علموں کے لئے مایانہ تعلیمی وظائف کا انعامی سلسلہ

چند لکھنے والے !

نعیم صدیقی، ماہرِ لفظ و دی، اسد گیلانی، حفیظ جالندھری، ابنِ فریہ، محمود فاروقی

ماں خیر آبادی، ابوالجہاد زابد، کوثر اعظمی، تاج الدین اشعر، ابوسلم عبدالحمی، ظہیر احمد، نصر اللہ

خان عزیز، محترمہ حمیدہ بیگم صاحبہ جلالے، نیر بانو، سیدہ سلطانہ نکہت :

فی پرچہ ایک روپیہ - سالانہ پختہ : دس روپے ! صدیوں ! - آمنہ فاروقی، رشید ارشد

خاص رعایت : اس ماہ کے آئندہ پینگی سالانہ خریداروں سے صرف آٹھ روپے لئے جائیں گے اور مکتبہ اچھا ساتھی

سے شائع کیا جانے والا بہترین کہانیوں کا مجموعہ بلا قیمت - تحفہ — پیش کیا جائے گا - آج ہی لانے فرید بن جائیے

ماہنامہ "اچھا ساتھی" بارس اسٹریٹ کراچی ۲

بادانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

منگھا پیر روڈ کراچی

ہر قسم کا سوتی اور اونی کپڑا ————— کورا اور ڈھلا لٹھا

(دوسرے)

ہر قسم کا دھاگا تیار ہوتا ہے

بادانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا

ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہے

پاکستان کی صنعت کی قدر اور

حوصلہ افزائی

آپ کا قومی فریضہ ہے



اب انٹرنیشنل پرواز!

ٹرائیڈنٹ اے-ای کے ذریعے

کراچی - لاہور

روزانہ ۳ پروازیں

کراچی - راولپنڈی

روزانہ ۲ پروازیں

فریڈم فلیٹ				جہاز پر بازاریابی کے کلاس	فریڈم فلیٹ			
۳۰۶	۳۰۳	۳۰۲	۳۰۰		۳۰۱	۳۰۰	۳۰۳	۳۰۶
روزانہ	روزانہ	روزانہ	روزانہ		روزانہ	روزانہ	روزانہ	روزانہ
۲۰-۱۰۰	۱۵-۱۰۰	۱۵-۱۰۰	۱۵-۱۰۰	کراچی	۱۲-۲۵	۱۵-۵۰	۱۵-۵۵	۲۰-۵۵
۲۱-۲۵	۱۵-۲۵	۱۵-۲۵	۱۵-۲۵	لاہور	۱۲-۲۵	۱۵-۵۰	۱۵-۵۵	۲۰-۵۵
				راولپنڈی	۱۱-۱۰۰			
				کراچی	۱۱-۲۵	۱۵-۵۰		

حک کے اشد پروازوں میں تیز رفتار ہوائی جہاز آر آر کا لیا معیار

پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائنز PIA پاکستان سولہ وچ چار پرواز

آدم جی کا پیر پتہ
دوسرے تیر



آدم جی کاٹن ملز لائڈس کراچی

بہارِ قیامت ہے یہاں

بہارِ روکی خدمات

- ۱۔ طب مشرقی کو پاکستان میں بہارِ قیامت کے لیے اس طب کے خدمات کو بلند کر کے مقبول بنانا۔
- ۲۔ طب مشرقی کی روایت کے احکام و ضوابط قائم کرنا۔
- ۳۔ طب مشرقی کے علم و عمل کو بلند کرنا۔
- ۴۔ پاکستان کے تمام طبیب کی ناقابلِ فراموش خدمت انجام دینا۔
- ۵۔ طب مشرقی کو پاکستان کے علم و عمل میں بنیاد بنانا۔





پتہ: ماہنامہ فاران کیمیل اسٹریٹ کراچی

نقشِ اول

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

و

نصرتی علی النبی الخاتم من قال

” لا نبي بعدی“

مسئلہ قادیانیت پر پھر لکھنے کی اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ، حمیدہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) سے تین کتبچے اللہ دوسط میں وصول ہوئے ہیں، اس تمام لٹریچر کا خلاصہ یہ ہے کہ قادیانوں کی ”لابہدی جماعت“ مرزا غلام احمد کو نبی نہیں سمجھتا، امام ادریس مرحوم دینی ہے۔ انہیں دینی ان رسالوں میں حزانہ قادیان کے وہ اقوال بھی پیش کئے گئے ہیں، جن میں اس نے، دعویٰ نبوت سے انکار کیا ہے اور دینی نبوت کو کاذب قرار دیا ہے۔ ————— عبد المنان عمر نے طویل خط میں اپنے اس عقیدے کا اظہار کیا ہے۔

” میں سیدنا محمد صلی علیہ الصلوٰۃ والسلام زاد الی وادی کو آخری نبی دعاتم النبیین، داتا جوں ابد حضرت مرزا غلام احمد کو آپ کا محکوم، آپ کا خادم، آپ کے دین کو بھیلانے والا اور آپ کی بنائی ہوئی ماہ پر جانے والا اور آپ کی بعض دینی گرتوں کو مصداق سمجھتا ہوں، مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خبر میں گئی کہ ”ان اللہ بیعتتہم لہذا الاجتہد علی رأس کل ما خذ۔“ شتہ من یجد دلہا ینہا“ پھر میرے نزدیک حضرت مرزا صاحب انہیں میں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدای اور حضرت قرآن مجید کی پیروی کے نتیجے میں انہیں بعض غریب کی خبریں عطا فرماتا تھا، جہاں اہم اور پریشانی ہوتی تھیں، اور میں جگہ آج پوری کائنات میں مجسٹریٹ پیروی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی صلح نہیں کیا جا سکتا، اخاص طور پر آپ حضور علیہ السلام کی دعائی بارش سے محروم کرنا کہ آپ کے لئے سے مستفید ہو کر اور آپ کی خدای کا شتمن پارک، بمنزرت سے محروم ہے، اور بعض غریب کی خبریں دیکھ کر اور شرارتوں کا کارہ و غلطیہ اور بدتے

حقہ

ایک کتاب میں، جس کا عنوان ہے: —

الموسین، دعاتم النبیین، غزالیہ بن ولادین حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حریف اور دعاتم نبیین دعاتم نبوت کے لئے اکام و تعلیم کا کوئی نفع ان اور قسم سے نہیں نکل سکتا۔ دم قیامتہ نقی کر گزرتا باشد۔ — علیہ ما علیہ

”جماعت ربوہ اور جماعت لاہور کے عقائد“

مسند الدین صاحب نے ربوہ کی قادیانی جماعت والوں کو مخاطبہ کے آن کی اس غلط فہمی اور غلط اندیشی پر متنبہ کیا ہے کہ وہ مرزا غلام احمد کو نبی مانتے
چھوڑ دیں، بلکہ انہیں مجدد زمانہ اللہ سیح موعود انیس..... ۱

لاہوری جماعت کے اس مسلک کے وجہ و فریب، کذب و جہالت، ہم آگے چل کر گفتگو کریں گے، ہر مدت پر بسمل منزل (یہ بھڑان
نور فضا) ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ اگر لاہوری جماعت حاسہ اپنے اس قول میں صادق ہیں، تو انہیں ربوہ کی قادیانی جماعت کے ”کفر“ کا مرتبہ
پیشہ اعلان کرنا چاہئے، کیونکہ مذکورہ بات کو ہم یہ عبارت بھی نگاہ سے گزرتی۔

”... نبوت کی وحی جاری ہونے سے اسلام کا تختہ الٹ جاتا ہے غرض انہوں (مرزا غلام احمد)
نے نہایت شدید سے یہ بیان کیا ہے کہ نبوت کا جاری کرنا اسلام کا خاتمہ ہے“

اس کتابچہ میں اس کا فروغ اعلان کیا گیا ہے کہ ————— ”اہل ربوہ اور جماعت لاہور کے دیمان بجا عقائد سے وہ فروغی نہیں بلکہ احمول
ہے۔ ————— گلاس کتابچہ میں اس کا اعلان نہیں کیا گیا کہ غیر نبی کو چاہے وہ مجدد ہی کیوں نہ ہو، جو کوئی فرد اندر گروہ“ نبی“ مانتا ہے
وہ کفر کا ارتکاب کرتا ہے اور حاسہ اسلام اور امت پر کسی سے خارج ہو جاتا ہے! اس کتابچہ میں تو قادیانیوں کی جماعت ربوہ کو امت محمدیہ میں
شامل سمجھ کر ”مصالحت“ کی دعوت دی گئی ہے اور یہ ”مصالحت“ ظاہر ہے کسی ایسے عقیدہ سے متعلق نہیں جس پر کفر و ایمان کا دار و مدار ہے پھر یہ
انداز کس قدر سہل و آسان ہے، جو ان دونوں جماعتوں (لاہوری و قادیانی) اور جماعت ربوہ کے دیمان تعلیق خاطر عقائد کی پاک رنگی اور مہربانی اخوت کا
پتہ دیتا ہے۔

..... وہ یہ کہ ہمساری دونوں جماعتیں، قرآن کریم و حدیث شریف کی نصیحتوں کو متنبہ یا یقین کریں
لاحیہ ہڈنگس لاہور کا کتابچہ ص ۳۴

صحیح اعداد و شمار تو ہمارے پاس نہیں ہیں مگر ایک سرسری انداز سے کے مطابق ہمارے خیال میں قادیانیوں کی تعداد دس لاکھ دس سو چار لاکھ سے
سایہ پست نہ ہوگی مسلمان، جو ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں، ان کی تعداد اللہ تعالیٰ کے فضل سے ساڑھے نو لاکھ ہے یہ سب سب مسلمان مرزا غلام احمد کو نبی کا زب
اور مرتبہ سمجھتے ہیں، پھر حیرانی مریضے قادیان کی کتابوں میں غلطیوں کی ایک سیرکس دھڑکتا ہے، یہ بطریق اربعہ اذقیاس، و طبعی اور طریقی کا مذہب تو جیسے پائی
جاتی ہیں۔ لاہوری جماعت کا اگر واقعی یہ عقیدہ ہے کہ ”مرزائے قادیان کے دعوائے انکار سے کوئی مسلمان کافر نہیں ہو جاتا“ تو پھر امت میں اختلاف برپا
کرنے اور کفر و کفریہ کوئی کے دلوں کو اذیت پہنچانے کے لئے وہ غلام احمد قادیانی کی ”مجددیت“ اور ”امت“ کی طرف دھڑکتا ہے کہوں دیتے ہیں، ایسی
مشتبہ اور مبغوض شخصیت جسے پوری امت مسلمہ انتہائی ناپسند کرتی ہو، کیا اس قابل ہے کہ اس کی ذات اللہ کی طرف لوگوں کو بلایا جائے، اور مسلمان
کریم کی نفسیوں تک میں اس کا ذکر کیا جائے! غلام احمد قادیانی کی کتابوں میں آخر وہ کون سی ایسی دینی بصیرت اور اخلاقی حکمت پائی جاتی ہے جس کی
امت مسلمہ میں جیسے اس کی شخصیت کی طرف رجوع کرنے بغیر دین، اخلاق اور محمد سے بہتر ہیں۔

حضرت مگر ابن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کو ”مجددیت“ نہیں جانتی ہے کہ آپ نے شانِ برامہ کی بدعتوں اور نیا دینوں کو کٹا کر چھوڑا اور اسلامی

ملہ حادکہ ختم نبوت کا مسئلہ کفر و ایمان کا بنیادی مسئلہ ہے ایہ وہ جائز و ناجائز اور حرام و حلال نہیں ہے جو فقیہی مذاہب کے اختلافات میں پایا جاتا ہے

ان فلسفوں کو کہ "اسلام سے خارج ہیں" مجھے — قرمز اسلام احمد کی حیثیت نہ صحابہ بن مضرہ کی ہے، اللہ تعالیٰ ہی اور علیہ السلام جیسے ہے، اس شخص کا اداس کے بغض مالک کا استاد اور کلمہ کھلا ہوا ہے، جس کے بارے میں امت مختلف الائنٹ نہیں ہے، مرزا اور اس کی امت و معتقد بن کے کہ "کفر" پر مشتمل ہیں۔

تو دنیاویوں کی لامحدودی جماعت کے لوگوں میں بعض صوفیوں کے اقوال "جو مثال میں پیش کئے جاتے ہیں تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ جن میں صرف امام کے اقوال و احادیث کو کافی حیثیت نہیں ہے، ہر کسی کے قول و عمل کے جانچنے اور پرکھنے کی کسوٹی اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ کی سنت ہے، اس کسوٹی پر جس کی کابھی قول یا بیان نہیں آئے گا اسے روک دیا جائے گا :

جہاں تک بعض لوگوں کے اقوال و کلمات اسلام افکار و تصورات کا تعلق ہے، ہر قسم کی گڑبگڑ اور گھڑکڑوں میں ملتا ہے : — خدا — شیطان مرزا عظیم تھا — فرعون کے ایمان کی تصدیق — یہودیوں کی گوسا رہتی کی تاویل بلکہ تحسین — ہندوؤں کے عقیدہ تانچہ اور "راج" کا اظہار — امرہ پرستی کو معرفت الہی کا ذیلیہ قرار دینا — اللہ تعالیٰ کے حصول و اتحاد کا عقیدہ — اس قسم کے شیطانیات، ہندو بات اور نبوت کو دین کے کسی بنیادی عقیدہ کے خلاف و عدم جو ان کے لئے مثال و حجت کے طور پر پیش کرنا، دین و دانش سے جہالت و پستی کی دلیل ہے، اگر کوئی شخص اپنے "خدا" ہونے کا اعلان کر دے، تو اس کے اس "کفر تمام" کے جواباً تاویل کے لئے پھلپل کیوں سے "شر و تصرف" کا ایک آدھالیا قول مل سکتا ہے، جس کو بنیاد و حجت بنا کر گفتگو کی جاسکتی ہے :

اللہ تعالیٰ کو اس کی طرح مجسم ماننا یہ "کفریہ عقیدہ" ہے، علامہ اقبال اللہ تعالیٰ کے "قسم" کے قائل نہ تھے، اس بارے میں ان کا عقیدہ اشعار کے مسلک کے مطابق تھا، یہ واقعہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ برسانیت سے منزہ ہے، مگر کوئی شخص علامہ اقبال کے اس شعر کو —

نارضا تو رہ بیٹھے گی، محشر میں جنوں میرا

یا میرا اگر میاں چاک یا دامن یزدان چاک

اللہ تعالیٰ کے "قسم" پر دیں لائے کہ علامہ اقبال اس کے بھی قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ کا نہ صرف یہ کہ جسم ہے بلکہ وہ اپنے جسم پر لباس بھی پہنے ہوئے ہے جیسا تھا انہوں نے —

"یا دامن یزدان چاک"

کہا ہے، انویسٹ کر وہ ادب و وقت شخص کو سمجھایا جائے گا کہ اقبال اللہ تعالیٰ کے "قسم" کے ہرگز قائل نہ تھے، یہ تو ایک شعر ہے، یہ بیان اللہ تعالیٰ کا غلط ہے، جیسا کہ ہے — وہ شخص اس کو مجسمہ کو بھی قبول نہ کرے گا، تو سچ کہا جائے گا کہ جو تم نے مجھے اگر اقبال کا بھی واقعی پہچاننا تھا تو اس شعر کو اس کے مرکزی خیال کو ہم سر سے غلط سمجھتے ہیں، ادب سے لے کر دین میں حجت کتاب و سنت میں، کلام اقبال نہیں ہے۔

کسی صوفی کے یہاں "فنائی الرسول" یا ولایت کے لئے "ظن نبوت" کی اصطلاح ملتی ہے، تو رسول کی ذات میں فنا ہونے سے اس کا مقصد رسول جیسا "ظن" یا برہنہ "نبی پرناہرگز نہیں ہے، بلکہ "فنائی الرسول" کا مقصد اپنی تمام مرضیات اور خواہشات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و مرضیات کے تابع بنا دینا، انسانی شخصیت کو طاعت رسول میں گم کرنا اور انہم کو دینا ہے۔ اللہ ظن نبوت سے اور استیلائی نبوت کا فیضان اداس کا اتباع ہے یعنی صاحب ولایت کی اصل شان یہ ہے کہ اس کی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم زیادہ سے زیادہ منعکس نظر آئے، یعنی اس کی زندگی میں اتنا رسول کا بہترین نمونہ ہو !

"فنائی اللہ" "فنائی الرسول" کی اصطلاح میں نہ تو کتاب و سنت میں بیان ہوئی ہے، نہ فقہاء اور علما کے بیان میں، ان اصطلاحوں کی دین و شریعت میں کوئی اصل اور وزن نہیں ہے، "فنائی الرسول" کتاب و سنت کے کوئی منصب اور جہد نہیں ہے، جس پر فائز ہونے کا

کوئی، گوہرِ ندی، حورِ مگر کسی اند کو... محمد الشاہین سہا کے اس منسلقہ آئینہ صوفی کی صفا باگشت ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں دباؤ آئیکے ہیں تو محمد رسول اللہ کیوں نہیں آئیکے! اللہ یہ حمد کہ... محمد کی نبوت آخر محمد ہی کوئی... کس قدر ظناک، اندگرا، کن ہے... آئیکے...
"وہی اپنی میں میل نام محمد کا گیا اند رسول ہی..."

مرزا کا نام تو اس کے عمر والد نے۔ غلام احمد لکھا تھا، وہی اپنی میں اس کا نام۔ محمد کے کس طرح لکھا گیا اللہ سنا ہے رسول بھی! پھر رسول نام ہے یا لقب؟

... اگر کوئی شخص اسی خاتم النبیین میں الی گم ہو کہ بیاخت نہایت اتحاد اور نفی غیرت اسی کا نام پالی ہو اور صفات آئینہ کی طرح محمدی پھر وہاں اس میں انعکاس ہو گیا ہو، تو وہ بغیر ہر تشبہ کے نبی کہلے گا کیونکہ وہ محمد ہے، گو ظلی طور پر..."

آخر یہ کس مذہب کا۔ ہم کلام "اندس دین کا۔ فلسفہ ہے کہ کوئی آئینہ، اپنے نبی میں الی گم ہو جاتا ہے کہ کمال نہایت اتحاد کے سبب ممکن میں غیرت ہی باقی نہیں رہتی، اسلئے ادب اندکتاب و سنت میں تو اس قسم کے تفصیلات و عقائد اندک کتاب آفرینیاں کہیں نہیں لیتیں، بالی اہند و جنتا اور اتحاد و جنتا کے فاسد عقائد کہتے ہیں، وہ اس طرز فکر کی شاید وارد سے کیں۔

اگر بغیر نبی محالی رخاک یہ دین مکی گئے، مرزا غلام احمد دیوانی بقول اُس کے "محمدی بن گیا تھا، اور محمد مصطفیٰ ابن محمد شہادہ غلام احمد دیوانی ابن غلام مرتضیٰ دہلوی میں غیرت، باقی نہیں رہی تھی، تو دہلوی کی صحت اندسیرت میں بھی اتحاد ہونا چاہیے حالانکہ حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر صحت اور شکل و شمایل کے اعتقاد سے ہی اپنی جگہ بے مثال تھے، اور مرزا غلام احمد کے دیکھنے والوں نے اُسے جھوٹی خوبصورت آدمی بھی نہیں کہا، انداس کا جو فوٹو ہم نے کتابوں میں دیکھا ہے وہ ایک بدصورت آدمی کا عکس ہے، جس کی آنکھ "چندری تھی، اللہ چندا آدمی" (راحمش) خوبصورت نہیں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "افصح العرب" جن کو اللہ تعالیٰ نے "جوامع الکلم" عطا فرمائے تھے، حضرت ایک ایک جملہ فصاحت و ادب کا شاہکار ہے اس میں غلط محضہ (؟) غلام احمد دیوانی کی آمد دوسری درجہ نہیں ہے، خدا کے نام میں نہ اردو نا کھوں اس قسم اس سے بہت اچھی آمد دیکھتے اندکھتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شعر "نہیں کہا اند مرزا غلام احمد نے اپنا مستحق زبان چھوڑا ہے، اگر شعر و ادب کی تاریخ میں اس کی شاعری کو اپنی نقد نظر سے کوئی مقام نہیں دیا، اچھا "ظن نبی ہے جو اپنے اصل کے برصاف شعر بھی کہتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسن و جمال میں بے مثال ہونے کے علاوہ صحت جسمانی کے لحاظ سے بھی اپنا جواب نہ رکھتے تھے، اند کوئی مرض یا کئی قسم کی کمزوری صحت کے جسم و صحت میں نہیں پائی جاتی تھی، مگر اس "ظن محمد" (رخاک بہ وہن، کاذب) کی صحت کی داستان خود اسی کی زبان سے نکلے۔

- جس قدر ضعیف دماغ کے عارضہ میں یہ عاجز مبتلا ہے، مجھے یقین نہیں، آپ کو ایسا ہی ہو، جب میں شادی کی کتنی تو مدت تک مجھے یقین رہا کہ میں نامرد ہوں، (مکتوب امیہ جلد پنجم خط ۱۰۰)
- مجھے دوسری نامزگیریں، ایک جسم کے اور پھر صحت کے سر دوا دوا، دوا دوا سر اور دوا دوا، خون کم ہو کر اتھو پیر سر ہو جاتا، اند دوسرے جسم کے مجھے صحت میں کہ شاید کثرت سے آنا اندکثر ذرت آئے نہایت، دلیم دولت صحت معندہ مرزا غلام احمد
- میں ایک دائم المریض آدمی ہوں... بیماری دنیا میں طس ہے کہ ایک وقت سے دامن گیر ہے

قرآن کی تحریف قرآن کریم کی آیات کے ساتھ مرزا غلام احمد نے تحریف کا جو کرم کیا ہے وہ اس کی صفات کی تکلیف دہی ثابت ہے۔ ہم دلی پر جبر کے اس کے ہدایات پہا لیں کر رہیں۔

اور **دعویٰ** — چنانچہ وہ مسالمت الیہ میں پہلے احمدیوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ دعویٰ ہے کہ ہوالہ کا ارسل رسولہ بالہدیٰ و دین الحق لیطہر علی الدین کما دین احمدیہ (۱) اس میں صاف طور پر اس عاجز کردہ رسول کے کہ کھانا گیا ہے، پھر... اس کی کتابیں اس کا لہر کے قریب یہ دعویٰ ہے محمد رسول اللہ والذین حط استواء علی الکفار ورحموا بینہم اس دعویٰ نے احمدیوں میں نام محمد کا گیا (ایک غلطی کا اذکار از مرزا غلام احمد)

— قد آیا ان اس انی رسول اللہ بلکہ جمیعہ (ارے رسول من اللہ) کہ ارے غلام احمد کے اے تم لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول ہو گیا یا میں (البشری جلدیم خلاصہ) مجھ کو اہل مرزا غلام احمد (۲) وما ارسلنا الا رحمة للعالمین اس میں نے دنیا پر رحمت کے لئے بھیجے ہیں۔ (اربعین نمبر ۳ صفحہ ۳۴) — ۲۵ مصنف مرزا غلام احمد دہلوی (۱)

— وما یطیق من العواری ان ہوالا وہی یعنی اویہ (مرزا) اپنی طرف سے نہیں بلکہ تم کو کچھ سننے پر یہ خدا کی وہی ہے (اربعین نمبر ۳ صفحہ ۳۴) از مرزا غلام احمد دہلوی (۱)

قرآن کریم کی آیات جن کا مصداق حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات تدری صفات ہے اس بارے میں حدیثیں نہ ہوتی ہیں اللہ ہو سکتی ہیں — مرزا کا اپنی ذات کو ان آیات کا مخاطب قرار دینا اللہ تعالیٰ اللہ قرآن کے ساتھ خلاق مدد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخی دہی بالی کی محسوس تحریف اور کھانا ہوا دین و فریب نہیں لیا گیا ہے۔

حدیث ہو گئی۔ دین و تحریف کی کہ ظالم نے "ما تخذوا من مقام ابواہیم مصی" کی یہ تاویل و تحریف کی — کہ دین آیت) اس ہولناکی و کفری ہے کہ جب امت محمدیہ میں بہت فرقہ برجاتی گئے، تب آپ نے ان میں ایک ایسا پیادہ ہو گا انسان سب فرقوں میں وہ نجات پائے گا جو اس ایسا پیادہ ہو گا (اربعین نمبر ۳ صفحہ ۳۴) مصنف مرزا غلام احمد دہلوی (۱)

ایسی باتیں دہی کرنا ہے جو مواتی اور آسیب زدہ ہوا و تہ تیغ الشیطان کا پوری طرح مصداق ہوا! اور جہہ نہ خدا کا خوف ہو لہذا نہ لکھا کہ جو شخص اپنی شروعات کی تحریر میں یہ لکھ چکا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیاز اور غلام ہوں اور حضور کی کے واسطے مجھے سب کچھ ہے — پھر وہ ایسی کہ آیات بھی لکھتا ہے۔

اس کے داعی نبی کریم کے لئے (عرف) چاند گرہن کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لئے چاند اور سورج دونوں لکے گرہن کا اب کیا تو انکار کرے گا (اربعین نمبر ۳ صفحہ ۳۴) مصنف مرزا غلام احمد دہلوی (۱)

اور

— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت اس کے تمام احکام کی تکمیل ہوئی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے وقت میں اس میں ایک پہلو کی اضافت کی تکمیل ہوئی، اور سچ موجود کے وقت میں اس کے روحانی فضائل اور اسرار کے ظہور کی تکمیل ہوئی۔ (دین امین احمدیہ حصہ ثانیہ مصنف مرزا غلام احمد دہلوی (۱))

— ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے پانچویں ہزار میں اجمالی صفات کے ساتھ ظہور فرمایا

وہاں اس مقام پر گھر ڈاکر دیا جن تک انبیاء بنی اسرائیل کی پہنچ نہیں۔

(کلمۃ الفضل منہجہ رسالہ دلی آت ریویو ص ۱۱۴، نمبر ۳، جلد ۱۲)

مرزا کے بیٹے کے یہ الفاظ ————— اس نعمت نے جہاں آقا کے مدبر کو بلند کیا ————— خود طلب ہیں، یعنی مرزا کی غلی نیرت کے سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہر کو بلند کیا میرا آقا! واللہ اللہ علی من قال کلکذا وکلکذا

• ہیں اس امت کا یوسف یعنی یہ عاجز مرزا غلام احمد قادیانی (اسرائیلی یوسف سے بڑھ کر کہے گئے) تک یہ عاجز تہ کی دعا کے بھی تہ سے بچا گیا مگر یوسف بن یعقوب تہ میں ڈالا گیا اور اس امت کے یوسف (مرزا غلام احمد) کی بہیت کے لئے پچیس برس پہلے ہی خاتمہ آپ گواہی دے دی اور بھی نشان دکھائے، مگر یوسف بن یعقوب اپنی بہیت کے لئے ان کی گواہی کا متنازعہ ہوا بن احمدی محمد بنجم ص ۱۱۲ معضہ مرزا غلام احمد قادیانی (یہ صفحہ نیز تلاش بھی دیکھئے۔)

”اللہ بھی امت سے الہام ہو چکا ہے کہ انا انزلنا وقریباً من العادیان اس جگہ مجھے یاد آتا ہے کہ جس سفر وہ الہام مذکور ہوا جس میں قادیان میں نازل ہوئے کا ذکر ہے، ہر تھاں اس روئے کشی ہو رہی ہے دیکھا کہ میرے بھائی صاحب رحم مرزا غلام احمد میرے قریب بیٹھ کر باقاعدہ قرآن شریف پڑھ رہے ہیں اور پڑھتے پڑھتے انہوں نے فقرات کو پڑھا انا انزلنا وقریباً من العادیان، تو میں سن کر بہت تعجب کیا کہ قادیان کا نام قرآن شریف میں لکھا ہے تب میں نے دل میں کہا کہ قاضی محمد پروا دیان کا نام قرآن شریف میں درج ہے، اس میں نے کہا کہ اربعین فہروں کا نام قرآن شریف میں اعزاز کے ساتھ لکھا ہوا ہے، مگر مدینہ قادیان، یہ کشت تھا کہ کئی سال ہوئے مجھے دکھلایا گیا تھا ”انا لاؤام حبیبہ“ معضہ غلام احمد قادیانی (ایک برائی ہے کہ جو سنیں آتے ہیں بکٹا جاتا ہے، ”آن الحقوں اور جاہلوں کو کیا کہنے کہ جو ”ان“ ہیڈاٹ ”الہام“ دیکھتے ہوئے ہیں اور اس قسم کے خرافات پڑھ کر بھی مرنا تے قادیان کی عظمت کہتے ہیں اور اس کی غات سے ان کی عقیدت میں کمی نہیں آتی، یہ کفر و ضلالت کا وہ آخری وجہ ہے کہ ذہن و قلب سے حق شناسی ایسا چمچے ہرے کے جانے پہچاننے کی نیز ہی سرے سے جاتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ ان کے دلوں پر ہر گلا دی جاتی ہے!! اس کفر و ضلالت کی آخری پستی یہ ہے کہ، —————

• ”انت منی بمنزلۃ ولدی“ ترجمہ ہے بہنر کہ میرے فرزند کے ہے۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۱۲ معضہ مرزا غلام احمد قادیانی)

• ”انت منی وانا منک ظہور ربی ظہوری“ ترجمہ ہے کہ میں تجھ سے ہوں، تو میرا ظہور میرا ظہور ہے۔

والہام مرزا غلام احمد قادیانی مشہور تہ کہ وہی معضہ مجموعہ الہامات و مکاشفات مرزا ص ۱۵۰

• محمد اک اللہ من عرشہ وکشی ایک، خداوش سے تیری (یعنی مرزا کی) تعریف کرتا ہے اللہ تیری طرف ہوا آتا ہے۔ (الہام آتھم ص ۱۱۲ معضہ مرزا غلام احمد قادیانی)

• ”خدا قادیان میں نازل ہوگا“ (البشری جلد اول ص ۱۱۲ مجموعہ الہامات مرزا غلام احمد)

• میں نے تجھ سے ایک غید و فروخت کی، یعنی ایک چیز میری — جس کا تو مالک بنایا گیا، اور ایک چیز تیری تھی جس کا میں مالک بنایا گیا، تو میں اس غید و فروخت کا اقرار کرتا ہوں کہ جسے کہ خدا نے تجھ سے فروخت کی، تو تجھ سے میں ہے جیسا کہ اعلان تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔

(مرزا غلام احمد — کتاب البرہہ ص ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱

یہ ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مرنا قادیان کے "یاد میں" کے تعلقات اور معاملات !! واستغفر اللہ
تمام اہل ایمان جانتے ہیں کہ مسیح موعود حضرت عیسیٰ ابن مریم ہیں گے۔ مرنا قادیان نے مسیح موعود کا دعویٰ کیا ہے، اس کے لئے ابن
مریم کا اثر فردی تھا۔ وہ اس شخص کی صفات پر بعد وہ زمانہ نے پیدا کیا، کہتا ہے۔
"مریم کی طرح عیسیٰ کی روح بعد میں نوح کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حالہ اختیار کیا گیا، اور نوح کو ہینہ
کے بعد جو دس ہینہ سے زیادہ نہیں، بنیاد الہام کے مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا پس اس طور سے ابن مریم خیرا"
"کشتی نوح میں" ہم معتمد مرنا غلام احمد قادیانی
کسی شریف و معقول اور سچے انسان کے منہ سے بھلا ایسی کجی بابتیں نکل سکتی ہیں، دیوانہ کی جڑ میں بھی ایک طرح کی معقولیت ہوتی ہے مگر
یہ یہ غوغا توڑ دہریہ کی جڑ دیکھ نہ سکتے
"ہر ایک پہلے سے خدا نے مجھے دینے کیا، چنانچہ نذر اسٹار کا یہ مقام ہے کہ قربا چلا گیا کہ ان اب تک میرے اختیار
اپنے گناہوں سے اٹھ کر ہے تو یہ کچھ ہیں۔ درخت حقیقتہً الہی صلا معتمد مرنا غلام احمد قادیانی
اول تو یہ لٹھا اور اتھارتی مبالغہ آمیز اور گراہ کن ہے کہ چن بھرا کو چن لاکھ تک پہنچا دیا پھر جن مسلمانوں نے مرنا کے ہاتھ پر تہم کی ان کو کہہ "کافر"
کہتے ہیں مرنا قادیان کو یہ نہ مانتے سے پہلے وہ مسلمان کفر میں مبتلا تھے۔

اس صحت میں

دہریہ جماعت کی یہ بات غلط ہے اصل ثابت ہوتی ہے اور خود ان کے مسیح موعود کی تعلیمات کے خلاف ہے۔
"..... جماعت احمدیہ کے اعتقادات یہ ہیں کہ حضرت مسیح موعود نبی اللہ نہیں ہیں بلکہ مجدد ہیں اللہ کے کہ ان کے
دوسرے کے انکار سے کوئی مسلمان کافر نہیں ہو جاتا۔
دہریہ جماعت کے اس دہلی و فریب کا یہ وہ مرنا اس طرح چاک کر چکا ہے۔
"کفر دوطرح پر ہے ایک کفر یہ کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے اور اسے نفرت صلی اللہ علیہ وسلم کو
رسول نہیں مانتا دوسرے یہ کفر کہ شفا وہ مسیح کو موعود نہیں مانتا..... اللہ اگر خود سے چکا
چاہتے ہیں دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔ (حقیقتہً الہی صلا معتمد مرنا غلام احمد قادیانی)
اقوال میں تناقض اور کشیدہ میں بیٹھ کر مرنا غلام احمد قادیانی کا یہ عقیدہ تھا۔

— ان تمام احمدیوں میں وہی مذہب ہے جو دیگر اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے۔۔۔
ہندو ناس میں بھی بڑے بڑے فرقے ہیں اب جو فرقہ دہریہ احمد کا مسلمانوں کے سامنے صاف صاف اقرار کرتا ہے اس خفاہ خدا
و جامع مسجد دہلی میں) کہیں جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت نبوت کا قائل ہوں اور
جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور فاجر اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔ (مرزا غلام احمد غفری ایمان، منہج تبلیغ ص ۱۱۱)

مگر اگر مرنا قادیان کے زمانہ حیات میں چلا لاکھ قادیانی تھے، تو آج ان کی تعداد تقریباً پچاس لاکھ ہوتی چلتے ہیں، پھر اس کے
ہاتھ پر بیعت کرنے والے غالب تعداد میں ملتا ہی ہونے چاہئیں۔ سکھ اور ہندو تو شرف و فخر دہریہ قادیانی ہیں۔

● ظاہر ہے کہ اگرچہ ایک ہی دفعہ دینی کا نزل فرض کیا جائے اور صرف ایک ہی فقرہ حضرت جبریل
لاذیں اور پھر پچ ہو جائیں، یہ امر بھی ختم نبوت کے منافی ہے۔۔۔ (ازالہ انہام غلام مرزا غلام احمد قادیانی)
اس صحیح صاف اور سچے عقیدہ کے بعد مرزا ولایت و مہدیت کا دعویٰ کتنا ہے۔۔۔
"ان پر تاسخ رہے، ہم بھی نبوت کے منکر پر اہل سنت بھیجے ہیں اور اللہ محمد رسول اللہ کے قاتل ہیں اور انحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں اور دینی نبوت نہیں بلکہ دنی ولایت جزیہ پر سایہ نبوت محمد اور بہ
اتباعا آن جناب صلی اللہ علیہ وسلم اور کیا دیکھ سکتی ہے، اس کم کم قاتل میں اور اس سے زیادہ جو شخص ہم پر الزام لگائے
وہ فقرہ اور دیانت کو چھوڑتا ہے، غرض نبوت کا دعویٰ اس طرف بھی نہیں، صرف ولایت اور مہدیت کا دعویٰ
ہے۔ (راشتہ دار مرزا غلام احمد مصنفہ ۱۲ اشعبان ۱۳۱۳ھ مندرجہ تلخیص رسالت جلد ہفتم ص ۳۳)
یہ ولایت کا دعویٰ کیا اور کیوں؟ یہیں سے ملتا کہ غلام احمد ذہن و فکر کی غرابی کا غلام ہے کہ "وہی ولایت" خود بڑے جھگڑے اور غصے کی بات ہے!

اس کے بعد

"نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے، جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا، اور اس میں کیا شک ہے کہ محدثیت
بھی ایک شعبہ قیہ نبوت کا اپنے اندر رکھتی ہے (ازالہ انہام ص ۲۱، مصنفہ مرزا غلام احمد)
"وہی ولایت" کے بعد محدثیت کا دعویٰ اس اعلان کے ساتھ کہ "محدثیت ایک شعبہ قیہ نبوت اپنے اندر رکھتی ہے!"

پھر یہ کہنے لگا

"مجھے مسیح ابن مریم ہونے کا دعویٰ نہیں، اللہ میں تاسخ کا قاتل ہوں بلکہ مجھے تو فقط "مثیل مسیح" ہونے کا
دعویٰ ہے، جس طرح محدثیت نبوت سے مشابہ ہے ایسا ہی میری روحانی حالت ابن مریم کی روحانی حالت سے
مشابہت رکھتی ہے۔ (راشتہ دار مرزا غلام احمد قادیانی مندرجہ تلخیص رسالت جلد ۷ ص ۲۱)
حالانکہ کشتی نوح میں مرزا اپنے کو "ابن مریم" ٹھہراتا ہے، جس کا سوال اور دیا جا چکا ہے!
ہر ایک نفس نے ادا کر لیا ہے، اور وہ اس حد تک پہنچ گیا۔

"میرا دعویٰ ہے کہ میں وہ مسیح موجود ہوں جس کے بارے میں خدا تعالیٰ کی تمام پاک کتابیں پیش گوئیاں ہیں
کہ وہ آخرا کی ناسخ میں ظاہر ہوگا۔ (تقدیر گزشتہ ۱۹ ص ۱۹۹، مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)
مسیح موجود کے دوسرے کے بعد نوحی ہونے کا اعلان کیا گیا۔

میں کوئی نیا نبی نہیں ہوں، پہلے مسیح تھی نبی تھی جس سے میں جنسی تم لوگ سچا منتظر ہو"

(مرزا غلام احمد قادیانی مندرجہ انجیل بعد مصنفہ ۱۱ ص ۱۱۹)

اس دوسرے میں "بروزی" اور "نقی" ہونے کا وہ جھوٹا بھی اڑا دیا گیا، اور گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی مانند، اپنے "نبی" ہونے کا دعویٰ کیا گیا۔
۱۸۹۹ء میں مرزا غلام احمد کا یہ عقیدہ تھا۔۔۔

میرے لئے کافی فہم ہے کہ میں ان لوگوں (صحابہ) کا علاج اور خاک پا ہوں، جو میری فضیلت خالصہ تعالیٰ نے
انہیں بخشی ہے وہ قیامت تک اور شخص نہیں پاسکتا۔ (اعلان مرزا غلام احمد قادیانی مندرجہ انجیل و احکام قادیان
اگست ۱۸۹۹ء)



آزمودہ دواؤں کا مرکب

انساجین

سر درد - کمر کا درد - دانت کا درد
ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے

یقیناً زود اثر اور بے ضرر دوا ہے

 Spacht 61/83

منقوی حسن ثوری

اقسام حدیث

مورقہ ہنرہ نامان کے شمارہ اپریل میں قرآنی کی شریعت حدیث کے عنوان سے ایک طویل مقالہ نظر سے گذرا جس کو جناب جلال الدینہ لونی نے تقسیم فرمایا تھا اس پر مقدمہ ملائق سرحدی صاحب نے لکھا تھا، مقدمہ میں حدیث کی مختلف اقسام اصناف کی تعریفات بیان کی گئی تھیں تعریفات دیکھ کر سخت تعجب ہوا۔ فقہر بائیں کی سب غلط تھیں، اس لئے بطریق استدراک اقسام حدیث اصناف کی تعریفات مقالہ قرطاس میں تعریفات صرف انہی کی ہیں جو مقالہ میں ذکر کی گئی ہیں، یہ تمام تعریفات اصول حدیث کی مستند کتاب "تدیب المرادی فی شرح تفریق النواہ کے پیش نظر لکھی گئی ہیں۔

۱۔ صحیح - وہ حدیث جس کی سند متصل ہو، راوی نہایت عادل، ضابطہ عمل اور حدیث میں شذوذ، غلطی، نکات نہ ہو۔

سند متصل ہو - اس کا مطلب ہے کہ سند میں کوئی راوی ترک نہ ہو۔ پہلی سند از اول تا آخر چمکی ہو۔

عادل کا مطلب ہے کہ راوی تقویٰ و طہارت امانت و دیانت سے آراستہ ہو۔

ضابطہ جس کا حافظہ ہر قسم کے سقم سے پاک ہو، شیخ سے سماع کے وقت بھی صحیح یاد رکھا، پھر کتاب یا حافظہ میں صحیح اور باطنی دشمنی لکھا اور اسی طرح اپنے تئذ کے سامنے بلا کم و کاست بیان کیا، غرض تینوں چیزوں میں راوی ضبط کی صفت سے مستقیم ہو۔

شذوذ، یعنی لغت راوی کا اپنے سے زیادہ خارج اور اولیٰ راوی کی مخالفت کرنا۔

نکات - ضعیف راوی کا قوی راوی کی مخالفت کرنا۔

عدلت - سقم، یا عیب کہتے ہیں، علماء اصول حدیث کے نزدیک جو اسقام یا عیوب کچھ جانتے ہوں اس سے وہ حدیث خالی ہو، عدلت عمل ہے، عمل حدیث سمجھنا نہایت دقیق فن ہے، عمل کسی مشن حدیث میں ہوتی ہیں۔ اور کسی سند میں، پھر یہ عمل کسی خاص ہوتی ہیں کہ نہایت خفیہ۔ عمل حدیث پر مستعمل کتاب میں بھی لکھی گئی ہیں، ابن ابی حاتم کی کتاب العمل مشہور ہے۔

۲۔ حسن - وہ حدیث جس کے فرق صرف اس قسم کے اس کے ملائی صحیح کے متعلقہ کے مقابلہ میں صفت ضبط میں کم تر ہوں۔

۳۔ ضعیف - وہ حدیث جس میں حدیث صحیح یا حسن کی صفات نہ ہوں، یعنی یا تو اس کے راویوں میں عدالت، حفظ، ضبط کے لحاظ سے کمی ہو، یا اس میں شذوذ، نکات، غلطی و خروافی جائے۔

جس طرح صحیح کے درجات ہیں، اسی طرح حدیث ضعیف کے درجات ہیں۔

۴۔ ملحد - وہ حدیث جس میں راوی نے عقل و فطرت کی شرح یا حدیث کی وضاحت کے سلسلہ میں کچھ لفظ اضافہ کر دیے ہوں۔

- ۵۔ متر وک ۴۔ وہ حدیث جس کو ایسے صدیقی نے روایت کیا جس کا بھرت لونا حدیث کے علاوہ دوسرے موقوف پر ثابت ہو گیا ہو۔
 ۶۔ مسند ۵۔ وہ حدیث جو مرفوع یعنی جس کا سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے اور سند پوری اور متصل ہو۔
 ۷۔ مسلسل یا خلف ۱۔ وہ حدیث جس کو روایت کرنے والے اپنے نکلنے کے ساتھ خلف اٹھا کر روایت نقل کیا ہو۔
 ۸۔ عالی ۱۔ وہ حدیث جس میں واسطہ کم ہوں۔
 ۹۔ متصل ۱۔ وہ حدیث جس کا سند میں کوئی راوی ترک نہ ہوا ہو۔
 ۱۰۔ منقطع ۱۔ وہ حدیث جس کی سند میں ایک یا کئی راوی متفرق مقامات سے ملے ہوں۔
 ۱۱۔ مرفوع ۱۔ وہ حدیث جس کے راوی کے متصل ثابت ہو گیا ہو کہ وہ بھرتی حدیث بناتا ہے۔
 ۱۲۔ مرسل ۱۔ وہ حدیث جس میں تابعی سے اس کا راوی ملے ہو۔
 ۱۳۔ مضعن ۱۔ وہ حدیث جو عن فلان، عن فلان سے روایت کی گئی ہو۔
 ۱۴۔ مبہم ۱۔ وہ جس کے راوی کلام ذکر نہ کیا گیا ہو۔

(باقی صفحہ ۲۶ پر)

تسکینی - میوٹیم گزرتا کی شدت اور تیش میں کنی کر نیوالی دروا

موسم گرہ کی شدت، تیش اور ٹوک ایذا رسانی ناقہ بن برداشت تکالیف کی بنیاد ہے سوائے چند پہاڑی علاقوں کے یہ تکلیف ایسی ہے کہ نہ کھانے کا مزہ نہ پہنچنے کا لطف۔ انسان چاہتا ہے کہ کسی سرد خلیف میں گھسارے۔

پایس کی شدت اس موسم کا سب سے بڑا دکھ ہے۔ یہی وہی پانی جانی طبیعت میری نہیں ہوتی اس موسم میں ہم چمکری والے غاروں اور چھنیال زیادہ نکلتی ہیں، گریا کی پسوچین نصیب نہیں ہوتا۔ موسم گرہ کی ان تکالیف کے بغیر اندام کے برسر کے کجوبات کے بعد ایک دھارا بکاو کی پھر کر نام تکین ہے۔
 بلاشبہ تسکینی موسم گرہ میں آچکی تکین کا سامان پیدا کرتا ہے۔ دل کی دھڑکن اور اختلاج کا اعتدال پرکھتی ہے، جگر کی گری کا انداز کہ قید میں لڑکے کا سبب بنتی ہے۔
 پایس معمول سے زیادہ نہیں بڑھتی، یہی وہی اعتبار باپانی چنے کی فرصت نہیں ہوتی اس لئے صدمہ زیادہ نہیں، بگڑا ہوا نظام صحت طریقہ سے بغیر غرض انجم دیتا ہے۔
 تسکینی موسم گرہ کی شدت میں تکین کا باعث بنتی ہے گری کے گوش و بیان کو اعتدال پرکھتی ہے اعتدال سے پایس اعتدال سے پسینہ اور معتدل حرارت گرہا مزاج کو اعتدال پرکھتی ہے اور موسم گرہ کی برہمی سے پانی ہے تسکینی موسم گرہ میں ایک نوعیت جو وقت تکالیف سے نجات بخشتی ہے۔ تسکینی آپ کی حقیقت راست کا باعث ہے جو کہ تسکینی کی ہر گرمی موسم گرہ کے دوران مستقل فرصت دیتی ہے دن میں تین چار بائاس کی دودھ لکھے۔
 مطابق عمر دے سکتے ہیں۔ ۱۰۰ ٹیکہ کی شیشی ۱۰۰۰ ٹیکہ سے ملتی ہے یا عدد دھڑکے طلب فرماتے۔ ۵۰۰ ٹیکہ ۲۰۰ دے دے۔
 غرض، ہونٹے چھنی کی شدت میں ہواں آپ ہلکے قبول و معروف دوا صیفورین استعمال کریں والے ساتھ ہی تسکینی ہی دن میں دنیا میں بار بار نکھال کر دہیں تو تکالیف سے جلد شفا حاصل ہو جاتی ہے۔

اشرف یونانی لیبارٹریز ۳۹ جلد ح کالونی، لائل پور

ماہر القادی

یڈیو کے سوال نامہ کے جواب میں

دراستہ زندگی پاکستان نے ٹکڑے ٹکڑے کی کا سران میر سے پاس کیا تھا، سر کے جواب میں جو کچھ عرض کیا گیا، وہ "قاریں خاتون کی اطلاع اور دلچسپی کے لئے تصدیق ذیل کیا جاتا ہے۔"

کھ، معشرے اور نظم و نسق کے معاملات و مسائل میں حکومت کی جانب سے عوام کے پاس آن کی ملنے معلوم کرنے کے لئے سرانے بھیجا، کیڈیاں، اور کیڈی مقصد کا، صحت مند ذہن اور عوام دوست مزاج کی علامت ہے، جو ہر آئینہ قابل تعین ہے، مگر سوال یہ ہے کہ خود حکومت ان کیڈیوں کی سفاک پکتناس کرتی، اور ملکی مسائل میں عوام کی پسند و ناپسند کا کتنا خیال رکھا جاتا ہے؟ سامنے کی مثال یہ ہے کہ اب سے چند سال پہلے "شہاب الدین کیشن" نے عوام کے نمائندوں پر دواست لٹے اور ان کے خیالات اور نظریوں کا علم حاصل کرنے کے بعد پاکستان میں پارلیمانی طرز حکومت اصالتیات کے لئے "سامنے دہی" باغی کی مٹا کی تھی، مگر حکومت نے اپنے مقصد کے لئے کیشن کی سفارشوں کے علی الرغم آزاد جمہوریت کی بجائے "پابند جمہوریت" (یعنی حکم جمہوریت) کو خلعت و جود بخشا پارلیمانی حکومت کے مقابلہ میں صدارتی طرز حکومت کو قائم کیا۔

دوسری مثال یہ ہے کہ قاضی قاضی کا جب شرمدا میں سوسہ منظر عام پر آیا ہے تو پاکستان کے صدارت کے خلاف کثرت نے ایک ایک دلو کا قبضہ کر کے بنایا کہ ان قوانین کی فصلیں فصلان و فصاحت میں دینی نقطہ نگاہ سے یہ یہ خامیاں پائی جاتی ہیں اور جمہوری طور پر یہ قوانین بہت کچھ ترمیم و اصلاحات کے ہیں اور بعض دفعات تو حدوت کہہ دینے کے قابل ہیں۔ مگر صدارت کی اس مشرت و گزارشات جوئے اصاحتیہ کے باوجود قاضی قاضی کو ذکر کیا گیا۔

انقسم کی مثال

موجودگی میں "تکریر نشریات" کے سران نامہ کا جواب دیتے جیسے دن بچھاؤ اسکول کے محسوس کہ یہ کہ بنیادی جمہوریت کے نظریات میں راقم اور ملک کی گڑا "طرح کی صدا" بن گئے وہ جیسے انصاف باب اقتدار کی ملے، مشرکہ، اور عوام و شعوبہ بالخصوص تو فی فیصل اور عرف اور قربا پائے۔

سران کے بعض صفحات وہ ہیں جن کو "بنیادی" کہا جاسکتا ہے، یعنی جن پر نشریات کے مقصد و جو کا مدد ملتا ہے، میں اپنی اور طرفی سوالا کی جیئے ان "بنیادی" مسائل کو گزرن میں رکھ کر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

یہ بات عام اشکال اور معلوم خاص و عام ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر اصاح اسلام کے لئے دعو میں آیا ہے، دستور ہندوستان کے مسلمانوں نے، کے مطالبہ کے لئے صرف اسی لئے جدوجہد کی کیڈیاں اشکال لادین پر اس وقت تم ہو گا اس لئے پاکستان میں ہر مسئلہ اور مسئلہ ہی نقطہ نگاہ سے دیکھنا، غور کرنا اور پس کرنا چاہئے کہ اسلام کی فصلان و فصاحت کی اس کے لئے تقویت حاصل ہوتی ہے، اکتب و سنت جیسے معروف "دینی" اور ملکر "لہجہ" کہتے ہیں،

بالکل واضح ہیں، ان کے سامنے میں دو واضح نہیں ہو سکتیں! پاکستان کے ہر مذہب اور ہر طبقہ جات کا یہی رنگ ہونا چاہئے کہ ان میں معروف (دینی) کاغذ ہو اور منکر (دنی) کے لئے کوئی گھناؤنا شے باقی نہ رہے۔

یہی مدعی صرف نہیں اور اعلیٰ میں پہنچنے کا نتیجہ بھی نہیں ہے بلکہ ملک و ملت کے ذہن و فکر کی تربیت کا مرکز واسطہ اور ضابطہ بھی ہے، اور یہ کہا جا چکا ہے کہ پاکستان "اسلام کے نام پر" اسلام کے لئے وجود میں آیا ہے، اور پاکستان کی "نشریات" کمالی قدردان اور دینی نظریوں کا ہر پہلو ممکن و ممکن ہونا چاہئے۔ مگر اس اور دوسرے اشتراکات کی مثال ہمارے سامنے ہے، وہاں ریڈیو اشتراکیت کے علم اور تبلیغ ہے ہر شے ہیں، اشتراکات کی نشریات کا کوئی پروگرام اشتراکات کے لئے نہیں ہے۔

پاکستان کی "نشریات" جن کو صرف یہی اسلام کا مظهر اور ترجمان ہونا چاہئے، اس میں چند ہی طور پر اسلام کی جھلک پائی جاتی ہے، اور اس کا بھی یہ رنگ ہے کہ قرآن کریم کی چند منٹ کی تلاوت اور اس کی تفسیر و ترجمانی کے بعد لڑاؤ وقت "طاؤس و دباب" ہی میں صرف ہوتا ہے، اس طرح اللہ رسول کے ذکر سے دلوں میں جو رنگ ان کی کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ ظنی افروں اور گالے بجانے کی لڑائیوں میں گم ہو کر رہ جاتی ہے!

گالے بجانے اور نقص و دوسرے سخی جذبات اور جہادوں کو غنائی ہے! یہ ہوس انگیز "نشریات" اسلامی مزاج کے کوئی مناسب نہیں سمجھیں اور یہ مذکورہ بات سے بھی پاکیزہ اور خیر و تقویٰ کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتے، سازندوں، طوائفوں، نریت کاروں، درناؤوں اور اداکاروں کے ایک کچھ عام طور پر دینی اخلاق اور پاکیزگی کی ضد ہوتے ہیں! اس لئے ان کے ضابطہ جن فن "کاغذ" ہوتا ہے وہ ان کے کردار کا آئینہ دیا جاتا ہے۔

صرفینہ کام کے "سلسلے" کا آج کل کے قص و خفا کا واسطہ بھی نہیں ہے، ان بزرگوں کے یہاں "سماج" کی سخت شرطیں ہیں، ان کی اکثریت "آلات مزاح" کی مخالف رہی ہے، اور محنت کا گانا بجانا اور اتفاق کے نزدیک ناچنا اور حرام ہے!

اسلام دینِ نطرت ہے، اس لئے خوش آواز کی کپسنگ نہ ہے۔ ریڈیو کی نشریات کو "خوش آواز" اور نرم کے ذریعہ دکھائیں دے کوئی قہرست نہیں ہے! "مومن صوت" اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔

اس گروہ کی کاغذوں پر ہے کہ مزاحیہ بیچریوں، یا سنجیدہ ڈرامے، سیاسی یا تفریحی مضامین ہوں یا دینی مضامین وہ ان کا مزاج، آہنگ اور اس پر اس پر ہونی چاہئے، جو دینی نظریوں اور اسلام کی اخلاقی قدروں کو تقویت پہنچتی ہو!

ہندوستان کے مختلف جن دلوں پاکستان نے جہاد کیا تھا، ان دلوں "نشریات" کے ذریعہ ملک کے طول و عرض میں ایثار و قربانی، خوفِ خدا، اطاعتِ دین اور غیر دینی کی جو نوا اور اصول پیدا ہو گیا تھا، وہ اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ابھی ملک کا مزاج دینی اور اسلامی اور جبریت اور بہت سی اخلاقی کمزوریوں کے باوجود قوم پرستی چلتی ہے کہ معاشرے کو فکرو عمل کی پاکیزگی میسر آئے۔ ریڈیو سے شریک و پاکیزہ ماسٹرمی بڑا اثر پائے! ادا کرتے ہیں!

دینی تدبیر اور اسلامی تعمرات کی طرح علوم و فنون میں کون سے جاسکتے ہیں۔ اس کی دو مثالیں پیش کرتا ہوں۔ شمس "مناشع" ترک کوئی مقالہ فرما کر چاہا ہے، اس مقالہ میں تمام فنی مصطلحات اور معلومات کے ساتھ کہیں کہیں یہ جھلک پیدا کر دی جاسکتے کہ کائنات کی پیدائش اور تعلیم ایک خالق اور منظم (creator & organizer) کے وجود کا پتہ دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے مادہ اور توانائی کو سر کر دیا ہے، اس ذکر سے سامعین کی ترقی اور فکرت کائنات کو فہم بلکہ یہی کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، مگر اس سے یہ ناکہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی خالقیت اور جبریت کو نقصان دہ حقیقتہً ذہنوں میں مانع ہو جائے گا! اشتراکیت کے ماننے والے جو بیانی تمام قوانین اور ضابطہ میں صرف کر سکتے ہیں کہ خدا کا قہر و جبر سے خود ہو جائے تو اسلام پر حقیقتہً دیکھنے والے کیا اللہ تعالیٰ کے تصور یقین اور ایمان کو جملہ کر گرنے کے لئے اپنی صداقتیں جڑ سے کر کے کھینچنا مثلاً دوس کا ہمارا مذہب چاند کے قریب پہنچا ہے تو اس نے اعلان کیا کہ اس نقصان "خدا" کہیں نظر نہیں آیا! خدا کے وجود کی نفی کیا یہاں کوئی موائے

تھا۔ اگر اشتراکیت کے پرگرام اور مزاج میں جو بد باری کی نفی و انکشاف ملے ہے، اس لئے کہ جس میں اس عقلم سے فائدہ اٹھایا گیا، اہم مسلمانوں کے ہوا و ہوا
 وال ایچے موقع پر پائے گئی کی قدرت و عظمت اور سلطنت کا اعلان کر سکتے ہیں کہ یہ مرد و ملک اور نظام اللہ تعالیٰ کی بے کراں قدرت کی گواہی
 ایک دوسری مثال ۱۔ یہاں کے بایں میں آئیہ کہا جائے کہ اس علم کے ذریعہ بھی دینی تعصبات کو ہار گیا جاسکتا ہے، تو اس پر بعض لوگ شایا
 گیس کے، اگر ذہن و فکر دینی اور اسلامی ہوں تو کیا حق کے ذریعہ بھی بچوں کو دینی تعصبات سے روکتا ہے کہ اس میں اشتد اس سوال کی بجائے کہ۔ چار گھڑے،
 اور دو ہیں، کل کھنے جا رہے ہوتے۔ اگر یہی سوال کریں۔ انھوں نے بھی کہ نمازیں چار کی ہیں، ظہر کی نمازیں بارہ اور عصر کی نمازیں چار
 پڑھیں، بنا و اس نے کل کتنی رکعتیں پڑھیں؟ تو اس سوال سے بچوں کو کیا حق کے فائدہ۔ کچھ کے سیکھنے میں بھی کوئی وقت نہیں آئے گی اور ساتھ ہی نہ
 دینی تعصبات ان کے ذہن و فکر میں تازہ ہو جائے گا۔

حکومت اگر نشریات کی اصلاح و ترقی چاہتی ہے، تو دین کی اخلاقی قدروں پر اس کی بنیاد ہونی چاہئے؛ اس مقصد کی تکمیل کے لئے اسے ایسے
 بھی مل سکتے ہیں، جو شرع و ادب اور علم و فن میں دینی قدروں کو اس طرح سر رکھتے ہیں کہ نشریات کی دلکشی و حسن اور دلچسپی باقی رہے اور اسلامان پاکیزہ
 کو سن کر بے مزہ نہ ہوں۔

آخر میں مجھے ”آئندہ کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے۔“ نشریات کے سلسلہ میں زبان کا مسئلہ بڑی اہمیت رکھتا ہے، یہ واقعہ ہے اور حقیقت ہے کہ ہندو
 ہندوستان کی جنگ ”آنا و کی میں“ اور زبان نے تمہا جو نمایاں رول ادا کیا اور کتنا کام انجام دیا، وہ متحدہ ہندوستان کی تمام زبانوں کی مجموعی کوششوں پر
 ہے، پھر سوچو کہ جو عظیم الشان کامیابی حاصل ہوئی ہے اس کا سبب بڑا ذلیلہ ”آندہ“ زبان تھی، پاکستان بننے سے پہلے متحدہ ہندوستان کے ہر صوبہ اور
 کے مسئلہ کو اپنی دعویٰ تھا کہ ”آندہ زبان“ ہندوستان کی ”ملنگو فرنگی“ ہے، انعام پاکستان کی جدوجہد کے دوران ہر مسلمان بھی توقع رکھتا تھا کہ پاک
 بننے کے بعد یہاں ”اسلام“ قائم ہوگا اور ”آندہ“ یہاں کی حکومت کی زبان ہوگی،

مگر

انفوس ہے کہ حکومتوں کی یہ تہیہ اور کیلکولیشن اور سیاسی حیثیت کے ادسے ہر دن کی رخنہ افشانی کے سبب ”آندہ“ کو وہ مقام پاکستان میں حاصل نہ ہو رہا
 جس کی وہ حق ہے، اب ہر حال یہ بات ہر شخص کے نزدیک ہے کہ جسے پاکستان میں صحت ”آندہ“ ہی ایسی زبان ہے، جو ہر خط میں بھی جاتی ہے۔

اس لئے

ریڈیو پاکستان کو ”آندہ“ کی اس مسلمہ حیثیت کے پیش نظر ”آندہ“ نشریات کو نہایت گنہگار سے نیا وہ موقع اور موقع دینا چاہئے۔

یہ چند گراں فیض ہیں جن کو انھوں نے تمہارے جذبہ کے تحت پیش کیا ہے۔

(۲۳ اگست ۱۹۴۷ء)

۱۵۔ متر ۱۔ وہ حدیث جس کو اس تصانیف میں بیان کریں کہ ان کا مجموعہ پڑھیں ہر حال میں ہو۔

۱۶۔ مشہور ۱۔ جس حدیث کے مادہ کی ہر طبقہ میں بین فرد مولیٰ، یا جس کی رعایت جہد صحابہ میں کم ہو، دوسرے اور تیسرے جہد میں کثرت سے اس
 ہوئی ہو۔

۱۷۔ عزیر ۱۔ وہ حدیث جس کے سلسلہ رفاقت میں ہمیشہ و درمی نمایاں پائے جائیں۔

۱۸۔ احادیث ۱۔ وہ احادیث جن کی رعایت کرنے والے ایک ایک ہیں۔

۱۹۔ غریب مطلق ۱۔ وہ حدیث جس کی سند میں صحابی سے رعایت کرنے والا منظر ہو۔

۲۰۔ متر فروع ۱۔ وہ حدیث جس کی سند میں اصل حدیث علیہ وسلم پر مشتمل ہو اور اس کے سبب مادی نقد ہوں۔

۲۱۔ متر قوت ۱۔ وہ حدیث جس میں مادی صحابی کے قول و فعل یا تفسیر کو بیان کرے۔

۲۲۔ متطوع ۱۔ جس میں مادی تفسیر کے قول و فعل، تفسیر کو بیان کرے۔

ڈاکٹر عبدالسلام

جگر کا تصوف

ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی نے جی لکھا ہے کہ

”تصوف کا اصل یہ طبعی عشقِ حقیقی ہے۔“

اور احمد فاروقی نے جن کے مسند کی وضاحت افلاطونی فلسفہ کثرتِ یوں کی ہے

”حقیقتِ محض ہے اور ہر ایک حقیقت۔“

عشق کی تعریف میں شہرِ چمنی حامیِ سربیت لانا دے جے جے کہ انے میں اپنے خصوصیات ماننا نہ گزیرایت دلچسپ اختلاف میں کی ہے۔

”ہم تادہ دقا کی طرف دیکھتے ہیں اور میں کہہ سکتا ہوں کہ آہ اس کا کوئی سنگ نہیں، ہم تادہ کو گات لگا کر سنتے ہیں اس کی

کوئی آواز نہیں، ہم تادہ کو ٹوٹتے ہیں لیکن وہ ہمیں کہیں آواز نہیں دیتا اس کا کوئی جرم نہیں، ہمیشہ! اں جلد آواز دے

نام و نشان دیتا ہے، انداز ہر دم ہی کی جانب ہمیں آتا ہے۔“

عشق میں ایک طرح کا غیر معمولی اندازِ فہم ہے جس کی طرف اشارہ کرنے کی کوشش یوں نے کی ہے، ”جگر نے غیب کا پتہ“

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لیجے اک آگ کا مٹی ہے اور دُوب کے جانا ہے

مروید نے اپنے وجدان سے عشق و عشق و دروں پر شمس کے نظریات قائم کئے ہیں جن کو مولانا حسین اعظمی نے با ترتیب و نظر یوں بیان کیا ہے۔

”پہلو نظریہ، عشقِ خالیِ حُسن ہے۔“

دوسرا نظریہ، اصل حقیقتِ محضِ محض ہے اور عشق کا تقاضا ہے جہدِ خود نمائی اور یہ قہر ہے عشق کا فرق اور عشق ہے اللہ غیب کی اصطلاح

میں اسی کو فہم کہتے ہیں۔“

تیسرا نظریہ، عشق و عشق دونوں اپنی اپنی جگہ مستقل ہستیاں ہیں مگر شمس کا صحیح نظریہ عشقِ خالیِ حُسن ہے اور عشق اپنے معیارِ بلند کی جستجو

میں رہتی ہے اور عشقِ خالیِ حُسن سے درجہ چڑھتا ہے جو بے توبہ کی ہوئی چٹکائیاں بھرا کر اُنتھج ہیں۔ اس کا تقاضا ہے عشقِ حُسن سے لاف

کا نظریہ رنگِ گھماتا ہے۔“

چوتھا نظریہ، تمام کائنات عالمِ کبریا میں ایک عکسِ انزل کا پر ہے اور عشق و عشق کی حقیقت ایک اللہ تبارک و تعالیٰ میں ہے۔

اور جگر نے کہا ہے کہ۔“

میر تقی میر۔ حیاتِ ابدی ص ۱۱۱، علامہ - جامِ نو، ہجری ۱۳۸۵ ص ۱۱۱، علامہ - فیضانِ فلسفہ، درمیر جلد ۱ ص ۱۱۱،

جامِ نو، ہجری ۱۳۸۵ ص ۱۱۱

حسن نام ہے مناسب اور صحت کا ۔

اسے آئینہ امتسراجِ کامل درجہ صفات برگزیدہ

خدا میں تمام کا مجموعہ ہے ۔

لفظ و معنی جس کو چھو سکتے نہیں وہ مرا دکھ لفظ آفاذ ہے ۔

حقیقت کا مدعی واصل کوئی تعریف پر نہیں سکتا وہ مقام وسطی ہے جہاں تمام حقائق ایک نقطہ پر ملتے آتے ہیں ۔

حسن حقیقت سے نسبت جو جانے پر انسان کی کارہی و باطنی کیفیات میں سائنٹفک کیفیات ہونے لگتے ہیں چونکہ نسبت کے کسی رابطہ میں ہونا نام کی نسبت ہی سے ان کیفیات کا ظہور ہوتا رہتا ہے ۔

حسن ایک حقیقت کا نام ہے جس کا احاطہ ممکن نہیں لیکن کائنات مظاہر حسن کا مجموعہ نسبت اگر حسن کامل سے ہے تو پھر یہ کہ مظاہر حسن اس کے لئے بہ کچھ میں لیکن وہ ہمیشہ خوب سے خوب تر کا مشق رہتا ہے اور اس کی ترقی کی مقدار کے ہی کی جانب بڑھتی جاتی ہے اور اس کے آئینہ میں پاکیزگی و صفائیت بدرجہ اتم ہو گئی تھی

تصویر کے ہاتھ میں جگہ اپنی مائیں اپنے بعض اشعار میں بھی نظم کر دی ہیں ملاحظہ فرمائیے ۔

یہ حسن طلب ہی کا ایک جملہ رہتا ہے	کس نے اسے دیکھا ہے کس نے اسے پایا ہے
اگر نہیں پس پر وہ کوئی حقیقت میں	یہ کون بول رہا ہے ظہم صورت میں
مجموعہ بنا ہوا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں	میں وہ ہوں تو نے ظالم انور جس کی آندو کی
مجھ میں رہے مجھ سے مستور ہو کر	بہت پاس نظر بہت دُور ہو کر
وہی حسن جس کے میں یہ سب مظاہر	اچھی حسن میں سن ہوا سہارا ہوں
پر وہ جب اٹھ گیا ہے دیکھا ہی ہے اکثر	اپنی ہی آندو میں اپنی ہی مستور کا۔
ہر حقیقت کو ہر انداز تماشا دیکھا	خوب دیکھا تھیں عہدوں کو گر گئی دیکھا
ہم نے ایسا نہ کوئی دیکھنے والا دیکھا	جو یہ کہہ دے کہ ترا حسن سما دیکھا
نقاب حسن و عالم اٹھائی جاتی ہے	مجھ کو میسر ہی قبیل دکھائی جاتی ہے
یہ سب لالہ و غلی یہ سب چاند دارے	ترے اک جسم کے چند استارے
ہر ذرہ عالم پر حاوی ہیں صفات اس کے	سب کہنے کی باتیں ہیں مخاری و مجوری

اُردو شاعری کے بیشتر موضوعات فارسی شاعری کی تقلید ہیں اور دشاوی کا تصور بھی فارسی شاعری سے لیا ہے فارسی میں حافظ، غزل، غزل، اور دم سب کے سب مہم فیاض رنگ کے شاعر تھے اس لئے ان کی شاعری ان کے واردات قلبی کا مظہر ہے بقول رحبن نسیم ان کا حقیقہ ہے کہ ۔

یہ کائنات ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ہیں حسن مطلق و *ASADUT BEUTY* مکی
جھلک مٹی ہے ان پر نگہ اس کائنات کا ایک اہم جز ہے اس لئے اس میں بھی حسن مطلق کی ضرورت ہو رہی ہے

ملہ احمد رفائی صاحب کا مضمون پر عزازان - نظریات جگر - (غیر مطبوعہ) جسے عبداللطیف اعظمی صاحب ایڈیٹر جامعہ نے راقم طرف کو بھی فرمایا اب یہ مضمون نگار شات جگر میں شائع کیا گیا ہے ۔

اس میں اضطراب پیدا کرتی ہے اس بات کا کہ وہ حسن مطلق کو اپنے حلقہ فہم میں لے آئے مگر یہ ممکن نہیں کیوں کہ حسن بیکان در ~~حسن مستحکم~~ ۱۷۱۲ء میں ابدالان محمد در ~~حسن مستحکم~~ اس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ عمر بھر اس حسن بیکان کا عاشق بنا رہتا ہے مگر حسن نصیب نہیں ہوتا۔

اُردو شعرا میں میر درد کا کلام قصصیت میں ڈوبا ہوا ہے ان کے بعد نعلیت کے یہاں بھی قصو کا کچھ عنصر مل جاتا ہے اور میریں صدی کے شعرا میں اسرار حسن کو شمیم باطن سے لگا دیکھا اور وہ قوت شاعرانہ قوت سامع کو بھی بردے کا مل گئے۔

بجز اگرچہ صوفی شاعر نہیں ہیں ان کو خود بھی اس کا اعتراف ہے

میں نہ زائد سے ہوں شہر مندہ نہ صوفی سے جوگر

مسکب عشق مرا مسکب رندانہ بھی

پھر بھی ان کو ہاں ہر اعتبار سے صوفیانہ ملا ان کا گھڑیل ماول مذہبی تھا ان کے والد ایک صوفی فنش اور اللہ والے ان سے اور بڑے گاہن دین۔ وہ اولیائے کرام سے بڑے شہادت رکھتے تھے انہیں کا اثر جوگر بھی پڑا بالکل ابتدائی زمانے میں والد کی تربیت میں رہے اور پھر حب شعر و شاعری کے میدان میں قدم رکھا تو حضرت احمد صاحب مرحوم مراد آبادی و حیدرآبادی صوفی شعراء کا ساتھ ہو گیا جن کے انتقال کے بعد انہوں نے ایک دفعہ ان کو مدح و ثناء کے عالم میں خواب دیکھا ان سے رسول مقبول کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے لئے گزارش کی

جوگر مراد آبادی کو حضرت گزروی کی صحبت سے فیض اٹھانے کا سبق ملا اور پھر وہ شاہ عبدالغنی صاحب گلواری سے بیعت ہو گئے جن کا مدعا فی فیض ان پر ہمیشہ جاری رہا اسی طرف انہوں نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے

مندانہ اگر کوئی زنجیر ہلا دیتا ہے

تجسس و عشق ترے خاں نہیں ہونے پاتے

یہ بھی ہے کہ جوگر ابتدا سے آخری ترک حسن کی تعریف و توصیف میں مورچہ لیکن بعد گو وہ ایک ایسے مقام پر پہنچ گئے جہاں انہیں حسن کی اپنی پردہ

حقیقت خاں محسوس ہونے لگی، فرماتے ہیں۔

روح مضطرب رہی جب تک نہ پیدا علم ہوا

راہی باطن اس کو کہتے ہیں کہ روز اولیں

اس لئے یہ خیال کہ جوگر کے کلام میں قصصیت کا رنگ، اسرار کی لطافت کے بعد لایا وہ اصغر ابدالان کے کلام سے متاثر ہو کر قصصیت کی طرف راغب ہوئے تھے

نہیں محرم ہوتا ان کے قصصیت کی بنیاد قرآن کے خاندان امیاتی مدح و ثناء کی صحبت ہی میں پہنچ سکتی، لیکن اصغر سے جب طلاق ہوئی اسد شاہ جیلانی صاحب سے بیعت ہوئے قرآن کا یہ جویر اور نکھڑا۔

جوگر کے بالکل ابتدائی زمانے میں ایسے اشعار نظم میں جنہیں خالص صوفیانہ کہا جاسکتا ہے مثلاً

ایک بجا جسدہ کہیں مجزل کہیں بیلانی ہوا

دیدہ حق میں میں کیسا فسق کیسا امتیاز

محو حیرت ہوں خود اپنا حسن پنہاں دیکھ کر

کیا کروں گا ادب بہادر گل بداناں دیکھ کر

شان ہے ایک مگر رنگ جدا گانہ ہے

دہی گل ہے دہی بلبں دہی پردانہ ہے

اس کے بعد ان کے یہاں ایک سنبھلی ہوئی کیفیت ملا لگتی ہے

رفتہ رفتہ سامنے حسن تمام آ ہی گیا

اللہ اللہ یہ مری ترک و طلب کی وسعتیں

جو عشق معتبر یہ کسی کو خبر نہیں
اب بھی حسن ہے بولتہ نظر نہیں
جگہ نہ بعض اشعار میں اپنی اوجہ دہی آج کی بدلت حسن و عشق دونوں کو الگ الگ ہستی بنایم کر کے کہ جائے دونوں کو ایک ہی خوب ہے
آئے ہیں شاعر

حسن سے عشق جدا ہے نہ جدا عشق سے حسن
کون سی شے ہے جو آنکوش و آغوش نہیں

عشق کا کسم کاسیاب ہوا
قوی کمال عشق ہے تو ہی کمال حسن ہے
اس طرح نہ ہو گا کوئی عاشق بھی تو پابند
جگر کے صوفیانہ کلام میں وہ جان کی سستی بھی ملتی ہے -

پیر کے دیکھوں اگر سینہ سستی عشق
ہر پردہ ہستی میں جب تو متشکل ہے
کیا چیز ہے کل عالم کیا چیز مراد ہے
وہ غیم تماشا بھی کیا غیم تماشا ہے

جگر کے یہاں تصویریت کا عنصر بھی پایا جاتا ہے -
گن کے تو گن جا بے بس نہ بے خبری
میرا ہے نہ لیتی ہے دنیا ہے نہ سائل ہے

جگر نے منہ پر زبیں اشعار میں گفت و نہ گفت کی گستاخانہ اپنے انکرو و جہان صحن میں گہرائی اور غزیریت پیدا کر لی کشش کی ہے

یہ سب تو دنیا کشش ہے تیرے چھوٹے
نڈے نڈے سے نمایاں شان میں دیکھ کر
ہر چیز چپ چپ ہی تھیر کر نگاہیں

ان کے یہاں جو مضمون تصویریت کا داخل کیا گیا ہے وہ بھی پایا جاتا ہے

چشم نظر سیرت میں جس کا جہان نام ہے
خود فیہ بار جو الگ جسدہ مستند نہ ہو

”سیرت“ کے معانی میں وہ جان ہوا۔ یہی رہنمائی کرنے سے قاصر ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں

کام نہ آئی حق کی عقدہ کفائیوں جگر
اس جلدہ تمام کی ہم کو خبر ہی کیا

جگر کی محض ان فطری سیرت بھی بالترتیب ملاحظہ فرمائیے -

اب اس صورت سے کیا آتش تیرے آئینہ خانے میں
تیری ہر ایک شان کے شایاں بننا دیا

تو یہ تصویر ہی بن کر تو یہ تصویر دیکھیں گے
انساں کو وہو عشق نے انسان بنایا

ہم سے پڑھو وہ کہاں ہے ادھر کس ممکن میں ہے
سراپا دید ہو کہ غرق موجِ فرد ہو جانا
اک شاہد ہے ثانی اک پاسیکو مجھ کو
ایک فتنے کا اگر حسن نمایاں ہو جائے
اگر نہیں پس پردہ کوئی حقیقت میں
ان کے مونیانہ تجربات بھی ملاحظہ فرمائیے

تفسیرِ عشق و عشقِ جگر مصلحت نہیں
لفظ و معنی میں نہیں جلوۂ و صورت میں نہیں
جگر کے کچھ خالص و جذباتی اشار بھی دیکھئے

یہ کیا کیا کہ عطا کر کے عشقِ لامحدود
کچھ اس طرح وہ پس پردہ مجاز رہے
اس بزمِ حقیقت کی حقیقت میں کہوں کیا
اب نصرت سے متعلق مختلف روئے و عادات پر جگر کے کچھ اشار ملاحظہ فرمائیے جن سے ان کے بغیر مختلف نظریات کا پتہ چلتا ہے

کثرت میں بھی وحدت کا تماشا نظر آیا
جب دیکھ نہ سکتے تھے تو قطرہ بھی تھا دنیا
دور نشی شرق کا الشد سے کمال
کون تجھے پاسکے کسی کی یہ ہے دست گاہ
سنت ہوں کہ ہر حال میں وہ دلی کے قریب ہے
مجھ سے کوئی پوچھے تو سے لے کی امانیں
شا کے دلی ہے براک نقشہ دلش میں نے
اسی تلاش و تجسس میں کھ گیا ہوں میں
من پہ نہاں جگر تلاشِ کونم
اغیار بدل غنہ زن و دل جو مشغول
کوئی مانے نہ مانے اس کو، لیکن یہ حقیقت ہے
نصائے کچھ ہر پاسد میں بتِ خاد
جب تجھے دیکھ کر کوئین کی دست دیکھی
تسکین مدح جب نہ کسی طرح ہو سکی
اپنا ہی کس پیل نظر دیکھتے رہے
میں نے دیکھا ہے کہ میں میں طرح کجگر
عالمِ جہہ پڑ جولوہ و دست

درد کی جیتا بول میں قلب کی دھڑکن میں ہے
توا لٹا ہے خود ہستی سے اپنی درد ہو جانا
ہر درد میں شامل ہے ہر سانس میں نہاں ہے
آدمی شمشیرِ انوار سے حیراں ہو جائے
یہ کون بل رہا ہے طلسمِ صورت میں

افشائے سازِ قطرہ و دریا نہ کیجئے
عشق اک چیز ہے جو کون و حکایت میں نہیں

مجھے حریفِ مقابل بنا دیا تو نے
کجا ساز میں بھیجے تھے ساز رہے
نغموں کا تلاطم تو ہے آواز نہیں ہے

جس رنگ میں دیکھا تھے یکتا نظر آیا
جب آنکھ کھلی قطرہ بھی دنیا نظر آیا
جو ہے خبر ہوا وہ بڑا باخبر ہوا
عشق سوگم کردہ ہوشِ سوگم کردہ راہ

جس حال میں ہوں اب مجھے افسوس نہیں ہے
دنیا تو یہ کہتی ہے کہ ممکن ہی نہیں ہے

تجھے بھی دیکھ لیا پایا یہ پس میں نے
اگر نہیں ہوں تو کون کون؟ جو ہوں تو کیا ہوں میں
اور مگر آشکار ہی آید

خلف پس دیوانہ و دیوانہ بکار سے
ہم اپنی زندگی میں غیبِ گوشِ دل سمجھتے ہیں
ترسے سوا حقیقت نہ کوئی افسانہ

حسن ہی حسن محبت ہی محبت دیکھی
سیاہی اپنی دھن میں ملے کچھ پلاسے
آئینہ مدبر و مخدع دیکھتے رہے
میں نے پایا ہے جس پر پاؤں کے
اسے جائے لگاؤ فارسیدہ

زندگی ہے ترسے سوا ساقِ کلام
جس کی گزرا گزیرا غصہ و غم
ان اشعار میں جو غیبِ دل کی کیف و سقا احوال و بصیرت قلمی ہے وہ اس کی لازمی جاتی ہے کہ جگر
جس سلاطین کا شکاری میں رہا ہوتا ہے کہ کیا نہ ترسے دل و شریک ہے

ماہر القادی

یاد رفتگاں

نیاز فتحپوری

میری عمر بہت سے بہت تیرہ چودہ سال کی ہوئی، مجھے یاد پڑتا ہے کہ نیاز صاحب کی ایک دو خطیں رسالوں میں میری نگاہ سے گزری تھیں، اس کے بعد ۱۹۲۲ء میں رسالہ نگار کے دو شمارے کی کے پتہ پڑے تو مل گئے، مضامین کی ترتیب و خروج اور ایڈیٹر کے امانت نگارش نے وجدان و طبیعت کو چمکایا، اس زمانہ تک میرا مطالعہ انتہائی محدود تھا، اس سے پہلے کانپور کے ماہنامہ "زمانہ" دہلی کے "نقیب" و "نقاش" اور ان کے رسالہ "ادیب" کے چند شمارے پڑھ چکا تھا، یہ وہ دور تھا کہ کسی ادیب و دانش بردار کی تحسین میں — علیٰ تعجب و راتبہ، شعلہ بے سبب، ماہر الاشتراک، فلسفی و جم البصیرت — جیسی ترکیبیں نظر آتیں تو ذہن مرعوب ہو جاتا، ۱۹۲۲ء میں قصہ ڈیوانی ضلع بلند شہر کے شاعر عاشق ڈیوانوی صاحب نے مجھ سے اردو کے کئی رسالہ کی خریداری کا مشورہ کیا، انہوں نے پھرتے ہی "نگار" کا نام بتایا اور وہ "نگار کے خریدار بن گئے!"

۱۹۲۸ء میں سب سے پہلی بار حیدرآباد و دکن جانا ہوا، وہاں داما مللہ بھی تھے، آصفیہ فتحپوری بھی اور کشتی کتب خانہ بھی، ملا لکھ کر کوئی حد نہایت نہ رہی، جو کتاب بھی مل گئی اُسے پڑھ ڈالا، رسالہ نگار بھی نگاہ سے گزرتا رہا، یہ تقسیماً وہ زمانہ ہے جب نیاز فتحپوری نے بڑی کثرت کے ساتھ "مولوی" اور "مولانا" کے پڑھنے و لکھنے کی شہید ہو چکا تھا، کوئی حقیقی مسلمان کا دوسرا قدم "اسلامی فکر" کا خالق اڈا اڈا اڈا دینی تحقیقات، بلا سلسلہ کو تحریر کرنا تھا، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک دن شام کے وقت ہمارا مہر مکشون بہاؤ دینا السلطنت حیدرآباد کے دبیر میں ہوش ہلکا، نیاز صاحب کا وہ مضمون مزے لے کر سننا سچے تھے، جو دین بخت کا خالق اڈا اڈا گیا ہے۔

ملہ ناظر الحسن نام تھا ہر شے شخص، بلگرام کے رہنے والے تھے اور اپنے نام کے ساتھ "سید" لکھتے تھے، بڑی بلند سچ اور لطیف طبیعت پائی تھی، دہلی ساری کے فن میں حافی، لکن سالی غائب، حادی علی خان، زانی رام پل کے مصاحب تھے، پھر حیدرآباد و دکن میں ہمارا مہر مکشون پرشاد دہا اور دوسرے امراء کے ورہا سلی میں اپنی بلند سچ کے سبب ہاریالی اور قریب حاصل کیا، نیاز فتحپوری سے بڑا یاد دہانہ تھا، نیاز صاحب کو بابا حیدرآباد بلایا، اور امراء سے ہزاروں روپیہ دلایا!

ناظر الحسن ہر شے بگڑی نے حیدرآباد و دکن سے ماہنامہ "ذخیرہ" لکھا، جو کچھ دہلی کے بعد بند ہو گیا، اس ماہنامہ کا خاصہ بلند سچا رہتا، پھر ہوش صاحب کے لئے ناظر پڑ، دلوش ماسٹر جرنل، کے دفتر میں سرنگ بنک کے انسپکٹر کی خاطر پڑ، دلوش بنائی گئی، دوسروں پر ماہر اسکے قریب تھا، حافی، گلاس زمانے میں وہ بگڑی میں رہتے اور ساری کے لئے فن رکھتے، امانت معاف، انسو پیہ سے کیا کم ہوں گے، ہر شے صاحب کے حادثہ پٹ کا یکے بعد میں (باقی صفحہ ۲)

خلعت) منظر میں آیا صاحب کو میں نے لنگہ کی میں سب پہلے خط لکھا، خط لکھنے کی تقریب میری ایک نظم تھی، جو میں نے "لنگر" میں چھپنے کے لئے ان کی خدمت میں بھیجی تھی۔ اس کے جواب میں ان کا رد و حیدر آیا و مکن کا لکھا ہوا میرے نام آیا کہ آپ کی نظم خوب ہے، لنگر میں چھپے گی، آپ مجھ سے ہوش بگڑا گی صاحب کے یہاں آکر بیٹھے، لنگر لٹھنے کے واسطے دن میں ان سے جا کر ملا، ملے تو وہ تباہ کے ساتھ لنگر گان کا انہوں نے ملاقات بتا دیا کہ وہ دیر آ رہا تھا اس کے امتزاج واقع ہوئے ہیں، انہی دنوں ہمارا سکریشن پر مشاوریہا کے یہاں لڑائی شروع ہوا، جو میں ہی پڑان کے تو قریب لنگر میں، سمن اتفاق سے حضرت ناطق کھنڈ کا مرحوم بھی حیدر آباد آئے ہوئے تھے، تین دن فحشیری اس مشاعرے میں شریک ہوئے مگر انہوں نے غزل نہیں پڑھی، سب اچھی غزل، ناطق صاحب

(ربیع حاشیہ ص ۳۲) ذکر آیا تو مولانا مفتی عبدالقدیم جاپوری مرحوم نے بڑے مزے انداز کی بات کہی جو لطیفہ کے طرز پر تیار ہو چکا ہے کہ :-
"ہوش صاحب کو قرقطہ کی خاصی آدنی ہے"

ہمارا سکریشن پرش دے کے علاوہ نواب سالار جنگ بہادر اندھا بہرحسن راجہ گیر کے یہاں سے بھی ہوش صاحب کو "مالی خزانہ" ہر واقعہ اس کے بعد لکھنے لگا، میں مددگار محنت دینی سکریتی ہو گئے، اور کئی سال بڑی محنت اور قابلیت کے ساتھ سرکاری فرائض انجام دے، سینکڑوں صفحوں کی چوٹی مسلوں (فائلوں) کا خلاصہ پندرہ صفحوں میں کر دیتے، نواب محمد یار جنگ بہادر جو حکمران فوج کے سکریتی (مستند) تھے، ہوش صاحب کے (نثری لکھنے والی، انجمن تحریر ادبیات) بھی بہت متاثر تھے۔

نواب اعظم بہادر نواب اعظم جاہ بہادر کی نئی نشانیوں پر ہی تھیں اندھہ باغا ملک کے پانچواں اول کی بجائے، بلا دستا کی آوازوں غنائیں دے پئے گئے، ہزاروں روپیہ ہمارے تحفہ میں مقسم ہوئے، ہوش بگڑا ہی میں ان کے برہن حاضری دینے کے اندھا ہے کہ "عارف و پارا لی" کا "آواز" کھانوں سے ہوا، ہوش صاحب کو انواع و اقسام کے اچھے سے اچھے کھانے پکوانے کا پراخوئی اور جسم بہت، شہزادوں کے یہاں ہوش بگڑا نے طوطا طوطا کے لذت و نفیس کھانے پکوانے، اس کی خبر نواب میر عثمان علی خاں والی دکن کو بھی ملی، صدر نظام کے ایما پر ہوش صاحب ایک دن کافوں کے خان کنگ کو سہلی مہاک میں لے کر حاضر ہوئے، کھانوں سے نیا وہ ہوش صاحب کی ہڈی بھی نظم دکن کو پسند آئی اور اس دن سے وہ مدعا دے دے باشت ہی میں حاضری دینے لگے۔ تمام دیباہوں اور مصاحروں میں نظام دکن کے سب سے نیا وہ خراج شناس ہوش بگڑا ہی تھے۔ اس لئے شہانہ عتاب کی کبھی نوبت نہیں آئی۔ قدرت نے اس شخص کو دیباہ داری کے شہ کی شاید پیدا کیا تھا۔

فردا مدعا دے دکن نواب میر عثمان علی خاں نے جب سمرانی پورٹی علی گڑھ کا مدعا دے کرنے کے لئے سفر کیا تو میں مغرب ہوش بگڑا ہی ان کے ہم راہ تھے، اس سفر کی رو داد انہوں نے مدعا نامہ "بہر دکن" میں چھپوائی، ان کے مضامین کی ترتیب و تسبیہ میں شہنشاہ علی اختر مرحوم کے قلم کو بہت کچھ دخل تھا، علی اختر مرحوم سے ہوش بگڑا کے گہرے تعلقات تھے، محکمہ تعمیرات میں ہوش صاحب کی سہی و دستا دے وہ مدعا دے دکن کی سکریتی بنے، تنخواہ ایک ہزار سے کچھ زیادہ ہی ہوگی، جناب بخش علی آبادی سے ہوش بگڑا کی صفاتی تھی، انہی فحشیری نے ہوش صاحب کے کلام پر "لنگر" میں جب مفصل تنقید کی تو یہ تک لکھ دیا کہ علی اختر اب بھی ہوش صاحب اچھا کہتے ہیں۔

ہوش بگڑا کی خوش و دکن نے پھر "ہوش یار جنگ" کا غلطیہ خط لکھا اور وہ فکر تعبیرات کے مستند (سکریتی) ہو گئے، اب وہ دفتری امور میں بہت کم دل سپر لیتے تھے، سالار کام علی اختر صاحب پر چھوڑ رکھا تھا، علی اختر صاحب انتہائی دیانت والا تھے، مگر ہوش صاحب کے شانہ صاحب کے لئے تنقید آہنی کی ضرورت تھی، صرف تنخواہ بڑی ملاٹ بات کے لئے کہاں ہوا پڑ سکتا تھا۔

مدعا شہر میں تفریک سبب ہوش بگڑا کی شخصیت بڑی مستاز بھی جاتی تھی، بعض لوگ پیٹھ پیچھے ہوش صاحب کو چاہے "دیباہی سفر" کہتے ہوں، مگر سامنا ہوتا، تو جنگ کرتے، مسما کر حیدری ہوں یا نواب صاحب چھٹا دکن اور نظام محمد صاحب دکن ہرل پاکستان، جو حیدر آباد میں وزیر اعلیٰ تھے، ہوں یا

کی رہی دو شعر پورہ گئے ہیں۔

اس اہتمام سے مجھ کو ننگ و سار کیا
یہ دو سبب ہوئے اسے دل تری تباہی کے
جوانے خاک کیا، خاک کو غیب دیا
کہ اس نے وعدہ کیا کرتے اعتبار کیا
میری غزل کا بس یہ شعر کچھ غنیمت تھا۔

دل عزیز باتری سب زہر کو شیاں معلوم
جو کوئی بس نہ چلا، صبر اختیار کیا
میری نظم نئی کے بعد ماہنامہ نگار میں میرا کام وقتاً فوقتاً چھپتا رہا اور غالباً ۱۹۳۱ء میں نیا صاحب جیہٹا پائے ہوئے تھے، ان سے
منا ہوا تو بوسے کو آپ کی ایک نظم پر نگار میں تنقید لکھی ہے اس میں عرض کیا کہ اگر تنقید میں کچھ باتیں محض نظر میں تھیں تو کیا ان پر بحث و گفتگو کو آپ لکھ کر پیش فرما
دیں؟

دقیقہ حاصل ہے (۱) کوئی اندیشہ مجھ پر بارش صاحب کی غزلوں میں ان کی دل دہی کے لئے تمام اکابر و عواما و خیرک ہر تہا ان سے ملے تو حسن و کام و کثرت
ایک چھٹ چار میں یوں، بغیر کوئی، دیرہ زین فرخسیر، شاندار موثر، چاندی کے کمان سے لیکر رش کار کے قاتین تک ہر چیز میں انتہا درجہ کی
صفائی اور سلیقہ، ماقام و عارف و شاعر صاحب کی خاصی بے تکلفی تھی۔ اپنی ہر چیز کی تعریف کرنے اور سننے کا شوق تھا، ایک دن مجھ سے کہنے لگے۔
ابہر صاحب! یہ جو میرے مکان کی صند خواب ہے، کئی امر کی سیاحت اس کے لڑکے گئے ہیں!

ساحل بگڑی مرحوم تہوش صاحب کے چھوٹے بھائی تھے، خیر جیہٹا باؤ کی بلیہ و کار پلٹیشن، میں تہوش صاحب نے ٹیکس کی دوسری لپا کا ان پڑ
کرا دیا تھا، ٹیکس سے بہت قریبی ترقی پاتے، مگر وہ دو تین ہزار روپیہ کا خیر کر کے جیہٹا باؤ سے فرار ہو گئے، یہ رقم بعد میں تہوش صاحب کو بھرنی پڑی۔
حکومت جیہٹا باؤ کے زوال کے بعد تہوش بگڑا ہی نے بھارت کے قیادوں کی خوشنودی کے لئے ایک کتاب نظمیں میں حسن و کام جو ان کے تہوں اور
نہیں تھے، ان پر خوب خوب چھٹی لکھی اور ان کے پرانے انداز کی باتوں کو قسم کے زہر و نظر عام پڑانے لگا اس کتاب نے ہندوستان کے اہل تہذیب و
کیسہاں ہاں کے انسانی حاصل کرنے میں تہوش صاحب کی مدد ہوئی۔

تہوش بگڑی کا انتقال ایسے عالم میں ہوا کہ وہ اپنی پچھلی زندگی کے آثار و حزن و غم سے مرگے ہوئے نظر نہ آتے تھے بلکہ شادمانی و مسرت فرماتے۔
(حاشیہ ص ۳) اس نظم کو سمجھتے ہوئے، میں نے پیلا تہودی کو کھٹا کہ تسلی اور تہڑی دونوں طرح ہر ایک لکھا جاتا ہے آپ جس لفظ کو پسند
فرماتے ہوں، نظم کا عنوان بنا دیں، انہوں نے تہڑی پسند کیا۔ دلی میں بھی نیا دہ تہڑی تہڑی ہی بولا جاتا ہے مگر میں تہڑی کو صرف لفظ انت اور تسلی کی کہتا
پر تہڑی کہتا ہوں اور اس میں تہڑی نہ لکھی اور اسے امیری ایک دوسری نظم کا ایک شعر ہے۔

جو آؤں میں آؤں تہڑی تہڑی
ایک بارے میں یہاں سے دلی

میں ہاں رہ کر سن بھاد کی ایک مشوری ہے، جس میں تہڑا تہڑا تہڑی میں سے کسی ایک بافتا کا واقعہ نظم کیا گیا ہے، وہ دلی اور ہندو مسلم اتحاد اس نظم کا مرکز
تھیں اس نظم کی نظم بنانے کے لئے ایک کوشش قائم ہوئی اور تہوش بگڑا ہی کے مشورہ اور سفارش سے پیلا تہودی کو اس کے مکالمے لکھنے کے لئے جیہٹا باؤ کو
بلایا گیا، تہڑا غالباً ساڑھے تین سو روپے ہمارا قریب پائی رہنے کے لئے مکان اس کے علاوہ آتیاد صاحب نے کئی بیٹے بلوہ جیہٹا باؤ میں قیام کیا۔ نگار کے
کتاب کو بھی انہوں نے کھنڈ سے جیہٹا باؤ بلایا تھا مگر تسلیم تہڑی ہی ہو کر رہ گئی۔ (۱۹۳۱ء سے آٹھ سال قبل کا واقعہ بیان کر رہا ہوں)

خواجہ مرحوم امیر میں شام کے وقت اکثر تہڑا صاحب کی قیام گاہ پر جایا کرتے تھے، ایک دو گھنٹہ تا شام شعل جیہٹا تہڑا صاحب کے شام کے کوئی خاص ڈپٹی
نہ تھی ہندی خاطر کھیل میں شامل ہو جاتے اور کثرت میں بار بار غلطیاں کرتے یہ سب کچھ کا ذکر ہے، حضرت خانی بدایونی علامہ لکھنؤ کی مجلسی حاکم تہڑا صاحب
کی قیام گاہ پر تہوش بگڑا ہی انہیں ہاں کچھ سن پڑا کے یہاں سے اپنی کاریں لے گئے تھے۔

فرمائیں گے، بسے، خروہ۔۔۔۔۔ اسی لئے تنقید کا یہ سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ چند ماہ کے بعد میرا آٹھ ماہ (مجلات) کا نام نکل آیا، وہاں ایک مشہور تھا، ایک صاحب نے مجھے اس مہینہ کا نمبر لگا دیا۔ جس میں میری نظم پر ”ماہِ واعلیہ“ کے تحت تیار کیا گیا تنقید فرمائی تھی۔ یہ تنقید بڑھی ترچے بڑی حیرت ہوئی، بعض اعتراضات بالکل غلطی بلکہ غلط تھے؛ مثلاً میں نے ”بادہ“ نامے ناب“ نظم کہا تھا، اس پر تیار کیا صاحب یہ اعتراض فرما دیا کہ ”بادہ ناب“ کی جگہ نہیں آتی، میں نے اس کے جواب میں غالب کی ”مسئل غزل“ کا یہ شعر خوبصورت پیش کیا۔

وہ بادہ نامے ناب گویا کہ نامے نامے

اسی طرح بعض دوسرے اعتراضات کا دلیل کے ساتھ جواب دیا گیا مگر تیار کیا صاحب نے میرا یہ خط لکھ کر میں شائع نہیں فرمایا۔ میں نے یاد دلائی بھی کی لیکن شرفائی نہیں ہوئی، آٹھ ماہ نامہ شروع میں جو ان دنوں اگر وہ لکھتا تھا، میں نے اپنا یہ خط پھر دیا۔

تیار کیا صاحب نے میرے مراسم میں اسی حد تک تھے کہ میں نے کوئی نظم یا غزل ان کے یہاں پچھنے کے لئے بھیج دی اور انہوں نے وسیع کے طور پر غلط لکھ دیا۔۔۔ اپنے رسالہ میں ”ماہِ واعلیہ“ کے تحت انہوں نے میری کئی ہی غزلوں اور نظموں پر تنقید فرمائی اور انہوں نے ان کا نام ”ناب“ کا نام دیا کہ اس کا اعلان کیا کہ میں ان شاعروں کے کلام پر تنقید کرتا ہوں جن کو اپنے نزدیک بنایا صاف اول کا شاعر سمجھتا ہوں، دماغ کا ٹھیک طرح ذہن میں محفوظ نہیں رہے، مفہم بھی تھا۔

پاکستان بننے کے وقت (۱۹۴۷ء) چار پانچ سال بعد تیار کیا صاحب یہاں تشریف لائے اور ”پاک دہشت گرد“ کی خدمات فرمائی، جگہ، جوش، ذوق، عقیدہ، جاذبہ حری، جیسے شہر آشور اس مشاعرے میں شریک تھے انہی دنوں تیار کیا صاحب نے اپنے تمام دنات لکھوائے تھے، جس کے سبب وہ بڑے سے نظر آتے تھے حالانکہ صحت اچھی تھی اور گوارا لیتے تھے، جیسے اور دوسرے دالے کے سوتے ہیں؛ ان دنوں جہاں اطمینان بھی کی محض وہیں سننے میں آتی کہ اس وقت کی حکومت تیار کیا صاحب کو پاکستان اس غرض سے چلانا چاہتی تھی کہ یہاں آکر وہ ”بندہ اہل تسلیم“ اور ”مسلحہ دہشت گردوں کے تہذیب“ اور ”انڈیا کی اور تہذیب“ کا رنگ پیدا کر دے مگر تیار کیا صاحب نے مجھے ہر مسئلے کے مطابق اور شرطیں پیش کیں، جس کے سبب معاملہ نہ بیک، یہ بھی سفین آیا کہ حکومت کو بعض مشیروں نے یہ مشورہ بھی دیا کہ تیار کیا صاحب کو یہاں سے ہٹا دیں، ان کے لئے ہر مسئلے میں اس بنا پر بنایا وہ کارگر نہ ہو سکیں گے؛

اس مشاعرے کے بعد انہوں نے غرض سے ہٹے اور ساتھ ہی یہاں کے اہل اور انہوں کا جائزہ لیجئے کہ کتنے ایک دہا نامے، بشیر فاروق صاحب کے یہاں ان کے اعزاز میں ایک بزم شاعر ہوا، میں نے بھی اس میں شرکت کی کہ چورہ ۱۹۴۷ء میں مستقل طور پر پاکستان آ گئے، یہاں ان کی جو پیدائی ہوئی وہ ان کی توقعات سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھی، کئی اداروں سے ان کا علمی تعلق تھا، مانا کہ ان تین ہزار روپے سے کیا کم ہو گیا، سب سے زیادہ نامہ انہیں نیشنل بینک پاکستان کے ناظم اعلیٰ جناب ممتاز حسن کی ذات اور واسطے سے پہنچا، ممتاز صاحب بڑے علم و دولت اور اہل علم کے تعداد میں واقع ہوئے ہیں اور وہ بھی صاحب علم و فضل ہیں، تیار کیا صاحب کو اس کا حال تھا کہ پاکستان بہت پہلے وہ کیوں نہیں آ گئے!

گفتگو میں وہ ہم طرح بحث و جدل اور مصلوں میں شرکت سے گریز ہی کرتے تھے۔ مگر کراچی کا متعدد ادبی و شعری نشستوں میں انہیں دیکھا گیا، وہ زمین جگہ انہیں نہا چہ ضرور ہی مستعد تھے، ان کی اس غزل میں اس کا ایک شعر یہ ہے۔

چشم تہ ہے اس طرف اور اس طرف ابر بہار

دیکھتا ہے آج کس سے، کتنا دیکھا جائے ہے

ایک نشست میں بہت فادہ ایچ اچانک یہی صاحب ”بزم شاعر“ دہشت گردی کو لپی تشریف لائے، تو ایک ادبی محفل میں ان کی مدح میں تیار کیا صاحب نے ایک نظم پڑھی؛ پاکستان میں اگر ان کی خلوت پسندی اور کم آنری میں بھولتے کا خاصہ رنگ پیدا ہو گیا۔

پاکستان میں مالی فراغت اور طرح کے آرام و راحت سے وہ پوری طرح لطف اندوز بھی نہ ہوتے پاتے تھے کہ کیسے بڑے موزی مرقس میں مبتلا

کچھ نگار کے خدائمبر کے بارے میں

اردو کے خیر اور معتد جریڈول میں نگار کا جو مقام ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے یہ رسالہ ۱۹۳۲ء سے حضرت نیاز فتحپوری کی افتاد میں جاری ہے جو اردو کے صاحب طرز دانش پرور ہیں۔ دیگر جوں علمی و ادبی کتابوں کے مصنف ہیں جنہیں ان کے تجربہ علمی کی بنا پر ملاحظہ کیا جاتا ہے اور جنہیں حکومت ہند نے اپریل ۱۹۶۱ء میں ان کے علمی و ادبی خدمات سے متاثر ہو کر سب سے بڑا ادبی اعزاز ”پدم بھوشن“ عطا کیا تھا لیکن مجھے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اتنے بڑے ادیب اور عالم میں جو علمی و ادبی ستارہ کی ہوتی چاہئے وہ نہیں ہے۔ کچھ عرصہ پہلے ہفتہ فارسی نواز (دکنھنرم) میں ایک مضمون شائع ہوا تھا ”علامہ کیسے بنے ہیں“ جس میں علامہ نیاز فتحپوری کے ادبی سہولوں کی متعدد مثالیں پیش کی گئی تھیں۔ میں نے ہر ہند پوشش کی کہ ان کا دامن شہرت زیادہ وافر اندازہ جسے پائے اور اس کے لئے میں نے حضرت نیاز سے ان کے کوئی جاننے کے بعد خط و کتابت بھی کی لیکن افسوس کہ انہوں نے مجھ ناچیز کی درخواست کو تو بے اعتنائہ سمجھا، اس لئے مجھے مجبوراً اس حقیقت کو ظاہر کرنا پڑا ہے جسے میں نے اب تک میں نے ظاہر نہیں کیا تھا۔

حضرت نیاز فتحپوری عرصہ سے برسال اپنے رسالہ نگار کا ایک خصوصی شمارہ بطور سالانہ مریش کرتے رہے۔ ۱۹۵۲ء کا سالانہ ”خدائمبر“ تھا جس میں عہدہ محنت سے جو حواضر تک مختلف مذاہب میں خدا کے تصور کا جائزہ لیا گیا تھا۔ یہ تقریباً تمام تر اس خاکسار نے دیگر جوں کتابوں کے مطالعہ کے بعد نیاز صاحب کی فراخ نظریت پر تیار کیا کہ نیاز صاحب نے پہلے اس کا تحریری طبع پر اعتراض بھی کیا تھا۔ لیکن بعد میں انہوں نے مختلف اردو مجلے نگار کے ساتھ کتابت چاہی ہے کہ ”ناپسندیدہ“ طریقوں سے اسے اپنانے اور میری ساری محنتوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی یہ سب کیسے ہوا، اس کا جاننا شاید دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

- (۱) نگار کا سالانہ ۱۹۵۶ء ”خدائمبر“ لکھنے سے پہلے میرے صاحب ذیل مضامین نگار میں شائع ہو چکے تھے :
 (۱) آدمی نے لکھا کیسے سیکھا جون سے اگست ۱۹۴۶ء تک۔
- (۲) اظہار اعداد کے طریقے زمانہ قدیم سے کتاب تک اگست سے دسمبر ۱۹۵۰ء تک۔
- (۳) مذہب عالم کی تخلیق اور قطب شمالی (نامکمل) اگست سے نومبر ۱۹۵۰ء تک۔
- (۴) پیدائش عالم اور اسطوری روایات کا تقابلی مطالعہ دسمبر ۱۹۵۱ء تک۔
- (۵) فن تفسیر کی تاریخ (نامکمل) جون سے نومبر ۱۹۵۳ء تک۔
- جولائی سے دسمبر ۱۹۵۵ء تک۔
- مارچ سے اکتوبر ۱۹۵۶ء تک۔

اگر اسے خود ستانی پر محمول نہ کیا جائے تو یہ کہنے کو بھی چاہتا ہے کہ نیاز صاحب میرے مضامین سے بہت متاثر تھے، اسی لئے ۱۹۵۵ء میں جب انہوں نے ”خدائمبر“ نکالنے کا ارادہ کیا تو سارا ذمہ داری میرے سپرد کرنا چاہی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دن میں اس امر کی تیاری کے سلسلے میں نیاز صاحب کی خواہش پائی کہ امیر المومنین علیک لاہوری (دکنھنرم) نے کیا ارادہ انہیں وہ تمام کتابیں دکھائیں، جن سے اس سال کے کیا تیاری میں مدد مل سکتی تھی۔ ان میں سے بیشتر کتابیں کتب محفوظہ (RESERVED) تھیں کتابوں کی کثیر تعداد کو دیکھ کر افسانہ سے منہ پر مٹا دیا۔

اخذ کرنے میں جو غیر معمولی محنت کی پاداشی اس کے پیش نظر نیاز صاحب کو - خدا اعلم - نکالنے میں تامل ہوا اور بولے: مجھ سے بڑھا ہے اس اتنی محنت نہیں پہنکتی کہ یہ ان کتب کا میں پڑھوں اور اساتے ایک ٹاپ کی۔ آپ اس کام کا پورا ذمہ لیں تو میں - خدا اعلم - نکالوں گا۔ دہند کوئی دوسرا ممبر نکالنے کے متعلق سوچوں گا: میں نے انہیں یقین دلایا کہ میں یہ کام نکالتا ہوں، لیکن میری دوسری چیزیں ہیں، ایک قیہ کہ - خدا اعلم - رسالے کی صورت میں نوز پخت ہشتالہ درجہ تک کی صورت میں اچھے سفید کاغذ پر شائع ہوا اور دوسرے یہ کہ لکھنا کتاب میرے نام سے چھپے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ پیش لفظ میں یہ لکھیں کہ "اگر اس کی صدیقی میری خدمت کرتے تو شاید یہ سانا منظر عام پہنچاتا۔" ظاہر ہے کہ آپ شہسوار ادیب ہیں آپ کی شہرت کے آگے میرا نام باندھ کر جانے گا: نیاز صاحب اس پر راضی ہو گئے کہ پورا "خدا اعلم" میں مرتبہ کوئی رسالے پر مرتب کی حیثیت سے میرا نام دیا جائے گا۔ اسی کے ساتھ انہوں نے یہ وعدہ کیا کہ وہ مجھے اس محنت کے لئے معقول سا قدر بھی دیں گے البتہ انہوں نے - خدا اعلم - کوئی نہایت جہت نہ کرنے سے منع کیا ظاہر ہے کہ لکھنے کے لئے اس طرح اگت زیادہ آتی اور نگار کے غیر عادی کو بچھنے میں ذراک خرچ بھی زیادہ لگتا۔ بات معقول تھی اس لئے میں نے اس پر اصرار نہ کیا۔

کچھ عرصے کے بعد میں نے نیاز صاحب سے ہا کر کہا، "آپ نے لاٹبری میں جو کتابیں دیکھی تھیں، وہ سب پڑائی ہیں۔ یہ چند کتابوں کی فہرست ہے ان کا خریدنا نہایت مفید ہے تاکہ جدید ترین تحقیقات سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔" نیاز صاحب فہرست دیکھ کر خوش ہوئے اور بولے "فرد سگوار ایسے" اور اسی وقت سو روپے کا چیک گھیر کر دیا۔

میں نے ایک مقامی کتب فروش کے ذریعہ کتابیں منگوائیں اور دماغ سے میں خرق ہو گیا۔ اب میرا روز کا یہ معمول تھا کہ دفتر کے بعد سیدھا لاٹبری پہنچتا، ادیبانگہ رہ بندہ بھائی مختلف کتابوں سے خوش تیار کرتا۔ مجھے امیر الدولہ پبلک لاٹبری کے علاوہ رام کرشنا مشن (شرم) کے کتب خانہ سے بھی بڑی مدد ملی، جب ہندو مذہب کے متعلق کتابیں تھیں میں ان دونوں کتب خانوں سے گھر بھی کتابیں پڑھنے کے لئے لایا کرتا تھا۔ گھر آ کر کھانے کے بعد بات گئے تک لکھنے پڑھنے کا سلسلہ جاری رہتا اور صبح کو ۶ بجے سے ۹ بجے تک بھی لکھتا پڑھتا اس کے بعد کھانا کھا کر دفتر چل دیتا۔

ساتھ ہی کتابوں کے سلسلے میں پہلا کام میں نے یہ کیا کہ مذاہب کی قدانت کے لحاظ سے تعلیمات کی ایک فہرست مرتب کی اور میرے مذہب پر سیدھا ممتد کتابوں کا مطالعہ کرنا اور مضمون لکھنا شروع کیا جب ایک عزیزان پر مضمون تیار ہوا تو وہ تیار صاحب کے حوالے کر دیا اور وہ اسے دیکھنے کے بعد کتاب کے حوالے کر دیتے، یہ سلسلہ آٹھ نو ماہ تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ - خدا اعلم - کہیں مہلکیا اور جب دس تا بیس بڑی کامیڈوں کے ساتھ نیاز صاحب کے پاس پہنچا اور معاوضہ طلب کیا۔

میرا خیال تھا کہ اس شانہ معذ کی محنت کے لئے نیاز صاحب مجھے کئی سو روپے معاوضہ دیں گے کیونکہ وہ اس سے پہلے بھی مجھے لگائی تھیں لہذا میں لکھنے کے لئے کئی سہل سے خصوصی معاوضہ دیا کرتے تھے لیکن فی صواب ایک سو روپے دیکھ کر بول نیاز یہ معاوضہ نہ تھا بلکہ جن نامہ حالات میں اس کام کر رہا تھا، اسے ہر کار رکھنے کے لئے میری مدد تھی، لیکن نیاز صاحب نے صاف انکار کر دیا اور کہا "معاوضہ کیا؟ جو کچھ مجھے دینا تھا وہ چکا" میں اپنے اس وقت کے جذبات کو ٹھیک طور سے بیان نہیں کر سکتا لیکن مجھے کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے میرے سامنے ایک ادیب اور عالم ہیں ہے بلکہ ایک سرورہ دانہ ہے جو زندگی کا اس کی خدمت ہی نہیں دینا چاہتا۔ انہوں نے عدلیان گفتگو میں یہ بھی فرمایا کہ "معاوضہ تو آپ کو تہ دیتا، جب - خدا اعلم - آپ کے نام سے شائع نہ ہوتا اس سے آپ کی کشتی شہرت بڑھتی ہے سوچئے۔" میرے اور ان کے درمیان گفتگو مہربانی اس کا ذکر نہایت تکلیف دہ ہے۔ دوسرے میں انہوں نے کہا کہ "فلاح میں ہر کار ہوں اور وہاں سے جاسی پر کچھ اور دوں گا" اس کے کئی مہینے بعد جب میں ان سے ملے گیا تو انہوں نے ۵۰ روپے عاقبت کئے لیکن یہ قسم پا کر

ساتھ نیاز صاحب کا سسٹم پبلشنگ ۱۹۸۸ء ہے اور میرا ۱۹۸۹ء گیا اور مجھ سے عرصہ میں ۲۵ سال بڑے ہیں۔ میں نے نگار کا مذاہب ۱۹۵۹ء میں لکھا تھا اس وقت نیاز صاحب کی عمر ۱۸ سال تھی اور میری ۲۶ سال۔

نیا فقیہ نے دنیا کے مختلف مذاہب کا تاریخی و حقیقی جائزہ لے کر بتایا ہے کہ مختلف چھ درجہ مختلف فرسوں میں خدا کا تصور کیا تھا اسکی وجہ اس امر سے جہاں مذہب کی وسعت مطلقہ اندھا مذہب عالم سے ان کی گہری واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے وہاں مذاہب پر ایسا طغیان ہوتا تھا کہ انہیں (جو خدا کامل ہے) غائب کیا جانتے تھے۔ جو کہیں اللہ دستیاب نہیں ہو سکتا۔

مجھے اس خبر سے جو تکلیف ہوئی، وہ بیان سے باہر ہے۔ میں نے فرماں صاحب اور نیا فقیہ صاحب کو کوئی خط لکھے کہ ایک تردید بین الگاری کی قریب اشاعت میں شائع کیجئے کہ نگار کا "خاتمہ بر آفاق حدیثی کا کھسکا جاتا تھا کہ نیا فقیہ صاحب کا اندھ مذہب خود غریب و دیارہ شائع ہو تو اس کا خیال رکھیے کہ اس میں موافقت کی حیثیت سے میرا نام ہر انداز آپ نے ایسا نہ کیا تو مجھے مجرماً اخبارات کے ذریعہ صداقت کو بے نقاب کرنا پڑے گا جو وہاں دنیا کے لئے کثیف بانی کا باعث ہوگا۔ میں اپنی چیز کا اپنا ثبوت کرنے کے لئے اپنی چوٹی کا دندانہ دلوں کا اندر سے پاس اس کے لئے کافی ثبوت موجود ہے۔ جبریل میں علامہ نیا کے لئے بے پناہ عقیدت ہے لیکن آپ لوگ مجھے اس بات پر مجبور نہ کریں کہ میں کویری عقیدت اور بہت نفرت سے بدل جائے اور وہی زبان اور قسم جو نیا کی تحریف کے کسی نہ ٹھکانا تھا ان کے خلاف حرکت میں آئے۔ ظاہر ہے کہ علامہ نیا کی شہرت کو اعذار کے مجھے خوش نہ ہوگی لیکن بہل سال اندھ عقیدت کے کابین ہے بلکہ یہ غیر فکر کی قدیم جنگ ہے اور مجھے امید ہے کہ آخر میں حقیقت چمک ہی ہوگی۔

دارالگت ۱۹۶۲ء کو نیا فقیہ صاحب نے مجھے ایک خط لکھا۔

"عزیزم، قرآن کے نام پر جبریل علی۔ آپ کا اضطراب دیکھ کر سخت تعجب ہوا۔ میں آپ کو لکھ چکا ہوں کہ خاتمہ میں آپ کے نام کا انہار کر دیا جائے گا اور اس کے نتیجے میں بھی۔ فرماں صاحب کا ہر تھا کہ انہوں نے مجھ سے پہلے بغیر شہادت شائع کر دیا میں خود اب بھی کام کر نہیں دیکھتا۔ بالکل فرصت نہیں ہے۔ خاتمہ پر آپ کو فرد بھیجا جائے گا۔ نیا۔"

یہ خط مجھے، دارالگت ۱۹۶۲ء کو ملا۔ اس سے دو سال قبل مجھے فرماں صاحب کا ایک تار ملا تھا۔

1965 APR 156 KARACHI 12 12/15
15H, RUE SIDDICHAU 26 GWYNNE TALAB
LUCKNOW
DONT WORRY SEE NEXT ISSUE
FARMAN

تم مجھ

۱۳/۱۳ ۱۳ کاچی ۱۵۶ ۱۷۱۵

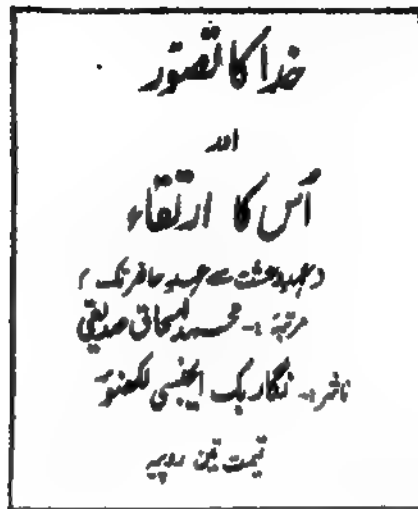
اسحاق صدیقی ۲۶ گوش تالاب لکھنؤ

پریشان نہ ہوں۔ آئندہ مشوارہ دیجئے۔

فرمان

خاتمہ تار دینے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ میں اخبارات میں سارا واقعہ نہ لکھ دوں۔ بہر حال فرماں صاحب نے ستمبر ۱۹۶۲ء میں اس کے بعد نگار کے کسی پرچے میں کرتی بیان اپنی غلط فہمی کے بارے میں شائع نہیں کی۔ مارچ ۱۹۶۲ء میں "خاتمہ بر آفاق حدیثی" میں لکھیں کے دیکھے

مطرح کیا کہ نیا صاحب غور کا اصل تالیف میں آگئی تھی نہیں کی جہ لیکن ضرورت کے چند صفحات میں بعض اہم تبدیلیاں حاصل کی ہیں۔ مثلاً :
سانہ در ۱۹۵۵ء کے اندر اس کی سرورق کے چھ صفحہ کی جہالت صحت دینی تھی :



اسی سرورق کے دوسرے صفحہ پر نیا صاحب نے "تعارف" لکھا تھا جو یہ ہے :

تعارف

۱۔ مذہب بڑے دلچسپ و وسیع مطالعہ کی چیز ہے، علم الان، جغرافیہ، تاریخ،
نفسیات اور ہیئت و علم الجرمیں علوم اس سلسلہ میں ہمارے سامنے آ جاتے ہیں۔

مذہب نظری چیز پر مبنی نظر ہے، لیکن اخلاقیات مذہبی یقین فطری چیز ہے کیونکہ تمدن ان کی تسخیر و
ترقی اس کے بغیر ممکن نہیں۔

مذہب کی اس میں خدا کے تصور پر قائم ہے اور گو وہ ایک منطقی نتیجہ ہے ان کے عمل و جمہوری کا، لیکن کس قدر
عجیب بات ہے کہ اس تاریک و بے اختیار گمانے ان میں خود آگہی پیدا کی اور خدا کی جستجو کیا خدا تک پر پنا
ہر یا مذہب پر پناہ لیکن اُس نے اپنے آپ کو غرض سے ممانعت کر لیا۔

ان کی کج حالت، نہایت مصروفیات، گنگنات، مجرورہ فکر پر پناہ جانا اور غلط فہم کے رازوں کو وہ خدا کا
دینا محض ان کی کا پڑھنا ہے، لیکن ان کو اس منزل تک صرف خدا کی جستجو نے پہنچایا۔

مذہب عالم کا تقابلی مطالعہ و حاصل بخیر، تاریخ و اصلاحی تصدیق و اصلاح
نفسیاتی رجحان کا مطالعہ ہے اور اس لئے گورنر و پبلسیاں اپنے اندر رکھتا ہے۔

مہر قدیم کے مکتبہ حاضریہ، الہ آباد نے اس طرح خدا کا تصور کیا، اس راہ میں اس نے کتنی محنتیں کیں
اور پھر اس طرح آہستہ آہستہ وہ کائنات کی چھائی میں داستانِ بہت متنوع و طویل ہے، لیکن یہ انتہا دلچسپ ہے
انہیں منتشر اجزاء کو ہمارے عزیز دوست محمد اسماعیل صاحب مدنی نے یکجا کر کے اس مکتبہ میں شائع کیا ہے۔

میں نہیں سمجھتا کہ اس موضوع پر کسی ایسی کتاب لکھی جائے جو اس کتاب سے جس قدر شایع ہوئی ہو ان میں مولف
یقیناً قابلِ مبارک باد ہیں کہ انہوں نے غیر معمولی محنت و توجہ سے کام لے کر بہت تفصیل سے لکھ کر اس میں ایسے قیمتی جزئیات
لکھ کر ان کی پیشکش پر خدمت انجام دی۔

نیا

۱۹۶۷ء کے لاکھائوں لکھنؤ میں نیا دھارم صاحب نے بہت ہی دلچسپی سے اس مکتبہ کے پہلے صفحہ سے یہ نام لکھ کر اٹھایا اور ان کے آغوشِ درپیش کے اہل خانہ
ہیں میں یہ دیکھ کر بہت نکل دے لیکن اب سرور کی پہلے صفحہ کی عبارت صاف ہے۔

خدا نمبر نگار پاکستان

برائے
نیا دھارم

قیمت فی کاپی
تین روپے

نیم سالانہ
دس روپے

نگار پاکستان ۳۲ گارڈن مارکیٹ کراچی ۳

(دھارم فروغ انڈیا کھنڈ)

نیا دھارم صاحب کی اول نگار کا یہ نمبر ہے، جس پر بھی نظر دیا جائے تو ان کی شخصیت، سماجیات، ان کی طرح، بڑی عجیب نظر آتی ہے! اتنا شہرہ اور دوسرا
نیا دھارم صاحب کی یہاں شعلیں کے ساتھ میں بڑی شہرت لگے گی اور بڑی ایک تہائی بھی ہو جائے گی بعض اوقات ان شعلوں کی روشنی پر بھی گزرتی ہیں کہ ہمیں لیکن
اس کے ساتھ ایسے بڑے اعتراضات بھی کر رہے ہیں، جن سے ان کے حوالہ دہانے کے ارادے میں ہی دلچسپی قائم ہو رہی ہے۔

اسلام آباد میں لکھنا شروع ہوا ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد جو انہیں آندہ لکھتے تھے، نیا دھارم صاحب سے اس سبب سے متعلق بہت سی باتیں کی تھیں اور ان میں
ہے، لکھتے ہیں۔

۱۔ لکھنا شروع ہوا ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد جو انہیں آندہ لکھتے تھے، نیا دھارم صاحب سے اس سبب سے متعلق بہت سی باتیں کی تھیں اور ان میں

— دنیا نے شادی شکل سے ایسے ایک نوسیدہ بیان بزرگ ادعائیات انجیل کی مثال پیش کر سکتی ہے۔

— میرے کوائف سے استنباط صحیح ہے۔

— جسارت مستورہ و سلاست مقالہ خود کافی۔

اس ننگہ روی میں انہوں نے سہاویہ جندیلہ کے کلرنگ گارڈ کا اثر شروع میں قبول کیا، جن کے یہاں "احتسابات و اخلاقیات" نیچے بوجھیں الفاظ اور نفسی ترکیبیں ملتی ہیں اس کے بعد نیاز صاحب کا اسلوب تحریر میں ادب لپس ہو گیا، وہ کوئی ٹک نہیں اچھے انشا پرداز نہیں گرسیدہ، مشعل، نعمانی، حاتی، ابوالکلام آزاد، عہد الماجد دیوانہ دی اور آغا جیدین کی طرح "صاحب طرز" انشا پرداز نہیں ہیں! نیاز — خسرو دانش — میں نامی عبدالغفار کے درجہ کے ادیب اور صاحب قلم ہیں۔ نیاز صاحب کے یہاں ایسے ہر جملہ بھی جتے ہیں۔ — "وہ انکسیر بن کی گھڑائی میں سند کا من ڈوب جاتا تھا" مگر ضعیف و الغفار کی تحریروں اس قسم کے اہمال سے پاک ہیں۔

نیاز صاحب کے نام کے ساتھ بعض لوگ "علامہ" لکھتے ہیں یہ غلط قسم کی معروبت ہے، "علامہ" کے لئے جس جامع قابلیت اور علم و فضل کے لوازم ضروری ہیں۔ ان سے نیاز صاحب بڑے حد تک گسے تھے، ان کو "مولانا" بھی نہیں کہنا چاہئے کہ "مولانا" کے لئے لازمی شرط ہے "دین و مذہب" کا رنگ و مدھن اختیار کرنا۔ مگر نیاز صاحب نے اس کے برعکس اپنی زندگی کا خاصہ روز و رات کی تنقیص و تکذیب میں گزارا اور اس روش و رنگ کا خالق و آفرینا۔ نیاز صاحب اس کا سلیقہ رکھتے تھے کہ کسی فن پر کوئی کتاب یا مقالہ پڑھا اور اس کا خلاصہ اور دو میں منتقل کر دیا، "نگار" کے "باب المراسلات" میں جانے کتنے مقالات انہوں نے مرتب کئے، اور خود ہی جواب دئے، اشتا سائے کی اور روزمرہ کے برتنے کی چیز "دیاسلافی" ہے۔ مگر اس کی تاریخ کوں جانتا ہے؟ ان انٹیکلوپیڈیا یا اس قسم کی دوسری کتابوں اور قاموسوں میں "دیاسلافی" کی تاریخ سن سکتی ہے، اب کوئی شخص انٹیکلوپیڈیا میں دیا سلافی کی تاریخ پڑھ کر اپنے سامنے دیا سلافی پر کسی فرضی نام سے استفسار کرے اور جواب میں انٹیکلوپیڈیا کی عبارت کا ترجمہ حالہ کے بغیر درج کر دے تو ایسے ناقل اور مترجم کو محقق ہرگز نہیں کہہ سکتے؟ ان! جن لوگوں کا مطالعہ محدود ہے یا مضمون نگار کی قابلیت و استعداد اسے واقف نہیں ہیں وہ ضرور مرعوب ہر جانتے گئے ایسی ہی حال نیاز فقیر کی کہ "باب المراسلات" والی غریبوں کا ہے، جن کو پڑھ کر لوگ انہیں علامہ و محقق سمجھ گئے ہیں ایک تودہ شخص جو تاجہ جو کسی فن میں عبور یا دلک رکھتا ہے اور ایک شخص وہ ہے جس نے کسی فن پر کوئی مضمون یا کتاب پڑھی اور جو باتیں اس کی سمجھ میں آئیں انہیں اپنی زبان میں منتقل کر دیا، نیاز صاحب کا شمار بھی اسی دوسری صف کے لوگوں میں ہوتا ہے، اشتا فن عروض پڑھ بہت کچھ لکھتے تھے ہیں مگر اس کی زیادہ تر زحمت عروض کی کتابوں سے اخذ و نقل کی ہے اگر وہ عروض جانتے ہوتے تو باغیروں کے ایک ایسے نمبر کو دیا جو میں تعریف نہ کر سکتے ہوں کی ڈیڑھ سو رباعیوں میں کم از کم ۸۰ رباعیاں ساقط اور ن ہیں۔

نظام دوسری کا تذکرہ کھانہ قرآن کے ہاں سے میں ایک اور مضمون یا کتاب کو پڑھا حالات کی تحقیق نہیں کی، اس ناقص مطالعہ اور سرسری معلومات کا یہ نتیجہ نکلا کہ اردو لٹریچر کا نام غلط لکھا میران کو ترجمہ بتایا حالانکہ نظام دوسری کی شادی بھی ہوئی اور اولاد بھی ان! یہ فرد ہمارا کہ ان کی اولاد نہ نہیں ہی۔

نیاز فقیر کی زندگی کا سب سے زیادہ افسوسناک واقعہ قابل خدمت و بیزار ہو رہی کی مخالفت و تکذیب اور تردید ہے، ان کی تاریخ پہلو کشیدہ و دلہنے نہ جانے کتنے (جو ازل کو گمراہ کیا اور ان کے اندر دین سے لگاؤ اور نفرت پیدا کر دی)

نیاز صاحب زوجہ نامی میں ڈاؤن می رکھتے تھے، نماز و روزے کے شے پابند تھے، جس زمانے میں وہ مسیح الملک اجماعاً مروجہ کے صاحبزادہ ہیں خان کے ولی میں آتا ہیں تھے، تو ملا محمد کا دہلی کا بیان ہے کہ نیاز صاحب کے ڈاؤن می جتنی اور نماز کی شدت کے ساتھ پابندی کرتے تھے۔ — پھر نہ جانے کسی مولوی کے ساتھ ان کا کیا معاملہ پیش آیا کہ مولویوں کے شدت کے ساتھ مخالف ہو گئے اور یہ مخالفت جو برصغیر کی ترویج سے مشروط ہوتی ہے، فقہ حدیث و قرآن، خدا، انبیاء، عالمک، نماز، روزہ، کی تنقیص و توہین کی مدت تک پہنچ گئی، انہوں نے یہ تک لکھ مارا ہے۔

تضمین

ڈاکٹر انعام حسن حرکیف ماہر بروی

جناب انعام حسن میڈیکل کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے خاندانِ انقیس (A. B. S. ۸۸) ڈاکٹر ہیں۔ اسلام آباد کے علاقہ میں خاص بصیرت، تجربہ، اندیشہ رکھتے ہیں، خیر و بد کے دقیق انداز میں گفت و شنید کرتے ہیں اور حضرت مولانا احسن دارمی رحمہ اللہ سے مدد میں پائی ہے۔ بعض اوقات شعر پڑھتے ہیں مگر کسی مسئلہ کے حل کے لئے دالوں کو محفوظ کی ادائیگی کا انتظار کرنا پسند نہیں کرتے۔ ان کے مزاج و طرزِ انتہا پر ہمارا اسلامیہ لطف و تفسیر کا سبب بن جاتی ہے۔

یہ ایک عطران کی انہوں نے تضمین کی ہے جو تدبیرِ خدائے نہ کا مزہ دینے کے خیال سے دیکھ زیل کی جاتی ہے! (دم۔ ق)

میری ہنسی ہنسی نہ ہو، گل پھنسی ہو
دعشت ہو، جہنم ہو، بے خودی ہو
دل پر جو بات ہے، یہ گریباں در کی ہو
اُن کی خوشی ہو ہے تو اچھا یوں ہی ہو
الف کا نام آج سے دیوانگی ہو
بیٹھا ہوں لڑکھائے اسبلی کا انتخاب
ہر چند ناماد ہوں پھر بھی ہوں کامیاب
کوشش تو کی ہے کوشش برباد ہی ہو
میرے نفسِ نفسیوں ہے اگر فز ہے بکلی
کافی نہیں حضورِ تبسم کی چاشنی
چٹے ہوئے ہیں آپ جو دے کہے ہنسی
غزلیں کے دل سے پڑے لطفِ شگفتگی
"باد صبا پہ تہمتِ آوارگی ہو"
نکسرن کی سانپ زخمی ہے جو کھول
شاید اسی طرح یہ بلا کر جائے نکل
گہائے شوح رنگ کوں کیوں اس میں مل
جب پھر گئی ہے کاکلی شبِ رنگ کی غزل
ایسے میں اک نصیبِ فدا رہی ہو
اتر رہی ہے عینِ اب و گل
اتر رہی ہے عینِ غزل ہے اک مشنِ منفصل
جس کا مزاج خشک دتر، بلکہ مستدل
اتر رہے انتخاب نہ فرما میں اہلِ دل

(اچھوں کے ساتھ ایک گنہگار بھی ہے)

باوانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

منگھاپیر روڈ سرائی

ہر قسم کا سوتی اور اونی کپڑا ————— کورا اور دھوا لٹھا

ہر قسم کا دھوا کا تیار ہوتا ہے
باوانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا

ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہے

پاکستان کی صنعت کی قدر ہے

حوصلہ افزائی

آپ کا قومی فریضہ ہے

مولانا ابوالکلام آزاد

روح انتخاب

ماہ ربیع الاول

آرا اذ کہ در سینہ نہا نیست نہ وعظ است
بر دار تو ان گفت و بہ منبر نہ توان گفت

۱۔ ربیع الاول کا دوسرا چارہ سنے جس وقت کا ایک پیغام عام جوتا ہے۔ کیونکہ تم کو یاد آتا ہے کہ اسی چھپے کے ابتدائی ہفتوں میں خدا کا رحمت عامہ کا دنیا میں پہلا اور اسلام کے داخلی برحق کی پیدائش سے دنیا کی داخلی نظم و انضام اور ششماں کی ختم کی گئیں صلی اللہ علیہ وآلہ و آلہ و صحابہ وسلم تم خوشیوں اور مسرتوں کے دلوں سے مسرور ہو جاتے ہو تمہارے اندر خدا کے رسول برحق کی محبت کو شعلہ کی ایک جگہ مانہ جوش و حریت پیدا کر دیتی ہے تم اپنا زیاد سے زیادہ وقت اسی کی یاد میں، اسی کے تذکرے میں اور اسی کی محبت کے لذت و سرور میں بسر کرنا چاہتے ہو۔

تم اس کے ذکر و فکر کی مجلسیں منعقد کرتے ہو ان کی آرائش و زیبشت میں اپنی محنت و مشقت کی کما کی ہے دینے دینے ہو طوبہ و ناسا و تہنہ و تہنہ کی مجلسیں منعقد کرتے ہو۔ کافر و کفاروں کے خوب صورت فالوں اور برحق کی بکثرت سمجھنے و فہم کرنے ہو، عطر و گل کی ہر ایک ادھار کی جگہوں کا بڑے حب و اہم کی مجلسیں منعقد کرتے ہو۔ کفر کے دشمنوں کی مجلسیں منعقد کرتے ہو اور دوسروں کے مقدس توافقی کے اندر اپنے محبوب و مطلوب مقدس کی یاد کو دیکھتے ہو اور یہاں اوقات تمہاری آنگ کے آسرا اور تمہاری محبت و دل کی آہیں اس کے اسم مبارک سے وابستہ و مشغول رہیں اور اس کے عشق سے عجاہات و معانی حاصل کرتی ہیں۔

پس کیا وہ مبارک ہیں وہ دل جہیزوں کے اپنے عشق و شغف کے لئے دہائیں و اوقات کے محبوب کو چننا اور کیا پاک و مطہر ہیں وہ دنیا میں جو سید المرسلین اور مصلحت اللہ علیہم السلام کی مدد و تائید میں نہ رہتے ہو؟

مصلحت دین آنت کہ یا سال ہر کار

بگذارند و قسم طرہ یار سے گیرند

اپنے اپنے عشق و شغف کے لئے اس کی محبت کو دیکھا جس کو خود خدا نے اپنی چاہوں اور جہیزوں سے متا دیکھا۔ اس کی زبانوں نے اس کی مدد و تائید کی جس کی مدد و تائید خود خدا کی زبانوں سے ہوئے تاکہ اور قدوسیوں کی زبان ان کا شریک و ہم نام ہے۔

۱۵۱ اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیا

خدا کی رحمت و رحمت میں طرح و صدد و شریک ہے کہ گوئی رحمتی اس کی شریک نہیں۔ اسی طرح اس ان کا اس کی الایت اعلیٰ و اعلیٰ ہے کہ

بھی وعدہ لاشریک ہے کہ اگر اس کی انانیت و وحدیت میں کوئی اس کا سا بھی نہیں لکھاس کے حسن و جمال و قربانیت کا کوئی شریک نہیں۔

وَنَزَعَ عَنْ حَضْرَتِهِ فِي حَاسِنَةٍ

بِخَوْصَرِ الْحَسَنِ فِيهِ غَيْرُ مُنْقَضَةٍ

یہ وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں تم دیکھتے ہو کہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کہاں کہیں کیا گیا وہاں ان سب کو ان کے ناموں سے پکارا ہے اور ان کے ذاتیات کا بھی ذکر کیا ہے قرآن کے ناموں کے ساتھ کیا ہے لیکن اس الٰہی کا ان اس فرد اکمل و اس صفاتِ عبادت کے وعدہ لاشریک کا اکثر متواتر اس طرح ذکر کیا ہے کہ نہ تو اس کا نام لیا گیا اور نہ یہ کسی دوسرے وصف سے نامزد کیا گیا بلکہ صرف خود کے لفظ سے اس کے پروردگار نے اسے یاد کیا اس خصوصیت و امتیاز سے اسی حقیقت کو واضح کرنا مقصود الٰہی تھا کہ اس وجودِ الٰہی کی وحدیت اور بندگی اس وجہ آخری و درجہ آخری تک پہنچ چکی ہے جو الٰہیت کی انتہا ہے اور جس میں اللہ کوئی عباد اس کے سوا کمال کا شریک نہیں پس وحدیت کا فرد کمال وہی ہے اس لئے بغیر صفات و نسبت کے صرف - وحدت کا لقب اس کو ناموں اور غلوں کی طرح پہنچنے لگتا ہے کہ نہ کہ تمام کائنات میں اس کا سا اور کوئی عباد نہیں!

پس جس کی تقدیریت و وحدیت کا یہ مرحلہ جو اس کی یاد میں جتنی گھڑیاں بھی کٹ جائیں اس کے عشق میں جتنے آنسو بہ جائیں، اس کی محبت میں جتنی آہیں بھی نکل جائیں اللہ اس کی مدح و ثناء میں جس قدر قصیدے زبانِ نغمہ پر اپریں، انانیت کا حاصل، روح کی سعادت، دل کی طہارت، نشہ کی پاکیزگی اور بانیت و اہلیت کی پوشا ہی ہے۔ وَلِلّٰهِ مَدْحًا قَالِ !

ملا توبہ ہر قدم کہ پویند خوش است

وصل توبہ ہر سبب کہ جویند خوش است

مدنے توبہ ہر دیدہ کہ پویند نگو است

وگر توبہ زبانی کہ جویند خوش است

ترجمہ اول میں آئے دانے کی یاد اور محبت کا دعویٰ رکھتے ہو اور مجلسِ شفق کے اس کی مدح و ثناء میں صدائیں بلند کرنے پر تیار نہیں کہو یہی یہ یاد نہیں آتا جس کی یاد کا تہہ زبانی و دل کی طرف سے اس کی فزونی کے لئے تہہ راہیں گراہ ہے اور جس کی مدح و ثنائیں تہہ راہی صدائیں نہ زمرہ سحر اچلی ہیں اس کی عزت کو تہہ راہ و درویشہ نگاہ ہے وہ دنیا میں اس لئے آیا تھا کہ انسانوں کو انسانی بندگی سے ہٹا کر صرف اللہ کی عبادت کی ہر اہل مستحق پر چھائے اور غلامی کی ان تمام زنجیروں سے ہمیشہ کے لئے نجات دلا دے جن کے بڑے بڑے بوجھ ملنے انہوں نے اپنے پاؤں میں ڈال لئے تھے۔

يُضِحُّ اَصْحٰرَهُمْ وَالْاَضْلَالِ الْعَنِي

كَانَتْ عَلَيْهِمْ -

وَالْقُرْآنُ ()

اس نے کہا کہ انا صحت صرف ایک ہی کی ہے اور حکم فرمان صرف ایک ہی کے لئے مبرا داس ہے۔

اِنَّ اَحْسَنَ الْاَلْفِش ()

اس نے سب سے پہلے ان کو اس کی چھٹی ہوئی آواز و وحیت، داپس دلائی اور کہا کہ مومن نہ لپکا و نہ بول کی غلامی کے لئے ہے نہ کا بھڑکی اطمینان کیے نہ کسی اور انسانی طاقت کے آگے جھکے کے لئے، بلکہ اس کے سر کے لئے ایک ہی جو کھٹ، اس کے دل کے لئے ایک ہی عشق، اس کے ہاؤں کے لئے ایک ہی طرف اطمینان ہے۔ وہ جھکا ہے تو اس کے آگے، رہتا ہے تو اس کے لئے، اترتا و گرتا ہے تو اس کی نفاذ پر، اُٹھتا اور نہ تہا تو اس کی بیعت سے، اُمید کرتا ہے تو اس کی رحمت پر، وہ مشرک نہیں ہے کہ خدا کی طرح ان لوگوں کو بھی بیعت و اعتقادیت کی صفت بخٹھے۔

آدم جی کاٹن ملز

کراچی



آدم جی کاٹن ملز لائڈس کراچی

ہماری نظریں

حیاتِ فخر تالیف - جناب شائق احمد خاں، صفحات ۸۸، مصحف (مجلد) رنگین، دو کھش سرمدی، کتابت و طباعت دیدہ زیب (قیمت پانچ روپے، ملنے کا پتہ - ۱۔ خیر منزل، ۱۸، ٹری، ماڈل ٹاؤن لاہور)

یوں کہ حیدر آباد دکن کے حالات اور تاریخ سے دلچسپی رکھتے ہیں، ان کو لایا بغیر ایک بھروسہ و کام اور شخصیت سے ضرور واقف ہونا چاہئے۔ نواب صاحب مرحوم کی بیانت، فرض شناسی اور خدمات سے ”فرب اللش“ کی حیثیت اختیار کر لی تھی، صاحب مرحوم اپنی ذاتی قابلیت اور محنت و جدوجہد کی بدولت دہرہ بدرہہ ترقی کرتے ہوئے خدمات و ایالت کے عہدہ جلد پرفراز ہو گئے، نواب صاحب مرحوم کے خلیفہ جگر آباد خان فرزند جناب شائق احمد خاں صاحب نے اپنے والد کے ساتھ حیات ملکہ کو امداد دی ہے۔ ”پرگوانی“ کی حیثیت میں قابل تہننا ذکر کیا ہے۔

شائق احمد خاں صاحب حکومت حیدر آباد دکن کے فکر و مصلحت کے سچے بٹے افسر تھے، ۱۹۱۴ء میں پاکستان میں ایجنٹ جنرل بنائے حیدر آباد کی حیثیت سے ان کا تقرر ملا جس میں آیا اور کئی سال تک اس نے بحالی کے فرائض کو دانت و قابلیت کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ عربی کا شہر فرب اللش۔

”الاولیٰ عشق لا بیہ“

شائق صاحب کی ذات اور شخصیت و مذاق آتی ہے۔ بہت سی خوبیاں ہیں وہ اپنے نام و باپ سے ملنے جلتے ہیں، خاص طور سے دینداری اور غیر پسندی، پاپ بیٹے دلاؤ کی زندگیوں میں تندہ شتر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اس کتاب کے مولف دلاؤ صاحب ہیں، کتاب کا اختتام ”غیرہات“ پر ہوتا ہے! پہلے باب میں شائق مولف نے اپنے خاندان کے حالات بیان کیے ہیں، دوسرے باب میں انہوں نے اپنے دماغ خان بہادر نظام احمد خاں شیرمال سیاست جوں کو شیر کی زندگی اور مسلح حیات پر روشنی ڈالی ہے اس کے بعد کے ابواب میں نواب خیر باد جگہ ہارڈ کی سیرت بڑے دلچسپ انداز میں پیش کی ہے۔

اس کتاب کے پڑھنے سے حکومت حیدر آباد دکن کی داخلی سیاست، فطرتی سازش اور فطری رقابت کا بھی واقف ہوتا ہے! یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ صاحب سیرت کو لایا بغیر جگہ م نے سخت سے سخت آزمائشوں میں حق و صداقت کا واسطہ دے نہیں چھوڑا، ایمان اللہ تعالیٰ کے فضل سے سچائی کی آواز و بصیرت ہوئی! نواب صاحب مرحوم کی مائے زندگی بڑی خوشگوار تھی، بیوی بچوں سے انتہا دیر کا لگاؤ اور محبت و شفقت، نواب صاحب کی عمر پچاس سے بھی کم تھی۔ جب ان کی یکم صاحب کا انتقال ہوا، مگر انہوں نے دوسری شادی نہیں کی، ان کی محبت کیسے ہو کر دلاؤ کی تربیت میں صرف ہوئی۔

نواب صاحب مرحوم کی مذہبیت اور عیش داری کا ایک واقعہ -

”ابا جان کی خدمت میں پابندی حیدر آباد میں فرب اللش بن گئی تھی، نماز کے وقت خواہ وہ کسی جگہ ہوں، بلا تکلف نماز ایت

باندھ لیتے تھے، ایک مرتبہ جہاں سکرٹن پشادیمین السلطنت سے ملنے کے بعد دلاؤ صاحب سے ملے تھے، مغرب کا وقت

آیا تو دلاؤ کو روبرو ٹھیک کرنے کے لئے حکم دیا، دلاؤ نے عرض کیا کہ فرب اللش کی مسافت باقی ہے مگر ہم ٹھیک کر رہے ہیں۔

لیجے گا، انا جان غفر کیا۔ — کیا معلوم اگلے لمحے ہی سے ٹوٹ نکلا جائے اور میں زندہ سلامت اپنی منزل مقصود تک نہ پہنچوں، اپنی نماز کے فخر ہونے کا خطرہ کہیں نہ ہو، چنانچہ وہیں سرک پہی اتر کر جھل میں نماز پڑھی۔

اس وقت فراموش نہیں تیرے باتیں، مجھ کو اس کا موت، معلوم ہوتی ہیں ۱

ہاں کی سیرت بیٹھے لکھی ہے گیارہ مزارم واقفیت اور محبت کی شدت نے مبالغہ کا رنگ اختیار نہیں کیا، بڑی ذمہ داری اور فوقی کے ساتھ حالات ٹھہرے لکھے ہیں ان کا شرفیات بہا و دیول کے نام تک درج کر دئے ہیں۔

”میسرے بان“ (دس ۲۲) صحیح لفظ ”میسرول“ بان ہے۔ — ”نہا غیر یاد جنگ بھی اپنے بیٹے بہاؤں کا اپنے ساتھ لے گئے تھے“ (نواب بہاؤدین جنگ کے والد کا خطاب۔ ”نواب نصیب یاد جنگ“ تھا۔ — ”انہیں وہاں بیٹے کے لئے گئے“ (دس ۲۲) ”اُن سے وہاں بیٹے کے لئے گئے“ صحیح و درست ہے۔ — ”اُن کے محل قبیلہ سے استفادہ حاصل کرنے کی کوشش کی“ (دس ۲۳) ”استفادہ“ کے ساتھ ”حصول“ یاد ہے، ”استفادہ“ میں فائدہ اور فیض حاصل کرنے کا مفہوم موجود ہے،

”مجاہد غفر“ سیرت لکھری کا چھانور ہے، اس کے مطالعہ سے دل و دماغ خیر و خیر کی کیفیت و حقائق کا اثر قبول کرتے ہیں، جناب شہان احمد خاں صاحب کی کوئی ادبی تفسیر اس سے پہلے ہی نگاہ سے نہیں گزرے، یہ کتاب اُن کی ان پرغزائی کے پورے آئینہ دار ہے، جس سے اگر وہ بدو شعور ہی سے کام لیتے تو اُن کا تہاد اور وہ ان کے شہرہ اہل تسلیم انداز قبول ہی ہوتا۔

تذکرہ زندان

از۔ — خوشیاد احمد وایم، ایل، ایل، بی، صفحات ۶۶، قیمت ست ایشی چھ روپے، ماحول ایڈیشن (محلہ طالع کرم) شکر روپے۔ — نئے کا پتہ۔ — مکتبہ جوارخ ماہ لاہور ۱۳۷۲ء ملک پبلیکیشنز لمیٹڈ ۱۳۔ — ای۔ شاہ عالم ایکٹ لاہور

۶ جنوری ۱۹۶۶ء کو پاکستان میں یہ المان کا مہجرتی آیا کہ پاکستان کی سب سے بڑی دینی اور فعالیت خیم ”جماعت اسلامی“ کو غریب کوئی قرار دیا گیا اور اس کے کارکن گرفتار کر لیا گیا، یہ مذہب خوشیاد احمد صاحب کی انہی بلاؤں کی محبت اور اس پرانی عقیدت میں شامل تھے، اُن کی اسیر کی مینا و راجوری ۱۹۶۶ء کے شروع ہو کر ۱۹ اکتوبر ۱۹۶۶ء کو ختم ہوئی اور علی نے اپنے گھر کے اس اقدام کو غلط قرار دیا۔

اس کتاب کو خوشیاد احمد صاحب اپنے چھوٹے بھائی۔ — انیس۔ — کے نام مقرر کیا ہے، ۱ انتخاب کا یہ انداز کس قدر اثر انگیز ہے۔

اپنے بارے میں

انیس
کے نام

تم مرے پاس جوتے ہو گویا

جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

ان چند غلطیوں کو اتسم اطراف نے بار بار پڑھا اور دل نے بڑا اثر قبول کیا، انیس اپنے بیٹے بھائی خوشیاد کے قوت بازو ہی نہیں ہیں، بلکہ ہم نکر اور محبت میں ہیں، یہ کہ وہ غالب کی کہوت کا بڑی ہی خوش انداز بنا کاٹوں کے سنی، گر ان دونوں بھائیوں میں اس غریب المان کو غم سے دیکھ لیا۔

مفتیٰ کی فہرست۔ —

عشق اپنے عیسویوں کو سوتے زندان لے چلا۔ — وہ مرا پیچیدہ پہل داخل زندان ہوتا۔ — پچاسی گھنٹے کے شب و روز۔ — ہم میں، شہدے
میں خانہ کے۔ — لیکن ان کے سہاویہ۔ — وہ پابند قفس جو غلطی آنا ہوتا ہے۔ — انیس کے نام۔ — کٹ گئی قید میں، اور مرھان۔
— زندان کی عید۔ — پھر کوشش جرات دل کی چاہ ہے عشق۔ — جس نے ہر گام و حرکت کا تری دیکھا ہے۔ — جو ہم اور وفات۔ — اور میں میں
۳۳ دن۔ — پھر وہی، ذرا ہی خار و خیراں ہوں گے۔ — دو میں ہے ریش ہر کہاں دیکھئے تھے۔ — یا ران زندان۔ — رخصت اے رداں جنوں

زنجیر نہ کھڑا کرتے ہیں !

ان غزوات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کتاب میں کیا ہوگا ؟ دلچسپی کے ساتھ سوز و تاثر بھی ! دل کی چوٹیں بچ بچ کا غنچہ اُجھڑ رہی ہیں ! کتاب کے مطالعہ سے "صبر و استقامت" اور "ایثار و قربانی" کا وہ مفہوم سمجھیں آتا ہے جو صرف خیالی نہیں رہا بلکہ عمل و تجربہ کی راہ سے نکلنا ہے !
پہلی گھاٹ کی خوفناک اور بھیاں تک ڈالیں، کھانے پیئے، سنبھلے سنبھلے اُدھرنے کی دشمنی شروع میں م ناقابل برداشت تکلیفیں ! مگر کس طرح کا خوف ہراس نہیں، ایمان شکوہ سرا ہونے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے شکوہ ذکر سے آزاد ہو جانا ہے۔

سچ میں چن میں کیا گیا، مجھیا و بستان کھل گیا

۱

ان اسیرانِ محبت نے بھی زندانِ کوہِین و اخلاص کی دھمک چاہی، قرآن و حدیث کا کھس، دینی موعظات پر گفتگو انداز کرے، سب سے بڑھ کر غنیمتِ مآبیت کی کیفیت !
فاضلِ تذکرہ نگار نے اپنے رفقاء و زندان کی سیرت و کردار کی پوچھ کی اور ستر جہانی کی ہے وہ پڑھنے سے حلق رکتی ہے !
اگر میں میں ان صہبوا مابین حق و صداقت کو میری صحتِ اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی رفاقت میں آؤ اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اُن کی کُفرت کا انانِ لفسر دیا ہے۔

عدالت کے سامنے خورشیدِ صحرِ صاحب سے جو بیان دیا تھا، وہ لڑنے کا پورا اس کتاب میں درج کیا گیا ہے "تذکرہ زندان" میں اس بیان نے بڑی تاریخی اور قانونی اہمیت رکھتی ہے اس کے علاوہ اس نے تاریخ میں قاتل کی نکات اور قاتل و فکارِ مرتضیٰ کھنگٹے میں، کشتی و لاشیں اور شامِ گنجلان ہے یہ بیان اس امر کو ذہن نشین کرتا ہے کہ زندان کو کس حد پر صبر و استقامت کی عطا ہے اور صبر کی حقیت میں "وہی آدمی" کہنا ہے، باک و جوش صاحبِ فراست اور علمِ مہم جو ہے !
"تذکرہ زندان" میں دین و مطلقہ اہمیت کے بہت سے مسائل بھی آگئے ہیں، اسلوبِ نگارش اور زبان پر کار و سادہ ہیں !
ذہنی اشارے کے ترجمہ جو حاشیے دئے گئے ہیں وہ شاید بعض پڑھنے والوں کو کھٹکیں کہیں صحت نے غارت سے نہ ہلکے کیوں سمجھا ؟ مولانا ابوالکلام آزاد کی "مطبوعہ حجاز کی طرح" "تذکرہ زندان" میں بھی اشارے قریب قریب ہر صفحہ پر ملتے ہیں مگر ان میں سے کہ شروع کی خاصی تعداد میں ہے جس کی کتابت بھی نہیں ہوئی جس کے سبب اشارے موزوں ہو گئے اس کتاب کی ساری ذمہ داری کتاب پر نہیں ڈالی جا سکتی، مصنف کے حافظہ اسذوق سے بھی بھر لی ہوئی ہے۔
تذکرہ زندان نے اردو ادب کی عظمت میں اضافہ کیا ہے، یہ کتاب پڑھنے والے کے دل و دماغ پر گہرا نقش چھوڑتی ہے، اعلیٰ ترین سطح کے محال و حکام اس کتاب سے قید خانہ کا نظم و نسق درست کرنے میں بہت کام استفادہ کر سکتے ہیں !

نذیر عیسیٰ

مترجم :- ملک رام اور محمد رالدین احمد رضامت :- صفحات ۱۰۰، مصنفات رنگین سرمدی، کاغذ اہل کتابت و طباعت انجمنی
نیدرلینڈ (قیمت مدہج نہیں لگی)۔ طبع لاہور :- مجلس نذر عیسیٰ، نئی دہلی۔

علمی دلی دنیا میں مولانا امتیاز علی خاں غفرانی (سلامتِ ملک) کا آغاز تھا کہ غنیمتِ مآبیت کا نام لے کر ان کی عیثیت سے جو اندازِ تعارف کو پڑھا اور اس شہرت کو درج مولانا موصوف کی اُن کتابوں سے ملتا جو مولانا علیہما پڑھنے نے عرب کی ہیں ! غالب کی نظم و شعر کا ذکر کرتے ہی مولانا غفرانی کا تھوڑا ذہن میں آ جھرتا ہے !

مولانا امتیاز علی خاں غفرانی متحدہ کراچی کے مصنف، رولف اور ترب ہیں بہت سے علمی و موعظاتی انہوں نے لکھے اور بچے و بچوں کے صف میں بھی لکھے ہیں، مولانا موصوف کا مطالعہ بہت وسیع ہے، اللہ تعالیٰ انہیں علم و ادب کا صحیح ذوق اور اندازِ تہذیبی شوق بخیر عطا فرماتا ہے، رام لیلہ بھارتی سے ملازمت کا تعلق ہونے کے سبب انہیں علم و ادب کا کام کرنے کے مواقع اور ہر موقع پر سیر کرنا، جن سے انہوں نے پورا فائدہ اٹھایا اور اپنی زندگی کو علم و ادب کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔ علم و ادب کے ساتھ وہ غلو و افراط کی اور تہذیبی محقق اور جدنا کش بھی واقع ہوئے ہیں اس لئے جن موضوعات کو پھر ان میں بحث قلم اٹھایا اپنی علم و استعداد کی حد تک اُس کا

حق ادا کر دیا۔

جناب امتیاز علی خان عروشی کی علمی شخصیت اور ادبی حیثیت کے مستند و قلم ہونے کا نغہ مثبت یہ ہے کہ ہندوستان میں "جلس نذیر عروشی" کا قیام علی بن
آیا جس کے صدر ڈاکٹر ذاکر حسین خان دجاست تن، نائب صدر جمہوریہ ہندم مقسم ہوئے اور مجلس کے ارکان میں ہندوستان کے چوتھے اور پہلے اذیب
کے اہل علم اور معروف شخصیات شامل ہوئیں، دوسرے مکمل کا تو جس قلم نہیں مگر پاکستان ان ہندوستان میں کسی اذیب و دانش پرانہ اور عالم و محقق کو فروغ تحسین و
صحت پیش کرنے کے لئے ایسے بڑے آویروں پرستوں کو قیام جس آج تک وجود میں نہیں آیا !

• جلس نذیر عروشی نے مولانا عروشی کی کستھیں ساگرہ پر ایک کتاب — نذیر عروشی — عرب کے لئے ان کی خدمت میں پیش کی۔ یہ "نذر اللہ" پر
زور دیا اور اسے کہیں نہ دلاؤ قیمت ہے! اور تعلقات کی انہماک و اعتراف کی تحسین جہت ہے۔

"نذیر عروشی" کا مقدمہ ڈاکٹر ذاکر حسین نے لکھا ہے، پھر شہادت پر ہاذا جناب مالک رام دایم : نے مولانا عروشی کے سوانح حیات عرب کے ہیں —
اس کے بعد —

ذاکر ذاکر عروشی
عروشی۔ شمس علم ولین، دلیل شمس
اذ ابکر علی خان
اذ ذاکر سید عابد حسین
اذیب صاحب
اذیب صاحب الدین عبدالرحمن

یہ وہ مضامین ہیں جو عروشی صاحب کے تذکرہ و تعارف سے تعلق رکھتے ہیں اور انہیں پڑھ کر صرف کی علمی شخصیت اُبھر کر سامنے آتی ہے۔ پھر نکات شرعہ پر ہے
یہ مضامین و مقالات ہندوستان اور معلومات آفریں میں مقالات کی بلندی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ شیل احمد خان عروشی کا ہندوستان، و محقق طوسی کی ہندو
آفاق کتاب "تجربہ" پر علم و دانش کا مستقل حصہ ہے۔ یہی حال انگریزی مقالوں کا ہے، آٹھوں مقالے خوبانی، بہت خوب ہیں۔

"مگر غالب نے یہ کیا کہ یہاں پر فارسی کلام و یکجہرت لفظ ائے رنگ رنگ سے محمد ہے میرے مجموعہ آرویں کیا بڑا ہے وہ محض بے شک ہے" دس ۲۷۷۔
ڈاکٹر سید عبداللہ ۲۔ میرے مجموعہ آرویں کیا لکھا ہے لکھا تھا "کیا بڑا ہے" ایسے مقدمہ پر نہیں بولا جاتا — صفحہ ۱۸۱ (سطح ۸) "تذکرہ" کے مضامین کے لئے کا
جوز لکھا ہے، اس میں کتاب کی غلطی کے سبب ۱۲۷۷ء کی جگہ ۱۲۷۸ء چھپ گیا۔

اس کتاب کے مقدمہ میں ڈاکٹر ذاکر حسین خان لکھتے ہیں، —

"مولانا امتیاز علی خان عروشی کا نام کی تعارف کا حق ہے نہیں، ان کے متعدد تعیناتی کام نے علمی اور ادبی حلقوں سے فوج
تحسین حاصل کر چکے ہیں، پچھلے ۲۰۰ برس میں انہوں نے جو تحقیقی اور تنقیدی کام کیا ہے، اس سے جہاں ہمارے زبان کے فوائد
میں بیٹریا ہوا ہے، وہیں ہمارے لئے لکھے والوں کو ماہی ہے، کئی قسمی اور قابل قدر کتابیں انہیں کی فخر، مذکور
جو حیرت برداشت پہلی مرتبہ خطیر کام کیا ہے، کئی پرانی کتابوں کا انہوں نے اپنے حسن ترتیب سے نئی زندگی بخشی دی ہے خاص طور
پر مترن کے تحشیہ و تدوین کا بولندہ سارا انہوں نے قائم کیا ہے وہ کسی زبان کے لئے بھی باعث فخر ہو سکتا ہے۔

..... مجھے خوشی ہے کہ ان کے احباب اور تدریس ان کی کستھیں ساگرہ پر ایک مجموعہ مضامین ان کی تذکرہ ہے یہی
یہ کیا ہم سب کی طرف سے ان کی علمی خدمت کا اعتراف ہے ؟

ڈاکٹر صاحب جو صرف "ایہ اعتراف" آرویں کے جذبات کی گنج توہمائی کرتا ہے۔

ہر شے کی زندگی کا محور ہے مشترک عدم خطہ "حقانیت" سے کوئی شک نہیں معلومات آفریں سے جگہ انہوں نے ہندوستان کی زبانوں (خاص طور سے دین گری)
کے لئے درجہ دوم اختیار کرنے کی تجویز کی ہے وہ دوسری زبانوں کے لئے طبعی و قومیوں کا فیصلہ ان زبانوں کے علم و اندر تحقیق کریں گے مگر ہندوستان

توین رسم الخط میں منتقل ہو گئی، قریہ اس کی "خودکشی" ہو گئی۔

"فزون اور ترکہ اسم"۔ سید الرحمن چغتائی کا یہ مقالہ بریادہ تفصیل اور تحقیق چارہا تھا، اس کی عزرائق فنون اور سلمان "ہونا چاہئے تھا، مگر مغلوں کی مصوری دھب میں جانا، تصویریں بھی شاہی ہیں، اسلام کا ترکہ نہیں بلکہ مسلمانوں کا ترکہ ہے۔

"مذہب عرفی"۔ کوئی شک نہیں ہر اعتبار سے اس کے وہج کی کتاب ہے اور یہ مقالات بڑے سلیقہ کے ساتھ مرتب کئے گئے ہیں اور کتابت کی صحت کا خاص خیال رکھا گیا ہے، کتاب کا ہر شکل و صورت و گیت اپ کے لحاظ سے بھی انتہائی دیدہ زیب اور جاذب نظر ہے۔

مرتبہ: ۱۔ استاذ گیلانی، ضخامت ۱۶۰ صفحات، قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے

تحریک اسلامی ایک نظر میں

لئے کا پتہ: ۱۔ پتہ آئین ۲۱ ریڑے روڈ، لاہور

عالم اسلام میں یہ سعادت و شرف مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے حصہ میں آیا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لہجے کے لہجے میں کو قیام و برپا کرنے کے لئے منظم تحریک کا آغاز کیا۔ "آدمت دین" کی اس تحریک اور تعلیم کو اگر ہم "تجدید و انقلاب" کے نام سے تعبیر کریں تو یہ کوئی مبالغہ کی بات نہ ہوگی۔

جناب سید محمد علی نے مولانا مودودی (روحانی تحریک اسلام) کی تعظیم و تحریروں اور دوسرے تخریج کے کام اور مستحب اہتمامات سے یہ کتاب مرتب کی ہے، جو شروع سے لے کر آخر تک دین و دانش کی آئینہ دار اور فکر پرور کی ترجمان ہے۔ — مضامین —

نگاہ وادین — آغاز کار کا پس منظر — دعوت اور نصب العین — لائحہ عمل — انتخابی پالیسی — پروگرام اور لائحہ کار — تنظیم جماعت — کارکنوں کے اوصاف — تحریک اسلامی کا مستقبل — نگاہ واپس

پہلی کتاب بھی امدینی جہاں مابعد سے طبع ہے، اس کتاب کے مطالعہ سے جماعت اسلامی کے مزاج و طریق کار اور اس کی اس تحریک سے واقفیت ہوتی ہے۔

تہذیب و ثقافت مرتبہ مولانا محمد امجد علی، ضخامت ۱۴۰ صفحات، قیمت ایک روپیہ لکھ پتہ کا پتہ: ۱۔ اسلامی کالج، ایک روڈ، لاہور

اس کتاب میں "تہذیب و ثقافت" پر دو مقالے، "مذہب و ذہن" اور "تہذیب و ذہن" کے کئی کئی مضامین لکھے گئے ہیں۔

مولانا عبدالحلیم شرر، مولانا ابوالکلام آزاد، خواجہ حسن نظامی، مولوی محمد شفیع، ڈاکٹر عبدالحق، مولانا صلاح الدین احمد، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا عبدالحلیم، لک، فقرت محمد زوی، انضامین۔

"مولانا عبدالحلیم شرر، لک، دانا لاہور کے آئین کی حیثیت سے کم و بیش دیگر سال انگلستان میں مقیم ہے" (ص ۹) صحیح خطاب "نواب

دکار لاہور ہے، جن کے صاحبزادے نواب ولی اللہ کے مولانا خیر آیت تھے، "نئی نئی اختراعات پیدا کرنا" (ص ۵۴) "اختراع" کے ساتھ "نئی" لکھن

حشر و زاید ہے ۱

یہ مقالے مجری طور پر دلچسپ و مہذب انداز سے کام لیں، انہیں کے اختیارات کے مجری کے آئینہ ہوتے ہیں

مسجد سے میخانے تک از: ۱۔ ابن العربی، ضخامت ۱۴۰ صفحات، قیمت پانچ روپے۔

لئے کا پتہ: ۱۔ کتب خانہ، دیوبند (ضلع ہارنوب، انڈیا)

۱۔ نگاہ واپس — یہ عزرائق کٹھا، "نگاہ واپس" مرنے والے کی آخری نگاہ کو کہتے ہیں درم واپس کی نگاہ، اسی دن کی نگاہ۔

اسی دن کے لئے آنکھوں میں ہم نے تجھ کو پالا ہے

بڑی تیرہ عورت اے نگاہ واپس نکلی

بھارت کے چند مقبول دینی ماہنامہ تھی "دلیپ بند" میں طائر العربیہ کی "کہ آپ بیتان" آتی رہتی ہیں، جن کو بڑی تعریف حاصل ہوئی ہے: یہ کتاب ابن العرب کی آخر میں کون؟ یہ بات اب طے نہیں ہوئی، مولانا قاسم رحمانی اس قلمی نام (PEN NAME) سے اس قسم کے طنزیہ مضامین لکھتے رہے ہیں جن کی ہر طبقہ میں پہچانی ہوئی، اب یہ کجی "پڑھنے والے" محمد سے بڑھانے تک کو پڑھنے شروع سے پڑھتے ہیں۔ انہی مضامین کا انتخاب اس کتاب میں کیا گیا ہے۔

یہ کتاب طنز و مزاح اور شوخی تسلیم کا شکار ہے، وہ چسپ آہی کہ لائق میں لے کر، غم کرنے سے پہلے کچھ احکام کرنے کو بھی نہیں چاہتا، اس میں خالی ادبی ہتھیار سے اور غلط فہمی کی سطح پر ہی نہیں ہیں، بلکہ علم و ادب اور دین و سیاست کے بہت سے مسائل بھی آگئے، اور جو وہ سوسائٹی جس سے آپ کی دنیا گزر رہی ہے اس پر وہ وہ چوبیس کی ہیں کہ محمد بن احمد اہل بدعت، دیکھ چروٹا کا رنگ اتنی ہر جاتا ہے۔۔۔۔۔ چھٹا قیاسات۔

— "پاپی، پیسہ ہارے! پی پی نہ بول، میری پی پی نہ بول، استیانا اس! یہ سہا پی پی نہ بولے گا تو کیا ڈیچہوں ڈیچہوں کے گا۔۔۔۔۔"

— "مشاعروں کے ہاں سے میں یہ رات بھر کچھ ایسا ہے: جیسے چھٹا ملک بحرہ کو کھانے کے لئے من بھر چھپ چھپانے غرور کی ہوں، دس نکتے طے، تب کہیں جا کر ایک اچھا شعر ملے پڑتا ہے۔"

— "ان کی آواز، بڑی ہلکا مہر ہے، مگر وہ اشارہ ہی اتنے بند مردوں میں سے لیتے ہیں کہ ان سے کہنے کے لئے گنگناہش باقی نہیں رہتی۔"

— "ایک شعر۔ جن کا نام یا تو بقیہ نداء تھا، یا سبیل قدوائی یا شاید دل دل بقاء۔ جنوں نام یادداشت کے فونے میں لے گئے نہ ہوتے ہیں کہ یقین کے ساتھ کہ نہیں کہا جاسکتا، یہ ہر حال وہ اوسطاً دو شعروں کے برابر تھے، بلکہ قاسم رحمانی شمس و صا اور روش صدیقی جنوں کی ایک ساتھ شکیں کس دی جائیں تو گویا ان سے زیادہ نہیں بنے گی، رنگ پکنا جیسا، انہیں گولی، جن کا قطر نے پیسے سے زیادہ نہ ہوگا، وہ ان کم و بیش نصف بالشت چھڑا۔

انہیں دیکھ کر، میں نے پھر حیرت سے پوچھا۔

"کیوں پیر صاحب! کیا آپ کو یقین ہے کہ ان کا اللہ بزمِ راہ کا خالق ایک ہی ہے؟"

"ان کیوں کفر کہتے ہو؟" وہ آنکھیں پھڑپھڑا کر بولے۔

— "یہی سخرہ ہے، جس نے بے شمار پتھروں کو دفن کر دیا اور انسان گنت جھوٹ، اداہم اور غرور سے محتاق بن گئے؟"

ابن العرب کی کی ایک غزل بھی پڑھنے اور لطف لینے کے قابل ہے، فرماتے ہیں۔

خمشتر نہ ہوگی بندگی اولیا بغیر
قبلہ نظر نہ آئے گا، رقبہ نما بغیر

خواجہ سے ملگنی ہے، تو قسم ان سے عشق ہے
پچھتے نہیں شراب بھی ہر دم تھا بغیر

نیض، قہر کلیر و اجمید کی قسم
اپنی تو کٹ رہی ہے منہ سے خدا بغیر

جب حرم ہی نہیں تو صلہ و زکوۃ کیا
ہوئی نہیں صفائی باطن عین بغیر

میں فنا نہ پڑھوں گا، پلاؤ تو کیا تاب لا
مٹا نہیں قیام عبادت غذا بغیر

ملا میں بھی جہد و دستار لائے دے

چلتا نہیں ہے کام نمود و ریا بغیر

یہی وہ بڑی تپان ہے کہ جس کی محبت سے
یہی وہ غنچہ لہرس ہے جس کی خوشبو سے
اکنے دہر کو بخشا محبتوں کا شعور
تڑپ رہے ہیں ستمگر لڑ رہے ہیں غنیم
دیباہ پاک ہسکتا ہے مثل باغِ نعیم
یہی وہ نیم ہفتائیت ہے جس میں تقیم

مہر و مہ واجسم کا جہاں تیرے لئے ہے
ہے غنچہ ناسید و شریا ترا ہم مار

اسے پاک ہوا ہاں !

ہر قدم پر ہے ڈھاکنے رنگ میں
کینا ہا دو ہے سلہٹ کے آہنگ میں
اے وطن کی زمیں
حسنِ فطرت نمایاں چٹانگ میں
ماہِ شاہی کے شام و صحر مر مر میں

تیرے دریا جواہر اُگلنے رہیں
تیرے جنگل بہاؤ میں پلٹے رہیں
اے وطن کی زمیں
تیرے گہوارے میں ڈھلتے رہیں
تیرے کھیتوں سے اُگتا ہے نیرِ نعیم

پوری نظم کا یہی رنگ ہے ! (اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ)

ہم چٹانوں کی مانند مضبوط ہیں
دوستوں کے لئے دیشم و پرنیاں
ہم کہ فریاد و آہن کی دیوار ہیں
دشمنوں کے لئے تیغ کی دھار ہیں

لے کر خدا کا نام جو میدان میں آجئے
نصرت کے پھول گوشہٴ حاصاں میں آجئے

نورِ سادخ

تیرے فحیر کی آواز سے کھٹک اٹھے
تیرے مجھ سے عرفان کے ہوا سے پر
نظم میں علامہ تہاں سے خطاب کیا گیا ہے
زمرہ جو کیفیت پیدا ہوئی ہے اس کو کھٹک اٹھے
مسل امن ہے ایمان کا پیغام تو ہے
مشیقوں کے جلی بدوش کا شانے
پہلے ہیں زمان و مکان کے افسانے
پیرافانوں کا چھٹا اس پرستار
روحِ مزدہ ہے انصاف کا عالی تو ہے

محبت کی جھ آرد میں نہیں آتی اسرار کہیں ناگزیر قدرت محسوس ہوگی، تو اس کا صلہ ہر وقت و ہر امر ہوگا۔

”روح مزدحم یہاں نہ لے کی کیا تکھی!“

تم سیکر فولاد ہو میثاقِ ازل سے
”ازل کے دن سے“ کہا تھا، یا ”یوم میثاق“ ہے!

اپنی توہین کے دین جب کھلے جانبِ زن (ص ۶۳)
”جانبِ حوی اور زن“ ہند ہے، اس لئے ان دونوں لفظوں کے درمیان اضافت جائز نہیں!

اہل جنوں کا عزم جب نگیر جاگ اٹھا
اہل جنوں سے دنیا کی تسخیر اور کائنات پر حکمرانی کرنے کی نیت کچھ سین نہیں کھائی، مہر و نانی کو۔ بہرِ عزت شیر کی ترکیب بچکانہ بنا دیا
جنت نشان بہاریں معدوم ہو چکی ہیں
فغروں کی آٹھاریں معدوم ہو چکی ہیں (ص ۸۶)
”آتش“ قولہ کہ ہے!

تجہ کو حاصل دعا شاہِ گردیز کی
تجہ میں تویر ہے شمسِ تبریز کی (ص ۹۰)
مندانِ پاکستان کے کسی خط یا شہر میں شمسِ تبریز جتہ اللہ علیہ نہیں آئے، مندان میں جن کا زراہ ہے وہ ایک اندنگ ہیں، جن کا نام بھی شمس ہے۔
حصارِ بید سے خلوت گیر چوڑہ تک
ہر اک مقام سے ہم لوگ کامراں گزرتے (ص ۱۱۴)
”چوڑہ“ کے ساتھ ”خلوت گیر“ کی ترکیب بالکل بے معنی ہے! یہ مصرعہ یوں ہو سکتا تھا۔

”عینِ وید سے لاہور اور چوڑہ تک“
”جہا تو سلم“ کو فریڈ پبلیکیشنز ملانے بڑے سلیقہ سے شائع کیا ہے، جنہ جہا کو گرم و تازہ رکھنے کے لئے اس مجموعہ کی زیادہ سے زیادہ اشاعت برتی جائے۔

مؤلف: ڈاکٹر سید حسین عزیز، صفحات: ۸۰، صفحات (دھلاک کہ) قیمت دس روپے
بنیادی بیماریاں اور گرائنگ میازم سینٹرل بورس پبلیک اسٹور، آرام بازار روڈ کراچی

ڈاکٹر سید حسین عزیز صاحب کو آپ کے مشہور ہوسہ پتہ ڈاکٹر ہیں، فوجی کے بعد ان کی زندگی اسی فن کی تحقیق اور تجربہ میں گزری ہے! یہ کتاب ان کے مطالعہ، تحقیق اور تجسس کا پتھر ہے، اس میں انہوں نے تفصیل کے ساتھ ”بنیادی بیماریوں“ کے اسباب و علامات سے بحث کی ہے اور اس بات پر بھی تفصیل کے ساتھ لکھی ہے! اپنے تجربہ کی بنا پر صاحب موصوف نے کہیں کہیں ڈاکٹروں کی خام دانتے سے اختلاف بھی کیا ہے۔

ڈاکٹر سید حسین عزیز صاحب ہوسہ پتہ کراچی کے تجسس کا طریقہ علاج کے تجسس کا طریقہ بلکہ عالم میں، آئندہ کے کتابوں سے اعداد و مرئیوں کی نفیات کا بھی گہرا مطالعہ کیا ہے اس لئے ان کی اس کتاب میں بعض ایسے ”اکتافات“ ملتے ہیں، جو دوسری کتابوں میں نہیں مل سکتے!
مرض کے علاج کے لئے نیا دہ شرط یہ ہے کہ طبیب کو اس مرض کا اصل سبب معلوم ہو جائے، اس کے لئے بڑی محنت اور عہدہ نگار کی فرست ہے اور اگر مریض اس محنت اور عہدہ نگار کے عداویں بلکہ اس فن میں ”اسپیشلسٹ“ ہیں۔

یہ کتاب ”دنیائی بیماریاں“ کے مطالعہ کے ساتھ اور عہدہ نگار کے ہوسہ پتہ ڈاکٹروں کا اس سے ضرور استفادہ کرنا چاہئے! اعداد و بیماریاں اس مرض پر غالباً یہ پہلی کتاب بنظرِ عام پڑائی ہے

ملے کتابیں کتابت کی خطیاں کہیں کہیں ملتی ہیں مثلاً ”گھٹیا“ کو جگہ جگہ ”گھٹیا“ لکھا گیا ہے، دوسرے ایڈیشن میں کتابت کی غلطیوں کی تصحیح کر دی گئی ہے۔

اردو ڈائجسٹ سالنامہ ۱۹۶۶ء

جلسہ ادارت: ڈاکٹر حاجی رحیم قریشی (اعزازی صدر مجلس)، الطاف حسن قریشی (مدیر مسئول)، ظفر من خان (رہبر)، میان سادہ، ضیاء شاہ، مقبول جہانگیر اور آباؤ شاہ (ایک)۔ ضماوت، ہمہ صفحات، دکاغذ، اردو کتابت و طباعت، ہرچیز دیدار، صہق رنگین و سادہ اور جادو، نظر انجمنیت۔ دور رس، پکاس پیس۔

نئے کاغذ۔ اردو ڈائجسٹ، ہمن آباد، لاہور۔ کراچی آفس، ہمارا، مغربی کالونی، کراچی۔

ہندو ڈائجسٹ پاکستان کا سب سے نیا و کثیر الاشاعت اردو مقبول اردو ماہنامہ ہے، ہمارے ریلوں اور ہوائی جہازوں میں۔ اردو ڈائجسٹ ہی عام طور پر مسافروں کے ہاتھوں میں دیکھا جاتا ہے! اس کا سالانہ مہرجان اس وقت ہمارے سامنے ہے ایک لاکھ سے کیا کم چھپا ہوگا! جب کہ اس کی عام اشاعت ستر چھتر ہزار بیانی جاتی ہے۔

سالانہ کے مضامین میں بڑا تنوع پایا جاتا ہے اور ساتھ ہی ترتیب کا سلیقہ بھی اتنا جیسے یہ انجمنی مضامین ہیں اور منتقبات ہیں، اور اس کی دلچسپیوں کا مرقع ہے سب سے زیادہ غزلی کی بات یہ ہے کہ دین و اخلاق کے تقاضوں کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے، نوجوان لڑکیاں اور لڑکے بچے کے لئے اس سالنامہ کو تنہا کی میں پڑھ سکتے ہیں۔

منجید وادہ اور تارا سادہ کا گلدستہ، بعض مضامین مطبوعات میں اضافہ کرنے والے ہیں۔

جناب الطاف حسین قریشی، انٹرویو کے سبب اتنے مشہور ہو گئے ہیں کہ یہ لفظ کہیں آن کا لقب اور شخص بن کر رہ جائے، اس سالنامہ میں بھی بنا۔ ذوالفقار علی بھٹو (روڈیئر بھگت سنگھ) کا۔ انٹرویو، شادی ہے، جس کے بعض حصے دولت خورد فکری دیتے ہیں ۱

جناب عبدالرشید شرم کے حالات زندگی بھی، الطاف حسن قریشی ہی نے مرتب کئے ہیں جو پڑھنے اور سنی لکھنے کے لائق ہیں۔

حرف نظم میں حضرت حفیظ جالندھری کی "ناتمام غزلیں" ذوق و وجدان کو اپنی طرف نہیں کھینچیں! جناب احمد ندیم قاسمی کے کام کا انتخاب خوب ہے، مگر یہ ہے کہ اس میں ایسے سلی شعری بھی آگئے۔

آپ کیوں سامنے نہیں آتے آپ کیوں روح میں سماتے ہیں (ص ۱۲۰) کتنا ہے کینٹ انڈسٹری ہے یہ شعر!

نمائندہ ہر چکا اس اولین ڈیجیٹر کو لیکن سنائی دے رہی ہے تیری نظروں کی پکار اب تک "اولیں ڈیجیٹر" نے شہریت کا تلف غارت کر دیا، حضرت جگر مراد آبادی کہہ رہاں ہیں خیال کس خوبی اور لطافت کے ساتھ نظم ہمارا ہے فرماتے ہیں۔

میت ہوئی، اک حادثہ عشق کو لیکن اب تک ہے تہہ دل کے دھڑکنے کی صدا یاد

احمد ندیم قاسمی صاحب کہتے ہیں۔

تمہ دنائے کھیت کے بکیر دیں تو نے قدم قدم پہ کئی قمریوں، کئی شہزاد اس شعر کا مفہوم ہمارے تو پہنچتا نہیں! "قمریوں کا بکیر دینا" مفہم خیر انما زبان ۱

سیر عثریہ کو ن سند نشیں ہے کوئی دیکھا بھلا خریا جبین ہے (ص ۱۲۱) یہ کیا شاعری ہے!

جب عجبہ کی سات چاند ڈوبا دل بچ آٹھا کہ مرگیا چاند (ص ۱۲۲) نرانیچ کا نہ شعر!

اتنا سہیل ہے یہ پل کہ گماں جوتا ہے میں ترے جسم کو چوروں تو گھن جادوں گا

آفریہ بات کیا ہوئی ! پھر عرب کے جسم کی عورت ، گرمی اور تابناکی شکر کو "پل" (یعنی وقت) کے ہسپتال ہونے کی وجہ سے محسوس ہوئی ہے !
چاند گرہ آج ستاروں کی قسم کھا کے بتا کہ کس نے اہل کو تبسم کے لئے ترسیا (ص ۱۴۶)
چاند گرہ سے مریض جب روغم کیا یہ سوال کر سکتا ہے ۔

سہ کس نے اہل کو تبسم کے لئے ترسیا

یہ لفظیات لائق مطالعہ ہے !

شب نہ کھٹکے ، توئی آگ نہ جھٹکے دل میں

صبح کی ساری خیرات ہے اسی شام کا نام

الفاظ موجود ————— گو منہ پر دم ! ؟ —

۔ آرد و ڈائجسٹ " کا یہ سانا مر یقیناً مقبول ہوگا ، اور خواص و حرام سب ا سے پسند کریں گے :

فانان

عام طب پر مبنی کی قیمتی تاریخ کو تیار ہو کر پوسٹ کیا جاتا ہے ۔
اگر کسی مہینہ میں یہ تاریخ نکلے تو دفتر "فانان"
کو نہ ملنے کی اطلاع دے دی جائے ، تاکہ دوبارہ سالہ
بیچا جاسکے !



بیش
تو سرت
دستوپیش

ہر جگہ سے دستیاب ہو سکتے ہیں

استعمال کریں



اب تیرے ہی پہلا!

ٹرائیڈنٹ اے-ای کے ذریعے

کراچی - لاہور

روزانہ ۳ پروازیں

کراچی - راولپنڈی

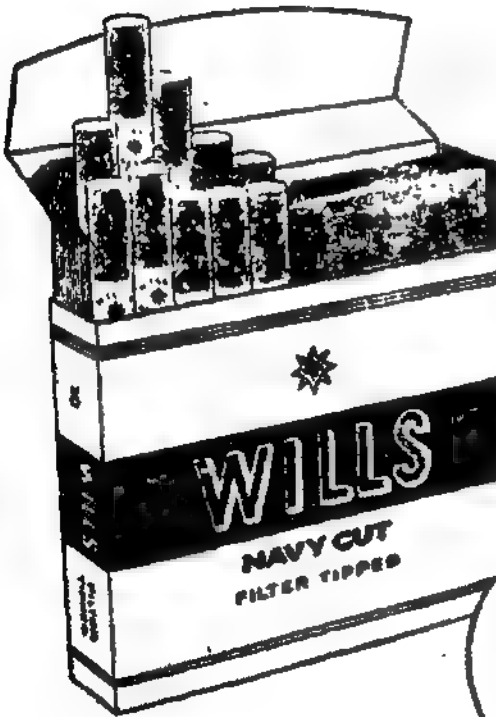
روزانہ ۲ پروازیں

ڈائریکٹ				سینچر ایئر لائن کے کلاس	ڈائریکٹ			
۳۰۹	۳۰۳	۳۰۳	۳۰۰		۳۰۱	۳۰۵	۳۰۳	۳۰۰
روزی	روزی	روزی	روزی		روزی	روزی	روزی	روزی
۱۲	۱۲	۱۲	۱۲		۱۲	۱۲	۱۲	۱۲
۱۲-۱۱	۱۲-۱۱	۱۲-۱۱	۱۲-۱۱	کراچی	۱۲-۱۱	۱۲-۱۱	۱۲-۱۱	۱۲-۱۱
۱۲-۱۱	۱۲-۱۱	۱۲-۱۱	۱۲-۱۱	لاہور	۱۲-۱۱	۱۲-۱۱	۱۲-۱۱	۱۲-۱۱
۱۲-۱۱	۱۲-۱۱	۱۲-۱۱	۱۲-۱۱	راولپنڈی	۱۲-۱۱	۱۲-۱۱	۱۲-۱۱	۱۲-۱۱

ملک کے اندر پروازوں میں سینچر رختاری اور آواز کا کیا مہیا

پاکستان ایئر لائنز، ایئر وینر **PIA** کیسکس سوگتہ لاہور، کراچی، راولپنڈی

ویپا ولسن فیلٹر ٹیپڈ



آؤ کے حرف یافتہ دور میں
ولسن آپ کے لئے ایک
نیا میل ٹیپڈ ریگریٹ
پیش کرتے ہیں۔ وہ سگریٹ اپنی
عمدہ کڑائی، پستری تہہ کو اور دلا سہری
تھم داتا چھوڑنے کے ساتھ آپ کے
سگریٹ نوشی کے میں لطافت اور
مکملت کی ضمانت ہیں

سگریٹ کے ہر ٹیپڈ کی قیمت ۱۰۰ روپے
ہے۔ اس قیمت کے لئے اسگریٹ کے ہر
ٹیکہ ۱۰۰ روپے میں خریدیں
جس میں ٹیکہ ۱۰۰ روپے
میں خریدیں

PARISTAN TOBACCO COMPANY LIMITED, SOLE AGENTS TO W & J WILLS, LTD. LTD. LONDON

فسادِ خون سے بچنے کے لئے صفائی



اور قبض سے
نجات کے لئے اب اسٹریپ پیکنگ میں

صفائی قبض کشا قرص

”صفائی قبض کشا قرص“ مشہور خون صاف کرنے کی قدرتی دوا

صفائی سے تیار کئے جاتے ہیں۔

صفائی کے یہ قرص نہایت اطمینان دہنری سے بغیر کسی قسم کا نقصان پہنچاتے
قبض رفع کرتے ہیں۔ مزید برآں ان میں تمام مصطفیٰ خون صفات بھی موجود ہیں۔

ہر کیسٹ، ڈرگسٹ اور جنرل اسٹور پر دستیاب ہیں۔

بہار دوا خانہ (وقت) پاکستان
کراچی - لاہور - ڈھاکہ - پشاور



جلد ۱۲

شماره ۵

کراچی

ماہ اگست ۱۹۶۶ء

ماہنامہ قاریان

ماہنامہ

ایڈیٹر ————— ماہر القادری

تہتیب

۳	ماہر القادری	نعتی اول
۴	مولانا محمد مصطفیٰ و علی گڑھ	سودہ التوحید
۱۰	ماہر القادری	آبشار
۱۱	مختلف شعراء	سوز و ساز
۱۲	پروفیسر اسرار احمد	مذہب کی ضرورت
۱۴	ماہر القادری	یہ امت خرافات میں کھو گئی
۱۵	مولانا محمد صمد اللہ شریفی	تاثرات
۱۶	عبدالحامید صدیقی (ایم اے)	روح انتخاب
۱۷	بہاری نظریں

مشرعین

پبلشر

چند سالانہ
سات روپے

تمام اشاعت
دفتر ماہنامہ قاریان یکمیل اسٹریٹ کراچی

قیمت فی پرچہ
۲۲ پیسے

مشرعین پبلشر نے انٹر نیشنل پریس کراچی میں طبع کر کے دفتر ماہنامہ قاریان یکمیل اسٹریٹ کراچی میں طبع کیا

دوسری دوس کی اس اختلاف نے دنیا میں اشتراکیت کی رفتار ترقی کو خاصہ دھیرا کر دیا ہے۔ اشتراکیت کی مقبولیت کو سب سے زیادہ حد تک ترقی دینے والے ممالک میں سے امریکہ دنیا کی دوسری طاقت ہے جس نے سردشت میں ایٹم بم استعمال کرنے میں پہلی کی قدر باہاری ظلم، مداخلت بن گیا، ہندوستان کو چھوڑ کر، امریکہ، چین، سوویت، ان تینوں طاقتوں میں دنیا کے عوام، چین کے پاس میں نسبتاً اچھی حالت تھے۔ چین کی ایسی جہالت کہ منظر عام پر آئی ہے وہ یہ ہے کہ چین روسی اور مشرقی وسطیٰ میں روسی اور چینی ایسی ہیں، رکھتا، وہ جس کا دوست ہے کھلا دوست ہے اور جس کا دشمن ہے کھلا برا دشمن ہے، اس لئے سیاست میں اس کا نقطہ نگاہ اس طرح کا ہے کہ اگرچہ یہ امر امر نہیں ہے۔

”تکلیف الامان خاوند بن الناس کے مطابق، اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت دنیا کے حالات سدا ایک جیسے نہیں رہتے، ان میں لوٹ پھراؤ دل بدل ہوتی رہتی ہے۔“

ثبات ایک تغیر کو ہے نہ اے میں

پہلی جنگ عظیم میں چین کوئی تباہی و زکریا نہ تھی، دنیا اسے ”نیو مین کا ملک“ سمجھتی تھی، روس میں خرابیت کا دلدلہ تھا، اشتراکیت حکومت ابھی وجود میں کہاں آئی تھی، امریکہ کی طاقت بڑی تھی مگر برطانیہ، فرانس اور جرمنی کے مقابل میں کم تر اس وقت میں پہلے عالمی جنگ میں طاقت سمجھی جاتی تھی، جس کے حدود و مسکن میں سوچے غروب نہیں ہوتا تھا، اگرچہ اس زمانہ کا سب سے بڑا مضبوط ست تھا۔ ساری دنیا ان ملکوں کو بھنگ کر چلیں اور اس وقت پر لگی تھی۔ لندن کی سیاست کی ہوا کا جو رخ ہوتا تھا اسی میں بین الاقوامی پالیٹکس کا سفید رنگ کرنا تھا، برطانیہ کی طاقت کے بعد اپنے نظریات زنجری بیڑے کے سبب فرانس، کانگریس تھا۔

مگر

اس پر اس۔ ان کی بدلتی دنیا، حالات ہی، اگر توں ہو گئے، کتنی کشمکش یہاں اس لامحدود ختم ہو گئے۔ کتنی حکمت نامہ ہو گئے، کتنی جہدیں ہو گئے، کیا دیکھیں، کیسی کشمکش، اس وقت، اگرچہ تھیں توں وہاں۔ ختم رہنے کو قوت مل گیا، برطانیہ اور فرانس کی اب کوئی نمایاں حیثیت نہیں رہی، دنیا میں یہاں ہی، بڑے طاقتوں نے زمین ان کشمکش، برقی ہے، زیر دونوں حکومتیں خود اپنی جان بچانے کی فکر میں رہتی ہیں کہ کہیں ہم اس نسبت میں نہ آجائیں، ان فیشن پر جس نے بہت جھڑپائی، اس نے برطانیہ غلطی کے طویل و درواز کے دونوں منظر دیکھ لئے۔ انگریز حکومت کے تیر قبائل کاٹ کر بھی اور غریب بھی۔

بعض، غریب سات و خصوصیت، اے لے سے یہ کہا جاسکے کہ امریکہ موجودہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہے، تو شاید بدنام حکومت کو آج امریکہ کی بات نہ ہوگی، اس کی دولت یہ عالم ہے کہ امریکہ کی بعض بعض کمپنیوں کی اتنی آمدنی ہے کہ مشرقی ممالک کا مجموعی جیٹ اس سے کم ہی ظہیرے گا۔

امریکہ دنیا کی جس قدر سب سے بڑی طاقت ہے، اسی قدر دنیا میں سب سے بڑھ کر بدنام ہے، ”سامراج“ کا لفظ ہوں کہ آج کی دنیا اس سے ”امریہ“ مراد لیتی ہے، اس قدر میں سامراجیت کی سب سے بڑی علامت امریکہ سمجھا جاتا ہے، دنیا کے کہی اخبار ہوں گے، جن امریکہ، زیادہ بڑی کے ساتھ نہ آتا ہو، اندام پر کسی نہ کسی عنوان سے طنز نہ کی جاتی ہو! اگر دنیا کی اچھی شہرت امریکہ نامی کا کوئی دن ہے، تو امریکہ ہے پناہ طاقت کے باوجود شہرت و ہر دلعزیز کا اندام اس پندہ کی عوام کی محفل میں ہلکا اور بے قدر نظر آتا ہے۔

یہ نہیں ہے کہ امریکہ کی دشمنوں نے جوہر اور غلط پروپیگنڈہ کرتے آئے سارے جہان میں بدنام کر دیا ہے! امریکہ کی سیاست پر ڈیڑھ سو سال سے سب کے سامنے ہے، اندام کا گروا رکھی کتاب کی طرح منظر عام پر آتا رہتا ہے۔ کوئی شک نہیں امریکہ میں آنا دیا رہا ہے، ذہن برباد نہیں ہے، وہاں کے صدر ملک کی ہر آمریت زندگی پر نکتہ چینی ہو سکتی ہے، انگریز دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ امریکی دانشور اور صاحبان

مولانا محمد مصطفیٰ (علیہ السلام)

سورة التوحيد

اس صحت کے کسی نام پر یہ زیادہ مشہور نام سمدہ اخلاص ہے اور یہ تہائی قرآن کے برابر ہے، اس لئے کہ یہ میں قرآن میں قسم کے ہیں۔
وقت نہ، احکام، قصص اور یہ صحت انہماک العقائد پر نہایت وجہ ازت سے حاوی ہے، یا یہ کہ انہماک اللہ میں تین حروف کے ہیں اور ثابت۔
توت، معا و اللہ یہ سورت و وحدت کے مسئلے سے بھر پور ہے۔

جب غریب مسلم راہی توحید حضرت، الصلوٰۃ والسلام کی خدمت باہر گئیں اللہ میں شانہ کے اوصاف دریافت کرنے آئے ہیں تو بارگاہ عزت
حکم پر تابت، غرہ وادیکچہ کہ وہ اللہ ایک ہے۔

قل هو اللہ احد ایک سے مراد یہ ہے کہ اس میں تعدد نہیں، ترکب نہیں، اس کا کوئی مثل نہیں، نظیر نہیں، بیس کشدہ شئی
نظیر دوست ندیدم اگرچہ از مر و ہر نہاد ام آئینہ نامہ مقابلی رنج دوست
پس اس کی وحدت ذاتی اللہ حقیقی ہے۔ خدا ایک ہی نہیں جو نازل ہو جائے اور دوتی سے بدل جائے مثلاً ۱+۱=۲ کیونکہ یہ وحدت
حقیقی نہیں، یہی وجہ ہے کہ ایک معدوم بھی ہو جاتا ہے مثلاً ۱-۱=۰ اور جب صفر کے کہ نام ہے عدم کا مفروب ہو تابتہ تو فوراً عدم بن جاتا ہے
مثلاً ۱۰-۱۰=۰ اس کا نتیجہ یہ بھی ہو جاتا ہے، مثلاً ۱+۱=۲، ۱-۱=۰، ۱+۱=۲ اور ۱-۱=۰ اور اس کی تصحیف بھی ہو جاتی ہے مثلاً ۱۰+۱۰=۲۰
۱۰-۱۰=۰ بلکہ غور فرمائیے تو وہ عدم سے مل کر کبھی اضعاغاً مضاعف ہو جاتا ہے مثلاً ۱۰+۱۰=۲۰ اور ۱۰-۱۰=۰ اور پس شکل میں، عشرات، درہری میں مات اللہ
تیری میں آیت کا دہرہ شمر دیا جاتا ہے۔

اسی واسطے بعض اہل علم نے کہا ہے کہ احداثی تعالیٰ کے خصوصی صفات میں سے ہے، نہیں کہتے کہ احد، اثنان، ثلاث، ربو، ... بلکہ یوں
کہتے ہیں کہ واحد، اثنان، ثلاث، اربعہ، اللہ نہیں کہا جاتا ہے کہ ربیث رجلا رجلا رجلا بلکہ یوں کہا جاتا ہے کہ ربیث رجلا واحد
نہ اس میں تعدد نہیں، کچھ کہ تعدد ہو گا یعنی ایک سے نہ اندہ خدا یوں کہ تو تیار ہو کہ ان میں کچھ ماہ الامتیاز بھی ہوگا، (وعدہ تعدد کو نہ کر جو
مکنا ہے ۲ اور کچھ ماہ الامتیاز ہوگا اور وہ کم از کم جو رب ذاتی کی صفت ہوگی (وعدہ آتہ ہونا ناممکن ہے) پس اس صورت میں وہ ربیث رب رب مرکب
ہوں گے، ماہ الامتیاز اور ماہ الامتیاز کے اشتراک سے اور مرکب حادث ہوتا ہے درکنہ کہ اپنے اور اور ہر مؤخر ہوتا ہے اور مؤخر ہونا دلیل۔ ورنہ
کی، اور حادث واجب الوجود نہیں ہوتا پس وہ جہاں نہیں ہو سکتے اس سے ثابت ہوا کہ خدا ایک ہی ہے۔

مزید ہرآن، خدا کی شان یہ ہے کہ وہ جاسم کمال ہے، (خدا اللہ ناقص ہو، قویہ، قویہ، اللہ یلے وحدت ماہ الامتیاز اور ماہ الامتیاز کے
یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ کسی خاص اگر ایک خوبی ہے تو دوسرے خدا میں دوسری خوبی مثلاً ایک قدیر ہے اللہ دوسرا عظیم، تو یہ علم سے محسوس ہوتا ہے اور وہ
نہایت سے، اس لئے کوئی بھی جامع کمال نہ ہوا حالانکہ واجب الوجود کے لئے کمال ہونا قائم نہیں ہے مگر انہماک اللہ میں کہ ایک ہے نہ یہ خدا

انسانیت بڑا کفر ہے جسکے بڑے گمراہی اور سب سے بڑا مضبوط ہے،

نظام احدائے تنزیل در ۱۵۸۱ھ (۱۷۹۷ء) کو بھی باطن کو دیا اور ثبات *تفسیر* پر بھی ایک تفسیر لکھی
 ملاں پر جن بات یاد رکھنے کے وہ بے مثل و بے مثال ہے۔ بالکل اللہ عزوجل ہے نہ کسی کو اس کیلئے علم نہ کسی میں اس کی حقیت نہ
 دشمنہ مغزہ جان سالانہ کوکب ناز ہے پناہ تیرا ہی نگہیں رخصت ہوئی سنا ہے تیرے آسمانوں
 القرآن العبد محمد مصدق ہے معنی فعل لایق مصدق وہ ذات جس کی طرف حضرت کے وقت رجوع کریں یا بعضی غنی اللہ ہے نماز اللہ حاصل
 وعلیٰ معنی کا تزیین تزیین ایک ہی ہے را، اور نام پاک اللہ جل شانہ کو کہتا تھا حال ہوا، اہتمام مضمون رکھتے۔

مراویہ ہے کہ کثرت ان الوہیت کے لئے احدیت بھی لازم ہے اور صریح بھی، اور دونوں لازمہ اور درجہ کے ہیں، یہ نہیں کہ ایک صفت کم لازم
 ہوا اللہ صریح زیادہ احدیت سے ذات و صفات میں یکسانی کا اظہار ہے پس نہ کسی دوسرے کو قدرت کا لہر حاصل نہ علم تمام اللہ صریح ہے اس کے بعد
 کم اور مراد حق ہونے کا بیان ہے، اور بعد بالحق الاول صفات اضافیہ میں سے ہے اور بالحق الثانی صفات سلبیہ سے، اس سے اس کی تفسیر
 کا اظہار ہے کہ سب کو اس کی ضرورت ہے اللہ کے کسی بھی ضرورت نہیں، سچی الیا ہے جس پر عدم طاری نہ ہو سکے، قادر ہے کہ کسی مانہ آلہ کی
 نہیں علیم الیا کہ کسی دین کی ضرورت نہیں۔ سمیع الیا کہ مخلوقات کی طرح کان کا محتاج نہیں، بصیر الیا کہ آنکھ کا دست نہیں ہند کلمہ الیا کہ
 کہ حریف و صورت و زبان سے بے نیاز ہو رہا ہے اور شافی الیا کہ کسی سے غلبہ و عاجز نہیں، بے غلبہ الیا کہ انازل و فاعل الیا کہ انازل ہوتے ہی معدوم ہو جاتا
 ہو جاتا ہے اور ہر جہد و عدم، اور تمام عین حکمت سرالماصلت، و عجب و غنی الیا کہ تمام جن انس و ملائکہ ہر جن جہاد تو جانی ہوا پر بھی اس
 کے گمان نافی میں اضافہ نہ ہو اور سب کے سب اگر اس کی عبادت سے نہ ہو تو وہ ہر پر بھی اس کے جلال میں ہی نہ آسکے اور درپردہ اور بوجہ
 الیا کہ سوزنا نیا الفت کی آہیں اور خود بدگیاں اور شہیدان کو بڑے محبت کی سرفروشنیاں اسی کے لطف و کرم کی محتاج اور اسی کے رحم و کرم سے دیکھتے
 ہوتے۔

چونکہ سیدنا محمد ہے اللہ صمدیت کا تقاضا یہ بھی کہ خود بخود ہر اس لئے نہ آپ کی حاجت نہ الی کی ضرورت، اور ظاہر ہے کہ ترکیب کو کسی اس
 میں وصل نہیں اور تجزی کو بھی ماہ نہیں، اور مع ذلک ہم ذلی و لا یزال، جس کے معنی یہ ہونے کہ انا و بھی، اس کی شان کے کافی، اہل لہذا و لہذا یوں۔
 لہذا یوں ہے تو یہ ہر فی مشرکین عرب کی جو ملائکہ کو بنات اللہ کہتے تھے اور اسی طرح ہر دو نصاریٰ کی جو حضرت عیسیٰ اور حضرت علی
 کو بنات اللہ کہتے ہیں اور ان کو مسافر و بھی اہل حال ہوا جو واجب الرجوع سے عقل اول انساں عقل اول سے بالترتیب عقل عشرہ کے قواعد کے قائل ہیں، اور دین
 الیا کہ ان کو ان کے اہل بیت، چونکہ جو اہل اللہ محمد و گروہ واجب الرجوع ہو گیا اور واجب الرجوع قدیم ہوتا ہے نہ کہ حادث حالانکہ ہر مولود کی چیز
 حادث و ناہیہ اللہ چنانچہ احدیت کے لئے لازم ہے غیر متعین اور غیر متعین ہونا جیسا کہ باقی بیان ہوا اور اللہ تعالیٰ میں سرور و اندک عاجز ہوتا ہے۔
 اس لئے نہ وہ ضرور ہر نہ فائدہ۔

لہذا یہاں اول یہ یوں ہے معلوم ہے ہر واجب کہ بعض مذہب اوتار کے قائل ہیں اور ہر دستہ جنس انسانی بھی ملکی کی اور یہاں
 کا کہ یہی ہے ان سے سرتے جتنے زیلات و حقانیت کے، اس لئے قرآن لہذا: پس اول الانبیاء حضرت آدم علیہ السلام سے تعلق بھی یہ دیکھ نہیں ہو سکتا۔
 کہ وہ ان عربیہ مذہب سے تعلق نہ ہو کہ ان کی افلاک و ساری دنیا میں چلے جاتا ہے۔ نہ تو اولیٰ مذہب اور عقیدہ یعنی خدا و اسلام کے بارے میں بھی یہ شبہ نہیں ہو سکتا
 کہ وہ خدا میں کہیں نہ ملتا ہو، جتنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی واحد و جدا تھیں، اللہ و خدا کا کیا ہے جس جو سکتا کہ نہ لہذا۔ یعنی خدا کی کوئی
 اور نہ کیا۔ پس ان کے دوسرے چنانچہ ان کے انبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضور کے بعد میں بھی اسی حق کو یہ عقیدہ کا لہذا نہیں رکھنا
 ہوتا۔ لہذا ان میں اور حقیقہ خدا، کہنا حضور ان کے آپ بھی تھے اور باقی بھی حالانکہ شواہد کافی یہ ہے کہ وہ لہذا یا لہذا یوں، ان کے

اولاد ہے اللہ ان باپ، کہیں کہ اس کی عظمت و جلال اس سے کہیں بڑے ہے کہ تو اللہ اس کی جانب منسوب ہو سکے اللہ چاہے تو اس کی اہمیت، اہمیت اور صمیمیت سے پیش کی گئی۔ جو بعض طبی الذہن لوگوں کی کہہ کیا وہ خود نہیں ہو سکتی۔ اس لئے تمام بات و سنت کے طبع پر غور کی میں بھی بیان فرماتا ہوں کہ وہم یکن لہ کفرًا احد، پس اس کے تقدس کے خلاف ہے واللہ اعلم، کہیں کہ جب اس کا قدم کوڑھائی نہیں، تو اور اس کا کوئی عذر نہیں۔ زہد کا بہنا مسہم، و جب زہد کا وجود محال تو اولاد کا وجود بھی محال، ہوا نہ دھو دہ لا مشایک لہ،

سب کو متبر لہ ہے دھوئے تری یکت کی کا

مائے کوئی بہت آئینہ سیما نہ ہوا

دنی کا شئی لہ شاہد

یعدی سے اللہ واحد

کاروان حجاز

آپزادہ قادری

کتاب ناول سے زیادہ دلچسپ اور عالم و گل سے زیادہ رنگین و پاکیزہ

مفرزات نہیں دین و دانش کا مندر

آپ کے دل کی دھڑکنیں سن گئیں گی اور آپ کی آنکھوں کا خدا اور رسول کی محبت کے آنسو رواں چلیں گے۔

غوبہ مسرت و دلزدگ سیر و دق دیدہ زیب کتابت و طباعت

قیمت جلد ۱- چار روپے اور علاوہ پوسٹ

ملنے کا پتہ

مکتبہ فاران کبیل اسٹریٹ کراچی ۱

ماہنامہ ثقافت و ادبی

آبشار

جہاں قافلہ گزراں کے مجموعہ کا نام "جہاں قاسم" ہے۔ تبصرہ کرتے ہوئے میں نے اعتراض وارد کیا تھا کہ "آتش" "موزٹ" نہیں، بلکہ "موزٹ" ہے! اس سلسلہ میں بعض حضرات نے مجھے لکھا کہ "آتش" کے بارے میں مزید تحقیق فرمادی ہے کہ چونکہ جہاں قاسم لکھنؤ سے اس لفظ کا "موزٹ" ہونا بھی ثابت ہے۔

لاٹم موزٹ کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ لکھنؤ میں یہ لفظ "موزٹ" بھی بولا جاتا تھا، مگر وہ اب بھڑے علی خاں آگرہ لکھنؤ کی "فرنگ" (حصہ دوم) میں لکھے ہیں۔

۱۔ اس غلطی کو صرف خود لفظیات اور جمل و غیر و نہ ٹوٹ کر قرار دیا ہے بلکہ جو لوگوں نے پسند رکھا ہے اس کو ٹوٹ کر گزندہ کہیں گے پانی کا جام ادا نہ ہو گا کیونکہ یہ پسند سے گزرا، اس کی تائید کے متناقی ہے؛ چنانچہ اتفاق سے ایک مثال مذکور کی میں مل گئی (طہرہ فصاحت) مؤلفہ محمد حسین ماہ لکھنؤ کی

یہاں لڑیں سے آبشار گت، گھاٹیوں سے جھرنے جھرنے

اگر کھنڈ ہیں بہ منڈ — بشاد — دھوا عطرین — مونڈ — بولا جاتا تو آفر کھنڈ کی زبان پر اسے سوٹ ہی برتا چاہیے تھا مگر موصوف اس کے "بکرہ مونڈ" پر اصرار کرتے ہیں۔

مہر لفظ تیر کے دو معنی ہیں :-

اور ہر کے "تین ایک تھا" انبار

آبشار سے لے کر آگے کے پلوں سے تو قیر
 آستینہ دہری نے بھی تیرا کھوج - آتش کو دیکھ کر نظم کی ہے ۔

آپنا ہانگ کے کام آتے ہیں خیرانی میں کہ اٹھنا دیتے ہیں اکثر مجھے چاہا دوسرو

طیور ہمشیر بہار جہاں اول صفت میں بھونک رہی لکھا گیا ہے۔

ان کے آبشار نے ساون بہہ دوں کی گھنٹا

ہندوستان کو بحال کر دینا ہے کہ تہذیب و شاعریوں اور ادیبوں کی تنظیم و تنظیم

غذا کے ذخیرہ نہایت بوجھل ہے کہ کچھ پتھروں اور دھبوں کی نظم و ضبط سے پیشک ہم سمجھ لیتے ہیں مگر بعض اوقات یہ بھی
ہیں اور کھانسی اور غصے کے ذریعے یا تھکاوٹ کے سبب دھبے دیکھے جاتے ہیں اور انہیں کھانسی کے ذریعہ یا تھکاوٹ کے سبب دھبے دیکھے جاتے ہیں۔
نظم و ضبط کے ذریعے یا تھکاوٹ کے سبب دھبے دیکھے جاتے ہیں اور انہیں کھانسی کے ذریعے یا تھکاوٹ کے سبب دھبے دیکھے جاتے ہیں۔

یہی طرح "فردوس" میر تقی میر کے نام سے منسوب ہوا جاتا ہوگا، اُن کی غزل کا مطلع ہے۔

جہاں آپ خاورِ ابریں ہو گئی ہیں وہاں پہنچے بہادریں ہو گئی ہیں

مگر اب "مگز" "سبز نادر" "جمود نادر" "اند" "خاندان" وغیرہ ذکر کرتے جاتے ہیں یہی عوام و خواص کی بول چال ہے اور نہ اس طرح کے کوئی نکتہ آدرش ہے۔ اگرچہ سرحدوں کے لیے کسی نہاد قدرے ذکر کی یہ عادت جانتا اس کی تاب نہ لے کر خالص حال ہی ختم میں "مگر اب" بالافتقار ذکر کرتا ہے۔

سوز و ساز

شفقت کاظمی

وہ بھول کر بھی سہرے بٹکتے نہیں آتے
بنے ہیں لوگ مرے حال کے تماشا ق
ہم اپنے خون سے رنگ بن گئے ہیں گے
گوردہ ہے تیرا بڑا غلطابہ طے
میں جس کو ٹھونڈا رہا نہ نظر نہیں آتا
تیرے کسی کمرے میں پر نہیں آتا
ہم سے مریجہاں اگر ہمیں آتا
کوئی سکواں نہ سوئے غم میں آتا

ہمارا رشتہ جو کون سے کاظمی جو کہ
کسی سے چاروں طرف نظر نہیں آتا

رہا غازی

کہ مٹا کر سبھی بولیں ہوا سے
میں نے یہ کبھی آمد تو نہ ہوا
ہر طرف تو رہا چھوٹے چہرے ہوں گے
تیرے خاکے شیشے میں دیو ہوں گے

فسرہ ظنم میں کسی خوشی کی بستی کہتے ہیں
شنگی کی آت اور ڈکڑے جو کہتے ہیں
میں نے یہ کبھی بولی بھی سمجھ کر نہ سہی
کی کہیں بھول سے کی کہی گفتگو کرتے رہتے

میر تقی میر

تیرے غم ہوتا نکھوں سے، غم میں تیرے بخشے ہوئے غم کی توہین ہے
میں تیرے جہد میں کوشش کروں، یہ مرے ضبط سمجھ کر توہین ہے
آپ میں من کے مدد بخت نہیں، یہ ربط باہم غم کی توہین ہے
کچھ توہین دیں کچھ ادا ہو نہیں، دل کی توہین ہے غم کی توہین ہے

سین تھو

ترے شہر میں یہ عالم بھی گز گیا ہے مجھ پر
ہمیں کچھ زخم ایسے بھی لگے ہیں
کوئی مجھ سے بات کرتا تو میں انکسار ہوتا
کہ میں کلفت بھی مریم بھی نہیں ہے

نور علی
نور علی

غمی لاکھ بے حرف و نوا ہو
مگر مفہوم تو ہم نہیں ہے

مذہب کی ضرورت

۱۔ مذہب کے لغوی معنی چھنے کے آگے ہیں، زندگی اور حرکت لازم و ملزوم چیزیں ہیں اگر زندگی ہے تو حرکت کی ضرورت ہے۔ حرکت کہنے کے لیے کھانے کی ضرورت ہے، راستہ نہ ہو گا تو حرکت آسان اور مضبوط نہیں ہو سکتی، اسی آسانی ہموار کرنے والے راستے کا نام مذہب ہے، نیز یہ انکار نہ زندگی اور حرکت لازم و ملزوم۔ چنانچہ زندگی انسان کی کافر کے لیے کفر کا راستہ بھی لازم و ملزوم ہو گئے ایک کے بغیر دوسرے کا وجود ممکن نہیں۔

۲۔ انسان معاشقہ زندگی گزارنے پر مجبور ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی زندگی کا ڈھنگ ہی اس قسم کا بنایا ہے کہ وہ اجتماعی اور گروہی زندگی کے بغیر زندہ ہی نہیں رہ سکتا، چاہے وہ کسی بچے تھوڑی سی مدت میں خود کفیل انسان بن جائے یا بچہ سا ہوا سال تک، اب بچہ خردیاد سب کی نگرانی کا محتاج رہتا ہے۔ اس وجہ سے انسانی زندگی گروہی زندگی بن جاتی ہے۔ جب بہت سے انسان ایک جگہ رہتے ہیں تو ایک دوسرے سے واسطہ پڑتا ہے تعلقات قائم ہوتے ہیں، تعلقات سے حقوق و فرائض قائم ہوتے ہیں ان کے لئے اصول و قوانین کی ضرورت پڑتی ہے اگر یہ قوانین جمعی تو حرکت کی زندگی ہو جائے انہیں زندگی کے اصول و قوانین کا نام مذہب ہے۔ جب انسان معاشقہ زندگی گزارنے کے لئے موجود ہے تو اس کے فرائض حاصل کرنے کے لئے بھی مجبور ہے، وہ بھی فرائض

اصول پر عمل کرے گا، اس کے نام سے سوچیں۔ اس لئے انسان مذہب سے گریز نہیں کر سکتا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ مذہب نام ہے خدا کے لئے جو اسے قوانین کا کوئی یہ ضروری ہے کہ خدا کے دستے جو اسے قوانین پر ہی زندگی گزارنی چاہتے ہیں کہ ان کو خدا ہی زندگی کے قوانین بنائے اس کا سوا سا جواب یہ ہے کہ جو ذات ہزاروں سال پوری قوت سے غور و خوض کرنے کے بعد آج تک یہی فیصلہ نہ کر سکی کہ زندگی کیا ہے، کہاں سے آئی، کس نے پیدا کیا، کب ختم ہو گی، ختم کرنے کے بعد دوبارہ پیدا ہو گی یا نہیں، پیدا ہونے کا سبب کیا ہے۔ افراد کو کیوں موت آتی ہے، انسانی فطرت کے اسرار و رموز کیا ہیں۔

وہ ذات اب زندگی کے لئے مترادف، مفید اور بہرہ جہتی قوانین کس طرح بنا سکتی ہے۔ زندگی کے لئے قوانین بنانے کی سبب یہ وہ خدا اور خودوں کو بن رہا ہے جس نے زندگی کو پیدا کیا، جو زندگی کے تمام اجزائے ترکیبی کو جانچ رہا ہے جو زندگی کی تمام کمزوریوں سے آگاہ ہے۔ جو تمام آدمی اور انسانوں کو سمجھ رہا ہے جس نے زندگی کی صداقتوں اور ان کے تناسب کی خود تحقیق کی ہے۔ چنانچہ ہمارے اس دعوے کا سچے بٹا ثبوت یہ ہے کہ انسان کے

بنائے ہوئے قوانین و نمائندہ بدلتے رہتے ہیں کہ خدا کے بنائے ہوئے قوانین انسانی اور ایسی ہیں ان میں تبدیلی کی ضرورت نہیں پڑتی "وہن لھل یسنت اللہ تبدلہ" خدا کی سنت میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی یہ اور بات ہے کہ انسان اپنے ذہن و باطن میں اس سنت سے منہ موڑے اور سرکشی اختیار کرے مگر اس سرکشی سے انسان کے کسی مفید نتائج برآمد نہیں کئے، انسانی گروہی زندگی کے قوانین کس طرح اشاعت ہو رہی ہے اس کا ایک اہم ثبوت امریکہ کا قانون امتناع شراب ہے کہ انہوں نے شراب کی تباہ کاریاں دیکھ کر اس کو پہلے خلاف قانون قرار دیا لیکن جب بغیر شراب کے زندگی اور بہرہ جہتی قوانین وجود اس کے نقصانات کو جاننے اور دیکھنے کے قانون کے خلاف بغاوت کر دی اور خود اپنی ایک گروہی کے انہوں مجبور ہو کر اپنا ہی بنایا ہوا قانون صرف بین سال کے بعد ختم کر دیا لیکن خدا کے قانون میں شراب اب بھی طہرہ حرام ہے اس کو کوئی قانون ساز پہلی کسی قسم کی اکثریت۔ کوئی اقتدار مطلق حال قرار نہیں دے سکتا۔

۳۔ مذہب کے تصور کی بنیاد و احسن خدا کا تصور ہے۔ بغیر خدا کے تصور کے مذہب کا تصور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ مذہب کے قوانین دینے والی ان کا خدا کو پہچانی اور خدا کو جانتے والی ذات ہے۔ اسی وجہ سے مذہب مذہب آدمی کے اصول و قوانین ایک طرہ اور محدود ہو کر رہ گئے۔ انسان میں سمجھ اور فطرت و نفس لایعین ہو گئی۔ ان عناصر میں خود کا تصور واضح نہیں بلکہ تقریباً معدوم ہے، اسی وجہ سے ان کی زندگی کا تصور منفی ہے وہ ترک دنیا اور

برسائیت کی طرف سختی سے داس ہیں، ایک جہت سے کی جان لینا بھی گناہ ظہیم ہے، دشمن کا مقابلہ اپنی جان سے کر گرتے ہیں۔ ایسی دنیا میں جہاں ایک کی زندگی کا انحصار دوسرے کی موت پر اس قسم کے قوانین زندگی کا ساتھ نہیں دے سکتے کمزور کو کون نفع اندک اٹھانے دیتا ہے۔ طاقت و کمزور کو نکل جاتا ہے۔ بڑی بچی جھوٹی بھلی کو کھا جاتی ہے۔ بڑا سخت چھٹے پاؤں کو نہیں بچنے دیتا۔ بڑا دھوکا جانا لیا دوسرے کی نظریہ خود گاہیں، ہماری ایک سانس میں ہاتھوں جو انجیم جسم کے اندر جا کر مر جاتے ہیں۔ ہم اس زندگی میں مکمل اپنا جسم کھنکھن کر رہیں گے، چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض اہل بدعت و تعصب داسے ناک سے سدال باندھتے ہیں لیکن باوجود سدال لاکھوں جوائیم کڑے کے سودا خانی میں سے گزرنے کے جسم میں داخل ہو کر مر جاتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کا قانون خدائی قانون نہیں اس لئے تشدد نامکس اندر غیر متوازن ہے۔ خدا کے واضح تعویذ کی ضرورت اس سے بھی ہے کہ ان ہر غلطی سے بہت کمزور ہے اسے زندگی گزارنے کے لئے کسی نہ کسی سہارے کی ضرورت ضرورت رہتی ہے۔ بقول خانی مرحوم

بچے جانے کی تہمت کس سے اٹھتی کس طرح اٹھتی
تمہ نے غم نے پکائی زندگی کی آہرو برسوں

دینی بنیاد خدا کے سہارے زندگی کی آہرو بچا بہت مشکل ہے، یہاں پریشانیوں اندر کامیابیاں اس قدم میں کہ زندگی کے کسی نہ کسی لمحے میں شخص زندگی کا داس بن کر رہنے کی نشان دہی ہے ایسے نازک وقت میں خدا نے رحیم و کریم کا تعویذ انسان کی ٹھاس بندھا ہے اور زندگی کو ختم کرنے کے لئے نبیوں سے باندھ رکھا ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جیسے جیسے خدا کا تعویذ ختم کیا جا رہا ہے خود کشی کی مار دانتیں بڑھتی ہیں جا رہی ہیں۔ پچھلے دن جاپان جیسے چھوٹے سے ملک میں چالیس لاکھ خود کشی کی واردات ہوئیں۔ سب سے زیادہ خوش حال امریکا اور فلوریڈا میں تمام ملکوں سے یہ وہ خود کشی کا رواج رہتا جا رہا ہے یہ ہے ان کی مجبوری اور بے بسی۔ جب ہر طرف سے مصائب و آلام کا ہجوم ہو اندر سہارا کوئی نہ ہو تو ان میں بھی غریب کیا کہہ اور دنیا کے تمام سہارے بہت کمزور ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، "ضعف العباد لطلب" یعنی دنیا کے ہر ایک سہارے میں اور مطلب ہیں ایک دوسرے کو سہارا دینے کے قابل بھی نہیں بلکہ دنیا کے تمام سہاراوں کو ایک جگہ لکڑی کے چارے سے نشیور دی ہے جو ایک تھکے کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتا۔ دنیا انگلی لگا دیکھتے اور کھڑکی کا پیرا ملٹھا ہوا۔ اپنی انگلی سے ہٹ کر ہر جگہ سے گئے۔

۴۔ خدا کے تصور کے بغیر ہماری زندگی میں اخلاقی قوانین نافذ نہیں ہو سکتے۔ اخلاقی زندگی ہماری زندگی کا ایک بہت بڑا حصہ ہے اور ہم یہ جانتے ہیں کہ اخلاقی قوانین کو دنیا کی کوئی عدالت نافذ نہیں کرتی۔ یا تو وہ داسے عامر کے ذریعہ نافذ ہو گئے ہیں یا انہی ہر اسے نیکی کے تصور سے یا خدا اور مذہب کے تصور سے، نیکی ہر اسے نیکی کے تصور سے اخلاقی قدموں کے بہت کم لوگ پابند ہو سکتے ہیں بلکہ لوگ کہنے کہ ایسے لوگ پوششی پرست ہیں مگر انہیں اپنے ہتے۔ سنے عامر کی پابندی میں ایک بہت بڑی خرابی یہ ہے کہ بغیر خدا کے تصور کے اگر اس کی تربیت غلط اور ناقص ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر امریکہ کے استیوار شراب کے کف ٹون کو بی بی لیجے کہ اس داسے عامر نے شراب کو حرام قرار دیا اور بدو فقہان اور پیرامادی کے اعتراض کے تحت عدالت نے اس کے دھجے سے پھر اس کو جائز اور عدالت قرار دے لیا، اس قسم کا غلط انداز و گنہگار و باور وقت داسے عامر پر چڑھتا ہے۔ لیکن خدا کی نجات ان تمام کمزوریوں سے پاک ہے، اس کے فیصلے اور پسند و ناپسند کو کوئی چیز متاثر نہیں کر سکتی۔ اس کی سنت اور اس کے قانون الہی و ابدی ہیں۔ اس کے خیر و شر کا معیار متقل ہے، اس کی اخلاقی قدیں تغیرنا پذیر ہیں اور اس لئے ہر زمانے کے لئے باہت سکون و راحت ہیں۔ ہر مصائب اس کے داسے عامر کی اخلاقی قدیں زمان و مکان کے فرق سے محروم پہنچتی رہتی ہیں اور ان کو کسی طرح قرار نہیں۔ ان کا انداز و متن مشابہان ہر غلطی ان کو بد اخلاقی کے لئے نئے داسے دکھانا دیتا ہے اور اس طرف مائل کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔

۵۔ خدا کا تصور ایک اعلیٰ ذات کا تصور ہے۔ ایک بلند معنی کا یقین ہے یہ بلند معنی کا تصور ان کو سر بلند رکھتا ہے۔ یہ تو دوسرے کہ بات ہے اور ہم میں سے ہر شخص اس کو اتالی سے سمجھ سکتا ہے کہ محبوب میں خدا اعلیٰ اور بلند جاتا ہے محبت کرنے والے کو بھی اتالی بلند

اٹھنا پڑتا ہے ورنہ محروب تک رسائی کا سامان ہی نہیں ہوتا۔ اور ہر شخص محبت کرنے والا محروب تک پہنچنے کے لئے جان تک کی بازی لگا دیتا ہے۔ تو میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ عرض نشین سے نیا وہ بلند محروب آپ کو کون لے گا۔ خدا کا تصور اگر تیرے سامنے ہے تو انسان کو دنیا و مافیہا سے بڑی حد تک بے نیاز کر دیتا ہے اور انسان کے گھڑیں انتہائی بلندی اور مضبوطی پیدا کر دیتا ہے اس کے مقابلے میں شرک اور بہت سے خدائیں کو پوچھنے والا علمنا پست و حوصلہ اند کم بہت ہو جاتا ہے ہرگز مری چیز کے سامنے مجھ دینے جانا ہر وقت کے آگے پیشانی اٹھکا دینا اس کا معمول بن جاتا ہے۔ حدیث ہے کہ کثیرے کھڑوں اور مہتروں کے سامنے کسی پیشانی لگا دیں اس کو ماریں آتا۔ ایسا شخص جو مہتروں اور کثیرے کھڑوں کو اپنا معبود و معبود قرار دے ڈالے اپنے کربان میں کیا استقامت اور ہمت پیدا کر سکتا ہے۔ ایک خدا کو جودہ کرنے والا دنیا کی تمام مہتروں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبال نے خوب کہا ہے

وہ ایک سجدہ مجھے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

۷۔ اب خدا کے تصور کی اہمیت پر کچھ گفتگو کرنے کے بعد اس بات کی بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ کہ خدا کے موجود ہونے کے قطعی دلائل پر بھی نہایت مختصری گفتگو کر لی جائے کیونکہ یہ موضوع بھی ابتدائے آفرینش سے انسان کے لئے بہت اہم اور دلچسپ ہے اور اب بھی یہ موضوع بحث و مباحثہ کے لئے اسی طرح تروتازہ ہے۔ ابتدائے آفرینش سے آج تک ہزاروں فلاسفہ نے اس موضوع پر بحث کی ہے کسی نے اس کا رد و ثبات کیا ہے اور کسی نے اس کا عدم ممکن اچھا لک اس مثل اس مسئلے کا معنی فیصلہ نہیں کر سکے ہیں لیکن مجھے اس مسئلہ میں خدا کے وجود پر سب سے زیادہ قرآن کریم کا استدلال بنی پسند ہے جس پر یہاں زیادہ وضاحت کے سواے بات کر دیں گے۔

۸۔ خدا کے وجود پر نے کا سب سے بڑا ثبوت قرآن کریم نے متعدد تواتر یہ دلیل ہے کہ ابتدائے آفرینش سے انسان کے دل میں کسی ہنگ و ریزہ، فرقہ و فطرت، حق کا تصور موجود ہے جس کو وہ محبت کے وقت خصوصیت یک تھا کہتا ہے کشتی دہشتہ گئی ہے تو اس کو پکارتا ہے لیکن جب اس پر ڈالنا ہے تو پہلو بدل جاتا ہے۔ مصائب میں گھر جاتا ہے تو بڑی طویل دعائیں مانگتا ہے لیکن سکون حاصل ہونے پر ایک سجدہ بھی کر لیں گرتا ہے انسان کی ہڈی تمدن کی تاریخ بھی اس بات کی گواہ ہے کہ ایم و عبادت اللہ کی گواہی دے والے تباہی میں خدا کا تصور ہر جود ہے وہ لانا آتا ہے اپنی تفسیر ترجمان القرآن میں بڑی تفصیل سے اس موضوع پر بحث کی ہے اور دلائل و شواہد سے اپنے دعوے کو ثابت کیا ہے۔ زبیر محمد کے موجود ہونے کا دوسرا اندر و است انسان قابل ترین ثبوت کائنات کی ہر چیز میں تاقیگی اور اصول کی پابندی ہے جس کو جس نے اس سے پہلے سنت اللہ کہا ہے ہر چیز اپنی جگہ پر سفر ہے اور سفر اپنے وقت و مکان میں ہر چیز کی زندگی کے آداب خاصہ اندکی کا نام دیا ہے۔ اختلاف ان احادیث کا ایک دور ہے جبکہ فلسفہ و مذاہب سے دوسرے چلے آنا مستاروں اور سیاروں کا اپنی اپنی جگہ مستحضر ہونا لاکھوں سالوں سے اپنے محرم پر قائم رہنا۔ اچھا ہے ہر جود ہے ہر جود ہے۔ ان باتیں موقوفہ ام کو باورش کا ہونا، کھیتوں کا ہند، ٹھکانا، ہمارے انسان کی آمد و رفت کشمیر کا سمندر میں دھنسا ہر مہر کی نفا میں ہمارا کرنا وغیرہ۔ حاضری انام میں ہر چیز اللہ تعالیٰ کی نئی ہے جو اس کے در و کھرت ایشادہ کر دیتی ہے ان تمام چیزوں کو چھوڑ دینے کی بجائے ایک حقیر سے نہ کہے کہ جیسے کہ جب اس کو قرآن کی موعود ہمارا کہ اس کی سماعت میں پورا نظام شمس موجود ہے یعنی اس قسم کی گردش۔ اس قسم کی توانائی، اس قسم کے چاند مناسبت سے اور بالکل وہی نظام کار۔ علامہ ابن کمالی نے شہادتت التوحید حمیر یہ بات کہہ دی تھی کہ ہر خورشید کا نیچے اگر تڑے کا دل چیریں۔ واقعی جب نہسے کا دل چیر لیا تو ساری جہود مافیہا غلغلیہ کی لکلی، چھوٹے چھوٹے تڑے سے اپنے مرکز کے گرد لاکھوں میل کی فاصلہ اپنے اپنے مقصد و راستوں پر چکر کھینچتے ہیں لیکن کیا بجلی ہے جو ان میں مکرر جاتی ہیں اگر تڑے تو دنیا میں زندگی ہادی نہیں ہ سکتی تھی کیونکہ ہر وقت اپنی دھماکہ ہوتے اور ہر گھٹے تباہی ان ہر سالات کو کہنے سحر اور ہابند کر دیا ہے۔ خود بخود اپنی باقاعدگی کس طرح پیدا ہو سکتی ہے۔

آپ بنگل میں نکل جاتے ہیں، بھول بھی ہوئے ہیں، بھاریاں بھی، پورے بھی لیکن جتنے بھی آپ سمجھ لیتے ہیں کہ یہاں کوئی ہادی نہیں لیکن کسی ہادک

میں چھ جاتی تو ہر مدنی ہر تہمتی گل پکار دیکر کہتا ہے کہ میری ترتیب اسباقا علی کسی پر مشابہا یا انسان کی موجود نہنت ہے، جب اتنی بڑی کائنات کے لئے نہ سے میں اتنی نہ دست باقا علی ہر کہ ہمارا کچھ نہیں بھی نہیں آگے اور ہم سرائے حیران ہونے کے کچھ نہ کہیں کہ ہم ہم یہ کسی طرح نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اس ہمدہ زندگی میں کوئی مجرب نہیں ہے اور اس عظیم حیرت کا بیان نہ والا کوئی عظیم ترین نتیجہ نہیں۔

ج۔ خدایا خدا کے نام سے کہتے ہیں کہ اس باقائہ کائنات کو ایک قادر مطلق خدا نے ایک خاص مقصد کے لئے بنایا۔ لیکن دوسرے جو خدا کو نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ یہ کائنات خود بخود یونہی پیدا ہو گئی، وہ یہ نہیں بتا سکتے کہ یونہی کس طرح پیدا ہو گئی، جبکہ دوسری کوئی چیز یونہی نیکی کی سبب یا خالق کے نہیں پیدا ہو سکتی، پھر کائنات بھی ایسی کہ جس کے ہر ذرہ میں ایک عالم پوشیدہ ہے اور اس کے چھوٹے اجزا بھی ایک اصول کے تحت گردش کرتے ہیں۔ ایک فلسفی سائنسدان نے جو کہ خدا کے وجود کا قائل ہے اس ضمن میں ایک بڑی اچھی مثال دکا ہے وہ کہتا ہے کہ اگر کسی بوتل میں سودا نے ڈالے جائیں اور ایک دانہ پستان لگا دیا جائے تو ان زندہ مادہ بوتل کو کئی لاکھ مرتبہ ہلنے سے اتفاق سے صرف ایک مرتبہ ہی اڑنے لگے گا ترقی بڑی کائنات میں اتنے کام اتفاق سے ہر صدمت کے مطابق سر انجام پانے کے لئے اتفاق در، ہر جگہ کہ جس کا افسانہ بھی نہیں ہو سکتا اور جو کہ کسی طرح ممکن ہی نہیں، پھر یہ تو معمولی کچھ کا آدمی بھی انسانہ لگا سکتا ہے کہ یہ بات زیادہ مناسب ہے کہ مخلوق کا کوئی خالق ضرور ہے یا یہ دعویٰ زیادہ معقول ہے مخلوق بخیر کی خالق کے یونہی نہ معلوم کیسے پیدا ہو گئی، ہر شخص اپنی عقل سلیم سے یہ دعویٰ حوال کر کے جلیب خوم کہتا ہے۔

اس کے علاوہ دہریوں نے یہ دعویٰ کر لیا ہے کہ ہم عقل سے خدا کے وجود کو ثابت نہیں کر سکتے لیکن وہ کسی نے دعویٰ نہیں کیا کہ ہم خدا کے عدم یا نہ ہونے کو عقل سے ثابت کر سکتے ہیں اور کسی کے وجود کا عقل سے ثابت نہ ہونا اس کے عدم کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ لیکن اگر آج سے دوسروں پہلے ہم بہت سی چیزوں کا وجود عقل سے ثابت نہیں کر سکتے تھے لیکن آج وہ ہماری عقل میں آ رہی ہیں اور ان کا نہ ملنے والا جاہل اور اندھا کھائے گا۔ میرے خیال سے، غرض ایک انسانی جواب کے قسم کا لطیف بھی معنی خیز اور عبرت انگیز بت گا، ایک دوسرے سے بحث کے دوران ایک خدا پرست نے خوب کہا کہ حضرت اگر خدا نہ بھی ہوا تو ہمارا کچھ نہیں بگڑتا۔ اس کے تصور سے خدا کی زندگی سن رہی ہے انسان میں ابھی اللہ پاکیزہ تسدیں ابھرتی ہیں۔ پسکون اور معتدل زندگی گزارنے کا موقع ملتا ہے لیکن اگر خدا نکل آیا تو ہماری مٹی پلید ہو جائے گی یہ نہیں کہہ سکتے! لے گی۔ لہذا ان اور عقوبتوں کا بھی خدا انسانہ کر لو جو ایک قادر مطلق خدا ایک باطنی اور نافرمان بندے کو دے سکتا ہے۔

فارمان کا

توحید نمبر

دور حاضر و عظیم دینی اور علمی پیشکش

مصلحہ کا پتہ ۱۔ مکتبہ فاران کیس اسٹریٹ کراچی ۱۔



آزمودہ دواؤں کا مرکب

انالجین



سردرد - کمر کا درد - وائٹ - کا درد
ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے

یقینی روز اثر اور بے ضرر علاج ہے

Spasal

01/65

ماہنامہ اسلامی

یہ اُمت خرافات میں گھو گئی

دین میں جو چیز اصل جوت اندیشہ کی سند ہے وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ یہاں تک کہ صحابہ کرام کے اقوال و افعال کے درمیان کتاب و سنت کی روشنی میں حکم اور سوانہ کیا جاتا ہے کہ کس صحابی کا قول و اثر اقرب الی الحق اور کتاب و سنت سے زیادہ قریب ہے، فقہ مذہب کی بنیاد اس حکم اور سوانہ پر ہے کہ کس صحابی کا قول رائج ہے اور کس کا قول مرجوح ہے، کتاب و سنت کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اقوال و افعال میں روایت و تواتر اور اسلامی توفیق ہیں۔ لہذا اثر کا مدعا رکھنے والی اور صحابہ کرام کا جس فقہی مسئلہ میں اجماع ہے، وہ امت کے لئے دینی مسند بن جاتا ہے۔

کتاب و سنت اللہ تعالیٰ کا مدعا ہے کہ بعد چاہے وہ فقہ کا امام ہو یا حدیث و تفسیر کا شیخ، یا فقہ کا قاضی یا قاضی کا قاضی، ان میں ہر مذہب کے قریب و عمل کتاب و سنت کی کسوٹی پر جانچا، اور پکا جائے گا جس کی کسوٹی پر قول و عمل اس کسوٹی پر پیدا نہیں آئے گا، اسے بلا کسی جھجک کے رو کر دیا جائے گا، اب کرنے سے کسی مذہب کی تنقیص ہرگز ہرگز نہیں ہوتی، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی بھی شخص، اور فرد دین میں جوت قطعی تسلیم کئے جانے کا منصب نہیں رکھتا، اور نہ صحت، صرف موت کا قاضی ہے۔ ”وہا یبطل عن المسلمین الا وحی و وحی یہ صرف نفق و دھوکے کی صفت اور ضرورت ہے“

کسی دینی مسئلہ میں جب اختلاف واقع ہو جائے تو امت کو یہ مشورہ اور حکم نہیں دیا گیا کہ امت کے اکابر افراد یا مذہبوں کی طرف مراجعت کرو، بلکہ حکم دیا گیا ہے کہ ”فروا لای اللہ و لای اللہ و لای رسول“۔ پس دین میں اصل حکم جوت اللہ و رسول اور کتاب و سنت قرار پائے۔

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ”اتبعوا الصلوٰۃ“؛ مگر سوال یہ ہے کہ نماز کس طرح ادا کی جائے؟ اس کا آغاز کسی بنیت کے ساتھ ہو، رکعتاں کتنی؟ اور قمر کس طرح کریں؟ انگریزوں کے طور پر کیا پڑھیں؟ ان سوالات کی پوری تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں ملتی ہے، اسی لئے حضور نے ارشاد فرمایا: ”... جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو اسی طرح تم مجھے نماز پڑھا کر اور سنت نبوی کی اتباع نماز کی تکمیل دینا ہے، سنت رسول تمام دین کا منظر و مدخلی موزن ہے، قرآن، احادیث، کتب و سنت رسول بنیت اور مسکن ہے، دین و اصل اشیاء و اسرار مستقیم اللہ براہ کا نام ہے، جس میں شخص کے نقش قدم نظر آئے ہیں، اطاعت رسول کا اصل مقصد اور جوت اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہے، اس لئے کہ ابی، اطاعت رسول کا بغیر حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔

پہرے بچنے بھالے خویشی ماکہ دیں ہمہ دوست

اگر ہر آدمی نہ رسید کا تمام گدہا ہی است

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر دین کا اتمام کر دیا گیا، اور خیر و تقویٰ کے تمام کلیات اور بنیادی اصول بنا دئے، جسے حق میں نہ تو انکار۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اتحاد و تہذیب اور معاشرہ کے حدود و جب و کبھی تو ہرے تو صیاد کو کم نے خیر و تقویٰ کے ان کلیات و اصول کو زندگی میں عمل و جوت کر دکھایا، ورنہ کوئی مذہب انصاف کے حق میں مطالبہ پایا۔ امت پر کسی فرد کو کہا ہے وہ کتنا ہی بڑا مذہب کیوں نہ ہو یہ حق اور منصب حاصل نہیں ہے کہ وہ دین میں کسی ایسے اصول، طریقہ

کے اس اسٹا کے متعلق بدین قبول ہوا۔ اغان کرتے ہیں اور سچے لگاتے ہیں! اللہ شکر کہ رسوم و عبادات کا یہ سلسلہ - دین و حقیقت - بن کر رہ گیا ہے! یہ سہ ماہی کی مشابہہ اور غلبہ نہیں ہے اور نہ ہی اس باب میں غلط بھی ہو گیا ہے، کئی سوال نے منہ جاتے گئے مگر نہ رسوم و عبادات کی دبا میں مبتلا ہیں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اب سے دوسرا دوسرا تو اس لیے کہ اہل زمانہ غفلت میں گیا ہے۔

مگر تو شرکین عرب کے حقائق سے ان کے اصل اہل اہل ان کے حالات کی لپک لپک کی تصویر سے واقف ہونا چاہتا ہے تو اس زمانہ کے عوام و جمہور کو دیکھ لے وہ قبول اندازہ نہ لے سکتے ہیں اس طرح کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں، غرض اس زمانہ کی آفتوں میں سے کوئی آفت نہیں جو اس زمانہ کی ایک قوم اس کا ارتکاب نہیں کرتی انسان کے مثل اس وقت نہیں رکھتی، خدا ہم کو ایسے عقائد و اعمال سے بچائے۔ (الغزالی کی تقریر)

بدلت جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "فصلت" سے تفسیر فرمایا ہے، کبھی ایک سال پہلے رہتی، شروع شروع میں اس کی بعض صورتیں سادہ اور بے ضرر و مصلحت تھیں، مگر اس پر اضافہ فرماتے چلے جاتے ہیں اور پھر گراہی کی کوئی حد اتہا نہیں رہتی! مثلاً کئی شخص نے کئی ہنگام کے ایام و فتنہ ہنگام کی برکت کی نیابت کی ہو گئی، پھر کچھ قرآن شریف پڑھ کر اس کا ثواب آن ہنگام کی تدبیر کو شکر ہو گا اور ایصال ثواب کے لئے نذرانہ کو کھنا بھی کھلایا ہو گا، اس کے بعد سال کمال آئی تو پھر دوسرے عقیدت مندوں نے آنا شروع کیا، اور پھر رفتہ رفتہ تاثرین کا جتنا روئے باقاعدہ پچھلے طریق کی صحت اختیار کر لی ہے سو اس کا نام دیا گیا، پھر اس پر کرا طمان ہونے لگا اور بعض لوگ آئے جو غنہ غنہ بلکہ سہہ تک لگے لگے! کسی بادشاہ یا امیر نے اس پر کرا طمان کے لئے جانا تو وقت کی اس طرح سماج لیشین کا سلسلہ چل پڑا آپ کی جگہ بیٹا اور بیٹے کے بعد پورا گدی کا عادت قرار پایا اور اس عادت کے ایک سے نامزد ہوئے دوسرے تو عدالت میں مقدمہ بازی تک کی نسبت تک لگ گئی، سہ ماہی شین کے منصب کے علاوہ "مزارعہ" کی "خدمت" پھر لوگوں سے مشتق ہوئی اس طرح "خادم" کے نام سے باقاعدہ ایک پرست (Prest) بن گئی، اللہ خدام نامین سے لے کر اللہ کی خدمت وصولی کرنے لگے۔

یہ عرس ہے — دوسرے نامین "شکرہ رحالی" کہ مزارعہ یا شکر کی نیابت کے لئے آئے ہیں، اگر یہ چاہیں چاہیں چاہیں ہیں، کھانے کی دیگیاں لٹ رہی ہیں، کہیں "سماج" کے نام پر گمانے جانے کی غصیلیں جم رہی ہیں، صاحب قبر سے مرادیں مانگی جا رہی ہیں، مزار کے دھانے پر بہت سے حاجت مندوں نے تو اپنی عیال کو لے کر لگا دی ہیں، کوئی بھول چھلائے کھڑا ہے اور دوسرا کھاتا کھا رہا ہے کوسر کا۔ اس سے خالی ہاتھ واپس نہیں جاؤں گا، اس فقیر کی بھولی میں تو حضورؐ کو کھنڈ کھنڈ ڈالنا ہی ہو گا! اگر کرا طمان ہے، سہ ماہی، صاحب قبر سے استمداد و اتھا اور استغاثہ ہے، قبر کا غسل ہے، جس کے پانی کو مستحقین بڑی عقیدت کے ساتھ پانی ہے، اور بہت سے کریشینوں میں بھوک لگے جا رہے ہیں۔ خدا کے لئے محمدؐ کیے کرکس و زیارت قبر کے اس کا دعاء کا اسم سے کوئی دھم کا بھی واسطہ ہے، اگرچہ شرک و بدعت نہیں ہے تو پھر شرک و بدعت کا دنیا میں سرے سے وجود ہی نہیں ملتا اور کتاب و سنت میں "شرک و بدعت" کا جو ذکر کیا ہے، تو سنا غلطیوں پر ہی "برائے میت" ہے، اس نام کی کوئی برائی "دنیا میں نہیں پائی جاتی۔

ایک تو جان بولام اور مسیحی علماء میں گہنی سنت قبر اور عرس کے اس اسٹیٹیشن کو گایا یا غائب سمجھے ہوئے ہیں مگر بعض ایسے علماء جو کتاب و سنت اللہ آنا و صواب پر نگاہ رکھتے ہیں، ان ہاتھوں میں ہوتا ہے کہ وہ ان خرافات پر نیک نہیں کرتے اور خدا کا ہندہ ان انقیاد پر نیک کرتا ہے، اس کی یہ علماء راتہ رات نہیں فرماتے بلکہ اس کے برکت کو مستحب بنانے کے لئے طنز و مزاح کا رنگ اختیار کر لیتے ہیں، ان اہل علم کی اس روش سے "شرک و بدعت" کے ان مظاہر کی گونڈہ پہنچتی ہے یہ حضرات اس غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ ہماری منطق و اعتدال کا احتیاط کی دیکھنا ہے اور ہم نے افراط و تفریط سے دامن چاکر کر معتدل موقف اختیار کیا ہے! یہ ان علماء کی بھولی ہے! شرک و بدعت اور توحید و سنت کے مابین - اعتدال - امتدعیان ماہ کا تصویر ہر سرے سے غلط ہے! توحید و شرک اور سنت و بدعت کے مابین نہ تو مواضع ہوتے ہیں کہ ان مابین و مصالحت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سہما پائی جگہ بدعت ہے مگر اصل سوال رسم اور طریقہ کا ہے! دیکھنا یہ ہے کہ ان مابین و مصالحت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

یہ کیا عمل اختیار فرمایا اور صحابہ کرام کس طرح قریب کا رند ہے؟ اگلی کتاب میں کوئی ضعیف قول بلکہ موضوع دعوت تک بھی ایسی نہیں ملتی، جس سے یہ ثابت ہو سکا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے پینے کی چیزوں اور پسینہ دینے کو سناٹے رکھ کر گناہ چڑھ چھا واسطے فاتحہ امداد شفاء کا ثواب کی عمر سے کی توجہ کو پرہیز کیا ہو۔ حدیث صحیحہ کا ایسا مسئلہ؟! اللہ فقہ کی کتاب میں اس کا کوئی ذکر ملتا ہے! اس صورت میں یہ بات غلط کہنے والے سوچنے کی ہے کہ مسئلہ فتنے بزرگ کی زندگی میں وہ فتنہ کی جو کجی اس طرح سے نکال رہے ہیں کہ یہ بی بی کی صحبت سے یہ پسینہ تلنگ نہ رہی، نہ تازہ ہے۔ یہ سہول بزرگ کے نام کے گناہ ہیں، یہ تباہ کی روٹیاں ہیں، مشرب ہرات کا صودہ ہے، ایندھن کا صاب و دھیت کا۔ توڑتے ہو گیارہویں کی تیار امداد چھٹی خریف کی فاتحہ ہے۔۔۔۔۔ ان کے لئے کوئی دلیل، کوئی مستند ہونا نہ کی اہمیت اور استحباب کے لئے کوئی نظیر، اس قسم کی رسمیں اور طریقے ہندوؤں، پارسیوں، یہودیوں، عیسائیوں وغیرہ کے یہاں سے آئے ہیں، جن کو دین و مذہب کا ثواب سمجھ لیا گیا ہے، دین کے خلاف اس بدعت ایک لفظ بھی سننا گوارا نہیں کرتے۔

جس طرح مسلمانوں کو بدنام کرنے اور لوگوں کو ان سے نفرت دلانے کے لئے قریش کے لئے "صحابی" کی اصطلاح وضع کی تھی، اس طرح اس بدعت نے "دہلی" اور "دیوبند" کی طنز اور دلی ہے، جو کہ توحید و سنت کی حرمت دینا اور شرک و بدعت پر نیکو کہتے ہیں پر وہ بدعت "اور دیوبندیت" کی پہچان کئی کی ہے حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جسے اس کو چھوڑتے ہوئے کہا تھا کہ اسے پتھر توڑ نہ پھینچ سکتا ہے اللہ تعالیٰ ان میں سے جو مرنے والے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ چھوڑا تھا، انہی حضرت فاروق اعظم نے اس بدعت کو کٹا دیا تھا جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے۔ "بیعت رضوان" کی تھی، اور لوگ اس بدعت کے اور گرد جمع ہونے لگے تھے، اس کا اندیشہ تھا کہ اگر آپ کو کہیں یہ بدعت نشان پرستش نہ بن جائے!۔۔۔ یہ توحید شناسوں کا مزاج، انہیں دیکھ کر اس واقعہ اور شرک و بدعت کی تردید و استیصال اور توحید و سنت سے ترک کا نام اگر وہ بدعت ہے تو چھوڑ دینا چاہئے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بڑے "دہلی" تھے کہ ایک تبرک و رخصت کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف نسبت رکھتا تھا، اسے صرف اس نذر کے سبب کٹوا یا کر لوگ اس کی تعظیم و تکریم میں ایسا باغی نہ کرتے کہیں، جو پرستش کی حد تک پہنچ جائے!

حدیث نہ عین میں ہے:۔۔۔

كنت نمتيكم من نيارقة القبر من فن ودعا فانما تزهد في الدنيا وتذكر الاخرة دمي نے ہمیں زیارت قبر سے منع کیا تھا، اس بات پر قہر کی نہایت کیا کہ، یہ چیز دنیا سے بے رغبتی کرتی اور آخرت کی یاد دلاتی ہے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ کس قدر واضح ہے اس میں قہر کی زیارت کی غایت بنا دی گئی ہے۔۔۔۔۔ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی یاد دہانی۔۔۔۔۔ جس قدر کہ یہ نہیں فرمایا کہ قبروں پر چاکر صاحب قبر سے مرادیں، لگے کہ وہ یا ان سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرنے کی درخواست کی کہ وہ دعا فرمائیے اور ہدایت حاصل کرنے کے لئے میلے لگایا کہ وہ، بلکہ اس کے برخلاف خود اپنی قبر کے بارے میں یہ ہدایت فرمائی۔۔۔

لا تجعلوا قبوری حیدا

دیوبندی قبر کو "حید" نہ بناؤ

"حید" کہتے ہیں میلے لگانے کو، یہ آج کل کے "عوس" "حید" (یعنی میلے جنہیں ڈال دیا گیا ہے) پر حضرت نے دنیا سے تفریق کرنے سے پہلے مرض الموت میں فرمایا کہ۔

عن الانبياء والاهل بيوتهم والفقراء والمساكين

واعتزلوا الناس في بيوتهم واهل بيوتهم واهل بيوتهم واهل بيوتهم

پھر حضور نے فرمایا:۔۔۔

عن الله والاهل بيوتهم والفقراء والمساكين (مشکوٰۃ)

واعتزلوا الناس في بيوتهم واهل بيوتهم واهل بيوتهم واهل بيوتهم

اگر یہ غیب جانا تو بکثرت ہمدی حاصل کر لیتا اور کوئی نقصان نہ ہوتا بات مجھے پیش نہ آتی، میں تو صرف خدا کے عذاب سے ڈھانے والا ہوں !

اور

نہ اقول لکھ عنہی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکھ انی مطلق اتباع الاما لہی الخالی
 اسے سمجھو کہ دیکھئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور میں غیب جانتا ہوں اور میں یہ کہتا ہوں کہ میں
 کوئی فرشتہ ہوں میں تو اپنی طرف نازل ہونے والی وحی کا اتباع کرتا ہوں !
 لا اقول لکھ عنہی خزائن اللہ - میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے (فرما کر اس کا بھی اعلان کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 ہاں اے اے محمد ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے خزانے ہی نہیں ہیں - ان واضح آیات اور اسنادات کے ہوتے ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کون د
 مکالم کا، ایک کچھ اور یہ جتنے رکھتا کہ کائنات میں کوئی جو کچھ ملتا ہے حضرت کے خزانے اس بات سے خفا ہے، لوگوں کی تقدیم میں حضور مدد لئے ہیں ،
 مرعین کو خفا آئے ہیں اور نہ صرف آپ ۔۔۔ بلکہ رسولی ۔۔۔ پر اور شہید کائنات میں تصرف ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان نبیوں کو ان لوگوں کی حاجت
 روا کی ہے اور ضرر پایا ہے ۔۔۔ اس قسم کے تمام عقائد - توحید کی تردید کرنے والے ہیں ؟
 صحابہ کرم کی کسی مشکلات میں مبتلا رہے ہیں کسی صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدد کے لئے نہیں پکارا اور نہ حضرت رسول پر جا کر نہ رو
 استغاثہ کیا ، یہی یہ کلام سے تدبیریں بڑھ کر کون غوث ، قطب اور اہل ہر سکتا ہے مگر ان تکسیر صیغہ کی اکثریتی میں اس انتفا و تہ کے آگے وہ مجاہد لئے گئے ہیں !
 اگر وہ ایک دھتکہ و مطلق کث اور عالم الغیب ہوتے تو جس وصفین کے - امناک واقعے ہی سرے سے چل نہ آتے - حضرت علی کرم اللہ وجہہ تہنیں عثمان غنی
 کی پیش خدمت نہ کر سکے ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی انگلی سے کون میں گڑبڑی ، صحابہ کرام نے بہت کچھ
 تلاش کی ، مگر انگوٹھی نہ مل ، اور حضور کی مبارک انگشتہ کی کہ گم ہو جانے کا سب کو غم ہوا ، مگر جو مقدس تھا ، وہ پورا ہو کر نہ ! جب صحابہ کرم جو ادب اور اللہ
 کے سرور میں کھڑے ہوئے انگوٹھی کو تلاش نہ کر سکے تو ہمیں صورت میں کس ولی اور غوث و قطب کے پاس سے یہ عقیدہ رکھیں کہ وہ سائے بہمان
 کی مشکلات کی اور سنگیری کرتا ہے ان کائنات کا کوئی گوشہ اس کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں ہے ۔

تمام صحابہ کرم میں ہر ایک کو نہ تو قرآن حفظ تھا اور نہ ہر صحابی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام احادیث کا علم تھا ، جب صورت
 حال یہ ہو تو اولیاء اللہ کے پاس میں یہ عقیدہ رکھنا کتنی غلط اور خلاف واقعہ بات ہے کہ وہ دینی کے حالات جانتے ہیں اور ساری کائنات کا علم اور خبر
 رکھتے ہیں ! حدیث اور فقہا بھی اولیاء اللہ میں مگلاں لئے کہ وہ - علم غیب نہیں جانتے تھے ، ان کے دینیان سائنس اور معاتیر کے اختلافی آئے جہت میں
 یہاں تک کہ ایک راوی ہر ایک صحت جو کہتا ہے اور دوسرا محدث اس کی تردید کرتا ہے ، ایک بات ایک امام فقہ کے نزدیک جائز ہے اور دوسرے امام
 کے یہاں ناجائز ہے ،

صحابہ کرام ، تابعین اور فقہاء و محدثین کے یہاں اس قسم کی باتوں کا پایا جانا ، خدا خواہستان کی منقصت کی دلیل نہیں ہے ، اس کے کتب سنت
 نے کسی نبی ، رسول ، صحابی یا دینی کا یہ منصب کب بنایا تھا کہ وہ - عالم الغیب - ان کائنات کا مالک و مختار ، سمیع و خیر اور عظیم بذات الصدق ہے ، نہایت اہمیت
 کی یہ صفت کتب سنت میں کہیں نہیں بتائی گئی کہ انبیاء و اولیاء و دینا کو مذق اور اولاد دیا گیا کہ آپ میں اور ان کو جو کوئی بھی وہ روز دیک سے پکا رہا ہے ، اس
 کی پکائیں لیجئے جو کوئی انبیا و اولیاء دیکھتا ہے اس میں اس قسم کے عقائد نہ کہتا ہے اسے اپنے ان عقائد سے توبہ کر کے توحید پر چرم جانا چاہئے اور نہ ترک نہ
 گناہ ہے تو میں نہیں کیا جاتا اور شرک کے بعد کوئی عمل بھرا فائدہ نہیں پہنچاتا ۔

انبار کرام کے معجزات اور اولیاء اللہ کی کرامات حق ہیں ، جب اللہ تعالیٰ کو نظر نہ رہا ہے ان سے فوقی حالت - کا ظہر ہو جاتا ہے مثلاً علی بن ابی طالب

ماہنامہ مذہبیوں اور کٹر عیسویوں تک کو اچھا اور بھلا سمجھا کر دیتے تھے، مگر اس مجرہ سے بے خبر نکالنا تھا جس سے انسانی حق انسانی ہے کہ اس میں سادہ دنیا کے مریضوں کی حالت کی صورت عینی علیہ السلام کو خبر پہنچتی تھی، مگر ان کے مریضوں کو نشانہ آپ ہی عطا فرماتے تھے، حضرت عیسیٰ کا یہ مجرہ حق ہے مگر کیا کسی مسلمان نے آپ تک حضرت عیسیٰ کو مریض میں نشانہ دینے کے لئے نکالا ہے، اور کیا اس کا ایسا گناہ شریعت کی مدد سے جائز سمجھا جاتا ہے گا۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درویشان میں صحابہ کرام کا یہ عقیدہ نہیں رہا کہ جو صحابی جہاں بھی ہے حضور اس کی حالت سے باخبر ہیں اور کسی صحابی نے سفر و حضر میں مشکل کے وقت حضور کے نام کی دعا کی، اگر سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار و تصرف میں ہوتا تو وہ اللہ تعالیٰ سے حضور کے ہوتے ہوئے دعا کا ہے کرتے، یا ان! وہ بعض اوقات حضور سے دعا کرنے کی درخواست کرتے تھے، کہ اجازت فرمادے تو دعا ہر رسول کی منظر رہتی تھی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص بیمار ہے اس کا باپ اس کے سر زنی بیٹھا ہوا ہے، اس مریض کو پیاس لگتی ہے وہ جانتا ہے کہ پانی گھر میں موجود ہے اور اس کا باپ پانی پلانے پر قائل نہیں ہے تو وہ شخص اپنے باپ سے پانی پلانے کی درخواست کرے گا، اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرے گا کہ اللہ! مجھ پانی پلا دے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی درخواست یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ دعا، یہ بات بتاتی ہے کہ حضور کے تصرف و تدبیر اور اختیار و امکان میں سب کچھ ہوتا تو صحابہ آپ ہی سے ہر صحبت اور صحبت و اختیار کے وقت درخواست، انہما ادا مستغاثہ کرتے یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب کچھ عطا کرنے اور مصیبت ادا بلا قدر کرنے کا اختیار دیا ہے، لیکن واقعات اس کی تصدیق دہا نہیں دیتے! حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ من اولادہ سے کوئی قصہ اپنا امام مانتے ہیں اور صرف کے تین خانہ دے انہی سے ضرور ہیں، اور ان کو اہل بکالت نے، مشکل کرنا کا مقصد ہے، ان کی زندگی کے سامنے موجود ہے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر علیہ السلام کو حاصل کرنے کے لئے حضرت علیؑ نے کیا کچھ نہیں کیا، وہ بھی امیر مکتبہ پیرا اور جدوجہد بھی، لیکن نفاذ قدمہ کے آگے وہ مجبور نظر آتے ہیں، حضرت علیؑ کی تمام ادا دعا دل کے باوجود امیر معاویہ کی امانت باقی رہتی ہے اور جسے ایک حد تک نبی کریمؐ کی امانت اور حکومت کے جھنڈے سے نفاذ ہے، امام ہیں پھر اسے نظر آتے ہیں یہاں تک کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا مدناک واقعہ بھی اموی حکومت کے جاہ و جلال میں کوئی انقلاب اور تغیر پیدا نہ کر سکا، اللہ تعالیٰ کی حکمتیں دیکھ کر خوب جانتا ہے کہ انبیاء و کرام تک کو ظالم قتل کر دیتے ہیں مگر اللہ کے ہاتھ ان پر غناپ نازل نہیں ہوتا۔

یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے کہ تمام جہانوں کے دلوں کا حال جانتا ہے اور زمین کا کوئی ذرہ، و زمین کا کوئی پتہ اور انسان کا کوئی رستہ اس سے پوشیدہ نہ ہو، جب چاہا نہیں ہے، کائنات میں جگہ واذ بھی ہوتی ہے اسے اللہ تعالیٰ سنتا ہے اور مگر کی مصیبت بھی وہی دیکھتا ہے، وہی مانتی ہے، وہی مانتی ہے، وہی کارساز اور مشکل کش ہے، وہی دنیا کے کارخانے کو بھی کی شرکت اور مدد کے بغیر سنبھالے ہوئے ہے۔ یہ تمام کی تمام قدرتیں اللہ تعالیٰ نے کائنات میں کسی کو بھی عطا نہیں کیں! اور کسی کا تو ذکر کریں کیا ہے، خود انبیاء و کرام اور مسلمان نظام کی مقدس زندگیوں ان اختیارات و اختیارات و اختیارات کی نفی کرتی ہیں!

قرآن کریم میں حضرت خاتم الانبیاء ورسید المرسلین امام الاولین والآخرین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو منصب بتایا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی باتوں کی تلاطم ان کی تعلیم اور تہذیب کی نفوس ہے، ایک کہیں نہیں کہا گیا کہ منافق دینے صحت و اولاد عطا کرنے، سارے جہان کی مصیبت زدوں کی فریب دہنہ اللہ ان کی مصیبت دھندلے کرنے پر ضرور کام لیا گیا ہے! حضور کا سب سے بڑا شرف اور منصب نبوت کا شرف ہے اور یہی اس شان کی ایک تھک نبوت کا آپ کی ذات پر تمام کر دیا گیا، اب تین مت تک جس کی کو بھی ہدایت و سعادت دینے کی حضور کے نقش قدم پر چل کر ملے گی، حضور کا اسوہ حسنہ ان سنت کے لئے مصلح اور فخری معیار ہے! تبار رسول کے علاوہ نجات اور حضرت کا اور کوئی فعل اور ادا سنت نہیں! حضور کی ذات عاقلین کے لئے رحمت ہے حضور اخلاق دینی کے مہراج مہر اور صاحب خلق عظیم ہیں، آپ جب کوئی دوسرا سما ہے اور نہ ہو سکتا ہے انسان کامل کا تعمیر نہیں ہے، آپ ہی کریم و تبارک ہے، ذات اللہ تعالیٰ آپ کی وارث اور عطا فرمائے گا اللہ مقام محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اس دن تمام انبیاء و اولادوں میں تمہارا دلوں کی شفاعت کا اذن صرف حضور ہی کو عطا کیا جائے گا۔ نیامت کے دن حضور

کبریا کی عظمت اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کی محبوبیت کا یہی طرح اظہار ہو گا اور تمام انسانوں میں حضرت مسیح سے بلند والا اور عزت و محترم نقطہ آئیں گے (فسادہ ابی و امی)

مشترک اور صوم و خفا نہاد و بدعات کی نوعیت ہے کہ ان میں کسی ایک مسئلہ کی بھی تحقیق کر لی جائے تو دوسرے تمام مسئلوں کی تحقیق ہو
میلاد اور قیام اہل حق اور سچائی میں جاتی ہیں کہ ہر وقت دوسری وقت سے رابطہ و تعلق رکھتے ہیں !

مثلاً "مولود" (یا میلاد) ہی کہنے لیجئے ہر کوئی اصل و در رسالت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ایک ہی پیدائش اور وفات کے دن منانے کا دستور اس میں نہیں رہا، اسالی کے سال سالگرہ منانا یہ تو خالص بھی بیعت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی صحابی نے اپنی سالگرہ نہیں منائی !
 خضر، راشدین کے مقدس روز ہیں، اسلامی حکومت کے حدود کو کتنی وسعت اور مال و دولت کی کس قدر فراخانی نصیب ہوئی، مگر کسی خلیفہ راشد کے عید میلاد میں صحت نہ کہ "یوم میلاد" نہیں منایا گیا نہ اس ملاجی خاں تہا نہ رنگ و رنگی جھنڈیاں نصب کی گئیں اور نہ کوئی جلوس نکلا، کسی ضعیف سے ضعیف رعایا میں یہ تک نہیں تھا کہ اس دن صحابہ کرام نے کسی جگہ حج ہو کر قرآن خوانی کی ہو یا حضرت کے نام کی دو گئیں یا کہ ان کی نعتیں پڑھی ہو، "یوم میلاد" یعنی BIRTH اور جنم دن منانے کی پادشاهی اور اس دن طرح طرح کے کھیل تماشے، جیوس اور مظاہرے، یہ تو ہندوؤں، عیسائیوں، یہودیوں اور دیگر کائنات کے مذہب ہیں ! مسلمانوں کے تو انہی طرف دیکھ، عید الفطر اور عید الاضحیٰ ان کے علاوہ مسلمانوں نے جن وقت عید کو اپنا "تمیزان" تسلیم کیا ہے، وہ ان کی شرعی صبح اور جدت طسمانیوں ہیں !

صیبر کرم سے نیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت اور محبت کس کو ہو سکتی ہے، اگر حضرت کی پیدائش کے دن جلوس نکالنا، چلافی کرنا اور جھنڈیاں لگانا، حضور کی محبت و عقیدت کا ذریعہ اظہار رہتا۔ تو صحابہ کرام ایہ ضرور کہتے، مگر ان کے یہاں اس قسم کے مظاہروں کا نام دن بھی نہیں ملتا ! انشاء کیا جا سکتا ہے کہ اس طرح کے مظاہروں اور جلوسوں کی دین میں کوئی حیثیت نہیں ہے ! بادہ بیچ الادلہ جو جلوس نکلتے ہیں وہ کھین ترش بن گئے ہیں ! دھوکے میں ہوں، رستے سامنے سے گئے، سب سے "یوم میلاد" کے ان جلوسوں میں غلغلہ مگر ان کی اندھا دلی کو خا م نہ فروغ حاصل ہوا ہے، بدعت کی یہ خاصیت ہے ! جہاں بھی اس کو نہ پایا نہ کہنے کا موقع ملتا ہے، وہاں کسی نہ کسی طرح برائیاں اور بد عزائیاں پھرنے لگتی ہیں۔

"یوم پیدائش" یا "یوم وفات" تو لیسوں، اشعاروں اور ایسویوں کی نینب پی پی، یہ "یوم عید" ہے، یہ "یوم قدرت" ہے، یہ گاندھی جی "اور TINA DAY ہے ایک دین ایک بار سچ ہوئے، ان پرستاروں کی زندگیوں پر فتنہ برپا کیں، اور اس طرح ان کی محبت و عقیدت کا انکار دیا، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغیرہ سیرت سے تو مسلمانوں کا ایک دن یا چند دن کا نہیں بلکہ زندگی کے ہر لمحہ اور ہر لحظہ کا تعلق ہے، اس لیے رسول کے "یوم پیدائش" کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا "یوم میلاد" منا کر حضرت کی محبت و عقیدت کا حق دینا نہیں ہو سکتا۔

یہ کوئی نہیں کہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے دن حضرت کا ذکر کرنا ممنوع ہے، صاحبان فکر و بصیرت کا کہنا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر تو ہمیشہ ہی ہوتا رہنا چاہئے، اس لئے کسی خاص مہینہ اور دن کی قید نہیں ہے کہ ایک دن یا چند دن ذکر رسول کریم کے مستحب و محترم ہوں یا، ذکر رسول سے تو مسلمان کی سیرت و ہر سیرت میں کئی، یہ تو اس کی روح کی غذا اور ایمان کا تقاضا ہے، اس لئے رسول تو ہر وقت پیش نظر رہنا چاہئے !

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقصد کے مبارک ذکر سے کوئی شے تقسیم کا ساق نہیں ہو سکتا ہے، ذکر رسول تو رسالت و برکت اور غرض و فساد کا ضامن ہے، اس مقصد و ذکر سے آئینہ دل کی جھلک ملتا ہے، اندر عرف اجتماعی جلوسوں میں بلکہ مسلمانوں کے گھروں میں اس کا پورا پورا ہونا چاہئے، ہر مسلمان بچے کی گھنٹی میں ذکر رسول کا شان ہونا ضروری ہے ! اور بیچ الادلہ ہی نہیں ہر مہینہ ذکر رسول کا ہونا چاہئے، کیونکہ امت کا ہر فرد ہر وقت رسول جانتے، اس پر عمل کرنے کی آفتاب و احتیاج رکھتا ہے ! عجائبات کھنکھاتی ہیں، وہ بچے کہ لیسوں کے "یوم" صبر طرح منانے جاتے ہیں، ذکر رسول کا

نویت - یہی کہیں ہونی چاہیے۔

سیرۃ رسولی کے جلد گرام "مربوطہ" سے میلاد منگنا جیسے نہیں ہے اور نہ یہ طریقہ درست اور پسندیدہ ہے کہ سیرت کے ہر اجتماع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے ذکر کو اس طرح کا منی بھجا جائے کہ جب تک ذکر ولادت نہ ہو گیا کہ اس اجتماع کا مقصد یہی ہونا نہیں ہوا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے متعدد اجتماعات میں دیکھا ہے کہ سیرت پر بڑی کامیاب مدح و عطا جلیان انفرادی تفسیری پر چلی ہیں، مانتے ہیں ایک بڑی صاحب جملہ کے متعلقین کے کچھ دوسرے گروہ کے بعد آئیں گے پھر تشریف لائے ہیں اور تفسیر فرمائے گئے ہیں کہ جس دن حضرت عبداللہ کا نکاح حضرت آمنہ سے ہوا قریش کی دوسروں میں رنگ و حسد سے رنگ کے..... اور حضرت جب حکم مادی میں گئے تو یہ یہ واقعات پیش آئے..... اس کے بعد۔

نکل جائے محض سے جو بے ادب ہو

اُن طرف نہ کہ تو ظلم محسوب - رسب ہو

پڑھتے ہوئے کھڑے ہو جاتے ہیں اندازہ کے بغیر اشتہار بصورت سلام گانے لگتے ہیں!

اول تو اس قسم کی روایتیں کہ حضرت کے والد بزرگوار کا عقد جب آمنہ سے ہوا تو قریش کی دوسروں میں رنگ و حسد سے ہلاک ہو گئیں پڑے سبز بنے، غلات واقعا ادب پیدا کی اس میں پھر شاید اس کو کوئی شخصی شکل ہی سے پسند آئے گا کہ اس کی مال، بہن یا دادی اندالی کے محل اور پٹن کے واقعات کا ذکر تفصیل کے ساتھ مضمون میں بیان کیا جائے یا یہ تفصیل غیرت منہ طبیعت پر لگ کر نہ ہے۔

نذر کا مسئلہ یہ ہے کہ سراج کو مستحب کا، مستحب کو سنت کا اور سنت کو فرض کا درجہ دے دینا یا نہ یہ سخت نام پسندیدہ بات ہے اس واقعہ کی درست ذکر ولادت کو سیرۃ النبی کے مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں تا بہت کا اطلاق ہو رہا ہے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سیرت کے بیان میں مناسب عنوان سے کسی بھلا حضرت کی ولادت کا ذکر بھی کیا جاسکتا ہے، بلکہ کوئی علمی مجلس تو حضرت کے آباد ہوا، مظهر نصی، کلاب، عدنان، نزار، قریش اور خاتم تک کے حالات بھی بیان کئے جاسکتے ہیں اللہ قریش کی قدیم شہر اور بگڑا زندگی انسان کے تمدن و تہذیب کا بھی بیان ہو سکتا ہے، مگر ذکر رسول کی محض کا - میلاد نام رکھنا اور محض میں ذکر ولادت "اللہ ذکر ولادت" کے جو اصول و سلام کے لئے کھڑے ہو جانا، یہ بدعات ہیں۔

مسئلہ نبوی کے عقائد بگاڑنے میں میلاد کی محفروں کا بہت کچرا تھا ہے میلاد کو کہیں ان محفروں میں چڑھی جاتی ہیں ان میں ضعیف ہی نہیں موقوف اور محض ساتویں تک ملتی ہیں، اگر وہ فی میری کا - میلاد اٹھا کر کچھ بیچے، اس میں کسی کیسی ہے مندر و ایسے اور بہت اندلسی باتیں ملتی ہیں جو دل و دماغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے - میلاد اگر کے نہ لے لے تو نہ ہوئے ہوں، کچھ بیچے کہ یہ دل و دماغ سیرت رسول پاکت کے لیے غریب تصور کئے جاتے ہیں! میلاد شہر کی نسبت - میلاد اگر کے بلند ہے مگر اس میں بھی اس قسم کی باتیں ملتی ہیں کہ شب معراج جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلان پر سوار ہوئے گئے تو بلان ٹوٹا ان کرنے لگا، یہ حالت دیکھ کر حضرت نوح علیہ السلام کی مدح و ثناء کا فرق ہوئی اللہ اس کے ہمارے قصہ ہذا پر سو رہے (مجموعہ کی ترجمانی) یہ کہیں بلان کی کہ ان کا عالم یہ ہے کہ محض میلاد میں تفسیر کرنے والے واعظ! ان کا رنگ تفسیر بھی ان کا بولے رنگ سے ملتا جلتا ہے سیرت رسولی یہ رنگ بھی بنائے نام بیان کرتے ہیں ان کو زیادہ دلچسپی ایسی باتوں سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ تھا، آپ کے بولنے پر کبھی نہیں بیٹھتی تھی، آپ چمک اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں ماس لئے۔

میں تو کالم ہی کہوں گا کہ ہر ملک کے حبیب

یعنی محبوب و محبوب میں نہیں میرا تیرا

جو داعی مظهری دانا ہوا اس نے مہتاب لہندہ کے نوری انقلابات پڑھنے شروع کر دیے، سننے والے مرعوب اور شہرہ ہو رہے ہیں کہ ہمارے مولوی

کو میں نے میرے بعد دین کو متغیر کر دیا۔

یہ حدیث قیامت میں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب ہونے کی گواہی ہے۔

خاصی شمار اللہ پانی ہی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں :-

ماکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عالمًا
: بحیج اللغات -

ایک طرف قرآن کریم کی آیتیں ہیں، دوسری طرف احادیث اور صحابہ کے آثار و باقیات ہیں، یہ سب کی سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب کا انکار کرتے ہیں۔

نہ علی قریۃ راتۃ اللہ علیہ شرح فقہ کبرا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں فرماتے ہیں :-

ثما علم ان الانبیاء لم یعلموا المغیبات من الاشیاء
الاما اعلمهم اللہ تعالیٰ اجماعًا و ذکر المغنیہ
نصیرًا ما تکلیفہا عتقا وان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
یعلم الغیب لما رخصتہ قوله تعالیٰ قل لا یعلم
من فی السموات والارض من الغیب الا اللہ
۔ کذا فی المسائل

پھر ترجمان کے کہ انبیاء کو علم غیب نہیں جانتے تھے غیب کی کسی چیز کو مگر جنت اللہ تعالیٰ نے ان کو جب بھی بتایا، اور جہنم نے تصریح کی ہے کہ فرج ہونے کی اس عتقا کے ساتھ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم علم غیب جانتے تھے اسے عتقا ہی تعالیٰ کے اس اشارہ کی مخالفت ہے۔ کہ ”اگر (راے محمد) نہیں جانتا کوئی آسمانیوں اور زمینوں میں غیب کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اسی طرح سائر میں بھی ہے۔“

اس فہم و تم اللہ تعالیٰ کو تو دیکھتے کہ احادیث کے اندر جس حدیث کو ”کہہ“ جاتے ہیں، اہل بدعت اس کو ”قرآن“ ہی کہتے ہیں، اور دین کچھ ہونے ہیں اور حلال عقیدہ نہیں رکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے۔ اُس کو آئی مطعون ٹھہراتے ہیں کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص اور حضور کے کمالات کی نفی کرتے ہو۔

صحیح بخاری جلد ۲۰ صفحہ ۳۴۴ (حدیث ۴۰۰۰) میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے :-

قالت ومن حدّثک انہ یحکم ما فی فہی فقد
کذب فہ قد مات وما قد رکت فہی ما نذا تکسب
فہا ومن حدّثک انہ یعلم الغیب فقد
کذب وھو یقول لا یعلم الغیب الا اللہ

حضرت عائشہ نے فرمایا اور میں نے جو کچھ بیان کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہونے والی بات جانتے ہیں (تحقیق) اُس نے جھوٹ بولا، پھر حضرت عائشہ نے یہ آیت پڑھی :-
یعنی کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل کی کہے گا۔ اور جس نے جو کچھ بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تھے، اُس نے جھوٹ کہا، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کوئی نہیں جانتا غیب کو سوائے اللہ تعالیٰ کے!

کیا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ روایت ”اللہ کما یتوکل علیہ“ کی نفی و انکار کی صحبت جنت کے لئے کی کوئی اہل ایمان

جہالت کہہ سکتا ہے!

ترغی شریف و کتاب التفسیر میں روایت ہے :-

اے مستحاشہ و فریاد تو کی، صلوة و سلام کے بعد دعا کا وقت آتا ہے تو پیشہ مرید کو قبضہ رخ ہو جاتے ہیں ادا اپنے رب اور مہر دے دیا کرتے ہیں اور آج مسلمانوں کا یہ عالم ہے کہ کسی "توبہ شاہ" اندک کھانا شاہ کی قبر پر بھی جاتے ہیں تو صاحب قبر کو شکل کش اور حاجت سدا جان کر مستحاشہ کرتے اور مزار کے دروازوں اور جالیوں پر پتھر پھیل لکھ لکھ کر رکھتے ہیں۔

مولوی نعیم الدین مراد آبادی فراماد اللہ عنہ میں "حضرت مولانا شاہ کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، موصوف نصیح الدین صلاۃ میں بطور سند کے نقل ہیں۔

"میں نے دینی شاہ و محدث (وہابی نے) اپنے شیخ علی متقی رحمۃ اللہ سے عرض کیا تعین دندہ (برائے عرس) میرے حکم است و تو قدسے توقف فرما کہ (میرا) رک نہا نے فرماؤں گے نہ و برآ و نہ و فرمودند ایہ اے دھیان سلف نبوہ۔ یعنی دن کے تعین کا عرس کے لئے حکم ہے! تو میرا رک جھکا کر اٹھایا اور فرمایا کہ اس کا سون سہا میں نہ تھا۔ (راکس البیان ص ۱۳۲-۱۳۱)

دین کے حامیوں میں قبل تعیند روشن۔ اسلاف کی ہے۔ یا۔ اخلاص کی! پس "عوس" جس کا سلف میں معمول نہ تھا اس کا معنی نہ جانہ ہی صحیح روشن ہے! شاہ حمزہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المترقی صفحہ ۱۳۱) بریلوی حضرات کے "سیران سیر" میں وہ ایک نئی وصیت "افردہ عاقلین" دیکھ کر صدیقی بریلی میں لکھتے ہیں۔

وفاقیہ: اپنا ہرگز نہ تلف کنند، بلکہ نہ نماز نہ رکھیں
فاتحہ بریلی کے تکلفات ہو گئے نہ کریں، بلکہ دیکھو! نہ کریں کہ
چنین است۔۔۔۔۔ حکم اسی طرح ہے۔

رافعتہ زجدا ص ۱۳۱: من بعد ذیل عبارت غور سے پڑھتے اور سمجھتے کہ فقہائے باریات کے کس قدر اجتناب کیا ہے۔
وفی البزاریہ یکو اتخاذا الطعام فی المیزم الاول
والثانی وبعث اسبوع وبقی الطعام الی القبری
المسوم واتخاذا دعوة لقلۃ القراء وجمع
الصائم والفقراء للفتنم والقراءۃ سورۃ الاحقاف
والاخلاص والی ص ان اتخاذا الطعام عند قراءۃ
القدر ان لا یجوز الا کل یکمرہ۔
فاداکا بزانہ میں ہے کہ کمرہ ہے تیار کرنا کھانے کا پہلے دن اللہ
تیسرے دن اور پختہ کے بعد ادا دے جانا کھانے کا تیسرا، کسی موسم
میں اور تیار کرنا رحمت کا قرآن پڑھنے والوں کے لئے اور جو
ہر نماز صلا اللہ تبارک و تعالیٰ کا حکم کے لئے یا پڑھنے سورۃ الاحقاف سورۃ
قل ہا اللہ کے لئے کھانا کھانے کا قرآن پڑھنے والوں کے
ساتھ کھانے کے لئے مکروہ ہے۔

پیر محمد زون ہیں۔ پنج آیت۔ "تس" اللہ ختم شریف کا رواج ہو گیا ہے اس رسم دعا جب تک کہ جو یہ ظاہر ہے ضرر معلوم ہوتا ہے، فقر حنفی کی کہ بول
میں "مکروہ" لکھتے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادت میں فرماتے ہیں۔

"ادعات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ تھی کہ میت کے لئے سوائے وقت نماز جہانہ کے کچھ ہوں اور قرآن پڑھیں نہ
قبر پر نہ قبر کے علاوہ ایسے کچھ ہونا بدعت ہے اور مکروہ، البتہ تعزیت اہل میت کو تسلی اور مہر دانا سنت و مستحب ہے
لیکن یہ اجتماع مخصوص تیسرے دن کا اور دوسرے تکلفات کا مرکب ہونا اور میتوں کا بال بے وصیت کے خسر ج
کرنا یہ جہل و احمقیت اور حرام ہیں۔ (الشفیعہ ج ۱)

اس عبارت کی روشنی میں ہماری عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ تیار اور سواں، یا لیسواں اور بکی ان کی دین میں کوئی اصول نہیں ہے اور امور و رسوم بدعت ہیں

۱۰۔ اصرہ میں جن کے کرنے سے ثواب کی بجائے اللہ عذاب ملے گا اسکان ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے توبیت کے ایصالی ثواب کے لئے اجتماع میں پستخان خوانی بھی ثابت نہیں ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس فعل کو گناہ کبیرہ سے بھی زیادہ شدید بتایا ہے کہ مسلمان اپنی حاجت مانگنے کے لئے اجیر شریف کا سفر کرتے ہیں یا سالار محمد غازی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر جاتے ہیں! کوئی شک نہیں، شترک ہر بڑے سے بڑے گناہ سے زیادہ بڑا گناہ ہے!

مسلمانوں کو کتاب و سنت یا آثار و اقوال صحابہ میں اس کا کہیں حکم نہیں دیا گیا، کہ تم بزرگوار دین کی قبروں کی زیارت آن سے حاجتیں اور مرادیں مانگنے کے لئے کیا کرو۔ ایسا کرنا مشرکیت کی رو سے قطعاً ناجائز ہے اور دین و دنیا کے نقصان اور وبال کا باعث ہے۔

شاہ ولی اللہ قدس سرہ "بلاغ المبین" ص ۱۲۰ میں لکھتے ہیں۔

ہائیکہ بت پرستان خود لباس ابریشمی و کھڑائی پریشانند
بت پرستان نیز مرگد بازگان خود با ہم جنسی پریشانند
بت پرستان و مرگد بازگان خود با ہم جنسی پریشانند
بت پرستان و مرگد بازگان خود با ہم جنسی پریشانند

مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فتح الرحمن عشریہ ص ۱۲۰ میں فرماتے ہیں۔

و اما مث بہت ہنوس و رایام عاشق و چہرے کو ہنود با
بتان فرد گشت، ای با صورت ہما کہ نہ نمایند و غش و ہند
اور ہنودوں سے شہادت دہائی جاتی ہے کہ میں یاد عاشق
میں چیزیں کو ہنود اپنے ہونے کے لئے کہتے ہیں یہ مرگ جو اپنے
پیشواؤں کی قبروں کے لئے کہتے ہیں اور غش کہتے ہیں۔

لکھتے بہت سے عرس ہیں جن میں ایک دن قبر کی "خس" کے لئے منقرہ کیا جاتا ہے اور اس کھلی ہوئی بت پرستی کو خیر ثواب کی بات، درود و برکت کا سبب سمجھا جاتا ہے!

صحیح البخاری ص ۲۰۱ ج ۲ میں ہے۔

و ان منهم من قصد لزيارة قبري موسى الا غيب و
والصلى و ان يصلي عند قبري محمد و يدعوه
و يبصره الحجاج فهدى الى الجحيم و هذا احد من
علماء المسلمين فان العباد و طلب الخواص
لا يستغاث من الله و وحده ۔۔۔۔۔

کبیر بن شریح مینۃ المصطفیٰ ص ۱۲۰ میں فرماتے ہیں۔

و قال شرف الائمة وضع الید علی القبر و عد
و عن جابر اللہ العلاء مع مشایخ مکہ ینکر دن
ذلك و یقولون انه حادثة اهل الکتاب و علی اہل
فرمایا شرف الامم نے ہاتھ رکھا قبر پر بدعت ہے اور وہی
ہے مشایخ مکہ مکرہ ہے کہ اس کا انکار فرماتے تھے، وہ کہتے
تھے کہ یہ حالت اہل کتاب کی ہے اور اہل اسلام میں ہے کہ

صلوہ الدین انہ من عادیۃ النصارائی ولا شک
انہ بدعت لا سنۃ فیہ ولا الثورین منی بل دلائل
امام من یعمد علیہ فیکمل ولہ یحمد الاستلام
فی السنۃ الذی لہجۃ الاسود والرمکن الیمانی خاصۃ

یہ عادت انصاری کی ہے اسی میں شک نہیں کہ یہ بدعت
ہے اس میں سنت سے کچھ ثابت نہیں اور نہ کسی ایک جس صحابی
کے اثر سے ثابت آئے کسی قابل اعتماد امام سے ثابت نہیں یہ
کہ مکروہ ہے اور سنت نہیں ہے، چھوڑنا بھروسہ وادھن
یمانی کے لئے مخصوص ہے۔

و

قال العلامۃ الزعفرانی وضع الید علی القبر وسۃ
ولقبیدہ من الید الخ الی تنکر شرعاً وروی عن
النس بن مالک زای رجلاً وضع یدہ علی قبر النبی
صلی اللہ علیہ وسلم فہماہ وقال کانہ عرف ہذا
حنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و
قد انکر ما مالک والشافعی واسجد اشد الا ذکا

اور علامہ زعفرانی نے فرمایا انا تھ مکتبہ تبرہ اور ہر سہ
دینا بدعت ہے جس پر شرع میں انکار کیا گیا ہے اور اس بن
مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے ایک شخص
کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر ہاتھ رکھ کر فرمایا
اے محمد! اس کو منع کیا اور فرمایا کہ ہم اس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جانتے بھی نہ تھے، اور تحقیق
اس شخص کا امام مالک اور امام شافعی امام احمد نے بہت
کھینچے انکار کیا ہے۔

وصالح صلی اللہ علیہ وسلم وفاقاً صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ البیان المبین میں جو اس الزہار سے نقل فرماتے ہیں۔

دناں احمد است سجدہ گاہ ساختن قبور و چہر افان نمونہ
برآہنا و اشکاف نہ نہا ہا و آخر سخن پر یہ کہ مقبول و
خدمت کہ چار روہ گشت و طور و ساری دما بخا نہایت و مردم
را ہمارے گرد پستی و عزت میکند آئمہ ہادیاں تہذیب مزین
میدہند بجا دست تبرہ را بر ما دست مسجد اطوار و قین می
گنہ خدمت این آستانہا افضل از خدمت صاحبزاد
منہرجم گرد و فانی دست گفتہ است چشم خود دیدہ
باشد، و مقالہ یہ گروہ بگوشت و خوشنہد۔

اور میں جہد افعال پر دستوں کے قبور کو سجدہ گاہ بنانا
ادمان پر چراغ روشن کرنا اذان کے نزدیک احتکاف کرنا
اور ہر دسے لگانا اور خدمت جادہ بکشی مقصد کرنا، یہ
نوشہ راگری، کوہان سنگنا، اور آرمیرل کو گورہ سنی کی دقت
دینا یہاں تک کہ قبور کی پرچا کرنے دے مزین دیتے ہیں،
بجائے قبور کو ہر دست مسجد اطوار بیت اللہ العظام
پر اور یقین کرتے ہیں کہ خدمت اس آستانہ قبر کی انفس
ہے خدمت کرنے جادہ سے ترجیح کہتا ہے واقعی کچھ فرمایا
میں نے چشم خود دیکھا ہے اور ان بالوں کو اس گروہ کی
اپنے کانوں سے سناتا ہے۔

ان تمام تشبہات سے اعزاء کیا سکتا ہے کہ مذکور گاہ دین کی قبروں پر احترام و محبت کے نام سے جو باتیں ہو رہی ہیں وہ نہ صرف یہ کہ بے
سند اور بے اصل ہیں بلکہ بہت سی باتیں مشرکانہ ہیں اور کبریت کے اس پند سے انکی پوشش کا۔ بدعات، احاطہ کیے ہوئے ہیں اور بدعت کو
نظیر رسول نے نہ نکالت کہا ہے۔

روانہ ہر جگہ میں مرقوم ہے۔

میت کی زندگی

اعلم ان النذر الذی وقع

فلا مصرات من اکثر العوام و ما یخضع من الناس
و شیخ الذیت و نحوھا فی ضلالتهم و الا دیاء الکلام
تقدیراً و ایضاً فہو بالاجماع باطل و حرام
کان یقول یا سیدی فلاں رو غائبی و فدی
میر یعنی او قضیت حاجتی نیک من الذہب
او ایفقتہ او من الختام ایا شیخ اذ الذیت
کذابی بحر الملائک برحمتہ منہ اند نذر المخلوق
و النذر المخلوق لا یجز لانه بحدوثہ و العبادۃ
لا تکون لخلق و منھا ان النذر و نہ لہ صیت
و الہیت لا یمکن منھا انما من خلق ان الہیت
شیخ صفت فی الامور و ان النذر ان لا یعتقد
و نذر کفہ۔

جان تو وہ نذر و اموات کے لئے اکثر عوام کے لئے یہی
یہی، مگر ان کی اولاد میں ان کے اولاد کے کلام کے نذر
یہ تقریب کے لئے جانے میں وہ بالاجماع باطل و حرام ہے۔
کہتے ہیں کہ ایسا سید میرے افسانہ میں غائب شدہ
اگر ایسا آجاتے یا میرا یعنی اچھا ہو جائے یا میری حاجت
پوری ہو جاوے تو تمہارے لئے اتنا سونا اتنی چاندی
اساتنا کھا، اور جس طرح اساتنا تیل میرے ذمہ ہے
اسی طرح جسرا لائق میں ہے، پس یہ کئی وجہ سے باطل ہے
کہ نذر نذر مخلوق کے لئے ہے اور نذر مخلوق کے لئے جائز
نہیں ہوتی، مگر نذر جس کے لئے یہ نذر کی گئی ہے وہ میت
ہے اس میت کی چڑی کھائے اس میت کے لئے نذر کا
گمان ہے کہ میت کو اللہ تعالیٰ کے کاموں میں نصرت اور
اختیار حاصل ہے اس کا یہ اعتقاد کر ہے۔

نذر خلق کی مستحق ہر انسان کو باطل و حرام تھا ہر آدمی کو کفر کہا گیا ہے، اس بات کو باطل و حرام انہی نذر
اور کفر یہ عقائد کے حوالہ کے لئے فضول کی مطلق چھٹتے ہیں اس میں شرعیت کی یہ بات بنانے والوں کو مطعون ٹھہرتے ہیں کہ یہ لوگ باطل ہیں
جو بدگوئی کا ادب و احترام نہیں کرتے

حضرت مجددات ثانی سرمدی رحمۃ اللہ علیہ درجہ دوم مثلاً مطبوعہ لکھنؤ پریس / اپنے ایک کتاب میں تحریر فرماتے ہیں :-
..... و حیلانہ کو نذر شرع کفر، وہ سرستہ قریاتے
ایسی رفتہ آن حیلانہ کو نذر شرع کفر، وہ سرستہ قریاتے
ایسی رفتہ آن حیلانہ کو نذر شرع کفر، وہ سرستہ قریاتے

فناوی عالمگیری دکن بالعموم میں جو مذکور ہے اس کا نسخہ و ترجمہ صحیح ذیل کیا جاتا ہے :-
- اکثر عوام مختلف فرقہ ہیں، اس کی صورت یہ ہے کہ بیچنے والوں کی قبر کو اس واقعہ میں اعتبار کا پردہ
اٹھا کر شہادیت کہتے ہیں کہ اسے سید فلان، اگر میری حاجت مدافعی ہو جائے تو آپ کے لئے اسی قدر پیسہ
اپنی طرف سے تقدیراً ہوں، تو ایسی نذر بالاجماع باطل ہے.....

نذر حق عزیزی و مجددات مثلاً میں شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :-
..... محمد و ان تقریب بکلام است و بشرطیکہ نذر
غیر اللہ باشد انہی کلمہ شیخ مسعود صوفی بر صلی
نذر و غیرہ ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتابوں ————— درمختار، فتاویٰ عالمگیری۔ وغیرہ میں بھی اس طرح دعا کہنے کو مکروہ بتایا گیا ہے (یعنی یہ حق نہیں بلکہ گناہ)۔
 یہ نکتہ افرینیال کے علاوہ فقہ کی کتابوں اللہ شہداء کا برہنہ اور ہنگامان دین کے اقوال کو سند میں پیش کیا ہے اور اسی آیت و حدیث اور قول و روایت سے کوئی نکتہ نہیں تراشا اور عقل کے تیرے لڑائے ہیں۔

اس بدعت نے ہنگامان دین کے لئے کچھ القاب و اذکار اور صاحب اپنے ہی سے گھڑ لئے ہیں اور جو کوئی ان سے اس واسطے کتاب و سنت سے سند نہ ملنے کے سبب اختلاف کرتا ہے، اس سے وہ بدعتیہ و گمراہ و باطل و بدعتی اور بدعتی کہے گئے ہیں، اسی طرح ان بدعتوں کے فقہ میں اور میں نکال دی ہیں، جن کو بدعتی ہنگامان دین کی عقیدت و محبت کا لائق تھا تاہم سمجھے ہوئے ہیں ان کے نزدیک جو کوئی ان توہم کو پرانا نہیں کرتا وہ بدعتیہ ہے اور ہنگامان دین کی قرین کہنے والا ہے۔

اس ضمن میں کہ قول سے جو اسے دئے گئے ہیں ان سے انسان لگتا یا جاسکتا ہے کہ کبھی ہوتی بدعات اور کسے و شرک کی باتوں کو اہل بدعت نے دین و قرینیت سمجھ لیا ہے اور جن اس کے لئے کتاب و سنت اور قرینیت میں کوئی سند اور نظیر نہیں ملتی اس کو یہ لوگ حوزہ جان و ایمان بنائے ہوئے ہیں، کیا غضب ہے کہ گمراہی و ہدایت کا اسبے دینی پر دین کا غلبہ لگا دیا گیا ہے۔ یہ کیسے عاشقانِ رسول ہیں کہ خلاف سنت ائمہ کی کارنگاہ کہتے ہیں اور عشقِ رسول کے مدعی اور علمبردار ہیں۔

اس مسئلہ و روش کے علماء اپنے عقیدت مندوں کے جرم میں اس قسم کی غلط فہمیوں پھیلانے دیتے ہیں کہ یہ دو باطل اور بدعتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہنگامان دین کے اختیارات و کمالات کی نفی کرتے ہیں۔ مگر وہ یہ نہیں بتاتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی و نسیب کر آئندہ کو ان سے اختیار دئے ہیں، جن کی نفی اور تردید کی جاتی ہے!

اس گمراہ کے علماء اسبابِ تصرف کتاب و سنت، آثارِ صحابہ اور اقوالِ ائمہ سے سند نہ دلیں گے کی بجائے "جذباتی نکتے" تراشیں گے یہ کہ ————— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں، رحمت اللعالمین ہیں، سرِ راجحِ مہربان، شیخ الفضلین، افضل البشر، افضل الناس ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم و اذن سے حضور کو کمالات کا مالک و مختار بنا دیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض فضائل بیان کئے گئے ہیں وہ سب حق ہیں ان میں جو کوئی گمراہ یا چاہیں چاہے کہ وہ زندیق، لیکن عداوت متذکرہ اہل کفر کی تہذیب سے ————— اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم و اذن سے حضور کو کمالات کا مالک و مختار بنا دیا ہے۔ ————— غلط مطلب ہے اس کے لئے کتاب و سنت سے دلیل چاہئے۔

کتاب اللہ میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ملتا جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کمالات منصب دئے اور کافرانہ عالم کے چہرے کے اختیارات پر پڑے ہیں اور جو کہ دنیا میں جو کچھ ملتا ہے وہ اس سے خالص ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول کو عطا فرمایا ہے۔ یہ عقائد اساسِ مسلم کے عقائد میں رسول کے عطا شدہ کمالات کے خلاف ہے، کتاب و سنت سے ان عقائد کی تردید نہیں ہوتی، اس لئے اس قسم کے عقائد نہ تو قابلِ قبول ہیں اور نہ لائقِ تحقیر ہیں، بلکہ ان عقائد کی تردید میں حسانِ کیم کی وہ آیت اور حدیث کی حاجت ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان و حق ترجمان سے کہہ لیا گیا ہے کہ میرے پاس اللہ کے دئے ہوئے عقلے نہیں ہیں، اور خود سیرت رسول کے یہ شہ و رافعات ان عقائد کی تائید نہیں کرتے۔

جو کوئی اللہ تعالیٰ کا جتنا محبوب ہے، اتنا ہی وہ اللہ تعالیٰ کا فیضان و انوار و احسان کا مستحق ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا و دین میں جو سب سے زیادہ محبوبیت ملی ہے اس کا سبب حضور کا ————— کمالات و عبادت ہے یہ کہ حضور اللہ تعالیٰ کے حکم و اذن کے مطابق باطن و ظہر

مولانا محمد حسام اللہ شرنی

تاثرات

سر چھپانے کی جگہ بھی ضروریات زندگی ہی میں شامل ہے۔ نہایت بڑے تو یہی ہیں مکان میں آپ رات نش رکھتے ہیں اس کی صفائی، سہرائی، نگہداشت اور حفاظت اور اس کی دیکھ بھال کیا دوسرا آدمی کرے گا؟ اس عمارت کا کوئی حصہ کمزور ہو جائے تو کیا آپ اسے بول ہی نہ کہہ سکتے ہیں؟ اگر آپ کوٹ لٹ جائیں یا شیریں کو دیکھنے کے لیے چل چل کر کھڑے کرنا یا جہاں سے کمزور اور بوسیدہ کر لیں اور پتھر پتھر پرستی اس چھت کے کسی وقت بھی گر جانے کا امکان ہو۔ تو کیا پھر بھی آپ اس کی طرف سے بڑی ہے تو بھی برقیں گے؟

ظاہر بات ہے اگر آپ اس مکان کی صفائی، سہرائی، دیکھ بھال اور نگہداشت کی طرف توجہ نہیں کریں گے اس عمارت کی کمزوری ایک سنگلی کو دھڑکنے کی سی نہیں فرمائیں گے تو یقیناً ایک نالکہ دن وہ مکان گر جائے گا۔ اس کی چھت بچھ جانے لگی اور بہت ممکن ہے کہ وہ اپنے ساتھ ان لوگوں کو بھی لے بیٹھے جو اس میں رات نش رکھتے ہیں اور اگر کسی طرح وہ لوگ زندہ سلامت بچ بھی گئے تب بھی ان کا سامان نقصان سے محفوظ نہیں رہے گا بلکہ اس میں سے بہت سامان ضائع ہو جائے تو کچھ بچ بھی نہیں۔ اسی لیے شخص کو، جو اس مکان کی خامیوں سے واقف ہوتے رہے بھی انہیں دھڑکنے کی کوشش نہیں کرنا اور نہ اس کی رات نش ترک کرنا ہے، آپ کیا کہیں گے، کیا دوسرے لوگ اس کو دائرہ تسلیم کریں گے یا اس کی عقل و دانش کی تعزیت کے لئے محض نام منفقہ کریں گے۔

بہت سی باتیں آپ کو ایسی بھی نظر آئیں گی جن کی تعجب کا مستعد رات نش نہیں بلکہ ان سے دوسرے فوائد حاصل کرنا مقصود ہوں گے، اور ان سے کئی دوسری اغراض وابستہ ہوں گی۔ ایسی باتیں ہوں گی۔ ان کے مقصد تیر کو نظر انداز کر کے رات نش وغیرہ کا کام لینا کسی طرح بھی درست نہ ہوگا بلکہ ایسا کرنا تو ہی دولت کے ضیاع کا سبب اور ایسا کرنے والے افسردہ دل و مفاد سے خدائی کے مرتکب ہوں گے۔ ان تمام باتوں سے وہی کام لینا ان کا جائز استعمال ہو گا جن کے لئے انہیں تعمیر کیا گیا ہے لیکن دفاتر، تعلیمی ادارے، کھانا خانے، مکانوں، عمارتوں کے استعمال میں لانا یقیناً ان سے کام لینا اور صحیح استعمال ہو گا۔ پھر زندگی میں مشابہت کے مختلف شعبوں میں افراد کو ان عمارتوں کی بھی اسی طرح دیکھ بھال کرنا ہوگی جس طرح وہ اپنی رات نش گاہروں کی دیکھ بھال اور نگہداشت کرتے ہیں۔

اور اگر ان لوگوں نے ان تمام باتوں کی دیکھ بھال، صفائی، سہرائی، نگہداشت کی نسیان کر دیا اور اس سے غفلت برتی تو یہ لوگ بھی اس خطرے سے محفوظ نہیں رہ سکیں گے جس خطرات میں گھر والے مبتلا تھے، اور ہر لمحے ان کے سر پر خوف کی یہ تلوار منکھ ہوئی نظر آتی ہے گی کہ کہیں کوئی حادثہ پیش نہ آجائے اور انہیں تمام عمارتیں کٹی جاتی یا مالی نقصان نہ پہنچ جائے اور اس خوف سے انہیں کبھی چھٹکارا نہیں مل سکے گا۔

جس دیس میں آپ جیتے ہیں اور جس ملک کو آپ پناہ دیں مشہور کہہ رہے ہیں اس کی حیثیت بھی وہی ہے جہاں کے مکان کی ہے۔ البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ اس مکان میں آپ تیار ہوئے ہیں اور اس دوسرے مکان میں آپ کے افسر یا غرض کے ساتھ ہی ساتھ آپ کا ہر آدمی اور عمارت، غریب اور غم کے دوسرے افراد

جی آپ کے ساتھ رہ کر کش رکھتے ہیں اور اس طرح یہ وطن ایک وسیع خاندان کو اپنے اندر جذبہ دے رہے ہیں۔ اور اسی سبب سے اس کی صفائی ستھرائی، دیکھ بھال، نگہداشت کا فرض بھی کسی ایک فرد کی ذمہ داری نہیں بلکہ ساری حیثیت میں ان سب لوگوں کا مشترکہ فریضہ ہے جنہوں نے اس مکان کی جادو دہاوی میں پناہ لے رکھی ہے۔

ایک بات اور ————— کبھی ایسا بھی ہوا ہے۔ آپ نے گھر کی معاملات کو یکسر نظر انداز کر دیا اور وہ ان سے بالکل بے تعلقی اختیار کر لی ہو یا کبھی کسی چور کی آہٹ پر آنکھ کھٹ جانے کے باوجود آپ نے اُسے مال و اسباب سمیت کمرے جانے کی اجازت دیدی ہو اور اس سے کوئی باز پرس نہ کی ہو۔ آپ نے اپنے گھر میں کسی چور کے لُٹ ب لُٹا کر دیکھ کر اس کے اس فعل سے چشم پوشی کی ہو؟ خدا خیر آپ کے مکان یا دکان میں کسی طرح آگ لگ گئی ہو تو آپ کھڑے، ایک تماشا کی بن کر سے دیکھتے رہے ہوں اور آگ بجھ کر اس آگ کو بجھانے کے لئے کوئی عملی قدم نہ اٹھایا ہو؟

یقیناً ان باتوں کے جواب میں یہی کہا جائے گا کہ گھر کی معاملات سے بے تعلقی اختیار کر لینا، کسی شخص کا شیوہ نہیں یا کسی چور یا چڑی کے کسی قسم کی سزا دینے بغیر چھوڑ دینا اور نہ ہی اسے بعد ہے۔ اس طرح آگ بجھ کر دیکھ کر اسے بجھانے کے لئے عملی کوشش نہ کرنا سفاہت کی علامت ہے۔

اگر واقعہ آپ کا بھی یہی خیال ہے اور یقیناً ایسا ہونا چاہیے تو آپ نے اپنے اس وطن عزیز کو کیوں فراموش کر رکھا ہے اور اس کے معاملات سے اپنی بے تعلقی اختیار کر رکھی ہے اپنی تہذیب و ثقافت کو کیوں منسوبی کسرہ کوڑوں کے حوالے کر دیا ہے وہ آپ کا معاشرہ مغربیت کی آگ میں جل رہا ہے اور یہ آگ مدیہ بننے سے تیز ہوتی چلی جا رہی ہے اور آپ کی اخلاقی اصولی قدروں کو خشک کر دی کی طرح جلاتے دے رہی ہے۔ مگر آپ اس آگ کو بجھانے کے مطلق فکر نہیں کرتے ————— کیا اس بڑا کوئی المیہ ہو سکتا ہے۔

آپ اپنی تمام اشیاء، اگھار، مکان دکان اور اس میں موجود مال و اسباب وغیرہ کی حفاظت کو سب چیزوں پر مقدم سمجھتے ہیں۔ بھوکا پیاسا کہ آپ اپنے اس وطن عزیز کی کسی شے کا خیال نہیں رکھتے۔ اس کی تہذیب و ثقافت، اس کے آئین و اخلاقی اور تعلیم و معاشرت کو اپنی توجہ کا مرکز نہیں بناتے اور انہیں اپنے دین و مذہب کے مطابق ڈھالنے کی کوشش نہیں کرتے۔

اس حقیقت سے کوئی شخص انکار کر سکتا ہے کہ اس دیس کے حصول کے لئے جہم پاکستان کے نام سے شہرت حاصل ہے اور جس کے بیٹے والے اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے اور اُنہی اُصول و انان جناب محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کا دم بھرتے ہیں، اپنے آبائی وطن کو چھوڑنا محض اس لئے گمراہ کیا تھا اور جان و مال کی قربانیوں صرف اسی لئے پیش کی تھیں کہ وہ کسی طرح ایک ایسے خطہ ارض کے مالک بن جائیں جہاں وہ آنا کوئی سے اپنے معبود حقیقی کے سامنے سر نہایت خم کر سکیں اور اپنے خا بطن حیات کو اُس کے لائے ہوئے آئین کے مطابق ڈھال سکیں۔

اب، میں دیس میں بیٹے واسے ہر فرد کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کرے اور اس مکان میں دائر رکھنے والے شخص کی طرح اس مسکنات کی دیکھ بھال، نگہداشت اور نگرانی کے فریضے سے حق و نفی کے ساتھ عہدہ برآ ہو۔

منصفہ قہر سے ہٹ کر عبادت سے استفادہ کو ایک غلط اقدام سے تعبیر کیا جاتا ہے تو اس دیس کے مقصد یا نو کو نظر انداز کر دینا قوی معاذ سے خدائی کے مترادف نہ ہوگا؟

میں گمان وطن کی جن لوگوں نے اپنے خون سے آب و ہوا کی ہے اور جس ارض مقدس کے لئے اپہر لے جانی والی قربانیاں پیش کی ہیں اور جس فرض کے لئے اپنے آبائی وطن کو ترک کیا ہے ان انفرادی و مقامی کو کسی صورت میں بھی نظر انداز کرنا مناسب نہ ہوگا۔ ان کی ہجرت انسان کی شہادت کو مایاں جانے دیا جائے؟

آپ اپنے افسانہ کو اتنی آزاد دی دے دیں گے کہ وہ ان اقتدار سے اخراجات کر جائیں انسان بننا لیں کو دیکھیں ہم کہنا میں جن پر آپ کا گھر میں نظم قائم ہے؟ اپنی اولاد سے آپ اپنی عزت و توقیر کی توقع رکھتے ہیں لیکن اگر وہی آپ کی عزت و اہمیت کے درپے ہو جائے اللہ آپ سے مقابلے کے لئے نکل کھڑی ہو اللہ تعالیٰ پر ہاتھ آئے تب آپ کا اس کے ساتھ کیا مقصد ہو گا؟ آپ وجود و توحید سے کام نہیں لیں گے اللہ سے سخت عداوت نہیں کریں گے؟ آپ کے ہاں محمد میں سے بھی جو شخص نے گواہ بھی آپ کی اولاد کو برا بھلا کہے گا اور اسے ناخلف شمار کرے گا۔۔۔۔۔ اس سے قطع نظر اگر کسی بھڑی شخص میں کوئی شخص آپ کے والدین کو برا بھلا کہنے لگے اور لعنت طاعت کرنے لگے تو آپ کی عزت و حریت اسے برداشت کرے گی۔ ان کی بن ہے اپنے والدین کی رہائش سنیے کے باوجود پھر بھی آپ خاموشی اختیار نہ کریں گے؟

اگر دنیا میں ترکا ویر ہے کہ دین کے معاملے میں لوگوں کی اس آزادی کو برداشت کر لیا جاتا ہے اور اسلام کی بنیادی قدروں سے انحراف کرنے والوں کو معاشرے میں اہر و مندانہ مقام حاصل نہ جاتا ہے۔ آپ اپنے والدین کی بیانی تو نہیں سن سکتے لیکن آپ کب نے رسول اللہ انسان کے احکام و فرامین کا شلے منہ کھے بندوں خالق اٹایا جانا اور تخلیق کی جاتی ہے اور پھر بھی آپ کی عزت و حریت کو جوش نہیں آتا۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آپ کی نظر میں اتنا بھی نہیں جتنا آپ کے والدین کا ہے۔

میرا ذہن نامساچہ دوسرے سوالوں میں بھی الجھا ہوا ہے انسان کے جوابات تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ آپ بھی اس مشکل کو حل کرنے میں میری مدد کیجئے۔۔۔۔۔ کیا کبھی آپ اس بات کو گوارا کر سکتے ہیں کہ آپ کی مملکت میں کسی دوسرے کا قانون نافذ ہو یعنی گھر آپ کا ہو اور حکم کسی ہمارے آری کا چھ کیا آپ اس کا تصور کر سکتے ہیں کہ آپ کی اچھی بھئی اور صحیح سالم زبان کاٹ دی جائے اور اس کے بجائے کسی دوسرے شخص کی زبان کا پیر نہ لگا دیا جائے؟ کیا آپ اس چیز کو برداشت کریں گے کہ آپ کی حیثیت محل ایک چال بھری ہونی خدین کی ہو جائے؟

اگر آپ ان باتوں کو برداشت کرنے کی اپنے میں ہمت نہیں پاتے بلکہ ان کے تصور سے بھی دہم بھاگتے ہیں تو پھر یہاں یہ کہل ہے کہ آپ وطن پرست ہوتے بھی غیروں کے آئین کے نفاذ اور اس پر ٹکس کرنے میں کوئی تباہت محسوس نہیں کی جاتی۔ کیا اسلامی دستور ہمارے مسائل کو حل کرنے کے لئے کافی نہیں؟۔۔۔۔۔ یہ کیسی غلط فہمی ہے کہ ایک ذہن رسا کے مالک ہوتے ہوئے بھی آپ اس پر اپنا اختیار نہیں رکھتے اس میں بھی دوسروں کے خیالات بھروسہ ہوتے ہیں۔ وہ اب اتنی گہنی نقش نگاہی شکل ہے کہ اس میں آپ کے ذاتی رجحانات اور خیالات سما سکیں۔ کیا یہ زندگی کی یہی عادت ہے کہ اچھی بھلی زبان کو محض مصل بنانے پر بھی کسی قسم کا کوئی احتجاج بھی نہ کیا جائے بلکہ دوسروں کی زبان کے پیر نہ پھنسر کیا جائے کیا آپ کی زبان اس زبان میں کہ وہ انہما و مطلب کے کام آئے اور اس سے کاروبار زندگی میں فائدہ اٹھایا جاسکے یا وہ محض ذہنیت کا ایک ذریعہ ہے جسے نمائشی الماسک میں سجا دینا کافی ہے۔ اپنی زبان کو محض فرنگیوں کی بولی کے لئے استعمال کرنا اللہ اس سے ان کے خیالات و احساسات کی ترجمانی کا کام لینا عزت علی کے حصے پر قطعاً ہے۔

کچھ کہہ رہے؟ فک و تدبیر سے کام لے کر سمجھان سوا لاء کے جواب دیجئے۔

اس درس سے اپنی الفت اور وطن سے اپنی محبت کے اظہار کی یہ ایک طریقہ ہے کہ اس وطن عزیز میں اپنے والدین اور داس کا دامن برصارت میں بٹھائے رکھیے۔ اپنی تہذیبی اور ثقافتی استعدادوں کو کسی صورت میں بھی فروغ نہ کرے اپنے ہی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے زبانی دلوں سے ایک تہذیب آگے بڑھائیں محبت ہمیشہ کرے وہ اپنے خصلت نام کے فروغ اور اپنی زبان اور دھڑکی ترویج کے لئے اپنی پوری زندگی وقف کرے ان لوگوں پر مرکزی نظر رکھے جو اس کے بنیادی اخلاقی و معاشی و تعلیمی و فکری کے مرکب ہوں۔۔۔۔۔ اور اگر لایا نہیں تو پھر انہما کی زبان میں یہی کہنا پڑے گا۔

وہ چیز نام ہے جس کا وہ تھپ محبت کی

میرے وطن میں نہیں ہے ابھی کہیں پیدا

روح انتخاب

اشفاق کرکے دیکھا نہیں بلکہ اس ذات پر جو اس کی نشانیوں سے پہچانا ہے ایمان چونکہ ایک عظیم کیفیت کا نام ہے اس کے شخص کی ایمانی نشانی کا فیصلہ کسی محسوس معیار کے سامنے رکھ کر نہیں کیا جاسکتا۔ مگر یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی محبت اس کی نصیحت سے وابستگی اور اس کی اطاعت کا حتمی معیار ہے۔ سب ایمانی کیفیات انسان کے طبع و فکر اور اس کے طرز عمل میں ضرور عکس ہوتی ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ کسی شخص کو اللہ کے دین سے گہری محبت بھی ہو اور وہ جان پر چھو کر ایک گنگے بندھے منصوبے کے تحت ایسی تدابیر اختیار کرے جن سے دین کی تخریب کا خطرہ ہو یا وہ اسلام دشمن قوتوں کا حامی بن کر اسے اور ان کا راستہ روکنے کے بجائے ان کی تائید کرنے لگے۔

بہرحال اس وقت اسلام کے سامنے حکومت نے جو یہ اختیار رکھ رکھا ہے وہ کسی ایسی حکومت کو یہ نہیں دیتا جس نے اسلام کی بے دخلی اور آئین کا بنیادی پتھر تباہ کر دیا ہو۔ اباب اختیار کے اپنے باسیوں کو جناب اس قدر ناک ہیں کہ جہاں کسی نے ان کی کسی پالیسی یا طرز فکر سے اختلاف کیا ہے وہیں جیسے شکن تو وہ جو نہیں اور تنقید کرنے والے کو ان کی اس بے جا حسادت کی نیرادہ دیکھنے کے لیے سرکاری مشینری حرکت میں آگئی مگر اسلام کے خلاف یہاں جس کا جوئی ہو رہا ہے اس سے کوئی مواخذہ نہیں کیا جاتا۔ اسلام کے سامنے حکومت کی بے بسی کا حال یہ ہے کہ وہ اگر خود کسی کوئی قدم صحیح سمت میں اٹھانے سے یا اس پر سزا دل نہیں جتنا ادا کرنے کے ہوتے لیکن کوئی قریب طور پر اسے عمل میں لائے۔ اس کے حق میں خود اس کے خلاف دلائل دے کر منافقین کو خاموش کرنے کی سعی کرتی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ بعض اوقات عوامی باتوں سے بھرپور کوئی ایسا اعلان جاری کر دیتی ہے جس پر لوگوں کو قدم سے اطمینان ہوتا ہے اس سے ایک منہ قدم بھر کر اس کی پیروی کرنے لگتے ہیں لیکن یہ اعلان یا اقدامات کی نیت جتنا ہے یا گتھی برسوں کی حسد میں دفتری فائلوں میں دب کر رہ جاتا ہے۔ بعض زندگی میں اس کے مطابق قطعاً کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی۔ زندگی کی جوئے سماں جوں کی توں جاری رہتی ہے۔ تجدید پسند اس لیے دین پیچھے اس کے خلاف کھسک رہے ہیں۔ یہ سراسر باتیں کہ اس میں حکومت اس سے سب نہیں جاتی۔ اس سے ان ساری باتوں کو اس خاموشی کے ساتھ برداشت کرتے رہے جسے کہ وہ اس سلسلے کے ذریعے کی خاموشی تماشائی ہے اور اس کا خواہاں ہے اس لیے سے کوئی اس کا تعلق بھی نہیں ہے ابھی چند ہی روز کا ماقہ ہے کہ حکومت مغربی پاکستان نے انٹیلیجنس اداروں میں لاپس کرنے کی ضمانت پر پابندی عائد کی اور ملک بھر میں حکومت کے اس اقدام کا خیر مقدم کیا گیا اس اعلان کو سنتے ہی تجدید پسند اور نفاذ نگینہ عسکر سخت ہراس میں آئے اور انہوں نے اس کے خلاف احتجاجات میں باقاعدہ ایک ہم خروش کادی جس میں پیش پیش خود حکومت کے اپنے منظر نظر اخبارات ہیں ان کے کالموں میں کچھ کسی جگہ سے ہوتے مسلمان باوجود کو بظہر مثال پیش کر کے دھم دھم روکی حمایت میں مضامین لکھے گئے اور کبھی یہ بھڑائی دیں دیکھ جانے لگی کہ اگر خیر نہیں پاکستان کے اسکرولوں اور اس کا بڑا چھانے کا پرچم سرنگوں ہو گیا تو مشرقی پاکستان سے تو کامیاب صحت کے سٹے کر رہے ہیں۔

گویا مغربی اور مشرقی پاکستان میں اگر کوئی مشترک نقطہ کر وہ ناچ اگلے کا جبر ہے اس کے سوا ان میں اختلاف کا کوئی دوسرا مشترک موضوع نہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب حکومت نے اس معاملے میں ایک تسنن قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا تو اس کے پیچھے کوئی قوم کی تائید بھی حاصل ہے تو کیا اس کا یہ فرض نہ تھا کہ وہ اسے جلد از جلد اسے نافذ کرنے کی کوشش کرنی اور تشدد و فساد کے سامنے نفاذ استعمال کے لیے کسی کے ان پندروگوں کو مسکات ہوا بددیہی حملے میں آئندہ پیدا کر رہے ہیں۔ لیکن یہاں حال یہ ہے کہ نیشنل پرسنل فرسٹ کے اخبارات میں جن پر حکومت کا بڑا و راست قبضہ ہے اس کے پیچھے کے خلاف چہرے دل آزار غلط اندھا بین تالیف ہو رہے ہیں۔ انسان میں سے کوئی

ہماری نظریں

تحریک جماعت اسلامی ایک حقیقی مطالعہ

انٹرنیشنل اسلامک میسجیج - اے، مضامین ۱۳۵ صفحات، دہلہ، بنگین گروپز، قیمت چار روپے،
لئے کا پتہ - دارالاشاعت الاسلامیہ، بالمقابل ڈاک خانہ کرشن نگر لاہور۔

جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کی مخالفت میں تصدیق میں منظر عام پر آچکی ہیں اور یہ سلسلہ جتنا ہی رہتا ہے ان ناقدین کا مقصد جماعت اسلامی کو حرام مسل لڑی میں نامقبول اور غیر پروگ्रेसیو بنانا ہے، بعض کتابوں پر دافتریں خوب کی گئی ہیں، اور نہ جانے کس مصنف اور ناقد کی اس محنت و خدمت کی کس کس عزرائ سے پذیرائی ہوتی ہے۔

تھکر کی مثال ہمارے سامنے ہے، جمال ناہراچے اقتدار اور آمریت کے لئے سبکی زبان خطرناک، افغان المسلمون کو سمجھتا تھا، اس ہندو کے تحت اس نے، افغان کو میں بے رحمی اور مہم کا کے ساتھ ظلم و ستم کا نشانہ بنا کر اپنے اقتدار کے لئے سبکی بڑے خطرے کو ڈل دیا ہے، وہ انسانیت کی بہت بڑی ٹیم پیڈی ہے اتنی دودا انگیز کہ۔

اسلامی ملاحی بود گروپز

پاکستان میں جماعت اسلامی - اقامت دین کی تحریک کی تبلیغ اور علمبردار ہے، اپنی باطل کے مطابق انتہائی ناسازگار ماحول میں اس کا نظریہ و مقدس تحریک کے لئے وہ دوشادہ و حرب اسلام کا کافی جہد و جہد کرتی رہی ہے، اس لئے ہر دور حکومت میں جماعت اسلامی کی سرزبان ادب و بہت و کثرت و کثرت رہی ہیں اور اس تحریک کی راہ میں سکون پیدا کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں۔ یہ سلسلہ سبب گارویجہات کی ملکی اور قہر و ہند کی صورتوں سے یکسر فہم و فہم اس کے مخالفین پر پڑتا ہے۔ یہیں تشدد و فحاشی کو ایک دین منہ دکھانا ہے، جناب ڈاکٹر اسرار احمد کے لئے میں ہم اس قسم کے سرورین اور جنگانی نہیں رکھتے کہ صاحب موصوف نے جماعت اسلامی کے بعض دوسرے ناقدین کی طرح سرکار دہلیا میں صرف اور یقیناً کی مخالفت حاصل کرنے کی غرض سے یہ کتاب بھی ہے لیکن کا معاملہ دوسرے مصنفین اور ناقدین سے مختلف ہے، ڈاکٹر صاحب نے جماعت اسلامی کے خلاف کی اصلاح کی نیت سے یہ کتاب تصنیف کی ہے اور یہی دیدہ و بینہ کے ساتھ جماعت اسلامی کے سابق اور عالیہ رفعت کا جائزہ دیتا ہے۔

مگر

انھیں دیکھنے کی باوجود ان کی یہ کتاب بھی دوسری کتابوں کی طرح قریب قریب ہی کام انجام دے گی کہ جماعت اسلامی اور مولانا مودودی طرف سے عام مسلمان بدگمان ہیں، جماعت کے ہاں سے میں یہ خیال قائم کریں کہ میں دوسری سیاسی جماعتوں کی طرح ایک سیاسی پارٹی ہے اور یہ دنیا دار اور وقتی مصلحتوں کا غلبہ ہے، جماعت اسلامی اس طرح مسلموں میں منور اور غیر دلفریب ہوگا، انتہائیت جن کی راہیں بدگمانوں اور دین پیڈا ہوں گی! مودودی، ہمدردوں اور انھوں کا لئے وہ اخلاص جو دشمنوں اور بدخواہوں کی مخالفت اور بدخواہی کے مقصد کو نفرت

مولانا مودودی ہوں یا جماعت اسلامی ان میں سے کوئی بھی معلوم نہیں ہے، اس لئے فکر و رائے اور عمل کی غلطی کا قصور کوئی اپنے آپ پر نہیں ہے۔ انفساً اور اجتماعاتوں کے سیرت و کردار اور قول و عمل میں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ غلبہ کس چیز کا ہے، غیر کا یا شر کا، اور سی قیاس کے پیش نظر ان کے اچھے اور برے جو نہ کا حکم لگایا جاتا ہے۔

انگریز کے دوسرے متحدہ ہندوستان میں اقامت دین کے لئے جماعت نے جو طریق کار اختیار کیا تھا وہ درست تھا، اس وقت جیسی شکستہ اور سستہ دنیا کی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آتی تھی کہ انگریز کی مزاحمت کے بغیر اپنا بے بدستہر باندھ کر ہندوستان سے چلا جائے گا اور اس کا جانا اور ہندوستان کا تقسیم ہو کر پاکستان کا بن جانا، ایک ہی ساختہ وقوع میں آئے گا، پاکستان میں جانے کے بعد جماعت اسلامی کو باطل نئے حالات کا سامنا کرنا پڑا، یہاں سب سے پہلا سوال یہ سامنے آیا کہ پاکستان کا کس طرح کیسا پرانا چاہتے؟ اس صورت میں جماعت اسلامی و مسلم کے مسئلہ کو نظر انداز کر کے رکھ چاہے وہ دینی ہو یا دینی (صرف معاشرے کی اصلاح میں لگی ہوئی تھی کہ جب پاکستان کا معاشرہ خاص اسلامی ہو جائے گا، اور خود ارکان جماعت ترقی کی نفس کی مطلوبہ کیفیت کو حاصل کر لیں گے، اس وقت کس قدر مسائل اور حکومت و سیاست کے معاملات پر توجہ کی جائے گی؟ اگر جماعت ایسا کرتی تو وہ اپنی اس غفلت و کوتاہی اور غلط اندیشی پر اندیشہ کی کیا کہاں جواب دہ ہوتی!

متحدہ ہندوستان میں جماعت نے انگریز کے حکومت کو خطاب نہیں کیا، اسمبلی کے انتخابات میں حصہ نہیں لیا، کوئی جلسہ نہیں نکالا، پیس کا تقسیم نہیں منعقد نہیں کیا، مگر پاکستان میں اسے ان تمام مرحلوں سے گزرنا پڑا جو حضرات اپنی سادہ لوحی کے سبب شیخوں و احوال کی تبدیلی اور ان کے تعارضوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں، انہیں شش دہائی کے بعد کی جماعت اسلامی پاکستان کے قریبی قریبوں میں تھا و نظر آتا ہے، اس قسم کے تضاد و کراس اس بحث و گفتگو بنائے کہ یہ کتاب لکھی گئی ہے، اگر کوئی شک نہیں اس کتاب میں بعض دلیل بھی حاضر تھی ہیں، جماعت کے ماضی و حال کا تجزیہ بھی برے سیدھے سے کیا گیا ہے، لکھنے والا غلط بھی غیب ہے، مگر عمومی طور پر یہ کتاب ذہن و فکر پر یہ نقوش چھوڑتی ہے۔

(۱) لکھنے والا جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے کے بعد شدید نفسیاتی کشمکش میں مبتلا ہے اور اس کا ضمیر اپنی علیحدگی کو حسد و جلاوت کے لئے بے چین ہے، یہ کتاب لکھ کر اس نے اپنے زعم میں اس عظیم دینی تنظیم سے علیحدہ ہونے کا - جو انداز تلاش کر لیا۔

(۲) ماضی ناقد جب اسلامی جمیعت طلبہ کے رکن تھے، اسی وقت ان کے رفقاء نے ان کے مزاحمتی کیفیت معلوم کر لی تھی کہ وہ کسی تنظیم میں گنہگار نہیں کی حیثیت سے کام کرنا پڑی، "فدوی" کی توہین سمجھتے ہیں اور جن تنظیم میں بھی خود ان کی شخصیت کو خاص اہمیت نہیں دی جائے گی، اس تنظیم سے وہ زیادہ دانا ملک وابستہ نہیں رہ سکتے، ان کی ذہانت اپنا اظہار اور نمود و جہرہ گری چاہتی ہے۔

(۳) صاحب موصوف کسی مقصد کے حصول کے لئے اس کے ایک ہی پھسلے بندے سے طریق کار پر نگاہ رکھتے ہیں اور حالات کی تبدیلی کے سبب طریق کار کی کچھ مختلف مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے، ایسا نظر انداز فرما دیتے ہیں، اس کی قوانین متفق ہے کہ ہر مسئلہ کی ہندی چندی کے لئے رکھ دیں اور جہاں تک تحسید و گفتگو کا تعلق ہے تجزیہ و تشریح کا حق ادا کریں مگر ماس کے کمال برتنے والوں کو واقعات کی دنیا میں جن مختلف حالات سے سابقہ پڑتا ہے ان مشنوں و احوال کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کی نگاہ سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔

۱۔ اقامت دین - کام ہر ملک اور خطہ میں ایک ہی انداز پر کیسے ہو سکتا ہے کوئی احمق ہی ہو گا جو امریکہ میں جا کر تبلیغ اسلام کا آغاز حکومت اہلیہ کے مطالبہ سے کرے گا، مگر اندونیشیا، سوڈان، اور مصر پاکستان میں - حکومت اہلیہ کے لئے جدوجہد کرنا، دینی نقطہ نگاہ سے بہت بڑی غفلت ہوگی، امریکا، سیدالہلال علی مودودی نے متحدہ ہندوستان میں حالات کے لحاظ سے "اقامت دین" کے طریق کار سے بحث کی تھی، پاکستان بن جانے کے بعد حالات میں بدل گئے، اس لئے ان کی تقریر و تحسین کا بالکل وہ انداز کیسے رہ سکتا تھا۔ حالات کی تبدیلی پر نگاہ نہ رکھنے کے سبب مولانا موصوف کی تحریروں میں ناانندگی کو - تضاد نظر آتا ہے، بلاشبہ بعض اوقات حالات کے لحاظ سے دینی احکام میں تغیر واقع ہو جاتا ہے۔ پھر

مولانا مودودی کی تفسیر میں کہیں کہیں لفظی تضاد کا ثبوت بھی مل جاتا ہے اس سے ان کی دعا اصل دعوت کو مجسّم نہیں ہو جاتی، جس کو وہ ۳۴ سال سے پیش کر رہے ہیں اور کوئی بڑی بڑی مصیبت اللہ آفاقی انسان کی حریمیت و استقامت میں ایک پیرائیں کر سکی، اور اقامت دین کے بارے میں ان کا شکبہ وہی موقف ہے جو اس تحریک کے مدافعاذ میں تھا۔ ان کی دعوت و تحریک کی اصل نتائج - تضاد نہیں استقامت ہے۔ کسی شخص کو اس سے عبرت ہونے یا غم میں کہیں کہیں، غار و غصہ بھی آگ آتی تو اس بارخ کو خند نہایت کہن کیا تو حق کی غلطی نہ ہوگی۔

اس سلسلہ میں ہم جن چند واقعات کا ذکر کر رہے ہیں، ان سے تشبیہ و مماثلت ہرگز مفقود نہیں ہے۔ بلا تشبیہ عرض ہے کہ مکہ اللہ عزیز میں دعوت حق انسان کے طریق کار اور لوازم بالکل ایک ہی جیسے نہیں ہیں، بعض مستشرقین نے انہی کم انہی کے سبب عربی دود میں صلح و جنگ مفاہات صحنہ و تقریری حدود کے اجوار و غیرہ کو دیکھ کر حکم لگایا کہ عبرت کے بعد پیغمبر اسلام کی زندگی بدل گئی تھی، اور آپ کے یہاں بادشاہت کا رنگ لگ گیا تھا (معاذ اللہ) جو کوئی مشرق و احوال کی تبدیلی کو نظر انداز کر دے گا، وہ فقہ و تہجد میں مستشرقین جیسی غلطی کا ارتکاب کرے گا۔

مگر زندگی میں معاشرتی متطوّر تک کو شعبہ اہل غالب میں گرا دیا گیا، مگر عرب میں بنو نصر اور بنو قریظہ کے ساتھ جد و جہد طغی اور قتل کا بہناؤ گناہ تھا۔ مکہ میں یہ حکم کہ - اصبر یا لیا یا صبر - لاء آں یا صبر میرا، مگر عرب میں تھلکا کا جواب تھلکا دے دیا گیا، مکہ اللہ عزیز میں جو طریق کار کی تبدیلی ملتی ہے، اس میں نہ برابر تفاوض نہیں ہے، حالات کے تحت یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور دین کو غالب کرنے کے لئے ہی اختیار کئے گئے تھے۔

ان بنیاد مقصد کے حصول کے لئے وہ طریق کار ناجائز ہے، جس پر بیعت کا اطلاق ہوتا ہو یا اس کے سبب کوئی اخلاقی مضرت و قباحت وجود میں آتی ہو اور دین کا اصول ٹوٹتا ہو۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اوصاف کے بعض دفعہ جماعت اسلامی سے عنیدہ ہونے کے بعد جس "مزاج و فکر" کو اپنانا چاہتے ہیں - اس کی پس ایک مثال یہاں پیش کی جاتی ہے اور حقیقت حال کے سمجھنے کے لئے اس ایک مثال ہی کافی ہے۔ انگریز کی حکومت آئی تو دیسی سپاہ و دشمنانی کے جگہ "طرح طرح کی" روشنائیاں جو اس زمانہ کے جدید سائنسنگ انسان پر بنائی جاتی تھیں، عوام میں دلچسپاں گئیں، اللہ سرکٹھے اور واسطی تسلیم کی بجائے "ہولڈ" استعمال ہونے لگے۔ مگر بعض علماء اور دانشور نے ہولڈ اور ایک کے استعمال کو مکروہ سمجھا اور واسطی تسلیم اور دیسی سپاہ و دشمنانی استعمال کرنے کو اپنا معمول بنالیا۔ مگر اس معمول پر خدا نے ان کے معتقدین میں پرانہ روئے کے اسرار ہولڈ، فاطمہ بن پین اور ولایت کی بجلی ہولڈ سنائیاں دے دیں، ہر عام و صوری کسی دینی و شرعی قباہت کے بغیر استعمال کرتا ہے، ایسی وہ مزاج افسوس کہ ہے جسے دینی مقصد کے حصول کے لئے ان خطرناک طریقوں جو حالات کے لحاظ سے اختیار کئے جاتے ہیں، دنیا واری نظر آتی ہے۔

جماعت اسلامی پاکستان نے - اقامت دین کے لئے جن طریقوں کو استعمال کیا اس کے سمجھنے کے لئے ایک مثال دیکھ ذیل کی جاتی ہے۔ -

دوسل بن ہیں دونوں کے دونوں محرم و محرمہ کے پابند، گناہوں سے بچنے اور دیندار بن آں میں سے ایک نیاہ وقت بعد میں گزارتا ہے، فرض اللہ نون نمازوں کے علاوہ لواصل کثرت سے پڑھتا ہے، اس مسجد کے قریب شراب کی دکان ہے، یہ دیندار و مسلمان انتہائی جذبہ افسست کے ساتھ اس دکان کے پاس سے گزرتا ہے اور مسجد میں جا کر صلاۃ و ادا اور تلاوت قرآن میں مشغول ہو جاتا ہے۔ - دوسرا شخص کچھ شخص کے مقابل میں لواصل بہت کم پڑھتا ہے، گمراہ و غلط وقت یہاں انفرادی ملاقاتوں کے ذریعہ شراب کی لغزت لوگوں کے دلوں میں پیدا کرنے کی جدوجہد کرتا ہے، اسلام دشمنی کے مذہب سے صلی لڑی کو لٹاتا ہے۔ انہی دونوں پر عرض ہے آج تہہ کے تختہ میں ہو کر "پنج" دلوں کے ذریعہ چل جاتے گا اسے اختیار حال ہو گا کہ مصلحتیں کی دکان، اللہ سے یا کار و بار کو معاشرے کے لئے مفید صلاہ دے تو اچھا ہے، بند کر دے، اور کسی جو شراب کے خلاف جہد کر رہا ہے، ایک خدا ترس مسلمان سے اس بات کا حلف لیتا ہے کہ اگر وہ ان دونوں شخصوں میں سے ایک کو شراب کی دکان کو بند کر دے گا۔

اس شخص کے وقت کا اب خاصہ سترہ سو چھ کے انتخابات کی حدود میں صرف ہوتا ہے، اس کے لئے وہ جلوس نکالتا ہے، اٹھتا رہتا اور پھٹٹا شائع کرتا ہے پس میں اپنے بیانات چھڑاتا ہے، چندہ بھی کرنے کے لئے آگے اپنے گناہے میں مقصد کرنے پڑتے ہیں، پس میں دانتے اس کے کسی مظاہرہ کا فوٹو بھی انہماک میں چھاپ دیتے ہیں، اس مقصد میں کہ بیانیہ حاص کرنے کے لئے جلد کے بعض ناپسندیدہ لوگوں تک سے توافقی کرن پڑتا ہے، لاڈلہ اسپیکر کو پر انتخابات کے انتخابات ہی ہوتے ہیں، ان جلسوں میں آئندہ یوں کاموں میں "مردم و صلوٰۃ" نہیں، انتخابات ہی جیتے ہیں، جن کو کوئی چاہے تو خاص سیاسی مقصد پر یہ کہہ سکتا ہے۔

انتخابات سے ایک دن پہلے تک حالات بہت سناگد رہتے، مگر دو دنوں میں صرف یہ دلوں نے دھڑکنے لگا، انتخابات میں "ہندو" طبقہ کا یہ تمنا شدہ "ٹارگٹ" — یا یہ پروا کہ وہ شخص کا کیا تو ہو گیا، مگر کیا یہ حرجان کے بعد، اس نے "خواب خانہ" بند کرنے کا جو صفا اٹھایا تھا، اس سے چھڑ گیا، ایسا ہے حلف اللہ سے کہ فریب کا اندازہ تو میں اندازہ نہیں کرنے لگا :

اس شخص نے سوچ "کے انتخابات کی جس ہم میں جھڑپ تھا اس کا مقصد "شراب کی بندش" تھی۔ یہ ایک مقصد کے لئے اس نے پڑے، اس نے یہ پا پڑ چیلے تھے، اس کا کام میں اپنا وقت، پیسہ اور توانائیاں صحیح کی تھیں — "تین سو چار سو" کے نقطہ نگاہ سے "اللہ تعالیٰ یہ بھی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا بھی نقطہ نگاہ ہو چکا ہے، وہ شخص جس نے "انتخابات" کی، اس ہم سے کوئی سروکار نہیں رکھا، اللہ اپنا زیادہ وقت ضرورت اللہ وظائف و اعداد میں صرف کیا، صحیح معنی میں وینڈر ہے — "مگر وہ اسلام میں کامیاب شدہ" نہیں، "عن الملک" اللہ امر بالمعروف" کی — "اس اس میں ختم ہوتا ہے، اس کے اجتماعی نقطہ نگاہ سے "وینڈر" ہے کہ اس نے "نبی عن الملک" کے بعد چھڑا، اللہ اس کی اس جہد میں جو وقت صرف کیا وہی دہائی میں گزرا، اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہی اس نے پرستش اٹھائی، اس کے اپنے نفس کی لذت اور کرنی ذاتی منفعت اس جہد میں شریک نہ تھی۔ اس جسے "مصدقہ" کے لئے، "بعض" ایسی باتیں بھی گروا کر لی ہیں، جو راحت سے زیادہ کراہت کا دھجہ رکھتی ہیں۔

اس شخص کے بہاں جو معاشرتی مسئلہ "اللہ تعالیٰ عن الملک" اللہ امر بالمعروف سے تعلق کوئی مرد کی نہیں رکھتا، بلکہ خیال کی ایک بچی نظر آتی ہے اس کے سیرال میں کتنی یکسانی پائی جاتی ہے، زندگی کی ایک بچی، ایک ملکہ کے مقابلہ میں کوئی تعداد اور فراغت نہیں، اس بارہ و شام میں کی چٹا کبود و قرمز جیسی صاف شکاری اللہ بے غش نہ زندگی جس میں عزیمت کی خاصگی کی محسوس ہوتی ہے۔

دوسرے شخص کے بہاں کا ایک مخصوص محدود نقطہ نگاہ رکھنے والوں کو یہ امت اس دنیا میں نظر آئے گی، اللہ تعالیٰ وہی اوکس کے کراس شخص نے تو اپنی تصویر میں یہ کہ تھا کرتا تو "وہ" سے صریح اللہ دیندار لوگوں کی دوستی اور مہمانت ہو رہی نہیں سکتی مگر اس "انتخاب" میں اس شخص نے نامستور اسرار احمد سے وقت حاصل کرنے کے لئے دلائل تاثر کیا اس کے بیانات و خبریں شائع ہوتے اور نہ تو بھی ایک کام کی شہرت دلائل میں پیدا کرتی ہے اور خاصگی کی کیفیت خدائی ہو جاتی ہے۔ جسے انتخابات کی ہم کے بعد اس شخص کا پسلا سادی رنگ نہیں رہا، "عیشیت و زانیت" کی جگہ سیاست اور محنت نے لی ہے، یہ شخص "مردم و صلوٰۃ" کا اب تک بیشک پابند ہے، مگر ان فرائض کی انا کی پس "قانونی" اللہ تعالیٰ ہی رہ گئی ہے، !

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنی کتاب میں جماعت اسلامی پر نقد، خشیت و لذت کی کمی، "نوساز" اس کے خاتمہ سیریت و کردار کے لحاظ کے جو الزامات لگائے ہیں، ان سب کے جوابات اس میں لیں ہو چکے ہیں، ہم نے ابھی ابھی آپس کی ہے !

مولانا محمد رفیع کی تصویر میں "نوساز" نے لکھی "اس کی مسلمان" دینوں کی جو اصطلاحیں پائی جاتی ہیں، ان کے ڈاکٹر صاحب نے بیٹھ لفظ معنی لئے ہیں، حالانکہ بعض الفاظ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے خالص "لغوی" معنی نہیں بلکہ سن و فوج کے "فہم" کی شدت مراد ہوتی ہے، "نوساز" کہیم کی اس نیت —

دلوں کا حال تو اشد ہی بہتر جانتا ہے، وہ شخص نماز پڑھ رہے ہیں، انظار ہی انسان کو سنت کے مطابق ادا کر رہے ہیں۔ اس کا بعد گناہ اس ستم کا حکم لگا، بہت دشنام ہے کہ کس کی نماز میں اس شخص کی گنتی کی پائی باقی ہے؟ اس طرح ہوا احتساب دینی نقطہ نظر سے پسند نہیں ہے، اہل اس شخص کو غیر مخلص اور منافق کہا جائے گا، جو ایک طرف نماز پڑھتا ہے اور دوسری طرف منکر و فتنہ برپا کرتا ہے۔

جماعت اسلامی والوں نے بطور بھی لگا لے ہیں، پریس کانفرنسیں بھی کی ہیں اور انتخابات بھی لڑے ہیں۔ مگر ان تمام مصروفیات میں وہ نماز سے غافل نہیں ہے، ڈاکٹر صاحب یہ نہیں کہہ سکتے کہ مسئلہ کے بعد جماعت اسلامی خط خطا سنتے کسی دین کی منکر ہو گئی ہے یا جماعت کے ارکان نماز سے بے پرواہ ہو گئے یا روئے ڈر رکھنے کے لئے رخصتیں ڈھونڈتے ہیں۔ اور ان کے اندر حصول و عوام کی تیز فہمی ایسی کوئی گونا گویا اور غفلت اور کان جماعت میں نہیں پائی جاتی، اگر ہوتی تو ڈاکٹر صاحب اپنی اس کتاب میں اس کی نشاندہی لازماً فرماتے اور اس کا ذکر ضرور کرتے، جماعت اسلامی کے ارکان اور علما و دینداروں اور مذہبی لوگوں کی دینی زندگی قریب قریب ایسی جیسی ہے، اس زندگی پر مبنی بات ان کے یہاں نیا وہ ہے کہ وہ اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لئے سیاست و حکومت کے مسائل سے بھی سروکار رکھتے ہیں، ادبیہ اصطلاح سے نہیں ہیں، جن پر منکر کا حکم لگایا جائے، بادشاہوں، مطلق العنان حاکموں اور سلطان بن جاہ و دولت نے سیاست و حکومت کے معاملات کو بہت کچھ گڑباز اور بے نام کر دیا ہے، مگر ان مقام دین کے لئے ان شعبوں سے بہت کچھ کام لیا جاسکتا ہے اور عدو اللہ کے خلاف حکومت کے بغیر جادو ہی نہیں کئے، اگر حکومت کوئی بڑی یا لالچنی بات یا دینی ترقی کی راہ میں رکاوٹ کا سبب بنی ہو، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اس سے احتساب فرماتے، حالانکہ یہ بات چھٹی ہوئی و صوبہ سے بھی نیا وہ روشن اور واضح ہے کہ حضور نے اسلامی ریاست کی بنیادیں اس مقدس کام کو نہیں لگے، پھر کیا یا اہل خلافت راشدہ کا پہلا دور اس کا خمیہ زدہ تھا ہے؟ دین کو پھر اس زمانہ میں عروج کبھی نصیب نہیں ہوا اس کا سبب غلامی و صداقت اور اہمیت کے علاوہ حکومت کے فلسفہ زندگی کے ان شعبوں پر قبضہ و اختیار ہے، جن سے صرف قائم ہوتا ہے اور مشکلات پر پابندی لگائی جاتی ہیں۔

جماعت اسلامی نے ملک میں دینی اقتدار کے لئے ہر امکان کی جدوجہد کی ہے! اسمبلیوں کا انتخاب، کس قدر گنتی سیاست ہے، مگر جماعت نے اس کی تعبیر کی، اس نے دنیا کو دکھا دیا کہ دل میں خوف خدا اور نیت نیک ہو، تو پھر انتخابات کا کیا کڑوا بنا جاسکتا ہے، جماعت کو اگر صحیح اصطلاح میں ہے کہ جماعت کے کسی کارکن یا مستحق نے انتخابات میں کوئی بے عزت نامی کی ہے تو اس پر پست سزا دی، احتساب کیا ہے، گواہی کے انتخابات میں یہاں کے عوام نے اس حقیقت کا مشاہدہ کیا ہے کہ جماعت نے اپنے امیدوار کی شکست گوارا کر لی ہے، مگر لوگس و وٹوں کی پیشکش کو شک کر دیا، یہ احتیاط اور اخلاقی پابندیاں، کیا خوف خدا اور حقیقت پرستی سے نالی ہیں۔

مزدہروں یا طلباء و عوام ہوں یا خواص جو بھی جماعت کے لڑکچہ اور اس کے ارکان سے متاثر ہے اس کی سنگ میں دینی انقلاب پیدا ہوا ہے، ہم نے ہی کہنے اور ایمان کے لئے جو ان طلباء و عوام کو جو جماعت سے متاثر ہیں، رمضان کے مہینے میں احتکاف کرتے دیکھا ہے، جماعت کا لڑکچہ کہہ سادی میں اپنی مثال آپ ہے، اکتے، ٹکڑے، کیرلٹ، مغرب زدہ، مذہبی اور فتنہ و بدعت کے ماسے ہوتے تھے، جن کو جماعت اسلامی کی کتابیں پڑھ کر توبہ کی تلقین نصیب ہوئی اور ان کی تاریک زندگیوں میں ایمان و اخلاق سے روشنی ہو گئی۔

جماعت کے شعبہ خدمت خلق نے لاکھوں مریضوں اور بیماروں اور مسکینوں کی خدمت کی ہے! جماعت اسلامی کے جسر میں جیہ سب سے اندویش اٹھائی پائی جاتی ہے وہ مغرب زدوں کی اس طنز کا بھر پور جواب ہے کہ دیندار لوگ بے سلیقہ ہوتے ہیں۔ سادہ کی تعلیم کو نہیں جہد کئے!

جماعت اسلامی کے ارکان کی قربانی اور شہادت و شہادت پاکستان کے جیل خانوں میں گئے، ان خیر خواہوں نے معاشرہ کی مشکلات

کا مقابلہ میں ممبر قریب کے ساتھ کیا ہے وہ کسی تہہ بہمان افروزا اور مجاہد کے لئے ہے اس لئے میں جماعت اسلامی کا جو سالانہ اجلاس ہمارے بن برائے اس میں ترقی و ترقی زنی اور ملت کے لئے جو صدقہ و فلاحات پیش آئے تھے، اس وقت جماعت نے جس اعلیٰ کردار کا مظاہرہ کیا تھا، اس نے پاکستان کی تاریخ میں ندین احسان کا اعتراف کیا ہے اور دنیا کے سامنے ایک ایسی مثال قائم کی ہے جو ہر جہت سے غیر معمولی اور عظیم ہے۔

دستبرداری ہو، عائلی قوانین ہوں، فیملی پلاننگ ہوں، فتنہ انگیزانہ حدیث ہو، کیونکر ہم، مغرب زندگی، وطن پرستی اور شرک و بدعات ہوں، غرض ہر چیز پر جماعت اسلامی کے اکابر با علم و ادب اور با یتیم نبوت آنا نظر آتے ہیں۔
دین کے خلاف جب بھی پکڑائی میں کوئی فتنہ اٹھتا ہے، جماعت اسلامی اس کے خلاف آواز اٹھانے میں، ملک کی تمام پارٹیز اور گروہوں کے آگے رہتی ہے۔ اور فعال تر نظر آتی ہے۔ اس کے موقف پر یہ خور صادق آتا ہے۔

آگے تھے جلیوں کی زویریں سب اہل چین

میں نے اپنے آسمانے کو معیار کیا

جہت ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو مولانا مروتوی کی تحسیر میں لفظی تضاد نظر آیا مگر جماعت اسلامی کی اتنی نمایاں خوبیاں اور دشمن اچھا پائی دکھائی نہ دیں، جب کسی فرد اور جماعت سے کسی کو کد ہو جاتی ہے، تو پھر دل و نگاہ عیب جوڑا اور عیب میں ہر جاتے ہیں۔
محاسن اور خوبیاں سے صرف نظر کیا اور کمزوریوں کی تلاش و جستجو۔

شاہد ایک جماعت اسلامی کا متحدہ ہندوستان میں جو دینی بدل رہا ہے، ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اس کے بہت باخبر ہیں، انہیں شکایت پاکستان کی جماعت اسلامی سے ہے کہ وہ اپنی بنیادی پالیسی سے ہٹ گئی ہے! حالانکہ جماعت اسلامی جس مقصد کے لئے وجود میں آئی تھی، وہی مقصد اب بھی جماعت کے فکر و عمل کا محور ہے، ڈاکٹر صاحب کو خدا کا واسطہ دے کر ہم عرض کرتے ہیں، وہ بتائیں۔ کہ جماعت اسلامی نے تقسیم ہند کے بعد آخری کس دینی قیادت کو دیا ہے اور کس منکر میں مبتلا ہو گئی ہے، ہمارا یقین ہے کہ وہ کسی ایسی بڑائی، غلط کاری اور بے عزت کاری کی نشاندہی نہیں کر سکتے! اب رہا "انتخابات" اور دوسرے سیاسی مسائل سے جماعت کا عملی تعلق تو اس کی حیثیت اس مقصد کی نہیں، تہہ بہ تہہ فیصلہ کی ہے، جماعت نے یہ فلاحی و استعریہ اقامت دین ہی کے کیلئے اختیار کی ہیں، اس سے تہہ بہ تہہ انما ذلک کی غلطی ہو سکتی ہے، مگر اس سے کوئی ایسی غلطی سمجھ نہیں ہوتی، جس نے جانور سے میں گرا ہی پھیری ہو یا اس کے سبب ذہن دھوکے سے دینی اصلاحات کے مقصد سے پرچم ہٹ گئے ہوں۔ صنادیق انتخاب کے سلسلہ میں جماعت نے "اہل البیہین" کے اصول کے تحت "محنت" کی حمایت کی تھی، اور دو لوگ الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ ناگزیر حالات کے تحت اس سلسلہ میں صرف لوگ لڑا کر لیا گیا ہے، اسلامی حکومت کا سربراہ مروجہ کو ہونا چاہئے!

پاکستان کے ممبروں، قریبوں اور بستریوں میں اس حیثیت کا واضح طور پر شاہد کہ ہمارا کہ ہے کہ جو لوگ جماعت سے متاثر ہیں وہ دینی شعرا اور اسلامی کردار کے حامل ہیں۔ جماعت سے قریب و نزدیک، آدمی کو دین سے قریب کرتی ہے، صنعت و ادب اور عمل کے اس رویہ میں جماعت اسلامی حیثیت میں دین و اخلاق کا روشن منہ دہ ہے، جو لوگ اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ کثیر بخشی "کمی طرح" اندھیرا ثابت ہو جائے وہ دین و اخلاق کی طرف مفید خدمت انجام نہیں دے سکتے ہیں!

مولانا مروتوی کا بڑے سے بڑا مخالف بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ دین و اخلاق کی کس قدر میں مولانا مروتوی کا اسلوب نگارش اور سنجیدہ استدلال انتہائی دلکش اور سفلیت دہ کا سا خشک اور عطر حاضر کے دل و دماغ کو طبع کرنا چاہیے۔

— مگر دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے کہ جس عظیم مفکر انسان پرمانہ کی تحریروں سے تبلیغ دین میں بہت مفید کام لیا جاسکتا تھا، اس کو جن کر فکسز امانت اندازہ CRSD - 195 کیا جا رہا ہے جیسے مولانا مودودی کے ساطعین اس بات پر ان حضرات نے ایسا کر لیا ہر کو اپنے رب کی اطاعت اور اس کے رسول میں مودودی صاحب کی تفسیر کا کوئی اقتباس نہ آنے دیں گے، مولانا علی ہسینا کے "البعث الاسلامی" سے لے کر ان کے "النبی" اور اسلام کے ميثاق "حکم میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیروں سے یہی سوچ کیا جا رہا ہے۔۔۔۔۔۔ جب اپنے دہرے کے دنیا کو میں "غریب" کی یہ صورت پیدا ہو جاتے، تو ہنگاموں پر ہندو ڈاکٹر امروا احمد بھی اس گمراہ سے قطع رکھتے ہیں، اس گمراہ میں جیسا کہ حضرات بھی ہیں جن کے دل کی سب سے بڑی تکلیف جماعت اور مولانا مودودی کی کتابوں میں شکار ہو رہی ہے اور جماعت کی مخالفت کو جنہوں نے اپنا مشن بنا لیا ہے، جماعت کی ترقی کی خبر سے جن کو تکلیف اور جماعت کی پریشانی اور حقیت کی اطلاع سے جن کو خوشی ہوتی ہے۔

جماعت اس کی کارٹر کسپر پڑھ کر جو لوگوں دین سے قریب ہو سکتے ہیں ڈاکٹر امروا احمد کی یہ کتاب ان کو کیا کب بے تدبیر ہیں مبتلا کر دے اور جو دین سے قریب ہو سکتے تھے وہ دین کی طرف آنے سے ترک جائیں۔۔۔۔۔۔ یہ کارنامہ یہ کتاب انجام دے گی، جماعت اسلامی اور مولانا مودودی پر تصور ایوان کے علاوہ بعض دینی حقوق سے جو بے بنیاد الزام تراشی کئے ہیں اور جس میں عمران سے بدنام کرنے کی کوشش کی گئی ہے اسے جماعت اور مودودی صاحب کو "مظلوم" بنا دیا ہے، ڈاکٹر امروا احمد صاحب کی یہ کتاب اس مظلومیت میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہی کر کے رہے گی۔

صبح الہام

۱۔ خیام المہر سید جمال الدین حیدر دہلوی - سرتب - آئندہ دہلوی، خدمات، صفحات ۸۸، قیمت چار روپے چار پیسے
 ۲۔ علاوہ تصور لٹاک (نئے کاہرہ) - مکتبہ حیدری - ۵ - ای ۱۶۲ ناظم آباد، گواچی
 حضرت حیدر دہلوی - ۱۹۵۵ء کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے، فقیر ہند سے پہلے ہی موصوف ہندوستان غیر شہرت رکھتے تھے، اور اپنی مفکرانہ اور حکمت سے بلرزدہ باعبروں کے سبب خیام المہر کے ساتھ حیدر دہلوی کی ذات شعرا و دیگر مشتعل اسٹیشن تھی، سیکڑوں لوگوں کی طرف سے ان سے استفادہ کیا، جن میں سندھ، ذیل علامہ خاں صاحب عرفہ ہیں۔
 نارتھ حیدری، حکیم شمس جان کیف دہلوی، حکیم حبیب اللہ دہلوی، انیس جھنجھاری، آئندہ دہلوی، شہاب دہلوی، گارڈری، آئندہ دہلوی، فضل دہلوی، آگر دہلوی، فرید جاوید، رشید انجرائی، مشیر نورانی۔۔۔۔۔۔
 یہی دانت ہے کہ مولانا سیات آگر دہلوی کی طرح حیدر دہلوی کی شعری توانیاں بہت کچھ دوسروں کے کام آئیں، انہی کی زندگی اساتذہ کے ساتھ اکثر و بیشتر یہی معاملہ پیش آتا ہے، مسخ کی کو بھی تنگی حاش کے سبب اس مرحلہ سے گزرتا ہے۔

حضرت حیدر دہلوی مشوروں کے شہسود تھے، ان کی شہرت سالوں میں جیسے ہوئے کلام سے ہوئی، یہ شہرت بہت باعبر ہوتی ہے، دینی میں سید سید بھی جیسے اکابر ان سے ٹٹکے لئے جایا کرتے تھے، مگر اس کی دل نون کے باوجود حیدر صاحب پر ان کی زندگی میں رہے سہی فرحت آئیں شاید کسی دوسری بھی میسر نہیں آتی۔۔۔۔۔۔ اپنے وطن میں ان کا ایک حال تھا، اس شعر سے ان کی پریشانی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بہت ہی تنگ، چون قید نفاست دہلی سے۔۔۔۔۔۔ خدایا وہ میں دیکھوں اب یہاں سے مجھے! ۱۹۳۹ء میں حیدر دہلوی حیدر آباد پہنچے، وہاں ایک ۱۰ کے قریب قیام کی مگر ان کی قسمت نے کچھ میں بھی یا کسی نہ کی۔ پاکستان بننے کے بعد شری پاکستان چلے گئے، وہاں کی سال رہنے کے بعد گواچی تشریف لائے۔ دہلی میں وہ ان کے پوتوں کا پورا اثر ساتھ تھا، یہاں کی زندگی پر ان کی ہی میں زندگی، اپنی زندگی کی داستان انہوں نے ایک شعر میں بیان کر دی ہے کہ ہم نے تمام عمر حوادث میں کی بسر، کہ کم ظرف تھے جو دامن ساحل میں آ گئے۔
 حیدر دہلوی کے کام میں بڑی زندگی، انسانی اور خدا دانی باقی جاتی ہے، کس اعتماد کے ساتھ فرماتے ہیں۔

ابھی ماحولِ عرفانِ بہتر میں بہت ہے حیدر
یگانہ پر بلند آواز پہچانی نہیں جاتی

یہ واقعہ ہے کہ اُن کی شاعری کی آواز بلند اور بہت بلند ہے، شعر گوئی میں اُن کا اپنا خاص رنگ ہے، جس میں انفرادیت بگڑ بگڑ جھلکتی ہے !
حیدر نے ہمیشہ بلند نغمہ پر مشق پر مادی ہے، اُن کے کلام کا مجموعہ اُن کے شاعرِ جوانِ اَلّی و ہلّی نے قریب دسے کر شائع کیا ہے، جس پر
ڈاکٹر اسم فرخی نے ویباچر لکھا ہے !

منتخب اشعار —

تہا رہی گرمیِ محفل کے رنگ نے اڑ کر
وہ ڈھال کر خراب خدا مسکرا دے
یہ سبز غم ہے اس کو بڑا طسرف چاہتے
جس قدر دود کی صورت میں سزاؤ کم ہے
تہا رہی ماہ میں مٹ تو رہے ہیں
اندازہ بہادر بھی وحشت میں چلتے
چا تجھے مڑوہ وصال دیا
الندرسے یاد ایک سما یا جمال کی
چن میں تو بہت جہ تک کوئی غنچہ نہیں ملتا
اس قدر لطف ہم رنگ کہ نیت نہ بھرے
آشیاں اس شب تاریک میں ملنا مشکل
کبھی بچ کر یوں گے پھر چار تنکے
عقیدہ اب تذکرہ شاید دل کچھ بھی نہیں
نہ ازل و نہ کب نہ تابِ نظر نہ مسدود نہ
یہ وقتِ شام، یہ پیمانہ شرابِ طلوع
خلافتِ وقت یہ تشرفِ آوری کیسی
اکت کن سے دیا ترتیب اجرائے پر لٹن کو
یہی جہتا ہے اشکِ نول لگا کرتے ہیں آنکھوں سے
کہیں ہے دامن کہیں باخیاں کہیں حصار
میرے اسلوبِ بیان کوئی الجھن میں نہیں

کہیں پناہ نہ پائی تو آفتاب بنا
نواہ بھی نکھار دیا رنگِ جہام کا
لاکھوں میں کوئی دلِ نظر آئے گا کام کا
واقعہ ہے ادبی کی کہ ترا نام لیا
غربتِ زندگی میں اندھم کیا
کتے ہیں چاک میرے گریباں میں دیکھنا
تائے کیا بات کہہ کے ٹال دیا
صورت بھی اسی بھولی گیا ہوں میں نام کیا
تیری موجودگی میں کسی کو دھولی لب کٹی کا
ایک سی جلوہ اگر کبھیے سو بار طلب
ہاں! اگر برقِ چمک جلتے گھستال کے قریب
اگر ہم سلامت نشین سلامت
کی فرشتوں کے فرائض بھی ہاں لڑی پر
یہی ہے بندہ نوازی تو واہ بندہ نواز
اک آفتابِ غریب، ایک آفتابِ طلوع
طلوعِ صبح سے پہلے ہی آفتابِ طلوع
اک ہوتے ہوئی آخر تکینِ بشرِ پریم
شبِ غم اند کیا تارے خاک کے تہہ ملے نہیں
فصل کی طرح عقیدہ ہولِ آشیانے میں
بھولی ہی بھولی ہیں کاٹے مردوں میں نہیں

منہ اس شعر نے ناری کا ایک شعر یاد دلایا۔

در حیرتِ تم کہ صبح دید آفتابِ نیت

یادم بہ خاندانِ وحام شرابِ نیت

کوئی دیکھے تو یہ سمجھ میں نہیں
ایک ناموس محبت کا اگر پاس نہ ہو
مبادا ہم سے کوئی لغو فیستانہ ہو جائے
کیفیت دل وہ ہے جو دیکھی یہ شنی مٹی
پس کب متعلق عزم پر داز ہے

نظر پھر بھی آسودہ شک رہی ہے
اُٹا ہوں میں جہاں تک طاقت پہنچے
آس کا کیا انجام ہو گا جس کا یہ آغاز ہے
نلکے گردن میں بھی چین میں میرے مقدس
سوطر سے یاد ہے اک تیری انگڑائی مجھے
پھر د اس طرف کے پیہر کبھی انساں ہلے گئے
وہ سٹی رنگیں مرے سامنے آئی ہے
جب دیکھے ہنڈول پہ منہسی آئی ہوئی ہے
بہار کر حسی جاتی ہے دیوانی نہیں جاتی
کہیں دن گزارا، کہیں مات کاٹی
شب جبر کاٹی کہ برسات کاٹی

”فیروز شاہ“ جس نظم کا عنوان ہے اس کا یہ آخری شعر کس قصداً تراویا ہے۔

شیراز اپنی نصیحت کے خلاف

مجھ پر حسین دستاویز بھی معاف

اب کے اس ڈھنگ سے ترتیب نے ہیں تنکے
لاکھ اسباب کو کھینچنے کے اصول
حرم کے طرف پراس دھجوت بھی نہیں ابھی
کچھ اور ہی آثار نظر آتے ہیں اب کے
بہت روز گلشنِ نفسی رہی

ہزار آن کے جسوں سے چٹکے رہی ہے
پھر بھی چٹکا رہا نہیں غوثِ سیری سے مجھے
مٹے ہی نظریں لوں پر کچھ کے دم آنے لگا
میں واما نہ توش ورت کے بھی اب نہیں قابل
مروج ہے، وخراب کعبہ، ماوفا، قوسِ قزح
نظم کو ہم یہ ہی ایک ایک بلا سے شب بھر
تو کیا جیسے کہتی ہے ہسارِ گل و لالہ
وہ سخن شگفتہ ہے بہ ہر حال شگفتہ
چون دالال سے مجھ کو انشیں کی بددعا بھی
یہ کیا زندگی ہے کہ تیری طلب میں
نقد میں کیسے تھے، آنکھوں میں آنسو

نامام غزلوں کے منتخب اشعار ۱۔

کچھ دیر تصور بھی اسے چٹم پڑا اب ان کا
چاند گزیر تو ہے کچھ تو بتا کیا دیکھ
سٹک عرض و کرسی کی طمانی تمام پیتے ہیں
یہی اک لفظ ہے عنوان بھی، افسانہ بھی
زندگی ہے تو آسنا بھی ہے
پس ادھر آئے ادھر گزرتے
اب عشق و وف کا کوئی مغر نہیں ہے

بہ اشک بدامانی ہر وقت نہیں ابھی
نہیں پڑا تھا، نظر سوتے نلکے ہر بہ لب
جو مرقی میں گزشتہ تھے اسام لیتے ہیں
لوحِ نظرت پہ کج چہرے، دیوانہ بھی
مجھ سے بالوں کس طرح ہو جائی
چلتے بادل تھے، دن جو ڈلے
پہلے ہی وہ لفظ تھے دنیا کی حکایت

دوسرا درجہ ۱۔

طرحِ خانوش رہی اندر نرم نشاط

”خاک میں پر لاند ملا۔“ یہ ننگرا اس شعر میں کہتا ہے، ”پر لاند خاک ہو گیا۔“ یہاں اس مفہوم کی ترجمانی کا عمل تھا۔

میں نے وہ غیبت نہ شہید کیا ہوتا
میں نے شہید کے لئے شعر میں ابھار دیا، شہید کے لئے "ی" نہ دیتی تو شعر میں
میں نے شہید کے لئے شعر میں ابھار دیا، شہید کے لئے "ی" نہ دیتی تو شعر میں

ممكن ہے یہ کتاب کی قطعی ہر کمرہ حشر کی بجائے حشر صحیح گیا ۱

مفہوم واضح نہیں ہوا، اس قسم کی "اشادیت" سے طبیعت میں گھٹن کا پیدا ہوتی ہے،

ترے منہ سے احوالِ حیدر کی تکذیب وہ سوچتا ہے اُس کی تحریرِ فرما
 شکر کے اصل مفہوم ہی میں دل تو کوئی لطف نہیں ہے، پھر یہ کہ محبوبِ احوالِ عاشق کی تکذیب کرتا ہے، عجیب اندازِ بیان ہے، اس کے علاوہ
 غرض کے اعتبار سے یہ تکذیب بھی استعمالِ حوا ہے، مگر صورت و فہمگی !!

مجھے بھی دیکھنا ہے میری ناکامی کا کیا نکتہ ہے
ایسے سخی شعرا اتنا بے پناہٹ دینے چاہتے !

گوشہ اٹک کے پھرے سے تم نے نقاب کا دامن جلا دیا، نگہ انتخاب کا ۷ ص ۱۱۱

ہم اشتیاق دید میں بہرتے ہیں
 حق چین کردے گئے آنکھوں سے خواب کا
 بہت سے آغویاں کس کیفیت ادا سوال کی ترجمانی مقصود ہے
 ادا شاعرے لطف ہے !

نکل آئی وصال کی مصیبت
جس غزل کا مطلع ہے پناہ پر — فرماتے ہیں ا۔

بہا نچے مژدہ وصال دیا

ہائے اکیہات کہ کے ٹالی دیا

اُس میں اتنا کمزور نہ شمع پدا جائے :۔۔۔ بددعویٰ الجہد نیک فال دیا — فرشتوں کا انداز بیان ہے ۔

بہت قلیل سی سرگرمیاں غلامی
مرکبات کا اک جوش تھا شباب نہ تھا (ص ۶۶)

منظر عام سے جب وہ کسی صفت نہ پٹے چارونا چارنا نہیں حسن پہ منسرد کیا
اس شعر میں "اہام" کے سما کیا دکھا ہے

شب میں بچ ننگ اس طرح گھٹاں میں رہا آنکھ غنچوں پہ رہی، ہاتھ گریباں میں رہا (ص ۵۵)
شب کی جگہ شام لاتے تو شعر دیا وہ صحت ہو جاتا، پھر اس شعر میں وصفت کی جس کیفیت کا اظہار کیا گیا ہے، وہ "فطری" سے زیادہ "معنوی"
معلوم ہوتا ہے۔

بیکان ستم سے برج تراک و مقابل ٹوٹ گیا دل کوٹنے ہی کے قابل تھا اچھا ہی ہر اداں ٹوٹ گیا (ص ۵۶)
"تراک و مقابل ٹوٹ گیا" پر کلز بہت کڑو ہے! پھر کیا کرتی صدمہ کہ دل "محبوب کا در مقابل ہوتا ہے، ایسے روتوں پر آئینہ دل" لاتے
تو بات بنتی ۱

مرہ دے جائے شاید ناشناسانِ محبت کو کوئی چلتا ہوا فقرہ بھی اٹانے میں رکھ دینا (ص ۶۲)
یعنی ایل آدھ چپنے ہوئے فقرے کے علاوہ باقی افسانہ کو "سپاٹ" اور "بے مرہ" ہی رہے دینا —!! جناب سیاب اکبر آبادی کی شہرہ
غزل پر تنقید دہری نے یہ غزل کہی ہے۔ سیاب فرماتے ہیں:—
وہ جس سے سمجھ جائیں رُوداد مرے غم کی
ایسا بھی کوئی کلکڑا افسانے میں رکھ دینا

یہ قرینہ اور لطف کی بات ہوتی!

اک شعر مشتعل ہو سب کو ہر طرف تھا وہ تو نہیں تھا، تیرا نزولِ خسرو تھا (ص ۶۴)
"خسرو شانی و جہان کے لئے تکلیف دہ!"

دیکھ چکا، سمجھ چکا دونوں میں بد معاملہ تیری ادا ادا فریب میری نظر نظر حجاب (ص ۶۹)
"بد معاملہ" تو تجارت اور لین دین کی اصطلاح ہے، یا اس صفت میں اس کا استعمال بے حس ہونا کہ محبوب کے وعدے و وعید اور عاشق کے بھید
دن کا نکل آتا —

حلقہ جوش اُس آنکھ کے مومن بھی گبر بھی دستِ مرہ میں قسمت دینا دیں ہے آج (ص ۸۱)
"دستِ مرہ" کی ترکیب بھی نہیں لگتی۔ "پھر جب" مومن و گبر لائے تھے تو "کفر و دیں" کہنا تھا۔
نہیں بھر بھی لکٹ جھس میں مٹ گیا اللہ دھر کے پاک ہو گئی چشم پر آب آہ
مصرعہ اولیٰ!؟ و جہان نسلا کے رہ گیا۔

تمہاری انگڑائی کا یہ عالم فاقم اپنی نظر سے دیکھو

چمن میں سورج شمیم صدمتے تو چمن پر کھٹن تعذیب (ص ۹۱)
"انگڑائی" کے مقابل میں "سورج شمیم" کی بجائے "شاخ گل" لانا تھا، اللہ۔ "کھٹن" کی جگہ "توس قزح"۔ "انگڑائی" کی صفت "خوشتر"
اصولاً نہیں بلکہ سستی کے علاوہ وہ ہنیت ہو سکتی ہے جو توس قزح امتداد گل کی جگہ میں پائی جاتی ہے۔ "شبیبہ" میں "دور شہر" کی
نسبت ضروری ہے:

صدمات سے دل، لال، نالوں سے اثر برہم کچھ عشق اور ہر ہم، کچھ عشق اور ہر ہم (ص ۱۱۰)

”صدعہ کی جگہ ”صدعات“ درست ہے مگر یہ بول چال کی زبان نہیں ہے اور شعر میں بھی اس طرح ”صدعات“ بھلا ہیں گنتا۔
 ”صدعہ سے ہے دل نالاں“

جو لکھا تھا —

قیامت بن گئیں انگڑائیاں عہدِ جوانی کی
 تیرہویں صدی و عالم کے دلوں پر پھیلے جاتے ہیں (ص ۱۱۹)
 مصرعہ ثانی جیسے شاعر کو کسی طرح زیب نہیں دیتا۔

وہ اس ادا سے تباہی پہ دل کی خوش میں چُوب
 کہ جسے دل کوئی پہلو میں اور رکھتا ہوں (ص ۱۲۱)
 شعر میں ابنِ اشدہان کی کوئی غلطی نہیں، مگر مضمون ادا پروردہ جسے ”لطفِ شاعری“ کہتے ہیں.....؟

موقع بھی گلِ لورس بھی بھلا ربخِ وراحت کا
 کہ شب کو آنکھ کھولے، صبح کو افسانہ بوجھائے (ص ۱۲۸)
 ”بھلا ربخِ وراحت“ یہ الفاظ وجدان کو کھٹکتے ہیں، اول تو ”بھلا“ اس شعر میں نہیں آنا چاہئے پھر ”ربخِ وراحت“ کی بجائے ”موتِ درایت“ یا
 ”نادرہقا“ ادا ”ہستی رستی“ جیسے الفاظ لانے چاہئے تھے!

کوئی شفق کوئی تو سس قمرِ سجھتا ہے
 تری طرف سے جو موج صبا نکلتی ہے (ص ۱۶۱)
 شفقِ اندوس قسدر یعنی رنگ و نور سے ”موج صبا“ کو کیا نسبت، خوشنود اور اندازِ خرام کا ذکر کرنا تھا۔

احساس انہیں آئندہ ملاقات کا کیا ہے
 یہ بات لوگٹ جائے گی اس بات کا کیا ہے (ص ۱۶۵)
 ”اس س“ کے استعمال سے اس شعر میں آخرا کی فائدہ اٹھایا گیا ہے: اور کس مضمون کی ترجمانی کی گئی ہے۔

کیوں نہ گریں غم سے ڈھل رہے ہو
 غلطیہ ابھی گیسوئے شب تا بہ کر ہے (ص ۱۶۸)
 شرابِ قعات ہی میں مدام طہ پر پی جاتی ہے اس صصت میں بات کے وقت زکس غم سے ڈھلنے میں آخرا کی قباحات ہے!

تو طہ کا بھسٹر کا ہوا شعلہ دمِ بشار
 لہرائی ہوئی برقِ تری ما بگڑ رہے (ص ۱۶۸)
 ”تو طہ“ پڑھتے ہیں نہ ان ”تافر“ میں کتنی ہے! پھر محبوب کی رفتار کو شعلہ طہ سے تشبیہ دینا بھی تکلف سے خالی نہیں!

برق میں سے ہی ہے کروٹیں حقانیت
 ہر طرف بکھرا ہوا شبیہ لڑہ منسود ہے (ص ۱۷۲)
 ”شبیبہ لڑہ منسود“ کی ترکیب کتنی ناخوش ہے! شعر میں مجرئی طہ پر بھی دعائی اور پختگی کی خاصی کی محسوس ہوتی ہے۔

آپ کے نقشِ قدم پر ہاتھ پڑ کر رہ گیا
 اے دریا! دستِ دامن گیر میں بھی خاک ہے (ص ۱۸۱)
 ”دستِ دامن گیر“ سے اس شعر میں کس مضمون کو ادا کیا گیا ہے! کیا ”نقشِ قدم“ کے دامن بھی ہوتا ہے!! پھر محبوب کے نقشِ قدم کی ”خاک“ کا
 اس مصرعہ میں ذکر کرے الفاظ میں کیا گیا ہے! حالانکہ محبوب کے قدم یا نقشِ قدم کی خاک کا ل جانا بہت بڑی بات ہے۔

وہ ستم کیا، جو توجہ سے نہ بے سدا آئے
 وہ لظہ کیا جو غلط انداز ہو کر رہ گئی (ص ۲۰۷)
 ”بے سدا آئے“ سے نہ جانے کیا مراد ہے! اداس زبان کا اب کہاں چن ہے؟

حریفِ تسکین و مستقر ہوں، بلند یوں سے بلند تر ہوں

(ص ۲۱۲)

”حریفِ مستقر“ کی تہہ تاویل کی جا سکتی ہے کہ میلاد کی خاص ”مستقر“ یعنی تسکین اور مقامِ پوزان نہیں ہے مگر ”حریفِ تسکین“ کی ترکیب سمجھ
 میں نہیں آتی! پھر ”فردیتِ بال و پر“ کی جگہ ”فردیتِ پوزان“ لکھا تھا، یعنی میں اب اس بلندی پر پوزان نہیں کی پوزان کے لئے کسی مزید بلندی کی
 فردیت ہی باقی نہیں رہی!

دنیا انہی قدموں کی ہے ٹھکانی ہوئی سی (ص ۱۲۳)

عقیدہ یہ قدم اندھ اُنٹیں جانب دنیا
اسی "نیزہ" ہے انداس کا سبب مدلیت کی پابندی اندھ مجھ کی ہے۔

تو پھر ضابطے میں کوئی لے نہیں ہے (ص ۱۲۴)

لب نہ نرنا اگر نے نہیں ہے
یہ شعر کیا ہے، "پہیلی" ہے؟

کہ میل ہو گیا تھا جامہ ہستی آنا آئے (ص ۱۲۵)

پس صحرانوردی ہڈیوں کا ڈھیر ہی عقیدہ
اس شعر کو پڑھ کر دھندل دھشت محسوس کرتا ہے۔

نکبت گل احمد کی لائے طبع میں (ص ۱۲۶)

اشجارِ جسدہ ریزہ محمد کے حضور میں
طائروں کی نوا میں غرضہ کا ہونا عجیب و غریب مشاہدہ اور تجربہ ہے شاید یہ کہا جائے کہ نواز میں سانس بھی شامل ہوتا ہے، اور لہجے اتفاق بھی لکھتے ہیں۔ مگر یہ تاویل خاصی تکلف آمیز ہے۔

باطن پستیوں کی غضبیں پٹی ہوئی (ص ۱۲۷)

دنیا نے دول ہے دولت دیں سے اُٹی ہوئی
بارں کی طرح گھسکر کی ظلمت چھٹی ہوئی

آسودہ اند علم، بھالت، پٹی ہوئی (ص ۱۲۸)

تیسرا مصرعہ تو خاصہ ہے، باقی تینوں مصرعے کمزور ہیں، جن سے "ٹوکی" نظم گئی "کا کوئی" اچھا تعارف نہیں ہوتا۔ مصرعہ اولیٰ میں "لب" کی فعلی ہے۔ "اٹ" اگر دو غبار کے لئے بولتے ہیں۔ دولت کیساتھ "پٹی ہوئی" آنا چاہئے تھا، مصرعہ ثانی میں "فضائیں" صحیح ہے اس لئے "پٹی ہوئی" محض غلط ہے! تیسرا مصرعہ زرا بچکانہ ہے!

بحری دستِ مرثہ معروف نام چاہئے (ص ۱۲۹)

اس طرح انسانہ ہے تابی کا پیہم چاہیئے
"دستِ مرثہ" کا معروف نام ہونا۔۔۔ بس کوئی کہے بھی تو کیا ہے!

محوش پد ہو گیا انگشت احمد کا عتاب (ص ۱۳۰)

آج بھی ہے چہرہ شب تاب ہندیں نقاب
"انگشت احمد کے عتاب" سے شاید "معجزہ شق القمر" مراد ہو۔ مگر یہ پرایہ بیان کیا ہے!

غالب پر جو نظم ہے اس کا ایک شعر ہے۔

شاید معنی کے رخ سے صاف کی گردِ مٹاں (ص ۱۳۱)

تیرے اندازِ بیانی نے کھوئی رسمِ ابتداء
رسمِ ابتداء کو ختم کر دیا، یا اس کا استحصال کر دیا۔ اس طرح اظہار خیال کرنا تھا، "کھوئی رسمِ ابتداء" یہ کہاں کی زبان ہے! پھر دوسرے

مصرعہ میں "مدال" "نیا دہ" ہے، "گرد" کہہ کر بات پوری ہو جاتی ہے۔

دو نونہوں میں بہ یک نوبت قلم غالب ہے، تو

نثر میں بھی نظم میں بھی داد کا طالب ہے تو

یہ کیا شاعری ہے!!

مستجاب ملک و ملت تیری ہر تعریف ہے

میشی قیمت، بے بدل، مستثنیٰ تعریف ہے

یہ نظم ڈیڑھ لکھ کی درج میں ہے، "مقبول" ذہن میں نہ آسکا تو "مستجاب" باندھ دیا، مستجاب "دعا" کے ساتھ استعمال ہوتا ہے

"مستجاب الدعوات" مشہور معروف ترکیب ہے۔

تو مقہوری نہیں تھا تاثر و شاعر بھی تھا

مرتبہ عالیٰ زرا باطن بھی تھا، ظاہر بھی تھا

یہ نظم عقیدہ دہری مروجہ کی روشنی کے زمانہ کی کچی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔۔۔ دوسرا مصرعہ کس قدر کمزور ہے۔

یہ جو سرگرمی دنیا بھی ہے اس میں عرضی مدعا بھی ہے (ص ۲۰)

یعنی ————— ؟!!

جناب القادری اگر اپنے تہلہ نمسا سارے کے کلام میں انتخاب کی جرات کر سکتے، تو اس گلستان معانی و بیان میں جھانک جھانک باقی نہ رہتے۔ — موجودہ صورت میں بھی ”بیچ الہام“ شیعہ دشمن کی قابل قدر پیشکش ہے، جو صحت بھی ہے اور ہادقار بھی !

(ص ۲۶ کا لقیہ)

باز پرس نہیں کی جاتی۔ حالانکہ حکومت کی درجی کے خلاف ایک نکتہ لکھنے کا بھی وہ جرات نہیں کر سکتے، اگر یہ اخبارات طبع متوازن اور غیر ضیعت پسندانہ بیزارانوں کے حق میں حکومت کے ایما پر لکھے جاتے اور اسے کھڑے رکھ سکتے ہیں تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ قارئین کو آخر اس بیچ فیصلہ کے حق میں لکھنے کے لئے ان اخبارات کے صفحات میں کیوں گنجائش نہیں ملتی؟ اس کے خلاف طعن و تشنیع سے جو اچھا مسادہ کیے جانے لگے ہیں۔ ممکن ہے بعض لوگ اسے حکومت کی مدعا داری اور کمیٹی انتشاری سمجھیں۔ لیکن یہ بات کسی طرح بھی صحیح نہیں اگر حکومت یہ سب کچھ اپنی وسیع النظر فی کی وجہ سے گولہ کر رہی ہے تو پھر اسے اپنے سیاسی جو فیروں اور اپنے طرز عمل سے انصاف کرنے کے ساتھ بھی ایسی غیاضی اور بددعا کی کاشت دینا چاہئے۔ اس مادے کے مسئلے میں تو وہ اتنی مدعا داری ہے۔ مگر خود اپنے معاملہ میں اس کا حال یہ ہے کہ کوئی سمرلی سی تنقید بھی برداشت نہیں کر سکتی اور ان لوگوں کی آنادی سبب کرنے کی کوشش کرتی ہے جو اس کے قول یا نص پر گرفت کرنے کی جرات کرتے ہیں۔

(محمد الحمید صدیقی راجم اے)

عمدہ۔ ست۔ اللہ۔ ————— ہامیدار

ہمہ قسم کاسیٹری کا سامان

جی۔ آئی پائپ — سی آئی پائپ — آر۔ سی۔ سی پائپ — دیگرے فلنگ — — — — —
میں ڈیمبرس ملی وغیرہ کی — — — — — خریداری کے لئے — — — — — تشریف لائیں

سلمان برادر کاسیٹری اسٹور

۷۱ اکبر روڈ (روبرو ریکل سینما) صدر کراچی ۳

بادانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

منگھا پیر روڈ کراچی

کوڑا اور حوصلہ لٹھا

ہر قسم کا سوتی اور اونی کپڑا

لڑیم

ہر قسم کا دھاگا تیار ہوتا ہے

بادانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا

ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہے

پاکستان کی صنعت کی قدر اور حوصلہ افزائی

آپ کا قومی فریضہ ہے

آدم جی کاٹن ملز پریپرٹس میرپور تھیں



آدم جی کاٹن ملز لائنڈھی کراچی

فسادِ خون سے بچنے کے لئے صافی



اور قبض سے
نجات کے لئے اب اسٹریپ پیکنگ میں

صافی قبض کشا قرص

”صافی قبض کشا قرص“ مشہور خون صاف کرنے کی قدرتی دوا

صافی سے تیار کئے جاتے ہیں۔

صافی کے یہ قرص نہایت احتیاط و نرمی سے بغیر کسی قسم کا نقصان پہنچائے
قبض رفع کرتے ہیں۔ مزید براں ان میں تمام مصفی خون صفات بھی موجود ہیں

ہر کیسٹ، ڈرگسٹ اور جنرل اسٹور پر دستیاب ہیں۔

بہار دوا خانہ (دوقت) پاکستان

کراچی - لاہور - ڈھاکہ - پشاور



ستمبر ۱۹۶۶ء

جلد ۱- ۱۸

شمارہ ۴

فاران

ماہر القادری

ایڈیٹر

تقریب

۳	ماہر القادری	نقشِ اول
۲۲	محمد لیاذ ایم اے	تحریک جماعتی اسلامی کا ایک تحقیقی جائزہ
۳۸	مولانا محمد تقی عثمانی	دعا کیوں کی جانتے
۴۲	محمد خلیفہ اللہ بھلوی	حضرت ابراہیمؑ کی عالمگیری روحانوی
۵۹	ڈاکٹر انعام احسن	تضمین پرغزل ماہر القادری
۶۰	ماہنامہ "ثقافت" لاہور	سچی انتخاب
۶۱	ہماری نظریں

قیمت فی پرچہ ۱- ۶۲ پیسے

پبلشر : مسعود حسین

چند سالانہ - سات روپے

تمام اشاعت
وقتِ ماہنامہ فاران کیمیل اسٹریٹ گراچی

مسردین پبلشرز انٹرنیشنل پریس گریپس چھپا کر دفتر ماہنامہ فاران، نیپل سٹریٹ گراچی، لاہور شائع کی

[illegible]

۱۔ اس کے رفیق نبی کریم ﷺ کے حضور (چاند گرہن کا نشان ظاہر ہوا) اور یہ سب کچھ جاننا اور سب سے پہلے
 دیکھ کر ان کا ایک کیا تو انکا کسے لگا۔ (ابو جاحد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اجماعاً دیا لی)۔
 ۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت اس کے تمام احکام کی تکمیل ہوئی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے وقت
 میں اس کے سب سے پہلے کی اشاعت کی تکمیل ہوئی اور سب سے بعد کے وقت میں اس کے روحانی فوائد و اسرار
 کا فہم ہر کی تکمیل ہوئی۔ (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اجماعاً دیا لی)۔
 ۳۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے ہر خیر ہزار میں اجمالی صفات کے ساتھ ظہور فرمایا
 اور وہ زمانہ اس روحانیت کی تکمیل کا انتہا کا تھا، تاکہ اس کے کمالات کے معراج کے معراج کے لئے پہلے
 قدم تھا، پھر اس روحانیت کے سب سے بڑے کمالات میں اس وقت پہلے کی طرح تجلی فرمائی۔
 و خطبہ الہامیہ ص ۱۷۷ مصنفہ مرزا غلام احمد دیا لی

انبیاء و گریہ بودہ اندیجہ
 آنچه دادست ہر نبی با حجام
 کہ نیم زال ہمہ بدستے یقین
 من بفرغان نہ کہتم ز کہے
 با قافل ہمام با مرایہ تمام
 ہر کہ گوید دفعہ ہست لیں
 دوشین ص ۲۸۴ - ۲۸۸ از مرزا غلام احمد قادیانی

مرزا غلام احمد دہلوی نے دوسرے انبیاء کرام کی ابتدا پر متفق نہ ہونے کا اعلان کیا، البتہ نعت کا جس میں اسرونی بھی پایا جاتا ہے، اس نے فریاد کیا کہ عوام قسملہ دیل۔ قرآن کریم میں ہر کلمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازل ہوئی ہیں، ان کا مصداق مرزا کے قادیان نجات ہے نہ کہ علیہ السلام۔ اپنے ماننے والوں کو "میری امت" کہا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اپنی افضلیت کو نمایاں کیا۔ اسلام انبیاء کرام و جن میں حضرت خاتم النبیین بھی ہر حال شامل ہیں، پر اپنی نجات کو فضیلت دی۔

ماہنامہ الفرقان (جلد ۲) کا جو اقتباس ایسا دیا گیا ہے اس میں **اسمعیلی** کی اصطلاح بھی نظر آتی، افسوس کہ یہ وہ علم کلام ہے جس میں صرف صدی کی حیثیت اور محنت و زحمت پایا جاتا ہے، کیا کسی آسمانی صحیفہ اور حکمت و اخلاق کی کتاب میں ایسی کوئی اصطلاح ملتی ہے کہ ایک شخص کسی نبی کا امتیجی ہو اور ساتھ ہی خود بھی نبی ہو! ایک شخص کسی گھرانے کا غلام ہو اور ساتھ ہی اس گھرانے کا آقا بھی ہو، نماز کی حالت میں ایک شخص مقتدی بھی ہو اور امام بھی ہو، کیا کسی ملک کا بادشاہ، صدر، فرمانروا اور حاکم اعلیٰ اس کو گوارا کر سکتے کہ اس ملک کا کوئی زمین اور لکھا پڑھا چیرا ہی اس کا اعلان کرے کہ میں چیرا ہی حاکم یا چیرا ہی فرمانروا اور **paon king** ہے۔ یہاں خاندان بھی دیا جائے گا، یا جو اس کا صحیح مقام میں خاندان ہوگا! اسلامی حکومت اور مسلم معاشرے میں کفر کو گوارا کیا جاسکتا ہے، مگر جمہوریت کو گوارا نہیں کیا جاسکتا، خودی عرب میں کوئی اس قسم کی باتیں کرے تو دیکھو، وہ اپنا حشرای دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا!

مفہوم قرآنی کی تحریف قرآن کیم کے مفہوم میں پوری بے شرعی اور بے باکی کے ساتھ ————— کہ نہ خدا کا خوف اور نہ بندوں سے اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازل ہوتی ہے، اُن کا مصداق منہ لٹھنچائی ذات کو قرار دیا، یہاں تک کہ ”اتخذوا من مقام ابراہیم مصلى“ کی یہ تہویل و تفسیر کی ————— کہ (یہ آیت) اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ جب امت محمدیہ میں بہت فرقے ہو جائیں گے، تب آپ اُخراستہ میں سے ایک ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب فرقوں میں وہ نہایت پائے گا، جو اس ابراہیم کو پیروں گا۔ (ابوحنیفہ جلد ۲ صفحہ ۳۳۳) منہ لٹھنچا غلام احمد قادیانی (اپنے ہمیشہ کی اس سنت ————— تحریف مفہوم قرآن ————— کی قادیانی پردہ پوش عقیدت کے ساتھ طالب النسل بالنسل پیروی کر رہے ہیں، انا فرمادی کہ ماہنامہ ”الغمامہ“ جو قادیانیت کے دُرُز تہذیب سے نکلتا ہے ہمارے سامنے ہے اُس میں ”انا اعطینک“ ”الکون“ کی تفسیر اس طرح کی گئی ہے، —————

”یعنی اسے رسول اہم نے آپ کو فرو عطا کیا ہے، امام داعب اصغہانی اپنی کتاب ”المفردات فی غریب القرآن“ میں عناد کوثر کے اند معانی کے یہ بھی لکھے ہیں کہ

وقد یقال للرجل المستغنی الکون

یعنی کوثر سخی آدمی کو بھی کہا جاتا ہے

مرطوب لذت کی شہد کتاب اقرب المراد میں کوثر کے دوسرے معانی کے علاوہ یہ معنی بھی درج ہیں —————
 السيد الکثیر العیون یعنی البامداد جو غیر کثیر ولا ہم، اس صورت میں آیت قرآنی کے یہ معنی ہوں گے انا اعطینک وحدک کثیر العطا والحدید ہم تجھے ایک ایسا آدمی دیں گے جس میں عطا اور حیدر کثرت سے مل جائیگی،
 فان ایسا شخص جو آپ کو دیا جائے گا وہ آپ کا مددگار فرزند اور غلام ہوگا، کیونکہ جو شخص کسی کو بخش جاتا ہے وہ اس کا غلام بنتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد بھی ہے، قرآنی آیت میں ”ذ“ کی تفسیر تجھے کی جگہ احمد“ رکھ دیں اور کوثر کی جگہ غلام، تو آیت کے یہ معنی بن جائیں گے کہ ہم احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک غلام بنائیں

حضرت سیدنا علی علیہ السلام کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے وہ نبی بن کر دنیا میں آچکے ہیں اور جب دوبارہ تشریف لائیں گے تو خلیفہ محمدی کے ساتھ من فرما رہے ہوں گے، ان کا نام خاتم نبوت کے معنی میں نہیں ہے، مرزا غلام احمد کی خود ساختہ نبوت نہایت جھوٹ ہے جو ختم نبوت کے منہوس عقیدہ کی نفی کرتا ہے۔

غلام احمد کی موجودہ مسیحیت جو روئے امت میں باغ و آفاق و اختلاف پیدا کر دیا، اس کے سبب ایک ایسی جہاد گمانت وجود میں آگئی جو اپنے سوا تمام دوسرے مسلمانوں کو کفر سمجھتا ہے۔ امت مسلمہ اس جہاد کا کافر جانتی ہے۔

اب مرزا کا "دعوائے نبوت" قرآن بارے میں مرزا کا کیا عقیدہ ہے اسے پہلے پڑھ لیا جائے۔

"ان تمام احمدیوں میں میرا وہی عقیدہ ہے جو دیگر اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے۔۔۔۔۔ اب میں مفصلہ ذیل اس کا مسئلہ نوری کے ساتھ صاف صاف اقرار کرتا ہوں، اس خانہ خدا (سید محمد علی) میں کہیں جہاد قائم الایمان علی اللہ علیہ وسلم کی نعم نبوت کا قائل ہوں اللہ جو شخص نعم نبوت کا منکر ہو، اس کو بے دین اور منافق اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔" (مرزا غلام احمد کا تحریر کیا بیان مسند جو تبلیغ رسالت جلد دوم ص ۱۷)

اور

"... ظاہر ہے کہ اگرچہ ایک ہی دفعہ وحی کا نزول فرض کیا جائے اللہ صرف ایک ہی فقرہ حضرت مریمؑ میں اور چھب جو جادو یہ لہر لہی نعم نبوت کے معانی ہے۔" (انٹرنیشنل اسلامک سوسائٹی مرزا غلام احمد کا بیان) اس عقیدہ کے بعد مرزا کے قولی و کسلی کا تضاد ملاحظہ ہو۔

"میں کوئی نیا نبی نہیں ہوں، پہلے ہی کئی نبی گزرے ہیں، جنہیں تم لوگ سہی نبی مانتے ہو۔" (مرزا غلام احمد کا بیان مسند جہاد جلد دوم ص ۱۹) اور یہی مسند جہاد ص ۱۹ پر لکھا ہے۔ اس وجہ سے کہ بعد اپنے ہی قول کے مطابق مرزا غلام احمد نبوت کا دعویٰ کر کے، مانترہ اسلام سے خارج نہیں ہو گیا۔

اور

"جو تک میری تعلیم میں نام بھی ہے اللہ ہی بھی اور شریعت کے مفروضہ ای احکام کی تجدید ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے میری تعلیم کو اللہ اس وحی کو جو محمد پر ہوئی ہے، فلک یعنی کشتی کے نام سے موسوم کیا۔۔۔۔۔"

(حاشیہ اربعین م ص ۱۷ مسند مرزا غلام احمد کا بیان)

"انٹرنیشنل اسلام" سے مرزا کی تحریر کا جواب اس چند سطر پہلے دیا گیا ہے اس کی بنا پر مرزا کا یہ دعویٰ کہ محمد پر "وحی" آئی ہے، کیا "نعم نبوت" کے معانی میں ہے مرزا غلام احمد کی تحریروں میں جو چندین مقامات پر لکھا ہوا تھا وہاں ان کا یہ دعویٰ ہے کہ کسی مولیٰ شریعت آدمی کے لئے بھی باعث نیک اور بدوار ہے، چہ جائیکہ اسے کاتب اور مفسر کے ولایت، مجددیت یا نبوت مغرب کی جائے (استغفر اللہ)

مرزا غلام احمد ص ۱۷ پہلے اپنی ولایت اللہ تعالیٰ کی طرف اشارہ کرتے ہیں، پھر مجددیت، ہدایت، مسیحیت اور عہد کا اس کے بعد بروہی اور علی نبی ہونے کا اور فضیلت کی سطح پر اتنی بھی ہو جاتی ہے کہ وہ دوسرے نبیوں کی طرح دھندلے ہوئے تھے اور علی (ا) اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے ایسی نبوت کا اعلان جس میں امر و نہی بھی پائے جاتے ہیں اور وہی بھی! اس کے ہدایات کا یہ عالم ہے، کبھی کہتا ہے آسمان پر میرا نام محمد احمد ہے اور محمد کی نبوت آخر نبوت ہی کوئی۔۔۔۔۔ کبھی یہ کہیں اس امر کا اصرار کرتے ہیں، اب یہاں ہمیں اور کشتی بھی ہوں، یہاں تک کہ اس کے دعوں کے لئے "الہدیت سے جا کر مل جاتی ہے، شہود ہوا ہے اس کے دعوے کی بنیاد، نبوت نفس اور فساد باطن پر ہے، اس لئے اس کے جھوٹ، ہدیان، آوازہ، دھوکے، کذب و افتراء فضیلت میں دوسرے درجہ ترقی اور پھیلاؤ پیدا ہوتا جاتا ہے، اسے کچھ یاد نہیں رہتا کہ پہلے اس نے کیا کہا تھا۔" (ایک دوسرے قادیانی نے جن دھوکے دئے ہیں "میں یوسف" کا دعویٰ کیا تھا، یہ وہ کفر و فساد ہے جو بروہی، علی، مسیح اور اس قسم کی دھوکے، اصطلاحات کا سہارا لے کر اپنی نوروں چاہتی ہے۔

اصاب کیا کہ راجہ !

”سیح و قحط دلوں کے لئے ساتھ آئے خیر النہج کہ وہ تو ابن مریم پر ملے، اس خوف و خیریت کا اپنی ذات سے منسوب کرنے کے لئے مرزا یہ تاویل گھڑتا ہے !

”مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نکل گئی اور اس لئے کہ مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا اور اس کو پہننے کے بعد مجھ میں ہنسینے سے ناند نہیں، ہندو، اہام کے مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا اس لئے کہ میں ابن مریم ٹھہرا۔“

(گفتنی روح مردہ)

حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت یح و یس کے مینارہ سفید کے پاس نازل ہوئے، نزول یح کی اس علامت کی تائیل یہ بتا رہا ہے، وہ بڑھنے سے قنق رکھتا ہے۔

..... ”خارج ہو کر دمشق کے لفظ کی تعبیر میں میرے پر من جانب اللہ یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس جنگ ایک

تعبیر کا نام رکھا گیا ہے جس میں مجھے لگتے تھے ہوں پر بنیدہ الطبع اندر یہ پلید کے حالات اور خوات کے لیے

ہوں ”خدا تعالیٰ نے مجھ پر یہ ظہر فرمایا کہ تعبیر کا بیان مجھ سے اس کے اکثر نے یہی الطبع لوگ اس میں

سکونت رکھتے ہیں، دمشق سے ایک مناسبت اللہ ثابت رکھتے (حاشیہ افلاک اہام ص ۶۳ تا ۶۴)

یہ ہے خود سافہ بھرتی نبوت کا وہ ”علم کلام“ جس نے قرآن اور احادیث کا ”شہ“ کے لئے رکھ دیا ہے! بزرگ ”بسط الشیطان“ کا معنی ہے ابن ابن کا ست اس کا گناہ ہے اس قسم کی فتوہ دینے کو۔ ”و کا دہام“ بھڑک بھڑک کر حکم میں، ”دہ“ جس کی کہ اس نندہ بارہ بھی عقل و فہم ہے اور جو کئی حق و انصاف کی نندہ اسی مقدار بھی رکھتا ہے وہ اس قسم کی تاویل اور نکتہ آفرینی کو ”فریب شیطان“ ہی کہے گا :

”تائید میں مسلمان رہتے تھے، جنہوں نے مرزا کی خود سافہ نبوت کو تسلیم نہیں کیا، اس جرم میں مرزا نے ان کو ”بزرگ الطبع“ اور ”نہید پلید کا پیر“ کہا ہے بعض دوسری تقریروں میں بھی وہ تائید مرزا نے مسلمانوں کو کتا، کجری کی اولاد اور اس قسم کی شدید گالیوں سے یاد کیا ہے، اس کی بعض تحریروں میں انبیاء و کلام کی منقصد بھی کی گئی ہے، مرزا کی ان تقریروں سے ساتھ کہ مسلمانوں کی دل اندازی چلتی ہے۔ ہم اگر اس مزید دنگ اور سیرت و کردار کے آری کہتے ہیں الفاظ استعمال کرتے ہیں، جس کا وہ ستن ہے ”قوة دینی کی پیم، اضطراب پیدا ہو جاتا ہے! اگر قادیانیوں کو اس کی بھرتی ملی ہوئی ہے کہ وہ ایسی کتاویں اور تحریریں کو دھڑلے کے ساتھ چھپاتے ہیں، جن میں قرآن و حدیث کی معنی قرآن کی گئی ہے، جن سے انبیاء و کلام کی منقصد ہوتی ہے، جن میں مسلمانوں کو گالی دی گئی ہے! اور ہم بھرتے کہ جو ناکہ، ہم اندر ہی کا زب کے نام کے ساتھ ”صفت اور جہا“ کے الفاظ استعمال نہ کریں اور اس کے نام اندر کے ساتھ تعظیم و احترام کے الفاظ نہ لائیں تو ہماری تقریروں کو ”مخلط“ اور ”دل آزار“ مانا ”کہا جاتا ہے! ————— کیا سیرلہ کذاب کا ذکر اس طرح کیا جا سکتا ہے :—

”جناہ سیرلہ نے جہ نبوت کا دعویٰ فرمایا“

اور سرخس کے پاس سے میں اس انداز و روش کو کوئی مسلمان اختیار کر سکتا ہے۔

”حضرت اسوٰیؑ ایک ایسے عرب قبیہ سے تعلق رکھتے تھے“

ہم ڈنک کی پوٹ اعلیٰ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی ”دعویٰ نبوت“ (دعا میں سے مرزا فہم ص ۱۰۰) کے لئے ہمارے

لہیں نہ بارہ بھی عزت و احترام نہیں پایا جاتا بلکہ ان کی دشمنی اور نفرت سے ہمارا دل لبریز ہے، انسان کی عداوت و نفرت اور حقارت و بیزاری

ہم اپنے ایمان کا خاتمہ چاہتے ہیں! اور اپنے اس قول و عمل پر اللہ تعالیٰ سے اجر و جزا کی امید رکھتے ہیں!

ہیں اور بعض جہدویہ کی بڑھ چڑھ زیادہ کوئی حیثیت نہیں دیکھتیں، مگر اس صوفی کے مقابلہ میں دوسرا شخص اس قسم کی شکایات کے ساتھ اپنے نبیؐ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اُس کے نام کے ساتھ علیہ السلام اور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم لکھا جاتا ہے، وہ کہتا ہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے، جو میری نبوت الہیہ میں کو نہیں مانتا وہ کافر ہے، اس کے دوست ایسا بھی صحابہ کہے جاتے ہیں اور اس کے نبوت کے دعوے کی بنیاد پر ایک جماعت دھڑ رہیں آجاتی ہے، یہ مدعی نبوت اور اس کے اُمتی اسی صوفی کے اقبال کو سند و جنت میں پیش کرتے ہیں کہ یہ بات فلاں صوفی ہی تو فرمایا ہے میں اہل لکھ اولیٰ تو دین و شریعت میں صوفی کا قول و عمل جُت نہیں، پھر اُس صوفی کی شکایات کی اہل نظر اور کتاب و سنت کے جاننے والوں نے اسے اسبت کب کی تھی، پھر اُس صوفی نے کچھ عجیب غریب باتیں کہ دی تھیں، اُس نے نبوت کا دعویٰ تو نہیں کیا تھا، اُس کے ماننے والوں نے اس صوفی کو ماسدین، اندھ جان کر کوئی امت تو نہیں بنائی تھی۔

تصوف کی طرح شعر و ادب میں ”خدا کے سخن“ اور ”مغیر بن“ کے اقباب و خطابات ملتے ہیں، مولانا گرامی نے علامہ اقبال کی کشادہ نگاہی میں اس طرح خواجہ حقیقت پیش کیا۔

دودیدہ صاحب نظر ان حضرت اقبال
میں غیری گرو و پیغمبر تو اس گفت
پیشم ہر مصرعہ ضرب المثل بن گیا ہے

شعری جزویت از پیغمبری

ایک شاعر نے تو یہاں تک کہہ دیا۔

ایک ایک حرف مجھ پر اترتا ہے عرش سے
میری یا فاضل شعر خدا کی کتاب ہے

مشرقی مولوی، مغربی
ہست قرآن و مذہبان پہلوئی

کیا شعر و تصوف کے یہ لفظ ”دن و شریعت کے معاملات و مسائل میں جنت و مشن و نظیر کے طور پر پیش کئے جاسکتے ہیں! وہ بہت کتنی ہلکی اے دن و شریعت، کھوکھلے اندھ شخص ہے جو شعر و تصوف کی ایسی شریعوں سے اپنے لئے دلیلیں لاتی ہے۔

فقہ کے فردی مسائل کی طرح دین کے بنیادی ارکان و عقائد میں اختلاف نہیں پایا جاتا، ”فخر نہت“ کا عقیدہ فرعی نہیں دین کا بنیادی عقیدہ ہے، منصور مصنفہ، ایہ عقیدہ فقر و حدیث کے، اگر نہ کتاب و سنت کے استخراج بھی نہیں کیا، یعنی یہ کہ کتاب و سنت میں در کوک رنج الفاظ تو نہ ملتے ہوں، بلکہ نص کے ایمان، اُمتانہ یا انصاف کی بنیاد پر مدار امت نے اس عقیدہ فقہیہ یا مذہب کا استنباط اور استخراج کیا ہے، ”فخر نہت“ کے لئے کتاب و سنت میں واضح اور حکم الفاظ ملتے ہیں، جن میں کسی قسم کا کوئی تشابہ نہیں پایا جاتا، قرآنی عقیدہ ”خاتم النبیین“ کی تشریح و تفسیر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”لاحی بعدی“ جیسے واضح الفاظ سے یہ تذکرہ فرمائی ہے! ہم جو کلمہ پڑھتے ہیں جس کا پہلے جن ”لا اِلهَ الا اللہ“ ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ کے ہر کس کے ”اللہ“ ہونے کی تفسیر نفی ہوتی ہے؟ کوئی بدعت یہ دعوئی کرے کہ ”حنیفی اللہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، میں تو“ بروزی اللہ ہوں، اور اس اعلان کے بعد وہ اپنی طرف سے کسی شخص کے ”نبی“ ہونے کا اعلان بھی کر دے کہ یہ بھی مجھ ”بروزی اللہ“ کا ”برہنہ نبی“ ہے، اور میں جلا ہے ”بروزی“ بھی بروزی کرتا ہوں، یہ بھی ”بروزی“ ہی ہے! اس اپنے کفر و الحاد و شرک و ضلالت کے لئے وہ دلیل یہ لائے کہ ہادشا ہوں گو ”صلی اللہ“ کہا ہی چاہیے، اور اللہ صوفی نے یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا میں منظر لاں ہوں اور وحدت الوجود کے نظریہ کی بنا پر غیر کا وجود تو کائنات میں پایا نہیں جاتا، کائنات کی عینیت واجب الوجود کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

سہ خود کوزہ و خود کوزہ گد خود گل کوزہ

کیروں جن کی ذات میلانہ اندھنوں کا شکم بھی فرماتے ہیں۔

سہ آپ ہی مسجد، آپ ہی سقا، آپ ہی بانگ پگیاں

کہیں کبیر، سندھینی سادھو! ہر جیسے محو دیا

اندھ ایک صوفی شاعر نے تو یہاں تک کہ دیا ہے کہ —

من خدام من خطایم من خذ

جس طرح ”بروزی اور ظلی اللہ“ کا یہ دعوئی اندھ و لیلیٰ سدا کفر و ضلالت میں ”ای طرح“ خاتم النبیینؐ کی نفس قطعی اور لاجی بعدی کی بڑی شرع و تفسیر کے بعد کسی کا یہ دعویٰ کرنا کہ میں ”بروزی یا ظلی“ ہوں، سستا یا گراہی اندھ کفر و عبادہ ہے! کتاب و سنت کے قطعی تصور کے مقابلہ میں امام غزالی، شیخ محمد بن عربی یا مولانا قاسم نانوتوی کی کسی بہیم تفسیر کا کوئی صریح اشارہ نہ ہوا۔ کوئی ذہن نہیں رکھتا، نفس کے مقابلہ میں نفس ہی کو لایا جا سکتا ہے! پھر ان بزرگوں یا کسی دوسرے صوفی اور عالم کے یہاں اس قسم کی عبارتیں یا اشارے ملتے بھی ہیں کہ مجددیت اور ولایت نبوت کا نقل ہوتی ہیں اور مجددین اپنی شان کے لحاظ سے گویا ”نبی وقت“ ہوتے ہیں (دہم جز)۔ — تو یہ دھماکل ولایت و مجددیت کے منصب اور فضیلت و تکبر کے اعتراف و اظہار کا پیرایہ بیان ہوا۔ سنہ ان بزرگوں کے زمانہ میں کوئی شخص بروزی اور ظلی نبی ہونے کا دعویٰ کرنا، اندھ کہتا کہ مجھ پر وحی آتی ہے اندھ اس دعوے کی بنیاد پر اُس کے ”استیلا“ کی حمایت اور نبوت کا لہذا الستی ٹیوٹن و خود میں آجاتا، تو یہ ہندو جلاش پر اُس مدعی نبوت کو ٹھنڈا اور کافر قرار دیتے جس طرح مرزا غلام احمد کے زمانہ کے علماء نے بالاتفاق مرزا کی تکفیر کی؛ مرزا کے زمانہ میں متحدہ ہندوستان میں جہاں کھٹک اہل ایمان کی آبادی تھی، متحدہ ہندوستان اور ہندو ہندو کے، سیرت ہے کہ کسی ولی کو بھی اس کا کشت و لاہام نہیں ہوا کہ مرزا غلام احمد جو اپنے دعوے میں صادق ہے، لوگ اس کی تکفیر و قطعی کا وبال اپنے سر لے رہے۔

یہ بات اہل صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و عہد کے بعد نبوت کے مجدد سے ہی کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کر دیا، اب بن کا اہتمام اور تجدید، محمد دین کے دوسرے جگہ اور یہ محمد دین مزاج شہابی رسول ہوں گے، مگر اپنے تمام فضائل و کمالات اور عظمت و تقدیر کے باوجود ان میں کسی کو یہ منصب حاصل نہ ہو گا کہ کوئی مسلمان کسی مجدد کی مجددیت کو نہ مانے، تو اس انکار کے بعد وہ کافر ہو جاتا، انسانی شخصیتوں میں صرف ”نبی“ کا انکار کفر ہے! ان محمد دین کی غالب اکثریت نے کسی دعوے کے بغیر اپنا فرض انجام دیا۔، مرزا غلام احمد کو تو دعووں کا ہضم بلکہ مراق ہو گیا تھا، اُس کا مراق بڑھتا ہی چلا گیا یہاں تک کہ اُس نے ایک شفق ”نبوت“ کا دعویٰ کر دیا، جس میں سچی بھی ہے اور وہی بھی ہے اور دین کے مخصوص رکن اور فریضہ و جہاد کی تیغ بھی شامل ہے، ساڑھے تیرہ سو سال کی مدت میں تنہا ہی ایسا نرالا ”ولی“ (؟) اور عجیب و غریب ”مجدد“؟ پیدا ہوا ہے، جس کی ولایت اور مجددیت بالآخر ”نبوت“ کا رعبہ و حد لیتی ہے۔

اہل سامنے کی بات یہ ہے کہ نبوت میں منصب و عہدہ کی تدبیر نہیں ہے، کسی نبی اور رسول کے، سوال میں یہ نہیں ملتا کہ اُس نے پہلے ولایت کا دعویٰ کیا ہو، پھر مجددیت کا اُس کے بعد مجددیت کا، یہاں تک کہ آخر میں اُس نے کہا کہ میں اب ”نبی“ ہو گیا ہوں دعووں کی تدبیر مسنون انبیاء کے معانی اور مخالف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، زندگی اور کردار، روز و رشتن کی طرح دنیا کے سامنے ہے، حضور نے نبوت سے پہلے کسی دینی منصب کا دعویٰ نہیں فرمایا۔

بچانے کی توفیق ملتی تھی آپ ہی ہے، یہ ایک ایسا ثبوت امتیاز ہے، جو مجبہ جماعت احمدیہ کے اندر کسی جماعت کو حاصل نہیں رہا ہوتا۔ انشاء اللہ، ربہ اوہ جون ۱۹۶۱ء

ماہقہ سرگرمیاں کر رہے کیا کچھ

دورانہ کسکی، اس کو تہ امتیاز میں

ہمارے پاس اطلاع میں پہنچی ہے کہ تقریباً دو سال سے قادیانی اپنے سن کی تبلیغ میں بڑی سرگرمی دکھا رہے ہیں۔ مسلمانوں کے پاس ڈاک کے ذریعہ اپنا لٹریچر بھیجتے ہیں اور انفساروی ملاقاتوں کے ذریعہ بھی مسلک قادیانیت کی تبلیغ اور اپنی کن بوں کی مشہوت کرتے ہیں! مسلمانوں کو قادیانیوں کے دام تہذیب سے بچانے کے لئے ہم نے ہر اہمت کے ساتھ متن تماموں میں قادیانیت کو بے نقاب کیا ہے۔ قادیانیت کی جب بھی تردید ہوگی ان کے مسلک کو کفر و ارتداد سے نسبت دیا جائے گی اور مرزا غلام احمد قادیانی کی ذات اور اس کے دھوسے کو بھٹکا ہی کہ جائے گا! خود مرزا نے غیر قادیانیوں یعنی تمام مسلمانوں کو محفوظ گالیاں دی ہیں اور انہیں وکرام ملک کی منافقت کی ہے! کفر، انداز، پادراشتن سنگ است!

”ختم نبوت“ کا مسئلہ نہ تو نزاعی مسئلہ ہے اور نہ کوئی تحقیق طلب نظریہ ہے یہ دین و شریعت کا مستفق مسئلہ ہے اس باب میں دوہ نہیں ہو رہی نہیں سکتیں، اس لئے قادیانیوں کا لٹریچر ڈاک کے ذریعہ کسی مسلمان کے یہاں آئے تو اسے بے دریغ چاک کر دیں، وہ یہاں سے آئے وہیں حدیث، الفاظ میں خط بھیج دیں کہ آئندہ ان خرافات کا یہ جھنا بند کر دیا جائے، دست بدست کوئی قادیانی پناکنا کچھ پابند نہ رہے یا اپنے مسلک کی تبلیغ کرے تو اسے بھی کس کے ساتھ مارنا نہ دے دی جائے تاکہ وہ آئندہ ایسی حرمت نہ کر سکے!

قادیانیت کا وجود امت مسلمہ کے لئے سب سے بڑا انتشار ہے اس کی ہر کتاب و نثر و فساد کی جڑ ہے اور اس مسلک فساد کی تبلیغ و اشاعت کا دہشت گرد انتشار لگی دھڑی ہے، کاش! حکومت تدبیر و حکمت کے ساتھ اس فتنہ کی روک تھام کر سکتی!

محمد رفیع الدین

۲۴ مارچ ۱۹۶۲ء

فتنہ قادیانیت

ماہ جولائی کے "فاران" میں جواد ایدہ نقشب اول (فتنہ قادیانیت کی تردید میں لکھا گیا ہے) سے عام طور پر پسند کیا گیا، اس قسم الخوف کے پاس متعدد خطوط آئے ہیں جن میں اس مضمون کو کتابی صورت میں چھاپنے کا مشورہ دیا گیا ہے، ایک خط ۱۵ اگست سے آیا ہے جس میں لکھا ہے کہ ایک صاحب جو قادیانیت کی لاپرواہی جماعت سے متاثر تھے، وہ قادیانیت کے سلسلہ میں "فاران" کے موقف سے متفق اور مطمئن ہو گئے !

یہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان و کرم ہے کہ نجد پچھلاں اور گنہگار کے قسم سے اسناد مل قادیانیت شکن مضمون مع بعض تحسیر میں آگیا۔ الحمد للہ علی احسانہ !

اس زمانے میں جب کہ قادیانیت کے مسلک کفر و ضلالت کی کھلے بندوں تبلیغ کی جا رہی ہے اس قسم کے مضامین کی عام اشاعت کی بیش از بیش ضرورت ہے، میں افادہ عام کی خاطر اپنے اس مقالہ کی اشاعت کی اجازت دیتا ہوں۔ بس اتنی گزارش ہے کہ مقالہ کو جاذب نظر انداز نہ کیا جائے۔ کتابت کی غلطیاں کم سے کم رہیں بلکہ نہ رہیں، اور اس کتابچہ کا ایک نسخہ مجھے بھیج دیا جائے۔

محمد رفیع دہلوی سہ ماہی "فاران"

ختم نبوت زندہ باد

جھوٹی نبوت مردہ باد



آزمودہ دواؤں کا مرکب
انالجین



سر درد - کمر کا درد - دانت کا درد
 ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے
 یقیناً زود اثر اور بے ضرر علاج ہے

Special

آپ نے کھیت میں جا کر جل چلا یا ہوتا، کپاس جینی ہوتی، جو خوراک کا ہوتا، کھڑی رہتا تاہم اس کے پھول کو خود مچا ہوتا۔
 اب یہ کیا بات ہے کہ آپ نے اپنے بتائے ہوئے اصول و فلسفے سے "استداد" اختیار کر لیا ہے؟

فرمائیے، آپ کے ذہن ساقی کی یہ گزشت گشتی سخت اوسیرہ دلیل کتنی سبکت ہے!

مولانا مودودی کے ناقدین بھی آپ کے اس ساقی سے کچھ نیا وہ مختلف نہیں، ان کی خواہش یہ ہے کہ حکومتِ اہلبیت کے قیام کا جو فلسفہ مولانا نے پیش کیا تھا اس پر ہی طرح سن و سخن ممکن ہونا چاہئے اور وہ بھی اس طرح کہ:-

فرض کریں کہ دنیا میں سوائے ان کے اور کسی حق نہیں سوائے لوگ گمراہ ہیں سبلی مسلم بن بھی اسلام کا ہرگز کوئی سہارا نہیں، اس لئے سب لوگوں کو آزاد سر فرسودہ بنا نا چاہئے جتنے لوگ زیادہ مسلمان بننے چاہتے ہیں ان کے معاشرے کی اصلاح ہوتی چلی جائے گی اور جب معاشرے کی اصلاح ہو جائے گی تو حکومت خود بخود اسلامی ہو جائے گی جب تک معاشرے کی اصلاح نہ ہو اس وقت تک حکومت کی اصلاح یا قیادت کی تبدیلی گویا بوم ہے اور اصولوں کی خلاف ورزی ہے۔ کیونکہ اسلامی انقلاب کا یہ طریقہ و آئین کی آیت کی طرح ناقابلِ تغیر ہے۔ تبدیلی اصل کے کی طرح صحابہ اس میں کہیں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے۔ پالیسی کے یہ طے اور اقدامات میں تقدیم و تاخیر کے پہلو سے بھی غور نہیں کر سکتے۔ اب کیا گویا قطعی حرام ہے حالانکہ بات یہ نہیں۔ یہ معاملہ بھی کم و بیش وابستہ ہے جیسا آپ نے اپنے فلسفی مزاج سائل کے سامنے بیان فرمایا تھا یعنی جہاں تک پڑا تیار کرنے کے اصول اور فلسفے کا تعلق ہے وہ دنیاوی طبقہ پر ہی ہوگا لیکن جب کسی شخص کو پڑا حاصل کرنے کی ضرورت ملتی ہوگی تو وہ اپنی اس ضرورت کو اپنے حاشیائی اور علاقائی حالات کی روشنی میں ہی پورا کرے گا۔ بالکل اسی طرح اسلامی نظامِ حکومت کے قیام کا بیناوی نظریہ یہ رہے گا کہ مولانا مودودی نے اپنی علمی تحریروں میں بیان کیا ہے لیکن اس کے لئے علمی اقدامات کا یہ صدر ملک اور قوم کے مختلف سماجی، سماجی، معاشی، اندیشہ کی مختلف حالتیں اور تاریخی حالات کی روشنی میں کیا جائے گا۔

ان البتہ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ طریق کار کی یہ تبدیلی قرآن و سنت کی واضح نصوص کے خلاف ہے یا اس کا ثبوت اسرۃ انبیاء میں نہیں ملتا یا اس میں بدلت شامی ہو رہی ہے تو میرا جواب یہ بات خاصی نفی ہو جاتی ہے لیکن مولانا مودودی کے ناقدین آج تک کوئی ایسی بات ثابت نہیں کر سکے ۱۱

چلنے پھرنے کے لئے تسلیم کئے بیٹے ہیں کہ اس کتاب میں بعض ویسے ویسی ہیں، جن کی روشنی میں مولانا مودودی کو کم کر دیا، قوم پرست، سیاست باز اور بدلنے کی کیا کچھ تسلیم کیا جا سکتا ہے اور یہ بھی ثابت کیا جا سکتا ہے کہ جماعت اسلامی نے اپنے نظریات سے "استداد" اختیار کر لیا ہے۔ اب قضا انہی ڈاکٹر صاحب سے دریافت فرمائیے کہ آپ کے نزدیک جب تک تعلیم ہندوستان کی جماعت اسلامی کا مقصد ہی درست تھا۔ اس طریق کار اور اس کی تعلیم بھی عین حق تھی، آپ نے خدا کو حاضر و غائب جان کر اس کا حلفاً اقرار کیا اور اعلان بھی کیا تھا تو فرمائیے آپ نے اس دس سال کے عرصہ میں اپنے حلف کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کتنی کوشش کی، آپ نے یا آپ کے ساتھیوں نے جماعت اسلامی میں ان اقلیتوں کے خطوط پر کیرن نظم نہیں کی، کیونکہ اقامتِ دین کا کام نہیں کیا۔

اور کمزور جماعتی زندگی پر انفسار وکی زندگی کو اور عرقی زندگی پر کاروبار کا ہنگامہ زندگی کو مکملاً ترجیح دی۔ اس امر المعروف نہیں، اقامتِ دین اور شہادت حق کا وہ فراموش جیسے آپ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی طرح فرض عین سمجھتے اور کہتے ہیں اس کے تقاضے کہاں تک پورے کئے۔ ملک کے اندیشہ فنی کی سیاست

بڑھتا رہا۔ اسلامی تمدن کو پامال کیا جانے لگا، خدا کے دین کے مندرجات کی تحریک نہ ہو سکی۔ عالمی قانون اور خاندانی منصوبہ بندی جیسے قوانین و شکل آئینیں پاس ہوئے اور انداز ہوئے ہے اور بود و گالیاب اس زندگی اور تیزی سے بہتا را کا اس کی نفس اور انداز پاک و نفا سے ملک کو کوئی شخص بھی محفوظ

نہیں اس دورہ دین جس کے باوجود میں آپ نے تحسیر فرمایا ہے کہ "بڑی شان سے جزیرہ مملوک بننے لگا تھا لیکن آج اب غریب الغریب وارن گی ہے کہ اس پر رومنے والا کوئی نہ رہا" اور جب اس کے انجیروں کی مٹھلی کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے قوی علی اور علی سب مل میں ایسے گم ہیں کہ انہیں اس کی ہمدردی تک کا وقت نہیں ملتا۔

آپ کو تو اس سال کا ایک طویل عرصہ ملا تھا فرمائیے اس ظلم و دین کی مدد اور نصرت کے لئے آپ نے بجز اس کے اور کیا کارنامہ سر انجام دیا ہے کہ مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کی "گلابیوں" کی ایک طویل نہایت سلیقہ سے حربہ کے ساتھ نئی فرادہ ہے۔ کیا اقامتِ دین کے

طریق کار کا یہی دوسرا حصہ ہے جو آپ نے انبیاء کے اسوہ سے بعد از محنت و لہجہ اختیار کیا ہے کہ خدا پرستوں اور خدا کے دین کے خدمت میں رسول کی چند برائیاں یا غیر واقعی بشری کمزوریوں کو بنیاد بنا کر ان پر قوم پرستی، عوام پرستی اور اسان الوقتی کی پستی یا انہایت برتری سے جسٹ فٹاویں کی ہیں وہ خدمت دین کا عظیم کارنامہ ہے جو آپ نے سلسلہ سے لے کر مارچ ۱۹۱۹ء تک انجام دینے کا ناکام کوشش فرمائی ہے اگر صورت حال یہی ہے تو پھر تسبیح کرنا پڑے گا کہ کچھ شادوم از زندگی نویسی کہ کار سے کروم ۱۱

کیا سنا مروتی اور جماعت اسلامی پر اپنے نظریات سے انحراف کرنے کا الزام لگانے والی اور ان کے ماضی و حال میں تضاد تلاش کرنے والی یہ مقدس اور محترم مستیاں اپنے فکر و عمل کے تضادات پر بھی نگاہ ڈالیں گی ؟

زیچہ طور تک صنف لٹرائٹ، انجی کیا ہے لیکن ان کی اس تبرک سارا جیال کے اوراق میں اس قدر کثافت نہیں ملتا جیسا کہ جماعت تبلیغ کے ائمہ تہذیبیہ نے جن کے سبب ان کی ذات ہی علی اور جس کے پیروں میں ایک وجہ سے نامدار کا ان جمیعت کو رکیزت ترک کر دینی پڑی تھی۔ سارو جس میں اپنے کردار کو حق و باطل ثابت کرنے کے لئے انہوں نے ایک طویل و قائل بھی تصنیف فرمایا ہے۔ یہ واقعہ بھی جماعت کی رکیزت اختیار کرنے سے غائباً ایک سال قبل کا ہے ہارڈ کٹر صاحب اپنے تعارف میں اس پر بھی روشنی ڈال دیتے تو بھی مجھ جیسے دوسرا اندازہ دیہاتی قسم کے قارئین کو ان کی شخصیت کے کچھ نہیں کچھ مدد مل جاتی ؟

آپ کی روانداری اور عالی ظرفی سے ڈاکٹر صاحب کی قسم کے لوگوں کے علی پسند اور کفر و رافضیہ ملتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب ایم بی بی ایس ہیں، حال ہی میں انہوں نے ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی ہے۔ بلاشبہ وہ ایک ذہین انسان ہیں لیکن ان کا دینی علم صرف مولانا مودودی اور اکابرین جماعت اور ملت کے دوسرے سرکردہ ہندوؤں کی تصانیف تک ہی محدود ہے۔ ان کے فکر و نظر کو بنانے اور ان کی شخصیت کو اجاڑنے اور کھانسنے میں خود مولانا مودودی، جمیعت اور جماعت کو بہت بڑا دخل حاصل ہے۔ مولانا مودودی بھی بلاشبہ ایک غیر محرم انسان ہیں لیکن الشافعی نے انہیں شخصیت "نہ قسم کی جن سے پناہ حاصل ہیں" سے لڑانا ہے اس سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ مولانا محرم ڈاکٹر صاحب موصوف کے لئے ایک مشفق و مہربان اور مہربان استاد کا وجہ رکھتے ہیں، زندگی کا اور زندگی کے مقصد کا شعور انہیں ابتداء مولانا مودودی ہی کے واسطے سے نصیب ہوا ہے لیکن ڈاکٹر صاحب اپنے اس قابل احترام رفیق، شفیق اور محسن جنگ کے بارے میں جو انداز گفتگو اور جس طرح کا لب و لہجہ استعمال کرتے ہیں اور جس مقام بلند سے انہیں خطاب فرماتے ہیں وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

یہاں مولانا نے اس بات سے کئی کئی گز اگر بات بنانے کی کوشش فرمائی ہے اور اس مفروضے کے دامن میں پناہ

لی ہے جو خط کشیدہ الفاظ میں بیان کیا گیا ہے "صفحہ ۳۱

ایک اور مقام پر مولانا محترم کو "علی بن ابی طالب" کے مہذب خطاب سے لڑاتے ہیں :

"چونکہ تم ایک کامنڈا اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے مسئلہ میں جماعت اسلامی کی سب سے بڑی اہل علم اور اہل ایم و سنی نے علی بن ابی طالب کی تہمت فراہم کیا۔ اول اذلی جب یہ مسئلہ حیرانہ اور جواب دہ نہیں مولانا مودودی

صاحب نے تہذیب دلائل سے اس پر پچ کے ذریعے جواب دینے کی کوشش کی" صفحہ ۱۹

اختلاف کن ہرگز جرم نہیں لیکن اگر مہربان علم و تقویٰ بھی "ہندی ہندی بارش باہم ہندی کا طیرہ اختیار کر لیں تو پھر کج بخت " تہذیب سے رنگ کھانے کا کیا کہنا۔ جب سونا۔ خود ہی رنگ قبول کرنا شرمناک رسد علم کو ناپسند کی کس قدر ہر خالی کے پندار کا جب جو رنگ جاتے تو ہر شرم و خود کی بے لہجہ ہی گل کھسکتی ہے !!

اگرچہ میری مسودہ ذات خاص طریق پر لکھی ہیں تاہم اگر میں نہ بحث کتاب کا چند فکری خامیوں کا ذرا غور نہ کر دوں تو بات نامکمل رہ جاتی

اس لئے مندرجہ ذیل چند بنیادی باتوں کا ذکر کہے اپنے اس خط کو ختم کرتا ہوں۔

۱۔ جماعت اسلامی کی ہر قسم اصلاحی کارروائیوں کے حالات کی یہ سب تک غافل نہ رہے کہ وہ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ آیا مختلف حالات میں ان کے لئے طریق کار ایک ہی ہے یا مختلف حالات کی تعلیمات سے مختلف ہی ہو سکتا ہے۔ کیا اس میں صدقہ خیر مسلم، مدارس، جمعیہ ہمدردی حکومت ہمدردان، انصاف، دین کار، طاقت و تبلیغ کا کوئی عمل ہی ہوگا جو ہمدردی سے متعلقیت پسند سیاست میں ہوگا؟ کیا طریقہ جو کسی مسلمان ملک پر غیر اسلامی مطلق العنان طاقت مسلط ہو جائے تو کیا اس میں کوئی طریقہ ہمدردی ہوگا جو کسی ایسے ملک میں اختیار کیا جائے جو اس نے کوستریا لبنان میں اسلام کا اقتدار بھی کر لیا ہو۔ جس کی حکومت کا ڈھانچہ بھی جمہوری ہو، لیکن اس کے اندر پہل و عقدہ ملت دین سے اخلاف کی فکر میں ہوں اور انہیں اخلاف اور امتداد کی راہ سے روکنے کے لئے بڑا رستہ حاکم کے لئے کوئی طاقت نہ ہو۔۔۔۔۔ ان مختلف حالات میں انصاف دین کے لئے طریقہ کار واحد عملی تدبیر ایک ہی ہوگی یا حالات کے تغیر کے ساتھ ان میں بھی تبدیلی کا امکان موجود ہے؟ اس مسئلہ میں انبیاء و علیہم السلام کا اس سے کیا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہدایات دی ہیں؟ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین و پیغم اللہ نے کیا عملی مظاہر تائیم کئے ہیں؟ ان مختلف حالات کے پاس میں ہر صنف معروف کے ذہن میں بزرگ صحیح جواب موجود نہیں۔ ان کی کتاب کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک انصاف دین کا وہ طریق کار جو قبل از تعلیم تحریر کی گئی تھا اس میں صرف آخر وقت اس میں تبدیلی اور حالات کے مطابق اس میں تغیر و ان کے نزدیک اصلیت اخلاف کے متعارف ہے حالانکہ اگر وہ خود کرتے تو یقیناً اس بات سے اتفاق کر لیتے کہ انصاف دین کی اصلیت ہمدردی کے خطوط مستقیم کر لینے، حالات کا نیکو بہت اہم ردی ادا کرنا ہے جس میں طریقہ ایک مکان کی تعمیر میں ہوئی حالات اسباب و مبادی و غیرہ کا خیال رکھنا پڑتا ہے بعینہ اسی طریقہ انصاف دین کی سعی و جہد کی عملی مبادئیں کہنے کے لئے بھی کسی ملک کے سیاسی، معاشی، معاشرتی اور تاریخی عوامل کا بہت حد تک مطالعہ کرنا پڑتا ہے بعض اوقات یہ عوامل انصاف دین کی تحریک کا ایک ایسی ہمیز بن سکتے ہیں کہ ایک داخلی قوت کو اپنے کام کے آغادھی میں آخر کار اس انتہائی قدم اٹھانا پڑتا ہے اور بعض اوقات یہ عوامل ایسے سنگ بادل ثابت ہو سکتے ہیں کہ داخلی قوت کو مدت العمر تک ابتدائی منزل سے آگے بڑھنے نہیں دیتے۔ اس بات کو انبیاء و علیہم السلام کا غور و غور سے مطالعہ حضرت لوط، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی میں باسانی دیکھا جاسکتا ہے۔ بالمشابہ انصاف دین کے عملی طریقوں میں حالات کی رعایت سے تفاوت رہا ہے اندیشہ انبیاء و علیہم السلام کا اس سے ہے۔۔۔۔۔ لیکن چند اصولی استنباطی باتیں ایسی ہیں جو کسی صورت میں تبدیل نہیں ہو سکتیں۔ خواہ حالات میں کتنی ہی بڑا انقلاب کیوں نہ آ جائے اور عملی تدابیر میں خواہ کتنی بڑی تبدیلی کیوں نہ واقع ہو، مندرجہ ذیل چند بنیادی باتوں کی ہر بر حال پابندی کرنی پڑے گی۔

۲۔ انبیاء و علیہم السلام جب اپنے ماحول کے منکر سے نمٹتے ہیں تو منکرات کے قبیلہ کے ہر حصے سے نمٹتے ہیں نہ کہ ان کے ہر حصے میں۔ بلکہ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ ان کے دور کا منکر کتنا عظیم کیا ہے۔؟ آیا وہ وقت کا سیاسی نظام ہے یا بیچارہ اور غریب طبقہ، قبیلہ اور بادلوں کی محبت ہے یا علوم و فنکار و غیرہ۔ وقت کا جو بھی طاقتور شخص ہو جائے وہ سب پہلے اس سے نمٹتا ہے نہ کہ ان کے ہر حصے سے۔ منکرات کے خاندان کے ہر فرد سے نفار رکھنا نہ کہ ان کی طاقت عملی کے خلاف ہوتا ہے اس لئے انبیاء و علیہم السلام اپنے دور کے سب سے بڑے منکر، انکار، منکرات۔۔۔۔۔ یعنی بازاریوں کی فطرت و ترسٹے کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (ب) منکر اعظم کو منکر یا منکر کے ذہن کو ختم کرنے کے لئے وہ ہرگز اس بات کا انظار نہیں کرتے کہ جب تک منکر ترسٹے کے اصلاح سے ہر جانتا اس وقت تک طاقت کے خلاف کوئی عملی اقدام نہ کیا جائے۔ وہ تباہیوں تو مسمیٰ وہ بھی کام کرتے ہیں اور اگر ان کے ساتھ صحابہ کرام کی جھڑپ بازاری جماعت پر توڑی وہ احکام کو سرانجام دیتے ہیں اور غریب کو خوف اندیشہ کوئی ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرتے نہ کہ کام کے چلے جاتے ہیں۔ کسی وقت وہ اپنے کام کا خاندان اصلاح، مشورہ کا مادہ کہتے ہیں، کبھی سیاسی طاقت کو دین کی قوت اور مشورہ کی اصلاح کا وسیعہ بناتے ہیں، کبھی اصلاح مشورہ انقلاب و اصلاح حکومت کے کام کے ایک وقت کو دین کی قوت کے ساتھ کرتے چلے جاتے ہیں اور مشورہ صرف کوئی اقدام منکر اعظم کو ختم کرنا ہوتا ہے۔

روح) انبیاء و عظیم المسلمان شریک عظیم میں گونہ کرنے کی جب کسی کوشش کرتے ہیں تو وہ بڑی کامیاب بناتی ہے مگر انہیں اپنے بلکہ نکارت سے مقابلہ کرنے کے لئے ہتھیار و حسانت ہی کے واسطے خاندان سے حاصل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے طریق اختیار کرتے ہیں جن سے خدا کی زمین میں امن قائم نہ ہو لیکن وہ فائدہ سے بھر جاتے۔

(د)۔ وہ اپنے نصیب میں کوئی بڑی سے بڑی قیمت پر ہرگز قربان نہیں کرتے۔ جدید کلمہ مرحلے میں آخری منصوبہ ان کی نگاہ میں بکھانے رہتا ہے یہ انداز طرح کی چند بنیادی باتوں کے علاوہ تمام دوسری تفصیلات میں اقامت دین کا طریق کار و حالت کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے اور انداز بھی مختلف حالات کی رعایت سے بدلتا رہے گا اور یہی انبیاء کی سنت ہے۔ اسی لئے امت کے جن جن ائمہ و مجددین کے تجوید و فائدہ میں بھی چند اصول یا قول کے سوا عملی طریقوں اور تفصیلی تدابیر میں کافی تفاوت موجود ہے۔ حضرت عیسیٰ، حضرت زکیہ، امام ابوحنیفہ، حضرت عمر بن عبدالعزیز، امام غزالی، امام ابن تیمیہ، محمد بن عبدالوہاب، محمد وائل ثانی، شاہ ولی اللہ، سید احمد بریلوی، رحمہم اللہ تعالیٰ انہیں کی جدید کلمہ کے عملی طریقوں اور تدابیر میں نمایاں فرق کی بڑی وجہ بھی ان ہر گان دین و ملت کے اپنے اپنے وقتوں کے سیاسی، مذہبی اور معاشی حالات کا مختلف ہے۔

جماعت اسلامی کی تدابیر اور پالیسیوں میں بھی انبیاء کی یہی سنت ایک رہنما اصول کا دھبہ رکھتی ہے اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ جماعت اسلامی نے انبیاء کے طریقے کو چھوڑ دیا ہے تو اس کے ساتھ اس شخص پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ یہ بھی بتائے کہ جماعت اسلامی انبیاء کے طریقوں میں سے کس طریقے کو چھوڑ چکی ہے کیا اس نے اپنے وقت کے منکر اعظم سے معاشرت کر لی ہے اور اسے اس بات کا یقین دلایا ہے کہ وہ نبی ثانی کی سنت ہے یہ بات تو مختلف فیہ ہو سکتی ہے کہ جماعت اپنے ملک اور اپنے دور کے منکر اعظم کے پچھاننے میں غلطی کر جائے۔ ہر مسئلہ ہے کہ وہ جس کو منکر اعظم قرار دے رہی ہے وہ فی الحقیقت "منکر اصغر" ہو۔ اس اختلاف کی گہرائی نہ صرف موجود ہے اقامت دین کا کام کرنے والوں کے درمیان صرف منکر اعظم کے تعین کرنے میں اختلاف ہو رہی ہے بلکہ اس سے پہلے اس اختلاف کو بنیاد بنا کر کسی شخص کو اس بات کے کہنے کا ہرگز حق نہیں پہنچتا کہ جماعت انبیاء کے راہ سے ہٹ چکی ہے۔ اگر جماعت نے منکرات کے سرچشمہ کے خلاف کام کیا ہے تو یہ کام تو کہہ ہی سکتے ہیں کہ کشمکش میں وہ برسر اور مختلف شریعت و فلاح اجتماعی کی فوائد اور حق کے حرم کی تحریک ہو رہی ہے یا اس سے ایسی باتوں اور فضول دین کو کرنا کا قصد ہوتا ہے۔ جس سے اس کی دنیاوی رحمت اور پیغام کے جسر دور ہونے کا احتمال پیدا ہو گیا ہو تو واقعہ جماعت اسلامی کے معاملے میں یہ یک لخت نشانہ ک صریح حال ہوگی۔ لیکن اس بات کے ثابت کرنے کے لئے نہایت قوی دلائل و دلائل سے صرف یہ کہنا ہرگز کافی نہیں کہ غیر منقسم ہندوستان میں جو طریق کار اختیار کیا اپنے طریق کار میں تبدیلی نہ کرے نہ صرف اس کا یہ اقدام شریعت کی واضح نصوص کے خلاف ہوتا بلکہ حکمت و فائدہ کی بھی خلاف ہوتا۔ آخر وہ پابسی ہو رہا جو کہ فیہ وسلم اکثریت کے حکم میں ایک کارفرما نظام حکومت کے ساتھ میں اور قوم پرستی کی لادینی تحریکوں کے مقابلے میں تقسیم کے پس منظر کی گئی تھی وہ تقسیم کے بعد وہ پابسی یا جدید کلمہ کے عملی خطوط میں تبدیلی نہ کرے گا کیونکہ اس کی دین ہے؟ جو لوگ جماعت سے ناواقف ہیں انہیں اس بات کی شکایت ہے کہ جماعت نے قرآن و سنت کی عطا کردہ بصیرت کی روشنی میں طریق کار کے لئے خطوطاً و کتباً متعین کئے ہیں اور اس نے "ملک ایک دیم دم نہ کریم" دلی پابسی یا تحریک نہیں کیا۔

؟

۲۔ کتاب بزم جبر کے مصنف کے ذہن میں دو صراحتاً مضامین یہ بھی ہے کہ انہوں نے غیر خودی طریق پر مولانا مودودی کو شخص "ریسرچ اسکالر" اور جماعت اسلامی کو صرف "ریسرچ اکیڈمی" فرض کر لیا ہے اور وہ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ مولانا محترم اور جماعت دونوں ساتھ ساتھ اور اس کے حالات سے اور عملی اور قانونی فیصلے اور نقوشات کے اثرات سے بالکل بے نیاز ہو کر تحقیق اور ریسرچ کا کام کر رہے ہیں اور وہ تو اپنا تحقیقی مواد ایک میں تنقید کیلئے لاتے رہتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب موصوفت کا علم کلام سامنے رکھیں اور ذیل کے اشکالات کے بارے میں میری رہنمائی فرمائیں۔
 ۱۔ قرآن مجید نہ اسری، مین الاقوامی اصطلاحی دعوت کا علمبردار اور دعوت کو نہیں پہنکتا۔ بلکہ اس دعوت کا اصل منبع ایسا غنی قرآن
 نگار ہے، ایک طرف یہ حکم ملتا ہے کہ لا کوا فی الدین یعنی دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں اور دوسری طرف ایسا ہے کہ
 فانتوا اہم حق لا تکنون فتنۃ لیکون الدین للہ
 ان دونوں احکام میں بظاہر تضاد نہیں۔؟ اسی طرح یہ حکم سامنے رکھیں کہ

۱۔ اے ابی سبیر! ہدایت، حکمت، اور عظمت، الحنفیہ و جماعتیہم بالقرآن ہی احسن ہے۔
 ۲۔ دوسری طرف قرآن ہے کہ جہاد الکفار والمناہقین واعظ علیہم۔
 ۳۔ اکثر صحابہ کے ہم کلام سے ان دو مختلف احکام میں تطبیق پیدا کی جاسکتی ہے؟
 ۴۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون انسانی شرف اور جہاد کا نوازان ہو سکتا ہے؟ اللہ آپ سے بڑھ کر کون انسانی عظمت
 کا علم دار ہو سکتا ہے۔

نہ کہ زائر صاحب اپنے علم کلام کی بخشی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مختلف اشادات میں موافقت پیدا کر سکتے ہیں مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف یہ فرماتا ہے کہ

۱۔ اے لوگو! تمہارا رب ایک ہی ہے..... اللہ کے نزدیک تم میں سے نبیاد حضرت صدقہؑ ہے جو نبیادہ تقویٰ رکھنے والا ہے اور آپ کو بھیجے کے بعد جیسے میں کوئی برتری حاصل نہیں اور نہ کسی بھی کے لئے عربی کما حقہ بل میں برتری ہے۔۔۔۔۔ کوئی برتری ہے کہ تقویٰ کی بنیاد پر دوسری طرف حکم ہوتا ہے * امام حسن القرضاسی * ایک طرف یہ تعظیم ہے کہ سارے ان بابر ہیں رنگ و نسل اور دین وغیرہ کو بنا پر کسی کو کسی پر کوئی نسبت حاصل نہیں اسدوسری طرف یہ ہدایت ہے کہ اگر

..... ”عرب سے ایضاً رکھو گے تو مجھ سے بھی ایضاً رکھنے لگو گے“ (ترجمان السنہ)

یاد اکر صاحب، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اشعارات گرامی کو جو عین حق ہیں اللہ جن میں ہرگز کوئی نقاد نہیں، عالمگیریت ادب میں اقامت
منافی تسلیم کریں گے۔ ————— م

● اہل کتاب کے کافرانہ اور مشرکانہ عقائد سے کسی کو محال انکار ہے قرآن میں واضح طور پر حکم موجود ہے کہ نہ تو مشرک سے نکاح کرنا اور نہ ہی مشرک کے ساتھ کافر کو رائج حلال ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتبہ سے نکاح بھی جائز قرار دیا ہے اور اس کتاب کا زہید بھی حلال پایا ہے۔ کیا اس میں بھی معاذ اللہ تضاد ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جلیل القدر پیغمبر اور اصولی اور انسانی دعوت کے علمبردار ہونے میں کس کا ذکر انکا ہر ممکن ہے لیکن کیا ذکر واجب باتیں ہیں کہ انہوں نے غفلتوں سے جو یہ مطالبہ کیا تھا کہ "اسل مہم بنی اسرائیل" قرآن وہ بھی معاذ اللہ غفلت سے تھے اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے وقت کے اقتدار سے نیز معاشرہ کی اصلاح کا کام کئے جو یہ مطالبہ کیا تھا کہ

۱۷ اعلان (کفر) سے قتال کر دیں تاکہ فتنہ باقی نہ رہے اور وہ اللہ کے لئے شہید جائے۔

۷۔ اپنے رب کا ترن حکمت اور معرفت حسنہ کے ساتھ دعوت دینے اور انہیں بہ بہتر طریقہ سے جھگڑا کیجئے۔
لے کا زور اور منافقین کے خلاف جہاد اور ان سے سختی سے پیش آؤ۔

قال اجماعی علیٰ خیرات الامم انی حنیف علیہ۔ کہا مجھے اس ملک کے خیراتوں پر غصہ نہ کر دیجئے کہوں کہ میں

مخالفت بھی کر سکتا ہوں اور اس کام سے واقف ہوں۔

یہ وہ بھی مملکت تھی اور ملی مسائل میں ہرگز رفعتِ عالم منصبِ نبوت کو بھول گئے تھے۔

یہ اور اس طرح کے متعدد اشکالات ڈاکٹر صاحب کے سامنے رکھے جاسکتے ہیں انہوں نے جس نئے علمِ کلام کی مدد سے مولانا مودودی جیسے دہلی حق کو یہ عقیدے گرانے کی ناسا کوشش کی ہے کیا اسی علمِ کلام کی مدد سے کسی ملک اور ملت کے نہر کی معاشی، معاشرتی حالات و کی لطف کا علم حاصل کئے بغیر ان قرآن اور انبیاء قرآن علیہم السلام کے آخری مقصود کو سمجھیں ان مختلف آیات اور احکام اور ان جلیل القدر انبیاء کے مختلف اقدامات اور رقیقِ جہد و جدوجہد میں توفیق اور ہم آہنگی پیدا کر دکھائیں گے؟

ان مسئلہ بنیادیوں کو نظر انداز کر کے کسی خاص علمِ ہندو کو اس طرح ہدفِ تنقید بنانا ذمہ داری، تنبیہ کی اور ہر بار کی اصلی روایات کے یکسر منافی ہے۔

ان خامیوں کے علاوہ اس کتاب کے مصنف میں ایک اور کمزوری بھی ہے اور اس کمزوری میں محمد الساجد دودھال ان کے ساتھ برابر کا شریک ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم لوگ دین کے علوم اور فنون اور ان کی مخصوص اصطلاحات سے کما حقہ واقفیت نہیں رکھتے۔ یہ علمِ مولوی نہیں، ادب بھی عربی زبان تک نہیں رسائی حاصل نہیں اور ہم دین و شریعت کی بعض مخصوص اصطلاحات کے سمجھنے اور ان کے استعمال کرنے میں سخت ٹھوکر کھا جاتے ہیں اب اگر اس پسپائی کی کتاب زیر بحث کا جائزہ لیں گے تو اسے کئی لحاظ سے نہ صرف ناقص پائیں گے بلکہ پوکا نہ بھی محسوس کریں گے مثال کے طور پر اس کتاب کے صفحہ ۱۱۲ پر لکھی "انہ اصنیٰ انفسہم" اور "حقیقی" اسلام کی تیز ترنگ کرنے کا بلا وطنہ دیباچہ ہے اور اس کا ایک جواب پائیں "فارق" یہ بھی دیا ہے۔ کیا اسی نقطہ پر سنجیدہ علمی نقضیں منتظر کرنا سب ہو گا۔ بالخصوص اس صورت میں جبکہ یہ طعنہ دینے والا اپنے آپ کو علمیت کی ایک لہر "ڈبلا گدئی" پر بٹھا کر ہرے ہوئے ہو۔

اس کے علاوہ مصنف نے زور بیان میں جدید اصطلاحات کے فرق کو بھی ملحوظ نہیں رکھا۔ مثلاً اسی کتاب کے صفحہ ۶ پر تفسیرِ فلسطین سے متعلق مولانا مودودی کی تحریر سے ایک اقتباس ہے کہ یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ جماعت نے دوسرے قومی مسائل سے بھی "تعلق" صرف نظر کیا تھا۔ مگر اگست ۱۹۴۷ء میں جانے کے بعد مسعودی قوم پرستی کا لہر اڑھ لیا۔ اور صفحہ ۱۱۶ پر اس کے بغیر میں مولانا کی تحسیر یوں سے کئی اقتباسات ایسے دئے ہیں جن میں مسلمانوں کے لئے لفظ "قوم" استعمال کیا گیا ہے۔ اس ساری بحث میں "تفسیرِ فلسطین" سے متعلق مولانا کی عبارتوں سے ان فقرات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے جو مصنف نے معرفت کے موقوف کے خلاف پڑتے تھے۔ اگر مولانا کی یہی تحریر سامنے آجاتی تو ڈاکٹر صاحب کو اس کتاب صفحہ ۶ سے ۷ کے صفحہ ۷ تک کی ساری بحث کرنا تو عذرت کرنا پڑتا اور انہیں اس پر اس اقتباس کو سرے سے "گول" ہی کرنا پڑتا۔ مگر یہ معلوم موصوف نے کن اعتماد کی بنا پر ایک عربی تحریر سے صرف اپنے مطلب کے سمجھنے منتخب فرمائے اور بغیر کو نظر انداز کر دیا اسلئے

اس کے علاوہ انہوں نے قومیت (NATIONALITY) اور قوم پرستی (NATIONALISM) کے فرق کو بھی ملحوظ نہیں رکھا۔ جہاں تک قوم پرستی کا تعلق ہے مولانا مودودی تقسیم سے پہلے بھی اس کے مخالف تھے، انقلاب بھی اس کے اتنے ہی مخالف ہیں یہ جیسے کل حرام تھی ویسے ہی اب بھی حرام ہے اگر ڈاکٹر صاحب کوئی تحریر اس بات کے ثبوت میں پیش کر سکتے ہوں تو ضرور پیش فرمائیں کہ جس "قوم پرستی" کو مولانا نے امت و پارٹی، جماعت اور عرب اللہ اور خلافتی فوجداریسی اصطلاحات کی عین ضد قرار دیا تھا اب اسی کے حامی اور علمبردار ہیں۔ یہی "قومیت" یعنی (NATIONALITY) نہ تو

یہ حرام ہے اور نہ مذکورہ اصطلاحات کی ضد۔ اس معنی میں لفظ ”قوم“ کا استعمال بھی ہرگز حرمِ عریض نہیں۔ ان معنوں میں اس لفظ کو مولانا نے تقسیم سے قبل بھی استعمال کیا ہے۔ آپ بھی استعمال کرتے ہیں اور ائمہ بھی جوتا رہے گا اس کے استعمال میں ہرگز کوئی مباحث نہیں قرآن مدِ حدیث میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے

اگر انتہا سات کی بات میں نکلے تو اس سلسلے میں کچھ آخری گزارشات بھی سن لیجئے :-

● اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے مولانا مودودی کو ”قوم پرست“ ثابت کرنے کے لئے کہاں اور بہت سے اقتباسات دئے ہیں وہ ان ”تفسیر فیلسطین“ والا فکندہ اقتباس بھی نقل کیا ہے لیکن اس طرح کہ مولانا محترم کا صحیح لفظ ”نظم پر گزرا“ نہ ہونے پائے، ”قرآن مجید“ نقل کیا جا تا تو ڈاکٹر صاحب کو اپنی کتاب کے کئی صفحے تبدیل کرنے پڑتے۔ اس کے تفسیری ذکر کے لئے چونکہ دو تین صفحے مزید لکھے پڑتے ہیں لہذا انتہا سا نہ کالی ہے۔ جسے یقین کر لی ہو وہ اصل سے موازنہ کر کے خود دیکھ لے۔

● اس سلسلے کی دوسری بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے مولانا مودودی کی پیش کردہ دعوت کے تین نکات میں سے دو کا ذکر عرضاً اور اشارتاً تو مستند با کیا ہے لیکن اس دعوت کے تیسرے نکتے کی کتاب کو کچھ تک لکھے نہیں دی حالانکہ یہ ”نکتہ“ بھی قبل از تقسیم دعوت کا اہم ترین جز تھا۔ ایسا کیوں نہیں کیا گیا؟ اس کی سبب بڑی وجہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف مولانا محترم اور جماعت اسلامی کی پالیسی ”انقلاب قیامت“ اور اصلاحِ حکمت“ کو نہ پر بحث لاکر جماعت کے اعلیٰ و اعلیٰ میں ”لفظاً“ ثابت کرنے کے جوش میں تھے۔ اور یہ بحث اس کتاب کی ”جان“ ہے اور دعوت کا یہ تیسرا نکتہ ثابت کر لیا جاتا تو اس مسئلہ کتاب کی ساری ”جان“ ہی نکل جاتی۔ اس لئے ڈاکٹر صاحب نے سرے سے اس کا ذکر نہ کرنا مناسب ہی نہیں سمجھا حالانکہ انصاف کی مدد سے انہیں اس نکتے پر بھی گفتگو کرنی چاہئے تھی۔

● اس سلسلے کی تیسری اور اہم ترین بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے مولانا موصوف کی ایک ہی عبارت کو اپنی کتاب کے تین مختلف مقامات پر نقل فرمایا ہے اور یہ کتاب کو مصدوم ہے ہی کہ صاحب موصوف نے یہ کتاب ”دو قطری“ میں تصنیف فرمائی ہے یعنی اس کا ایک حصہ قرآن ہے اور دوس سال قبل لکھا گیا تھا اور دوسرا حصہ جو صفحہ ۲۰۰ سے شروع ہوتا ہے غالباً پہلے حصہ کے دس سال بعد تحریر کیا گیا ہے۔ جن اقتباسات کا میں ذکر کرنے والا ہوں ان میں سے دو لکھائے پہلے حصہ میں دہرے فرماتے ہیں جو انتہائی ناقص، محدود و نامکمل اور حیرت انگیز حد تک مغالطہ آمیز ہیں۔ مولانا موصوف کی اسی تحریر کا تیسرا اقتباس موصوف نے اپنی کتاب کے دس سال بعد دہرائی تحریر کے صفحہ ۲۱۰ پر دیا ہے جو ناقص اور نامکمل تو نہیں البتہ اسے سماج و سیاسی سے الگ کر کے اس کے اندر حضوری تحریر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اب اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

● ڈاکٹر صاحب موصوف اپنی کتاب کے صفحہ ۳۳ پر مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے ”طریق کار“ میں تضاد ثابت کرنے کیلئے فرماتے ہیں کہ

”لیکن اب — اپنے آپ کو اصولاً تحریک پاکستان میں فٹ کر لیا گیا اور امید یہ باندھی گئی کہ تیسیم پاکستان کے فوراً بعد، (راگے مولانا کا اقتباس نقل کرتے ہیں)

”اسلامی نظام کے نصیب العین ملک پر چنے کے لئے ایک پس ترین اور قریب ترین راستہ ہمارے ہاتھ میں لگا گیا ہے“

ملاحظہ فرمائیے نظام اسلامی کی صحیح ترتیب

اس اقتباس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ مولانا کی ذات سے جو فقرے منسوب کئے گئے ہیں وہ سیاق و سباق اور طریقہ الگ الگ کے پیش کیے گئے ہیں ان میں تضاد محض نہیں تو پاکستان کی قیادت سے کیا قسم کی ”اسید باندھنے“ کا سہ سے کوئی نشان ہی نہیں ملتا۔ اس میں دوسری بات قابلِ غور یہ بھی ہے کہ موصوف نے اس اقتباس کا ترجمہ نہ دیا ہے وہ سخت مغالطہ آمیز ہے کیونکہ ”تمام نظام اسلامی کی صحیح ترتیب“ نام کی کوئی کتاب جماعت اسلامی کے گزریہ پر سرسے موجود ہی نہیں

اب اصل اقتباس کا غلط فہم نہیں۔

مولانا فرماتے ہیں:۔

”ہم اس وقت پہلے طریقہ کو ماننا رہے ہیں اگر اس میں ہم کامیاب ہو گئے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ پاکستان کے قیام کے لئے ہماری قوم نے جو جدوجہد کی تھی وہ لا حاصل نہ تھی بلکہ اس کی بدولت اسلامی نظام کے نصب العین تک پہنچنے کے لئے ایک بہترین راستہ ہمارے ہاتھ آ گیا ہے لیکن خدا نخواستہ ہمیں اس میں ناکامی ہوئی اور اس میں غیر اسلامی سیاست قائم کر دی گئی تو یہ مسلمانوں کی ان تمام محنتوں اور قربانیوں کا ہرج و مرج ضیاع ہو گا۔ جو قیام پاکستان کی ماہ میں انہیں ملنے لگیں اور اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم پاکستان بننے کے بعد بھی اسلامی نقطہ نظر سے اسی مقام پر ہیں جہاں پہلے تھے اس صورت میں ہم پھر وہ سرسبز علاقہ پر کام شروع نہ کر دیں گے جس طرح پاکستان بننے سے پہلے کہتے تھے۔ اصل اقتباس دیکھئے اور ڈاکٹر صاحب والا اقتباس بھی پڑھئے اور اندازہ کیجئے کہ کس مہمات کے ساتھ آدھے جملے کو الگ کر کے اسے کتنا غلط فہم افشایا گیا ہے۔

• اسی طرح کتاب کے کسی صفحہ پر مولانا موصوف کی دو مزید تحریروں کے اقتباسات درج کر کے ان میں باہم تضاد دکھا کر کیا گیا ہے ایک اقتباس میں قریہ دین کی گئی ہے کہ وہ قومی حکومت جس پر اسلام کا نمائندگی لیں لگا ہوا ہر وہ اسلامی انقلاب کا راستہ دیکھنے کے لئے بڑی جری اور بے باک ہوتی ہے۔ اس کے بعد اس بات سے ”تضاد“ نمایاں کرنے کے لئے ڈاکٹر صاحب نے مولانا محترم کی یہ تحریر نقل کی ہے:۔

”... لیکن اب امیدیں باندھنی نہیں کہ:

”جن لوگوں کے ہاتھ میں اس وقت تمام کام ہے وہ اسلام کے معاملے میں اتنے غلط اور عدول کے بارے میں جواہروں نے اپنی قوم کے لئے تھے اتنے صداقت پرور کہ اسلامی حکومت قائم کرنے کی جواہریت ان کے اندر مفقود رہ جائے خود محسوس کر لیں اور ایمانداروں کے ساتھ مل کر لیں کہ پاکستان حاصل کرنے کے بعد ان کا کام ختم ہو گیا ہے اسباب یہاں اسلامی نظام تعمیر کرنا ان لوگوں کا کام ہے جو اس کے اہل ہوں“ (مردودہ)

اس کے بعد اس پر ڈاکٹر استاد صاحب بایں الفاظ تبصرہ فرماتے ہیں:

”اگر یہ تضاد نہیں تو فرمایا جائے کہ تضاد اور کس چیز کا نام ہے؟“

مولانا موصوف کی تحریروں کا یہ اقتباس حد درجہ ناقص اور اس لئے سابق ولاحق سے بری طرح الگ کیا گیا ہے اور اگر اصل اقتباس سے موازنہ کیا جائے تو اس سے ”امیدیں باندھنے“ کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے اور نہ اس میں کہیں ”تضاد“ کا نشان ملتا ہے۔ پھر یہاں قابل غور بات یہ بھی ہے کہ مولانا کی تحریروں کا اقتباس تو کیا گیا ہے لیکن حوالہ عمارت کو کہاں سے لیا گیا ہے اس سے پہلے حوالے میں بھی آپ دیکھ چکے ہیں کہ وہ ان ایک مغالطہ آمیز حوالہ سے درج کیا گیا تھا۔ یہ کیوں کیا گیا ہے؟ کیا ”س میں“ سمجھ کر نہ دخل ہے یا..... اس پر آپ خود ہی غور فرمائیں!

مولانا ایک سات کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:۔

”میں شیخ طرہ پر سمجھ لیجئے کہ یہاں اسلامی نظام کا قیام صرف دو طریقوں سے ممکن ہے:۔

ایک یہ کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں اس وقت تمام کام ہے وہ اسلام کے معاملے میں اتنے غلط اور عدول کے بارے میں جواہروں نے اپنی قوم کے لئے تھے اتنے صداقت پرور کہ اسلامی حکومت قائم کرنے کی جواہریت ان کے اندر مفقود رہے۔ اسے خود محسوس کر لیں اور ایمانداروں کے ساتھ یہ مانیں کہ پاکستان حاصل کرنے کے بعد ان کا کام ختم ہو گیا ہے اور یہ کہ ایمانداروں کا اسلام نظام تعمیر کرنا ان لوگوں کا کام ہے جو اس کے اہل ہوں اس صورت میں معقول طریق کا یہ ہے

(PREREQUISITE) کی تردید بھی موجود ہے، انہوں نے خود بھی اپنی کتاب کے متعدد مقامات پر اس بات کی شکایت کی ہے کہ ہر سہو اقتدار طبقے پر جو تنقید جماعت کی طرف سے کی جاتی رہی ہے وہ سخت اندھا احتیال سے متجاوز تھی۔ اور یہ نتیجہ بھی مولانا کی ذیل کی اس قرینہ کے نہ کرنے کی غرض سے اخذ فرمایا جا رہا ہے جس میں مولانا فرماتے ہیں۔

”مسئلہ کا سیاسی انقلاب ہمارا لگاؤ میں مصلحتی انقلاب تھا۔ اور پھر اختیارات ناقص لیتے ہی ہماری قوم کے قائدوں نے جواب قائل ہی نہیں حاکم بھی تھے ملک کے اندر نظام کے متعلق جیسی الجھی الجھی باتیں کرنی شروع کیں اور قوم جس طرح ابتدائی چند مہینوں میں تشدد سے دل سے شقی رہی اسے دیکھ کر وہ صاف معلوم ہو گیا کہ اس وقت ایک بڑے شعور قوم کی باہیں ایک بڑے سرگروہ کے ناقص ہیں اور یہ وقت خاص کر پیچیدہ گہری کام میں لگے رہنے کا نہیں ہے اب اگر ایک لمحہ بھی خالی کیا گیا تو ایسا نہیں کہ جو لوگ منزل کا تین گئے بغیر بے سرچے سمجھے چل پڑے تھے، وہ لگا لگا کسی غلط نظریے کی اس ملک کی بنیاد قرار دے بیٹھیں اور پھر اس نتیجے کو برد مولانا موجودہ حالت کی یہ نسبت ہزار گنا زیادہ قریبوں کے بغیر ممکن نہ رہے۔“

یہ تو تھی۔ امیدیں باندھنے اور لازمی PREREQUISITE کی حیثیت لیکن مولانا نے جماعت اس اقتضا میں یہی ہے اس کے جواب میں دو اکترا صاحب تحریر کہتے ہیں۔

”ایک غیر اسلامی دستور کے لغاؤ کی صورت میں کبھی نہیں آتا کہ الیاب کوں سا پہاڑ عابور فوراً ٹوٹ پڑے کوئی دیکھ رہا تھا۔ اس صورت میں ہماری پوزیشن انگریزی حکومت میں متحدہ جماعت اسلامی اور ہندوستان میں آج کی جماعت اسلامی کی پوزیشن سے انوکھ دیکھ میں مختلف ہوتی۔ آپ اس کو کسلائی دستور کی طرح قبول کرنے میں صریح انگریزی حکومت آپ کو تسلیم تھی اور ہندوستان کا سیکرٹری متحدہ جماعت اسلامی ہند نے قبول کیا ہے۔“

کتنا خوبصورت استدلال ہے! فائنات کا کس قدر حسین شاہ کا ہے؟ مولانا مودودی کے استدلال کا کیا اچھا رد ہے۔

اس کتاب کے صفحہ ۲۰۶ اور ۲۱۱ کی ساری بحث پڑھنے سے یقین رکھتی ہے اگر کسی صاحب کو اس مسئلے سے دلچسپی ہو اور وہ حقیقت حال سے واقف ہونا چاہتے ہوں تو وہ ضرور ان مقامات کا مطالعہ کریں۔ اس میں انہیں بڑی دلچسپ باتیں پڑھنے کا اتفاق ہو گا، کہیں بنیادی دعوت اللہ تعالیٰ تعین کو طریق کار کے مترادف سمجھا گیا ہے، کسی مقام پر تنبیہ اس مسئلے امتداد کو۔ اصولوں کے معنی فرض کر لیا گیا ہے کسی جگہ ”ماہ“ کو ”بلند پر چلنے“ کے مترادف خیال کیا گیا ہے، کہیں اس طرح کا انداز فکر طے لگا لگا صراحہ مشرہ کے کام کے دعوت اگر گھر کو آگ لگ جائے تو اس کے بجائے کی سعی کرنا مفاد، اور اصول سے انحراف کے معنی ہو گا، اور مسجد کو شراب گھر میں تبدیل کرنے والوں کی مداح میں رکاوٹ بننے کی کوشش کرنا قوم پرستی، حرم پرستی، اور جھلنت پسندی جیسی مشیہائی تحریکوں کا نتیجہ ہو گا اور جہاں آپس استدلال کہے جا رہی محسوس ہوتی ہے تو وہاں یہ کہہ سکتا ہوں کہ بقید تمام کی تمام رد لیں! اس قدر ہلکی ہیں کہ ان پر کلام کرنے کو کبھی نہیں چاہتا؟

مگر ماضی صید کے ذہن ان ہیں۔ ان کی فائنات سے ان کے دلائل کو کبھی تو فائنات تھیں لیکن ان کے معنی انسانیت کے نہیں ایک ایسی مدورہ ڈال دیا ہے اور دعوت کچھ بڑا بننے کی تلاش نے انہیں ایک ایسے بیرونی چھتا دیا ہے کہ جس کی وجہ سے دس سال کا ایک ہلکی مودہ گندہ جالے کے دودھ بھی بدین دولت کے لئے کوئی قابل ذکر کام نہیں کر سکتا اور اب جماعت اسلامی کے غیر معصوم ہندوؤں کے نوروں کو داریں۔ تضاد تلاش کرنے کا انہوں نے جو بیلا اٹھایا ہے وہ انہیں کسی بھی کام کے قابل نہیں سمجھو گے گا۔ یہ بڑا حقیقتہً انہی پر صادق آتا ہے:

خوش و غمشید دے شعلہ مستقیم بود

کاش انہیں اس بات کے جائزہ لینے کی قوت نہ ہوتی کہ "جملتہ ہندو" کے جس عیب کی نشاندہی انہوں نے جماعت اسلامی میں کی ہے۔ کہیں اس کا ظہور ان سے تو نہیں ہوا۔ ان کی چینی سے قبل اور علم و مطالعہ کی کمی کے باوجود اقامت دین کے ہرین کا دل صریح نوعیت کا شعور حاصل کئے بغیر اندوخت سے بچھڑا ہے آپ کو مفکر اور مجتہد کے ایک مقام بلند پر بجا کر جماعت اسلامی پر متفقہ کرنے اور اسے چھڑنے میں ان سے کہیں "جملتہ" تو نہیں ہوتی۔

میری گذشتہ بات امدادہ اور توقع سے زیادہ طویل ہو گئی ہے اس لئے اب انہیں ختم کرتا ہوں۔ اگرچہ یہ آپ کے لئے ہے لیکن قارئین ملاحظہ کرنا کہ مطالعہ میں شریک نہ فرمائیں تو مرنے بھی رہوں گا۔ اور مجھ کو لگا کہ میری محنت رائگان نہیں گئی۔ !! والسلام

(بقیہ تہذیب و روح انتخاب) ڈیڑھ سو سالوں کی مسلسل جدوجہدیں اور اسلام اور مسلمانوں سے اس کی کھلی ہوئی دشمنی کے بعد کوئی چارہ باقی نہیں رہا، سوائے اس کے کہ قریب کے مسلمان اپنی قسمت کے خدا مالک بنیں۔ ادبچاں ان کی اکثریت ہے وہاں کا نظم و نسق ان کے اپنے ہتھوڑوں پر۔

تیسری مسئلہ اس اقدام پر بار کیا دے سکتی ہے۔ حکومت ترکیہ بھی مبارک باد کی مستحق ہے کیونکہ اس نے بارودان دین کی کئی عملی امداد کا حق واد سمجھا اور بعض تقسیم دین اور بیانیوں ہی سے ان کا پریت بھونے کی کوشش نہیں کی بلکہ وہ مسئلہ ان کی امداد کو پہنچا اور اس کے بعد قریب مسلمان اس قاب پر سے کہ وہ میکا کیوس کے سلسلے میں تان کر کھڑے ہیں۔

کاش کہ مسلمان ہر جگہ اپنے منظم جماعتوں کی اسی طرح امداد و اعانت کریں۔ اکی صحت میں مضبوطی کو غیر جیسے سب سے پہلے ہیں۔

دیکھ کر یہ مامنامہ "ثقافت" لاہور

اشرف الیبارٹریز

۱۔ نوڈلٹر پینٹ ادویات -

۲۔ خاص اجزاء سے تیار شدہ قرابادینی مرکبات -

۳۔ ماہرانہ تشخیص -

۴۔ ہمدردانہ علاج کا عظیم اور قابل اعتماد مرکز

خدا نخواستہ مریضوں

خواہ طبیب ہوں یا ڈاکٹر

آپ اپنی طبی ضروریات

اسے ادا کر سکتے ہیں

آپ یا کسی مریض کے سر پرست

اسی طرح قابل اعتماد آپس کے جس طرح لاکھوں افراد اس ادارہ کی خدمات سے مطمئن ہیں۔ بہت سی اور سالانہ تشخیصی تجویز مفت طلب فرمائیں

اشرف الیبارٹریز صناعہ کالونی - لال پور

ترجمہ و پیشکش
مرانا محمد تقی عثمانی
رہس دارالعلوم کراچی (۲)

دعا کیوں کی جائے؟ امام رازیؒ کی تفسیر کبیر سے ایک اقتباس

امام فخر الدین رازیؒ کی تفسیر کبیر علوم و معارف کا ایک خزانہ ہے اس میں دین کے اسرار و حکم، قرآن حکیم کے معارف و لطائف، اہل حقانہ و کلام سے متعلق نہایت قیمتی مضامین ملتے ہیں، خاص طور سے عقل پرستوں کی تسکین و تشفی کا اس میں بڑا مواد ہے اس کے مطالعہ کے دوران مساوات الہی بخش نظر سے گذرتی ہیں جنہیں دیکھ کر یہ خیال ہوتا ہے کہ امام رازیؒ بیسویں صدی کے تشکیک زدہ ذہن کو پیش نظر رکھ کر یہ سب کچھ لکھ رہے ہیں، ایسے مواقع پر ہمیشہ دل یہ چاہتا ہے کہ ان مضامین کا اسلہ میں ترجمہ کر دیا جائے، مگر پھر ہمیشہ ہی یہ خواہش معروضات کے انہار میں دفن ہو جاتی ہے، اتفاق سے حال ہی میں جب محترم جناب عارف نادان نے نادان کے لئے کوئی مضمون بھیجنے کے لئے فرمایا تو میں دعا سے منتظر امام رازیؒ کی ایک بحث پڑھ کر غافل ہوا تھا، دل چاہا کہ آج اپنی ویرانہ خواہش کی ایک قسط پوری کر دی جائے، اس طرح یہ مضمون آپ کے سامنے ہے۔

اس مضمون کا پورا مفہوم امام رازیؒ ہی کا ہے، البتہ اچھے عام فہم بنانے کے لئے میں نے نہ صرف یہ کہ اس کے اسلوب بیان کو بدل دیا ہے، بلکہ اس کی ترتیب میں بھی بہت تبدیلیاں کی ہیں، اس لئے کہ اس کے بغیر اسے اسلہ کے مروجہ مزاج میں ڈھالنا ممکن نہ تھا۔
تقی

استدلالی کا رشاد ہے، —

أجیب دعویٰ الداعی ما إذا دعان (بقراءہ)
جب کوئی پکارنے والا مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔

دعا کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنے پروردگار سے عزیمت اٹھو کا طلبگار ہو، بعض جاہل یہ سمجھتے ہیں کہ دعا ایک بے نامہ جیز ہے اس سلسلے میں ان کے دل میں جو شبہات پیدا ہوتے ہیں، جو یہاں ان کا جواب نہ کر سکتے ہیں۔

(۱) دعا کے بارے میں پہلا شبہ تو بعض عقل پرستوں کو یہ ہوتا ہے کہ جو بات دعائیں طلب کی جا رہی ہے یا تو تقدیر میں اس کا واقع ہونا لکھا یا واقع نہ ہونا، اگر تقدیر میں یہ لکھا ہے کہ وہ ضرور واقع ہوگا، تب تو دعا کر کے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اس لئے کہ اُس کو تو واقع ہونا ہی ہے

اس اگر تقدیر میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ وہ واقع نہیں ہوگی، تو انسان خواہ کتنی دعا کرے وہ ہرگز واقع نہیں ہو سکتی، اس حدیث میں بھی دعا سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

جن عقل پرستوں کے دل میں یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے، ان کا جواب دو طریقے سے دیا جاسکتا ہے، ایک طریقہ تو یہ ہے کہ خزانے سے پلٹ کر یہ سوال کر لیا جائے کہ جن لوگوں کے بارے میں تقدیر میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ یہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے فرد دعا کریں گے اور نہ دعا کر کے رہیں گے، خواہ آپ ان کے سامنے دعا کے بیجا رہنے کی کتنی ہی دلیلیں پیش کرتے ہیں پھر آپ دعا کے خلاف یہ دلیل کریں پیش کرتے ہیں؟ اور جن لوگوں کے بارے میں تقدیر میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ وہ اپنی مقصد پر آدمی کے لئے دعا نہیں کریں گے، وہ تو پہلے ہی دعا نہیں کر رہے ان کے سامنے بھی آپ کی یہ دلیل سے فائدہ ہوگی۔

یہ تو اڑامی جواب تھا، مسئلہ کی حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ قیامت تک پیش آنے والے مروتوں سے واقف ہے اور جوت تقدیر الہی میں لکھی جا چکی ہے اس کے خلاف کوئی واقعہ پیش نہیں آسکتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی اس تقدیر کو علمِ دہم سے پوشیدہ رکھا ہے اس لئے کہ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ امید اور خوف کے ملے جلے جذبات کے ساتھ زندگی گزارے، اگر تقدیر الہی کو ہر خاص و عام پر ظاہر کر دیا جائے تو ہر شخص اپنا انجام پہلے ہی معلوم ہو جائے گا اور اس کی وجہ سے جہد و عمل کی تمام ماحولیں بند ہو جائیں گی، ہر شخص یہ سمجھے گا کہ جب مجھے جنت میں پہنچنا ہی ہے تو خدا و خواہ ان عبادتوں کی رحمت سے کیا فائدہ؟

درحقیقت اللہ تعالیٰ نے بندوں کو امید اور خوف کے درمیان قائم رکھنے کے لئے اپنی تقدیر کو ہر آدمی نگاہوں سے پوشیدہ رکھا ہے ای امید اور خوف کی کشاکش پر نظامِ عالم کا یہ لپکا کارخانہ قائم ہے اور اس دنیا میں انسان کی ساری سرگرمیاں "امید" کو حاصل کرنے اور "خوف" سے بچنے کے لئے ہوتی ہیں، چونکہ انسان کو یہ امید ہوتی ہے کہ اس کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ اس لئے وہ اسے حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے، اور چونکہ اسے یہ خوف ہوتا ہے کہ کہیں اس مقصد سے محروم نہ ہو جائوں اس لئے وہ ان سلا و قلعہ کو ٹنڈ کرتا ہے جو مقصد کے راستے میں پیش آسکتی ہیں۔

لہذا جس طرح تقدیر کے معین ہونے کے باوجود ایک شخص کا اپنی زندگی کے حصول کی کوشش کرنا بی فائدہ نہیں ہے اسی طرح زندگی کے حصول کے لئے دعا کرنا بھی بی فائدہ نہیں۔

صحابہ کرامؓ نے بھی ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی قسم کا ایک سوال کیا تھا کہ یا رسول اللہ! ہم دنیا میں جو عمل کرتے ہیں کیا ان کا نیکہ پہچے ہی ہو چکا ہے؟ یا ہمارے عمل کرنے کے بعد ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تمام اعمال کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے، صحابہؓ نے عرض کیا کہ پھر ہمارے عمل سے کیا فائدہ؟ تو آپؐ نے فرمایا:-

اعملوا انکم مینسئل عما خلقتم
عمل کرتے رہو، اس لئے کہ ہر شخص کے لئے وہ کام آسان کر دیا جائے گا جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے۔

اس حدیث کے لفظ "میںسئل" کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ بھی بتا دیا کہ تمام اعمال کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے۔ لیکن ساتھ ہی عمل کی تاکید بھی فرمائی اور واضح فرمادیا کہ انسان کے جہد و عمل کا فائدہ یہ ہے کہ وہ تقدیر الہی کے لئے ظاہری سبب بنتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تمام واقعات کے مقصد ہونے کے باوجود ہمیں عمل کرنے کی اس لئے تاکید کی گئی ہے کہ ہمیں تقدیر کے فیصلوں کا علم نہیں دیا گیا ہے یہ بھی معلوم ہے کہ تقدیر کے تمام فیصلے ہمارے عمل کے ظاہری اسباب ہی کے واسطے سے روئے عمل ہوں گے، اس لئے ہر فرد کو چاہئے کہ وہ ایسے اعمال اختیار کرے جو اس مقصد کے حصول کا ذریعہ بن سکیں، ہو سکتا ہے کہ تقدیر میں اس کے انہی اعمال کی وجہ سے مقصد حاصل کرنا مقصد کیا

جا چکا ہے۔

اس دنیا میں مختلف مقاصد کے حصول کے لئے ہماری تمام وقت و محنت اسی لئے ہے اور اسی وجہ سے ہم اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے دعاؤں بھی کرتے ہیں۔

(۶) بعض لوگ دعا پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو ہر انسان کی ہر چھٹی چیز سے واقف ہے وہ یہ بھی جانتا ہے کہ انسان کو کیا حاجت و پیش ہے؟ اور اس کے دل میں کون سی خواہش پیدا ہو رہی ہے؟ پھر دعا کے نتیجے میں اسے اپنی حاجت یا خواہش ظاہر کرنے سے کیا فائدہ؟ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ دعا کا مقصد یہ ہرگز نہیں جتنا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی حاجت اور خواہش سے واقف کرایا جائے، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ بندہ اپنی حاجت کو حاصل کرنے کے لئے اپنے پروردگار کے سامنے ہجویت اور سکنیت کا اظہار کرے اور اپنے عمل سے یہ واضح کر دے کہ وہ ہر معاملہ میں اپنے آپ کو خدا کا محتاج سمجھتا ہے اور اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی تمام حاجتوں کو پورا کرنے پر توفیق دے اور وہی اس لائق ہے کہ اپنی ہر ضرورت کے لئے اس کی طرف رجوع کیا جائے۔

رسول بعض لوگ دعا کے اوپر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندے پر بہت مہربان ہے لہذا جس چیز کو بندہ طلب کر رہا ہے اگر اس میں بندے کی مصیبت ہے تب تو اللہ تعالیٰ دعا کے بغیر ہی اپنی مہربانی سے اُسے عطا فرما دے گا۔ اور اگر وہ بندے کے لئے عطا مصیبت ہے تو اُسے طلب کرنا فغیر ہے۔

اس اعتراض کا جواب دراصل اس کی تصریحات کے علاوہ یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا کے ذریعہ ایک غریب مصیبت چیز کو بندے کے لئے مصیبت بنا دے اس لئے دعا مانگنے سے خالی نہیں۔

۷) بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بندگی کا اعلیٰ مقام تو یہ ہے کہ انسان بلا فحی برضا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ اس کے ہاں ہے فیصد فرما دے اسے ہنسی خوشی قبول کرے۔ اس کے برعکس دعا سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بندہ خدا کے فیصلوں پر راضی ہونے کے بجائے اپنی خواہشات کی تکمیل چاہتا ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ بندہ ابتداء دعا و مناجات اور الحاج و زائر کے ذریعہ خدا کے سامنے اپنی احتیاج ظاہر کرے اپنے عمل سے اپنی بے چارگی کو تسلیم کرے، اور یہ مانج کر دے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کی رحمت سے بے نیاز نہیں سمجھتا، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کے لئے جو فیصلہ فرما دے اس پر راضی ہو جائے، تو یہ بندگی کا نیا وہ بلند مقام ہے اس کے برخلاف اگر ضرورت سے دعا ہی نہ کرے تو اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ بندہ اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتا ہے۔

۸) مندرجہ بالا بحث کو خالص عقلی معنی، یوں دعا کے فائدہ مند ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں اس کی بڑی تفصیلات نقلی دلائل دار و پرتی ہیں، قرآن کریم میں ارشاد ہے:-

ادعونی استجب لک ۱

اور عربی نہیں، بلکہ ایک دوسری جگہ یہ بھی واضح فرما دیا گیا کہ دعا سے اعراض اللہ بے پروائی اللہ کے غضب کا موجب ہو سکتی ہے، جن قوموں پر مناب نازل کیا گیا ان کے بارے میں ارشاد ہے:-

فلما رأوا جاءهم بأسماء لغواء ولکن تست ۲

فلما علمہم الذین لهم الشیطان ما کانوا یعملون

میں ان کے اعمال کو مرتب بنا دیا۔

ہذا اصول فقہ کے قاعدے کی روش سے مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔

اصلی اعتبار سے اگرچہ یہ جواب کافی ہے لیکن اطمینان قلب کے لئے اقنایات کافی ہیں، اس کے لئے مسئلے کی پہلی حقیقت کو سمجھنا ہوگا، وہ حقیقت اس اعتراض کے جواب کے لئے کافی طریقے اختیار کئے جاسکتے ہیں :

۱۔ واقعہ یہ ہے کہ دعا کرنے والے کو اپنی دعا کا عرض کسی نہ کسی صورت میں قبول مل جاتا ہے، بعض اوقات تو اس طرح کہ اس کی وہی فریاد پہنچی ہو جاتی ہے جس کی وہ دعا کر رہا تھا، لیکن اگر اس کی دعا کسی انفسی یا اجتماعی مصیحت کے خلاف ہو جاتی ہے تو اس کی درخواست جوں کی توں قبول نہیں ہوتی، جس سے وہ یہ سمجھتا ہے کہ میری درخواست کو رد کر دیا گیا لیکن وہ حقیقت اس کی دعا سے آگے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اس کے دل میں انشراح اور سکون و اطمینان پیدا ہو جاتا ہے، اسی طرح اس کے مقصد میں کوئی تکلیف یا مصیبت ہے تو اس کی پر غرض دعاؤں کی ہدایت تکلیفوں پر صبر کرنے کی توفیق ہوتی ہے اس سے معتبر کا خدشہ پیشانی سے مقابلہ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اس کا خلا یہ ہے کہ یہ چیز بھی تیریت ہی کی ایک شکل ہے۔

۲۔ علامہ نقال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ کما تضرعت علی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

دعوت المسلم لا ترفض الا لأحدی ثلاث مالم	مسلمان کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی، بلکہ تین صورتوں میں
یذاع بأشوا وقطیعة رجف أمان یجمل	سے کوئی صورت پیدا کی ہے، بشرطیکہ اس نے کسی گنہگار کی غلطی
لہ فی الدنيا وأمان یدخل فی الآخرة وأمانا	رجم کی دعا نہ کی ہو یا کو دنیا ہی میں اس کی حاجت پسند ہو
ان یصرف عنه من السوء لذلک ما جاد۔ ا۔	جانی ہے یا اس کی وہ دعا اس کے لئے آخرت کا ذخیرہ بن جاتی
	ہے، یا جس قدر اس نے دعا کی ہے اسی قدر اس سے کسی تکلیف
	کو دفع کر دیا جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس سوال کا پلہ تھا کہ جواب ہے اس لئے کہ الشفاعة فی فی تو فرمایا ہے کہ میں تمہاری دعا قبول کر دے گا یہ تو نہیں سمجھتا کہ تو قبول کر دے گا۔ ہذا اگر اس کی بدولت دنیا کے بہانے سے آخرت میں فائدہ پہنچے تب بھی یہ وعدہ بالکل پورا ہے۔

(۳) تیسرے یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قرآن کریم میں مسلمان کی دعا کے قبول ہونے کا وعدہ کیا گیا ہے، اسے مسلمان اس بات پر ایمان نہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی نقص حکمت و مصلحت سے خالی نہیں، وہ جانتا ہے کہ میرے سامنے صرف اپنی ضرورت اور مصلحت ہے اور الہی تعالیٰ کی ہر ایک کائنات کا خالق و مالک ہے اس کے سامنے اس عالم کے ہر فرد سے کی مصلحتیں ہیں، میں ممکن ہے کہ میں جو کوئی مفید اور بہتر سمجھتا ہوں وہ میرے لئے مفید ہی نہیں ہو سکتا ہے تو مفید ہرگز میری کائنات کی اجتماعی مصلحتوں کے خلاف نہ ہو سکتا اگر دعا کرنا مسلمان ہے اس لئے اس کا حق پورا مان رکھتا ہے تو اس کی دعا اس کی درخواست کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کی درخواست کو ہر حال میں قبول کیا جائے خواہ وہ قبول ہی یا نہ ہو اس لئے وہ حقیقت پر مسلمان کی دعا کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ اگر میری یہ درخواست آپ کی رضا و رضا کے مطابق ہے تو اسے قبول کر لیجئے اگرچہ ہر شخص یہ اتفاقاً استعمال نہیں کرتا اگرچہ مسلمان کے دل کو قبول کر لیتے تو عدم ہر گاہ کہ اس کے دل میں یہ بات ہوگی، وجہ غم نہ کرنے والے نے اپنی دعا کو راقی حکمت پر مبنی شرط کیا تھا شرط کیا تھا شرط کیا تھا تو اب اگر اس کی درخواست اس لئے قبول مصلحت ہو گیا بنا پسند کر دی جائے تو یہ

سے اہم اصول تو واضح ہیں، اس لئے کہ نزدیک مطلق کو مقید پر محمول ہونا ہی چاہیے، حقیقت کے نزدیک بھی جب واقعہ ایک ہی ہو مطلق مقید پر محمول ہوتا ہے، اس لئے یہ جواب بھی اصول فقہ کے دوسرے بھی درست ہے۔ نتیجہ

حضرت اورنگ زیب عالمگیر کی رواداری

شہنشاہ ابراہیم خضر علی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان میں پچاس سال تک حکمرانی کی اور امن و امان اور عدالت انصاف کی مثال قائم کر دی۔ اس کے خلاف جتنی سازشیں اور بنیادیں آٹھیں، اس نے اپنی جنگی قابلیت سے ختم کر دیں۔

اورنگ زیب کا دور حکومت آدھی اور خوش حالی کے اعتبار سے بھی اکبر اور شاہ جہاں کے دور حکومت سے بہتر تھا۔ عالمگیر کے دور حکومت میں شاہ گروہ و دھرم سالانہ مایہ وصول ہوتا تھا اور صنعت اور تجارت نے بھی بڑی ترقی کی تھی۔ بقول الکبریٰ زیہ سلطنت اس کے زمانہ میں ہندوستان کی تجارت کا مقابلہ یورپ کے پورے پڑے ہوئے ملک بھی نہیں کر سکتے تھے، یہاں کا ایک تاجروں کا لاکھ سالانہ پھل دیا جاتا تھا۔ ہر سال میں دس ہزار پونڈ سے لے کر پچیس ہزار پونڈ تک کی مالیت کا سامان ہوتا تھا۔ ہزاروں پونڈ سالانہ پھلیاں دلاؤں سے یورپ دھان کی جاتی تھیں اور سینکڑوں ہزار ہنڈکے کے مال کی برآمد کے لئے ہندوستان کی بندرگاہوں میں مال سے لیسے ہوئے کھڑے رہتے تھے، دارالخلافہ دہلی بقول ڈاکٹر منہاڑی عظمت و شان میں دوسرے زمین کے طلا خلافتوں سے عہد عالمگیری میں گرتے مہفت لے گیا تھا۔

ہندوستان کا مشہور مورخ سر جہد ناتھ سرکار اپنی کتاب "تاریخ اورنگ زیب" میں لکھتا ہے :-

"اورنگ زیب کی تاریخ عملاً ہندوستان کی ساٹھ سالہ تاریخ ہے۔ خود اس کا دور حکومت (۱۶۵۷ء-۱۷۰۷ء) سترھویں صدی کے نصف آخری پر عادی ہے اور پچاس سال کا اہم ترین تاریخی زمانہ ہے۔ یہ اس بادشاہ کا دور سحر و شہرت کا دور حکومت کا عظیم اپنے انتہائی مددگار ہے اور پچاس سالہ تاریخ کے بعد نئی حکومت کے قیام تک کے زمانہ میں شاید وہ دور حکومت تھا جس نے اتنی وسعت حاصل کی۔

"غزنی سے لے کر چالڈام اور کشمیر سے لے کر کنجاٹ تک تمام ملک ایک ہی خرواں دعا کے زیر نگیں تھا اور لوگ انبار کے دور دراز مقامات پر بھی اسی بادشاہ کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ اسلام کی آخری سب سے بڑی ترقی کا پتہ ملتا تھا۔" اسی طرح جو حکومت قائم ہوئی تھی، ایک سیاسی وحدت تھی۔ اس کے مختلف دفعات پر تخت حکمرانوں کا تسلط نہ تھا، بلکہ واسطہ بادشاہ کے ماتحت تھے اور اس حیثیت سے اورنگ زیب کی ہندوستانی حکومت ان لوگوں کے ہندو گت یا ہر ہندو جن کی حکومت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس وقت تک کسی صوبہ کے گورنر نے سزا دیا تھا۔ اگرچہ کہیں کہیں ہم جناب بنڈھنا تھا، لیکن اس صفت میں بھی کوئی شخص ایسا پیدا نہیں ہوا جو شہنشاہ دہلی کے حکم سے سرکاری کر سکتا۔"

سلم شان ہند میں اورنگ زیب عالمگیر کو جی طرح بدنام کیا گیا ہے اور اس پر طرح طرح کے جھوٹے الزامات عائد کئے گئے ہیں۔ اورنگ زیب کو مسلمان بادشاہ و قورندہ تھا لیکن اس نے کبھی کسی ہندو کو باطلہ مسلمان نہیں بنایا اور نہ اس کی حالت میں کسی ہندو کو اس کے خلاف اس قدر ہراسناکی کی گئی ہے کہ وہ غم و مستہذا کا پتہ معلوم ہوتا ہے۔ اورنگ زیب کی جیجہ پرنسز مشہد ہند و مورخ ایشوری پرشاد کی زبان پر ملاحظہ فرمائیں۔ ”مردخ موصوف اپنی مشہور کتاب ”تاریخ ہند“ میں لکھتے ہیں :-

”ہر تاریکی شان ہے کہ اورنگ زیب جتنا اپنی رعایا کا غیر خواہ تھا اتنا ہی قدمت نے اُسے بدنام کیا، کوئی نے ظالم کہا ہے، کوئی اُسے غولی کہتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ ”عالمگیر“ کے لقب کا مستحق ہے۔

”اُس کے ہم عصر ہندو و تالیق نگاروں کا بیان ہے کہ :- اورنگ زیب ایک نیک انسان تھا اس کا یہ معمول تھا کہ جس صادقی سے پہلے خواب شیریں سے بیدار ہوتا، اُس کی پھر اپنے مالک کی جلالت کو اُس کے بعد شتر سے فاسق ہو کر حکومت گاہ میں جا کر پہلا امر خاص حاضر ہوتے، وہاں کے نقیب دادخواہوں کو ایک ایک کے بادشاہ کی خدمت میں حاضر کرتے ان میں سے زیادہ تعداد ان کی ہوتی جو دوسرے معاملات سے آئے ہوتے ہوتے وہ خود ان کی درخواستیں پیش کرتا، انسان پر حکم صادر کرتا۔ اس کے حضور میں کبھی کی سفارش کا بیاب نہیں ہوتی تھی، وہ غریبوں کی زیادہ سی اسی طرح سنتا تھا۔ جس طرح امیروں کی درخواستیں، اکثر معاملات کی وہ خود تحقیقات کرتا تھا اور غریبوں کو سزا نہیں دیتا تھا۔ اس کے وہاں میں کوئی ملک لوگ نہیں تھے، جو چاہتا تھا حاضر ہو سکتا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ عالمگیر ایک انصاف پسند لوگ اس عدل کے معاملہ میں رک سخت مزاج حکمران تھا اس کا طرز عمل سب کے ساتھ یک طرح کا تھا، اس کے چمکا ایک ہندو مرد لکھتا ہے :-

”اورنگ زیب ایک سخت مزاج آدمی تھا، لیکن اس کا تہرہ و جل صرف ہندوؤں کے لئے مخصوص نہیں تھا۔ اس نے اگر ہندوؤں کے ساتھ کبھی کبھی بھی کی ترس یا کی وجہ کی بنا پر اور اس معاملہ میں وہ مسلمانوں پر بھی سختی کرتا تھا۔ سیاسی معاملات سے قطع نظر وہ ہندوؤں کے ساتھ انصاف کرتا تھا، اس کے عہد میں ہندوستانی معاشرہ میں شاں برکتے، اس نے ہندوؤں کو فارسی زبان کی تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دی اور حکمرانوں میں ان کو داخل کیا، اسی کے زمانہ میں ہندو ادب کی کتابوں کے فارسی میں ترجمے ہوئے۔ علاوہ ان میں کا تھی پرہیاگ اور دوسرے ہندوؤں کیلئے اس نے جاگیریں دی ہیں اور ہندو پیشروؤں کے ساتھ جو رعایتیں کی ہیں، ان سے اس کی انصاف پسندی ظاہر ہوتی ہے“ (زبدہ ہند) ہندو گھوسل کے قول کے مطابق عدل اورنگ زیب اپنے نزدیک سے بدعت لے گیا اور شہزادہ انگریز مردخ اسٹیلی لین ہل (جس نے اورنگ زیب کی حمایت کے رنگ میں اسے بدنام کرنے کی کوشش کی ہے) کے بیان کے مطابق پچاس برس کی مدت کے اندر میں ایک بھی ظلم اس کا ثابت نہیں ہوا، اورنگ زیب کو تسلیم ہے کہ کئی قس یا جسمانی تکلیف رسائی پیش نہیں آئی۔

لیکن ہل عالمگیر کے عدل و انصاف کے بارے میں لکھتا ہے :-

”مثلاً اعظم کا عدل و اعظم ہے، نیچے تلے انصاف سے وہ عوام کو جرنل کرتا ہے کیونکہ شہنشاہ کے حضور میں سفارت، امارت اور منصب کی کچھ نہیں ملتی، بلکہ اونٹنی سے اونٹنی آدمی کی اورنگ زیب اس سمتی سے بات سنتا ہے جس طرح بڑے بڑے امیر کی۔ سیالوں کی مخالفت نہ تھی اورنگ زیب کی چال اپن پر اسی زمانہ تک کی ہے جب تک کہ وہ شہزادہ تھا، لیکن وہ سیاح جس وقت اس کے زمانہ شہنشاہی کا حال لکھتے ہیں تو سوائے اسی بات تھیں کہ کچھ نہیں کہتے۔

ڈاکٹر علی کریری جس نے ۶۸ برس کی عمر میں اندنگ زیب کو دیکھا تھا، بیان کرتا ہے:

”وہ صرف مسلم کی پوشاک پہنے ہوئے تھے۔ پیری کے ہمارے امیروں کے بھروسے میں کھڑا ہوا تھا وہ داد خواہوں کی عرضیاں لیتا جلتا تھا اور بلا عینک پڑھ کر پڑھتے یا تھکے دستخط کرتا جاتا تھا اور اس کے ہاٹ اسٹس بٹش پیر سے سے صاف مترشح تھا کہ وہ اپنی مصروفیت سے نہایت شادمان و فرحان ہے۔“ (تاریخ الغضن ص ۷۷)

اندنگ زیب کا بہنوئی کو تو ان تھا۔ اس کے بیٹے نے ایک ہندو بہن کا ڈولابرات جاتے ہوئے اپنے آدمیوں سے اُٹھرائے گایا۔ خنجر پر زبیروں نے بادشاہ کو اس کی اطلاع دی تو اس نے فوراً اپنے جیلے کو گنار کے قید خانے میں ڈال دیا۔ اندنگ زیب کو اس جگہ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا تو اس نے طے سے انکار کر دیا۔ بہن نے عرض بھی کی کہ ”آپ میرے بھائی ہیں، آپ نے میرا کوئی خیال نہیں کیا، اور آپ نے اپنے جیلے کو قید میں ڈال دیا میں اپنے لڑکے کی جہاڑی برداشت نہیں کر سکتی گی، اندنگ زیب نے اپنی بہن کی گریہ زاری اور منت والہا کو کوئی خیال نہیں کیا اور عرضی پر اپنے قسم سے لکھا۔

”اگر عہدہ کی مال اپنے بیٹے کی جہاڑی برداشت نہیں کر سکتی تو اسے بھی بیٹے کے پاس قید خانے میں بھیج دیا جائے۔“

۱۹۵۸ء میں شہنشاہ اندنگ زیب نے یہ فرمان جاری کیا کہ ہر ضلع میں سرکاری دکن مقصد کیا جائے کہ جس کی کہ بادشاہ ہر کوئی دعویٰ پیش کرے اور تو سرکاری دکن اس کی جواب دہی کہے گا اور اس کا کافی ثبوت ہو تو سرکاری دکن سے مطالبہ وصول کرے، چنانچہ دکن شرع مقرر کئے گئے جو عیا کی طرف سے قانون کے مطابق بادشاہ کی نا انصافیوں کا تذکرہ کرتے تھے۔

ایک غیر مسلم تاج اسلام قبول کر کے موت سے بچنا چاہتا تھا، مگر اندنگ زیب نے اس کی ہمدردی کی شدت کے باوجود تاجی کے فیصلہ کو ناپسند کیا اور دیا اندنگ زیب عالم گیر کے ایک وینڈرسلن بادشاہ ہونے کے باوجود اس کے جھگڑا ایسی مثال پیش نہیں کی جاسکتی کہ اس نے کسی ہندو کو زبردستی مسلمان بنایا ہو، یا نہ ہی معاملات میں کسی پرکھ کی ہو۔

الگزینڈروو اور وائی کتاب ”تاریخ ہند میں لکھتا ہے۔

”اندنگ زیب نے ترقی دین کے جوش میں زبیروں کے ساتھ تاجی کی لیکن اس نے غیر مذہب کے لوگوں پر مذہبی معاشات میں سختیاں نہیں کیں۔“

سرخ، غضن کا بیان ہے۔

”اندنگ زیب کے ہمدردی و حکومت پر نظر ڈالنے کے بعد یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس نے کبھی کسی ایک ہندو کو کسی شخص اخلاقیات مذہب کی بنا پر قید کیا ہو یا اس کی ہاندا پرٹیکس لگایا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے اپنی ساری زندگی میں کسی فرد سے بھی کبھی اس کے آباؤ اجداد سے کبھی سے میں باز پرس نہیں کی، بلکہ ہر شخص اپنے مذہب کے معاملہ میں آزاد تھا۔

ہندو نیرتارندرا پانی کتاب ”پری پرگ آف اسلام“ میں اندنگ زیب کی محنت عملی پر ترجمہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

”اندنگ زیب کے عہد کی کتب کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس نے بھی کسی غیر مسلم کو باوجود مسلمان نہیں کیا بلکہ اس نے غیر مسلموں کی دلدادگی کی انتہائی کوشش کی ہے تاکہ اس کے مذہبی جوش کی بنا پر کوئی غلط فہمی غیر مسلموں میں اس کے بارے میں نہ پیدا ہو سکے۔“

پنڈت کب لائے نامی ایک برہمن اورنگ زیب کا مستند خاص تھا۔

اورنگ زیب کو اپنے بندہ رستم سلطان راہو جے سنگھ پر اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ اہمیت دینا چاہی اور اس کے مقابلے کے لئے اورنگ زیب نے جو فریج بھیجی تھی اس کا سپہ سالار اسی کو بنایا تھا۔

راجہ جے سنگھ نے وفات پائی تو اورنگ زیب نے اس کے فرزند کنہی رام سنگھ کو جوان روزی معزوت تھا، قصہ معاف فرما کر راجہ کا خطاب عطا فرمایا اور اس پر یہ حد فرارزش فرمائی۔

جے سنگھ کے بیٹے مان سنگھ، ہما سنگھ، الپ سنگھ اپنے باپ کی وفات کے بعد آستانہ شاہی پر حاضر ہوئے تو مرشد شاہی کو خلعت مرحمت ہوا۔

(ماثر عالمگیری)

کابل میں گرچہ مرشد سنیوں کی آبادی تھی، مگر اورنگ زیب نے وہاں ایک ہندو گورنمنٹ رکھا اس کا نام جسروٹ سنگھ تھا۔ کوئی جسروٹ سنگھ؟ وہ جس نے دادا شکوہ کی حمایت میں اورنگ زیب کے مقابلے کیا تھا جو وہ ہزارہا جسروٹ لے کر شجاع کے مقابلے کے لئے گیا لیکن عین مدائی کی شب میں اپنی ساری فوج کے ساتھ شاہی خزانہ پر حملہ کرتے ہوئے شجاع سے جا ملا اور جس نے میراجی کے مقابلے میں اورنگ زیب کے ساتھ فساد کی۔ راجہ جسروٹ سنگھ باسیا دا اورنگ زیب بدعہدی اور فساد کی کیا لیکن اورنگ زیب ہارے معاف کر دیا، اور اس کے چہرے پر ہنس کر دیا۔

اورنگ زیب کی اس فراخ دلی اور فساد کی پرکھن انصاف پسند ہو گا جو رحمان کہے۔

ہما راہ اور سے چورنے دوسرے راجاؤں کے ساتھ مل کر اورنگ زیب کے خلاف بغاوت کی، لیکن شکست کھانے کے بعد اورنگ زیب نے معافی مانگی تو اورنگ زیب نے اسے گلے لگا لیا۔ ۱۶۸۳ء میں ہما راہ نے دہلی شاہی میں حاضر ہوا تو اورنگ زیب نے اسے بیش بہا خلعت، خطاب اور پنج ہزاری منی عطا کیا۔

شاہد عین آدوے اور کے ہزارہ اندر سنگھ کو دو ہزاری اور ہما راہ سنگھ کو ایک ہزاری و بانہدی کا منصب عطا کیا۔

سرتجان تندر شاہ کا گھبران تھا۔ تندر شاہ کی فتح کے بعد ہزارہ جمہا عظم نے اس کے ماتھے اور گردن بانہ کر اورنگ زیب کی قدرت میں پیش کیا تو حکم ہوا کہ اس کے بند کھول دئے جائیں۔ سرتجان کو منصب پنج ہزاری، دو ہزار سادہ خلعت و کٹارہ اسپ دئیں، علم و دروازہ و نقارہ اور بیس ہزار نقد عطا فرما کر سر بلند و ممتاز فرمایا۔ سرتجان نے بکمال حقیقت اپنی زبان سے عرض کیا۔

بیا من بخت بخندید اندر ترا نہ شکر

(ماثر عالمگیری)

کر نقش سجده ام آخر کوئے شاہ نشست

ان آباد ہا دشاہی کے حیرت انگیز اعزاز کا دینا ہمیشہ تعجب اور حیرت سے شاہد کرتی رہی، سخت سے سخت دشمن گرفتار کر کے لایا گیا، جس پر تاج پانے کے لئے گردنوں و دھوپے اور لاکھوں جاغیر ضائع کی جا چکی تھیں، لیکن جب وہ مغلوب ہو کر سامنے آیا تو راجہ کا ستانہ نفسہ یہ ہوتا تھا۔

در مغرورندے ست کہ دسا مقام نیست

اگر وہ دوبارہ بغاوت کرتا اور پھر شاہی تشرن تہرے سے مغلوب ہو کر ندامت کا اظہار کرتا تو فتح میں نہایت کمکت سے کہہ دیا جاتا۔

اب دنگ ما دنگ نا امید نیست

جب کہ جب شیراجی نے دوسری مرتبہ عالمگیر کے سامنے ندامت کا اظہار کیا تو عالمگیر نے ہی جواب دیا تھا۔

(علامہ ہند کا شاعر صافی)

پہلے ہی شاندار تجربہ پایا، کھانوں، سیرایا، لاپچانا، دجائی، دوپڑا، پائیدلی، وپا، نعلیہ، کارا، ایرتھا، پائیدلی، اضافہ سے ہم چمٹیں
من سر ملنے کی۔ (دائر عالمگیر)

۱۰۰۰ میں قائم کیے تھے شاہ نادر نے مظہم شاہ کو دربارِ حرماتِ شاہ کے پرانہ دکن کی صوبہ دار کی پراسور کیا تو سیدنا آج نے حرماتِ شاہ کے پاس پیغام بھیجا کہ میں اپنے بیٹے سنبھا کو بھیجتا ہوں اس کو فوج میں کوئی عہدہ نہ دیا جائے۔

جسرت سنگر خلیہ و فرخاست منظر کی سیاحتی نے سبجا کو ایک ہزار و چکے ساتھ ہزارہ معظم کی خدمت میں بھیجا۔

ہا و جو کہ سنبھ جی پہنچے پنج ہزار کی منصب پر دیا سنا لگی کہ میں فائز تھا اسی پھر باپ کے بعد خود بھی فرائض کو باپ کی شمشاد گشتی میں شریک ہو گیا تھا گشت ان نصف کو کم کا تغیر یہ بھی تھا کہ

ۛے ایں درگہ مادرگہ نومب دی نیست

چنانچہ سنبھالی کر پنج ہزار سی منصب راجہ کی کا خطاب اسی صوبہ دار نے بطور جاگیر عطا ہوا۔

سید اجماعی کے انتقال کے بعد سنبھالی اس کا جانشین ہوا لیکن وہ اپنی آزمائش امتحانہ کار لے لیکر باعث اپنی قوم کو خوش نہیں سکے مگر مددہ
زیل اس کے انتقال حاصل کیے ہی ہوئے تھے وقتاً حوالہ کے نہایت مفاہی اودیددی سے لڑا اور آگ لگ دی تاکہ لکیرے مسئلہ ۹
میں مغرب خان کو سنبھالی سرکوبی پر مامور کیا جس نے سنبھالی کو فتح ال و خیال گرفتار کر لیا۔ جب وہ باہر نہ نچرے لکیر کے دبا میں حاضر کیا گیا
تو اس نے طاقت کے بجائے عالمگیر کو رو دے رو گایاں دیں۔ اس صورت میں غفور درگند کے کام لینا وقتاً سلطنت کو بردار کر دینا تھا۔
مجبوراً عالمگیر کو وہ معاملہ کرنا پڑا جو اس نے اپنے پیچھے چھ سالہ اور حکومت میں بھی کسی کے ساتھ نہ کیا تھا یعنی زبان اور تانکیوں نکلوا کر اس کو
قتل کر دیا لیکن پھر فوراً لفظ دکر کے فطری جہد نے عالمگیر کو مغرب کیا اور اس صورت میں اس نے وہ کیا جو عزم و احتیاط کے تھا مخالف
معدد و مرد کا شاندار ماضی یعنی سنبھالی مال ڈانگ زیب کے سب سے بڑے دشمن کی مری اور مدد سے متعین کے متفق حکم سے دہرا
کہ ان کے لئے ضرورت کے لحاظ سے نیچے لگا کر ان امیروں کو عزت و احترام کے ساتھ اتارا جاتے۔ عمدۃ الملک کے ڈیرے کے قریب رانی کے
بازار کا ڈیرا بھی نصب کیا گیا تاکہ اس مکان میں اس کے قائم امتحانہ و تعلیم ہوں اور اس نماز کے بعد ہر ایک کے لئے حسب ضرورت مسالہ
مفسد کیا گیا جس کی تفصیل صحت میں ہے۔

ساروجی ہستی کا فو مالہ فرزند اکبر، ہفت ہزاری، ہفت ہزار سو اڑکانہ منصب خطاب راہگی و فطرت و جہاں مریض داری واسطہ
نہیں رفتارہ و علم، حاصل کر کے ہستندہا جگہ کے نہرے میں داخل ہوا۔

ان سنگمہ واسافہ سنگمہ پہنچی کے چھوٹے بجائی، حب بیات منصب دعویات سے بہرہ مند ہوئے انسان کے لئے حکم ہوا کہ اپنی داب
ازدعا دیکھے پاس ہیں۔

ان میں سے ہر ایک کے علاقہ کے لئے باؤشاہی عمال و کاپروانز مقرر ہوئے تاکہ ان کے امریہ خانگی انجام دیتے ہیں۔

(د علماء ہند کا شاندار مافی البدع کا ترجمہ لکھی)

اننگ زریب عالمگیر کا سلوک سا تو ہی کھرا تھہ جیٹھ مرہا پتہ را۔ اے سنگ نیچے اس کی شادی ۱۱۱۵ھ میں بہادر شاہی مرہ کی دھکی سے کر دی۔

سات سال کی عمر تک سیراج کا یہ لہٹا اُنکے زیب عالمگیر کی زینتِ گلابی میں رہتا تھا۔ اس کی شادی بھی کلاما ہے، لیکن کبھی کبھان ہونے کیلئے

نہیں کہتا ہے۔۔۔ یہ تھانہ رسول کے بہت بڑے دشمن کا بلند کردار! کیا تاریخ عالم ایسی عالی و معنی آلود فیاض کی مثال پیش کر سکتی ہے؟
ہمارا راجہ جس وقت شامہ نے دارا شکوہ کی حمایت میں اورنگزیب کا سخت مقابلہ کرنا ہے۔ دارا کو شکست ہوئی ہے جس وقت شامہ کی خدمت کا انظار

جگت سنگھ باڈا، ماجر کرن سنگھ، ماز سرپ سنگھ، رنجیت سنگھ، وغیرہ سیکڑوں کی تعداد میں تھے۔

(دعا خذ از دین و نیا جولانی ۱۹۶۲ء)

۱۰۔ ارب جہنم کے ایک عالمگیر فرمان میں پالیتا دھرم کو شتر نیچے بھی کہتے ہیں، کے مندر گاؤں اور پہاڑی پراچھا بونکے شانتی داس جہنم کے قبضے کی تصدیق کی گئی ہے۔ اور جونا گڑھ کے مندر گناہ س کی پہاڑیوں اور سروہی کے آبو بھی اسی پر دہت کو عطا کر دئے گئے ہیں۔ گپائی (آسام میں اومانند کے مقام پر شیرجی کا مندر ہے، جس کے دلائی (یعنی گدی نشین) کے نام عطاے اراھی کی ایک سند بھی اونگ نیب ہی عطا کی ہوئی ہے۔ ۱۹۵۸ء میں بھگرت اور رام جیون گپائی کے مقبرہ ضیافت وقف کی تصدیق کی گئی اور انہیں جہنم کی مداخلت سے محفوظ قرار دیا گیا ہے۔ یہ نیا بھی عالمگیر ہے کہیں۔

(آکا لہند آف دی نیشنل ایسٹرن باب جہارم بحوالہ ثقافت اسلام صفحہ ۴۸)

ڈاکٹر بھند پشاؤ تحسیر فرماتے ہیں:۔

۱۱۔ اونگ نیب سے بہت سے قابل ہندوؤں کی سفارش شاہ جہاں اور اس کے وقفا سے ملازمت کیے کی مثال کے طور پر یہ واقعہ ملاحظہ ہو کہ جب ایچ پی دی دیوانی کی جگہ خالی ہوئی، اونگ نیب نے ایک باجمرت افسرانے کرنل کی پرنسور سفارش کی، لیکن کسی دہم سے شاہ جہاں نے وہ سفارش قبول نہ کی۔ اونگ نیب نے دوبارہ لکھا کہ اس سے بہتر آدمی نہیں مل سکا ہے (واقعات عالمگیر جلد اول صفحہ ۱۱) اسی قسم کی بہت سی مثالیں عالمگیری اسکا داب عالمگیری میں موجود ہیں (ہندوستانی کا مستقبل)

(انڈیا ڈیپارٹمنٹ مطبوعہ ۱۹۵۹ء صفحہ ۲۵)

بنگلہ کا ایک اہل قسم عجب پرنسپل چندیلے لکھتا ہے کہ:۔

۱۲۔ شہنشاہ اونگ نیب کے جہدیں بھی سلطنت کے اندر بڑی بڑی دھاروں کے جہد سے ہندوؤں کر کے ہوئے تھے۔ بنگال میں مرشد قلی خاں اونگ نیب کا دائرہ تھا۔ چنانچہ مرشد قلی خاں کے ماتحت مسکر دیوانی کے تمام بڑے بڑے جہد سے صرف ہندوؤں ہی کے ماتحتوں میں تھے۔ ہندوؤں کا ان پر کامل قبضہ تھا۔ بڑے بڑے فوجی جہد سے بھی ہندوؤں کو شکست ہوئے تھے۔ اگر فضل شہنشاہ کے دل و دماغ میں ہندوؤں کے خلاف نفرت ہوتی تو وہ اپنے دائرہ کے اس سے شک دینا بلکہ الپ کرنے پر اس سے جواب طلب کر لیتا لیکن کبھی ایسا نہیں کیا۔

(دوق دنیا دلی)

عالمگیر کے جہد کا ہندو دھرم منشی جان راجہ: "خلافت التواریخ" میں لکھتا ہے کہ:۔

۱۳۔ "جیسا کہ آلہ بر کلا لہ کے پاس واقع ہے: شاہ شمس دین دیوانی کا مراد ہے، ہندوؤں اور مسلموں دونوں کو ان سے عقیدت تھی، لیکن ایک ہندو کی عقیدت ان سے اتنی تھی کہ ان کی وفات کے بعد ایسی ہندو کوسل فوں اور ہندوؤں نے مل کر ان کے مراد کا متولی بنایا۔ چند سال کے بعد کچھ مسلم فوں نے خورشید کے کہ مذہبی بہانے سے ہندو کو قرابت سے غروہ کر دینا چاہا لیکن عالمگیری حکومت نے اس خورشید کو کامیاب نہ ہونے دیا اور جہد یہ کتاب "خلافت التواریخ" لکھی جا رہی ہے، عالمگیری حکومت کا قیام سال ہے لیکن اس مراد کی قرابت بدست ہندوؤں کے ماتحت میں ہے۔"

اندنگ زیب کے بعد حکومت میں چودھری پور، اودھ کے پور، کوچ بہار وغیرہ کی ہندوستانی تھیں۔ اندنگ زیب نے کبھی انہیں اپنی حکومت میں شامل کرنے کا خیال بھی نہیں کیا، حالانکہ جیسا کہ ابھار گراؤ گشتہ مسلمان حکومتیں تھیں، مگر انہیں جب تک اندنگ زیب اپنی حکومت میں شامل نہیں کریں، وہ نہیں لیا۔

دکن میں جہاں اندنگ زیب تھیں، برہمن، ہزاروں سندھ تھے، انوار میں سیکرول بت تھے، اس نے کسی بت کو نہیں لڑا۔ یہ سندھ، مذہب، آج تک موجود ہیں، خود اندنگ زیب کی قبر بھی اسی قرب و جوار میں ہے۔

اس کے علاوہ ہندوؤں میں بے شمار بت تھے۔ اگر واقعی اندنگ زیب عالمگیر نے دیوں کا دشمن ہوتا تو ان ہندوؤں کو ایک ایک کر کے سماد کر دیتا مگر اس نے یہ نہیں کیا۔ ہاں وہ سندھ و برہمن کے لئے جہاں اس کے خلاف سازشیں کی جاتی تھیں۔

ڈاکٹر میرٹھ سرن نے ہسٹری کا گلیس کے اجلاس پندرہ دہائی منعقدہ دسمبر ۱۹۳۲ء میں جو خطبہ پڑھا، اس میں کہا تھا:۔

”بعض اہل قسم کی طرف سے چند حقیقتیں ابھی روشنی میں لائی گئی ہیں جن سے عوام ہوتا ہے کہ چند اہم رکن جیسے ہارس کے مندر تھے، ہندوؤں کی طرف سے مفسدانہ سازشوں کے آڈوں کے طور پر استعمال کیے جاتے تھے، جن کے خلاف شہتہ ہونے کے باعث ان میں عملی اقدام کیا انداس کو اب اس کے تعصب کی شہادت میں پیش کیا جاتا ہے۔“

ایسی باتیں موجود ہیں کہ ”بت شکن“ اندنگ زیب عالمگیر نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو جاگیریں عطا کیں، اندنگ زیب مسلمان (الہ آباد) کے بین کے مطابق آج تک مسندوں کے چاروں طرف کے پاس اندنگ زیب کے تختی نوان موجود ہیں جن میں خیرات اندنگ زیب کے لئے کئے جانے کا ذکر ہے۔

شری بابو نرائن، راجن سینجر یا ست رام سنگھ دھیری، ضلع ہارہنکی (بھارت) نے شہنشاہ اندنگ زیب کی بے تعصبی کے متعلق عرصہ ہوا ایک مضمون شائع کیا تھا۔ جس میں لکھتے ہیں کہ ”سلطان محمد الدین اندنگ زیب عالمگیر غازی بادشاہ کی عہد پر مستعصیب کا خطاب دیا جاتا ہے۔ اندنگ جاتا ہے کہ انہوں نے ہندوؤں کے معاہدہ ہارہنکی اور طرح طرح سے ہندوؤں کو ٹھیک پوچھا، مگر یہ امر غلط ہے کہ اندنگ جی کس حد تک جیسے اندنگ ہیں، اندنگی حد تک تاریخی آمیزش ہے، جس کا دور جو بعض تہذیب یا بانادی افواہوں پر پایا جاتا ہے۔ میری سمجھ میں ہندو مسلمان کی تباہی یا برہادی نہیں تعصب پر نہیں بلکہ اگر کوئی ایسا واقعہ ہوا بھی تو وہ بالکل مضبوط انداس وقت کے واقعات سے متعلق ہیں۔ بادشاہ ممدوح انشان کے غیر تعصب ہونے یا ممدوح ثابت نہ ہونے کے وجود میں ہیں۔“

۱) ضلع سیتا پور مہر کہ ہندوؤں کا ایک شہر ہے۔ مہر کہ کے مہنت کے پاس بادشاہ عالمگیر کی عطا کی ہوئی شاہی مسند موجود ہے جس کے اندر ہم بت سے مواضعات مہنت کو مصروف کر دیا، فرہنگ کے لئے عطا کئے گئے تھے، انہاں جلد مواضعات اب تک مہنت کو مصروف کر دیا، فرہنگ کے لئے عطا کئے۔

۲) مواضعات تھوڑے چند مہنت کے فاصلہ پر ایک مقام بالا آباد ہے یہاں بلیدی راجی کا مسند ہے اور اس مسند کے مہار کے لئے بادشاہ اندنگ زیب نے بہت مواضعات عطا کئے، جو اب تک مسند کے لئے مہنت میں ہیں۔

۳) دیہ کے جونا آباد کا واقعہ شہنشاہ اکبر کے لئے ہے، اس واقعہ کے اندر ہندوؤں کی ایک عبادت گاہ ایک کویتہ ترخانہ کے اندر اب تک موجود ہے، ایک برگد کا درخت ہے اور ہزاروں کی تعداد میں ہندوؤں کی مریضیاں ہیں۔ ہندو پندت اور پجاری اس کے اندر اپنے عمارتوں پر جا کے حواس ادا کرتے ہیں۔

چودھری چھوڑ رام سائین وزیر حکومت متحدہ پنجاب غسیر فرماتے ہیں:۔

”اونگ زیبکا دتھلی نسوان جاگیر دار جو حصہ کے متعلق ایک نہایت شہر مند کے پجاریوں کے پاس ایک نیک دیکھا جاسکتا ہے اونگ زیبکا نروان جس کی سہ اس نے بنارس کے مندوں کے پجاریوں کے حقوق محفوظ کئے۔ زادی میں ایک ملک لندن میں مذہم میں موجود ہے۔“

جناب ڈاکٹر راجندر پرشاد و تحریر فرماتے ہیں :-

”اونگ زیبکا نے گروہ ولد جاگ جیون ساکن موضع بستی ضلع بنارس اور جدو مہر ساکن مہیش پور سنگت کوئی کو اندر پنہت بال بعد مہر کو جو تینوں مہنت تھے، جاگیر دیں۔“

”اونگ زیبکا نے بھوت نقد مہر کیوں اس کو ملتا ان کے تھالی کے لئے سرودھ کا عطیہ دیا تھا، جو اس وقت تک جاری ہے و حوالہ ضلع ملتان کے بندوبست کی رپورٹ تیار کر دہ مکھ چند، اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر (بندوبست) کاسٹیشن (بندوبست)“

ترجما پی میں کی فرمادہ سال کا ایک مند ہے اس کو ۳۲ مراعات مسلمان اسلام نے دئے تھے ان میں سات اونگ ریرب کے عطا کر دئے، یہ علاقہ سلطان شہر کے زیر حکم رہا۔ مند کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا گیا۔

۱۵ جج دی اٹلی مسٹر جج کو اونگ زیبکا جاگیر کے بنارس کے ناظم الاموال حسن کے نام حریف بن نروان جاری کی تھا۔

”شہریت غرا کے مقدس قانون کے مطابق گرنے مند نہیں بنائے جاسکتے، مگر پرانے مندوں کو تو مذہبی نہیں جاسکتا ہمارے گوش گزار یہ خبر ہوئی ہے کہ بعض ملال اندازہ جبر و قہر بنارس اور اس کے پاس کے دوسرے مقامات کے مندوں اور بدینوں پر جو قدیم بت خاں کے پرہت ہیں، تشدد کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ بدینوں کو ان کی پرہت سے علیحدہ کر دیں، جس کا نتیجہ اس کے سوا اند کچھ نہیں ہو سکتا کہ یہ بے چارے بدینوں پر کہ مہنت میں مبتلا ہو جائیں۔ اس لئے تم نے (الوالحسن) کو حکم دیا جاتا ہے کہ اس فرمان کے پرہتے ہی ایسا انتظام کر دے کہ کوئی شخص نہ ہمارے علاقے کے بدینوں اور دوسرے ہندوں کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہ کرے اور ان کی تشویش کا باعث نہ ہوتا کہ یہ جماعت بہ دستور بن اپنی اپنی جگہ اپنے منصوبوں پر قائم رہ کر اطمینان قلب کے ساتھ سماج و ملت خدا و حق میں مصروف و عار ہے۔ اس باب میں تاکید مزید جالو۔“

یہ فرمان ہے ہندوں کے سب سے بڑے دشمن کا جس پر بہت سے الزامات عفریے جاتے ہیں۔

مہنہ مند و مصنف جناب پنڈت سندھ لالی الدہا دی تحریر فرماتے ہیں کہ :-

”..... پر بادشاہ کی طرف سے بے شمار ہندو مندوں کو جاگیر بن اور عطا فیاد دی گئیں۔ آج تک ہندوستان میں متعدد ہندو مندوں کے پجاریوں کے پاس اونگ زیبکا کے دتھلی فرمان موجود ہیں، جن میں خیرات اور جاگیروں کے عطا کئے جانے کا تذکرہ ہے۔“

”اسی قسم کے دوفران اب تک الہ آباد میں موجود ہیں، جن میں سے ایک آبل میں مہریشہ رونا تھ کے شہر مند کے پجاریوں کے پاس ہے۔“

دوا خفا ناخبار استقلال دیوبند مورخہ مارچ ۱۹۶۶ء

حال ہی میں ایک تازہ انگنٹ اس سلسلہ میں ہمارے یہ انگنٹانہ فقیر کے ایک کانگریسی لیڈر شری لال اشوکر مراد سہارنہ۔ (بمذاکرہ)

کئی کے لیڈر اس سے ہمارے جو لکھنؤ کے ہندی روزنامہ ”موتتر بھارت“ کی ایک شاعر میں شائع ہوا ہے، مہاراج کے اس رسالہ کا پورا ترجمہ درج ذیل ہے۔

مغل شہنشاہ اورنگ زیب کے پاس میں اس موضوع میں خصوصی تحقیق کے نتیجہ میں ایک نیا واقعہ سامنے آیا ہے۔
 فتح پور ضلع کی تھیں فوج کے سربراہ کو ان کے قریب ایک گاؤں کے پنڈت کا کاشی پشاد کے بزرگوں کو مغل شہنشاہ
 اورنگ زیب نے پچاس بیگھ زمین کھیتی کے لئے اپنے شاہی فرمان کے ذریعہ اس کو بخش دیا۔ یہی تھی کہ وہ اس سے گز
 بسر کریں اور خدا کی عبادت اور دیانت اپنے دھرم کے مطابق کریں۔ آج بھی کاشی پشاد کے پاس
 اورنگ زیب کی وہ شاہی فرمان موجود ہے جو فارسی زبان میں ان کے بندوگوں کو ملتا تھا اور جس کے ذریعہ پچاس
 بیگھ رقبہ کی زمین مفت دی گئی تھی۔ اس فرمان کا عنوان ہے ”برائے ذکرِ دلِ خدا“۔ ”شریکِ دامنِ خدا“
 نے یہوں تک دستہ بیان کرنے کے بعد اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ”یہ شاہی فرمان شہنشاہ اورنگ زیب کے
 بادشاہی میں اب تک کی تاریخ اور غلط فہمیوں کا نسخہ منظرِ حیات ہے۔ یہ ثابت نہیں تھا کہ وہ ہندو دھرمی دھرم
 انسانی کے دھرم کا احترام کرتا تھا۔ سمرتوں نے اس کے متعلق حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے۔“
 جانتے کہ جو سی ڈالہ (بادام) کے ایک قیم سند میں پوچھا پاٹ کے کاروں کے لئے اورنگ زیب نے ایک جائداد
 وقف کر دی تھی۔ اورنگ زیب اپنے مذہب اسلام کا سچا پیرو تھا۔ وہ ایماندار و محنتی، سادگی پسند اور بلند
 اخلاق و سیرت رکھنے والا تھا۔ فضول خرچ اور عیاش نہیں تھا۔

دہلی شہر میں واقع پٹنہ (بہار) میں ۲ مارچ ۱۹۶۲ء

گروہ ہندو مت کے شہنشاہ اورنگ زیب کی دہلی کی بڑی تعریف کی ہے جن کا ذکر دم گزرتے ۱۵۵۰ء میں ملتا ہے۔
 گروہ راجہ صاحب تخت مخالف ہونے کے باوجود اورنگ زیب کی بڑی عزت کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے
 بیٹے گروہ رام رائے کو عالمگیر کے پاس بھیجا تھا جس کی شہنشاہ نے بڑی عزت کی تھی اور جاگیر دی تھی۔

تاریخِ عالمگیری ۶۶۱ھ ۱۲۶۵ء

ڈاکٹر پرماتھ سرن ہسٹری کالج میں کے اجلاس پٹنہ (بہار) میں اپنے خطبہ میں کہا تھا۔

”اچھے فرائض کی ایک خاص تعداد منظرِ عام پر لائی گئی ہے جس میں عالمگیر نے برہمنوں کو چیلنے دئے اور ہندوؤں
 پر جاگیریں وقف کی ہیں۔“

ہسٹری کالج میں کے پٹنہ (بہار) کے اس اجلاس میں اورنگ زیب عالمگیر کے ہاتھ کی لکھی ہوئی وہ سند بھی نمائش میں تھی جس کی سند سے ہندو
 گ (بہار) کے سندھو لاکھوں کی مالیت کی جاگیر عطا کی گئی۔ یہ سند اس سلطان بادشاہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی جو ہندوؤں اور سندھو لاکھوں کی مالیت
 ہے۔ اس فرمان کی اصل ہندو گ کے ہمسرت کے پاس محفوظ ہے۔ اورنگ زیب کی عطا کردہ جاگیر آج بھی اسی عباد کے قبضہ میں ہے۔
 اورنگ زیب کے ہندو حکومت کا انگریز سیاستدان کپتان ہملٹن کا بیان ہے:-

”دیانت کا سلسلہ مذہب اسلام ہے لیکن خدا میں اگر وہ ہندو میں تو ایک مسلمان ہے، ہندوؤں کی تہ
 مذہبی روح فارسی طور پر برتری جاتی ہے وہ اپنے برت رکھتے ہیں اور اسی طرح تہاہرستان میں جیسے، اگلے زمانہ میں
 منائے تھے جب کہ حکومت ہندوؤں کی تھی۔“

سمرت کے حالات کے سلسلہ میں سچا سچ موصوف لکھتا ہے:-

”اس شہر میں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں لیکن اتفاقات اور طریق عبادت کے باعث ان میں کسی کوئی جھگڑا

نہیں ہوتا، ہر ایک کو اپنی آزادی ہے کہ جس طرح چاہے اپنے طریق سے اپنے معبود کی پرستش کرے۔ صرف
مختلف مذہب کی بنیاد پر کسی کو تکلیف دینا اور آزار پہنچانا ان لوگوں میں بالکل مفقود ہے۔

پاکستان اور عیسائیوں کے متعلق لکھتا ہے :-

”ہم تو بھی ہیں، اور وہ اپنے رسوم مذہب و مذہب کے بموجب کہتے ہیں۔ عیسائیوں کو اپنی امانت ہے کہ اپنے
مذہب کے بنائیں اور اپنے مذہب کی تبلیغ کریں۔“

جسٹس شہر مسٹر کے متعلق لکھتا ہے :-

”ہندوؤں کے ساتھ رواداری پر اسے طرز سے برقی جاتی ہے۔ وہ اپنے من رکھتے ہیں اور ہندوؤں کو اسی
طرح کے ساتھ ہی سمجھنے والے انداز میں منایا کرتے تھے، جب کہ باوجود ہندوؤں کی تفریق - وہ اپنے ہندوؤں کو جلاتے
ہیں، لیکن ان کی بریوں کی اجازت نہیں ہے کہ وہ غیر ہندوؤں کے ساتھ ہی ہوں۔“

جسٹس فیروز نسیم سیراج جس نے ۱۹۵۷ء میں ہندوستان کی سیاحت کی اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے :-
”اکثر ہندوؤں میں من مذہب سے ہوتے تھے، ہندوؤں میں جاتے ہوئے ملتے تھے، جو ان ہندوؤں میں پوجا
کے واسطے آتے تھے۔“

ان کتابوں سے نہایت آسانی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اندنگ ریگے دور حکومت میں غیر مسلم رعایا نہایت آزادی سے اپنی مذہبی
ایم افار کی تھی۔

شہر جس میں مطابق ۱۹۶۱ء میں عالمگیر دکن کو دہانہ ہوا اور اخیر عریک انہیں اطراف میں مرہٹوں سے رہتا بھرتا رہا۔
میں کی فوج میں باجرت اسی طرح نظر آتے ہیں جس طرح مسلمان تھیں۔ چنانچہ تاریخوں میں جہاں فوجوں کا ذکر آتا ہے، راجپوتوں
میں بھی خاص طور پر آتا ہے۔ مانا جے سنگھ، بیجا پیم سنگھ، ملچھو نے کے بعد، ایسا ہے، پاپ کے مرنے کے بعد عالمگیر کے پاس چلا گیا۔ بادشاہ نے اس کو
لاکھ بٹانہ کی جاگیر دی جس میں سے ایک پر گنہ بہیل میراٹھے۔ تخت باقی رہ گیا۔ بیجا پیم سنگھ دکن میں مراٹھوں کا منصب پر بھاری تھا جو دنا کر
لکھ کے بنائی ٹوڑا بیجا پیم۔ داس کے بیٹے راجہ جے سنگھ والیان سیارٹ ٹوڑا کے سوا کسی کو نہیں ملا۔ (تاریخ راجگانہ ہند)
اسٹینلی میں پوری شہر بورخ کا بیان ہے کہ، اس ملک کے بعض بعض راجہ میں بھی ہزار کا لاکھ کرے کا دنگ زیب کی رعایت میں لڑنے کو
نے تھے، ایسا ہے راجا قول کا شمار اس سے متاثر تھا۔

دکن میں عساکر میں پکاس ہزار سارے تھے، علاوہ انہیں اتنی ہی تعداد تھی جو مرہٹوں کی جاتی رہی تھی۔ میں ہزار پادہ فوج جس میں
ہزار توپ خانہ کا پادہ سنبھالے۔ ہتھے اور باقی شاہی مل کی رگروالی اور سنتری وغیرہ کے فرائض انجام دیتی تھی۔ (مغربی حصہ سوم صفحہ ۱۱)
مہاراجہ جرنل سنگھ۔ ٹھوڑا والی جو دھلے کو ملا دنگھ راڈا کی بہن بیجا پیم تھی جو نہایت سنگھ نے جب
دنگھ نے بنوٹ کرنا چاہی تو اس نے دلی کو بلا کر اس کے چاہی پر بہت دباؤ ڈالیا کہ وہ بھی بادشاہ کے خلاف بغاوت میں اس کا ہاتھ نہ دے سکن
دنگھ نے خاندانی تعلقات پر ہی تمکک کو مقدم سمجھا اور اصرار کیا کہ وہ دیا کر میں بادشاہ کا دنگھ حلال جان نہ دے بلکہ حلالی کا فارغے کہ نہ دے
پا جان چاہتا۔ (ادارے ہندو ص ۱۱)

ڈاکٹر تارا چند صاحب تحسیر فرماتے ہیں :-

”بعض لوگوں کے نزدیک اندنگ ریب کی مغربی پالیسی اس کی کامیابی کا سبب بنی۔ بالعموم یہ خیال غلط ہے۔

ہندوؤں کی بناوٹیں ناکام رہیں اور ان کا کوئی قہیب یا سیاسی مقصد تھا اور انکے نیچے انہیں ہندوؤں ہی کی مدد سے فرو کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مرہٹوں کے خلاف جنگ غلبہ سلطنت کے لئے ایک بڑا بوجھ ثابت ہوئی۔ لیکن ان کی ہتھیاری جنگی مہم، بلکہ فقط ایک قبیلہ کی بنیاد تھی۔ مہاجر ہندو نے اندیشہ ہی کے اپنے رشتہ داروں کی نیک کی خاطر سیاسی اور اس کے جائزینوں کے خلاف لڑے اور پھر مرہٹوں نے ہندوؤں کے خلاف بھی جھگڑے اور ان کے لشکروں میں مددگار بھی موجود تھے :-

ڈاکٹر راجن پٹھان لکھتے ہیں :-

”ایک شہرہاٹ ہے کہ اورنگ زیب نے دکن میں یہ جانچا کہ اورنگ لکڑہ کی مسلمان سلطنتوں کے فروغ کرنے میں کئی سال صرف ہوئے اور اس نے سب سے نفرت پائی۔ دکن کے باشندوں کی طرف سے ان میں اکثر مرہٹوں اور چگون کی پسندیدگی ہندو دیکھا کرتے تھے، جیسے کہ اگر کے زمانے میں مان سنگھ اور جگوان واس اور اورنگ زیب کے جہد میں جو منت سنگھ :-

(ہندوستان کا مستقبل)

غرض یہ تھا کہ مرہٹوں نے مرہٹوں کے خلاف کرنے میں اورنگ زیب عالمگیر کا ساتھ دیا اور جانا نازی دکھا دی اور یہ لازم کہ مرہٹوں نے عالمگیر کی حمایت میں اٹھائی نہیں ہوئی، مگر صرف یہ ہے۔ مگر اس کے صفحات ایسے بے شمار جانا نازی مرہٹوں کے ناموں اور حالات سے بھرے پڑے ہیں۔ بنگال کے شہر مدینہ اور سات سال سرسی۔ بی۔ رائے نے ۱۹۱۹ء میں بنگال کے مسلم لیڈرین کے جلسہ میں اپنی صراحتی تقریر میں کہا تھا :-

”شہنشاہ اورنگ زیب پر آپ کی بڑی نکتہ چینی ہوئی ہے، بھارتی مصلحت نے ان تاریخوں میں جو ہندوستان کے کا بھول اور مرہٹوں میں پڑھائی جاتی ہیں متعصب اور ہندوؤں سے نفرت کرنے والا دکھایا ہے یہ کہ سن ۱۷۰۴ء کی بات ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی مصروف آمیز سیاست کے تحت اسی بھوٹ اور فز پر داری کو پکا بھنے کے لئے جو رکھا گیا۔

”میں سراہا دنا تھ، ڈاکٹر جہاد پر ویدر تاریخ دکھا کہ اورنگ زیب سے دیگر شاہزادوں میں تاریخ ہند میں اہم وانا جاتا ہے، پوچھتا ہوں کہ کیا ایک مثال بھی دکھا سکتے ہیں کہ شہنشاہ اورنگ زیب بنگال کے ہندوؤں سے چین وصول کیا ؟

”شہنشاہ اورنگ زیب نے بنگال کی حکومت مرشد قلی خان کو جو ایک برہمن زریعہ تھا اس غرض سے سپرد کی کہ وہ یہاں کی مالیات و صنعت کو تھوڑے پن پر یہاں کے ہندو اور مسلمان انصاف کے تعاون کا نتیجہ تھا کہ اسی کے زیر نگیں بنگال کے ساتھ نہایت منصفانہ رہا دیا گیا۔ اورنگ زیب کے عہد میں بنگال کے ہندوؤں کو منصب دیا گیا اور ان کی بڑی جاگیریں عطا کی گئیں اور وہ بڑے بڑے زمیندار بنائے گئے۔

”اورنگ زیب ہندوؤں کو گورنر بنایا، مانسٹر بنایا، جرنل کمانڈر بنایا، یہاں تک کہ اس نے خالص مسلمان صوبہ افغانستان پر بھی جناب سلطنت مقرر کیا وہ ہندو بھارت ہی تھا۔

”سیروابی کا راج کل تاریخوں میں ہندوؤں کے ایک بڑے بڑے سرور تھا دیا گیا ہے، مگر کیا کتا تعلق یہاں سے ہے تاریخ نہیں۔ کوئی تاریخ دان اس من گھڑت افادہ کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ یہاں کے مقابلہ میں جہاں سے سنگھ تھے، جنہیں ایک ہندو سردار کی بغاوت کا قتل قلع کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ جہاں سے سنگھ نے شہنشاہ اورنگ زیب

سے اس کی بابہ رشکایت کی تھی کہ اس جہم میں دکن کے مسلمان گمانڈا اور مسلمان مرواوان (راجہ جے سنگھ) کی امداد نہیں کرتے :-

کیا کوئی سلیم اعتدل ایک لمحہ کے لئے بھی تسلیم کر سکتا ہے کہ کسی خارجی کے ساتھ لازماً ایسا نہیں ہوتا جو فرقہ وادانہ معرکہ آرائی سے ایسا بھٹسایا ہو جس کی وجہ سے ایک منہجیہ اور بد بختوں کے ایک بغاوت تھی؟

ذاکرہ بھنڈہ پر شاو تحسیر فرماتے ہیں :-

اگر اسگزیب نے اپنی فوج میں ہندو سپہ سالار رکھے تھے تو اُدھر سیراجی نے بھی مسلمان سپہ سالار رکھے۔ یہ حکم اپنی فوج دے رکھی تھی۔ ان میں سے بہت بہت زبرداری کے عہدوں پر مامور تھے مثلاً سیدی بدال اور عثمان سیراجی کی بحری فوج میں بھی کم سے کم تین مسلمان امیلاں موجود تھے، سید نیل، سید پھری اور عفت خاں۔ (ہندوستان کا مستقبل)

۳۔ مہر اپریل ۱۹۶۵ء کو صوبہ بہار (جماعت کے دارالاسلمت) پہنچے ہیں بہار اسٹیٹ اردو کنونشن منعقد ہوئی تھی، اس کی صدارت انہی ہاؤ
کے مشہور مصنف پنڈت سید لال نے کی تھی۔ اس خطبہ میں ایک جگہ پنڈت جی تحسین فرماتے ہیں :-

۱۰۔ اوسنگ نے بچے نہ ملنے پر آم کی پریا نہیں تھی تو کیس پر گرنے والے مال نے اوسنگ نے بچہ درخواست کی کہ ان دونوں طرح کے کاموں کے لئے نام تجویز کر دے۔ اوسنگ نے بچے نہ ملنے پر کہ ایک قسم کے آم کا نام "رستارہاس" اور دوسرا "لاہاس" سمجھا۔ آم کی طرح تو اس نے بچہ توڑ کر کے نام لگایا۔ ان کے مال اوسنگ چلی نہ دیکھتے۔

اندنگ زیب عالمگیر کے ایک بار بھر چلی گئی راجہ نے کوئی مسجد نہیں دیکھی۔ اندنگ زیب نے راجہ کو اپنے یہاں چلایا جہاں راجہ شہر کے ہر چہرے کا نقشہ اپنی فوج کے ساتھ پہنچا۔ اندنگ زیب کا کہنا تھا کہ لاکھوں گھوڑوں کے لئے کہا اندنگ زیب اندنگ بہت دندوں بہت دندوں گئے اندنگ شہر کی فوج پیچھے رہ گئی۔ گڑ کی زبانہ تھا، دھوپ تیزی۔ دندوں بہت تھک گئے اس لئے ایک درخت کے سایہ میں آرام کرنے کی غرض سے ٹھہر گئے۔ اندنگ زیب نے اپنے اچکن کی گھنڈی کو قرب کس کر بائیں ہتھ کی گھنڈی نہیں لی تو راجہ کو اپنی تلواریں کہ اس سے گھنڈی کاٹ دے، راجہ نے تلوار اٹھ لی جس سے گھنڈی کاٹنے کے لئے اٹھ۔ جڑ بھا یا اندنگ زیب کا راجہ بڑا س قدر طاری تھا کہ اس کا ہاتھ کاٹنے لگا۔ اندنگ زیب نے راجہ کے زور سے ایک پنجہ رسی لیا اندنگ کہ جب تم میں اتنی بھی ہمت ہیں کہ میرے سامنے تلوار اٹھا کے قوت سے مسجد کو نہیں کرنے کی کس طرح ہمت کی۔

اس درمیان میں جنرل مامون دوسرے لوگ پہنچ گئے اور جب فسطحہ کا واقعہ کی خبر سمجھی تو انہوں نے راجہ پر ملامت کی۔

اور نگہ نہ کرے کہ میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ میرا جنت یا نہ ہو۔ یا نہیں اگر جنت یا نہ ہو۔ تو مجھے کوئی خطرہ نہیں تھا اور جنت اور نہیں ہے تو یہی
نہ نہ لگے گا کہ میرے۔

الذی یبگردا تو ہندوؤں کا دشمن ہوتا اور راجہ کو نہایت آسانی سے قتل کر دیتا لیکن احمد نے ہر تنبہ کیے پھر دیا۔ یہ تمام ذریعہ کا سلوک ایک ہندو راجہ کے ساتھ جس نے محمد شہید کو ڈالی تھی۔

(تاریخ اشاعت اسلام)

خاندانِ حترقین کا شہنشاہ اوندنگ زیب عالمگیر پر کسی قدم بے جا الزام نہ کہ وہ بندہ قوی اعلان کے منہ پر اور کھیر کاوشن تھا۔ اور انہیں انتظامِ سلطنت میں شریک نہیں کرتا تھا۔ اس عادل اور عایا پرورد شاہ نے خیر مسلمانوں کے ساتھ ہمیشہ رعاداری برقی اور مدد ن اور ہندوؤں کے حقوق میں کسی طرح کا فرق رعاد نہیں رکھا۔ افریں ایسا منصف اور بادشاہِ شریعہ شہنشاہ آج غلط فہمیوں کا شکار ہو رہا ہے۔

اوس طرح طرح کے جھوٹے الزامات عائد کئے جا رہے ہیں۔

سندھ بلا واقعات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خشتِ ہاؤنگ زیب عالم گیر کا کردار کس قدر بلند تھا اوس نے دوستوں ہی کے ساتھ نہیں بلکہ دشمنوں کے ساتھ بھی کیسا شریفانہ سلوک کیا۔ اس کے باوجود اگر اؤنگ زیب کو سب الزام قمر اسیا جائے تو یہ کھلی ہوئی تاریخی بددیانتی نہیں تھی اور کیا ہے۔

مرہٹے، سندھ میں بہار، مشرقی پنجاب کے محرف، دکن تک پہنچے ہیں۔ اس سب کچھ کو دیکھتے ہیں ہوں یا میں ایک ظالم ترین قوم کر سکتی ہے یا نہیں اؤنگ زیب ہائیکر جیسا انصاف پسند، رحم دل انسانیک بادشاہ آج متعصب اور تنگدل مصلفین کی بادلت بنام ہے، اوس کی "ہندو دشمنی اور بدتمیزی" کے انہ نے ہر کچھ کی زبان پر ہیں اور مسلمان عورتوں کی وہ آبروریزیوں جو ہر چٹوں کے ہاتھوں سرزد ہوئیں اور جن کی یاد دکن کی تقریباً ہر سڑک کی تاریخ کے ساتھ وابستہ ہے، کسی کو نہیں معلوم !

اؤنگ زیب کوئی شک نہیں سخت دیندار مسلمان تھا مگر ساتھ ہی رعایا دار انسان دوست فرمانبردار تھا، اُس کی حکومت میں عدلیہ و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ اور عدلیہ و انصاف کی نگاہ میں نہ راجسٹریج میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔

اعلان

”سید عیاد اور دبستان سید عیاد پر تحقیق“

میں پُورے یورپ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لئے علامہ سید عیاد اکبر آبادی مرحوم پر سید عیاد دبستان سید عیاد کے عنوان سے کام کر رہا ہوں اساتذہ متفرقین میں علامہ مرحوم کے تلمذ کی فہرست بہت طویل طویل ہے جن میں ہم حاضر کے بہت سے شہر سید عیاد دبستان سید عیاد کے نام پر موجود ہیں جو بہت کچھ ادا ہے، اس سے بغیر اور دوستوں اور شاگرد سید عیاد کے تلمذ کی مدد کے کام پائیگی کو نہیں ہر کچھ مکتا نہیں جو دبستان سید عیاد کے تمام تلمذ سید عیاد دبستان سید عیاد کے تلمذات ہیں۔ (۱) دبستان سید عیاد کے موجودہ تلمذ سید عیاد اپنے مختصر حالات زندگی و تاریخ تلمذ و تلمذ کے پیش منتخب اشعار، دو بہترین نظمیں اپنی تصانیف و تاریخات کی فہرست اس لیے ادبی مقام سے متعلق حالات اور دوسروں کی آراء سے مطلع فرمائی۔

(۲) اپنی ایک غزل پارسا کی اصلاح کی لغت ادبی اصل غزل کے ہمراہ

(۳) مرحوم تلمذ سید عیاد کے متعلق جن حضرات کو علم ہو وہ ان کا تذکرہ اسلام شہادت فرمائی۔

(۴) پی تلمذ بہترین تصویر بھی بھیجیں علاوہ انہیں مولانا سے متعلق ہر قسم کا مواد اور معلومات میرے لئے عمدہ و معاون ثابت ہو سکتی ہے۔ تاریخ اور دب نماز حضرات سے استعانت کی پر زور ہے۔

پروفیسر افتخار احمد خضر دھولوی ایم اے

(شعبہ اردو فارسی ایم اے) جے کالج جگادوں مشرقی خاندان لیس

(بہار مشرق)

Bharat

ڈاکٹر نعیم امین

طنز و مزاح

تضمین بر غزل ماسر القادری

- (۱) ہائے رس ارتقا کیا سے کیا بن گیا
ایک شوکر پڑی، تھیسکا بن گیا
بھرسکی کی جسم کا توا بن گیا
حسن اور عشق میں واسطابن گیا
لوٹ کر دل بڑے کام کا بن گیا
خودستا، خود مگر، خود بن گیا
- (۲) ماہوش، مہجیں، مدلقا بن گیا
دل نشیں، دل بستار، دلہا بن گیا
خوش نفس، خوش نظر، خوش ادا بن گیا
کی خبر عشق میں کون کیا بن گیا
لوں کی کھاتا ہوا آم گزرا تھا میں
جھوٹا صورت تمام گزرا تھا میں
چھوٹ کر شامیہ عام گزرا تھا میں
اُن کے گوجے سے اک شام گزرا تھا میں
پھر وہی روز کا مشغلا بن گیا
آگے بڑھتے ہوئے، سجدہ کرتے رہے
- (۳) سجدہ کرتے ہوئے گھاس چرتے رہے
گھاس چرتے ہوئے گل کترتے رہے
لوگ جلتے رہے، نقش ابھرتے رہے
بس اسی طرح اک راستا بن گیا
- (۴) یہ نیا سانحہ، تازہ مُنت و ہے
وصل کی شب کا ہر نصف ہوا ہے
دل پہ خوب سحر کی جو پیدا ہے
اسے مرے بہر ہاں دوست فرما ہے
قرب تو امد بھی نہ صلا بن گیا
میں نے دیکھی ہے دنیا نے یہ وہم
اس طرف آنجہیں، اُس طرف رخ و ضم
پھر بھی اتنا تو ہر جگہ گیا کم سے کم
میں تو گمراہ تھا، میرا نقش قدم
دوسروں کے لئے رہنما بن گیا
نیچی نیچی، جھجکتی ہوئی مختصر
یعنی، عند تعاف سے برھل نظر
- (۵) تازیانہ سا ہے تو سن شوق پر
حسن والوں کے لطف و کرم دیکھ کر
سوچتا ہوں میں کیوں پارسا بن گیا
اس تعلق کے پردے میں اک اذیت
جس پہ ہیراں حویلیت نظر بانہ ہے
یہ یقین محبت کا اعجاز
اس تعلق پہ ماسر
اُن کا انکار بھی اُسرا بن گیا

روح انتخاب قبرص کے آشفہ بخت مسلمان

قبرص کی مسرزمین قبرصی مسلمانوں کے واسطے اپنے اندر ہم آہنی نئی سے نئی مسجدیں کا سامان لئے ہوئے ہے۔ صدہا عیسائیوں کی شکل میں ایک خاتمہ دینا ان کے لئے ایسا ضروری ہے۔ مسرت و ناز کو اپنے پر تھکا بیٹھا ہے ملک کے اندر لاقانونیت، تشدد اور خونریزی رخصت ہو کر بات بڑھ چکی ہے؛ لیکن کی حکومت، اس پادری صلیکے پشت پناہی کر رہی ہے اور اگرچہ یونان خود اس وقت خانہ جنگی کے دانے پر کھڑا ہے (اندرونی کے انقلاب پر غلام کے ہاتھ لٹے جاتے ہیں، گذشتہ معاہدات کو گورنر مطلق نہیں بنا کر کھینچا گیا ہے۔ آئین میں من مانی تبدیلیاں کی جاتی ہیں خواہ مسلمان اقلیت کتنی ہی احتجاج کرے اس کی شنوائی نہیں ہوتی۔

حال ہی میں صلیکے ایک نئی طرز پر ایجاد کیا ہے اس نے ملک کے لئے کے اندر سے ان مسلمان طلباء کو بغیر مراعاتیں تعلیم پارہے ہیں جو ہم کو کی تعلیم میں قبرص آکر اپنے والدین کے پاس چھٹی کی گزراؤں پر پابندی لگا دی ہے۔ چنگیز خانی حکم، آئین، قانون، اخلاق، انسانیت غرضیکہ کسی بنیاد پر بھی پوز نہیں آتا۔ اسکے آئین پہنے کی بات ہے پر پابندی کا یزید نہیں کہتا اسے نہ ہر ملک سے باہر نکال دیا جائے یا پارہے اس کی آمد ملک کی جائے لیکن عیسائیوں کو تو قبرص ترک کر کے تانے پور دڑاتا ہے، اندر ہر ممکن ہر طریقے سے انہیں تنگ کرنا چاہتا ہے۔

اس حکم کا نتیجہ یہی ہر ملک ہے کہ وہ طلباء جن میں ممالک میں تعلیم میں دہائی انہیں انش اور اندر ملک کا خاص انتظام کرنا پڑے گا تعلیمات میں یزید مسٹرین دیکھا ہو کر کے پوسٹل تہذیب چاہتے ہیں، جملہ رگھوڑ کر واپس نہ جانا چاہیں انہیں کھانے اندر پہنے کا پائیرٹ بندوبست کرنا ہوگا جو خاصا ہنگامہ ہوگا۔ اندر ان کے والدین چاہتے ہیں کہ ان کی صورتیں دیکھنے کی توقع مگائے بیٹھے تھے ان کی عداوت سے محروم رہ جائیں گے۔

اس نظام نے حکم کی دھڑکیاں لے کر یہ بتائی ہے کہ ترک طلباء ترکہ میں قریب قریب حاصل کر لیں۔ وہ قبرص آکر اپنا وقت بیکار میں گزرتا ہے کہ یہ بات اس شخص کی زبان سے نکل رہی ہے جس کو حکم قوم پرست پسند نہیں ہا کہ حکمیں دینا ہے ہیں ان سے یونانیوں سے تو ملک کو کرنی غلط نہیں لیکن چند بے ہتھیار طلباء سے غلط ہے کہ وہ بغاوت پیدا نہیں گے۔ حقیقت یہ کہ عیسائیوں کی خوشے بیکے پر ہلنے نہیں اور اس۔

دنیا اس کی اڑنم کی کا دھماکا ہو چکا ہے۔ یورپ، اچھے نمائندوں نے جب قبرص کے وزیر داخلہ کو توجہ دلائی کہ عالمی رائے عامہ ان کی یونیورسٹی کو پسند نہیں کرتی اس لئے کہ لہجے اصفائی سے جواب دیا کہ ہماری حکومت اس حکم پر عمل نہ کرے کہ اس کے لئے کافی مضبوط ہے۔

عیسائیوں کی حکومت کا ایک اندازہ یہ ہے کہ اس نے یونانیوں کی آج کی اکثریت کہیں پر ایک فیصد کیا ہے جس کی مدد سے عیسائیوں کا جو اصل بن نمائندگان اس یونانیوں کی مجبوری کی رکنیت کی مینا ایک سال تک بڑھا دی گئی ہے۔

اصل کے اس انداز کا جو ترکوں کو برائے نیا سکاٹ کیا تھا۔ انہوں نے اپنی علیحدہ اپنی جاتی اور اس میں پہلنے نے ملک کے مسئلہ ایک متنازعہ حکومت کے تمام کا اصل کر دیا جو ان علاقوں کا نظم و نسق چلائے گی یہاں ترک آباد ہیں۔ ترکوں کی اس پالیسی نے عیسائیوں کی حکومت کے بعد ملک کا سب سے بڑا اقتدار عطا ہو گیا، مدعوں جاری کئے ہیں۔ ایک کے اندر قبرص کے انتخابات کے قواعد بیان کئے گئے ہیں اور دوسرے کے اندر عیسائیوں نے نمائندگان میں ترک قبرصی اکثریت کی رکنیت لھنا نہ ہندو اکثریت کا حق کو چمک کے چمکے کی یہ عاجز ہوا تھا کہ ہے۔

قبرصی ترکوں کی جانب سے یہ اعلان بڑا آواز بلند ہے اور اس سے ان کی بہت کاشتکات آسان ہو جائیں گی (بقیہ صفحہ ۳۴ پر)

وائٹن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

منگھا پیر روڈ

کراچی



ہر قسم کا
سوتلی اور

اودی گپڑا

کورا اور دھلا لٹا اور

ہر قسم کا

دھاگہ

تیار ہوتا ہے



باوانی وائٹن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا

ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہے پاکستان کی صنعت کی ترقی اور حوصلہ افزائی

اپنا کا قومی فریضہ ہے

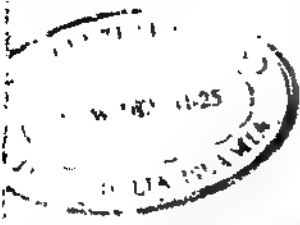
ادبی لے پار پیٹا

میر یونس



آدم جی کاٹن ملز لائنڈھی - کراچی

فسادِ خون سے بچنے کے لئے صافی



اور قبض سے
نجات کے لئے اب اسٹریپ پکینگ میں

صافی قبض کشا قرص

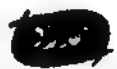
”صافی قبض کشا قرص“ مشہور خون صاف کرنے کی قدرتی دوا

صافی سے تیار کئے جاتے ہیں۔

صافی کے یہ قرص نہایت احتیاط و نرمی سے بغیر کسی قسم کا نقصان پہنچاتے
قبض روک کر رہتے ہیں۔ مزید یہاں ان میں تمام مصفی خون صفات بھی موجود ہیں۔

ہر کیسٹ، ڈرگسٹ اور جنرل اسٹور پر دستیاب ہیں۔

بہادر دوا خانہ (وقت) پاکستان
کراچی - لاہور - ڈھاکہ - چٹاگانگ



اکتوبر ۱۹۶۶ء

جلد ۱۸ -
شمارہ ۶

کراچی

ماہنامہ فاران

ایڈیٹر: مایہ القادری

ترتیب

۳	مایہ القادری	نقلِ ازل
۱۵	مایہ القادری	جموں نیرت کا جوشِ علمِ کلام
۲۹	محمد اکرم طاہر	حضرت عمر بن عبد العزیزؓ
۳۳	محمد حفیظ الشاذلی	مسلمانوں کا علمی شعفت
۳۸	ایک قادیانی کا قبولِ اسلام
۳۹	مایہ القادری	یادِ رفتگان
۴۵	مفت شعراء	غزلِ لب
۴۷	ہماری نظریں

قیمت فی پرچہ ۶۲ پیسے

پبلشر: مسرور حسین

چندہ سلاست روپے

مقام اشاعت
دفتر مایہ القادری فاران پبلیکیشنز کراچی

مسردہ حسین پبلشرز انٹرنیشنل پریس کراچی میں چھپا کر دفتر مایہ القادری فاران پبلیکیشنز کراچی سے شائع کیا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نقشِ اول

تیسرا اہلکار، ابنِ ہبیب، چنگیز اور جلال الدین یوسف انسانی تاریخ کی انتہائی بدنام اور مشہور (NOTORIOUS) شخصیتیں ہیں، مگر جب ان تھکر کے ظلم و ستم اور شقاوت و دزدگی کے مقابلہ میں ان ظالموں کے ظلم و ستم کے کارنامے گرد ہو کر رہ گئے ہیں! دنیا نے سوچ کی سرے نہ آیا وہ مخلص اور منظم دینی تنظیم ————— اخوان المسلمون ————— کو تباہ کرنے اور دنیا کے پردے سے اس کا نام نشان مٹانے کے لئے اس ظالم نے جو تباہی مٹیں توڑی ہیں، جو ظلم ڈھائے ہیں اور ————— اخوان کی تعذیب کے جو طریقے اختیار کئے ہیں، ان کے ہاتھ میں دنیا اسلام کی عظیم شخصیت ————— مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ————— کے تاثرات بلکہ مستند شہادت کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیے: —————

”اوسوہ تعذیب کے وہ طریقے ہیں، جن کو سنگدل سے سنگدل انسان بھی آسانی سے مٹنے کا تاب لا نہیں سکتا“

ذماتے قت، لکھنؤ، ۲۰ ستمبر ۱۹۷۷ء

مصر کے جیل خانوں میں بے گناہ، مظلوم اور سیدھے سچے ————— اخوان ————— کا اعتراف یہ ہم کانے کے سلسلہ میں جوائنٹس دی گئی ہیں، اور جیسی جیوٹ غریب تعذیبوں کا انہیں نشانہ بنایا گیا ہے، جب وہ پوری تفصیل کے ساتھ کہتے ہیں کہ آجائیں گی، تو آئندہ سب سے حیرت کریں گی اور انہیں وہ قسم بھی ————— کہ اس متمدن اور جمہوریت پسند دنیا میں ایک ایسا فرمانبردار بھی گناہ ہے جس کی دزدگی اور غور خوری کو دیکھ کر بھیڑیے بھی دائروں میں اٹھل دیاتے گئیں اور ظلم و شقاوت اور سیرسیت و دزدگی کے تمام اگلے پچھلے ریکارڈ جس نے توڑ دیے ہوں اور جس کی شخصیت تمام ظالموں میں سب سے زیادہ ممتاز بلکہ منفرد ہو!

میں ایک دن نما کو منہ دکھانا ہے اور نہ بان و ظلم سے نکلے ہوتے ایک ایک لفظ کا جواب دینا ہے، ہم نے اور جو کچھ لکھا ہے اس میں نہ براہِ رب لکھا ہے کیا، جمال تھکر کے مظالم پر ظلمت کرنے کے لئے انہیں ہے کہ گفت میں ایسے الفاظ نہیں شے، جن سے واقعی طور پر اس لیے کی شدت کا شکیک طور پر اظہار ہو سکے، ظالم، شقی، ورنہ، شکر، جفاکار، اس قسم کے تمام الفاظ جمال تھکر کی ظالمانہ شخصیت کے مقابلہ میں نرم، بلکہ اور بے وزن سے نظر آتے ہیں، تو تھری دیو کے لئے سینہ پر چھر رکھ کر ادا کر ممکن ہو سکے تو سنگدل بن کر اس ————— تعذیب کی چند جھلکیاں دیکھنے کی کوشش کیجئے!

سرفراز، مراکش اور جدہ کے، خیالات میں یہ تفصیلات شائع ہو چکی ہیں، یہ سنی مائی باتیں ہیں، آپ جی اہل عینہ شہادتیں ہیں —————

— تیس، اخوان کا ایک گروپ لایا گیا، انہیں تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا، ہر ایک کی ٹانگ دوسرے کے بازو

سے باندھ دی گئی اور زمین پر چھٹ لٹا دیا گیا، اس کے بعد دس گرین ریفوز میں شگلے گئے پچھلے شخص کے

دولوں بازو دھرا کرین کے ساتھ جکڑ دئے گئے تیسرے شخص کی دولوں پندلیوں کو نمبر دکرین کے ساتھ باندھ دیا

گیا، اس طرح دس کرینوں نے ۳۰ افراد کو فضا میں طلق کر دیا، یہ کرین پانچ قطاروں میں تھیں، اس کے بعد دوسرے نظر بندوں کو لاکر کرینوں سے کچھ فاصلے پر بکھڑا کر دیا گیا اور ام کلثوم کے گانوں کے ریکارڈنگ کرنے گئے، جن میں یہ گانا خاص طور پر ڈبیرا گیا۔

”یا حساں! یا حساں! الوطنیہ“

انہوں کو حکم دیا گیا، وہ بھی اس گانے کو دہرائیں، ایک گھنٹہ تک یہ گانا دہرایا جاتا رہا، اس کے بعد اردو فوج میں بستیوں اور اس کے اسٹنٹ میں سوزہ اور دوسرے فوجی افسرانے، ان کے آگے من البضیٰ اور سید قطب کو اسٹریٹ پر ڈال کر لایا گیا یہ دونوں ہم مردہ حالت میں تھے اور جل نہیں سکتے تھے، کرینوں پر بندھے نکلے ہوئے انہوں سے پوچھا۔ ”کیا تجھے اپنا بیان یاد ہے“ اس نے جواب دیا ہاں، پھر پوچھا جو باتیں تجھے لکھ کر دی گئی ہیں وہ اچھی طرح یاد ہیں، ساتھی نے کہا۔ ہاں خوب یاد ہے، ہر شخص سے یہی سوالات کئے گئے، پھر پوچھا ”کیا تم عدالت میں ان بیانات کو بدل دو گے؟“ ساتھیوں نے جواب دیا ”نہیں“ سوال براہ میں تمہارے ساتھ کیسا برتاؤ کیا گیا ہے“ جواب ملا ”بڑا شریفانہ اور شفقتانہ برتاؤ ہوا ہے“ فوجی افسرانے من البضیٰ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا، یہ کون ہے! ساتھی نے کہا، جناب مرشد ہیں، انہوں نے اپنی تعلیم کے صلے میں مرشد کہتے ہیں، فوجی افسرانے کہا ”مرشد کافر“ مرشد کافر ”یہ قطب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا گیا“ یہ کون ہے“ رفیق نے جواب دیا ”سید قطب“ حکم دیا گیا، اسے مخاطب کر کے یوں کہو ”تو بڑا ظالم اور احمق ہے“ ساتھی نے ان الفاظ کو دہرایا، یہ سوال جواب کرینوں سے بندھے ہوئے۔ ہر اس طلق برساتی سے کئے گئے، ایسا بھی ہوا ایک ساتھی نے جواب نہ دیا اور دعا گوئی اختیار کر لی، مگر فوجی افسرانے جلتا سرٹ اس کے نازک اعضاء پر دیا اور وہ بے اختیار پکارتا تھا ”یہ مرشد کافر ہے اور وہ ظالم و فاسق ہے“

”اس کا سدھائی کے بعد وہ سدھ صلی حمزہ لیسوی نے تفسیر شروع کی اور کہا ہم پہلے سن دیتے ہیں اور پھر سن“ یاد نہ کرے یا یاد کرے اس کو بھلا دے اس کو کرینوں سے چیر ڈالا جائے گا اور ہم اس کے زرد دان نہیں ہونگے، یہ کرین کھڑے ہیں، جو چون و چرا کرے گا، اس کو دونوں کرینوں کے ساتھ باندھ دیں گے اور مخالف سمتوں میں حرکت دیں گے، اس طرح اس کی ٹانگیں الگ الگ کر دیں گے، ہم تمہیں مرنے نہیں دیں گے، ہم جاننے ہیں کہ تمہیں مرنے کی ہرئی سزا ہے لیکن ہم اس آرزو کو نہیں کریں گے۔ (دراحدہ ممبرانہ کے واقعات)

اس صبح میں پانچ خواتین وفاقی حادثہ کا شکار ہو گئیں، تفسیر یا ایک ہفتے سے وہ اس باغ میں، ایک فوجی انسپرائڈ انسان خاتون سے کہنے لگا۔ کیا تمہاری وفاقی حالت خراب ہو گئی ہے میں اسے یاد نہیں کرتا، ابھی تمہاری وفاقی خوبی دیکھنے دیتا ہوں، یہ کہہ کر وہ ان بے چاروں کو شدید اذیت دینے لگا اور انہیں اس تسلسلہ کو کہ کیا کروہ آج تک اس باغ میں (واقعہ کچھ رمضان مطابق ۳۴ھ و ممبرانہ)

”ایک خاتون جو شری صاحب علم و فضل ہیں اور تبلیغ کے میدان میں بڑی سرگرم رہی ہیں، ان کے بھائی کو اس میں سے لایا گیا ہے اور وہ مذکورہ مسئلہ انہیں اذیت دے گا“ یہ انسان نہیں سمجھ کر کہہ کر وہ یہ تحسید لکھ دی کہ ان کی بہن جو اس وقت نظر بند ہے، ہمارا محبت ہے اس پر شہ کر رہی ہے مگر وہ یہ تحریر لکھنے سے انکار کر رہی ہیں ان کی حالت ابتر ہو

چلی ہے، ان کی بہن رضاؑ کے سر پر ہاتھ لگے، کئی مرتبہ ان سے درخواست کر چکی ہے کہ آپ یہ قہر لکھ دیں اور غصہ سے اپنی جان بچھڑالیں، مگر وہ نہیں مانتے اور بہن سے کہتے ہیں کہ تم میرے لئے بہترین نعمت بنی ہو، میں ان شاء اللہ تمہارے لئے نعمت بنوں گا۔

● — فوجی قید خانے میں نظر بند خواتین کی تعداد ۲۶۳۳ تک پہنچ گئی ہے، اساطیر میں مختلف اوقات میں ان کی جینس سٹاف دی جاتی رہتی ہیں۔

● — "شرقی عبد العظیم کو سٹریٹ کی چھت میں یکم رمضان سے سو کے بن مسلمانہ لٹکا کر جانے جا رہے ہیں، بالکل برہنہ جسم میں، چھت پر ایک ٹوٹی گئی، بونی ہے جس سے پتروں کے قطرے ٹپکتے ہیں اور شوقی کے سر پر گرتے ہیں اس سے ان کا بدن گھٹا رہتا ہے، یہ مسلسل روزانہ ۵ گھنٹے جاری رہتا ہے، داسٹر میل با با با با کران سے پوچھتا ہے، کیا تم بھی ایک پکے دمن ہو، شوقی جواب میں کہتا ہے، یا اللہ، اگر تم مجھ سے ملاض نہیں تو پھر ان مصائب کی بھیج دو انہیں، یہ سب کچھ دارو جس نکلے ہیں اگر ان کے جسم میں سگڑ بھاتا ہے، اور انہیں گھٹے داتا ہے، ایک یقین نے سرتے پا کر شوقی سے کہا، کم از کم خاموش رہی راکرین، مگر شوقی نے جواب دیا، "لا حول ولا قوۃ الا باللہ"۔

● — ۲۰ دسمبر ۱۹۷۵ء کو سب محمول تھنیک کے لئے پریڈ ہوئی، جسے صلی کی اصطلاح میں "BRAIN WASHING" کہتے ہیں، آج تین تعلیم یافتہ خواتین کو بھی لایا گیا، ہر خاتون ایک چوٹی ٹنگلی سے کسی بونی تھی، تینوں خواتین ہم عمر خاتون عات میں تھیں اور ابو ادیب سے جسم لپٹ تھا، صفت میں سے ایک جوان انوائی انجینئر محمود عزت اپنی بیوی سے آواز کرتی ہے آگے بڑھے اور خاتون کی ستر پرشی کرنا چاہی، مگر ایک ایک فائبر ابو الادیب محمود عزت زین پھر ہو گئے۔

● — "نظر بندوں کو گھٹا کرنا، انہیں وجہ کی زنجیروں سے باندھ کر ان پر کچھ بھڑانا، جلتی ہوئی آگ میں انہیں پھینکنا، بھائیوں کے سامنے سبزی کو برہنہ کر دینا، سلسل بھولا کھانا، جلی کے بجھکے دینا، ایندھ سے مسدود رکھنا، یہ اذیت کے عام طریقے ہیں، جو نظربندوں پر استعمال کئے گئے ہیں۔" صوبہ کے مختلف اخبارات سے (مختصر یہ) — نیپیل حامی) کہا آج تک کسی حکومت نے ان مجرموں اور سازشیوں کے ساتھ جو واقعی قتل و خمار گری کے مجرم ہوں، اس قسم کا ہیمانہ سلوک کیا ہے؟

● — "تذیب کے یہ لوگھے کھینچتے دنیا کے کسی بڑے سے بڑے ظالم کو بھی نہیں مٹو گئے، پھر عداوتوں میں جو کامہ دایاں ہوتی ہیں، وہ عدل و انصاف کے ساتھ کھلا ہوا مذاق ہے، ملک کی عام علاقوں کے جسٹس رٹ اندر جج جمال ناصر کی ایسی اور مضمی کے مطابق جن جن کر دئے گئے، مگر اخوان کے معاملہ میں بسا اوقات ان پر بھی اظہار نہیں کیا جاتا، فوجی سرکار پر مشتمل زیریں بنائے جاتے ہیں ان فوجی علاقوں میں نام نہاد طرز میں کو صفائی اور داد سی کی معروف برہنہ ہیں، نہیں دی جاتی، ہندو کے یہ مقدمات کی سماعتیں ہوتی ہیں، جن میں نہ عوام جا سکتے ہیں اور نہ اخباروں کے نمائندے؛ سرکار کے دیکھنے نے طرز میں کی وکالت کرنے کی اجازت چاہی تو انہیں اس کی اجازت نہیں دی گئی، اس علاقہ کے بعد پھر فتنہ دار ہے، پھانسیاں ہیں، گھٹے، زنجیریں اور طرح طرح کی تفتیشیں ہیں۔

● — "اخوان المسلمون، عرب دنیا کی سب سے زیادہ نفیس، دیندار اور فعال جماعت ہے، اس طرحی سبب فوجی انقلاب آیا ہے اور شاہ فاروق کو ملک سے ہلا وطن بنا دیا ہے، آخر یہ جنگ تحریک تمام قیادت "اخوان المسلمون" کے ہاتھوں میں تھی، خود جمال ناصر میں اخوان کے اثر و نفوذ کو محسوس کرتا تھا، اور "اخوان" کے حصہ — مرشد عام — سے بلا تامل انداز میں گفتگو کرتا تھا، مگر وہ "دعوت" "اخوان" کو بے اثر کر دینے کی فکر میں تھا۔ اس کا بھی طرز "انسانہ تھا کہ اس کی کمریت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بھی جماعت ہے، اپنا پیڑ ۱۹۵۵ء میں سانبش نش کی آڑ میں...

انہیں المسمون کو ظلم کو ستم کا نشانہ بنایا گیا، یہاں تک کہ اس تعلیم کے ذریعہ کی حمایت کو بیچوں سے تباہ کر دیا گیا، ہزاروں افغان گرفتار کر لئے گئے، اور انہوں نے پھانسی کا جھنڈا پہننا پڑا، لٹکا دئے گئے۔ ان میں علامہ عبدالقادر عروہ بھی شامل تھے، علم و فضل اور ذاتی سمیت و دلدار کے اعتبار سے عبدالقادر عروہ کی شخصیت اس حد میں شامی شخصیت تھی، یہ عظیم کبریا کی ذات سے ہا سعادت کے لحاظ سے فرید و احد نہیں بلکہ ایک "امت" تھا۔ اتنے اونچے درجے کے فخر اور صاحب عزت تقریبی شخص، صدیوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں، عبدالقادر عروہ شہید نے مقرر کی عدالت کو کس عزیمت اور مروتانہ فکر و فراست کے ساتھ خطاب کیا :-

"کیا۔۔۔ ایک بیج کے لئے ممکن ہے کہ وہ ایسی دنیا میں بے تعلق ہو کر رہ سکے، جہاں قانون ختم کر دیا گیا ہو اور جس کی لاشی، اس کی بیسیں کا اصول کا روبرو ہو، جہاں قانون لوٹ کھسوٹ اور مظالم کے جواز کا آلہ کار بن کر رہ گیا ہو، اور جہاں حکومت کے صاحب اور ہر طرح کے فائدے سے صرف وہ لوگ مستحق ہو سکتے ہوں جو حکمرانی کی امان میں ملے جانے والے ہوں اور جہاں اتفاق کامیابی کا واحد ذریعہ خیال کیا جاتا ہو اور ابا جیت و بد اخلاقی کو جاہ و منزلت کی اولین شرط سمجھا جاتا ہو۔"

"کیا۔۔۔ ایک بیج اس بات کو ٹھنڈے دل سے بدانت کر سکتا ہے کہ اس کے وطن میں عہد جاہلیت کے سے حالات کا دور دورہ ہو، زیر دست اپنا خون پسینہ لیک کر کے گناہیں اور بدعت اسے چین اور غصے سے بھر کر کھائیں گزروں کر اپنے جسم اور روح کا رابطہ قائم رکھنے کے لئے، سوکھا فالہ اور سیلا جھپٹا، بھی میسر نہ ہو، اور طاقت ور ہونے اور چاندی سے کھیں رہا ہو۔ اور اگر گزند و شکایت کہہ، تو قانون اس کے خلاف حرکت میں آجائے۔"

"پھر کیا ایک بیج اس بات کو ٹھنڈے پٹھوں بہاشت کر سکتا ہے کہ ایک ملک کے دستور میں توبہ و دفعہ درج ہو، کہ ریاست کا دین اسلام ہے، لیکن اس کی حکومت اور حکمران اسلام کی حکمت کھلا خلاف و دزدیاں کریں اور خدا وین اسلام کے قانون کے پیاسے بن جائیں، قانون علی البسرو التقری کی خواہش رکھنے والوں کو لٹ نہ تہا پائیں اور قانون علی الاقلم والاصولان کے سر تکبیر کی سرپرستی کریں :-

"تب کیا ایک بیج ایسے حالات میں ناظر ضعیفہ سکھائے، جب کہ پہلا ملک اخلاق و فضائل و محاسن سے غازی ہوتا جا رہا ہو، دیانت اور حسن اخلاق کا نام و نشان مٹ سا ہو اور ملک ہر جہہ لیڈروں کو اپنے لئے اسوہ اور نمونہ قرار دینے لگے ہوں۔۔۔۔۔"

— اور پھر —

چشم فلک نے یہ منظر بھی دیکھ لیا کہ یہ مرد کا بد و اہمانہ انداز میں رقص کرتا ہوا، تختہ دار کی طرف مدعا ہو اور اس طرح اس نے اللہ کی راہ میں شہادت پاکر، حضرت حبیب انصاری رضی اللہ عنہ کے واقعہ شہادت کی یاد تازہ کر دی۔

اس کے بعد سے اب تک۔۔۔ افغان "خلم و ستم کے فتنوں میں کسے جا سکتے ہیں۔ کوئی ظلم و ستم ہے جس سے ان کو دوچار ہونا نہیں پڑا، مقرر کے ہے اب دیکھا دیکھتا ہوں کی ہولناکی اور تیروں سے لے کر شہری قید خانوں اور پھانسی کے تختوں تک، ہر وقت کا ہر حصے سے انہیں گھبراہٹ ہزاروں افغان، ان انہوں اور تحریروں کی تاب نہ لا کر جاں بحق ہو گئے، خوف و دہشت ان پر حاکم اور مذہبی کی زبان میں بند کی گئیں حکومت کے دفاتر میں ان کی طاعت منسوخ، تجاوت و فطانت کے کاروبار میں ان کے لئے قدم قدم پر رکاوٹیں، مشکلیں اور پریشانیوں، ذیل مندرجہ یہ کہ پریٹ کی مہربانی ہوتی ہے، فقر و فاقہ میں مبتلا ہو کر یہ لوگ اپنے ملک کو غیر آباد کر کے جہاں بھڑکی آفریت کا کلمہ پڑھنے لگیں گے، مگر

انہوں کو ہزاروں فریب، آن کے سر پر نیامیں ٹٹ گئیں، مگر ان کی استقامت میں فتنہ ہلچل فریق نہیں آیا، ان خدا شاہ رسول اور حق پرستوں کا یہی نصیب المین رہا کہ —

اللہم غانثنا

والسلاسل فیعمینا

اللہ ہی را مقصود ہے
رسول ہمارے قائد ہیں

اللہ

قرآن ہمارا دستبر ہے

والفلاح دستورنا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ آج تک ایسا ملک ہی اور جاوہ عزیمت و مستقامت پر گامزن ہی۔

حد پر گئی سنگدل کی اور ہے سچی کی کہ مقرر کے وہ لوگ جنہوں نے "افغان" کی جنگ عالی اللہ معاشی شکست سے متاثر ہر ملک کی مدد کی رہے ہمارے یک حکمران کے اعتبار سے نہ نکالے! "افغان" کے ہر سید و سردار کو دھونڈ ڈھونڈ کر ستا یا اور پلٹن کیا گیا۔

دوسرے فلسفہ تک جو افادات ملی ہیں ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ پالیسی بنیاد سے غلط "افغان" گرفتار کئے گئے ہیں، ہر طرح کی حق پرستوں میں بددلیلی اور عروج نہیں ہوتی ہے، دنیا میں شاید ہی کسی تنظیم اور جماعت کی اتنی حد تک گرفتاری ہوئی ہو، امتیاز ہندوستان میں انگریزی استبداد کی مثال ہمارے سامنے ہے، آزاد کی کے لئے جدوجہد کرنے والوں میں، جن کو قید و بند میں رکھا گیا، وہ سب سب مرد تھے، عورتوں کے کسی قسم کی پرچہ چھٹک نہیں کی گئی، ہزاروں اور لاکھوں گرفتار ہونے والوں میں بس دو چار ہی عورتیں نظر آئیں، جن کا تناسب میں خیرا پیشاید یک ہی نہ تھا، مگر جہاں تاھر کے دوسرا حری میں عورتوں پر بھی مظالم ڈھائے گئے، سید قطب کی کہن امین قطب تعزیت کی شدت سے شہادت پا چکیں، سید قطب شہید کے لئے جہاں بھی تھا قطب بھی قید خانہ کی کھیتوں کی تاب نہ لا کر لاشہ کو پیار سے چھو گئے!

حسن اسماعیل ابغیتی ہما افغان کے صدر و درشد عام ہیں، ان کو سیکڑے میں گرفتار کیا گیا، انہیں موت کی سزا سنائی گئی پھر اس سزا کو مرتد میں تبدیل کر دیا گیا، قید خانہ میں ان پر ایسی بے رحمانہ سختیاں کی گئیں کہ چار برس کے اس بڑھے بڑھے بڑھے قیدی کی صحت ہی بالکل برباد دے گئی، حکمران نے ان کو مرنے کا کہہ کر، رہا کر دیا وہ برسوں سے اپنے گھر میں نظر بندی کے دن گزار رہے تھے، اہل باب انہیں دوبارہ گرفتار کر لیا تھا میں ڈال دیا گیا، اور دین سال قید با مشقت کی سزا دی گئی!

"افغان" کے بعض اکابر کی قبریں اب دہلیس قید خانوں میں مصائب اہل کاشکار ہیں، ان کا جرم اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ یہ ایک سیاسی اللہ تعالیٰ کے دین ان کا سر کا غلبہ چاہتی ہیں اور اس بے مروتی کے وعدے میں ان کی نشہ گئی عصمت و عظمت کا قابل قدر نمونہ ہیں (واللہم کریم شہین) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مظاہر جعفری نمایاں ماہر ہیں، صدر اجتماع اور کچھ ہیں، اور عرب مالک ہیں جن کی عربی انشا پناہ کی کی دھم بھی ہوتی ہے، انہوں نے اعتراف کیا ہے کہ —

سید قطب نہ صرف مقرر کے "دھڑلے عالم عربی کے بلکہ دنیا کے اسلام کے ان پیروہ و برگزیدہ، اہل فکر، اہل علم اور صاحب طرز افشاں پہنچانوں کی صف اول میں ہیں، جو طویل عرصہ کے بعد پیدا ہو کر تھیں، ان کا دین کے علاوہ اور اسلام کی ولایت و ترجمانی کرنے والوں کی صف میں شامل ہونا، اسلامی فتوحات کی ایک کڑی اور اسلام کے لئے ایک قابل قدر تحفہ اور ایک وقیع اعزاز تھا۔ وہ مقرر کے اس مشہور ادبی و تنقیدی حلقہ کے ہم رنگ اور وکیل تھے، جو اس محمود العقاد کا حصہ یا دبستان کہلاتا ہے، ان کا سارا اثر و نما اور ذہنی ادبی ارتقا، جدید و جدید فن تنقید کی فائز پر تھا، ان کی تنقیدی کتابیں — انتقد عالمیہ — وغیرہ جو صد و قوت کی نظر سے گزریں جاتی

تھیں، وفاقِ تعلیم سے وابستہ رہ کر، انہوں نے اپنی صلاحیتوں سے ملک کی خدمت کی امدادی سلسلہ میں وہ حکومت کی طرف سے امریکہ بھیجے گئے وہاں انہوں نے مغربی تہذیب اور مغربی معاشرہ کو اپنی صحیح نمونہ اسباق نے نقطہ عروج پر دیکھا اور اس سے ان کے اندر ایک سکس کی کیفیت پیدا ہوئی، وہ مصر آئے تو بدل چکے تھے، ان کی دو کتابیں، —

التصویر فنی فی القرآن

اور

مشاہدات القیامت فی القرآن

اس دو جہان اصنئے وعد کی نشاندہی کرتی ہیں !

”ان دو کتابوں نے خالص اولیٰ اور منکر دین حقوق سے بھی، قرآن کریم کے اعجاز و بلاغت کا انخراٹ کر دیا، ۔۔۔ بعد میں یہ رجحان ”العدالتہ الاجتماعیہ فی الاسلام“ اور ”الاسلام والاسلام العالمی“ کی شکل میں بالکل کھل کر سامنے آگیا، اور اب وہ اپنی پختہ زبانی، اولیٰ صلاحیتوں اور توانائیوں کے ساتھ اسدی کیپ میں شام ہو گئے، ”العدالتہ الاجتماعیہ“ کو عالم غربی میں وہ مقبولیت حاصل ہوئی، جو عصر جدید کی کم نفسیات کو حاصل ہوئی، اس کا متعدد بائبل میں ترجمہ بھی ہوا اس کے متعدد انڈیشن شائع ہوئے، کسی تعلیم یافتہ اسلامی ذہن رکھنے والے کے لئے یہ نقص اور نامائفتیت کی بات سمجھی جاتی ہے، کہ اس نے ”العدالتہ الاجتماعیہ“ نہ پڑھی ہو۔۔۔۔۔ سید قطب اپنی کتابوں میں اسلام کو ایک ایسی سندہ طاقت کے طور پر پیش کرتے ہیں جو زندگی اور معاشرہ کی تعمیر اور ترقی و ترقی کے تشکیل میں مدد دے سکتی ہے، وہ احکامات کو بھی دین کا ایک تقاضہ اور فریضہ سمجھتے ہیں، یہ بات ان حکمرانوں کے لئے ناقابلِ مہداشت ہے، جو ایک ماسخ، ایک اطلالہ اور ایک شخصیت کے ساحل میں، کسی کا وجود تسلیم کرتے ہیں اور نہ کسی کا نہ مہرے کا حق دیتے ہیں، یہ وہ بدترین عسکری اور مادی حکومت ہے جس کے سامنے حجاج بن یوسف کے واقعات اور سپرنگر و ہلاک کے مقام گزریں۔۔۔۔۔ ان ملکوں اور حکومتوں نے خدا اپنے قبلِ فحسہ فرزندوں کے ساتھ وہ سلوک کیا، جو کوئی دشمن کسی دشمن کے ساتھ نہیں کرتا اور اس کو ذرا بھی مذمت اور مذمہ ملے یہ بھی درد نہیں، ابھی ملک مصر اور سعودیہ القاعدہ کو رہتا ہے، لیکن اگر خدا غر استر سید قطب کی طرح پیش آگیا، یہ اس سے جزا المیہ اور نادر ہوگا۔

ذیلت ملت۔ لکھنؤ۔۔۔۔۔ مارچ ۱۹۶۶ء

اور

یہ نہ پیش آکر امیہ المیہ واقع ہو کر نہ دنیائے اسلام کے اس نامور فرزند کو پھانسی دے دی گئی۔

سماں طالع بود گر خول ببار دہد نہیں

تمام عالم اسلام نے احتجاج کیا، جمال ناہر کوہ قبیہ بھیجے، معمری سفارتوں کو بلاشتیں دیں، شرقِ ارض سے سید سلطان اسحاق کستا تک اضطراب انگیزیں، مگر جس طرح پتھر ہیں ہونک نہیں لگتی، اسی طرح جمال ناہر یہ کسی احتجاج اور اور فریاد کا کوئی اثر نہیں ہوا، وہ اس طرح کے تھا کہ ایک اس طرح چاہے توہر اس کو نہ پیدا کر سکتا ہے، مگر ایک ہزار اس کو نہ پیدا ہو، تو ایک اس طرح کو پیدا نہیں کر سکتے، سید قطب !

جمال ناہر یہ مثل پر ہی اترتی ہے۔ لیکن یہ لفظ جمال ناہر کی جانی بھی ہے۔ یہی وہ شخصیت کی تلافی نہیں کر سکتیں! اس وقت طلب مجھے صاحبِ معریت دینی مفکر اور صاحبِ کمال انسان کے سامنے جمال ناہر جیسے حاکم اور فردِ نادر - حضراتِ اہل حق سے دنیا و حقیقت نہیں رکھتے! اس قسم کے دردناک واقعات میں ایک سلطان کے لئے سرک زیادہ قتل و دہشتِ جہاد اور آفات کے عقیدہ سے ہوتی ہے کہ اس نے دلِ ظالم کو ان کے کوڑوں کی پوری پوری سزا دلے گی اور جن کی عظمت و سطوت اور کبریا کی جھنڈ سے آج نضام میں آڈر ہے، قیامت کے دن وہ ذلیل و خوار کی طرح ساری دنیا کے دروہہ گھیسے جائیں گے! جو واسطہ اور طاقت کے ذریعہ جس نے اس دنیا میں بھڑکی عزت حاصل کی، قیامت کے دن اس کو ذلت کے سوا اور کچھ باقی نہ رہے گا!

آمریت نے کیا کیا؟ شاہِ فاروق کو اگر پر فوجی طاقت کے زور سے ہٹایا گیا، مگر اہلِ معریت تھے کہ انہیں سرکیت سے نجات ملی! ملوکیت ہو یا آمریت، عوام ان دونوں میں سے کسی ایک قسم کی حکومت کو بھی پسند نہیں کرتے، کیونکہ یہ دونوں جمہوریت اور عوام کے حقوق کو پامال کر کے اپنے اقتدار و کبریا کی تخت بچاتی ہیں۔ جنرلِ نجیب کو مہرٹ اور نظربند کر دینے کے بعد مصر میں اپنی طاقت کا بوز دم کیڈا گیا۔ اور جمہوریت کے نام پر جس طرز کی حکومت قائم کی گئی، جس نے مصری عوام کو بالکل بے دست و پا بن کر رکھ دیا، اس قسم کے جاہلانہ قوانین وضع کئے گئے جو آمریت یعنی "لیکٹیشن کی مطلق العنان حکومت" کی جڑیں مضبوط کرتے ہوئے مثلاً یہ کہ صدرِ مملکت کسی شخص کو بھی سیاسی حق و کذب پر مقدمہ چلائے بغیر گرفتار کر سکتا ہے اور کسی عدالت میں اس کو گرفتاری کے خلاف درخواستیں ہو سکتا ہے! یہ تو مرثیہ از خود اے ہے! ان قوانین کی غیرت خمی طویل ہے!

جمال ناہر کی حکومت نے مصر کے پورے پرتند کیا۔ جو اہلِ قلم اور سماجی حریت پسند فکر رکھتے ہیں انہیں نظربند اور سماجی دنیا میں گنہگار و بدنامی کے لئے رکھ دیا۔ مصر میں شاید ایک بھی ایسا اخبار باقی نہیں رہا بلکہ نہیں رہنے دیا گیا جو عوام کی صحیح طور پر جھانی کرنا ہو، آج کی مصر کی صحافت جمال ناہر کی تعصبات و تعصبہ خاں کی معرکے ہے، نظم اور دنیاوی کے خلاف کوئی احتجاج اور صحت مندی نہیں! اخبارات کے مفید افسانہ علم کی نفاذ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ جمال ناہر مصر کا نجات دہندہ اور مصر کے وجود و بقا کا امین ہے! اس کے ساتھ مضبوط کرنے کی ہے مقرر قائم رہ سکتا ہے! تنہا کسی کی ذات اس سفید کی ناخدا ہے! جمال ناہر کی پالیسی اور حکومت پر تنقید کرنے والا داخل مصر کا دشمن ہے اور مصر کی دشمنی کو کسی قیمت پر برداشت نہیں کیا جا سکتا۔

آج مصر کی مصروفیت پر کچھ سنوں کا قبضہ اور تسلط ہے! انہی کے اغیالات اور سازوں کو خاک کے طور پر عرض میں پھینکنے کے مواقع ملے جا رہے ہیں۔ اسلام کی جگہ سوشلزم کو نظریہ حیات کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے، قاہرہ کا ریڈیو سوشلزم کے پروپیگنڈے کے لئے وقف ہے! کوشش کی جا رہی ہے کہ مصری عوام کے ذہن و فکر پر "اسلام" کی بجائے سوشلزم کا رنگ چڑھ جائے! اسلام کی طرف دھڑکتے ہوئے مصری حکومت کے نزدیک جماعت پسند ہیں! انسان و جماعت پسندوں کو تباہ کرنے کے لئے صد سالہ مصر کی قس کی سازش کے شکار بنے! آئے دن مصری اخبارات میں چھٹتے بیٹے ہیں۔ وہ مصری اسلامی تمدن و تہذیب کا گہوارہ وہ جگہ ہے آج دن آخر کو تہذیب کو زندہ کرنے کی جیسے زندہ شمس کے کوشش جاری ہیں! مخرج ابناء الفضل عندہ - دہم فروع کی انقلاب میں کے شعور کی گریخ قاہرہ میں سنائی دے رہی ہے، رعیتیں اہلِ کلمہ نے فرار کے ساتھ نصیب کر دیا ہے! مصر کے پرامیسی کوڑوں اور ڈاک کے ٹکڑوں پر فروع کی تعصب و تعصب آتی ہے! اسلام کے خلاف اتنی بڑی سازش شاید کبھی بڑے سے بڑے نافرمان نے بھی نہیں کی! اسکیم یہ ہے کہ مصر کی پوری نسل کو اسلامی تعلیمات اور دینی اقتدار سے بیگانہ بنا دیا جائے، تاکہ ان کی نگاہ میں قیامت کے لئے نصیحت کو منہ پر لپیٹ دیا جائے، جعفر مدنی، عثمان ذی النہین، علی مرتضیٰ، سہیل وقاص، خالدین و لیلہ احمد مرین عبد العزیز (رضی اللہ عنہم) جیسے شخصیات نہ رہیں کیونکہ جب تک یہ مقدس ہستیاں اسلامی اہلِ فکر و نگاہ میں محترم اور عزت بخشی ہوئی رہیں گی، ادب و اقتدار کی غلیظ اور غیر اسلامی

جو بڑے غلطی کے ساتھ افریقی ممالک میں آج رہے ہیں، اس خطبے کے کل جملے سے وہ ناکرندی ختم ہو گئی ہے جس کی وجہ سے اسرائیل سخت پریشانی میں مبتلا تھا، اور اس کی اقتصادی حالت شدید بحران کا شکار ہو چکی تھی، اب اس نے کھینچا افریقی ممالک میں اپنی تجارتی منڈیاں قائم کرنا ہے اور افریقی ممالک کی کثیر تعداد بھی اس کے دامِ فریب میں مبتلا ہوتی جا رہی ہے۔

اس صحتِ حال سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صدائے امریکی پالیسی سے اسرائیل کو کس قدر فائدہ پہنچ رہا ہے! اور اسرائیلی حکومت کی کیسی کیسی مصلحتوں کے بندھن کھٹکتے جا رہے ہیں۔

شاہِ فاروق بادشاہ تھا اور پربادشاہ تھا، اس کی جلا وطنی پر مصری عوام نے خوشیاں منائیں کہ ملکیت کی بنیاد پر انہیں اندیشوں سے اُنہیں نجات ملی، مگر صدائے امریکی جبروتِ آمریت کا اُنہیں جو سبب رہا ہے، تو وہ شاہِ فاروق کے دورِ ملکوت کا یاد کرتے ہیں! اقتصادی افسانہ کی اعتبار سے بھی شاہِ فاروق کا ساتھ ناظر کا دل سے بہتر تھا۔

دوسرے اصرار کے نظریہ اور عل کے لحاظ سے ایک دوسرے کے کتنے مخالف ہیں اور ان کے دیمان کس قدر شدید دشمنی ہے، مگر جہاں تک اخلاقیات کی مخالفت اور سیاسی دیباہی کا تعلق ہے، دوسرے اصرار کی یہی نہیں انگشتان، اسرائیل اور مصری مغربی طاقتیں بھی جہاں تاہر کی ہم نوا اور حامی ہیں کہ اس طرح اسلامی اقصاء اور اسلامی اقلیتوں اور نظریوں کو نقصان پہنچ رہا ہے! اسلام کے خلاف منافق مسلمانوں کے ساتھ تمام کافروں طاقتیں متحد ہو جاتی ہیں انسان کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی جب وہ یہ دیکھتی ہیں کہ جو کام انہیں کتنا اُسے خواہش مسلمان، چند وقتی کے نام پر انجام دے رہے ہیں۔

آئندہ جمہوریت میں اصل طاقت عوام کے ہاتھ میں ہوتی ہے، وہ چاہی تو آئینی حدود جمہوریت کے اندر ملک میں انقلاب لا سکتے ہیں۔ جمہوری حکومتوں میں اسبابِ اقتدار کو اس کا خوف لگتا ہے کہ عوام اُن سے بدول ہو گئے تو ان کو کرسیوں سے ہٹا دیا جائے گا۔ اس لئے وہ عوام کے جذبات، احساسات اور مطالبات کا نیا دھڑے سے نیا دھڑا خیال رکھتے ہیں، اور عوام کے احتجاج کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ جمہوری اصرار یعنی انقلاب میں نون خیمہ کی قربت نہیں لگنے پاتی، وہاں عوام اور افسانہ نہیں، الفاظ اور اصول اپنا کام انجام دیتے ہیں۔ جمہوری حکومتوں میں وہی شخص اقتدار کی کرسی پر فائز رہ سکتا ہے جس سے عوام مطمئن ہوں، وہ ان کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی تو نہیں ہے، ہندو بالاکرستھنی نہیں ہوتا، جمہوری حکومت میں حکومت کی بڑی سے بڑی شخصیت کی فانی زندگی پر بھی عوام تنقید و احتساب کا حق رکھتے ہیں، وہاں فردِ واحد کی مائے سے نہیں، بلکہ باہمی مشورت سے امورِ مملکت طے ہوتے ہیں۔ جمہوری سیاست میں حاکموں کو عالی ظرف، صاحبِ صبر و تحمل اور بڑا کلمہ بننے کے رہنا پڑتا ہے، یہاں تک کہ بعض نازک اور اہم معاملات میں سازش، فساد، ایذا پہنچتی، جیسے الزامات بھی عوام کی زبان سے سننے پڑتے ہیں! اسلام جو شریعت کا قائل ہے، اُس کے لئے جمہوریت کی نفسانیا وہ سازگار قوت ہے۔

بادشاہت میں حکومت کے امور اور معاملات فردِ واحد کے اور گرد گھومتے ہیں، وہاں بادشاہ کو بدظن کے لئے انقلاب لانے کی حدود تو انہیں جرم ہوتی ہے، حکومت کے خزانہ سے بادشاہ اور اُس کے خاندان مالے اور متعلقین جس طرح چاہتے ہیں، فائدہ اٹھا لیں، وہاں بادشاہ اور خزانہ کی ایک جہم، بادشاہ کو گھیرے بہت سے اور جہاں پناہ کو یہ تک باور رکھنا پڑتا ہے کہ آپ غل اٹھ رہے ہیں! ایک بادشاہ مردِ بخت تو اس کی جگہ اسی خاندان کا کوئی فرد تو اس کی جگہ بادشاہ و خزانہ ہے، اس بادشاہ ایک ہی جیسے نہیں ہوتے، تاریک شاہد ہے کہ بعض نیک نفس اور خدا ترس بادشاہوں کو عوام نے پسند کیا ہے۔ اُن کی ذات کو ملک و ملت سمجھ لیں، اُس سے بڑے بادشاہ نے بھی جمہوریت اور عوامی حکومت کا نام لے کر لوگوں کو دھوکا نہیں دیا، بادشاہ جمہوریت اور شریعت کے دو پیادہ ہیں نہیں ہوتے۔ اُن کی پالیسی واضح ہے: کہ جس قسمت کی طرف سے لوگوں پر بادشاہت کرنے کا حق ملے، سمجھوں میں اُن کے نام کے خطبے پڑھے جاتے ہیں، جن میں بادشاہوں کو

”تہ قدت“ اور ”ملک و مقاب اُم“ تک کہا جاتا ہے۔

”آمریت“ اسی سبب سے مشہور و معروف اصطلاح ہے اس سے پہلے کی تاریخ میں قدیم زمانہ کو نشان کرتے ہوئے مختلف مالی برساتین، ملوک، راجے، مہاراجے اور شاہنشاہ کہا کرتے تھے، ”نغزہ چین“، ”نادرشہ“، ”فرخون معرہ کسرائے“، ”ایمان“، ”قصر مدوم“، ”ملوک میر و دستان“، ”چنگیز“، ”سلطان ترکی“، اور بھارت کے مہاراج اور راج کے لقب بہت مشہور تھے!

جس طرح بادشاہ اپنے کو بادشاہ کہتا ہے اسی طرح دنیا کا کوئی دیکھنے والا اپنی ذات سے اس لقب کو منسوب کرنا پسند نہیں کرتا۔ جمال ناہر کی زندگی مثال ہمارے سامنے ہے۔ وہ مہر کا مطلق العنان حاکم ہے، اُس کے حکم اور مرضی کے بغیر مقرر کے حدود و ملکیت میں کوئی دم نہیں مار سکتا اور پوچھ نہیں کر سکتا، مگر اُس نے اپنا لقب ”صدر جمہوریہ عرب“ تجویز کیا ہے! اُس نے انتخابات کا ڈھونگ رچا یا اور پھر رفتہ رفتہ عوام کی آنادی اور حقوق کے دائرے کو تنگ کر گیا، اُس نے ملک میں ایسے قانون بنائے جو اُس کی اپنی مرضی اور پسند کے تھے۔ اور اپنی ذات کو وہ مدت و حیثیت دے دی جو قانون کی گرفت سے بالاتر ہے، فرج سے لے کر عدلیہ اور انتظامیہ تک حکومت کے تمام شعبے جمال ناہر کے ہوا خواہ ہیں۔ بلکہ اُس کے چشم و باور کے اندر سے پرورش کرتے ہیں! ادیب، پیسہ اور عہدہ سے کالچ، حکومت کی طاقت کا دیا و غرض جو کوئی جس عہد سے بھی شکار کیا جاسکتا تھا! اُسے جمال ناہر کی ڈیوٹی میں نے پھر بنا کر چھوڑا۔ وہاں کے پولیس پر حکومت کا پوری طرح قبضہ ہے، عوام کی آنادی کو اس طرح شکنجے میں لگا گیا ہے کہ حکومت کی کسی بڑی سی بڑی نیادتی کے خلاف کوئی آواز بلند نہیں ہو سکتی! مہر کے پولیس، ایڈیٹر اور عدلیہ کے نکلنے سے اس کا پتہ پگھلنا لگتا ہے کہ جمال ناہر صاحب مہر کے بات و بہتہ اور ضرب قدم کے زعم کبیر میں۔

بعد ازاں مہر کی تقدیر کو ایک چراغ سال کے بعد قدر ناہر میں اس حادثہ سے دوچار ہونا پڑا کہ وہاں کی تعلیم کو مظلوم کر گیا، آج کا مہر اپنے دین و دنیا میں اسی طرح کے جہاد کا بانی ہے جو ہوا و آب و ہوا سے تیار شدہ شہرہ خلیہ اُم کا قیام پر غور کرتا ہے، مہر کے بڑے بڑے شہر و دیہات و نسق و نسق کی گرم پانی ناری ہے، دینی اخلاق و امتداد کے نشانات و دھندلے پڑنے بلکہ مٹنے اور معدوم ہونے چلے جا رہے ہیں! حکومت کو کھینچا، اچھے ہا پرست اور نامانوسا زعماء و رمی ہاتھ لگ گئے ہیں، جو اسلام کی بجائے سوشلزم کی تلقین و تبلیغ کرتے ہیں! جمال ناہر نے اپنی تشہیر و مدین فرمایا تھا۔ اسے ”اسے قہر و اور رخصتیس کے فرزند!.....“ قدر اسی سال کے بعد آج مہر پر پولیس پر مشتمل خود

اب مہر کو حکومت کرنے کا موقع ملا ہے۔

۱۔ ان دنوں کے سائبر میں جو معاشرہ تشکیل پائے گا اور جو نسق اُبھرے گی اُس میں اسلام و اخلاق کی کوئی خصوصیت بچا باقی و سکتی ہے! دنیا کے جس ملک میں بھی چھوٹے یا بڑے جہاد ہے، ناہر امریت کو فروغ دے گا، وہ اسلام اور جمہوریت کا دھندلکا زعماء ہے! اللہ تعالیٰ ہم سب کو، چاہے وہ خواص ہوں یا عوام، دین پر چلنے، دین کو سر بلند کرنے اور دین کے لئے مرنے اور جینے کی تلقین و عطا فرمائے (زائین)

جائزہ سید قطب اور ان کے ساتھیوں کے چھانسی پانے اور شہید ہونے پر ہم نے پاکستان اور ہندوستان کے دینی مصلحتوں کی روش کا بھی تجویز کر کے دیا کہ دنیا کے غلام کے خلاف احتجاج و مظلوموں کے ساتھ ہمدردی اور اتحاد و حق کا فریضہ انجام دیا، کوئی خاموش رہا، اور کن مصلحتوں میں مسرت کے انداز میں سرگوشیاں ہوتی رہیں! مسرت اس بات کی کہ ان۔ انھوں نے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا ہے۔ جن کی سب سے نیچا ہمدردانہ و دھندلکا زعماء جماعت اسلامی ہے اور ان کی دینی فکر و دعوت کو حق سمجھتی ہے کسی کسی نے دینی زبان سے دینی اخلاق کے اس عام مسئلہ کو۔ مہر کے داخلی معاملات سے تعبیر کیا، سرگودھا کے دھندلکا زعماء وفاق نے اس انتہائی دھندلکا زعماء کی خبر و اطلاع پر جو۔ بیٹلن۔ قائم کی، اسے چھ کر دلی پر ہوا ہو کر رہ گیا، اس دھندلکا زعماء کی وہ اشتاعت سامنے نہیں ہے مگر جہاں سترگی کا یہ مفہم تھا۔

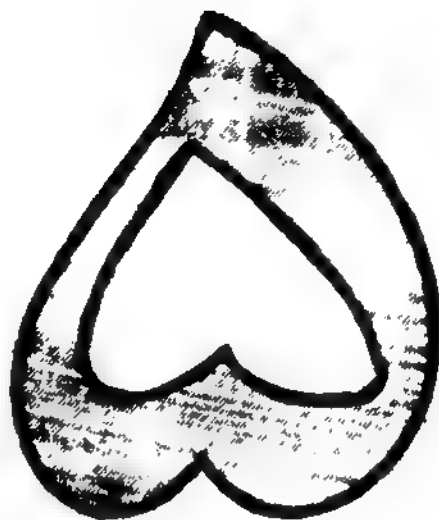
”مصر کی خلافت قانون جماعت کے لیے شہروں کو منترائے موت“

نکدہ بالا عنوان نے اس اعلیٰ اسلامیہ کی اجمیت کو بڑی طرح مجسود کر دیا۔ مقصود یہ کر پڑھنے والے یہ تاثر قبول کریں کہ یہ تنظیم _____، نوان المسلمون _____ اپنی غیر فنی حرکتوں کے سبب مصر میں پہلے ہی سے ’خلافت قانون‘ قرار دی جا چکی تھی، ایسی سرکش جماعت کے لیڈروں کو یوں ہی منترائے موت نہیں دے دی گئی، بلکہ !

مولانا عبدالماجد دہلویؒ، عظیم صمدیؒ، جنہوں نے کئی سال پہلے اپنے اخبار میں ’’انسان‘‘ کی مظلومیت پر طنز فرمائی تھی، جس کے بارے میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے مظلوم نے لکھا تھا کہ کاش (مولانا دہلویؒ) کے لکھے ہوئے ان لفظوں کو میں اپنے خون دل سے مٹا سکتا، انہی نے سید قطب کی شہادت پر ’’وفات‘‘ کا عنوان قائم کیا ہے! شاید مولانا موصوف کا یہ عقیدہ ہو کہ شہادت کا فرد کے اہل بیت سے جانے ہی سے اہیب ہوتی ہے، مسلمان حکومتیں اور ان کے فرمانروا، کسی مسلمان کو ظالمانہ طور پر قتل کر دیں، تو وہ قتل ’’وفات‘‘ ہوتی ہے، شہادت نہیں ہوتی، اس صورت میں حضرت امام حسین اور حضرت عبداللہؒ بے گناہ شہادتیں ’’شہادتیں‘‘ ہو جاتی ہیں اور ان کے قتل کرنے والے اگرچہ مسلمان تھے مگر ظالم تھے! اپنے اس شہرہ میں مولانا دہلویؒ نے سید قطبؒ کی ’’دعوت و ستائش‘‘ کی ہے، ’’مغرب‘‘ نامہ کے بارے میں ایک حرف نہیں لکھا، مظلوم کی تعریف و ستائش اور ظالم کے خلاف احتجاج اعلیٰ انسانی سے گزرا اور حکومت یہ ’’تعزیت‘‘ کی آخر کوئی قسم ہے؟ مولانا موصوف کے اس شہرہ کو پڑھ کر قاری یہ تاثر قبول کرے گا کہ سید قطبؒ طبعی مرتد تھے، کسی ناگہانی بلا نے آسمانی کاشفہ کر دیا ہے، اس صورت میں ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ پر تو خوف گیری نہیں کی جا سکتی کیونکہ ’’وفات‘‘ اور ’’موت‘‘ تو ہر جان کے ساتھ ملتی ہوتی ہے، ایک نہ ایک دن ہر جاندار کو مرنا ہے!

اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر شخص کا ریکارڈ محفوظ ہے، اور اللہ تعالیٰ سب کی نیوٹوں کا حال بھی جانتا ہے، قیامت کے دن یہ ریکارڈ ہر شخص کے سامنے کھلی کتاب کی طرح آئے گا، اللہ تعالیٰ اُس دن کی دہائی سے ہمیں محفوظ رکھے ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت اور حضور شہینہ المہدیین کی شفاعت کے آئندہ منتد ہیں (آمین)

بابر نقاری ۲۶ ستمبر ۱۹۶۶ء



آزمودہ دواؤں کا مرکب

انساجین



سر درد - مگر کا درد - دانت کا درد
ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد گھٹانے
یعنی تعدا اثر اور بے ضرر علاج ہے

مہاراجہ قادری

جھوٹی نبوت کا جھوٹا علمِ کلام

غفلتِ قادیانیت کی تعیند و تکذیبِ اہلِ اُس کے بطلان کی ضرورت ہے اس لئے محسوس کی کہ لاہور احمدیہ سے اس مسلک کی غفلت و کفر کی تبلیغ کے لئے ہمارے پاس لٹریچر سپلائی کیا گیا، دوسرے ناطقے سے بھی ہمیں اطلاع ملی کہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے قادیانی بڑی سرگرمی کے ساتھ اپنے سونی صدی غلط عقیدہ اور سہل کفر و باطل مسلک کی تبلیغ کر رہے ہیں! اس صورت میں ہمارا کیا فریضہ تھا؟ یہ کہ ہم سچے اور بلیتے اور خاموش بیٹھے رہتے، اگر ہم رد و جواب کی اس وجہ میں مبتلا ہوتے، قریباً تمام کے دو ہم سے شدید بازپرس ہوتی کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے ختمِ نبوت اور اسلام کے دفاع اور جھوٹی نبوت کی تحدید کی قوت و استقامت دی تھی تو تم نے اس سے کام لیں نہیں لیا، اللہ مدد دے گا جو ہم شیطان نے پیدا کیا تھا، اُس میں تم کیسے مبتلا ہو گئے؟

آج تک اس جواب دہی سے بچنے کے لئے، حق کی حمایت اور باطل کی تردید میں، ہم نے "خارائن" کے مبینہ شہادت میں "قادیانیت" کو مسک کا پوسٹ وارنٹ کر کے دکھا دیا کہ یہ مسک کفر و ضلال کا مسک ہے، اس مذہب کی بنیاد کذب و افتراء اور دجل و فریب پر ہے، اسلام کے خوف میں سے بڑی ساری بات ہے، اس مسک کو قبول کرنے کے بعد آدمی ایمان و اسلام سے غاری اور محروم ہو جاتا ہے! قادیانیت انگریزوں کا لگایا ہوا پورا ہے، اس کے پیشوا — مرزا غلام احمد — کی زندگی کا بہت بڑا حصہ انگریز کی وفاداری، دنیا مندی اور کاسہ سیسی میں بسر ہوا ہے، جس شخص نے انگریزی حکومت کی وفاداری اور دنیا مندی کی لوگوں کو تلقین کی ہو اور اللہ جس نے انگریزوں کی خوشنودی کے لئے فریضہ جہاد کی تبلیغ کا اسلام کیا ہوا، اس کی ذات سے ولایت، مجددیت، مجددیت، مسیحیت اور کسی قسم کی بھی نبوت منسوب کی جاسکتی ہے؟ کیا کسی ولی اللہ کی دلچسپی فرات ایسی ہو سکتا ہے کہ انگریزوں کی کافر حکومت کو قرآنِ کریم کے "اولی الامر" کا مصداق ٹھہرا دیا جائے؟ اللہ اور رسول کی اطاعت کے بعد جس "اولی الامر" کی اطاعت کا قرآنِ کریم میں حکم دیا گیا ہے، کیا وہ "اولی الامر" کافر بھی ہو سکتا ہے؟ صرف یہی ایک چیز بتانے کے لئے کافی ہے کہ مرزا غلام احمد کس غلط فکرو مزاح احمدیہ سیت سیرت و کفر کا انسان تھا!

"تقریریں مبارکہ و ادب حکومت کر" (Divine and Rule) یہ انگریزی حکومت کی پالیسی تھی، مرزا غلام احمد کی جھوٹی نبوت کے دعوے نے امتِ مسلمہ میں کھلی ہوئی تفسیر پیلا کر دی اور یہ "تفریق" انگریز کو مطلوب اور مجرب تھی، یہی تھے انگریز کے خلقِ ماطفت میں یہ خاندان ساز "خلقِ نبوت" پر جان چڑسی! — "امت کے اندر ایک امت" یا "امت کے عقائد میں دو برتری" — "امتِ نبوت کے ذمہ قابلِ جمید نبوت" — اس افتراق کی خدمت کے لئے جتنے سخت سے سخت الفاظ لایے استعمال کئے جائیں وہ حقیقت کی واقعی ترجمانی کے لئے کم ہی ٹھہریں گے! امتِ مسلمہ کا یہ "انتزاع" انگریزوں کی پالیسی کے عین مطابق تھا، انھوں نے تو مرزا غلام احمد سے کہا تھا —

"ہم اپنے کام کو نہ منگیں، اچھی طرح چلا سکتا ہوں، نہ مدینہ میں نہ روم" — "ہم نہ شام میں، نہ ایران میں نہ کابل میں، مگر سرحدت میں جس کے اقبال کے لئے اللہ سے دعا کرتا ہوں....."

خدا کے لئے انصاف سے بتاؤ کہ امتِ مسلمہ مرزا غلام احمد کو کس دلیل کی بنا پر غلطی اور ہمدردی کا نشانہ بن گیا، جب کہ کتاب و سنت، آثار و صحاح

اور ائمہ حدیث و فقہ کے اقوال میں نبوت کی کوئی ایسی قسم بھی سرے سے نہیں ملتی؛ نبوت کے اقرار و انکار کا مسئلہ کفر و ایمان کا مسئلہ ہے، کتاب سنت سے حکم اور خارج طوطہ پر یہ عقیدہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر نبوت کو ختم کر دیا گیا، اس منصوص عقیدہ کے جوہر ہوتے آیت کسی ہندی، ظلی، غلطی اور صاحب امر و نبی نبی کی نبوت کو کس طرح تسلیم کر لیتی؛ امت محمدیہ نے مرزا غلام احمد کو نبی نہ مانا، اگر آفسر تصور کیا ہے؟ اندیہ بات کس طرح محقق ہیں آسکتی ہے کہ وہ امت جس کے پاس اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کی سیرت ہے، اس کی پوری تصدیق ہو، و مرزا غلام احمد کی نبوت اور رسول و وحیت کے مسئلہ میں گواہ ہو گئی ہے؛ اللہ اللہ رسول اور قرآن پر ایمان لانے کے باوجود وہ مومن نہیں ہے، امت مسلمہ ایمان و اسلام اس وقت معتبر ہوگا، جب وہ مرزا نے قادیان کی نبوت احمدیہ کے عقیدے پر ایمان لے آئے گی۔۔۔۔۔۔ یکسویں قادیانی اور جہالت ہے جو نبی کی باتیں ہیں، امت مسلمہ سے اس بات کی کیوں ترقی کی جاتی ہے کہ وہ قادیانوں کے ہاتھ اپنے دین و ایمان کو بیچ دے گی۔

جس زمانہ میں مرزا نے قادیان نے دعویٰ کا مسئلہ شروع کیا ہے، امت مسلمہ میں ہزاروں افراد ایسے موجود تھے، جن کے حکم و تقویٰ کے مقابلے میں مرزا کی زندگی کو قابل التفات نہیں سمجھا، خود پنجاب میں قریب شریف اور گوٹہ شریف کے شاخ طریقت تھے، اندر۔۔۔۔۔۔ پانچ کے حضرت مرزا غلام احمد کے گھر مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے سامنے مرزا غلام احمد کی حالت آفتاب اندھ کے برابر بھی نسبت نہیں رکھتی؛ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مرزا قاسم نانوتوی علم و فضل کے سمندر تھے، آخر یہ تحقیق اللہ عز واد ہی کو ملی، وہاں میں علامہ شبلی نعمانی کے مقابلے میں مرزا غلام احمد محض مکتب لکھتا ہے، ان بلند پایا اندھ مختار شخصیتوں کے جوہر تھے مرزا نے قادیان کی طرف کسی مسلمان کی نگاہ کس طرح جاسکتی تھی، مرزا قادیان کے مقابلے میں سینکڑوں گنا زیادہ کوشش ڈیڑھ سید احمد خاں کی شخصیت میں ملتی۔

ایک وہ شخص جو انگریز حکومت کی نیاز مندی اور وفاداری کا دم بھرتا جو اور اپنی وفاداری کا یقین دلانے کے لئے جس نے انگریز حاکموں کے حضور خود خواستہ سبک دیا، اس کی ذات اور شخصیت سے مسلمانوں کو لگاؤ کس طرح ہو سکتا تھا۔۔۔۔۔۔ انگریزوں سے وفاداری، بیانیہ مذہبی اصطلاحات فرمانبرداری کا اظہار کرتے ہی مرزا نے قادیان نے اپنی شخصیت کو مشتبہ بنا دیا، مرزا کی یہی مشتبہ شخصیت، قادیانی اور رسول اور واپس کا دعویٰ کرتی ہے، مراقبہ دینی، اسل وضعیف، باہر کی جسمانی کمزوریوں کے ساتھ، یہ عجیب و غریب تبسم کہ "قادیانی الرسول امتی" "امت کے رب بنے آئے" ہے، جو ذات خاتم النبیین ہیں اس طرح گم ہونے کا دعویٰ کرتا ہے کہ ذات رسالت آج اور اس "قادیانی الرسول امتی" کے باہین نہایت، قادیان کے ہاں مغیرت ہے، قادیانی نہیں رہتی ہے۔۔۔۔۔۔ یہاں تک کہ۔۔۔

"محمّد کی نبوت آخر محمد ہی کو ملی، گوہر دوزی طور پر۔۔۔۔۔۔"

مرزا کا نام کو اس کے ہی ہاں نے غلام احمد رکھا تھا، پھر یہ "محمد" کی نسبت کیسے؟ اس کی تاویل اس نے یوں کی۔

"وہی اپنی میں میرا نام محمد رکھا گیا، اللہ رسول بھی۔۔۔۔۔۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر نبوت اللہ کی کا مسئلہ ختم ہو گیا، اس عقیدہ اور واقعیت و حقیقت کی موجودگی میں امت مسلمہ مرزا غلام احمد کے اس دعوے کو کس طرح درست مان لیتی کہ اس پر "وہی" بھی آتی تھی؟

امت کے سامنے انبیاء کی مبارک زندگیاں اور خاص طور سے حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقدس سیرت ہے، وہاں نبوت سے پہلے کسی قسم کا کوئی دعویٰ نہیں ہے، اس لئے کہ نبوت میں ختم یہ نہیں ہوتی، اگر اس کے برخلاف مرزا کے دعویٰ کا مسئلہ دلائل سے جو چلتا ہے، تو محمدیت، مہدویت، موعود مسیحیت، برہنہ و ظنی نبوت اور امر و نبی کی حامل نبوت پر جس میں وہ بھی شامل ہے، یا کہ ختم ہوتا ہے، بلکہ مجھوٹے دعویٰ کی یہ سہ اہمیت کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ جھوٹ کا یہ خاصہ ہے کہ اس پر اصرار کرتے کرتے جھوٹا آدمی ذات و ذات کے پائال ٹک پر پہنچ کر کہتا ہے ۱۔

امت مسلمہ کے سامنے اس نبی کا ذہب کی پیش گزرتیاں بھی تھیں۔

— "مردی شہادت میری زندگی میں فوت نہ ہو، قریم و جلیل اللہ کا ذیوب ہوں۔"

(راشہد عزنا ہمارا پیر ۱۹۰۷ء)

— "اکثر جہاد الیکم میری آنکھوں کے روبرو اصحاب نبیل کی طوع نیت و نابود ہو جائے گا۔"

(تبرہ محمد ہمارا نوبر ۱۹۰۷ء)

— "رو بن خاقن ہمارا کہ تیرے نکاح میں آئیں گی، بن کو تو نصرت جہاں کے بعد پائے گا، اعلان سے تیری

نسب بکشت ہوگی۔"

(راشہد عزنا سورہ ۷۰ فرمودی ۱۹۰۷ء)

مگر

ان پیشین گوئیوں کے وقوعہ میں آنے سے قبل ۲۶ مئی ۱۹۰۷ء کو مرزا غلام احمد مرگے!۔ جسے نبی کی جہولی پیش گوئیوں کا یہی حشر ہونا تھا، لیکن وہ لوگ جن کے دلوں میں شیطان نے اس جہولی نبوت کی عقیدت کا بیج بڑھا دیا ہے، وہ کذب و افتراء کی ان کھلی ہوئی نشانوں کو دیکھتے ہیں مگر ان کی عقیدت میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے، آخر دوزخ کے لئے انسان کا ایندھن بھی تو پہلے ہی آئندہ سیر کے سامنے "قصائد احمدیہ" بھی تھے، جن میں — اہل سنت و الجماعت کے علماء کو اس قسم کی گایاں دی ہیں۔

— نبیؐ، شیطان، مفسد، کذاب، زاری، غری، اہل، اسحق، شیخ، ذیوب، طاعین، اشرار اللہ، منت،

رجال مفسری، ادباض، بے ایمان، بے حیا، کلب،

یہ ہے کتابی تصدیق نگاری کا اسلوب اس کی زبان اور ادب! جس کا ایمان بگڑتا ہے اس کی زبان بھی بگڑ جاتی ہے اسی لئے "تلمیحی ہدایات" کے انہار لگتا چلا جاتا ہے اور جتنی بھی اس قسم کے "ہدایات" کو دیکھتے ہیں! (استغفر اللہ)

اساؤں کو جلیبت اسی بے ایمان بھی کہا جاسکتا ہے، ان القاب کے لئے کوئی سبب ہونا چاہیے، مگر علماء ملت اسلامیہ آفرس جرم میں ان القاب کے مترادف ٹھہرائے گئے! انہوں نے کسی مخصوص عقیدہ کو بدل دیا تھا، دین کے کسی رکن کو منسوخ کر دیا تھا، کتاب و سنت سے ثابت شدہ کسی مسئلہ کو نہیں مانا تھا، ان بے چاروں کا اس کے سوا اور کیا قصور تھا کہ نبیؐ کا ذیوب کے دعوئی نبوت کی انہوں نے فوری جہالت کے ساتھ تکذیب و تردید کی! اسی طرح امت کو کفر و ضلالت سے بچالیا! علماء کا یہ کارنامہ قرآن کے احکامات سے زیادہ دشمن و تائبانگ رہی ہے، اس پر یہ جتن بھی ناز کریں کم ہے!

مرزا نے قرآن کی تفسیر کا اقتباس ادھر دیا جہاں چاہا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ مرزا اس بات کو اچھی طرح جانتا تھا کہ مسلمانوں کے کہیں "نبوت" کے دعوے کو انگریز اور گورنر نہیں کیا جاسکتا، اس کے سامنے خلافت راشدہ کے "در بیان نبوت" کا حشر تھا! اسی لئے آئی نے انگریزی حکومت کو اپنے کام کے لئے منتخب کیا! ایسا "وٹو" اور اس قسم کا شش میں سے امت اسلامیہ میں جھوٹ پیدا ہوتی ہو، انگریزی مرض کے عین مطابق تھا، انگریز کو دیکھا جائے تو ایک ڈھاگو، نیانہند، وفادار، نبی! اس کو اتار آگیا، اسی ایک ایسی امت مل گئی، جو انگریز کی کافرانہ حکومت کو "اولی الامر" چاہتے تھے اور جس امت کے نبی کی فکر کا زیادہ حصہ انگریز کی خیر خواہی اور دعا گوئی میں بسر ہوا تھا۔

"جہاد کا مفہوم بیٹیک کو سیتا ہے، اور اس میں جہاد نفس سے ہے کہ جہاد بالسیف، تنگ شان ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس دلوں کے عزائمات، حکم ساریا اس جنگ سے تعلق رکھتے ہیں، جو جنگیں میدانوں میں تلوار سے لڑی گئیں ہیں۔ جہاد بالسیف منسوخ نہیں ہو گیا، یہ حکم اور منسوخ علیہ باقی ہے، مسلمانوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ کافروں سے وقتاً فوقتاً "جہاد بالسیف" ہوتا رہا ہے، صلیبی حملات میں مسلمانوں کا کارہا "جہادین" کا کردار ہے اور صلاح الدین ایوبی کے کارنامے مقدس جہاد کے عملی نمونے ہیں، مسعودی کا کوٹ بھی، جہاد کا "کی عملی تفسیر ہے اسی جہاد میں مسلمان

اے اللہ حدیث و فقہ کے اقبال میں نبوت کی کوئی ایسی قسم بھی ضرور ہے نہیں ملتی؛ نبوت کے اقرار و انکار کا مسئلہ کہ فرمایا ان کا مسئلہ ہے کتاب سنت سے حکم اور واضح طور پر یہ عقیدہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گزائی پر نبوت کو ختم کر دیا گیا، اس مخصوص عقیدہ کے پرانے ہوتے آیت کسی برعکس، غلط، طفیلی اور صاحب امر و نبی کی نبوت کو کس طرح سچا تسلیم کر لیتی؟ امت محمدیہ نے مرزا غلام احمد کو پکارا اور اسے قصہ کیا ہے؟ اور یہ بات کس طرح ممکن ہے کہ وہ آیت جس کے پاس اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کی سیرت پر ہی کی پوری حوصلہ ہو، و مرزا غلام احمد کی نبوت اور مولو و سمیت کے مسئلہ میں لگے ہو گئے ہیں؟ اے اللہ رسول اور قرآن پر ایمان لانے کے باوجود وہ مرزا نہیں ہے، اس مسئلہ پر ایمان ایسا سلام اس وقت معتبر ہوگا، جب وہ مرزا کے قادیان کی نبوت اور محمد سمیت پر ایمان لے لے گا۔۔۔۔۔ یہ کیسی آفاقی اور جہالت ہے جو کہ یہ باتیں ہیں، آیت مسلمہ سے اس بات کی کیوں ترقی کی جاتی ہے کہ وہ قادیانیوں کے ساتھ اپنے دین و ایمان کو بیچ دے گی۔

جس زمانہ میں مرزا نے قادیان کے دعویٰ کا مسئلہ شروع کیا ہے، امت مسلمہ میں ہزاروں افراد ایسے موجود تھے، جن کے علم و تقویٰ کے درجے میں مرزا کی زندگی کو قابل التفات نہیں سمجھا گیا، خود چناپ بھی تو نہ شریف اور مولو و شریف کے شاخ و برگ تھے، اصرار کیا کہ حضرت مروا، ضلّٰی گشتی اور حضرت مروا قادیانیوں کی ترقی و علم و فضل کے مسئلہ تھے، آخر یہ حقیقت اور شعروادب کی خوبی و کمال میں علامہ شبلی نعمانی کے مقابلہ میں مرزا غلام احمد کی مکتب نظر تباہی ان بلند و بالا اور ممتاز و شخصیتوں کے جوتے ہوئے مرزا نے قادیان کی طرف کسی مسلمان کی نگاہ کو کس طرح ہاسکتی تھی اور مرزا قادیانیوں کے مقابلہ میں سینکڑوں گز زیادہ کوشش تو سرسید احمد خان کی شخصیت میں تھی۔

ایک وہ شخص جو انگریزوں کی حکومت کی بنیاد مندی اور وفاداری کا دم بھرتا ہوا اور اپنی وفاداری کا یقین دلانے کے لئے جس نے انگریز حاکموں کے حضور ہر امتحان میں بھی بری ہوئی، اس کی ذات اور شخصیت سے مسلمانوں کو لگاؤ و کس طرح ہو سکتا تھا۔۔۔۔۔ انگریزوں سے وفاداری، یہ زندگی کا اصول اور فرائض و عبادت کا اظہار کرتے ہی مرزا نے قادیان نے اپنی شخصیت کو مشتبہ بنادیا، مرزا کی یہی مشتبہ شخصیت، فاضل الرسول اور ولایت کا دعویٰ کہ ہے، مرقا، حق، حق اور ضعف، باہ کی جسمانی کمزوریوں کے ساتھ یہ عجیب و غریب قییم کا۔۔۔۔۔ فاضل الرسول امسی، آیت کے سامنے آتا ہے، جو ذات خاتم النبیین میں اس طرح گہمے کہ دوسری کتاب ہے کہ ذات رسالت، آب اور اس۔۔۔۔۔ فاضل الرسول امسی، کے بامین نہایت، قادیان کے باعث غیرت والی نہیں رہتی ہے۔۔۔۔۔ یہاں تک کہ۔۔۔۔۔

”محمدؐ کی نبوت آخر محمد ہی کو ملی، گو برہمنی طور پر۔۔۔۔۔“

مرزا کا نام تو اس کے دل باپ نے غلام احمد رکھا تھا، پھر یہ ”محمدؐ“ کی نسبت کیسے؟ اس کی تاویل اس نے خود کی۔۔۔۔۔

”وہی الہی میں میرا نام محمدؐ رکھا گیا، اللہ رسول بھی۔۔۔۔۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گزائی پر نبوت اور حق کا مسئلہ ختم ہو گیا، اس عقیدہ اور واقعیت و حقیقت کی موجودگی میں اس مسئلہ مرزا غلام احمد کے اس دعوے کو کس طرح درست مان لیتی کہ اس پر ”وہی“ بھی آتی تھی؟

آیت کے سامنے انبیاء کی مبارک زندگیوں اور خاص طور سے حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقدس سیرت ہے، وہاں نبوت پہلے کی قسم کو کوئی دعوئی نہیں ہے، اس لئے کہ نبوت میں تبدیلی نہیں ہوتی، مگر اس کے برخلاف مرزا کے دعویٰ کا مسئلہ ولایت ہے، جو چلتا ہے، تو پھر یہ بدعت، مولو و سمیت، برعکس و غلطی نبوت اور امر و نبی کی حامل نبوت پر جس میں وہی بھی شامل ہے، یا کو ختم ہوتا ہے، بلکہ جھوٹے دعویٰ کی۔۔۔۔۔ الہیت کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ جھوٹ کا یہ خاصہ ہے کہ اس پر اصرار کرنے کے لئے بھڑکانا دعویٰ و فائت و وفائت کے پانچ لگے ہوئے کہہ رہا ہے، آیت مسلمہ کے سامنے اس نبی کا وہی کی پیش گوئیاں بھی تھیں۔۔۔۔۔

— "مروی شمس الدین میری زندگی میں فوت نہ ہوا، قریم، دجال اور کاذب ہوں۔"

داشہد مرزا ہار اپریل ۱۲۹۰ھ

— "ڈاکٹر عبدالکیم میری آنکھوں کے دوبرہ اصحاب نبیل کی طرح نیت و نالہ ہو جائے گا۔"

(تبصرہ محمد ہار نومبر ۱۲۹۰ھ)

— "دو تین خاقان ہمارے تیرے نکاح میں آئیں گی، جن کو تو نصرت جہاں کے بعد پائے گا، اعلان سے تیری

نس بکثرت ہوگی۔"

داشہد مرزا محمد ۲۰ فروری ۱۲۹۰ھ

مگر

ان پیشین گوئیوں کے وقوع میں آنے سے قبل ۲۹ مئی ۱۲۹۰ھ کو مرزا غلام احمد مرگے: — جسے نبی کی جھوٹی پیش گوئیوں کا یہی منہ پر ناتھ لیکن وہ لوگ جن کے دلوں میں شیطان نے اس جھوٹی نبوت کی عقیدت کا بیج بو دیا ہے، وہ کذب و افتراء کی ان کھلی ہوئی نشانوں کو دیکھتے ہیں مگر ان کی عقیدت میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے، آخر دوزخ کے لئے انسانوں کا ایندھن بھی تو چاہیے! اُمّتِ مسلمہ کے سامنے "قضاۃ احمدیہ" بھی تھے، جن میں — اہل سنت و الجماعت کے علماء کو، جس قسم کی گالیاں دی ہیں "خبیث، شیطانی، منقلب، کذاب، باری، غوی، اجہل، اسحق، شقی، ذیب، طالین، اشرار، اثم، فتن، دجال، مغربی، ادبائی، بے ایمان، بے حیا، گلب،"

یہ ہے قادیانی تحریک کی نگری کا اسلوب اس کی زبان اور ادب! جس کا ایمان گڑبگ ہے اس کی زبان بھی گڑبگاتی ہے، اسٹس "قلم بھی بنیاد کے ہمارے گنا چلا جاتا ہے اور جبرخی کے اتنی اس قسم کے "ہدیات" کو "دی" سمجھیں! (استغفر اللہ)

ان لوگوں کو خبیث اسبے ایمان بھی کہا جاسکتا ہے، ان القاب کے لئے کوئی سبب ہونا چاہیے، مگر علماء ملت اسلامیہ آؤ کس جرم میں! مقاب کے سزاوار شیعرائے گئے! انہوں نے کسی مخصوص عقیدہ کو بدل دیا تھا، دین کے کسی رکن کو منسوخ کر دیا تھا، کتاب و سنت سے ثابت شدہ کسم "مسئلہ" کو نہیں مانا تھا، ان بے پاروں کا اس کے سرا اور کیا قصور تھا کہ نبی کاذب کے دعویٰ نبوت کی انہوں نے پوری جرات کے ساتھ تلکذیب: تردید کی! اور اس طرح امت کو کفر و ضلالت سے پھالیا! علماء کا یہ کارنامہ قرآن کے احکامات کے سب سے زیادہ مدشن و تابناک و صق ہے! اس پر جتن بھی ناکرین کم ہے!

مرزا نے قادیانی تحریک کا اقتباس اور دیا جا چکا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ مرزا اس بات کو اچھی طرح جانتا تھا کہ مسلمانوں کے کسی جگہ "نبوت کے دعوے کو انگریز اور گوارا نہیں کیا جاسکتا، اس کے سامنے خلافتِ راشدہ کے "دیوانِ نبوت" کا حشر تھا، اسی نے اسے، انگریز حکومت اپنے کام کے لئے منتخب کیا، ایسا۔ اور اس قسم کا مشن جس سے اُمّتِ اسلامیہ میں بیوقوف پیدا ہوتی ہو، انگریز کی مرضی کے عین مطابق تھا، انگریز اور کیا چاہتے تھے ایک ڈھاگو، نیادند، وفادار نہی! اس کو رائے آگیا، اور ایک ایسی امت مل گئی، جو انگریز کی کافرانہ حکومت کو "اور اللہ عز و جل" چاہتی تھی، جس امت کے نبی کی فکر کا زیادہ حصہ انگریز کی غیر خواہی اور دھاگری میں بسر ہوا تھا۔

— "جہاد کا مفہوم جنگ ہے، اور اس میں جہاد نفس سے ہے کہ جہاد بالسیف، ملکِ شان ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس و عزائمات اور مسابا اس جنگ سے تعلق رکھتے ہیں، جو جنگیں یہ ان لوگوں میں تلوار سے (لڑی گئی ہیں)۔ جہاد بالسیف منسوخ نہیں ہو گیا، یہ حکم اور سند علی حادہ باقی ہے، مسلمانوں کی تادیب جاتی ہے کہ کافروں سے وقتاً فوقتاً "جہاد بالسیف" ہوتا رہا ہے، صلیبی حملات میں مسلمانوں کا راز "جہادین" کر رہا ہے اور صلاح الدین الدین کے کارنامے مقدس جہاد کے عملی نمونے ہیں، مسعود کا قتل بھی "جہاد" کی عملی تفسیر ہے اور اس جو کس میں

آئے ہیں وہ فہمید ہیں :

بتا کر دے خوش رہے ہر خاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند ایم عاشقانِ پاک طینت ما

حبیبی دنیا۔ صلاح الدین ایوبی کی زیر قیادت مسلمانوں کے جوش بہادری کا تجربہ ہر کچل تھی، مجاہدین نے نصرانی سوراڑوں کو ہر جگہ پر رگید ڈالا تھا، جہاد کی اس اسپرٹ سے بیانی دنیا فوت کھاتی تھی، مرزا غلام احمد قادیانی نے انگریزوں کے اس تعفن اور اندیشہ کو دودھ کرنے کے لئے فریضہ جہاد کی تیئج کا اعلان کر دیا۔

”یہ وہ فرقہ ہے جو احمدیہ کے نام سے مشہور ہے اور پنجاب اور ہندوستان اور دیگر متفرق مقامات پر پھیل ہوا ہے، یہی وہ فرقہ ہے جو دن رات کوشش کر رہا ہے کہ مسلمانوں کے خیالات سے جہاد کی یہودہ رسم کو اٹھا دے۔“

جہاد کے مقصد و مخصوص فریضہ کو جو شخص ”یہودہ رسم“ کہتا ہو، کیا وہ ولی، مجدد اور مسیح موعود ہو سکتا ہے؟ غلام احمد قادیانی نے انوکھ منصب کی بنا پر فریضہ جہاد کی تیئج کا اعلان کیا، جو احکام و فرائض لغوی قطع سے ثابت ہیں ان کو لغوی قطع ہی منسوخ کر سکتی ہے،

اگر

اُمّ کے خبیث و زلم کے مطابق اُس پالیسی دی آتی تھی، جس میں ”امرو نجی“ بھی ہوتا تھا، اُس صمدت میں وہ بروز دی اندلی ہی نہیں مستحق بالذات نبی قرار پاتا ہے، اسی اس قول و عمل اسی اعلان کے بعد اُس کا زبان سے یہ کہے جانا کہ ”یول اللہ علی اللہ علیہ وسلم کریں“ خاتم النبیین“ ماننا ہوں، نہ بلکہ ختم نہیں رکھتا، یہ کھلم کھادھو کا اور واضح وجہ و فریب ہے !

مرزا غلام احمد قادیانی کے ”تم“ دعوے ”ایک جگہ بھی کر دے جائیں تو رہ اُس کو کاذب و ضلالہ مغتری ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں، اُنہا کھلم کھلا ہوا تضاد و پارسی لوگوں کے قول و عمل میں بھی نہیں پایا جاتا، ایک لپٹا لپٹا اندازہ کر لیں کہ جو جی میں آتا ہے، بکے چلا جاتا ہے، اُسے کچھ یاد نہیں رہتا کہ اس سے پہلے کیا کہا تھا ؟

مرزا نے دو لوگ غفلت میں اعلان کیا ۔۔۔

”آج سے انسانی جہاد، جو تلواریں سے کیا جاتا تھا خدا کے حکم کے ساتھ بند کیا گیا۔“

سناں یہ ہے کہ خدا کا حکم یہ ہے کہ جہاد باسیف کو بند کیا جائے، مرزا نے قادیان کو اس کا کس طرح علم ہو گیا، کیا اُس پر وہی آتی تھی؟ اور وہ بھی ایسی ہی نہیں جس طرح فہمید تھی کہ اللہ تعالیٰ ایک بات سمجھاتا ہے یا تم کوئی کئی تھی، یہ وہی قنوت کی وہی ہے، خدا کا حکم کہ کہ منصوص فریضہ اور حکم کو منسوخ کرنے کا اعلان، یہ مستحق بالذات نبی کا منصب ہے، اس صمدت میں مرزا غلام احمد کے قول کے مطابق کہ ۔۔۔

”۔۔۔ ہم بھی نبوت کے وہی پر اُخت بیچتے ہیں۔۔۔۔۔“

خود مرزا کی کیا پرزیشن ہر جاتی ہے، نبوت کے آثار اور کیا خصائص و وظائف ہیں، یہاں کہ ایک شخص اس کا اعلان کرتا ہے کہ مجھ پر یہی آتی ہے، پھر وہ کہتا ہے میں دوسرے نبیوں اور رسولوں کی طرح نبی اور رسول ہوں، پھر وہ یہ حکم خداوندی منصوص حکم (فریضہ جہاد) کی تیئج کا اعلان کرتا ہے۔ اُس کے نام کے ساتھ ”علیہ السلام“ لکھا جاتا ہے، اس کے ساتھ صحابہ کہلاتے ہیں انسان کا نام ”رضی اللہ عنہم“ کے ساتھ لیا جاتا ہے، وہ مکی نبوت، اپنے ماننے والوں کی ”میری نبوت“ کہتا ہے، کیا اس مستحق بالذات اور نبی نبوت کے دعوے اسی اعلان کے بعد بھی ختم نبوت“ نہیں لوثی اچھڑتی ہوئی دھوپ سے زیادہ روشِ حقائق و شہاد کے جوتہ ہے، مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے اس غلط بات کی رٹ لگانا کہ مرزا ”ختم نبوت“ کا قائل تھا، کتنا خوفناک کذب

ادھما جھوٹ ہے۔

کذب و افتراء کے سیاہ نامے

قادیانیوں کی دوکتا میں، ایک پمفلٹ، ادھما ہمارا، الفرقان، کا جواہر نمبر۔ یہ ٹریکچر ہے جسے اس مجاہد یا گیا ہے قادیانیوں کے ہر قول، ہر پمفلٹ، ادھما کتاب کی ہم تردید کریں تو اس کے لئے ہر سونے کی فرصت چاہئے، ہزاروں صفحات ہیں اس کی تردید کے لئے شاید کافی نہ ہوں گے، مگر تاکہ اس گمراہ جماعت کا خوف صرف تردید و تکذیب کا متعلق ہے:

ان کی کتابوں پر ہم تنقید کریں بھی تو کیا کریں جب کہ ہمارا ایمان ہے کہ قادیان میں جھوٹی نبوت کا دعویٰ پیدا ہوا تھا، ادھما کتاب میں دیکھئے جو جھوٹے نبی کی جھوٹی عظمت کا مہر ہے جھوٹا نبوت، ادھما غرضہ اور خود ساختہ، سرخوشی سمیت، کی تائید میں جو مضمون ادھما کتاب بھی لکھی جائے گی وہ کذب، افتراء کا دفتر ہے معنی ہوگی، اہل بے دلائل، تو جو لوگ خدا کا انکار کرتے ہیں وہ بھی اپنے مسلک دہریت کی تائید میں دوچار دیس، ایسی لے آئے ہیں جو بظاہر سنا ہیں خود توجہ معلوم ہوتی ہیں، مگر کیا ان کی بنا پر انکار خدا اور نفی وجود باری تعالیٰ کے مسلک کو کوئی صاحب ایمان ادھما عقل مندہ برابر اہمیت دے سکتا ہے۔ کچھ ہونے کفر و شرک کی جانب بھی دوگ ظاہری طور پر کچھ نہ کچھ مقبولیت دیکھ کر یہ رجوع ہوتے ہیں، شیطان نے بھی آدم کو کچھ کرنے سے انکار، دیس ہی کی بنا پر کیا تھا اور فضیلت کے دعوات کو اپنی دلیل کی بنیاد بنایا تھا، کوئی شخص شیطان کے اس باطل مسلک کی تائید کرنے کا بیڑا اٹھ سے تو وہ رعبیت و دعبیت اور عقل و نفس کے برعکس ہے کچھ ایسی باتیں کہہ سکتے ہیں جو بظاہر مقبول نظر آئیں گی، ادھما مضمون پر پندرہ صفحوں کی کتاب ہر شب کے دنیا کے سامنے پیش کر سکتا ہے۔ لفظ دین کی تاویلات میں بڑی پیچیدگیاں، نراکتیں ادھما ہر فریب میں پائی جاتی ہیں، نہ بن کی تیزی و طراری اور تسلیم کی شرمی کذب و افتراء اصلالت کو کسی نہ کسی حد تک صین بنا کر منظر عام پر لا سکتی ہے! انہوں نے اپنی خدائی کے ثبوت کے لئے عقلی دیس ہی کو بنیاد بنایا تھا اور وہ دلیل ظاہری طور پر فریب آمیز تھی، صحت اور سچائے اس کے جواب میں استدلال کا درخشاں ہی بدل دیا ادھما کہ سچے رسول کی دلیل میں گمراہ کفر و حیران رہ گیا!

۱۔ انقول، مبین، میں ابراہیم اعظم جانشین دھرمی نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے مشہور رسالہ، ختم نبوت، کا جواب دیا ہے، ادھما پیپرز تاویلات کا انبار لگا دیا ہے! مولانا مودودی نے اس مسئلہ میں اسی عقیدہ کو بیان کیا ہے جس عقیدہ پر امت مسلمہ کا اجماع رہا ہے، جھوٹی نبوت کے خلاف مولانا مودودی کا یہ رسالہ، قول فیصل، کی حیثیت رکھتا ہے! مولانا موصوفت سر فیصلہ کی حق پر ہیں اس لئے ان کی حق بات کی تردید کے لئے مصنف کو، کذب و باطل کی ترجمانی کا پورا حق اور اگر ناچاہے، روزنامہ الفضل، کا ایڈیٹر اس دفتر خرافات ادھما نامہ سیدہ کو، انسائیگر پیٹیا، ادھما حرف آخر، کہ دے تو یہ دماصل اس کتاب کی فضالت کا مستند سا ڈٹیکٹ ہے!

دوسری کتاب کا نام ہے، "نبیوں کا چاند"، مولانا فضل الرحمن نعیم، اس میں مرزا غلام احمد کے بیٹے ادھما جانشین مرزا بشیر احمد کی زندگی کے حالات بیان کئے گئے ہیں، مرزا کے نام کے ساتھ، حضرت، ادھما علیہ السلام، ادھما بشیر احمد کے نام کے ساتھ، رضی اللہ عنہ، پڑھ کر جو دل کو نوت ادھما روحانی اذیت ہوتی ہے اس کا اظہار و غفلوں میں نہیں ہو سکتا! باپ بھی گمراہ ادھما بیٹا بھی گمراہ، ان گمراہوں کی زندگی کی کیا، ادھما سیرت کی؟ اس ایمان کو ان کی زندگیوں پر ائمہ نہیں، جن کی پرچھا میں سے بھی سمجھوں کہ وہ دھڑلہنا چاہتے! مرزا غلام احمد ہوا اس کے جانشین، یہ قادیانی اس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو ان کی ذات سے منسوب کر کے اہل ایمان کو دھوکا دیتے ہیں، لعنۃ اللہ علیہم، ان کا ذہن، ان کی طبیعت، ان کی تربیت کی بہت کے مقابلہ میں جھوٹی نبوت کا عظیم قائم کرنے کے بعد حضور کی ذات گرامی سے شق و جھت کا دعویٰ گنہگار، فراڈ ہے!

جو تھا رسالہ محمد احمد علی شاہد ایم لے، کا لکھا ہوا ہے جس کا عنوان ادھما رسالہ ہے۔

جواب میں

تہذیب افادہ کی صاحب مدیر ہا ہمارا، فاران، کراچی

سے پانچ سوالات

اس کتاب میں مسلمانوں کو حب حادث اور حب مسلک دھوکا دینے کی پوری بے شری کیا کوشش کی گئی ہے کہ قادیانی جماعت "ختم نبوت" عقیدہ میں عام مسلکوں جیسا عقیدہ رکھتی ہے۔۔۔۔۔ اگر قادیانیوں کا یہ "بحوث" صحیح ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ پوری امت مسلمہ مسند میں باطل اور غلط پرورش ہے۔ کیرناری ہوئی ہے کہ قادیانیوں پر لغوی ختم نبوت کی تہمت لگائی ہے اس لئے ہم عقیدہ لوگوں سے مدعا الزام منسوب کرتی ہے: آخر کس کے موقف اور دعویٰ کو صحیح جانیں اور صحت مانیں؟

حقیقت وہ نہیں ہے جسے قادیانی بیان کرتے ہیں، حقیقت دعا قد اور اصلیت یہ ہے کہ امت مسلمہ قادیانیوں کو اس بنیاد پر کافر و مرتد اور اسلام سے خارج سمجھتی ہے کہ مرزا غلام احمد نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اس دعوے کی بنا پر وہ مرتد و کافر ہو گیا، اس کی جمہوری تہمت "کو جو رو بھی درست ماننا ہے" ناجائز کا ذب کو مسیح، محمد، ہمدی یا مسیح موعود ماننا ہے وہ بھی کافر ہے، امت جمہوری نبوت اور خود ساختہ "سیحیت" و عود کی تائید میں جو کچھ اب تک لکھا گیا ہے، وہ کفر و ارتداد اور کذب و افترا کا دفتر ہے یعنی ہے: اس صورت میں قادیانیوں کی یہ رٹ لگانے کا نام "ختم نبوت" کا جو عقیدہ تمام مسلمانوں کا ہے، وہی پہلا عقیدہ ہے "کتنی بے حیائی کی بات! اللہ کس قدر شرمناک سمجھتے ہیں۔

قادیانی "خاتم النبیین" کے جو مفہوم و معنی اپنے ذہن و خیال میں رکھتے ہیں اور اس لفظ کی جس طرح کی پُر فریب تاویل کرتے ہیں، اسے امت مسلمہ نے رد کر دیا، قبول نہیں کیا، اور اس باب میں امت مسلمہ کا فیصلہ ہی صحیح ہے، امت مسلمہ کی ایمانی فرست اس دھوکے کا شکار نہ ہو سکے اس نے قادیانیوں کی جمہوری منطق کو اسی طرح ماننا اور سمجھا، جس طرح وہ واقعی ہوئی ہے۔

اس کتابچہ کا پہلا سوال یہ ہے۔

(۱) کیا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ ہونے کو اوردے قرآن و سنت ثابت کر سکتے ہیں، کیونکہ جب تک وہ حضرت مسیح کی حیات کو دلائل کے بغیر ثابت نہ کر سکیں، تو یقیناً ان کا دعوایہ قسم کے ساتھ نزول محض اُمید و ہوس ہے، آج سے چند سال قبل قادیانی صاحب کے پیر و مرشد مولوی ممدودی صاحب کو تحریک طہارہ و صفات و حیات مسیح علیہ السلام پر تبادلہ افکار کی دعوت دیا گئی تھی، مگر، آج تک وہ اس کے لئے تیار نہیں ہوئے، یہ قادیانی صاحب یہ یہ ہمت ہے کہ اس علمی دعوت کو قبول فرمائیں!

اس سوال کے جواب میں عرض ہے کہ "قرآن کہتا ہے۔

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۖ سُبْحَانَ اللَّهِ ۖ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ ۖ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۖ

وَالَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَقِيَ شُكُّهُمْ مِنْهُ ۖ وَمَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ ۖ

يَقِينًا ۚ بَلْ مَرَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا ۚ

وَلَقَدْ قَبِلْنَا يُسُوفَ ۖ وَبِوَعْدِهِمْ تَبَيُّهُنَّ ۖ وَكَانَ اللَّهُ شَهِيدًا ۚ (۱) (پاکستان - سوسائٹس - ریکورڈ ۶)

اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ ابن مریم کو جو رسول تھا اللہ کا، اور انہوں نے نہ اس کو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھا، لیکن وہ صورت بن گئی ان کے آگے اور جو لوگ اس میں مختلف باتیں کرتے ہیں تو وہ لوگ اس جگہ اس شعبہ میں جڑے ہوئے ہیں، کچھ نہیں ان کو اس کی خبر، صرف اٹکل پر چلے ہیں اور اس کو قتل نہیں کیا، بیشک بلکہ اس کو اٹھا لیا اللہ نے اپنی طرف اور اللہ ہے نہ ہمت و حکمت والا، اور جتنے فرشتے ہیں ان کا کتاب کے سوسے یعنی پانچ سو لاکھ گے، اس کی موت سے کچھ اور قیامت کے دن ہوگا، ان پر گواہ)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ نے ان آیتوں کی تفسیر یوں کی ہے:-

"اللہ تعالیٰ ان کے قول کی تکذیب فرماتا ہے کہ یہودیوں نے نہ عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا، نہ سولی پر چڑھایا، یہودی

مختلف باتیں اس بارے میں کہتے ہیں، اپنی اپنی شکل سے کہتے ہیں اللہ نے انہیں مشابہ میں ڈال دیا، خبر کسی کو بھی نہیں، ماقی بات یہ ہے اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا، اود اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر قادر ہے اور اس کے ہر کام میں حکمت ہے، قصہ یہ ہمارا کہ جب یہودیوں نے حضرت مسیح کے قتل کا عزم کیا تو پہلے ایک آدمی اُن کے گھر میں داخل ہوا، حق تعالیٰ نے اُن کو تو آسمان پر اٹھایا اور اس شخص کی صفت حضرت مسیح علیہ السلام کی صورت کے مشابہ کر دی، جب باقی لوگ گھر میں گئے تو اس کو مسیح سمجھ کر قتل کر دیا، پھر خیال آیا تو کچھ لگے کہ اس کا چہرہ تو مسیح کے چہرے کے مشابہ ہے اور باقی بدن ہمارے سامعی کا معلوم ہوتا ہے کسی نے کہا یہ مقتول مسیح ہے اور ہمارا آدمی کہاں گیا اور یہ ہمارا آدمی ہے تو مسیح کہاں ہے؟ صرف اُنک سے کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ کہا، علم کسی کو بھی نہیں، حتیٰ یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ ہرگز مقتول نہیں ہوئے بلکہ آسمان پر بلند نے اُٹھایا اور یہود کو مشابہ میں ڈال دیا۔

”حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ موجود ہیں، آسمان پر جب رجوع کیا ہوگا، تب اس جہان میں تشریف لاکر، اُسے قتل کریں گے اور یہود و نصاریٰ اُن پر ایمان لائیں گے، کہ بیشک عیسیٰ زندہ ہیں، مرے نہ تھے اور قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُن کے حالات اور اعمال کو ظاہر کریں گے کہ یہود نے میسر کی تکذیب کی اور نصاریٰ نے مجھے خدا کا بیٹا کہا!“

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی نے ان آیات کی جو تفسیر چند سطروں میں کی ہے، تفسیر ابن کثیر میں وہ کئی صفحوں میں چھپی ہوئی ہے، علامہ نے اس مسئلہ میں مستند تفسیر کا خلاصہ اور لب لباب پیش کر دیا ہے اور ان تفاسیر کی اساس و اساس احادیث الہیہ و صحابہ میں! میں نے اپنے کئی مضمون میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ ہونے کی بحث ہی کو نہیں چھیڑا، اس سے مجھے اس کے ثبوت کا مقابلہ کرنا ہی دست نہیں ہے۔

مگر

علامہ رکن اور مفسرین عظام نے اس مسئلہ کو اپنی کتابوں میں تحقیق کے ساتھ لکھا ہے اُسے ہر کوئی دیکھ سکتا ہے، اب دلائل قیامیہ سے، قسم کے مسائل پر مناظرہ تو اس کے لئے اہل ایمان ہر وقت تیار ہیں! مگر نہ جانے کتنے مقامات پر قادیانی منافقوں میں شکست کا کچھ ہیں، اس شکست کے بعد بھی وہ پرستند کفر و ارتداد پر تھے رہے! اُن کا حال عجب تہول اور آیاؤں جیسا ہے، جنہوں نے مسلمانوں سے ہر مناظرے میں شکست کھا کر دوبارہ مناظرے کے لئے صیغہ دیا ہے! اسی طرح ہمارے کو جیت ہی جاتے رہے ہیں! قادیانیوں میں اگر زندہ ہلہو حق پسندی کا مادہ ہوتا اہل ایمان کے دلوں پر ہرگز نیکی ہوئی اہل ایمان کی آنکھوں پر جہالت و بے خبری کے پردے نہ چڑھے ہوتے تو پروفیسر محمد ابراہیم برنی مرحوم کی ”ایف“ قادیانی مذہب کے مطالعہ سے اُن کو ہدایت مل سکتی تھی، اس کتاب میں خود مرزا غلام احمد اپنے ہی اقوال سے ایک حاشیہ علیٰ آدمی اور ہمارے درجہ کا مادہ گواہی دیا ہے ثابت ہوتا ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں حضرت عبداللہ ابن عباس کی ایک روایت دوسری تفسیر لسانی ابن ابی حاتم اور ابن مرددہ کے حوالہ سے ملتا ہے۔ درجہ ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے۔

”جس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو آسمان پر اٹھانے کا ارادہ فرمایا تو ایک شخص کو حضرت عیسیٰ کے مشابہ بنا دیا، یہود نے اس کو حضرت عیسیٰ سمجھ کر قتل کر دیا۔“ اور حق تعالیٰ نے۔

مرفع عیسیٰ من روضۃ فی البیت الی السماء

(حضرت عیسیٰ کو مکان کی دیچی سے آسمان کی طرف اُٹھایا)

اس روایت کے سبب مادی علی شرط البخاری ہیں اصرار روایت حدیث کی متعدد کتابوں میں موجود ہے۔

ام قرصی نے بھی حضرت عبداللہ ابن عباس کے قول کے مطابق یہی کہا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو موت اور زندگی بغیر زندہ آسمان پر نہادیا۔ حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مرسل ایسی روایت آئی ہے، حضور نے ارشاد فرمایا کہ حضرت عیسیٰ ابھی نہیں مرے اور قیامت کے قریب فرود لوٹ کر آئیں گے۔

یہی حضرت ابن عباس کی وہ روایت جس میں "توفی" کی تفسیر موت سے کی گئی ہے نہایت ضعیف روایت ہے اگر اس روایت کو درست تسلیم کر لیا جائے تو اس کی تفسیر یوں ہوگی۔

انی حجتک بعد النزل

یعنی اس وقت تو آسمان پر زندہ اٹھ اٹھ لوں گا اور پھر قیامت کے قریب نازل کروں گا اور پھر تجھ کو وفات دلوں گا۔ چنانچہ معاملہ التنزیل میں یہی ترجمہ کی گئی ہے۔

والاخر ما نزل ضحاک ان فی الآیہ تقدیر بما ر
نا خیرا والمعنی الی متونیک بعد انزالک
من السماء
ضحاک کہتے ہیں کہ آیت میں تقدیم و تاخیر ہے اور مراد یہ ہے کہ آسمان سے نازل کرنے کے بعد وفات دلوں گا۔

"رفع" اور "توفی" کی تفسیر میں راسخ فی العلم کی اکثریت کا یہی قول ہے کہ حضرت عیسیٰ جسم و روح کے ساتھ آسمان پر اٹھ لئے گئے اور قیامت کے قریب وہ دوبارہ دنیا میں آئیں گے۔ "یوحنا موعود کو دوسرا شخص نہیں ہوگا یہی عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) ہوں گے۔" وہ دیش یہ نہیں کہیں گے کہ یوحنا موعود ہوگا۔ مثیل کا اضافہ دایا نیوں کی کارستانی ہے۔
احادیث میں مندرجہ سیح کی جو علامتیں اداس زمانہ کی، جو مندرجہ سیح کا زمانہ ہے نشانیاں بیان کی گئی ہیں، مرزا غلام احمد کی ذات اور اس کے زمانہ پر ان علامت و آثار اور نشانہ نیوں کا کسی عنوان انطباق نہیں ہوتا اسی لئے امت مسلمہ نے مرزا کی "سیحیت" کو موعود کے دعوے کو رد کر دیا، ٹھکرادیا بلکہ اس کے منہ پر مار دیا۔

بسیار تنزیل ایک مفسر دفعہ کے طرہ پر بخود ہی دیر کے لئے اس بات کو مان لیا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے اور اب یوحنا موعود آئے گا وہ عیسیٰ ابن مریم نہیں بلکہ کوئی دوسرا شخص "ان شاہنا جلتا" (مثیل سیح) ہوگا۔ اس مفروضہ کے بعد بھی مرزا غلام احمد قادیانی کی جو زندگی ہمارے سامنے آتی ہے وہ یوحنا موعود کی زندگی ہرگز نہیں ہے! حضرت یوحنا موعود کے خاصائص و صفات سے مرزا کو دور کا بھی واسطہ نہیں!

سے بہ نسبت خاک باہا عالم پاک

مرزا غلام احمد کی جہت سے یہی حضرت یوحنا موعود کی نسبت، مشابہت اور مماثلت نہیں ملکتی۔

سوال ۱۔ کیا وجہ ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک مستحق نبی، جو قرآن میں واضح طور پر رسولاً بنی اسرائیل کہا گیا ہے، اس کے راستہ میں آیت خاتم النبیین رکھ دی گئی۔ لیکن سیدنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خادم اور غلام آپ کے ہی نفع و مدد و معاون فیضان سے ایک تمام حاصل کر لے، تو یہ آیت اس کے راستہ میں رکھ دی گئی۔

جواب ۱۔ بنی اسرائیل کا نبی دنیا میں آیا اور دنیا سے چلا گیا وہ دوبارہ دنیا میں "ہدیہ نبی" کی حیثیت سے نہیں آئے گا اس لئے اس کا نزول آیت خاتم النبیین کی عایت اور مفہوم کو محسوس نہیں کرتا اور نہ یہ آیت اس کی ماہ میں رکھ دی گئی ہے، پھر وہ نبی شریعت محمدی کے مطابق عمل کریگا۔

اساس کے دعوے کی بنیاد پر ایک جہاں امت اور محدث نبوت کا باقاعدہ الٹی ٹریشن موجود ہے آجائے تو یہ کفر و استلوا ہے، خدا رسول سے بغاوت ہے، کھلی ہفتی ضلالت ہے! ان زندگانِ دین کے زمانہ میں مرزا غلام احمد کی طرح کوئی دعویٰ نبوت پیدا ہوتا تو یہ بزرگ مدعی نبوت کی اسی طرح تکفیر کرتے، جس طرح غلام احمد کے زمانہ کے علماء و صلحا اور صوفیاء نے اس کی تکفیر کی ہے اور تمام امت کا اس پر اجماع ہے۔

سوال ۷۔ تاہم مودی صاحب۔ حضرت بانی جماعت احمدیہ کے کتب و انتہامات میں سے کوئی ایسا حوالہ پیش کریں، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے سے انکار کیا گیا ہو یا لکھا ہو کہ ہم آپ کو خاتم النبیین نہیں مانتے، مگر آپسراف مودی پرگزشتہ کوئی ایسا حوالہ پیش نہیں کریں گے، اور ان کے غمزے سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ انہوں نے جماعت احمدیہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین کے منکرہ کے الزام بعض اپنے پیروں و مرشد مولوی مودودی صاحب کے اس سلسلہ نظریہ کے ماتحت لگایا ہے کہ۔

”جھوٹ کا استعمال بعض اوقات شرفاً واجب ہو جاتا ہے“

جواب ۱۔ میں نے اپنے تمام مضامین میں جو تاویلات کے رویے لکھے ہیں، مولانا سید ابوالاحسن کی کسی تحسیر کا کوئی حوالہ نہیں دیا اور نہ مودودی صاحب کا کہیں نام لگا آیا سچ اس بحث میں مولانا مودودی پطعن و طنز کی آخو تک مسمیٰ، قادیانیت کی تکفیر و استلوا امت مسلمہ کا بیخود طور پر عقیدہ ہے وہی عقیدہ مولانا مودودی کا ہے؛ مولانا مودودی نے مرزا غلام احمد سے کوئی ایسی بات منسوب نہیں کی، جیسے ”جھوٹ“ کہا جائے کہ مرزا غلام احمد کی گواہ امت مولانا مودودی سے اس لئے خفا ہے کہ اپنے رسالہ ”قادیانی مسئلہ“ میں انہوں نے قادیانیت کو پوری طرح بے نقاب و عریان کر دیا ہے، اس غضب و غصہ کی آگ میں قادیانی دنیا میں بھی جلتے رہیں گے اور آخرت میں بھی جہنم کے شعلے ان کی پذیرائی اور تواضع کرتے رہیں گے! اب رہا جھوٹ کا بعض اوقات شرعاً واجب ہونا، تو وہ ایک نفی مسند ہے مثلاً۔ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جنگ جاری ہے، پاکستانی فوج کا ایک دستہ پہاڑ کے کسی شیلہ کے نیچے چھا ہوا ہے، پاک ہند کی سرحد پر پاکستانی فوج کا کوئی سپاہی جیسے اپنے لشکر کی کین گاہ کا علم ہے، ہندوستان کی فوج کے ماتھے آجاتا ہے، ہندوستانی فوج اس سے پاکستانی لشکر کے بارے میں پوچھ گچھ کرتی ہے، اس صورت میں اس پاکستانی سپاہی پر کیا واجب ہے، پوچھنا یا جھوٹ بولنا، اسی ایک مثال سے مولانا مودودی کے قول کی شرمیلی حیثیت سمجھ میں آسکتی ہے! بہتان طسرا نہ تو یہ قادیانی ہیں کہ شریعت کے صحیح مسند کو طنز و تعریف کے اس انداز میں پیش کیا ہے کہ لوگ اس دھوکے میں پڑ جائیں کہ مولانا مودودی جیسے ”جھوٹ بولنے“ کو سند بھانستے ہیں میں نام اطراف نے اچھی کسی تحسیر میں مرزا غلام احمد یا کسی دوسرے قادیانی لیڈر کا کوئی ایسا قول پیش نہیں کیا جس میں یہ لکھا ہو کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین نہ تھے، یا ختم نبوت کا عقیدہ غلط ہے“۔ اس قسم کے الفاظ بیشک قادیانی لشکر میں نہیں ملتے، اگر میں نے جو بات بتا کر دیکھی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قادیانی اور ان کا پیشوا، قلم و زبان سے تو یہی کچھ جانتے ہیں کہ رسول اللہ خاتم النبیین تھے، مگر جو ان کا عمل ہے اس عمل سے ”ختم نبوت“ کی پوری طرح نفی ہوتی ہے، بلکہ مرزا غلام احمد قادیانی کی ذات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حریمت اور مدیقاہی قرار پاتی ہے!

مرزا غلام احمد نے اتباعِ رسول اور خاتم النبیین کے عقیدہ کو اڑھائی گراہی ”نبوت“ کا اعلان کیا ہے، اس سے بلاشبہ ”ختم نبوت“ کی نفی ہوتی ہے وہ کہتا ہے۔

”میرا منکر کا قرعہ“ (حقیقۃ الہی صفحہ ۱۶۳)

کچھ صحابی، محمد اور ولی کا انکار کفر نہیں ہے، مگر نبی کا انکار ہے، اس صورت میں مرزا غلام احمد کیا ایسے ”نبی“ ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا

جس کے انکار سے کفر لازم آتا ہے، اس دوسرے کے بعد "ختم نبوت" کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ پھر مرزا کے اس دوسرے کی بنا پر تمام غیر قادیانی جس کی نبوت کے منکر میں کافر قرار پاتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار ان بے چاروں کے کچھ کام نہیں آتا۔

میری امت کے دو حکم ہوں گے، ایک وہ جو مسیحیت کا رنگ اختیار کریں گے اور تباہ ہو جائیں گے دوسرے وہ جو ہندویت کا رنگ اختیار کریں گے۔ . . . (مرزا غلام احمد قادیانی مسند ج ۲۶ صفحہ ۱۶۱۶)۔
 "امت" کس کی ہوتی ہے۔ "بی" کی! مرزا نے قادیان کا "میری امت" کہنا، کیا اپنی مستقل نبوت کا دعویٰ نہیں ہے! اور مرزا کی امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے مقابل میں کیا حریف اور مقابل نہیں قرار پاتی؟
 "آج سے الگ نبی جہاد جو لوہار سے کیا جاتا تھا، خدا کے حکم کیساتھ ہند کیا گیا۔ . .۔"

اب چھوڑ دو جہاد کا اسے دستور! خیال دیں کہ لٹے حرام ہے اب جنگ اور قتال

دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد شکنی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد

واعلان مرزا غلام احمد قادیانی، مسند ج ۲۶ صفحہ ۱۶۱۶

"مذہب جہاد" کو جو منحصر ہے مستقل بالذات ہی منسوخ کر سکتا ہے، اس موقع کے بعد مرزا کا یہ کہے جانا کہ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام اور تابع ہوں، کس قدر غلط اور جھوٹ بات ہے! کیا حضرت کی نبوت کے مقابل میں یہ مستقل جہاد نبوت کا اعلان نہیں ہے! جس شخص پر اس قسم کی "وحی" آتی ہو، جو دین کے منحصر رکن کی تفسیر کا اعلان کر دے، وہ شخص مستقل نبی نہیں ہے تو اور کیا ہے!

اور منیئے

"سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا" (دائع البلاء صفحہ ۱۱)

اور

میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان الہامات پر ہی طرح ایمان لاتا ہوں جیسا کہ قرآن شریف پر اور

خدا کی دوسری کتابوں پر اور جس طرح میں قرآن کریم کو یقینی اور قطعی طور پر خدا کا کلام جانتا ہوں اسی طرح

اس کلام کو بھی جو میرے پرانے ہوتا ہے۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۱۴)

اس اعلان کے بعد "خاتم النبیین" کے عقیدہ کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے!

"ظاہر ہے کہ اگرچہ ایک ہی دفعہ وحی کا نزول فرض کیا جائے اور صرف ایک ہی فقرہ حضرت جبریل لایں، الپچ

ہو جاوے یہ امر بھی ختم نبوت کے منافی ہے" (انزال اور نام ص ۱۱۱ مرزا غلام احمد قادیانی)

مرزا کی اس عبارت کے بعد، اس کی تفسیر میں کہ وہ احتیاس پر چھوڑ دے گئے ہیں، جن میں اس نے وحی کا ایسا ایسا اہام کا دعویٰ کیا ہے جو بالکل قرآن کی طرح ہے! یہ اعلان خود اُمّی کی تفسیر کے مطابق، کیا "ختم نبوت" کے منافی نہیں ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا حامی مسلمانوں کی طرح یہ عقیدہ تھا،

میں جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو، اس کو بے دین

اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں (مرزا غلام احمد کا تحریری بیان مسند ج ۲۶ صفحہ ۱۶۱۶)

مگر

پھر وہ اس قسم کے دعوے کر کے کہ ۔

”میں کوئی نیا نبی نہیں ہوں، پہلے بھی کوئی نبی گذرے ہے جنہیں تم لوگ سچا نبی مانتے ہو۔“

اور ۔

”میرا منکر کا فسر ہے۔“

اپنے ہی قول و عقیدہ کے مطابق عاترۃ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے ۔

صحت یا دودھ جو سسر پر چڑھ کر پوٹے

کا ذیلوں اور انفرار پناؤں کی رسوائی کے سامان اس دنیا میں بھی ہو جاتے ہیں ۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے بڑی افغانی طرح کے بعد اپنی مستقل نبوت کا اعلان کیا انبیاء کرام کی نبوت کے مانند اپنی اسی نبوت جس میں امر و نہی بھی پایا جاتا ہے، مرزا نے (بہر حق) اللہ کے حکم سے فرضیہ نبیوں کو حرام قرار دیا ۔ قرآن کریم میں جو آیتیں حضرت کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں نازل ہوئی ہیں، ان کا مصداق مرزا غلام احمد نے اپنی ذات کو قرار دیا ۔ اپنے ماننے والوں کو ”میری امت“ کہا ۔ تمام انبیاء پر اپنی ذات کو ترجیح دی، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اپنی فضیلت کا اظہار کیا ۔ اور پھر یہ ضلالت اس قدر تک پہنچ گئی ۔

”میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جو یہوہو اللہ ہو گیا ہوں، اود میں نے یقین کر لیا کہ میں اللہ ہی ہوں اور پھر میں نے

نہیں دیکھا کہ میں اللہ ہوں“ (آئینہ کلمات اسلام)

مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کا یہ قاعدہ الٰہی ٹریشن قائم ہے ”مرزا کو نبی نہ ماننے کے سبب قادیانی تمام غیر قادیانی مسلمانوں کو کافر سمجھ کر اس اسی عقیدہ کی بنا پر مسلمانوں کے خلاف نے قاتل عظیم کے جنازے کی نماز نہیں پڑھی۔ ان واقعات و شراہٹوں کو جو دلی میں مسلمانوں کی آنکھوں میں دھون چھونکنے کی کوشش کرنا اللہ تعالیٰ کی سخت نکتہ“ اور ”خاتم النبیین“ کے لفظوں کو دہرائے جانا گناہ بڑا دھوکا ہے !

مرزا نے قادیان کی ”جبروتی نبوت“ کا تانا بانا جھوٹی تاویلات ہیں، یہ پورا کارخانہ دجل و فریب کے سہارے قائم ہے قرآن کریم کی آیتوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں مرزا نے کس بے حیائی کے ساتھ تحریف کی ہے! اقتصاد سیاسی، جبروتی تاویلات، آیات و احادیث کے منہدم و مسمیٰ میں تحریف، اصول و سر و سامان دعوے، یہ کردار کسی شریف آدمی کا نہیں ہو سکتا۔ مرزا غلام احمد کو محمد، مسیح موعود و انبیاء قادیان کے قاتل و قاتل اس سیرت و خلق کا کتا آدمی کو شریف آدمی تسلیم کرتا ہے وہ خود ذلیل اللہ کہتا ہے ۔ اللہ یہ بات ہم اس بنیاد پر کہ ہے

ہیں کہ مرزا غلام احمد نے انبیاء کرام کی تضحیک کی ہے، حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کے بارے میں وہ لکھتا ہے ۔

”خدا نے اسی امت میں مسیح موعود کو بھیجا، جہاں پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بڑھ کر ہے، مجھے قسم ہے اس ذات کی

جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر مسیح ابن مریم میرے زمانے میں ہوتا تو وہ کام نہیں کر سکتا ہوں وہ بزرگ نہیں کر سکتا

اور وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہوا ہے میں ہرگز نہ دیکھ سکتا۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۳۸)

اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نبی کے مقابلہ میں اپنی فضیلت کے اعلان کے بعد گستاخی اس حد تک پہنچ جاتی ہے ۔

”آپ کا (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا) خاندان ہی نہایت پاک اور فخر ہے، میں دایاں اور بائیں انسانی آپ کی

زنا کار اور کسی عورت میں تھیں، جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور فرمایا“ (حاشیہ ضخیمہ انجام اقسام)

جس شخص نے غیر قادیانی مسلمانوں کو ”نہید پلید“ کے شبیہ دکھا کر، علماء ملت کو طاعین، امیر بادشاہی کو کاباہر، حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کی دایاں اور بائیں انسانی کو کسی انسان کا استیلا یا ہر روح اللہ (خود اس کی معافیت اور صفات میں کفن خاک کر سکتا ہے ۔

جس شخص کی یادہ گئی کا یہ عالم ہو۔

”خدا تعالیٰ اس عاجز سے بہت قریب ہو جاتا ہے اس کی قدر کردہ اپنے چہرہ روشن رکھتا رہتا ہے اور میں اپنے
تئیں بیسپا آتا ہوں، گویا مجھ سے کوئی مشتاکرنا ہے۔“ (فروغ الاسلام صفحہ ۲۴۰)
اُسے کس نام اور لقب سے یاد کیا جائے۔

قرآن، حدیث، سیرت، نبوت یہاں تک کہ احیاء و ربوبیت مرنے والوں کے غلط و حق، قرآن و تہذیب، اسلاف و اہل بیت
سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام سب کے نزدیک محبوب ہیں لہذا ان کے مقابلہ میں بھی دوسری برتری کہنے سے یہ شخص کس طرح باز
رہ سکتا تھا۔

گر بلائیت سیر ہر آنم حد صحن است در گریبانم

”خداوند را شدہ“ پر اس طرح ماتہ صاف کیا۔

”یہاں خلافت کا جھنڈا چھوڑا، اپنی نئی خلافت کو، ایک زندہ علی تم میں ہو گیا ہے، اس کو چھوڑتے ہو اور مردہ علی کی قاش
کسے ہو؟“ (انبار الحکم ص ۱۰۰، در فہرست ۱۹۱۸ء)
غرض کہ

سنا ناگہ سے قریب سے عید نہ چھوڑنا نہ ہے

ایک غیر ذمہ دار سبب زندہ شخص ہے کہ جو مرنے والا ہے، بگناہ جاتا ہے، نہ اُسے خدا کا خوف ہے اور نہ بندوں کی شرم ہے اُسے یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ میں
نئے کچھ کیا کیا تھا اسباب کیا کر رہا ہوں!

قادیانی لٹریچر کے ذلیلہ مسلہ کو گراہ کرنے اور اپنے دام تیرہ میں پھانسنے کی کوشش کر رہے ہیں، اس نے ہمارا دینی فریضہ تھا کہ
اس فرقہ فساد کی احیاء اہل ایمان پر ظاہر کر دیں! اگر ہم ایسا نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اپنے اس سکوت اور غفلت پر سخت باز پرس جگہ
عقربت کے ستحق ہوتے! غیرت نبوت اور حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کا یہی تقاضا ہے کہ چھوٹی نبوت کی محنت کے ساتھ تردید
کی بجائے اس جھڑکاؤ خاد قادیانیوں کی طرف سے ہر جگہ کہ اپنے مسلک باطلہ کی تبلیغ و اشاعت کے لئے انہوں نے اپنی کتابیں ہمارے پاس
بھیجی ہیں! یہ کتابیں کذب و افتراء اور دجل و فریب کا دفتر بے سنی ہیں۔ ان کتابوں سے جو عقائد ثابت ہوتے ہیں ان کی کھنسی کھوئی ضروری
حق ادا کر دینے کے مسلک کفر و ارتداد کو خاص و عام پر واضح کرنا ہمارا فرض تھا! اس فرض کو ادا کرتے ہوئے ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے
ہیں کہ اُس نے باطل کی تردید اور حق کی تائید کی توفیق بخشی۔

جامعہ اسرار و عجاوین

تفہیم ادب کا معیاری و مستند حریکہ ————— ادب کا عبادہ اجزاء
ابن سیرین کی تفسیر احادیث ————— اپنی تمام سابقہ تصانیف کے ساتھ پہلا شمارہ جنوری ۱۹۶۶ء میں شائع ہو گیا ہے۔

ایک خاص نمبر

قیمت دو روپے

۱۰

اشاعت دوا میں ایک بار

سال میں چار شمارے

فی تمامہ یکم صبیحہ

صفحات ۸۰ صفحات

ماہنامہ ادب سیریدیک ڈپو علی گڑھ ۲

کیوی

دنیا کی مقبول ترین پالیش

KIWI BLACK
کیوی بلیک
ہیروئن کیلکولیشن
ہیروئن کیلکولیشن

KIWI WAX
کیوی واکس
ہیروئن کیلکولیشن
ہیروئن کیلکولیشن

KIWI Car Polish
کیوی کار پولش
ہیروئن کیلکولیشن
ہیروئن کیلکولیشن

KIWI Metal Polish
کیوی میٹل پولش
ہیروئن کیلکولیشن
ہیروئن کیلکولیشن

KIWI Cleanser
کیوی کلیئنسر
ہیروئن کیلکولیشن
ہیروئن کیلکولیشن

KIWI Cream
کیوی کرائم
ہیروئن کیلکولیشن
ہیروئن کیلکولیشن

KIWI Paste
کیوی پیسٹ
ہیروئن کیلکولیشن
ہیروئن کیلکولیشن

KIWI Metal Polish
کیوی میٹل پولش
ہیروئن کیلکولیشن
ہیروئن کیلکولیشن

KIWI Cream
کیوی کرائم
ہیروئن کیلکولیشن
ہیروئن کیلکولیشن

KIWI Cleanser
کیوی کلیئنسر
ہیروئن کیلکولیشن
ہیروئن کیلکولیشن

چمکاتی ہے اور حفاظت کرتی ہے

محمد اکرم طاہر

حضرت عمر بن عبد العزیزؓ

سودی تہذیب و ثقافت نے عالمی ثقافتی ورثہ میں جراحہا ذکیا ہے وہ کسی صاحبِ نظر سے پوشیدہ نہیں، اگر ہم تہذیبِ انسانی میں "دینِ مبین" کے داعی کردار کو متفق کرنا چاہیں تو بلاشبہ ان نفوسِ قدسیہ کو اسلام کے ثقافتی پیکر کی حیثیت سے پیش کیا جاسکتا ہے۔ جنہوں نے اپنی شخصیتوں میں اسلامی اصولوں کو متشکل کر کے دکھا دیا، گریبا اسلامی تہذیب کے مظاہر خود خالی کو ملاحظہ کرنے کے لئے نہیں ان عظیم شخصیتوں کے سیرت و کردار کا مطالعہ کرنا ہوگا جو ہماری درخشندہ و تابان تاریخ کے امین ہیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ ہمارے ایک ایسے ہی معیارِ تہذیب ہیں بلکہ اسلام کے اجتماعی ذہن کی ایک ایسی تخلیقی پینکشن ہیں جن کے افعال و کردار اہل احوال و ارشادات سے اسلامی اصول و اخلاق، اصولِ حکومت و اصولِ معاشرت متعین کئے جاسکتے ہیں۔ چند جملہ کیاں :-

● ایک دفعہ مری بیت المال میں مالی غنیمت کے ساتھ کچھ مشک بھی آیا۔ آپ اس کے معائنہ کے لئے تشریف لے گئے اور ناک پر رو مال چڑھالیا، خدام نے تعجب سے اس کی وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا کہ مشک کا استغفار ہی تو ہے کہ انسانی ناک کو راحت پہنچتی ہے۔ اس لئے میں ایسے استحصال کو مسلمانوں کے اس مال میں خیانت سمجھتا ہوں جس کا مجھے محافظ بنایا گیا ہے۔ آپ کے اس طریقہ میں اس حدیثِ قدسہ کے آثار نظر آتے ہیں کہ "متمم میں سے کوئی شخص اس وقت تک متعین کے بلند مقام پر نہ پہنچے ہو سکتا جب تک کہ وہ ناچار میں جستہ جستہ کے وقت سے بہت سی جائز باتوں کو بھی نہ چھوڑ دے" (ابن ماجہ)

● جب سلیمان بن عبد الملک کی وصیت پر خلافت کے لئے آپ کا نام لیا گیا تو بے اختیار آپ نے انا للہ و انا الیہ مرجعون چٹھا اور گریہ و زاری کرتے ہوئے تشریف لائے، اہلیہ نے اس اضطراب کی وجہ پوچھی تو فرمایا "مشرق سے مغرب میں امتِ محمدیہ کا ایک شخص بھی ایسا نہیں جس کا حق میرے ذمہ نہ ہو جو کہ بغیر اس کے مطالبہ کئے اس کا حق دلانا میرا فرض نہ ہو" ایک مرتبہ یہ بیان تک فرمایا کہ "اگر دیکھتے تو فرات کے کنارے ایک کڑوا سا پانی سے مر جائے تو عمر کو اس کا بھی صحابہ نہ بنا ہو گا۔" ان اقوال میں اس حدیثِ پاک کی معجزہ جھلک ملتی ہے جس میں حکام کے اس حق ذمہ دار کو آج بھی اگیا ہے :- کوئی حاکم جو مسلمانوں کی حکومت کا کوئی منصب نبھائے، پھر اس کی ذمہ داریاں ادا کرے کہ نہ جان نہ لڑائے اور غلوں کے ساتھ کام نہ کرے تو وہ مسلمانوں کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہو گا۔ (مسلم - کتاب الامارہ)

● سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ خلیفہ وقت نماز پڑھانے کے لئے آئے، آپ کی قیاس میں جا بجا سیدھے گھونٹے تھے یہ دیکھ کر ایک شخص نے کہا "اے امیر المؤمنین! اللہ نے آپ کو سب کچھ دیا ہے۔ آپ لباسِ تہذیب کو اچھے سے پہن کر آپ

کافی دیر تک سر جھکیا رہا ہے اور پھر سر اٹھا کر فرمایا: "مالدار کی دکانگری کے وقت میانہ روی اور قنوت و قنوت کے وقت سعادت کو دینا زیادہ افضل ہے؟" شانہ امامت کے اس عہد سے پرستار ہونے کے باوجود دینار و درہم سے آپ کا استغنا اس حدیث کے انتہائی ناظر کا نتیجہ تھا کہ:-
 "میں میں بات سے تم پر اپنے بعد قنوت ہوں وہ دنیا کی سب سے بڑی دشا دہلی اور آسائش کے دعوہ مندوں کا تم پر کھل جاتا ہے۔"

— غلیظ ہونے پر آپ نے ان اسما کی بازیافت کی طرف توجہ کی جو خلفاء بنی امیہ نے ناجائز طور پر غصب کر رکھے تھے یا عقیداروں کو نہیں پہنچے تھے، اس عہد گیر تعلیم کا آغاز آپ نے پہلے اپنے گھر سے کیا کہ کئی بزرگسالانہ کی جائداد میں سے صرف چار سو دینار کی جائداد اپنے پاس رکھی جو ناجائز طور پر آپ کی ملکیت تھی آپ کی اطاعت شاربوی نے آپ ہی کی ایما پر اپنے قیمتی زیورات وغیرہ بیت المال میں داخل کرادئے۔ شام کے علاوہ دوسرے صوبوں کے گورنروں کے پاس آپ نے غصب شدہ مال کی واپسی کے لئے شاہی احکام جاری کئے، چنانچہ عراق میں اس کثرت سے مال واپس کیا گیا کہ صوبہ کی حکومت کا خزانہ خالی ہو گیا اور عمر بن عبدالعزیز کو دکان کے اغراضات کے لئے دمشق سے بھیجا پڑا۔ سب سے بڑی وقت بارغ مذک کے معاملے میں پیش آئی جو اہل بیت کی اقتصادی کفالت کے لئے مخصوص تھا مگر مران بن الحکم (غلیظ بنو امیہ) نے اسے اپنے حق میں ناجائز طور پر محفوظ کر رکھا تھا یہ اصدقی اور تعلیمی عہد اقتدارات کتاب اللہ کے اس حکم کی پیروی کا نتیجہ تھے کہ ان اللہ یا مہر کہ ان قومی والامانت الی اہلہا واذا حکمتہ بن الماس ان تحکموا بالعدل۔ (سورۃ نساء ۵) اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امامتیں اہل امامت کے سپرد کر دو جب لوگوں کے دمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔

— قحط بن یوسف کے خلاف شریعت کا افعال میں اس کا یہ فعل بھی شامل تھا کہ وہ بیت المال کی آمدنی بڑھانے کے لئے نرسلموں سے بھی جزیہ کا ٹیکس وصول کرتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حکم دیا کہ جو لوگ مسلمان ہو جائیں ان کا جزیہ موقوف کیا جائے اس حکم پر اتنے آدمی مسلمان ہوئے کہ خزانہ کی آمدنی میں مستندہ کی واقع ہوئی اور جب ایک عامل نے اس کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے، محصل خواجہ بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔" ایک اٹھ عہدہ دار کو لکھا کہ مجھے اس سے بڑی خوشی ہوگی کہ سب غیر مسلم مسلمان ہو جائیں اور جزیہ کی آمدنی بند ہو جائے کی وجہ سے ہم تم دونوں کھیتی کے کے ادھل چلا کر اپنا پیٹ بھریں۔ اس اقدام کے پس منظر میں یہ حدیث "مسلمان پر جزیہ عائد نہیں کیا جاسکتا۔"

ان چند شرائط کی روشنی میں بخوبی دیکھا جاسکتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اسلامی احکام کی بجا آوری میں کتنے سرگرم واقع ہوئے تھے۔ یہ طور پر کہ جاسکتا ہے کہ جب اموی امراء نے آپ کے ماقول پے وسیع اپنے طبقہ کی مفادات فاسد کرنے دیکھے اور آپ کو ان منصفانہ ادبے ہاک اقدامات کا خراک کھانے کے لئے آپ کے غلام کو رشوت دے کر کھانے میں زہر ملا دینے پر آمادہ کر لی تو اسلامی اصول پر آپ کے دفاعی تعال ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ بوقت نزاع آپ کی زبان پر قرآن حکیم کی یہ آیت کریمہ جاری تھی: "تلك الدار الاخرى فبجملها المذین لا یورثون علوا فی الارض ولا مئادا۔ والعاقبۃ للممتقین۔"

صد و مملکت میں اجتنابی ڈھانچے کو صحیح بنیادوں پر استعمال کرنے کے لئے آپ نے جو عزائم منشاء اقدامات کئے اس سے ایک بار پھر معلوم ہو گیا کہ ایک اسلامی حکومت سماجی اور معاشی ناچھوڑاؤ کو دھکیلنے کے لئے کیا کر سکتی ہے؟ جو قسم کے شادی امتیازات ختم کر دئے گئے، ان سلطنت کو تجارت کرنے سے حکماً روک دیا گیا اور دیگر روک تھامی ممنوع ٹھہرا دیا۔ آپ نے بیت المال سے نہ صرف موقوفہ کا قرض ادا کرنے لئے طبعیہ مددیں قائم فرمائیں بلکہ غیر شاہی شدہ غریب افراد کی شادی کے لئے مالی امداد کی غرضی کا حکم بھی دیا۔ معتمد امداد پانچ افراد کے نام بشیر میں مبعوث کئے گئے، جنہیں سرکاری خزانہ سے وظیفہ دیا جاتا تھا۔ حکام کو تحفے کی حالت قبول کرنے کی سختی سے ممانعت کر دی اور اعلان کیا کہ ولایت علی الشہید و سلم کے لئے حالت کی حیثیت بدیدہ کی تھی لیکن اب ہمارے لئے یہ رحمت میں شمار ہوں گے۔

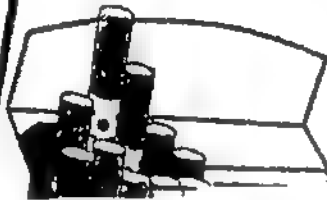
اپنی پہلی تقریر میں لوگوں کو مخاطب کیا کہ میں اپنی جانب سے کسی معاملے میں کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوں بلکہ محض احکام الہی کو نافذ کرنے والا ہوں، میں تو ایک سروری کرنے والا ہوں جو خود کوئی نئی بات شروع کرنے کا داعیہ نہیں رکھتا اور اگر مجھ میں ایسے آداب پائے جاتے ہیں تو جان پیو کہ کسی فرد کے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ خطائی یا فری میں اس کی اطاعت کی جائے، میں تم میں سے بہتر آدمی بھی نہیں ہوں البتہ خدا نے مجھے تم سب کے نائب میں نبیادہ کرنا یاد کر دیا ہے۔

ایک جلسہ کو کھڑا ہوا تو ان کی حقیقی برتری ان کا اخلاقی تقویٰ ہے، اگرچہ دشمن یا اپنی اخلاقی عظمت کی بنا پر غائب نہیں آسکتے، تو مادی برتری کوئی ایسی ہتھیار بننا نہیں جو ہمارے لئے فتح و نصرت کی حمایت ہو۔ نیز — دشمن کو اس بنا پر کمزور سمجھنا کہ اگرچہ ہم گنہگار ہیں لیکن ہمارا دشمن مگر وہ ہے، اس لئے ان پر ہمارا کبھی غلبہ ایک مسئلہ امر ہے، انتہائی خطرناک ہے کیونکہ بہت سی قومیں ایسی ہیں جن پر ان کے گنہگاروں کی پادشاهی سے ہندوؤں کو مسلط کر دیا گیا۔

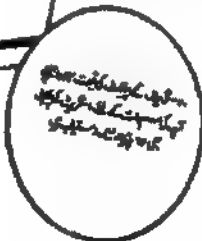
مرض الموت میں آپ کی توجہ اس بات کی طرف دلائی گئی کہ آپ نے اولاد کو ہمیشہ دنیاوی مال و دولت سے محروم رکھا ہے۔ اس لئے ان کے متعلق کچھ وصیت کروئی تھی۔ انفس یا میرا وصی صرف خدا ہے، میرے لئے اگر خدا سے دوسرے گئے تو خدا ان کے لئے کوئی صورت پیدا دے گا اور گنہگار میں مبتلا ہوں گے تو میں ان کو گناہ کرنے کے لئے قوی نہیں بناؤں گا۔

یہ ہیں اسلام کے بانیانہ لفظی جلیل — خیر عبد العزیز — مسلمانوں کو نہ غلبہ اسلحہ تقویٰ غلبہ ناطقہ ... آپ کے لفظ ہرنے کے بعد بکریوں کے گھرانے کہا کرتے تھے، ہم پہلی شخص حکومت کی بنا ہے کہ بھیڑ سے بھی بکریوں کو نہ دمان پہنچنا بھول گئے، اور کوئی شاعرانہ لفظ نہیں ہے۔ بروہی ابن امین کا بیان ہے کہ عربین عبد العزیز کے بعد خلافت میں جس مقام پر ہیں بکریاں چاٹا تھا وہاں پر وہی بکریاں اور بھیڑیا ایک ساتھ ڈگرتے تھے، ایک مات بھیڑیا میری بکری کا نشانہ گیا تو میں نے سوچا! شاید غیبیہ وفات پاگئے ہیں، چنانچہ اللہ دن دیانت کیا تو معلوم ہوا کہ اس مات خلیفہ صالح — حضرت عمر ابن عبد العزیز کا انتقال ہو چکا تھا۔

ویلس فلیٹ ٹپڈ



اگر آپ کو اپنی رائے دلا رہے ہیں
 ویلس فلیٹ ٹپڈ
 دنیا میں سب سے بہتر
 پرائمر ہے۔ اس کا سبب یہ ہے
 کہ اس میں بہترین تباہی دہری
 ۳۴ سالہ تجربہ کے ساتھ آپ کے
 سبب اس کے سبب اس
 مکی رائے کی منت ہے



PATENTED THROUGH COMPANY LIMITED, MANUFACTURED BY W.D. & H.O. WILLS, BRISTOL & LONDON

لیک الیا زبردست محزون تھی کہ اس سے تمام دنیا منہ پھڑکی اور ہمارے پاس اس امر کی کافی شہادت موجود ہے کہ بہت سے مسلمان علماء نے علم کی تلاش میں ایک ایسے زمانہ کے اندر طویل سفر کی صورت میں جاکر بہت سی خطرات سے گزر کر مسلمانانہ امور کی سرپرستی کی ہے۔ ان کے ذہن پر بھی بڑی حد تک اسلام کی اشاعت ہوئی۔ جوئی سنہ ۱۱۰۰ھ میں لکھنؤ میں لکھتے ہیں کہ علماء نے دنیاویات و دنیویات اہل کتاب و رسول کی اطلاع سے حضرت کو حاصل کرنے کے لئے مسطرت کا ایک ایک گوشہ بچان مارتے تھے۔ علماء و لسانیات پر ادا خطرات کے درمیان وسط و بیگ بدوں سے عذراں اور دشیم شعرا کی زبان کا ہم حاصل کرتے تھے۔ اسی طرح جس شخص کو جس شعبہ سے دلچسپی تھی وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتا تھا جب تک کہ وہ اس موضوع پر شہرہ و معرفت و فضول اور پھر فن کے خطبات کو سن نہ لیتا اگرچہ وہ عالم اسلامی کے دوسرے گوشے ہی میں کیوں نہ رہتے ہوں۔

امام بخاریؒ نے چودہ برس کی عمر میں سیریا سے شروع کی احادیث کی ترتیب کے سلسلے میں اٹھارہ برس صرف کئے اور خوابان، حجاز، مصر و شام وغیرہ کا سفر کیا۔ دوسرے تبارشام، چار مرتبہ بصرہ، اور پھر مرتبہ حجاز گئے۔ امام مسلمؒ نے حجاز، شام، مصر، یمن اور نجد کا سفر کیا۔ امام ابی داؤدؒ خوابان، بصرہ، کوفہ، شام، مصر اور جزیرہ بلاد اسلامیہ کا فائدہ تک سفر کرتے رہے۔ امام ہادیؒ نے طلب حدیث میں بحرین، خراسان، عراق، شام اور مصر کا طویل سفر کیا۔ امام ابو یوسفؒ تمام ہادیؒ نے تین ہزار فرسخ سے زیادہ مسافت پیمائش کی (لیک فرسخ تین میں کا ہوتا ہے) امام نسائیؒ نے بیش از کوئے اٹھائیس سال سفر میں گزارے۔ شیخ الاسلام ابن کثیرؒ نے دوسو اسی شیوخ سے حدیث روایت کی۔ جس طرح کے پاس گئے پاب رہ گئے۔ ابن جریرؒ محدث اندلس، عراق اور حجاز کے شیوخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ابن السطریؒ نے چار مرتبہ ممالک ایشیاء، افریقیہ، اندلس میں سفر کیا۔ دس بار بیت المقدس گئے۔ صرف ایک سو دو دن فساد کے حاصل کرنے کے لئے ستر منزل کا سفر کیا، امام خضر بن شبلؒ نے چالیس برس مختلف قبائل کی نبالوں کی تحقیقات کے لئے صحرائے عرب میں بسر کئے۔ ابن عدیہ (حلیب اندلس) نے بات کے حالات و کیفیات کے لئے مصر، شام و عراق کا سفر کیا۔ حصار الدین ابن بیطار نے نباتات کی تحقیقات کے لئے یونان اور اسپین کے ملکوں کا سفر کیا۔ محمد اسماعیل ترمذیؒ نے حدیث و نجوم سمجھنے کے لئے ہندوستان کا سفر کیا اور رسولیہاں قیام پذیر رہے۔ ابویکان نے بھی ہندوستان کا سفر کیا، یہاں وہ کرسنکنت زبان، نیکی اور ہندوؤں کے علوم و فنون کا برسوں مطالعہ کر کے کتاب الہند کے نام سے ایک بڑے ضخیم تصنیف یا دگر بچھڑی۔ المقدسی سیاح نے تقسیمات نامہ ممالک، اسلامیہ کا سفر کیا اور اپنی مشہور کتاب احسن التاجیم فی التعلیم لکھی۔ یا قوت ابن عبد اللہ الحمیری نے ممالک اسلامیہ کا سفر کیا۔ ابو نعیم البدان و نعیم الامار لکھی۔ حافظ الحدیث ابو العباس ملائی نے جو ہندوستان میں تھے۔ بلخ، بخارا، نیشاپور، اور بغداد کا سفر کیا۔ امام ابو ذرؒ نے بخارا سے سفر شروع کیا اور قیروان (افریقہ) میں انتقال کیا۔ حافظ ابن طاہر مدنی نے طلب حدیث کے لئے کہیں وغیرہ بیٹھ پڑے ہوتے پاب رہے مگر مکرہ، دمشق، حلب، اصفہان، نیشاپور، بصرہ، وغیرہ کا سفر کیا۔ حافظ ابو عبد اللہ اصفہانی نے حدیث حاصل کرنے کے لئے برت، بلخ، بخارا، مصر، کن، نیشاپور وغیرہ ایسے سو فی مقامات کا سفر کیا۔ کوثر ایہ عمری غلام نے تمام حجاز، عراق، شام کا سفر یوسف سے کیا کہ ان غنیمت کی تقسیم کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی صحیح حدیث معلوم کریں اور آٹھ کارنہ باد بن جاریہ، انیسویں سے انیسویں حدیث ایسی دستیاب ہوئی جو حدیث بن سلیمان لغیری ہی سے روایت کی گئی تھی۔ حافظ ابو الخطاب اندلس نے فقہی علم کے سلسلے میں بارہ برس اندلس کا سفر کیا، پھر فارس، جلی، مصر، شام، عراق، خراسان کی سیاحت کی۔ یحییٰ بن علی النیشی (سنہ ۱۱۰۰ھ) قرطبہ سے بغداد ہو کر مدینہ منورہ میں امام مالک، مکہ میں سفیان بن عیینہ اور مصر میں لیث بن سعد، عبد اللہ بن علی، ابن ماجہ، ابن تاج، ابن عقیلین ہو کر قرطبہ واپس گئے۔ بہمن بن عبد اللہ مستریؒ تیرہ سال کی عمر میں بصرہ گئے پھر باطان، جہاں حمزہ بن ابی عبد اللہ سے و بعد مدنا عم حاصل کرتے رہے۔ حسین بن سنان نے طب کی کتابیں پڑھ کر اہل علم طلب میں اہل علم کے خیال سے مختلف مقامات کے بارگاہ سفر کیا یہاں تک کہ وہ مسطرت بڑھتی ہی کے بعد ہی شہروں تک جا پہنچے۔ پرفیور لکھن کا بیان ہے کہ علم کے متلاشی تین بلا غفلتوں میں محو کر کے اپنے وطن کو اس طرح لوٹے جیسے شہر کی کھیاں شہر سے

اہوئی اپنے بچے میں آئی ہیں اور علم کی بیٹی بہا دولت عروجہ صبح کر کے گئے تھے اپنے بے خانسا گروں میں تقیم کردی اللہ عزت اکر رحمت و
نعت بہداشت بہداشت کر کے تانوس صبحی کتابیں تصنیف کرفالیں ان ہی تصانیف سے علوم جدیدہ نے بے حدودے حجاب استغناء کیا۔

(LITERARY HISTORY OF THE ARAB.

سفرین کی شانہ سپریتی۔ شہان اسلام و امراء کی علم و حکمت احسان کی نیا نیا کا یہ عالم تھا کہ جاسطحا المتوفی فیہ شہرہ مصرانی
 بہ الامیون "عبدالملک انبیاء کی خدمت میں پیش کی تو اسے پانچ ہزار اشرفیال عطا کی گئیں۔ اسی طرح۔ البیان والتمیہ۔ امیرین داد و
 بدت میں اعلیٰ درجہ والنفذ۔ ابوالیم بن عباس الصوری کی خدمت میں بھی قواعد نوں جگہوں سے اُسے پانچ پانچ غوطہ شربیاں ملیں۔ سالفروج
 شہرہ نے اپنی شہرہ کتاب "الآغا فی مرتب کی توفیق اللہ اللہ الحمدانی حاکم حلب ابوالکاسین کے بادشاہ و حکم ثانی نے ہزار ہزار دینار
 ج بطور انعام بھیجے۔ ابن تمکبیا ماری نے سلطان مسعود بن اسفیل سامانی کے نام سے فن کیا ہوا ایک کتاب پیش کی تو اسے مسعود نے ایک ہزار دینار سامان
 تہ۔ ابو حمیدہ قاسم بن سلام کی کتاب "غریب المصنف" کو دیکھ کر عبداللہ بن ذوالیمین نے دس ہزار دینار مانا نہ مقصد کر دیا۔ محمد الدین
 خیر و نساؤ دوی بڑے سیاح عالم تھے ان دونوں پر کتابیں لاکھ لاکھ اسلامی ملک سے دوسرے اسلامی ملک میں آتے جاتے تھے۔ تیمور لنگ نے پانچ ہزار
 نیوں نقد دیں۔ تین کے بادشاہ الملک المشرقی کے پاس اپنی ایک کتاب ایک طباق میں رکھ کر پیش کی تو اس نے اس کو چاندی بھر کر واپس کیا۔ نصر بن
 عدسا حافی کی خواہش پر فارس کے شہنشاہ عمر سعدی نے "کلید و منہ" کا منظوم ترجمہ کیا تو اس کے صلے میں اس کو چالیس ہزار دینار عطا کئے۔ عا
 سنے ایک ساتی نامہ لکھا اس کے صلے میں مرزا عبدالرحمن خان غازی نے اس کو دس ہزار دینار عطا کیے اور باقی گھڑے عطا کئے۔

علامہ اعلیٰ ہمارے کی علم دوستی۔ جس مذاق و شغل کے عکس ہوئے ہیں، اسی مذاق کے ارکان حکومت اور اعلیٰان بھی ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ ان اسلام کی طرح دیندار و اعلیٰ ہمارے اسلام نے بھی علوم و فنون کی سرپرستی میں غلبہ غلبہ کیا۔ ان اعلیٰان و اعلیٰان نے بھی فیاضی میں ایک دوسرے سے سبق لے جانے کی کوشش کرتے۔ ان کے سامنے میں اسباب کمال بھی پرورش پاتے۔ اعلیٰان و فنون بھی سرسبز ہوتے رہے۔ روزگار بھلا بھلا ہے۔ صمدان گوشت اور ذریعہ علم اور ماہرین علم کی قد حاق میں مختلف تہذیبوں کے ساتھ ہمسری کرنے کے بڑے شائق تھے۔ اعلیٰان و اعلیٰان و اعلیٰان و نہایت فیاضی سے کام لیتے تھے۔ اسکاٹ کا بیان ہے کہ: ”جو تک خدا و خود علم و فن کے قد حاق ہوتے تھے۔ اس لئے اپنے آقاؤں کی کھیر کراہا۔ و ہم بھی اس صفت ہیں ایک دوسرے سے سابقہ کرتے تھے، علماء اور اعلیٰان قائم کرتے تھے، ایجادات اور تعلیمات۔ ان بات پر تھے“۔ دیندار اعلیٰان کے مکانات پر اکثر علمی و ادبی مجلسیں ہوتی تھیں جن میں علماء و فضلا اور شہداء مختلف علمی مسائل پر بحث و مباحثہ کیا جاتا تھا، تصنیف و تالیف اور ترجمے کے کاموں میں مصروف رہتے۔ یہ کہتے اور ہی گھول کر فریاد کرتے۔ ”ہمارے اور کسی شاگرد کے خاندان علم کے لئے بہت ہمت تھی۔ ہمارے کا خاندان اور ان کے شاگردوں کے لئے بھی انتہائی عروج و کمال ہو چکا تھا۔ اور علوم و فنون کی سرپرستی میں بڑا کام کیا۔ ان کے سامنے میں علماء و فضلا اسباب کمال پروردگار کی بارش مرقی تھی۔ ثمرت کو دینے اور احمد و کسب و مدد و لگتے تھے جنہوں نے علوم و ہنر کی جستجو میں انتہائی کوششیں کیں ان کے لئے مال و دولت کو صرف کیا، اپنی جائیں کو ہلاکت میں ڈالا اور دود کے ٹھونڈوں میں ایسے لوگ بھرا جو دیکھتے ہیں ان سے کمال کر کے پاس لگاتے اسلئے ان کوئی نے ان کے قتل و زنجار کے لئے دود دود سے اگر نقد معاوضہ پرست رہیں بھانے حکمت کے صحابہات کو ظاہر کریں۔ حسین بن اسحاق، ثابت بن قمرہ، ابو بصیر بن اسحق وغیرہ جیسے متناہل علم یہاں ترجمہ کے لئے مازم تھے۔ کی تخریروں کا ماحول ان کے بارے میں سنا تھا۔“

سدرن آپ ارسلان کے مشہور و معروف علم و دولت و مہینہ نظام الملک طوسی کی غلطی یا نیکیاں بہت مشہور ہیں، مگر یہ نظامیہ ہندوؤں کے
 وہ اس نے بہت سے سلاز اور کتب خانے قائم کئے جن پر لاکھوں روپے سالانہ خرچ کرنا تھا۔

ایک قادیانی کا قبول اسلام انڈیر سے روشنی کی طرف

مؤلفہ فار تہذیب و تمدن

(انجمن خدام الاسلام ہیرا پور و حیدر آباد دہلی پاکستان)

نذر خدمت جناب مگر می میر صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :- بعد سلام کے واضح ہو کہ ایک اعلان اہل خدمت کے ہاں ہوں براہ کرم اس کو اپنے مرقعہ مجیدہ میں مناسب جگہ عنایت فرما دیں۔ راقم الحروف نے آپ کا مقالہ قادیانیت کے متعلق ملاحظہ کیا انشاء اللہ انجمن کے تحت شائع کرنے کی کوشش کروں گا۔

آپ شخصیات کو یہ پتہ نہ ہو کہ حضرت محمد (ص) صاحب مولانا عبدالمبین صاحب اودھ کاڑوی کے ہاتھ پر بھڑا درخت اسلام قبول کیا۔ موصوف بڑی حقیقت و جستجو کے بعد اسلام کے دائرے میں داخل ہوئے ہیں۔ موصوف کا یہ اعلان ہے کہ مجھے آئندہ سے احمد کا نہ کہا جائے بلکہ مجھے اہل حدیث کہا جائے اور میں آج سے احمدیہ ہوں۔ موصوف کی تحریر راقم الحروف کے پاس موجود ہے۔ انشاء اللہ دوسرے خط میں مکمل تفصیل سے آگاہ کروں گا۔ اس اعلان کو آپ جلد از جلد شائع فرما دیں۔ نقطہ اسلام

خیر شہاد احمد السلفی، ناظم اعلیٰ

”فاران“ کے مضامین جو قادیانیت کی تردید میں شائع ہوتے رہے ہیں غالباً انہوں نے قادیانیوں کی صفوں میں، مچل پیدا کر دیا ہے یہی سبب ہے کہ مبنیۃ الفرقان (درلہ) کا لہذا شمشادہ ”فاران“ کے مضمون کی تردید کے لئے وقف ہے؛ اور جس دفعہ لکھنؤ پہنچے گا قادیانیوں کو دلالت کے ساتھ سمجھایا جائے، تو ان میں نہ جانے کتنے ایسے لوگ ہوں گے جو سجدہ واحد صاحب کی طرح ہاتھ پر بند ہیں، مگر وہ حق سے بے خبر ہیں، حق واضح ہونے کے بعد وہ قادیانیت کے کیمپ میں نہیں رہ سکتے، ان کو ذہن کی توفیق انشاء اللہ میسر آئے گی۔ اور ایمان و اسلام سے بہرہ ور ہو جائیں گے۔

سید محمد رفیع

ماہنامہ ادبی

یادِ رفتگان

علامہ محمد خلیل عرب مرحوم۔

علامہ محمد خلیل عرب کا نام تو سنا تھا مگر انہیں دیکھنے کا اتفاق سیرت النبی کے ایک جلسہ میں ہوا، یہ اب سے کوئی تیرہ چودہ سال پہلے کی بات ہے اس جلسہ میں علامہ کی تقریر بھی تھی، مگر گفتگو کا موقع نہ مل سکا، میں اپنی لغتِ نظم پڑھنے کے بعد چلا آیا۔ اس کے بعد دو تین بار اُن سے تعارف و ملاقات کا شرف حاصل ہوا، ایک ملاقات میں دس لفظی سے ہٹ کر نئے انداز پر عربی پڑھنے پڑھانے کا ذکر آیا اور اس کے بعد علامہ خود غریب خانہ پر تشریف لے آئے عربی نصاب کی کتاب بھی اُن کے ساتھ تھی، اُن کے ہاتھ پڑھائی شروع ہو گئی! چند دن کے بعد جناب خضر احمد انصاری صاحب کے مکان پر صاحب موصوف، سید حسن ریاض صاحب اور قائم الخروف کا جماعہ ہونے لگا، بلکہ میں سمجھتا تھا کہ یہ "مکتبہ قائم ہو گیا" علامہ پُر شغف تھے ساتھ دس دیتے، اس میں اُن کی پوری مگر گزری تھی، طلباء میں عربی زبان و ادب کی استعداد پیدا کرنے کا انہیں بڑا ملکہ اور تجربہ تھا، طلباء کی کمزوریوں سے بھی وہ باخبر تھے، تقریباً ڈیڑھ سال یہ سلسلہ جاری رہا، جو آخر زمانے میں کلیدِ دمنہ، مقدمہ ابن خلدون اور ریاض الصالحین تک پہنچ گیا، پھر وہ اپنی پیرائے سال کے باعث آنے جانے میں بڑی دقت محسوس کرنے لگے، بڑھاپا، اُس کے ساتھ بہت سے امراض، اس حالت میں کراچی کی بسوں میں سفر، یہ مرحلہ بڑا سخت تھا، ہر مقررہ فاصلہ کی فوجیت آنے لگی، یہاں تک کہ یہ سلسلہ بند ہو گیا، ان کے مجاہدہ کو مولانا سعید اشرف صاحب ندوی نے سنبھالا، مگر علامہ مرحوم کا وہ عالم صحو اور مولانا کا یہ شکر اندیمہ جذبہ ویت: "تقیاً ایک لٹن سے بھی استفادہ کا موقع ملا۔ اور مقاماتِ بدیع الزماں ہمدانی اور عربی کے قصائد دس میں سے۔"

کراچی کی زندگی مشینی زندگی بنتی جا رہی ہے اور بقول علامہ اقبال —

سہ احساسِ حریت کو کچل دیتے ہیں آلات

ہر شخص اپنے معاملات میں الجھا ہوا ہے، نقد و دانے کا غلط کام زیادہ، فرصت کم، قائم الخروف ہی کی بدترغیبی ہے کہ علامہ کی خدمت میں بہت دنوں سے حاضر نہ ہو سکا، اُن کی حالت کی خبریں ملتی رہیں، اور ساتھ ہی یہ مشورہ بھی کہ وہ اب اچھے ہیں۔

ایک دن جمعہ کی نماز کے بعد گھر آیا، خوشی فون پر آیا ہوا یہ پیام ملا کہ علامہ خلیل عرب کا انتقال ہو گیا، میرا الٹی فیکس لاٹنی کی نواں سہ میں ایک بجے نمازِ جنازہ ہو گی، میں جب گھر پہنچا ہوں تو تین بج چکے تھے، اور اُس وقت علامہ آسمانِ اعلیٰ پہنچ چکے تھے؟

علامہ مرحوم تین کے علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، متحدہ ہندوستان میں ریاست بھوپال علامہ کے ہمدانوں کا دامِ ملا فادہ سا ہے، علامہ خلیل عرب نے ندوۂ رکنین کی شہرہ درگاہ میں بھی علمی کفرائض انجام دے دی، مولانا سعید ابوالحسن ندوی علامہ کا اہم گراں بھی، اُن کے شاگردوں کی اہمیت میں آتا ہے! لکھنؤ یونیورسٹی میں بھی علامہ شعبہ عربی کے تھے۔

علامہ خلیل عرب عربی زبان و ادب کے مستند عالم تھے، جن کی زبان و ادب پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، اُن کی بڑی صاحبزادی رفیقہ بیگم نے عربی علم میں بہت سی حد تک حدیث میں اختصاص کا درجہ رکھتی ہیں، جو عربی کی علمی بیگم بھی عربی وال ہیں اور اُن کی اچھی معنوں لگا ہیں اور علمی المذہب تھے

توحید کے معاملہ میں بڑے غیر متند! انہوں نے کہ پاکستان میں ان کی قدم نہیں چوتی، سماجی حالات ایسے تھے کہ کنگلی ترقی سے گزرتی تھی، مگر اس شمشک کے کہ باوجود مذہب میں خوشنیت پیدا نہیں چوتی، ان کی زندگی وہی کہ وہ کچھ کرنا تمام اطراف "مزارع" کی جڑات بھی کر سکتا، اور وہ اس میں لطف لیتے ان کے ساتھ مشرقی و وسطی، عربی شرافت اور علمی و دینی وجاہت کا ایک مجموعہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ عنہ فرمائے (آمین) **نواب ناظر یار جنگ بہادر مرحوم۔**

نواب ناظر یار جنگ بہادر، مولوی نظام الدین حسن کے فرزند تھے، مولوی صاحب مرحوم ریاست جوبال میں مشیر المہام احمد مسلمان دادکن میں رکن عدالت عالیہ رانی کر کے کچھ اسے چکے تھے، جن تقویم میں یہ مولیٰ صاحب تھا، ان کی مرتب کی ہوئی سہ سالہ تقویم مسلمان دادکن میں قائم الحروف کی نگاہ سے گزری ہے، مولوی نظام الدین حسن بڑے وضعا با اصول احمد وقت کے انتہائی پابند تھے، ان کی پابندی وقت، اصول پرستی اور وضعا کے بہت کچھ شہر میں، ششماہ کہ جب وہ کھنڈ میں آنوری مجسٹریٹ تھے، اسی سال میں جیلے کو گھرا آئے تھے، تو ان کے واسطے کو گھرا کی منظوری کے لئے درخواست دی تھی، اس چکر میں تاہم عدلے کا خاصہ وقت صرف ہو جانا، اس لئے تاہم عدلے انہیں پیدل آئے جیلے کو گھرا کرتے، اور کئی کئی کوشش کرتے، ایک بار کھنڈ کی کسی دھن کے کارکن مولوی صاحب کے پاس اس انجن کے انتہائی کرتے، اور انتہائی مدد کی گئی، اور گھرا کے لئے کوششیں ہزار اشتہارات ہیں، مولوی صاحب نے جو اس انجن کے غالباً سکریٹری تھے فرمایا کہ یہ قوم کا معاملہ ہے، اشتہارات کے بغیر آپ کو نہیں جانے دینگے، چنانچہ اس غریب کو مولوی صاحب کے ساتھ دس ہزار اشتہارات لکھنے پڑے:

یہ لطیفہ خانہ ساز بھی ہو سکتے ہیں، اللہ باری آمین ہو، مگر یہ بھی محقر ہے۔

سہ ماہہ باشد چیز کے، مردم نہ گویند چیزا

مولوی صاحب کی اصول پرستی اور پابندی وقت، فرصت سے زیادہ ہی محسوس کی جاتی تھی، انہی کے صاحبزادے نواب ناظر یار جنگ بہادر تھے، نواب صاحب مرحوم نے جوانی کے زمانہ میں قومی کاموں میں بھی حصہ لیا، چودھری خلیق اللہ خان کی طرح قومی تحریکوں میں بھی لگے رہے، تو بآشہ ان کا شمار بڑے لیڈروں میں ہوتا، امتیاز بندہ وستان میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ملازمت کے لئے اردکان سے تالان کی سب سے بڑی ڈگری حاصل کی، ریاست مسلمان دادکن کے محکمہ عدالت میں ملازمت کا آغاز ہوا، برسوں ششماہ کے پچھڑائی کھٹ کے پچھڑائے، پچھڑا سالہ مدت ملازمت کے بعد کئی سال قریح بھی چوتی۔

مرحوم کی چھٹی ملازمت کا زمانہ نیک نامی میں گزرا، کسی کی مدد عایت نہیں، کوئی بیاد اور سفارش ان کو تفرہ نہیں کر سکتی تھی، ان کے علم و فضل اور قانون عالی کی کوئی خاص شہرت نہ تھی مگر ان کی بیاد شہری، فرض شناسی اور اخلاقیات پابندی کا عام اثر تھا، انگشت ان کے ہیں۔ ایس۔ ڈی، لیکن پھر سے پھڑا رہی، صوم و صولۃ کے انتہائی پابند! محتاط اور پاکیزہ زندگی کے سبب بڑھاپے میں بھی مکرر کی طرح سیدھی رہتی، بعد مسلمان داد میں وعدہ دہیوں کے "بھٹے" کی بڑی شہرت تھی، ایک سراج المظن تھری دیکھیں اور دوسرے نواب ناظر یار جنگ مرحوم! کسی ہی سہروریت کیوں نہ ہو، مگر ہر، چار ہزار، آندھی میں رہی ہو، بوندا باندی ہو رہی ہو، دونوں صاحبان مطلقاً پابندی کے ساتھ پانچ پچھڑا سالہ کرم لیتے!

عدالت عالیہ میں مولانا صاحب القدر بیاد لونی مرحوم کا مفتی کے ہمہ ہر شاہی فساد کے خلیفہ تقصد ہوا، تو قدر افتاد کا اہل کار کہہ لیجئے، یاصیفہ دار اور پیشکار، ذمہ اطراف ہی تھا، نواب ناظر یار جنگ بہادر مرحوم کے حکم اور امداد سے عدالت عالیہ کے کتب خانہ کی تنظیم و تہذیب کا فریضہ بھی، صاحب مال و صاحب مددگار تھے عدالت عالیہ (اسسٹنٹ مجسٹریٹ اور جانی کھٹ) کی نگہانی اور اضافتی میں، انجام دیتا تھا۔ ملازمین اسطرح صاحب

حمید آباد رکن کے مشہور ہیئت پسند مفکر، علامہ عبدالقیوم صاحب کے فرزند تھے، بطل ہیئت، علامہ جمال الدین اعجازی نے حمید آباد میں انہی کے پاپا قیام فرمایا تھا، سرسوجی ناٹک کے والد پر وزیر اعلیٰ نے مالی مشکلات میں مبتلا ہونے کو علامہ عبدالقیوم صاحب نے بڑی فراخ دلی کے ساتھ اُن کی مالی امداد کی !

غیب ناظر یار جنگ سے اُن کی گھٹ میں درخول اہل جلسوں میں طافیں ہوتی رہتی، کہاں ناکی گھٹ کا بیج اندھاں دفتر کا ایک اہل کار، مگر ملاقات، گفتگو اسنے چھپے میں اتنی ساعات امداد دیکھی کہ حمید سے کی بلکہ اللہ پتی کا احساس ہی پیدا نہیں ہوا؛ میرے ایک عزیز میر تقی میر کانت کرتے تھے، اُسی زمانہ میں غیب صاحب مرحوم کے بہنوئی خان بہادیر گلبرہ حسین وہاں کے سکشن ہیڈ تھے، خان بہادیر صاحب کی انھما پسندی ادا اصول و فنی ضرب المثل تھی، میرے اُن عزیز نے مجھے لکھا کہ عدالتوں میں صداقت ناموں کی تصدیق وغیرہ کا کام، سیخن پنج صاحب کے حکم سے مل سکتا ہے آپ ان کے ہاں کہیں غیب ناظر یار جنگ سے سفارشی خط بھجوا دیں !

میں نے بعض اصحاب سے ذکر کیا تو وہ کانوں پر ہاتھ دھر کر دیکھ کر کہ ہم میں سے تو کوئی ایسی جرأت نہیں سکتا، غیب صاحب بڑے با اصول آدمی ہیں اور اُن کے بہنوئی ان سے بھی زیادہ سخت ہیں ! ایک دن میں بہت کے غیب ناظر یار جنگ مرحوم کے چیمبر میں پہنچا، حسب عادت بڑے تہاک سے ملے، کچھ دیر دھرا دھرا کرتے ہوئے ہوئے، پھر میں نے اس تہاک کے ساتھ کہ کسی کا حق متاثر نہ ہوتا ہو، تو جاؤ سفارشی کارڈ غیب صاحب کی عرض کا اظہار کیا، غیب صاحب نے کچھ دیر سوچا اور اُس کے بعد سفارشی خط لکھ کر میرے حوالے کر دیا، اسباب کو مسترد ہوا تو انہوں نے بڑی حیرت کا اظہار کیا، کچھ لنگے غیب ناظر یار جنگ سے سفارشی خط حاصل کر لینا بس تہا پہنچا ہی کام تھا۔

غیب صاحب مرحوم کے بات کرنے کا خاص امتیاز تھا، رک رک کر بلکہ چپا چپا کر الفاظ ادا کرتے اور ہاتھ کی حرکت سے علامت سنی کی بھی کہ چپا کرنے کی کوشش فرماتے، ہم اپنی بے تکلف مجتہدوں میں کبھی کبھار ان کی گفتگو کی نقس کر کے دھف یا کرتے تھے۔
ذوال حمید آباد کے بعد وہاں کے مسلمانوں کو بڑے سخت درد سے گزنا پڑا، کتے بہت سے کڑی نشین، خاک نشین ہو گئے، مسلمانوں کی اقبال منشی کی سادھی الش گئی، ————— حمید آباد، آہ ! مرحوم حمید آباد —

ہمیں امت دے سے سہانے فریب
چلے ہو نواز و گلے پر نشیب

کی ہر بہتہ تصویر !

حمید آباد آنے جانے والوں کی زبان سننے میں آیا کہ اس خوش مدد و ناک اقتدار کے بعد بھی غیب ناظر یار جنگ مرحوم کی مشق میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی اور اُن کی دینداری اہل اسلام کو سچی نے کسی دباؤ اور اثر کو قبول نہیں کیا، نئے حاکموں نے بھی اُن کے ساتھ احترام کا سلوک کیا ! مولانا عبداللہ جدید دیا دوی مدیہ صدق حمید۔ جو غیب صاحب کے کم نہ لطف ہیں اُن کے حمیدہ میں غیب صاحب کے انتقال کی خبر پر بلند حمید آباد کے اخبارات میں ضرور تعزیتی امدادیں لکھ گئے ہوں گے، کراچی کے صحافی، ہندوستان کا پاکستان کی کسی بعض ناہن ذکر شخصیتوں کے بارے میں بے خبراںہ انجان لکھ مارنے والے کو اللہ تعالیٰ کی حضرت نصیب ہو (آمین)

خان بہادیر عبدالدین مرحوم۔

شاید حمیدہ سان چرے ہوں گے، انجن ترقی امداد کے ایک جلسہ میں ایک نہایت ہی دبیٹے شخص نے سننے میں خود ہی پہل کی اور اپنی تعریف کرنا، کہ میرا نام ہے اللہ تعالیٰ ہے ! آپ کے مفارقات کو بڑے حقوق و دلچسپی سے پڑھا ہوں، پھر انہوں نے کراچی سے دس میل دُور آکر اپنے کے نوجوان ملنے میں پائے پر گرایا، مجھے کوئی ضرورت کام نکل آیا، اُن کی دعوت میں نہ جاسکا، دوبارہ ملاقات ہوئی تو اس انداز میں لے کہ مجھے سعادت

کامرقد ہی نہیں دیا، اُن کی جگہ کوئی دوسرا مہمان تو شکوہ و شکایت کا دفتر کھول دیتا اس کے بعد پھر دعوت کا دن مقدس ہوا، اُن کے گھاسجنزاد س یاں مادرِ پاکستان فضا سیر میں اُن دونوں فضا سٹ لٹ لٹتے تھے، اُن کے فلیش میں شام کو چائے نوشی ہوئی اللہ کی بڑھ دو گھنٹہ خان بہادری صاحب سے ملنے سے تیار لے کر ان کا مرقعہ ملا۔

معاذکر میاں۔ بہت تھکے، اپنی فائز شاہ صاحبہ سے خاندان کے دفتر میں بھی دو تین بار تشریف لائے، اندر سے ستر لڑکھاتے ہر چہ سنے کی رحمت بہا کی سات آٹھ برس سے وہ اپنے نانی مکان ماقہ نامہ آباویں منتقل ہو گئے تھے، مکان کا نام "الصنف" رکھا تھا، وہاں ہی کئی بار گیا، ایک بابیا کی خبر پر کمرزاج پر ہی کے لیے ہوئی، تو اس حالت میں دیکھا کہ سہری پر نیم بیٹھنے کی حالت میں لیٹے تھے اور ڈاکٹر انجیلن لگائے کے لیے رنگ تاش کر رہا تھا پھر وہ اچھے ہو گئے !

اُدو دہان کے شہر داتی تھے، دینداروں میں اپنی آپ مثال: ترجمہ کے معاملہ میں بڑے سے اس اور غیبت مند! فرماتے تھے، کہ عہدہ دیوبند! شرک و بدعت کے مشابہ دے بی، اُن کے یہاں بھی غلبہ تصوف کے سبب ترجمہ پر غور نہیں رہی! "تصوف" کے بہت مخالف تھے، انہوں نے سارے تھ شہر قادیان میں ہر سید کی نسبتیں بھی انہیں پسند نہ تھیں، میں تصوف کی کسی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے زہری سے کام لیتا، تو سخت اُفتاب کو اُن کو کئی صفحے کے خط لکھتے، اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مولانا مرقد کی تحسیر میں بے شمار تصویحات ہیں، میں نے صفحہ پڑھا کہتے ہوئے عرض کیا کہ جس طرح مولانا آنا دکان نام تو جی الدین تھا۔ "الجماعہ الکلام" اپنی کفایت انہوں نے خود لکھی ہے، یہ معاملہ "ایم اے علی" کا نہیں ہے یہ ان کے والد کا رکھا جس نام پر مولانا مرقد کے دو صاحبوں کے نام ابو محمد سید صاحب اور انجیلین ہیں۔

"خانان" کے بڑے قسمان تھے، اپنے کئی عزیز کو جو ڈھاکہ داتی کوٹ کے بچے تھے "خانان" کا خریدار بنایا، اور اپنے دادا حبیب احمد صاحب صاحب کو جو رپڑ میں کسرت تھے، "خانان" کے پرچے بھرا لے !

خان بہادری سید الدین صاحب انگریز دور کے بنگال میں فکرِ تعلیم کے انسپکٹر تھے، پھر وہ ڈھاکہ داتی کوٹ کے رہبر شہر ہو گئے، ان کی کارکردگی، قابلیت، ایمان داری اور فرض شناسی کے انگریز حکام تک محترم تھے، اُس دور میں انگریز دفتروں کے اچھے افسر پرانا تھے، ان کے لیے ایک کتاب "فتحِ مسندِ غنیہ" لکھی، میں پریشاں میرے بڑے اچھے تبصرے لکھے، اور ان کے آباؤ اجداد، علامہ آفتاب دی، مولانا محمد علی قزیر، مولانا ظفر علی خان، مولانا محمد علی عرفان، قسری عرفان اور مولانا صاحب جی جی نامہ شخصیتوں نے پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور تحریک و تحسین کی !

مجھے یاد رہتا ہے کہ مرحوم نے شیل فون پر فون پر بابا پت چیت اب سے سات سو سال پہلے ہوئی تھی، اُس کے بعد ان کی کوئی غیر ضروری بات، فون نہان کے "ہائے اُردو نمبر" اور "لکھنؤ" میں اُن پر ایک مضمون پڑھ کر، اُن کے انتقال کا علم ہوا، یہاں کے اخبارات میں ایک سطر بھی اُن کے بارے میں بیک نظر سے نہیں گزری، حالانکہ وہ اس کے سوتے تھے کہ اُن پر چند سطر کسی شہر سے نہیں مضامین اور مقالے لکھے جاتے! ہماری صحافت بھی نیا نہ تہ "نظم زندہ" ہو کر رہ گئی ہے !

خان بہادری سید الدین جیسے لوگوں کو دیکھنے کے لیے، آئندہ نسلوں کی آنکھیں ترسا کریں گی ! اللہ تعالیٰ اُن کی قبر کو سبز و ساقوت کو فروز و قسط سے ہمکنار رہا ہے (دائیں)

دردِ سعیدی مرحوم۔

صاحبِ ہمدردی مرحوم سے باقم اطراف کی انتہائی بد تکلفی کی وجہ سے، یہ شخص بڑا باغ و بہار تھا، عمارت کے ساتھ زیادہ وقت نہیں ہنسانے اور حلیوں اور چٹکوں ہی میں گزرتا، میں جن دنوں دکی میں رہتا تھا، اُسی زمانے میں (غالباً ۱۹۶۰ء) تھا، تب میرے محلے کے ہا کہ آقا صاحبِ ہمدردی کے فرزند آقا سرفراز کی کتابوں کی دکان (نگارستان) پر ٹونک کا ایک لوجوان نیا نیا ظلم پہنچا، یہ اس کا طبع ہے، شعر میں کہیں انداز میں وہ داد دینا

نشد آدم جس سے بڑا آغوش مشعر وہ اب سے چند سال پہلے قد صاحب کی کے لیے اہتمام منعقد ہوا، قابلِ اجیری ملازم اس وقت زندہ تھے، وہ بھی شریک ہوئے، اس مشعر سے ایک صاحب کی غزل کا یہ مطلع۔

شعر بھی جاوید ساقی پہ دو گھڑی کے لئے
تمام مگر پیڑی ہے روا روی کے لئے

اصل مشعر رہا۔

قد سعیدی کے بارے میں دو سال پہلے سنئے ہیں آیا کہ وہ جیل میں اس کی اطلاع کہ وہ کینسر جیسے مرض میں مبتلا ہیں ڈاکٹر آخر صاحب کے خط سے ملی، انہوں نے لکھا کہ قد صاحب کی حالت اچھی نہیں ہے کراچی میں آکر علاج کرنا چاہتے ہیں مگر علاج کئے آئے سرور یہ دیکھ کر ہر گاہ میں نے آخر صاحب کو بھی لکھا اور قد سعیدی کو بھی کہ آپ اللہ کا نام لے کر کراچی آ جاتے ہیں انشا اللہ سب کچھ بندوبست ہو جائے گا۔
گزشتہ رمضان میں وہ کراچی آئے، دو دن ایک ہوٹل میں ٹھہرے، پھر دفتر "خامان" میں آئے، اور پچیس دن قیام کیا میں انہیں لے کر جناح سنٹرل ہسپتال کے ناظم اعلیٰ نصرت زون خواجہ عبدالرشید صاحب کے پاس گیا انہوں نے فرمایا کہ کینسر کے شہر کے بوڑھے اکثر صاحب انچا سچ ہیں، وہ دوا دیتے ہوئے ہیں آٹھ دس دن میں آجائیں گے ان سے جملہ کار فرما رہے پھر وہ ڈاکٹر صاحب تشریف لے آئے، قد سعیدی کو انہوں نے دیکھا، اور بیل لگے کا مشہور دیا، مگر قد صاحب نے فرمایا کہ بجلی لگائیں بڑی تکلیف ہوگی، میری صحت اس تکلیف کو برداشت نہ کر سکے گی، اس پر صدر میں انہوں نے ہوسپتیک علاج بھی شروع کر دیا تھا، ابھی تھے کہ میں فائدہ محسوس نہ کر رہا ہوں، اس کے بعد وہ اپنے صاحب سے ملاقات کے لئے کراچی آئے۔
نظر آئے تھے کراچی کو آئی تھے مرافق نہیں آئے، یہاں کی آب و ہوا میں سانس کی تکلیف پیدا ہو گئی۔

نشد آدم سے ان کے خط آئے تھے، کئی خطیں لکھ کر پیچھے کے قلم میں فائدہ ہے، کسی میں یہ کہ تکلیف بڑھتی جا رہی ہے، اسی دوران میں ساکھڑ، ۲ ضلع لاہور پہنچے۔ میرا جان نکل آیا وہاں شہر تھا۔ روزنامہ جنگ کے نمائندے نے مجھ سے کہا کہ ڈی جی کشنور صاحب آپ قد صاحب کی مالی اعانت کے لئے کہیں مشعر بھی شروع نہیں ہوا تھا میں نے ڈی جی کشنور صاحب سے کہا کہ قد سعیدی صاحب آپ کے ضلع کے نامور شخص ہیں، کینسر میں مبتلا ہیں مشعر نشدے ان کی اعانت فرما صاحب برسرِ نعل خود فرمایا، مشعر و نظم ہو جائے گا بعد میں نے پھر کہا، معاملات میں تکرار اور ادبیری عادت ہے، ڈی جی کشنور صاحب مجھے ہم دوست، بان کے لئے اد تول کے کچھ خط لکھ کر بعد انہوں نے خود نشد آدم جا کہ قد سعیدی کی مزاحیہ ٹیڑھی کی اور اس پر یہ عبارت فرماتے۔

قد سعیدی کے مرض میں کبھی شیعہ پیرا ہو جاتا، کبھی افتادہ کبھی نیادنی، کبھی ہینڈ ٹنگ ہی اور چلھاؤ رسا، وہ دوبارہ کراچی تشریف لائے اور تقریباً ایک ہفتہ اپنے ہم وطن مشاعرہ قہر سعیدی کے یہاں گذر گئی کہ گذشتہ میں قیام فرمایا اور پھر نشد آدم واپس چلے گئے وہاں پہونچ کر مرض کے ساتھ کمر لسی بھی بڑھتی ہے، لکھنے پڑھنا تک متروک ہو گیا، دوسروں سے خط لکھاتے یہاں تک کہ ایک دن سچے سچے اخبار جنگ میں ان کے انتقال کی خبر پڑھی۔

قد سعیدی خود غنیمت میں جس سعیدی کے گن گئے دشمنوں میں بتدبیر توفیق کی، غرض کہ اللہ صاحب فقط شعر و مطالعہ ہی خاصہ وسیع تھا، دفتر "خامان" میں جب ان کا قیام تھا زمین نے فلسفہ کی کتابیں انہیں پڑھتے دیکھا، بال بچہ کے کھیلے سے آزاد تھے، ضعیف دلی کی بہت خدمت کی پر دیم میں وہ بھی دنیا سے جدا ہو گئے، شروع شروع میں نشد آدم کے کئی پرائیویٹ اسکول میں مدد کی، پھر وہاں انجیل پبلیشری میں منظم ہو گئے، ان کی توفیق اور خدمت نے اس تاثیر پر کچھ چاند لگا دئے، قصہ کے خاص دعاء میں ان کی شہادت تھی، جماعت اسلامی کے مجدد اور مولانا ابوالحسن علی مدظلہ العالی کے کئی قرآن تھے، شاہ کمالی، یک دیوان یادگار پھر تھا! اللہ تعالیٰ مغفرت فرماتے۔ (آمین)

مخبریں

شفاف گوپاری :

صبح کا فٹاب نہیں دات بھی گز گئی
نظم دل سے مہمے، آنکھ تھکے ہوئے
ذکر نہ چھوٹے، سادہ نظم نہ پھیرنے
کچھ پتہ نہ مل سکا، راز کچھ نہ کھل سکا
دو جلدہ گاہ میں بات بھی نگاہ کی
آج پھر تھا امتحان شعلہ زار عشق میں
دار کی حدود پہ بھی چھیل نہ ترک سکا

کیا عاشق آستان، کیا غم جیس شفا
رسم بندگی سے اب بندگی گز گئی

ظلمتوں کی آڑ سے روشنی گز گئی
بے کلمہ بہار سے ہر کلی گز گئی
جو گھڑی گز گئی، وہ گھڑی گز گئی
زندگی کی کھوج میں زندگی گز گئی
جور کی، رکی رہی جو بڑھی گز گئی
پھر غصہ جھک گئی مہم خودی گز گئی
موت دیکھتی رہی، زندگی گز گئی

خان زادہ مسیح الدی :

صحن جن میں آج نہ جانے کوی ہیں یہ دیوانے سے
موسم گل ہیں بھی یہ گلشن لگتے ہیں دیوانے سے
کس کس کے غم قد کریں ہم کس کس کے غم خوار بنیں
سب کے جہرے ہیں بے رونق رکے دل غم خانے سے
کون ہے اپنا کون پرایا یہ کہنا آسان نہیں
یوں تو میں سب لوگ ہما سے جانے اور پہچانے سے
ہوش و خود کی بات نہ کرنا عاقل یہ میخانہ ہے
اور جگڑ جاتے ہیں اکثر لوگ یہاں سمجھانے سے
بیگانوں کی اس تسبی میں کس کو ہم اپنا کہیں
کل جن کو اپنا سمجھا تھا آج ہوا وہ بیگانے سے

ماہر القادی :

حسن کے جملہ تینا فل کا گلہ ہوتا ہے
اُن کے اب لطف ہم سے بھی کیا ہوتا ہے
ہر نفس معرکہ کرب و بلا ہوتا ہے
آؤ مظلوم سے در ظلم پہ مغسور نہ ہو
ایک انسان کو وہ ہوائے چلے جاتے ہیں
بزم ساقی میں گزاری ہی بہت سی راتیں
نہ کوئی جلوہ نہ پردہ نہ حقیقت نہ حجاب نہ

کیا یہی شیوۂ ادب اب وفا ہوتا ہے
ایسی باتوں سے تو ظلم اور سوا ہوتا ہے
عشق ہر حال میں راضی بہ رضا ہوتا ہے
یہ وہ ناوک ہے جو شاید ہی خطا ہوتا ہے
صرف ہر دلد میں عنوان نیا ہوتا ہے
ایسی امید میں اب جام عطا ہوتا ہے
آؤی اپنے قصید میں گھرا ہوتا ہے

اپنے گلشن میں کہاں فصل بہار اسے ماہر
چند کلیوں کے پرنگ جانے سے کیا ہوتا ہے



ابے! تیز ترین پرواز! ٹرائیڈنٹ ۱-ای کے ذریعے

۹۵ منٹ میں
کراچی - لاہور
روزانہ ۳ پروازیں

۱۰۵ منٹ میں
کراچی - راولپنڈی
روزانہ ۲ پروازیں

ملک کے اندر چاروں میں تیز رفتاری اور آراہنہ کا نیا معیار



پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائنز

ہماری نظریں

تالیخ ابن خلدون

(حصہ اول)

ترجمہ: حکیم احمد حسین الدہلوی، ترتیب و تہذیب: شبیر حسین قرطبی (ایم اے)

مخافت: ۵۶۰ صفحات (جلد، رنگین گیلڈز، ہارڈ سائز) قیمت: پندرہ روپے

نئے کاپے: ۱۔ نفیس، اکیڈمی، پبلسس انٹرنیٹ، کراچی۔ ۲۔

علامہ عبدالرحمن بن خلدون (۱۳۳۴ — ۱۴۰۵ھ) کی شخصیت شہرہ آفاق ہے۔ انسان کی تاریخ و فکر پر بہت کچھ ہے ان کی اس تاریخ کے پہلے حصہ کا ترجمہ نفیس اکیڈمی نے خالص اہتمام سے شائع کیا ہے اس جلد میں قبل ولادت باسعادت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لے کر سنہ ۱۰۰۰ تک کے واقعات آگئے ہیں، یہ کتاب سیرت نبوی اور خلفائے راشدین کے مبارک حالات پر مشتمل ہے۔ کتب کا اختتام امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر ہوتا ہے۔

فاضل مترجم نے اصل ترجمہ کے علاوہ بعض واقعات کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے زاد المعاد فی ہدی خیر المعاد، تالیف ابن تیم جوزی دمشقی، سیرۃ ابن ہشام، کامل ابن اثیر، المفاضل اور فتوح البلدان وغیرہ مستند کتبوں سے استفادہ کیا ہے۔ امروزی شبیر حسین قرطبی صاحب نے اس دور ترجمہ کی نظر ثانی فرمائی ہے۔ اس کی تصدیق و تصحیح کی ہے۔ اس کتاب پر مولانا عبدالقادر اعظمی نے عالمانہ پیش لفظ لکھا ہے، ان کے اس پیش لفظ سے لفظ "خسوف" کے اصل ماحض کا پتہ لگا۔

"اہل مغرب یعنی تونس و مراکش کے لوگ اپنے لب و لہجہ میں نیک و ذیعت اور بد و بدعت کو بدعت کہتے ہیں، اسی طرح

انہوں نے خالد کو بھی "خالد" کہ دیا۔" الہی خالد بن عثمان کی اولاد "ابن خلدون" کے نام سے مشہور ہے۔

رخالد بن عثمان حضرت وائل صحابی رسول اللہ کے بیٹے تھے۔ جو حضرت عثمان ذالنورین رضی اللہ عنہ کے بہنوئی تھے۔

میں جو بدین کی ایک جماعت کے ساتھ برنت بہاؤ تونس آئے اور یہیں وہ چڑھے۔

کتاب کا ترجمہ سب سے زیادہ اہم نام ہے، حسن تہذیب نے ترجمہ کو متن سے بھی زیادہ دلچسپ بنا دیا ہے، ہر جگہ کہ دو متن مقامات پر ہے

نیز مرام "کو" یعنی مرام، چھٹا، عربی، تالیف کے یہاں املائی غلطی؛ ممکن ہے کہ یہ کتاب املائی غلطی کا رستہ ہی ہو۔

"اور نصیحتانہ باتیں کرنے کے لیے" (صفحہ ۹۴) "آدھیں" نصیحتانہ "کوئی ہوتا ہے۔" "اہل خلدون" پر پورے تھے۔ (صفحہ ۱۱۱)

"و از عطف" کا دجلان کے لئے تکلیف، وہ حد تک غلط استعمال۔ "نادر کا ہندو فرین اورٹ کے ساتھ ہیں تھا" (صفحہ ۲۵۰) "ہمارے تو

ابن خلدون کی کتاب تاریخ کا نام ہے۔ کتاب غیر دجلان المذہب اور الخلدی فی الامم العربیہ والبربر من عاہرہم من ملک المشرق ہے۔

بالافتاق مرنے ہے،

”دیئے ہیں اور جہلی مقطم“ (صفحہ ۳۶۸) کہ کتابت کی غلطی ہے۔ جہلی مقطم (یعنی کے بغیر) صحیح الفاظ ہے، اسی طرح صفحہ ۳۶۸ پر ”سجدہ“ کی جگہ ”زبدہ“ چھپ گیا۔ تشریح: پڑھ کر بھی دل میں کشمکش پیدا ہوئی کہ یہ غالباً ”تشریح“ ہوگا؟ تاریخ ابن خلدون کے اس ترجمہ نے کوئی شک نہیں، اُسودا میں قابل قیاس اضافہ کیا ہے۔

علم جدید کا پتہ از جناب وحید الدین خاں درکن مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء کھنور، ضمیمہ ۳۰، صفحات، کتابت و طباعت مجددہ قریب۔ مکتبہ کا پتہ: مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، ندوۃ العلماء، کھنور۔
اس کتاب کے ابواب کی فہرست حسبِ ذیل ہے۔

۱۔ تعین مذہب کا مقدمہ — تبصرہ — استدلال کا طریقہ — کائنات خدا کی گواہی دیتی ہے — دلیلِ آخرت — اثبات رسالت — قرآن، خدا کی آواز — غائب اللہ تعالیٰ مسائل — جس زندگی کی ہمیں تلاش ہے — آخری بات — محترم وحید الدین خاں صاحب بلند پایہ دینی مفکر ہیں، ان کا مطالعہ بھی بہت وسیع ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم وہ مطالعہ کے ساتھ ان کی زندگی بھی دینی ہے جو حقیقت و ثابت سے لبریز ہے، ایک بکری تھپسیں، الہول نے لکھا ہے۔

”یہ عجیب ترین اتفاقی ہے کہ اس کتاب کے ساتھ دعائیہ شخصیتوں کے نام وابستہ ہیں جو پچھلی پوچھائی صدی سے ہندو پاک میں دین کا نمایاں ترین نشان سمجھے جاتے ہیں، میری مراد مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے ہے، یہ بالواسطہ طور پر مولانا مودودی کا فیض ہے کہ پچھلے سال پہلے، اپنی زندگی کے ایک نامکست ترین مرحلے میں، میرے دل میں اس احساس نے غلبہ پایا کہ میں اپنی زندگی کو خدمتِ دین کے لئے وقف کر دوں، جس کا پایا قاعدہ منظر یہ کتاب ہے۔“ — محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ اس آواز کا حسن انجام میں، کیونکہ یہ انہی کی ذات والا صفات کا فیض ہے جس کی وجہ سے یہ کام اپنی موجودہ شکل میں تکمیل کو پہنچا۔“

اس قدر شرحِ مسئلہ کے ساتھ واضح ہو چکا اعتراف، یہ دلیل ہے لکھنے والے کی شرافت نفس اور غرض و حق پسندی کی! لہذا آج کی دنیا میں تو شاگرد اپنے اساتذہ سے اخراجات کرتے ہیں، اساتذہ محض اور تربیت کرنے والوں کو کوئی کیڑا دینا نہیں چاہتے۔
مقررہ کتاب میں، فاضل مصنف لکھتے ہیں۔

”موجودہ دور میں فکر و استدلال کا انداز بالکل بدل گیا ہے اس لئے موجودہ دور کا علم کلام بھی پہلے کے مقابل میں بہت کچھ مختلف ہوگا، اگرچہ باتِ دین میں جو کتاب کے مباحث کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہو سکتی۔“

اس کتاب کا آغاز مذہب کے صفات، تعینِ مذہب کے مقدمہ سے جڑا ہے، یعنی وہ مذہب کے بارے میں کیا بدگمانیاں، اراام، شکوک، اصرار و افتاد رکھتے ہیں، اس کے بعد لائقِ مصنف نے تعینِ مذہب کے اس ”مقدمہ پر تبصرہ فرمایا ہے اور ان کے ایک ایک اعتراض کا جواب دیا ہے۔

فاضل مصنف نے دلائل کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ سائنس دانوں اور فلسفیوں کے استدلال کے طریقہ میں کیا نقص پایا جاتا ہے اور یہ لوگ بے شعوری طور پر غفلت اور دین سے قریب تر رہتے، موت کے سلسلے میں ایک جاتے ہیں! اس کتاب میں عقلی و فطری دلائل کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ کائنات خدا کی گواہی دیتی ہے اور بتاتی ہے کہ میں، اتفاقی طور پر جو دین نہیں آگئی میرا کوئی خالق اور مینا نے والا ہے جو مجھے بنا کر مجھ سے بغیر تعلق نہیں ہو گیا، بلکہ اس کی راجحیت نظام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے!

”آخرت“ کا موضوع خاص مابعد الطبیعیاتی ہے، اور مادہ پرست ذہن اس موضوع کو منکریتِ ظہان میں مبتلا ہو جاتا ہے مگر سکتا ہے۔
 ”آخرت“ پر کسی دینی، عقول اور نظریاتی دلیل کی گئی ہے کہ طبیعت میں خدا یا بھیجی ہوئی زندگی کا جو سرچشمہ، قرآن سے قائل اور مطمئن ہو جانا ہی چاہئے۔
 اس کے بعد معنی دہانی سے اثباتِ رسالت کیا ہے، آنحضرتؐ یا میں بتایا ہے کہ قرآن کریم خدا کی آواز ہے! غیب اور تمدنی مسائل کی تفہیم پر مشرک
 کرتے ہوئے، اس حقیقت کو ثابت کیا گیا ہے کہ خدا کا قانون ہی ان مسائل کا صحیح اور فطری حل ہے۔
 ”آخری بات“ کتنی حقیقت آفرین اور دماغ آفرین ہے۔

”لاکھوں ایسے لوگ ہوتا کو نہیں مانتے اور پرستش کو یہ حق چہیز سکتے ہیں وہ اپنے خود ساختہ تئوٹر کے
 آگے جھک کر اپنے اندرونی خدایہ عبوریت کو تسکین دیتے ہیں یہ حقیقت ہے کہ ”اے انسان کی ایک نفسی
 ضرورت ہے“ اور یہی اس کا ثبوت ہے کہ وہ حقیقی ہے، ”اے انسان اگر خدا کے سامنے نہ جھکے تو اس کو دوسرے
 انہوں کے سامنے جھکنا پڑے گا، کیونکہ“ ”اے“ کے بغیر اس کی فطرت اپنے خدا کو نہیں کر سکتی؟ (ص ۱۷۸)

اور

”مگر بات صرف اتنی نہیں ہے اس سے آگے بڑھ کر میں کہتا ہوں کہ جو لوگ خدا کے سوا کسی اور کو اپنا معبود بناتے
 ہیں، وہ شکیک اسی طرح حقیقی سکون سے محروم رہتے ہیں جیسے کوئی بے چارہ کی مال چلا شک کی گزیرا فحید کر
 جوں میں رہا ہے، اور اس سے تسکین حاصل کرنا چاہے، ایک خدا انسان خواہ وہ کتنا ہی کامیاب کیوں نہ ہو اس
 کی زندگی میں ایسے حالات آتے ہیں، جب وہ سرچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ حقیقت اس کے سوا کچھ ہے جو حقیقی ہوتی ہے۔
 فکر و تحقیق کے اس قسم کے پس و پیش اور جواہر سے یہ فریاد دین و دانش روشن رہتا ہے کہ کتاب ان جملوں پر ختم ہوتی ہے۔
 ”اے انسان! آج ہی سونے کے، کیونکہ کل تو سنے گا، مگر اس وقت تیرا سنا بے کام ہوگا، آج ہی سوچ کے کیوں کہ
 موت کے بعد نہ۔“ ”چہ گا مگر اس وقت کا سوچنا تجھے کام نہ لے گا، خدا کا راستہ تیرے سامنے کھلا ہوا ہے، خدا
 کی کتاب کو اپنی زندگی کا دستار بنا، آخرت کے دن کے لئے تیاری کر، یہ ہی تیری کامیابی کا راستہ ہے، اسی ہی زندگی
 بھی ہوئی ہے جس کی تجھے تلاش ہے“

زمین و آدم ہر یا مانگندہ و باطنش و ازل اور فضیول کے دوسرے مکاتیب فکر، اس کتاب میں ان غلط اندیشیوں کے انکار
 کی بنیاد پر فلسفوں کا تجزیہ کر کے بتایا گیا ہے کہ ان کی گراہی کا اصل سبب کیا ہے؟ یہ عظیم کتاب مثبت افکار میں خدا، رسالت اور آخرت کی آئینہ انگیزی
 اس زمانہ پر چمکتی آواز ہے خدا فکر کی تردید کرتی ہے، مسائل کی تجزی و تحلیل کا انداز اس قدر عالمانہ ہے کہ کتنے بڑے بڑے لمحہ اور خدا ناستناس، ان فکر
 اس کتاب کے دلائل کی روشنی میں غلط اندیشیوں کو نظر آئے ہیں۔

خاص مصنف نے جو بات کہی ہے عقل و استدلال کی پوری قوت کے ساتھ کہی ہے، خدا ناستناس نظریں کے نظریوں اور دلیلوں کو کر خدا مطمئن
 کرنے والے افغان ہیں تو یہاں اس نامی ذہن میں کیا انقلاب ہے اس کا حال مصنف کی زبان سے سنئے۔

”اگر یہ استدلالی نظریہ استدلال کو حقیقت قرار دینے کے لئے کافی ہے تو یہی استدلالی بعد جہاں نیا وہ شکت کے
 ساتھ مذہب کے حق میں ہو جاتا ہے ایسی حالت میں نظریہ استدلال اگر سائنسی حقیقت قرار دینا اور مذہب کو سائنسی بن
 کے لئے ناقابلِ تردید بنائے تو صرف اس بات کا مظاہرہ ہے کہ کتاب کا مقدمہ اصل ”طریق استدلال“ کا مقدمہ نہیں ہے
 بلکہ وہ تجویز سے متعلق ہے، ایک ہی طریق استدلال سے اگر کوئی خاص طبیعتی نوعیت کا واقعہ ثابت ہو تو آپ خدا آئے

بول کر اس نے اہل انکساری کو نصیحت کی چیز بتا کر کہ آپ اسے دیکھ دیں گے، کیونکہ یہ نتیجہ آپ کو پہنچے نہیں۔
اللہ

اوپر کی بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مذہب ایمان بالغیب کا نام ہے اور سائنس پرینٹ
بالغیر و کا۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہب ایمان بالغیب پر عمل کرتے ہیں، مذہب دراصل شیام
کی اصلی اور حقیقت متین کرنے کا دائرہ ہے سائنس کسی وقت تک شہدائی علم ہے جب تک وہ ابتدائی
اور خارجی مظاہر پر کام کر رہی ہو جہاں وہ اشیاء کی آخری اور حقیقی حیثیت متعین کرنے کے میدان میں آتی ہے،
جو مذہب کا اصلی میدان ہے تو وہ یہی ٹھیک اسی طرح ایمان بالغیب کا طریقہ اختیار کرتی ہے جس کا مذہب
کو لازم دیا جاتا ہے۔

یہ کتاب بتاتی ہے بلکہ اس کی شہادت دیتی ہے کہ فاضل محنت کا مطالعہ بہت کچھ ہے اور انہوں نے سائنس دانوں اور فلسفیوں کی اصل کتابوں کو
پڑھا ہے۔ کتاب کی زبان سنجی ہوئی اور اسلوب نگارش سادہ و پُر کار ہے، نازک سناں کلمات سلجھا کر کہے ایک دو جگہ زبان کی خشک محسوس ہوتی
مثلاً صفحہ ۳۰۱ پر "سبک" کو مرث لکھا ہے اور صفحہ ۹۰ پر کہ اس جملہ میں۔
"اس وقت کا سوچنا تجھ کچھ کام نہ آئے گا۔"
"تجھ کی جگہ" تیرے "لکھنا چاہئے تھا۔"

معم حیدر کا بیچنے "بلند پایہ کتاب اللہ اسعد ادب کا قابل قدر سرمایہ ہے اس کے مطالعہ سے ایک طرف معلومات میں اضافہ ہوتا ہے اور
دوسری طرف خود فکرین کا فکری اور عقلی مقابلہ کرنے کے لئے اس کے مطالعہ سے دلیلیں ماخوذ آتی ہیں یہ کتاب زیادہ سے زیادہ اشاعت کی مستحق
ہے دوسری زبانوں میں بھی اس کا ترجمہ ہونا چاہئے۔

مقام غالب محمد موسیٰ خاں کلیم، پرنسپل گورنمنٹ کالج نوشہرہ، ضلع خٹک، ۲۵۶ صفحات (دو شتابلہ) قیمت چھ روپیہ پچاس پیسے،
نئے کاپڑے، سلاخ۔ نئی تحریریں، بیرون مشنت ٹریڈر پشاور۔

غالب پر سب سے پہلی کتاب (یا دیگر غالب) مولانا الطاف حسین حالی نے لکھی اور اس کے بعد سے غالب پر جو کتابیں کا سلسلہ شروع ہوا ہے
تو یہ آج تک جاری ہے اسلئے غالب کی حالت اور اس کے فن سے محبت کرتے ہیں اس محبت اور عقیدت خاطر کی بدولت غالب پر کتاب شوق و مدح کے
ساتھ پڑھی جاتی ہے؛ مولانا محمد حسین آزاد نے آج اب حیات میں غالب کو وہ مقام نہیں دیا جس کا وہ مستحق تھا یا دیگر غالب کے بعد غالب کی شہرت پر سب سے
بلند کتاب ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری کا مقدمہ ہے، جس کا یہ سببنا جملہ ہی مرزا بشیر بن کمال گیارہ گیارہ۔

"ہندوستان کی الہامی کتابیں دو ہیں، وید مقدس اور دیوان غالب۔"

گزشتہ ربع صدی میں دو شخصیتیں غالب پرستہ تھیں مگر اب یہ متعلق بلند پایہ کتابیں لکھی ہیں۔ دسائیٹ کی ہیں۔ یہ
دو شخصیتیں راکلہ ملام ایم۔ اے۔ اور مولانا امتیاز علی خاں عسکری رام پوری (غالبیات "پر گارڈ" کا دوسرا جلد) ہیں؛
اب غالب کی شخصیت کی تمجید اور اس کے فن و فن پر جناب محمد موسیٰ خاں کلیم کی یہ کتاب منظر عام پر آئی ہے جو اپنی جگہ اس موضوع پر
کئی ٹکڑے ہیں ایک منفرد کتاب ہے؛ فاضل ناقد نے انتہائی دلی شہین انداز میں غالب کے ادب کی تشریح کی ہے اور ایسے لیے شاعرانہ نکتہ بیان کے
میں جو وجدان کو چرنا کے ساتھ، ذوق و طبیعت کو فرحت و انبساط بخشتے ہیں؛ پوری کتاب انتہائی دلچسپ ہے جسے پڑھ کر۔
سہ محسوس یہ ہوا کہ گلستان میں آگئے۔

مرث ایک اقتباس: —

”اگرچہ سے دیکھا جائے تو غالب کا نظریہ عبادت ایک مجموعہ افساد ہے اس میں خود سپردگی اور خود داری کا انداز
کی آمیزش ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کو اپنے اندہ جذب تو کرنا چاہتا ہے، مگر اپنے بشری خصائص کو کھو دینا گوارا نہیں کرتا
اُسے قوت میں کہنے کا جزم ہے اس میں نہ ہونے کا عنصر: وہ جانتا ہے کہ خدا تعالیٰ قوت کا خزانہ میں، انہیں اپنا کر
وہ قوت کی انتہائی بلندیوں تک پہنچ سکتا ہے اور پہنچنا چاہتا ہے، لیکن وہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ اس کی
قوت کے حصول میں کہیں اپنے وجود سے دست بردار نہ ہونا پڑے۔ چنانچہ دیکھو وہ خود ہوا تو وہ اُن پھڑکنے کو تیار ہے۔
ان چند معمول سے ناقص فائدہ کی رفعت فکر اور دیدہ دلی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

کتاب کی زبان خوب نہیں، بہت خوب ہے اظہار نگارش خوب تر، یہ ایک جگہ، —

”ایسے جاہل یا سول سے اُسے پڑے ہیں۔“ (صفحہ ۲۶)

کھٹکا، ”پتے پڑے ہیں، لکھنا تھا،“ انا ”گرو غلبہ کے لئے بولا جاتا ہے“ اسی طرح، —

”میرا دل کسی جاں گد سے اٹ گئیں“

صفحہ ۵۲ پر غالب کے جن ہم عصر ہیرا کوڑکی کے ہیں ان میں مولانا صدیق الدین آئندہ کا نام آنے سے رو گیا۔

”اگرچہ مولانا نفع حق خیر کا دی کے اصرار پر غالب نے اس تحریک کے خلاف ایک شکاری بھی لکھ ڈالی تھی، لیکن
واقعات اس امر کے شہید ہیں کہ خود غالب کا مسلک وہی تھا جس کی اس تحریک میں متعین کی گئی تھی۔ یعنی تقلید
کے خلاف بھار۔“

شاہ سلیمان شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تحسینک دماغ ”شُرک و بدعت“ کے خلاف بھارت، اس تحریک سے غالب کے افکار و عقائد نے کوئی اثر قبول کیا ہو
اُس کی زندگی اور تحریکوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ملتا، جو شخص یہ کہتا ہو۔

مشغولی حق ہوں بندگی پور تر اب میں

اُس کے پاس میں یہ بات کہیے مانی جاسکتی ہے کہ وہ شاہ انھیں شہید کی غیر تقلیدیت اور ترمیمی افکار سے متاثر تھا۔
مرزا غالب پر تقلیدیت بلکہ ایک حرکت ”شیعیت“ کا اثر ملک غلبہ رما، شیعیت کا مسلک بہر حال تقلیدی مسلک ہے اور جب مرزا غالب
یہ کہتے ہیں: —

سے شیعہ کیوں کر ہو مارا دارا انہری

تو وہ ”تقلید جاہل کا اعلان کرتے ہیں، کیونکہ علماء دارا و مارا انہری کو خفیہ مذہب کی تقلید میں بہت متشدد تھے۔

مولانا فضل حق کا اس کتاب میں کئی جگہ ذکر کیا ہے، حیرت ہے کہ لائق مصنف نے اُن کی اصل شخصیت ایمان کے ”نفسی ہونے کا ذکر نہیں کیا؛

”معاصرین غالب میں سے بڑی شخصیت سر سید احمد خاں کی ہے اگرچہ وہ بھی اس ماحول کی پیداوار ہے

جس نے غالب اور اُس کے رفقاء کی تربیت کی“ (ص ۶۸)

سر سید احمد خاں مرزا غالب سے کم از کم بیس یا بیس سال چھوٹے تھے۔ اُن کا شمار غالب کے کہیں ہم عصروں اور خدعوں میں کیا جاسکتا ہے۔

”غالب یہ عمر کا پہلا مرقع تھا، جب کہ غالب کو ادبی مہممت کے باعث اس تند تلخ کام میں پڑا، اس تلخی

کو اخراج میں۔ جو ۱۸۶۰ء اور ۱۸۶۱ء کے فطرتی رنگ۔ مزاج، اندام، جسم، خواہش، تخیل، اُردو، مادہ، عقائد۔“

کلمتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشین اکثر میرے سینہ میں مارا کہ اے! بے (صفحہ ۱۰۲)

یہ وہ قطعہ ہے جو غالب نے کلمتہ کی سیر و قریح اور دلوں کی رنگین صحبتوں کی یادیں کہا ہے اس میں کئی تلمیح کا ہر ذکر نہیں ہے تاہم اس قطعہ کے پسے شعر کو دوسرے اشعار سے جو پس پس ہیں، عینہہ کر کے پڑھا اسلاس کے واسطے غلط طے قائم کی۔

”غالب نہ تجھ کی کھر کاروں میں کھو جاتا ہے اسنے عقل کی رعنائیوں پر مرستا ہے“ (دس ۲۵۶)

یہ سب غلطی طرہ پر تو ممکن ہے مگر معنی لحاظ سے ابھی ہوئی سی ہے۔ پھر عقل کی رعنائی خاص طور سے محسوس ہے کہ ”رعنائی عقل کی صفت نہیں ہے“ ”عقل کی بجائے“ ”تب و تاب“ (دس ۶۷)۔ ”فصوص الحکم کی جگہ۔ خصوص الحکم“ پڑھ کر طبیعت نے دھشت محسوس کی یہ کہ بت کی ضعیف و معلوم ہوتی ہے۔ کوئی شک نہیں متقام غالب اور نیچے درج کی تنقید کی کتاب ہے!

مترجمہ: محمد رحیم دہلوی۔ ضخامت ۲۷۶ صفحات (مجدد، سنگین گرڈ پوش) قیمت پانچ روپے
حضرت اکبر کے شب و روز
لکھنے کا پتہ:۔ مکتبہ مغربیہ، بازار آؤس للہ رس مدو، لاہور

جناب محمد رحیم دہلوی احسانہ کتابوں کے مصنف ہیں۔ سال دسالیں ان کی ایک نہ ایک کتاب آتی رہتی ہے اس کتاب میں انہوں نے حضرت اکبرؑ کی ہی کی تفسیر کے اعتبار سے ان کے شب و روز بیان کیے ان کی سیرت کو مرتب فرمایا ہے۔

اس کتاب سے حضرت اکبرؑ کی زبانی معلوم ہوا کہ ”ان العصر کا خطاب میر غلام بھیک نے اکبرؑ کے لئے تجویز کیا، جسے عوام و خواص کی تائید اور قبولیت حاصل ہوئی، اس سید احمد خاں کے بارے میں اکبرؑ لکھتے ہیں:۔

”معلوم ہے اس پرانی نظموں کو تہذیب اسوائی صاحب کمال سے بیٹھے، اب کو معلوم ہے کہ سید احمد خاں صاحب مرحوم نہ صرف ہندو کے حامی تھے، بلکہ ان کیوں کو سرکاری اسکول میں جانے اور جہانگیر کے پڑھنے کے مخالف تھے، اس پتہ منظم سے مذہبی تعلیم کی کو مناسب سمجھتے تھے۔“

اگرچہ اس سے جدید تعلیم یافتہ نوجوان اس خاص طور سے ان کے سیرت اور اہل اہل اس وقت کے اس کو لیں ان کا بھائی کی تعلیم و تربیت نے انسانوں کی سیرت و کردار پر کتنا غلط اثر ڈالا ہے: اور یہ ”خلو و تعیس“ تو اخلاق و شرافت اور عظمت و پاکیزگی کے شہید نظر آئے گئے! سید احمد خاں اب سے ستراتی (۱۹۰۷ء) سال پہچان ان غصوں کو محسوس فرما چکے تھے۔

ان کے ہاں جزا سے عشرت عین مرحوم کی زبان سے اکبرؑ اللہ آبادی کے آخری کلمات میں موصوف کے دینی شغف کی کیفیت ملاحظہ فرمائیے۔
”خواجہ صاحب کے پونچھنے سے دو دن پہلے غشی طاری ہو گئی تھی، لیکن جملات اور جملہ کی حد میانی ملت میں یکایک پیش آگے، جیسے کہ اس کے قرآن شریف اور عینک لاف، بتایا گیا بات ہے، نگاہ پر نہ صحت ڈالے، بولے خلافت اور تہجد نامہ کہ دوں، یہ جملہ غم کہ نہ ہی بیہوش ہو گئے۔“

اس زمانہ میں تو ایسی باتیں کلمتہ معلوم ہوتی ہیں! یہ ہمارے وہ اسلاف اور مشاہیر ہیں، جن کی زندگیوں میں پامانہ سٹے اچھا نمونہ ہے۔

طبیعت اس قدر بے بہت ہوئی ہے کہ بے اور غلط بھی نہ ہند محسوس ہوتی ہے

پڑھا اکبرؑ اللہ آبادی نے، جس زندگی میں ”یا خدا“ نہ ہونہ صحت سے بدتر ہے۔

ملہ کہ ہیں: کلمتہ، لکھا ہے، اپنی ہی ہے کہ ”عینہہ“ ”کہ“ ”کلمتہ“ ”ماںہو“ ”دآبہ“ ”یعنی“ PROPER NOUNS (اسما و معرفہ)
ہیں اس نام کے ادا میں چاہئے وہ کسی حالت میں واقع ہو، تبدیل نہ کی جائے مگر تلفظ ”ے“ کے صرفی اظہار کی تہہ کہا جائے!

حضرت اکبر معمولی حیثیت سے کشن بھی بلکہ کہتا جاتے، مافی کشت کی بھی نیکس ہوئے گئے تھے۔ (صفحہ ۱۲)
 یہ بات غلط ہے، کشت کی جگہ نہیں ہے! سیشن بھی ہے اُن کی پیش ہوئی اور اُس زمانہ میں ایک ہندوستانی کے لئے بہت بڑا عہدہ تھا۔
 ”ہزار کو سلام کئے اگر کیا تو بڑی خوشی ہوگی۔“
 فٹ فٹ میں ناضق مرتب نے ”ہزار تو کو“ — انیسویں ستر آؤ، برن، ای، ایس آئی، چیف سکرٹری صوبہ سندھ — بتایا ہے: حالانکہ اس زمانہ میں
 ”ہزار تو“ کا لقب لفٹنگ گورنر کے نام اور عہدے کے ساتھ استعمال ہوتا تھا۔
 اس کتاب کے چند منتخب اشعار: —

ہواک کو موت کا دک دن پیام آئے گا
 اگرچہ تلخ ملامت، بحرِ غم فی کا
 آج جو کفسر سے معروف ہیں سہو گوئی میں
 جب یہ دیکھا کہ جہاں میں کوئی میرا نہ رہا
 گھر کو چھوڑے ہوئے مدت ہوئی حصار مجھے
 انہی کی مطلب کی کہ رہا ہوں زبانِ یسوی ہے بات اُن کی
 خدا کا نام لئے جاؤ، کام آئے گا
 مگر محفل نہیں ساقی سے بدگئی کا
 ہوش آئے گا انہیں موت کی بے ہوشی میں
 شدتِ یاس سے ہیں آپ بھی اپنا نہ رہا
 کس چین میں تھا شامین یہ نہیں یاد مجھے

انہی کی محفل سنوارا تا ہوں چراغِ میرا ہے رات اُن کی
 خدا کی پاک پکار تا ہوں ہوا کرے ناخوشی ہوں کر
 جس بے اسباب غفلت، چشمِ عبرتِ رو چکی
 مری غریب کچھ نہیں کسی سے تو پھر مرا کوئی کیا کرے گا
 میرا جتنی تھی بھی کیا اور جتنی جو کچھ وہ ہو چکی
 اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اللہ آبادی سے اس دور کی کن شخصیتوں سے کیسے تعلقات تھے اُن کی ناخوشی زندگی کے بعض معمولات کیا تھے؟
 حضرت اکبر کے سارے حیات پر یہ بالکل نئے انداز کی کتاب منظرِ عام پر آتی ہے۔
 پروفیسر منظرِ حسین خٹک، ضخامت ۶۷، اصغر فاتر، رنگین سرور ورق، قیمت ۵ روپے پچاس پیسے۔
 دیوارِ اہد، نئے لاپتہ، — مکتبہ علم، بھوانہ بازار، لائل پور

پروفیسر منظرِ حسین خٹک، تعلیمِ ہند کے فن بھی معروف اور مقبول تھے، اصحابِ قلم کی شہرتِ اُس وقت میں سورج دینا کے طور پر دواں ہے
 شروع شروع میں خٹک صاحب کا تعارف ناگہم، جھل پھڑا، اہراؤ، دے پھڑ... یعنی یوں کہتے کسی۔ پی ٹک محمد تھا، مگر وہ پھر چند برس میں
 ہندوستان کے ہر خط میں متعارف ہو گئے، ان کی شہرت میں کسی پوز پکینڈے کا نا تھا نہیں ہے، اپنے فن کی قوت کے ہمارے وہ شہید ہوئے ہیں!
 اپنے اس مجموعہ کا نام پانہوں نے خود مقدمہ لکھا ہے جس میں بتایا ہے کہ آرٹ کیا ہے! اس کے کیا لوازم اور حرکات ہوتے ہیں اور ہونے چاہئیں۔
 یہ ایک نثر کا عجیب سا مقالہ ہے!

پروفیسر خٹک کے کام میں بڑا تنوع پایا جاتا ہے، منزل کے علاوہ انہوں نے مختلف موضوعات پر پڑی مکتبہ کی نظمیں کہی ہیں انہیں خیال کیسے
 وہ اُس وقت جن ترکیبوں سے کام لیتے ہیں، اصحابِ بلاغ کے لئے جو اسلوب اختیار کرتے ہیں اُس نے اُن کی شاعری میں انفرادی آہنگ پیدا کر دیا ہے۔ اُن
 کی شاعری میں وقار کی جگہ کا یہی ہے اور نثر کی جگہ کا یہی ہے۔
 منتخب اشعار: —

کتنے بیگانے نغمہ میں جذب ہو کر رہ گئے
 کتنے دنیا اپنے طرف لوں میں سو کر رہ گئے

وقت کا طغیاں اسی صدمت سے ہڑھتا جائے گا
 غم کی دھوپ سے رکھے تجھے خدا محفوظ
 ہونٹوں کے اک تبسم لبس کی موہ سے
 سوچوں کے پیر و تاب کو میں سوچتا رہا
 اکسب جس پر کنارِ تمنا میں ڈوب کر
 میرا نام بھی تیری رسوائی
 کاراں ہنستے چلیں، یا قاتلے ہوں اشکبار
 نغموں سے جو وہ چلے جاتے
 افق کا منہ اجلا دھو رہا تھا
 سیاہی فلک پہنچتی ہوئی جہاں
 چلے کھنکھن چن پھولوں کی لہر سے
 فلک پہ میکہ سے پرتو لگتے ہیں
 ہوائ آئے کلیں چٹکیں: پھول کھل کر جاتے
 ڈگر ڈگر سہاگنی چھوٹے کوئی رنگ نہ آئے
 برکھادت پھر چھوڑ رہی ہے بھولے بسترِ راک
 رواں رواں تھی زبیں پر مسرتوں کی جہات

”نضا و آدم“ ایک نظم کا عنوان ہے اس کے چند بند لکھتے آچکے ہیں۔

کھانا ہے ہر جگہ میں ملک و وطن کا خضم
 چلتا ہے لے کے دین و مساوات کا علم
 لیکن جگہ کے دین و مساوات کا چرنا

گھر خود بھی آدمی کا جھلنا ہے آدمی

گروہ اب سے بھی ربط ہوا ہے بھی ہے تیز
 کشی سے بھی رگ ڈبہ۔ س من سے بھی گریز
 کشی کا ناخدا ہے مگر اس کے باوجود

طوفان بھی ساحلوں سے اٹھاتا ہلکا دی

مریخ زہر دام، قسمر پر بھی ہے کشند
 نعت میں اک کشن کی بندی سے بھی بلند
 لیکن جہاں دکھاتا ہے پستی خمیر کی

توٹا لٹری میں ڈوب بھی جاتا ہے آدمی

نظم - ہمدان کے دفتر سے۔

یادِ سرسبز ہوا میں شاعر کے خیالات
جیسے کسی چمن سے لگتی ہو کوئی بات

کھڑے ہوئے جہیں میں سید پوش گشت تین
ہراتی ہیں جس طرح شب تار میں یسلی

خنگ ہوا ہے بھی ہیں دل نگارے ساقی
گنہ چکا ہوں میں بیگاد مارے ساقی
آخرت میری تبا دیا مرے دامن کا چاک
میں سجا کی شریعت میں ہیں گوتم کا دھرم
بہر دوستان کے آئیں، تقدس کے سجد
میری اک کروٹ بڑھاپا میری اک کروٹ شب
زیگیوں کے ہاتھ میں آئینہ دیدیا ہوں میں
تو بات نہ دیکھ کے بالوں کو بدل دیں
یا دشت تمدن کے عقابوں کو بدل دیں
ہم اس گشتِ نگرینے کو خدا لے کرے چھوڑ دینے
خون دیندی کو بھی بھل بھٹانے کے چھوڑ دینے

(خوبن بہاگ) یہ کون دشت ہے جس کے سیاہ است غزال
شہر بھی ہے کہ ترے بیکدے سے کتنی بار
(دلت، بنادیش) حال میرا نقش پا، مانع مرے مہر کی خاک
میں کلیسا کی آوا میں لہے دیر و حرم
قدسیوں کی بندگی نعت نشینوں کا قصہ دو
میرا اک پر تو آنہ حیرا، ایک پر تو آفتاب
انتقام حسن چہرہ دل سے جہاں لیتا ہوں میں
(صبح جہد) پردے رُخ جاگیر و معاش سے اٹھا کر
یا بچہ کینٹک و کیو تو بھی ہو اُٹا کر
(یقین حکم) اگر دو چار غنچوں کو ہنسی آئی تو کیا آئی
گہر کا ذکر کیا، اس بحرِ پایاں کے سینے میں
ایک دوسا فادہ دوست کے نام م

دامن ہو چاک چاک تو چہر دھجیاں نہ دیکھ
مستے میں چل تو سایہ ابرمدان نہ دیکھ
ساحل پہ قدم تیری کہاں کشتیاں نہ دیکھ
اُڑتے ہوئے ہوا میں فقط بادباں نہ دیکھ
تاریک چوڑی تو سوئے آسمان نہ دیکھ
گہریں کا سوگ، شہر کی دھوپیاں نہ دیکھ
یہ آسمان یہ دنیا تے نیل کے دھامے
دلوں میں برق و شمشد کی چمک چھپا ہوئے
کہ ملتوں میں مقامِ فلام کچھ بھی نہیں

پوشی جنوں میں عالم سود و زیاں نہ دیکھ
منزل ہوسا نے تو کراچی دھوپ سے نہ ڈنڈ
عروانی جسم ہو تو کسی مروج کو پکار
طوفان سے کہ کلام، ہوا کا مزاج پوچھ
جسٹس ہیں آفتاب سے کچھ تو بھی کم نہیں
توک جا کسی حبیب کی دیوار کے قریب
یہ بلیوں کے نشیمن، ہوا کے گہرا مے
سروں پہ بار مہر و کہکشاں اٹھائے ہوئے
یہ کہ ہے ہی ترے صبح و شام کچھ بھی نہیں

اسیر ہوں تو امیر و امام کچھ بھی نہیں
جہاں میں حلقہ بگوشوں کا نام کچھ بھی نہیں

مردم میں جس کے ستاروں نے نفس زد کیا (نور بہار)
 یہ بے چراغ تری قبر، یہ نفاستِ انسان
 دس کو جس کی کینہ کو بستر سے اٹھ کے دسے آواز
 دس کو جس کی جیس نے سوا دھوکہ کیا
 یہ تیرے سینہ نازک پہ نظموں کی چٹان
 کہ اک چراغ تو ہر تری مات کا دم ساز

ابھی تو خود ہی اندھیرا ہے لیکن اسوں پر

ابھی تو "نور" کا دھوکا ہے چاند اسوں پر

اگر خیال ہو آواز تو نفس بھی چن (ایکم نفس ہے)
 حلیہ برق بھی میں خالق بہار بھی میں
 یہ درد میں کو سمجھتا ہے غلوں کا غبار
 زلف کا سایہ جس کی صبح پر ملتا ہوا (ملکہ زریماں)
 وہ بھرے ہاند وہ نکلے تباہے زندگار
 جو گھٹن میں ڈوب جاتا ہے وہ بد منیر
 آنسوؤں سے دیدہ تجھ پر جب ہوتا ہے غم (رفاعتی محرم)

زندہ باد! اے ابرنیساں! اے بہادر کے رسول

اندھ کچھ تھوڑی سی شبنم اندھ کچھ تھوڑے سے بھول

سرمگوں ہو کے نہ کر عظمتِ آدم کو ذلیل (وقت کی آواز)
 غلوں کے جگر چاک ہونے لگے (شکست پندار)
 کہ سمجھے ہمیں منظرِ نور میں
 دھوپِ وحشی نہ پائی چلا رہا

شبنم بھی پتہ دار نہ ہو ذبحی صدار ہے (زنگوہ با مایاب)
 ہر شام سید پوش ہے پیغمبرِ انوار
 خود میری نگاہوں سے شوقِ عالم میں جتا
 جس سے نہ ڈھلے سینہ آدم کی سیاہی

کسی عارض چہ تابانی نہیں ہے (رخشاں)
 تجلی ہے کہ طغیانِ شب تار
 خطا میری تجلی کی نہیں ہے
 جہاں نفوں پہ ہر سے خندہ زنی ہوں

جہاں سینوں میں ہو قبروں کی تسلی (خود شہید)
 جہاں تنکوں سے شرمندہ ہوں بیکار
 نقمہ بار پد تیشہ کو کھن

جہاں گوئیے کلیمِ احسن ہوں
 جہاں بختے ہوں آئینوں پہ زنگی
 جہاں تنکوں سے شرمندہ ہوں بیکار
 نقمہ بار پد تیشہ کو کھن

(عزبان ذات)

میری آواز، آواز کون و مکان
تیرا نفس، فقط نفسِ انجمن
تجہ کوٹنے کا دکھ مجھ کا نفس کا غم
تو ہلاک نفس میں ہلاک چمن

پودہ چوکشتم زربخ معنی اداک
باتیرہ ہسارال چہ کیم غالب گفتار
نفس چہ سرایم بہ حریفان گول گوش
باتیرہ ہسارال چہ کیم غالب گفتار
باتیرہ ہسارال چہ کیم غالب گفتار
باتیرہ ہسارال چہ کیم غالب گفتار

ہر نفس چگ و تار کا عالم
ہر نفس اک سرود ہے آواز

ہر نفسی کے لئے ظرفِ نظر ہے دکھار
آئینہ ایسے میں چھلک جائے تو بھر کیا ہوگا
جسہ انداز لگاں گراں قدماں بھی نہیں
اُس کا دامن بھی نہیں پناہ گیاں بھی نہیں
منزل میں کس کی سمت نمایاں بھی نہیں
ایک مدت سے کسی خار کا اسیان بھی نہیں

تو نے مرے درد کا دماں کیا
دل کو اپنی تنہائی کا کچھ قسم نہ تھا
اُس کی آنکھوں کا ارشادِ مبہم نہ تھا
دل دھڑکنے کا لیکن یہ عالم نہ تھا
غنیہ اپنے تبسم پہ مجھ کو تھا
نوں شیکا تھا زباں پر مری آنکھ سے

چلتے چلتے جہاں شوق ہم ٹک گئے
اپنا رخ مساد ٹول کو بدلنا پڑا

دوسرا رخ

نفس کی کیا وادی ایام میں روپوش ہیں
نفس ساریں پرشیدہ یا خوابیدہ ہیں، اس طرح تو بولتے، کہتے اور شعر میں بھی نظم کرتے ہیں، مگر وادی ایام میں نفوں کا ردِ پوش ہونا اس میں بے تکلف پایا جاتا ہے!

یہ بادلوں کا نفس یہ سرودِ مرد ہوا
یہ سنتاتی ہوا تم یہ بولتے ہوئے ساز
”بادلوں کا نفس“ نئی ترکیب بنائی کہتے، نئی دیانت ہے، مگر کب کو نہیں لگتی: بھر بادلوں نہ ہوں تو بھی مرد ہوا جتنی ہے گراں شعر میں سدا ہوا
کو بادلوں کا نفس کہا گیا ہے، اگر بادلوں کے نفس سے بادلوں کی گویا مراد ہے تو بھی بات کچھ بی نہیں — پھر لک ہی میں مرد ہیں، ہوا —
دوسرے مرد ہیں، ہوا کی تکرار۔۔۔ ۱۱

شعر میں کوئی خاص مطلب نہیں !
 کہے خبر تھی کہ تجھ کو پکار تے اے دوست
 انہی نغموں میں کھوجا جائے گی مری آواز

تھپک کے جن کوسلائے گی مات بھر شبنم
 وہ غنچے صبح کی لوسے بھی لپکائیں گے
 "تھپکے" کے نغمے کی ہواؤں سے تو مناسب درست ہے مگر "شبنم" سے یہ نسبت کہ وہ غنچوں کو مات بھر تھپک تھپک کوسلائے گی، مشابہ ادب
 قرینہ کے خلاف ہے۔ "صبح کی لوسے" بھی محل غلط ہے۔

تجھے بھی یاد ہے ان بدلیوں کے سلائے میں
 تری نگاہ نے توڑے ہیں کتنے میمانے (ص ۱۸)
 "پیماؤں سے فنا ہوا" دل کے پیمانے، مراد میں، ایسے تو قول پر محذوفات (ص) طرح اس شعر میں "دل کے" محذوف ہے، مگر دل کو کھٹکتے ہیں !
 اگر شبنم کے پیمانے مراد ہیں تو ان کو وہ نگاہ توڑ سکتی ہے، جس نے مسمریزم کی عشق کی ہو کر کسی کا پانچ یا سیشہ کی بنی ہوئی چیز پر غصہ ڈال دیا اسے
 چن سے توڑ دیا۔

مری نگاہ میں رقصاں میں بسکروں طوفان
 مگر خدا ذکرے کوئی مروج تجھ کو جگانے (ص ۱۹)
 کس چیز کے طوفان؟ اساتذہ کی، اسید و شوق کے، اس کی طرف اشارہ کرنا ضروری تھا، پھر ان طوفانوں کی مروج محبوب کو جگانا کس طرح ممکن ہے !
 غمازی نگاہ سے دل کو اچھل کر
 طوفان ساحلوں سے اٹھاتی چلی گئی (ص ۲۲)
 "غمازی نگاہ سے اس شعر میں شاعر نے کس مفہوم کی ترجمانی کی ہے؟ پھر غمازی نگاہ سے دل کا اچھلنا اس پرستیز دہ "ساحلوں سے شہید
 دل" اور بن ہو پہلے خاموش تھے، محبوب کی "غمازی نگاہ" سے وہ حرکت و جوش میں آ گئے !

دہکا کے ہر نفس میں غم آرزو کی آگ
 پھولوں سے گلزارے کو جلاتی چلی گئی
 "پھولوں" سے شاعر کی کیا مراد ہے؟ پھول، جن کی انگریزی میں "Flowers" اور فارسی میں "گل" کہتے ہیں اگر یہ معنی ہے جائیں، تو پھر "پھولوں" میں
 شدید بہم پایا جاتا ہے شاید "پھولوں" سے شاعر اسے اللہ پتے مراد ہیں، اس صورت میں "پھول کی جمع" "پھولوں" کا، "نوس" لگتی ہے۔ اس کے
 اسماء، گلزارے سے ان کو کس صفت اشارہ ہے !

ناگدہ کاری، نگہ انصاف سے
 پردہ بیک جزو کا اٹھاتی چلی گئی
 نگہ انصاف کی "ناگدہ کاری" کیا بات ہوئی؟ "ناگدہ کاری" سے شاید "ناخبرہ کاری" مراد ہو ! پھر "جزو کا پردہ اٹھانا" اور نہ "ناگدہ
 ہمیں بات ہے۔

جن کی خراب تند میں گھٹ سا سرود
 آن نغموں سے مجھ کو رلاتی چلی گئی
 شعر میں کس قدر آواز اور تکلف پایا جاتا ہے !

دوشن نظرت پر ہے جسے زبرد ماہ
 یا سنگا ہے خمیہ شب باز (ص ۲۵)
 "نیمہ شب باز" ممکن ہے ناز کی کوئی خاص ترکیب ہو، مگر فطرت کے دوش پر "نیمہ شب باز" ہے، تو "نیمہ شب باز" کے نکلنے کی کیا تک ہے !
 نیت مر مر سے تھراتی رہے تیغ حیات
 شب کی وادی سے تو گزری گی آجائے برات (صفحہ ۲۶)
 "نیت مر مر" کی ترکیب، اکھڑی اکھڑی لگتی ہے، پھر یہ "تیغ حیات" کہا تھا، تو اس کے ساتھ "مر مر فنا" یا "مر مر عادت" لانا ضروری تھا،
 "مر مر فنا" بڑی اچھی نظم ہے جس کا پہلا شعر ہے۔

ہمت کو دے سکتا وہ ہمت و غزبات طموش
 نہ ہجوم مرمانا نہ کوہوں کا خود نش

— مگر —

انہی ہے کہ انہی میں شریعت ختم ہوئی ہے وہ دوسرے شرعوں کے مقابلہ میں مکرر ہے، حالانکہ اس شرع کو سب زیادہ بدنام کیا گیا ہے۔
 شہر کی سات پہ الام نہ آنے پائے
 کوئی رستوں میں سبب نہ آنے پائے
 ”بچتے بڑیرے“ میں خاص تاثر پایا جاتا ہے، مگر یہ شعر —

(ص ۳۴)

جنوں کو آئینہ دکھاتا ہے ہیں مری آنکھوں میں آنسو آتے ہیں
 کھٹکا، آنکھوں میں آنسو آنے اور جنوں کو آئینہ دکھانے کے باہر آنکھوں میں بھلا دینا سبب ہے۔
 پھر اندھیروں کا ڈنڈہ ہوتے ہیں
 ”ابو“ اس میں عام طور پر نہیں ہوتا جاتا، ”ابو“ کی جگہ البتہ آتی ہے۔
 ”ابو“ اس میں عام طور پر نہیں ہوتا جاتا، ”ابو“ کی جگہ البتہ آتی ہے۔
 ”ابو“ اس میں عام طور پر نہیں ہوتا جاتا، ”ابو“ کی جگہ البتہ آتی ہے۔
 ”ابو“ اس میں عام طور پر نہیں ہوتا جاتا، ”ابو“ کی جگہ البتہ آتی ہے۔

(ص ۳۴)

”ابو“ اس میں عام طور پر نہیں ہوتا جاتا، ”ابو“ کی جگہ البتہ آتی ہے۔
 ”ابو“ اس میں عام طور پر نہیں ہوتا جاتا، ”ابو“ کی جگہ البتہ آتی ہے۔
 ”ابو“ اس میں عام طور پر نہیں ہوتا جاتا، ”ابو“ کی جگہ البتہ آتی ہے۔
 ”ابو“ اس میں عام طور پر نہیں ہوتا جاتا، ”ابو“ کی جگہ البتہ آتی ہے۔

(ص ۳۹)

”ابو“ اس میں عام طور پر نہیں ہوتا جاتا، ”ابو“ کی جگہ البتہ آتی ہے۔
 ”ابو“ اس میں عام طور پر نہیں ہوتا جاتا، ”ابو“ کی جگہ البتہ آتی ہے۔
 ”ابو“ اس میں عام طور پر نہیں ہوتا جاتا، ”ابو“ کی جگہ البتہ آتی ہے۔
 ”ابو“ اس میں عام طور پر نہیں ہوتا جاتا، ”ابو“ کی جگہ البتہ آتی ہے۔

(ص ۵۰)

”ابو“ اس میں عام طور پر نہیں ہوتا جاتا، ”ابو“ کی جگہ البتہ آتی ہے۔
 ”ابو“ اس میں عام طور پر نہیں ہوتا جاتا، ”ابو“ کی جگہ البتہ آتی ہے۔
 ”ابو“ اس میں عام طور پر نہیں ہوتا جاتا، ”ابو“ کی جگہ البتہ آتی ہے۔
 ”ابو“ اس میں عام طور پر نہیں ہوتا جاتا، ”ابو“ کی جگہ البتہ آتی ہے۔

(ص ۵۱)

”ابو“ اس میں عام طور پر نہیں ہوتا جاتا، ”ابو“ کی جگہ البتہ آتی ہے۔
 ”ابو“ اس میں عام طور پر نہیں ہوتا جاتا، ”ابو“ کی جگہ البتہ آتی ہے۔
 ”ابو“ اس میں عام طور پر نہیں ہوتا جاتا، ”ابو“ کی جگہ البتہ آتی ہے۔
 ”ابو“ اس میں عام طور پر نہیں ہوتا جاتا، ”ابو“ کی جگہ البتہ آتی ہے۔

(ص ۶۱)

”ابو“ اس میں عام طور پر نہیں ہوتا جاتا، ”ابو“ کی جگہ البتہ آتی ہے۔
 ”ابو“ اس میں عام طور پر نہیں ہوتا جاتا، ”ابو“ کی جگہ البتہ آتی ہے۔
 ”ابو“ اس میں عام طور پر نہیں ہوتا جاتا، ”ابو“ کی جگہ البتہ آتی ہے۔
 ”ابو“ اس میں عام طور پر نہیں ہوتا جاتا، ”ابو“ کی جگہ البتہ آتی ہے۔

”ابو“ اس میں عام طور پر نہیں ہوتا جاتا، ”ابو“ کی جگہ البتہ آتی ہے۔
 ”ابو“ اس میں عام طور پر نہیں ہوتا جاتا، ”ابو“ کی جگہ البتہ آتی ہے۔
 ”ابو“ اس میں عام طور پر نہیں ہوتا جاتا، ”ابو“ کی جگہ البتہ آتی ہے۔
 ”ابو“ اس میں عام طور پر نہیں ہوتا جاتا، ”ابو“ کی جگہ البتہ آتی ہے۔

— تھر مائیں ہوتے ہوتے —

”تھر مائیں ہوتے ہوتے“ کی تکرار کا عجیب باقی نہ رہتا !

(ص ۶۲)

”تھر مائیں ہوتے ہوتے“ کی تکرار کا عجیب باقی نہ رہتا !
 ”تھر مائیں ہوتے ہوتے“ کی تکرار کا عجیب باقی نہ رہتا !
 ”تھر مائیں ہوتے ہوتے“ کی تکرار کا عجیب باقی نہ رہتا !
 ”تھر مائیں ہوتے ہوتے“ کی تکرار کا عجیب باقی نہ رہتا !

”تھر مائیں ہوتے ہوتے“ کی تکرار کا عجیب باقی نہ رہتا !
 ”تھر مائیں ہوتے ہوتے“ کی تکرار کا عجیب باقی نہ رہتا !
 ”تھر مائیں ہوتے ہوتے“ کی تکرار کا عجیب باقی نہ رہتا !
 ”تھر مائیں ہوتے ہوتے“ کی تکرار کا عجیب باقی نہ رہتا !

”تھر مائیں ہوتے ہوتے“ کی تکرار کا عجیب باقی نہ رہتا !
 ”تھر مائیں ہوتے ہوتے“ کی تکرار کا عجیب باقی نہ رہتا !
 ”تھر مائیں ہوتے ہوتے“ کی تکرار کا عجیب باقی نہ رہتا !
 ”تھر مائیں ہوتے ہوتے“ کی تکرار کا عجیب باقی نہ رہتا !

بیمہ فائدہ کے دینا چاہوں یا تقدیر کے ماس میں سے میرے بچوں میں خدا یا ان زمین (ص ۸۱)
 شکستوں میں کوئی چیز کسی ہوتی ہے۔ "پیسے نہیں ہوتی؛
 جہاں ہر شے کی اگلی شے ہوتی ہے وہ مقام، نفاذ اصول پر ہی خدا کا حکم دینا اور محبت کے قابل ہونا چاہئے۔ (ص ۸۹)
 نہ کہ وہاں زندگی کو مستحق قرار دینا کیلئے ثابت دیا جائے۔
 یہ موتوں کے لیے ہے یہ فائدہ کے فرق ہے آفتاب کی قربت یہ چاندنی کے کھن (ص ۹۲)
 "بادل کی یہ قربت۔۔۔ آفتاب کی قربت یہ چاندنی کا کھن۔۔۔ ہے ہمارے تو بچے ہی نہیں!
 یہ کھیتوں کا بادل یہ مسکروں کی شراب گرجنے والے جنم، برسنے والے غناب
 "بادل کی کھیتوں کے لئے "امرت" ہوتا ہے اس کا نام ہے "ایری اور فری" کے فرق کو دکھانا مقصد ہے کہ "پیر" بادل کی اس تصویر
 کو کیا کہئے گا۔

یہ آسمان پر دیکھئے نیل کے دھارے
 نظم کے "مندان درویش" اور پھر نظم کے "Process" میں ہم آہنگی اور ماضی رابطہ کا تسلسل ہونا چاہئے۔
 "مندان"۔۔۔ ماضی کی "بچی الجھ" ہے!
 بن اگلیوں کے لیے مہیا آجوان تار فضا کو پرک لگا، جس کا شعلہ رخسار (ص ۹۷)
 "نہ جہاں" کے شعلہ رخسار کے "فضا" کو تو پرک لگا کہ دیا تھا، یہ بے جا مبالغہ بھی ہے اور غلاب واقعہ بھی ہے۔
 بچا ہے جس کی ہمارے چہرے پر دیر و دم وہی تبسم تھا، وہی خیم آدم
 کس کی ہمارے "چہرے پر دیر و دم" بچہ گی تھا۔۔۔ "خیم آدم" سے کیا ملتا ہے؟ "نہ جہاں" کی شخصیت اس کیفیت انٹیلی کا آخر
 کیا فائدہ ہے!

سیاہ پوٹی چوں جس سے جہاں میں وہ شباب فرشتے سمجھ کر ہیں جس کو دیکھ کر وہ شراب (ص ۹۸)
 "شراب" اور فرشتوں کے سمجھ کر کھانے میں آؤ کیا ستوری رابطہ ہے؟ شراب کو کتنے سمجھ کر کیا کہتا ہے؟
 لڑتے لڑتے طوفان کوئی مصروف رہن کشمکشوں پر کسی بنت حرم کی گدق (ص ۱۰۰)
 دلوں میں مریں کا انداز بیان، ہر صاحبِ ذوق کو ٹھٹھکا گا۔
 ہمیں خدا کی آفتاب میں ہیں پھر لڑتے ہیں، خود کے آٹھ ہیں، گلگلدی سے اپنے کاشانے (ص ۱۰۳)
 معروفی کے لئے "مندان" ہر آدمی کو گلگلدی سے اپنے کاشانوں کو لے کر آگئے ہیں۔۔۔ یا۔۔۔ ہمارے اپنے کاشانے، ہم لوگ کو گلگلدی
 سے کہہ کر ہمارے گئے ہیں۔۔۔ مگر دلوں میں وہی بات سیم ہے وہ باقی ہے، وہی دیکھنے میں شرمیں، عقلوں کی بڑی مینا کاری، ہلکے شادی
 ہوتی ہوتی ہے۔

بہرہ کی سماعت میں بھی احمد کے تیرہ انحصار کے اندر میں کلمات کا عالم (ص ۱۰۴)
 "احمد کے تیرہ" ان اشعار میں کلمات کا عالم یہ دیکھ کر عجیب لگتا ہے، ان اشعار میں کلمات کا عالم یہ دیکھ کر عجیب لگتا ہے۔

لاٹ دنیا کی مستی سا آفتاب جال کر فتنے کے بستا سا آفتاب (ص ۱۳۶)
 آفر دنیا - آفتاب کے سامنے کیا تھی بھلائی ہے جس کا نظارہ صحرانوں میں کیا گیا ہے پھر لافکستہ - لاف کر یا کب - آندھ میں خام طوف
 پرستیں نہیں ہے۔

اک کہیں بس ہے قسم عشق کی نظرت ہے خاک بسواہ بھی نہ لیتا مرے آگے (ص ۱۳۷)
 غم عشق کی نظرت کو نہ لیتا کے خاک بسوہ سے آؤ کیا ربط ہے ؟

تو بھڑکنے پر اڑوں میں ہما ہوا سنسکتی ہو اڑوں میں بھی خندہ دندان (ص ۱۳۸)
 سنسکتی ہوئی پہاڑوں میں - خندہ زن - ہونا تو تو کوئی فزنی بات ہے :- سنسکتی ہوا کی جگہ غزلوں کا دودھ پاوان اس شہید جھکڑ لائے، تو اس صورت میں
 - خندہ دندان - ہونا امدان کا کوئی اثر قبول نہ کرنا و صد مرمانگی امداد لطف کی بات تھی۔

قبیلے ہم سے بدگمان بھی دود کا اعتبار میں ہم لوگ (ص ۱۳۹)
 مصرعہ ثانی اچھا ہوا ہے !

خفاش پر داند تب در بانی خود سفید کالے بنو را بہ صوواں چہ فروشم (ص ۱۴۰)
 - صرول کی جگہ - سفید ہونا تو صرولی اعتبار سے شرم زیادہ پر ت ہوجاتا۔

کو قدم بازی کہ بداند تپش جاں کو کئے لیلیاں تپش جاں چو قدم (ص ۱۴۱)
 یہ شعر بھرتی کا ہے جسے انجمن میں چھانٹ دینا چاہئے تھا۔

محبت کے کئی سرور رہ گئی وہ جوینا ہو رہی تھی میری رہ گئی (ص ۱۴۲)
 - محبت سرور رہ گئی۔۔۔ اس طرح کہ نہ رہتا ہے۔

آوی کا خدا بن گیا آدمی وادے شرک وادی رہ گئی (ص ۱۴۳)
 - وادے شرمز کی - وادی - تو عشر کے دن معلوم ہوگی اس دن غلط کاموں، غلاموں اور شکروں کو سزا ملے گی۔
 ایک شمع جلائی جاتی ہے اک شمع - جاتی ہے

نظروں کے - - - یہ بھی کتنے ناکام بہا ہے جو نے میں (ص ۱۴۴)
 آخر یہ بات کیا ہوتی ؟

قالب شب بے عنوان سر کہن ہی پڑتا فنی صبر جو اس کی سگند بکری پڑتا ہے (ص ۱۴۵)
 غزل کا یہ مطلع - دو لکھت ہے !

بالمہر لب لہم سے نکلتا ہے : دھما دھم کر باغ میں پڑا (ص ۱۴۶)
 شاید اس لئے کہ جھانپ کر نہیں : فنی - سگر اس خیال میں کوئی لکھت : دھما دھم کر باغ میں پڑا
 جب موسم آشیانہ ہوا : فنی - سگر اس خیال میں کوئی لکھت : دھما دھم کر باغ میں پڑا
 - - - - - فنی - سگر اس خیال میں کوئی لکھت : دھما دھم کر باغ میں پڑا
 اس غزل کا مطلع بہت خوب ہے۔

چلتے چلتے دیا - منو - ہم دگ گئے

اپنا رخ اوقوں کو بیل پڑا

جناب غم نے فانی نظرسازی میں نیا وہ وقت نظری حکام نہیں لیا، دھن بھرتی کے اشتعال ان کے بحر میں شامل نہ ہوتے اور

سنت شعروں کو چھت کر دیا جاتا! جمعی طہر پر - ویار اوبد - لائق مطالعہ ہے، قابل ذکر ہے! - عاود ستائش کی مستحق ہے!

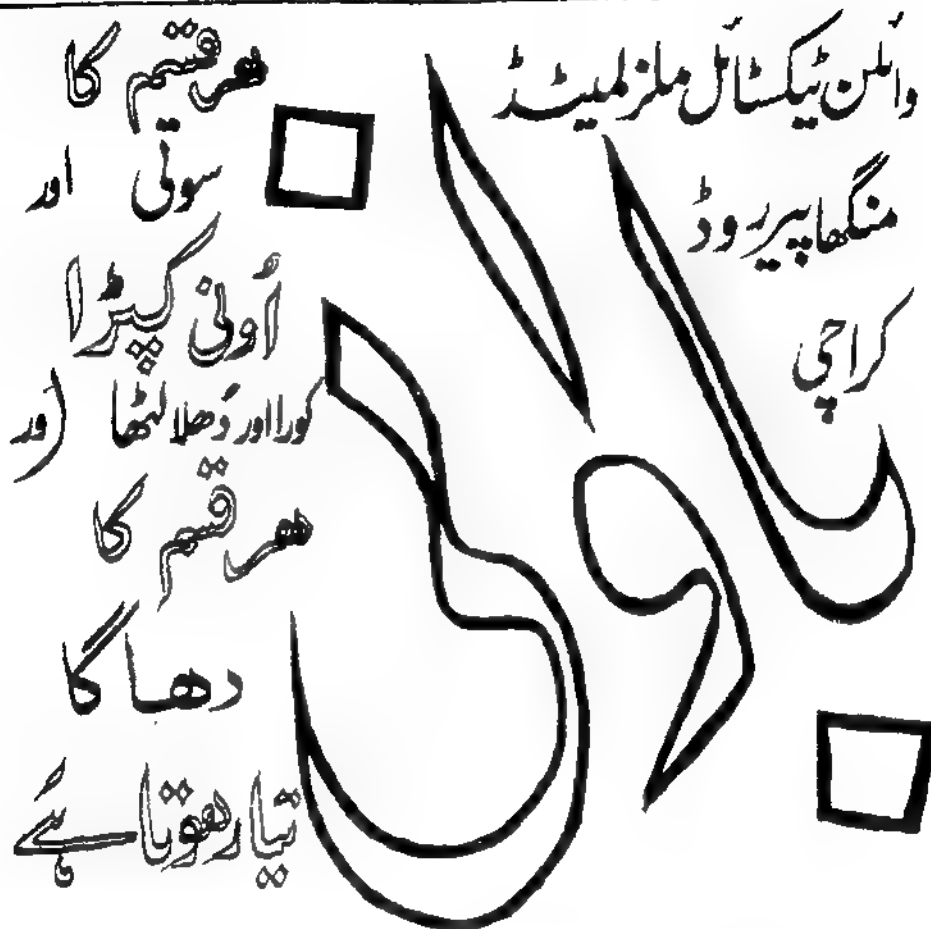
پسندہ روزہ "سافر" کا
شمیر ایڈیشن کی قیمت تیس پیسے، اور آزادی ایڈیشن کی قیمت بھی تیس پیسے،
شمیر ایڈیشن اور "آزادی ایڈیشن" ملنے کا پتہ - سافر - پوسٹ بکس نمبر ۳۳۳، کراچی۔

پسندہ روزہ "سافر" برسوں سے پابندی کے ساتھ شائع ہوتا ہے اس کے مضامین عام طہر پر دین و اخلاق کے ترجمان اور ملک و ملت کے لئے مفید ہوتے ہیں۔ اس کی یہ دونوں خاص اہمیتیں "آزادی ایڈیشن" اور "شمیر ایڈیشن" مضامین کی تنوع اور ترتیب کے اعتبار سے خوب ہیں، جن کے مطالعہ سے طبیعت کو جوش اور دھڑکھٹاہ ہے اور ساتھ ہی دولتِ محمدیہ بھی!
ترغیب ہے کہ سافر کے خصوصی شمارے قبول عام حاصل کریں گے، جنہاں ساقی کی کوششیں تحسین و ستائش کے لائق ہیں۔

اشرف لیبارٹریز

طہر نودا ٹریڈینٹ ادویات طہر خالص اجزاء سے تیار شدہ قرابادینی مرکبات -
طہر ماہرانہ تشخیص طہر ہمدانہ علاج کا عظیم اور قابل اعتماد مرکز
آپ خواہ طبیب ہوں یا ڈاکٹر خدا نخواستہ مریض ہوں
یا کسی مریض کے سر پرست آپ اپنی طبی ضروریات کے لئے
اس ادارہ کو -
اس طرح قابل اعتماد پائیں گے جس طرح لاکھوں افراد اس ادارہ کی خدمات سے مطمئن ہیں
بہنائے شفا - اور - سالانہ تشخیص و تجویز مفت طلب فرمائیں

اشرف لیبارٹریز جتاج کالونی - لائل پور



باوانی وائٹن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا
 ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہے پاکستان کی صنعت کی ترقی اور حوصلہ افزائی
 آپ کا قومی فریضہ ہے

آدم جی کے پارچہ جاتا میں بہت سے



آدم جی کاٹن ملز لائڈس - کراچی

فسادِ خون سے بچنے کے لئے صافی

اور قبض سے نجات کے لئے اب اسٹریپ پکینگ میں صافی قبض کشا قرص

”صافی قبض کشا قرص“ مشہور خون صاف کرنے کی قدرتی دوا
صافی سے تیار کئے جاتے ہیں۔
صافی کے قرص نہایت احتیاط و نرمی سے بغیر کسی قسم کا نقصان پہنچائے
قبض رفع کرتے ہیں۔ مزید برآں ان میں تمام معافی خون صفات بھی موجود ہیں۔
ہر کیسٹ، ڈرگسٹ اور جیل اسٹور پر دستیاب ہیں۔

بہار دوا خانہ (دو قعت) پاکستان
کراچی۔ لاہور۔ ڈھاکہ۔ پشاور

نومبر ۱۹۶۶ء

جلد ۱-۱۸

شمارہ ۸

ماہنامہ فاران کراچی

ایڈیٹر ————— ماہر القادری

ترتیب

۳	ماہر القادری	نقشب اول
۱۰	مولانا محمد مصطفیٰ رحمانی گڑھ ۲	تفسیر
۱۴	سید عرف شاہ وائیم۔ اے ۲	قرآن مجید کی خصوصیات
۲۰	ماہر القادری	صحابہ کرام اور مولانا مودودی
۲۴	مولانا شمس تبریز خاں آردی	عالمگیر اور انگریز مورخین
۲۸	سید احسان مودودی	روح انتخاب
۳۲	مختلف شعراء	سوز و ساز
۳۸	ہماری نظریات

قیمت فی پرچہ ۶۲ پیسے

پبلشر۔ مسرور حسین

چند سالانہ ۱۰ سات روپے

مقام اشاعت

دفتر ماییت ادارہ فاران کراچی گیمبل اسٹریٹ کراچی

مسرحین پبلشر نے انٹرنیشنل پریس کراچی میں چھپوا کر دفتر ماییت ادارہ فاران کراچی میں اسٹریٹ کراچی سے نکال دیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نقشبِ اول

پاکستان ایک آزاد مملکت اور خود مختار حکومت ہے، وہ اپنے داخلی معاملات ہی میں کسی خارجی پالیسی میں بھی آزاد ہے یہ اس کی اپنی صوابدید پر منحصر ہے کہ پاکستان دوسری حکومتوں سے کس طرح کے روابط اور تعلقات رکھتا ہے، خارجی مسائل میں غیر حکومتوں سے دھن و فصل کا انحصار پاکستان کی اپنی مرضی اور حالات پر ہے، اس پر کسی دوسری حکومت کا ہوا نہیں اور لگائی اس حق اور فریضہ نہیں جس کا دارگاہ پاکستان پر واجب ہو! پاکستان ایک نفس پاتی سیاست ہے، جو اسلام کے نام پر وجود میں آئی ہے، اس لئے اس کی داخلی اور خارجی پالیسی کو اسلام اور دین و اخلاق کا مظہر اور عکاس ہونا ضروری ہے، اسلامی قیودوں کو نظر سامنا کر کے اگر پاکستان کو کوئی مادی نفع حاصل ہوتا ہے، تو یہ ہے۔
چہ ایسی تجارت میں مسلمان کا خزانہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سامانی حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے کافر قیودوں سے بھی معاہدے کئے ہیں اور ان کو حلیف بنایا ہے، ان کی سزوں پر پابندی کے تحت پاکستان بھی غیر اسلامی حکومتوں اور لادینی ریاستوں سے روابط قائم رکھ سکتا ہے؛ لیکن یہی بات کی دنیا میں کوئی حکومت بالکل الگ نمونہ اور ماہرین کی طرح دنیا کے کٹ کٹ کر لہے بے تعلق ہو کر نہیں رہ سکتی۔

حکومتیں ضرورت کے وقت ایک دوسرے سے قرض اور مالی اعاد بھی لیا کرتی ہیں، مگر قرض و امداد کا مسئلہ جڑا نازک اور دلتکس نتائج کا حامل ہے؛ انہی کو کسی سے قرض وام لینا کوئی تعریف کی بات نہیں ہے، کوشش اس بات کی کرنی چاہئے کہ کسی کے سامنے دست سوانہ دانا کرنے کی ذمہ داری نہ آئے کیوں کہ تمام تر تمدنی و تمدنی کے باوجود دست سوانہ دانا ہر حال دست عطا نہ ہونا ہے اس پستی سے بچنا کہ ممکن ہو سکے، پہلے کی کوشش کرنی چاہئے؛ اور یہ امر صحت میں ممکن ہے کہ دوسرا مال فروش اپنی ذات اور خاندان کی صنعت کے لئے کوئی لاپرواہ نہ ہو، اور مالی مسئلہ نہ ہو اور کتبہ بہ صنعت کے باپ ہیں، ان کا معاملہ بالکل صاف ہو، اس پر غرضی اور بے غرضی کی صورت میں حکومت کی ترقی دہی پالیسی تمام تر اخلاص و فکر و انداز پر مبنی ہوگی، حکومت کے ہر شعبہ میں کفایت شناسی اور ہر شعبہ کا لحاظ رکھا جائے گا، تجارت اور صنعت و صنعت کی ہر پالیسی کی غرض یا مقاصد انامہ کے نفع و نقصان کے تقدر سے بچنا اور اگر مرنے پر کسی اہل طرح مالی معاملات میں تو قانون قائم ہو جائے گا!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین اپنی ذات پر کم سے کم غور کرتے تھے، حکومت کی ظاہری شان و شوکت (Pomp and Show) پر اسلاف و تہذیب کی کوئی مدد ہی سرے سے موجود نہ تھی، پھر سب سے بڑی بات یہ تھی کہ حکومت کی آمدنی کے ذرائع حاصل تھے، جس کی مصلحت و مفید کے نفس و تمیزی نہیں گوشت پوست میں پائی گئی، یہی گئی تھی، اسی لئے وہاں کے قریب، الملوہ کے زوالی نعمت کی آمد و نقیب رکھتے تھے اور الملوہ میں

انسانی سببوں کی سبب سے ناسخ ہوا، یعنی اسلامی معاشرہ طبعاً تقیم سے ناسخ ہوا، وہاں غریب و امیر اور کم و بزرگ سب کا ایک ہی مقصد تھا، ان کے دین و نفس کی کشمکش نہیں تھی، سب لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا کے طلبگار تھے اور دنیا سے دنیا دہ اخوت کی سرخروئی کے لئے جدوجہد کرتے تھے !

ان لوگوں کی یہ باتیں جتنی تھیں کہ دوسری حکومتوں سے قرض اور مالی امداد لینے کی ضرورت بھی پیش آ جاتی ہے اس میں بڑے رکھ رکھاؤ فراست اور تدبیر و خود داری کی ضرورت ہے، ایسی صورت ہرگز پیدا ہوتی نہیں چاہئے کہ جس حکومت سے قرض اور مالی امداد لی جاتی ہے وہ قرض حکومت کے سیاسی اور انتظامی معاملات میں نہیں ہر جاتے، اس قسم کا قرض اور مالی امداد درحقیقت مفید ملک و ملت کے دفاع و تنظیم و نسق کے لئے خود کشی بن جاتی ہے۔

ہم اس حقیقت اور نظری صورت حال سے بے خبر نہیں ہیں کہ سائنس اور قروض کو بہر حال قرض خواہ اور امداد دینے والے سے کچھ نہ کچھ لینا ضرور پڑتا ہے، مگر یہ دیکھنا اس حد تک پہنچ جانے کہ قرض والا دینے والی حکومت قروض ملک کی سیاست پر اثر انداز ہونے لگے تو اس قسم کا قرض اور امداد بہت بڑی مصیبت اور آفت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

دوسری حکومتیں کسی حکومت سے معاہدے کرتی ہیں، تو وہ یہ بھی دیکھتی ہیں کہ وہ اس ملک کے کیا حالات ہیں؟ سفار اور پسہ اور تسلط و تسلط کے دہقانانہ نفسانیت کی کشمکش تو نہیں پاتی جاتی، ملک کے عوام تقیم اور سچائی کے تحت ایک دھڑے کے دست و پا رہتے ہیں، عوام میں انفرادی غلوں دل سے نکلنے والی خواہشیں اور اپنے دلوں میں اپنے کے خلاف کوئی جذبہ اور داعی نہیں رکھتے، ماحول پر اب اعتماد عوام کے انتہائی دہم دہم ہے، اور عوام کے سود و دیاں کے پیمانے ایک جیسے ہیں، انتہا بہت اختلاف تو اب بھی ہے اور بھائی بھائی کے دھیان بھی ہوتا ہے، کہنا یہ ہے کہ ملک میں مجموعی طور پر اتحاد و اتفاق کی فضا پائی جاتی ہے، عوام میں یا تو خاص ان میں سے کسی کو خرید نہیں جاسکتا، جس ملک میں اتحاد و غلوں کی یہ کیفیت ہو، اس کا بین الاقوامی دنیا میں دخل محسوس کیا جا رہا ہے چاہے اس کے مادی اور مالی وسائل کتنے ہی محدود کیوں نہ ہوں !

مفسرین گزارش یہ ہے کہ ہر ملک کو کچھ اپنے داخلی حالات کو دھت اور مضبوط کرنا چاہئے، صدر و محکمات میں وحدت و اخوت، امن و اطمینان، اور یہی اعتماد کی دھت، حکم اور سکھ اور امداد اور غلوں کا ایک ہی رنگ، ایسی قوم دلیار کی مانند استقامت و حکم، جس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کے ساتھ ہے، یہی ہے اور یہی اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ ہر ملک کے افراد ملک کے نظم و نسق کی ذمہ داری کو خدمت اور غرض سمجھ کر سمجھا لے رہے ہوں، ان کے سامنے ہی کرسیاں نہیں بلکہ ملک و قوم کی فضا و وسیع و وسیع، ان کا دامن، ہر الا حفظہ سے آلودہ نہ ہو اور ملک کے معاشرے میں اخلاق و پاکیزگی کی سطح دروں دروں پر، ایسے ملک کی روح اور جذبہ غیرت کو دنیا کی تمام طاقتیں مل کر بھی مغلوب اور خرب نہیں کر سکتیں !

جس ملک کے بھی بڑے لوگوں کو تمام تر دلچسپی اور کوششوں اور جدوجہد سے ہوگی، ان کے اندر سال و دولت کا لہر چڑھا دیا جائے گا اور دنیا کے عوام اور قوموں کی دلچسپی اور توجہ اور توجہ پر مبنی ہر سال و دولت کا لہر چڑھا دیا جائے گا، وہاں صرفی قوتوں کے ساتھ کر کے سوتھے، سانی کے ساتھ مل سکتے ہیں، وہ جو اس سے ان کی کوششوں کی حفاظت کے نام پر سدا کر سکتے ہیں اور عوام کے جاہل و پست اور لالچی و بیدار اور انقلاب تیز رفتاری کے شہرہ کو خرید لے سکتے ہیں، یہی طاقتیں اپنے ہر ہر اور خفیہ یا علانیہ کے ذریعہ اور ایران سے لے کر جوہر و ایران کے ملک کے طاقتوں سے واقف ہوتی ہیں وہ ابھی حیران جانتی ہیں کہ کسی فرد میں کیا کمزوری پائی جاتی ہے اور اس کمزوری سے کیا، کس طرح اور کب فائدہ اٹھانا چاہئے !

ملک کے امن و حفاظت عوام میں ان کو زیادہ سے زیادہ طاقت و استعداد، فطرت و استعداد صاحب عزت بننا چاہئے، وہ ملک کو زیادہ اور غیر مستحکم ہے، جہاں کے عوام بے طاقت ہوں اور اپنے ہمارے شہری حقوق سے محروم ہوں !

تجزیہ اور پھر کیونکہ گید ہے، وہ ایک عام اصول کشمکش تھی، اب ہم پاکستان اور بین الاقوامی تعلقات کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں مقصود ان مقامات

اور صحت حال کا صحیح تجزیہ ہے :

ہندوستان کی تقسیم بڑی ناسازگار نعمتیں ہوئی، کانگریسی قیادتوں نے باہل نا فاست اس تقسیم کو ایک حادثہ کے طور پر نگاہ کی۔ ہندوؤں کا اتحاد ہندو جماعتیں اس خوش فہمی پر بستہ ہیں کہ پاکستان کی تقسیم عارضی ہے، یہ نئی حکومت چل نہیں سکتی، مبادرت کو بہر حال ایک نہ ایک دن "اکھنڈ" بن کر رہنا ہے، کانگریز جیتے چلتے کشمیر کا قضیہ کھڑا کر گیا، جس نے دونوں طرف کے درمیان مستقل وطن کی صورت ڈالی دی، جب تک مسئلہ کشمیر کا منصفانہ فیصلہ نہیں ہو جاتا پاکستان اور ہندوستان کے تعلقات خوش گوار نہیں ہو سکتے !

اگرچہ اندوڑ چاہتے تو کشمیر کا مسئلہ حل ہو سکتا تھا مگر ان کے اپنے مصالح کا یہی تقاضا ہے کہ مسئلہ کشمیر کھڑا ہی میں پڑا ہے۔ اس کا پاکستان اور ہندوستان میں تباہی سے بے حد بے رحمی ہے۔ روس کا یہ موقف دیکھ کر اس نے کئی بار سیکریٹری انٹرنیشنل میں "وچو" کا حق استعمال کر کے کشمیر پر مذکرہ ہی میں چلنے کی بات کی اس روش کے نتیجہ میں ہندوستان اس استغراب رائے عامہ کے دھبے سے پھر گیا، اسے یہ کہنے کا عرصہ پیدا ہو اگر کشمیر کا مسئلہ نو بھارت کا داخلی مسئلہ ہے۔ اور پھر یہ کہ "اٹل الگ" تک جا پہنچی، یعنی یہ کہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں اور صوبوں کی طرح کشمیر بھی بھارت کا ایک حصہ ہے ایسے بھارت سے صلہ نہیں کیا جا سکتا !

روس کی اس روش کے بعد اس سے کیا توقع ہو سکتی تھی کہ معاہدہ تاشقند کی جدوجہد کے سلسلے میں اس کی ہمدردیاں پاکستان کے ساتھ ہونگی۔

من جہرب اچھا بہ، حلت بہ، اللہ اعلم

کی غریب امشل ہمدی ہو کر دی، آئینی اور دستوری جدوجہد کو پاکستان نے انتہا پر پہنچا دیا، اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا اس مسئلہ کے تعصیب کی آخری صورت ہو چکی ہی ہو سکتی تھی، جنگ کر کے بھی دیکھی، جس "فتح حسین" تک خیر سے دو دو مار کر بے رحمی سے اس کا پھل معاہدہ تاشقند کی صورت میں ملا۔

سہ تن ہمد وانا داغ شد چہ نہ کجا کجا ہم

تاویروں اور تعصیروں سے ہوئی بات ان ہوتی نہیں ہو سکتی، اس معاہدہ کے بعد ہندوستان اس مسئلہ پر بات چیت کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہے !

بھارت کے وزیر پمستھ نے دے دو لوگ لفظوں میں کہہ دیا کہ معاہدہ تاشقند کے بعد کشمیر کا مسئلہ دوسرے سے باقی نہیں رہا۔

پاکستان اور ہندوستان کی جنگ میں روس کی ہمدردیاں پہلی طرح ہندوستان کے ساتھ رہیں، وہ جنگ کے زمانہ سے اب تک ہندوستان کو اس کا سہارا دے رہا ہے !

اگرچہ نئے پاکستان کو غائب پاکستان کے بعد یہی سے مانی اور دیکھی دی ہے اور سوئی فزہر بھی، مگر اس کی سیاست اور چشمہ توجہ کا زیادہ جھکاؤ ہندوستان کی طرف ہے جنگ کے زمانہ میں اس کا دستِ امداد و خطا بھارت کے لئے کھل چکا ہوا ! بین الاقوامی دنیا میں امریکہ کا سب سے زیادہ قریبی دوست اور حلیف بھارت ہے۔

چین کے ہم شکر گزرا ہیں کہ اس کی دوستی، عزائم اور سیاسی موقف کا، نڈاؤہ کرنے کے بعد بھارت سے مغربی پاکستان میں محاذ جھگڑنے کی بہت بڑی

سبب، چین کی تمام تر ہمدردیاں پاکستان کے ساتھ تھیں

تمام اور تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں کہ امریکہ کو یہاں روس، چین اور کوئی دوسری طاقت ان سے تعلق نہ دروابط قائم کرنے چاہتے ہیں، ان سے سیاسی اور تجزیہ میں بے حد بے رحمی ہو سکتی ہے، مگر ان دروابط و تعلقات اور معاہدوں میں ملک کی سالمیت، وقار اور سب سے بڑھ کر اس نظریہ کی حمایت نہ دے

ہے جس کی بنا پر پاکستان وجود میں آیا ہے۔ خاص طور سے چین اور روس سے تعلقات کا معاملہ بڑا ہی ناگزیر بلکہ بڑا ہی کٹھن ہے۔ یہ دو ماریک اور تورو سے زیادہ تیز ہے اور اس سلسلے میں کمال و مدبر کی فراست اور احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ دونوں حکومتیں عقیدہ و عمل کے اعتبار سے کمرشل ہیں اور ان کے زور کی اولین شرط خدا کا انکار ہے ! اور پاکستان کے وجود و بقا کا سارا دار و مدار خدا کے ہاتھ میں ہے، کیونکہ ہم ایک ہی وقت میں ہاتھ کو

تختِ عبادِ خداوند خدا کو عرض کرتا مانتا چاہتا ہے۔ دین و اخلاق اور خدا اور رسول کی عزت کی اور دشمنی کی عزت کے بغیر میں کس سے کونہ نفس دنیا کو اور خود اپنی ذات کو فریب دیتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ میں کیونٹسٹ بھی ہوں اور دنیا دار بھی ہوں !

میں اتنا ایمانی دین میں کیونٹسٹ کہ اصل مقابلہ عیسائیت، ہندومت اور دوسرے روایتی مذاہب سے نہیں، بلکہ اسلام سے ہے، کیونٹسٹ کا سب سے بڑا حریف اسلام ہے، جس کا سبب یہ ہے کہ دوسرے مذاہب پر چاہاؤ کی چند کسر اور عقائد سے اس نے غلطی کے بعض گوشوں سے غفلت رکھنے پر، اسلام مکمل ترین حفاظت عبادت ہے جو زندگی کے ہر گوشہ کو بخشتی دیتا ہے، اسلام کی تباہ و تاراجی اور استبداد عبادت ہے جو ہر کاہن کیونٹسٹ کا مقابلہ کرنا ہے، اسلام دینِ نعت ہے اس کے ہر فلسفہ کی ان، ضابطہ اور عمل میں کوئی لاپائیا جاتا ہے، وہ قانونی اور طہارت کے عین مطابق ہے، کیونٹسٹ کا حال اس کے برعکس ہے وہ بالی انتہا پسندی اور عدم توازن کے سبب قدم قدم پر غفلت سے جنگ کرتی ہے کیونٹسٹ کی جہالت اور بے خبری کا یہ عالم ہے کہ دوسرے مذاہب پر چاہاؤ جب چاہے کسٹریب پر پورے دین پر داپس رہا ہے تو ظنیر انداز میں کہتا ہے کہ مجھے تو چاند کی فضا میں کہیں خدا نظر نہیں آتا، اس سحر سے کہ کوئی پوچھے کہ مذہب کی طرف سے کیا اس کا دعویٰ کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ چاند یا سورج میں بیٹھا ہوا ہے اور جو کوئی چاند اور سورج میں پر پور چاہے گا وہ خدا کو دیکھ لے گا !

کسی ملک میں کیسا ہی، چھ نظام حکومت کیوں نہ پایا جاتا ہو، یہاں ملک کہ وہاں مزدوروں کی حکومت قائم ہو، کیونٹسٹ وہاں بھی چین سے نہیں بیٹھ سکتے ان کا مسلح نظریہ کیونٹسٹ حکومت قائم کرنا ہے، اور اس کے لئے وہ ہر حربہ کے کام لے سکتے ہیں، مثلاً کسی ملک میں انتظامیہ نے کچھ مسافروں سے بھری ہوئی برل گاڑی کو وہ پتھر سے اتار سکتے ہیں اور ہم سے آڑا سکتے ہیں، زبان، رنگ، نسل اور قومیت غرض میں ذلیلہ سے بھی کسی ملک کی وحدت اور سالمیت کو نقصان پہنچ سکتا ہے اور طبقاتی تعصبات کو شعلہ بن سکتی ہے، اسی بھارت نے اور بھارت کے کارکن کیونٹسٹوں کو آنا ہے۔

پاکستان میں حکومتوں اور عوام کے درمیان خاموش کشاکش رہی ہے، بعض مواقع پر عوام کے احتجاج نے بڑی شدت اختیار کر لی تھی اس لئے اتحاد برسی حکومت کے حکم سے گولیوں میں چلی، عوام زخمی اور ہلاک بھی ہوئے، مگر پاکستان کی انیس سالہ تاریخ میں یہ امتیاز صرف کیونٹسٹوں کو حاصل رہا ہے کہ شہید ملت یہ ملت علیٰ خاں مرحوم کے دور حکومت میں کیونٹسٹوں نے سطح طاقت کے ذریعہ حکومت کا تختہ الٹنے کا منصوبہ بنایا اور وہ لائق تعالیٰ کا کام ہوا کہ اس سازش کا برفانہ ختم ہو گیا مذہبی سازش نہیں کیا یہاں ہوتی تو نہ جانے پاکستان کا کیا عرصہ ہوتا !

کیونٹسٹ جس مقام پر بھی جوتا ہے، اپنے دشمن کے لئے کام کرتا رہتا ہے وہ کسی حالت میں بھی اپنے مقصد اور دشمن سے غافل نہیں رہتا، اسے اپنے مقصد سے بڑی لگن ہوتی ہے !

واقعات و حقائق برسوں سے ہم نے، فلاں، فلاں، کیونٹسٹوں کی فتنہ و حرکت اور ان کی سرگرمیوں پر کوئی توجہ نہیں کی، ان، مشرقی پاکستان کے حالات کا جب تجزیہ کیا گیا ہے تو کسی کھجور کی طرح سرسبز و سرسبز پرانے کا ذکر کیا ہے، ہم خیال اندیشوں اور ہم داشتہ کی بنیاد پر یہی ہوجاتا ہے گفتگو کرنا پسند نہیں کرتے، اللہ کوئی فرد یا گروہ چاہے وہ ہمارا مخالف ہی کیوں نہ ہو، اس سے علاوہ کچھ چیز جھڑ، ہم شرافت و انسانیت کی ترجمانی کچھ نہیں ! آج جس مونیٹ پر گفتگو کر رہے ہیں اس میں بحث پر ہم نے تسلیم کیا تھا ہے وہ کوئی خیالی مفروضہ اور ہم دانشور کی بات نہیں ہے بلکہ کچھ واقعات ہیں اسے علم میں آئے ہیں جو اس تحریک و فکاش کا سبب بنے ہیں۔

بانک کے معنی، اداروں میں دیا بھی جاتا ہے، روپیہ پسند کارکن مزدوروں میں کام کرتے تھے ان کو مشکلات پر سامنا کرنا پڑا، یہ صورت حال خاصی تشویش کی ہے کیونکہ غریب دستوں کیوں کے معنی میں دھیس اور ادا میں ڈیپٹی پٹی بلکہ کہیں کہیں لا محدود افزائی بھی، دوسری طرف ان کی دے، دوسرے کا اثر و نفوذ ! یہ اکاؤنٹ دانہ نہ دیا جاتی نہ تاحہ سے کے مطابق مفروضہ پر چلے گئے، تو اس کے نتائج کتنے دھوکے اور خطرناک ہوں گے !

پاکستان میں کیونٹسٹ کیا کہہ رہے ہیں ! اس کی دفعہ مثال، پلی، تانی، اسے ایرویز امپلائز یونین کا آرگن "مشیر" ہے جس کے سربراہ ہر ۔۔۔

عبادت و کائنات کا ترجمان -

مردم ہے -

۔ منسٹر کی پختہ اشاعتیں ہمارے سامنے ہیں، نومبر ۱۹۶۵ء کے مشترکہ شمارے میں انڈین سٹیٹس پر جو مضمون ہے اس کا عنوان ہے۔
 ”امریکی محکمہ سازش کا نیا شکار ————— انڈونیشیا“

قائم کیا گیا ہے، یہ پوسٹ کا پورا مضمون کیونسلٹ افکار کا ترجمان ہے، ایک دو اقتباسات :-

● ————— بڑی فرج کی کمان سامراج دوست مائیکشن کے سپرو کی گئی اور پھر آہستہ آہستہ انہیں فوجی و ذریعہ بھی بنادیا گیا۔ سامراج دوست ناسریشن اور سامراج دشمن ایٹم کی سوئکاروں کی مجلس مشاورت میں شمولیت

● ————— یہ بات بالکل طے شدہ ہے کہ اول اول بری فرج کے سامراج نواز ایٹم کیونسلٹ دشمن حلقوں نے کیونسلٹ پاسٹی کی رورہرو کی پڑھتی جوئی مقبولیت کے پیش نظر، فوجی بغاوت کرنے اور صدر کو قتل کرکے حکومت کا تختہ الٹنے کی ناپاک سازش کی تھی :-

کیونسلٹ ٹون مڈری کے خلیفہ انقلاب پانی کی کوشش کریں قودہ پاک اور اس انقلاب ہوتا ہے، مگر کیونسلٹ کے خلاف جو تحریک چل رہی ہے وہ ”ناپاک سازش“ ہوتی ہے انہیں کیونسلٹ کے علاوہ حکومت کا تختہ الٹا جاسکتا ہے اور اسے الٹا جانا بھی چاہئے، کیونکی کیونسلٹ کا تختہ الٹنا چاہتا ہے وہ سامراج دوست ہے، اور گولڈن روٹی ہے۔

● ————— ٹائیپا کے خلاف قائم شدہ محاذ کو کمزور کرنے والا، سامراج دشمن محاذ کی متحدہ طاقت کو کمزور کرنے والا سامراج دوست ————— انڈونیشی زیریں ناسریشن، ناسریشن زندہ نہ چھوڑتا ————— یہ امریکی چھوڑ گیا اور اس نے ساری صورت حال بدل ڈالی ”

مئی ۱۹۶۶ء کے ”منسٹر“ میں دنیا کی سب سے زیادہ فعال دینی تنظیم ”افغان المسلمون“ کو ”رجعت پسند“ کا خطاب دیا گیا ہے۔

● ————— ”مقبول رجعت پسند عناصر کی جماعت افغان المسلمون کی نظریہ مآثر مشرک اور کیونسلٹ ہے اور تعریف یہ ہے کیونسلٹ کی نظریہ وہ بڑا انقلابی ہے۔“ ————— اس کے لئے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس کا تختہ الٹ دیں۔
 واصل یہ رجعت پسند عناصر ہرچیز گھٹاؤنے معاہدہ کو قبول کرنے کے لئے خبیث کام میں نام استعمال کرنے سے بھی سبیل فرماتے، حالانکہ وہ اسلام کے نام پر وہی کھوپڑی نظامِ دالیں لٹا چاہتے ہیں، جس میں زمینداروں کو کسانوں پر ظلم کی آزادی ہو..... (صفحہ ۱۷)

دولت یہ بات سرفیصلی غلط ہے کہ جمالی نامہ کو افغان ”مشرک“ سمجھتے ہیں، جمالی نامہ ہرچیز تمام نظام کے باوجود مشرک اور کافر نہیں ہے، اگر مظلوم ”افغان“ پہ گھنڈے سے مسدود کرکے کا، جمالی نامہ لکھا گیا ہے وہ جوت کا محتاج ہے، کیا ”افغان“ مصر میں خواب، ناکاری، سود خوری، رشوت اور کاسم کی دوسری بلاتوں کو دے دینا چاہتے ہیں، یا حالانکہ وہ اتان بانیوں کے مٹانے کے منصوبے ہیں؟ ”افغان“ جیسے محفل و تحیدہ اور ان دوست مظلوم جماعت پر کیونسلٹ کی طنز و ملامت دراصل ان ”مشرقی“ کے لئے لکھی گئی ہے اور اسلام کا خلاف سے کھلی ہوئی دشمنی کا ذیل ہے اور ایک قلم ہے کہ امریکہ کے شہید جریدہ ”ناٹم“ اور نیوزویک نے بھی کیونسلٹ کی رائے میں ملادی ہے، انہوں نے ”افغان“ کو رجعت پسند قرار دیا ہے، یہاں تک اسلام دشمنی کا تعلق ہے روس، امریکہ ایک ہی سطح پر تاجا رہے ہیں، جیسے اسلام ان طاقتوں کا ”مشرک دشمن“ ہے۔

● ————— جب تک مزدوروں اور کسانوں کی حکومت قائم نہیں ہوگی اس وقت تک معاشرتی استحصال، صوبائی تقصیر، قومی امتیاز

کے لئے جھگڑوں اور تہذیب و تمدن کا چیمپ ایلینان کشن اور مطلق میں ناممکن ہے، دشمنی اور خون ریزی (صفحہ ۱۸)

کیونٹ جب مزدوروں اسکاڑوں کی حکومت" بریتے ہیں تو اس سے ان کی مراد کیونٹ حکومت ہوتی ہے؛ انہوں نے کھوٹا پنچھوٹا نظام کا نظارہ دکھایا ہے، وہ پاکستان کے جس شعبہ، ٹھکانہ اور اسے سے بھی تعلق رکھتے ہیں، کھانا وہ لا محالہ کیونٹ نظام حکومت" قائم کرنے کے لئے زمین پر اور کریں گے؛

● "ہمارے روحانی فرمانروا جو ہمارے تپاس کے مطابق، چین کے بے دین لوگوں کو کٹر پڑھانے لگے تھے، خود بھی بے دین لوگوں کا کنگڑا ٹھٹھے ہوتے واپس لوٹے۔"

● "چین کے خلاف امریکہ میں جتنا لڑا جیسا ہے، ٹھکانہ اور خیریت کی جانب سے منکر، اگر فری بانا جائے، نماز پڑھنے والوں کو پھنس دیا جائے، پاکستانی عوام کے ایمان کو تازہ رکھنے کے لئے، سال میں کم از کم دھماکا باہن عربین کو بلوایا جائے، اسلامی ممالک بنانے کی عملی تیاریاں شروع کر دی جائیں، عالم اسلام کی مشترکہ فوج بنائی جائے، خلافت کو دوبارہ واپس لایا جائے، پاکستان کی جو صحبت صالحین کے تبلیغی مشن تھیں، پیچھے جائیں اور چین اور مشرق وسطیٰ کے خلاف دھمکنا کرنے والے دوست ممالک کو پنجہ پر مارشٹن پڑوی انہیں عطا کی جائیں اعلیٰ زبان عربی تو ددی جائے۔" (منظر - ۱۹ - طاقت مستند - صفحہ ۴۹)

جلالت الملک شاہ فیصل نے اسلامی اتحاد کا جو منصوبہ بنایا ہے، یہ اس منصوبے کے خلاف دلی بیڑاں لگائی گئی ہے، اسلامی اتحاد کی تحریک کیونٹ کی طرح شیشا رکھتے ہیں، وہ تو مسلمانوں کی صفوں میں انتشار اور پانگ لگی چاہتے ہیں، مسلمانوں کے طبقہ میں ان کا نام نہ، شمال، مگر ہے، جس نے اسلامی اتحاد کے منصوبے کو سبوتاژ سازش قرار دیا ہے۔

منظر نظر کی نامسمانی سے فسر یاد

کیونٹوں کی جڑیں رفتہ رفتہ اتنی بڑھ گئی ہیں کہ وہ پاکستان میں ردہ کرنا کا خاقا اڑاتے ہیں، اسی کا ردہ "منظر" کی منہ ملتے کی طاقت میں

صفحہ ۲ پر یہ جوت نظر آتی -

"قیدی رہتا ہے، عوام تقدیر میں، عوام بے خطا ہیں۔

پہرہ دار - آؤ بے خطا ہے

قیدی - خدا مجرم ہے

صلوات بادگشت (دہشت و دہ سے) مجرم، مجرم، مجرم

پہرہ دار - خدا تم میں ہے

قیدی - اس خدا پر تم قدرت حاصل کریں گے

پہرہ دار - کیڑے، احمق خدا کے خلاف کھڑے کچھ ہوں

قیدی - کیا خدا کے خلاف میں کھڑا ہوں، یا خدا ان کے خلاف کھڑا ہے

یہ قانون، یہ بیعت، یہ ناگزیر حکم، آؤ کو آؤ سے لڑانے والا، خدا کا انصاف

کی عدالت میں پیش کرو، میں اسے ملزم قرار دیتا ہوں۔۔۔۔۔"

پی آئی، اے کے انہوں نے اعلیٰ اس کے کہ دھڑکا اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملے ہیں، اور کوئی مسلمان کسی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کی توہین نہیں کر سکتا، کیا یہ مضمون پی آئی، اے کے کے ارباب میں دھڑکا نگاہ سے نہیں گزرا، اگر نہیں گزرا تو اس بے خبری کو آخر کیا نام دیا جائے، اگر گناہ ہے تو پھر اس مضمون پر شدید ترین ریش لینا چاہئے، خدا کوئی خیریت آؤ اپنے دل، باپ کے بارے میں کوئی ہلکا لفظ بھی سنیں گوارا نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ کی کشتی میں

کتابت شد اولیٰ در کتابت امیر طبرستان که در کتابت امیر طبرستان کی چنانچه ہے۔

حکومت افغانستان کا خلیفہ ملک و خاندانی شعلہ بندی کے خلاف قسیمی کی برسرِ محاربت تھا اس کی فوجی شعلہ انجانی دل اٹھانہ ضلوع
 کیسے چھپا رہا ہے اس کی برسرِ محاربت کیسے چھپا رہا ہے اس کی برسرِ محاربت کیسے چھپا رہا ہے اس کی برسرِ محاربت کیسے چھپا رہا ہے
 طرح اس ملک کی برسرِ محاربت کیسے چھپا رہا ہے اس کی برسرِ محاربت کیسے چھپا رہا ہے اس کی برسرِ محاربت کیسے چھپا رہا ہے
 دل و دماغ اس کی برسرِ محاربت کیسے چھپا رہا ہے اس کی برسرِ محاربت کیسے چھپا رہا ہے اس کی برسرِ محاربت کیسے چھپا رہا ہے
 اس کی برسرِ محاربت کیسے چھپا رہا ہے اس کی برسرِ محاربت کیسے چھپا رہا ہے اس کی برسرِ محاربت کیسے چھپا رہا ہے

برسرِ محاربت کیسے چھپا رہا ہے اس کی برسرِ محاربت کیسے چھپا رہا ہے اس کی برسرِ محاربت کیسے چھپا رہا ہے
 اس کی برسرِ محاربت کیسے چھپا رہا ہے اس کی برسرِ محاربت کیسے چھپا رہا ہے اس کی برسرِ محاربت کیسے چھپا رہا ہے

کتابت شد
 ۱۲۶۶

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِآزَنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا

اس پیاری آیت میں ہمارے پیارے رسول کے پیارے اوصاف نہایت جامعیت کے ساتھ بیان فرمائے گئے ہیں، حق بھانہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ۱۔ اے نبی گرامی! میں نے آپ کو بھیجا اس حال میں کہ آپ میں گواہ اور خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے اور اللہ کی طرف اس کے حکم و قدرت سے بلانے والے اور ایک چراغ اُچھا لگانے والے،

ایمان کی تزیین ہے کہ یہ آیت حضرت پیغمبر کے لئے خداوند عالم کی جانب سے ایک منثور انعام ہے جس میں آپ کے فضائل و حمایہ، ذاتی اوصاف و اوصاف پر بارگاہِ نصاف و نقد سے ہر صداقت ثبت فرمادی گئی ہے تاکہ جہاں آنحضرت علیہ السلام اس نعمت خاص کے شکر یہ بہ فریقہ تنبیہ و روشاد کی ادائیگی میں اندھا یا دسرگرم رہیں، و ان اہل عالم کو بھی بتا دیا جائے کہ آپ ایک رسول برحق اور نبی صادق ہیں، اب آپ جیسے اسلام کا بریل بلا سہے گا اور آپ ہی سے رہتی دنیا تک تمام میں اُچھا لہے گا۔

پس جن ہو یا انسان، سب ہو یا کچھ، جو بھی آپ کی دعوت و حید پر لبیک نہ کہے گا اور آپ کے ارشادات کو کج قبول نہ کرے گا، وہ یقیناً جہنمی میں رہے گا اور اس کے حصہ میں جہنمی و سرگرمی ہے نہ لذت و خوراک اور سرمائی ہے۔

حق بھانہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی! میں نے آپ کو بھیجا، ہمارے سوا دوسرا کوئی ہے جو کسی کو رسولِ نبی بنا سکے، پس آپ نبی صادق ہیں، اچھا صدق ہیں، آپ کی میرت حمیدہ، آپ کے اخلاق محمودہ اور انبی و پیغمبر ہونے پر آپ کا یہ علم کہ جو آپ کی صفتِ نبوت پر شاہد عادل ہیں، پھر قرآن مجید آپ کو عطا فرمایا گیا ہے وہ آپ کے دھوئے نبوت کی صحت پر ایک برهانِ قاطع ہے، ان دن وہ ایک حاکمی مجز و پراسطاف سے بھی کہ اس کے پہلے (اور تخری) نے شعرائے عرب اس کی کتابت میں لاف و طعنت کو ہمیشہ کے لئے ساکت و بہرہ کر دیا اور اس صحت سے بھی کہ علومِ صفائی، معارفِ ربانی، اور تخریرِ روحانی کے ساتھ اہلِ امت مسلمہ میں مستحضر ہو رہی ہیں، ان کے ساتھ ان کی خبر و ترغیب، و تجرباتِ صادقہ اور اس سلیحہ کی شہادت سے مجھ ثابت ہو رہی ہیں۔

وَمَا تَحْمِيَّتُ قَطْرَ الْإِثْمِ وَلَا عَادُ مِنْ خُسْرٍ سِيَرِ
أَعْدَاؤِ الْإِسْلَامِ وَاللَّهِ الْمَلِكُ

لہذا معاف! کہ جو البعضاف مسند و
دفعہ جوہر فی الحسن والظہر (تقریباً)

یعنی قرآن پاک کے مقابلے میں آپ کے سے بڑا دشمن بھی نہ ہوگا، مضامینِ قرآنی میں ایسا قصہ اور اس بات سے جو جیسا سند کی موجود میں نہایت ہے اور اس کے حوالے میں قیمت میں جہاں پر فروغیت رکھتے ہیں۔

خود بیانِ طریقات و صفیات اور عالمِ جہانات و نباتات و حیوانات میں بھی بہت سے مخلوق و حیرات آپ کو کھلا فرمائے گئے ہیں۔

اول یہ کہ آپ کی خدمت ہمارے ہاں آپ کا وجود باوجود ایک جہ ہے، ایک لمحہ اس لئے فرمایا۔
سراچہ منہ پر ایک روشنی کے شعاع چلائے۔

الفاظ - اسیہ ظاہر ہے کہ جب چورنگ سبزی نہیں کھتی تو پھر کھانے والی کو روشنی کر دے گا، اس کا نکل دے گا، یہی نہ ہوگا، سعادت میں ہی
ہے کہ کائنات لا ظلم لشخص فی الشمس ولا تمس لاند کائنات دوسرا (الشفاعتہ عن حقوق المصطفیٰ للعیاض)
یعنی حضور کا سایہ نہ تھا نہ آفتاب میں نہ ہاں میں، آپ کو لے گئے، اس سے نفی طور پر مستحب ہوا کہ نبوت میں بھی آپ کا کوئی ظلم نہیں ہو سکتا
وہ تو لطیف و عظیم تر ہے۔

دوسرا، شب و راج میں، خانہ کعبہ کے سوا متصل اللہ والے سے عزت اور فوق عزت، ملک و ملت تیل میں، آپ کے گناہ گشت علیٰ ارض، معراج جسمانی
اور بہانہ دہانی کی جین دیں نہیں لو گیا ہے۔

سوم، آپ کے ایک اسی سے ترش ہو گیا اور چونکہ قرآن مجید بار بار مذکور ہے اس لئے اس احتمال کی بھی گنجائش کسی مخالف کو نہ رہی کہ
وہ خود خود شوق ہو گیا ہوگا کیونکہ سرور چیزیں خیر سے قاسم کو نہیں ہو سکتی، آفتاب پر جو گرم و خشک ہے اگر یہ مجراہ مانع ہوتا تو خشک دہائی ایسا دم ہو گیا کرتی تھی
نہی میں حضرت ہمارے سعادت ہے کہ یہ کیم خطر پڑے وقت و وقت فرا کے ایک نئے سے نیکہ رنگا پڑے تھے جو سجدہ ہی کے ستروں میں سے ایک ستون تھا۔
ہب حضرت کے لئے مہربان ہو گیا تو اس پر جہاد افریزہ آپ کی تھا، لگادہ کھنکاستوں فرمایا کہ اسے اندر قریب تھا کہ شوق ہو جائے کہ حضور نے اسے اترائے اور اس
کو چٹایا، پس وہ اس بچے کی طرح جس کو روکنے سے عاجز ہو گیا کیا چلنے کے سکیاں بھرے لگا ہواں تک کہ اس کو فرما لیا، مراہب لہیز میں اس حدیث کو متواتر اور
نفع الہامی میں اسے مفید یقین کہا ہے اور صاحب شارح نے اس کے تواتر کا اثر لیا ہے۔

لہذا دست لہ الجوز العذیم تختسروا فان فراق الحب ادھی المصاب

(قصیدہ ہاشمہ انشاہ ولید الشہد جوئی)

ہاں تو آپ شاہد ہیں، خدائے قدس کی وحدانیت کی، اس کی عظمت و جبروت کی، اس کی صفات کاملہ کی، اس کی دست و کبجہ اللہ عظیم کی شہادت
رہتی ہے، اپنی عظمت و سعادت کا اقرار کرتے ہیں، اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمداً عبداً و رسولہ
اور یہی نہیں کہ محض شاہد ہوں، آپ سب سے بھی بہتر یعنی خدائے عظیم و کریم کی نعمتوں کی کثرت و عظیمیہ کی کہ جس کی احاطت کرے گا جس کی پہاں
بھی حیات طیبہ، موت و نعوت، فوز و فلاح، سکون و طمانینت اور عافیت اور جنت میں دائمی عزت کے ساتھ رفیٰ اعلیٰ کی قربت۔
اللہ ان پر بھی پس یعنی خدائے ذوالجلال کے قہر و غضب اور اس کے عذاب و ذروری ماعدی سے خائفانے کو کہ جس کی خیریت کا کام کو خاطر میں نہ لائے گا
اور اس کی محبت کو دل میں جگہ نہ دے گا وہ بد یمن و ذلیل اور ذلیل بھی خود بخود خیر و دنیا و آخرت۔
غلامیہ کہ آپ خالق کائنات کے وہ ہے اور وہی اس کے بندہ کو سمجھا دیتے ہیں، تاکہ عجب نصرت اور دفعی مغفرت کا مستحق و مہر و لڑائی سے ملے اللہ
نیک پرکاش کرے اور اسے آہستہ آہستہ سب سے بھی خیر کی نصرت و نصرت کی نصرت اور اس کے طالب ہو جائیں۔

بلکہ تیرے نزدیک جبر و قہر پر قدم ہونا چاہئے کیونکہ وہ مغفرت پر ہم سے جبر و نصرت سے، لیکن چونکہ نصرت الہی غضب بھی پرست ہے لہذا اس لئے ہرگز
مقدم کی تاکہ معلوم ہو جائے کہ ازیمیت کا انفرادی اعلیٰ نصرت و نصرت ہے۔ اور یہی جبر و نصرت کی جانب سے نصرت ہے۔ وہی سزا و عذاب، وہی نصرت کے حکم ہے
ہر جہت نصرت و نصرت، اسانہ انعام و است
ہر نصرت و نصرت تو یہ بلانے کس کا نہ نیست

قرآن مجید کی خصوصیات

اسلام ملت پر کائنات ہے تو قرآن اس کا منشور ہے اور یہ وہ منشور جس نے امت مسلمہ کے لیے رہنمائی کو خداوند تعالیٰ کا آخری پیغام اہم افروزی پسند و نظام حیات عطا کیا، امت مسلمہ کو اسی پیغام کا حامل بنا کر اپنی زندگی اور سفر فیزیکی و دینی پر کھلتے جس نے تاریخ کے دھاریں کو مٹا دیا اور اتمام دہلی کی قوت پر ہیں ہلی ٹالیں۔

۱۔ قرآن کی تعلیمات آفاقی ہیں۔ قرآن کریم کی سب سے اوّلین خصوصیت یہ ہے کہ اس کی تعلیمات آفاقی ہیں ان میں کسی ایک رنگ، کوئی نمونہ و نسل کی تین گروہ اور کسی ملک یا کسی خاص قومیت کو دخل نہیں رکھا گیا بلکہ تمام انسانیت انسان کے فساد و بہبود کے لحاظ سے ہدایت دی گئی ہے قرآن مجید میں ہر بار یا ابراہیم اس۔ ملک لئاس، اہل لئاس، کافہ لئاس، وغیرہ الفاظ استعمال کیے ہیں۔ مثلاً کافہ لئاس بشفہ زدن پر (تمام لوگوں کے لئے خوشخبری و نجات والی اور ڈانے والی) اھدی لئاس (تمام لوگوں کے لئے ہدایت ہے) ایچری الفاظ اور کافہ خطاب سے تمام انسانیت کو یہ کتاب ہدایت دیتی ہے اور کسی امت یا کشتی فزلی کی خصوصیت و قدرے متعلق ہے اس میں بھی قومیت کا رنگ بھلکا ہے؛ قرآن کریم کی تمام تعلیمات خواہ وہ اصولی ہوں یا فروعی، کلیات ہوں یا جزئیات، اصولی ہوں یا عقائد، ایچہ ہوں کہ وہ تمام انسانوں کے لئے ایک وقت تمام انسانوں کے لئے یکساں اور ہم رنگ و قوم کے لئے ایک ہی طرح مناسب و مفید اور قبول عمل ہیں، انسانی علم کے سرور جس قدر کچھ ہوتے ہیں ان کے مطابق ان کا اثر جس قدر بڑی کرتا جائے گا اور ان کی زندگی کے لئے جس قدر کچھ ہوتے جائیں گے قرآنی تعلیمات کی افادیت اور تعلیمت، انسان کا ہوتی جائے گی۔ قرآن کریم ہر زمانہ اور ہر مائتہ کی طلب و ترقی کے لئے مشعل راہ اور چراغ ہدایت ہے۔

بعض ناواقفان، مجاہدین اور مستشرقین قرآن مجید کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ محض عربوں کے ہے، نہ ہدایت تو ہر زمانہ ہر جگہ کی کائنات کے لئے اس کو کتاب ہدایت قرار دینا محض تکلف ہے یہ اعتراض اس لئے اٹھایا جاتا ہے کہ قرآن کریم جو حدیث ہے ساری، عقائد و اصولی زیر بحث کے میں ان کا تعلق نہاد و ترک و ترک و ترک سے تھا۔ مثلاً مشرک اصاص کے متعلق استدلال ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کے اندر جو وہانی طرز استدلال ہے وہ بھی عرب و ترقی کی نشاندہی کرتا ہے۔ جنت اور جہنم کا تصور بھی عرب و تہذیب اور عرب کے متعلق ہے خاصہ امتیازت کے لحاظ سے عرب و تہذیب کا خطاب عمومی و ترقی کی حکایت ہے۔

یہ اعتراض اس لئے صحت نہیں ہے کہ قرآن کریم نے تعلیمات دہلی میں جن سائن پر بحث کی ہے وہ ایمان کے مائتہ سائن اور ایمان کے آج بھی موجود ہیں اس نے قوم کے مائتہ اہل مشرک کی توجہ کے لئے جو مائتہ و تہذیب بھی جو مائتہ اہل مشرک کے خلاف دہلی مائتہ دینے کا حکم ہے۔ اس کا ہر ایک اور عقیدہ قرآن مجید نے جو اسلوب بیان اور طرز اختیار اختیار کیا ہے۔ اس کے اندر کثرت الحقائق ہے تو وہ اس نے ہر جگہ قرآن کے اور میں خطاب تہذیب و تہذیب ہے کہ قرآن مجید نے اہل کمال اسلوب اختیار کیا ہے اس کے ساتھ ساتھ دین و عرب کی تہذیب کے لئے اس طرح مفید و مصلحت سے حکمت و خدائی کا تقاضا ہے تھا کہ اس طرح کی کتابت و تہذیب ہو۔ وہ ان اس کو کمالیہ اور تہذیب برکت اس سے پسند کے لفظ پر پہلے چھوٹ خاندانہ کا تقاضا ہے بھی تاکہ قرآن مجید و خدائے لئے دلیل اور مجتہد ہے

مستحق جن مقصد کو رہا ہے۔ تہننا یعنی شیعہ۔ یہ روز نگاہ کی ہر طرف سے چمک رہا ہے اور دین اسلام کو ایک مکمل نظام فکر و عمل کے طور پر سمجھا گیا ہے اس کی تعلیمات کے بعد انسان کی حسی تعلیم کا تمام حلقہ نہیں ہے بلکہ اس کے قرآن کریم نے اپنے دامن میں صف اول میں کی وہ بنیادی تعلیمات بھی محفوظ کر لی ہیں جن کی کائنات کو ہمیشہ فروست تھی۔ اس نکتہ کی تفصیل میں مناسب مقام پر آئے گی۔

۴۔ اس کی تعلیمات مخصوص حقائق ہیں
قرآنی تعلیمات نہایت شعور اور تہذیبی و معاشرتی حقائق ہیں، جن کو چونکہ صدیوں میں کوئی فلسفہ رو نہیں کر سکا اس لئے وہ دلائل کی گودوں کے ساتھ گئی نظر اور انھیں کو کھلوانا ان میں ثابت کر سکا

ہے، اللہ تعالیٰ کا اشارہ ہے ۱۱۱ حدیث ۱۱۱ آیت ۱۱۱ یہودی بائبل بھی اقوام۔ یہ کتاب ایسی باغی کی طرف مائل تھی کہ ہے جنہاں ہی مضبوط اندھنوں میں ہے ایسے حقائق پرستش ہے کہ نواز کی کرشمی، علوم طبیعی کے کثافات، ذہنی ارتقاء اور معاشرتی تبدیلیاں غرض کوئی بھی علم و ان تعلیمات کو کسی پہلو سے نہ نہیں ثابت کر سکتا بلکہ ہمارے تعلیم میں جس قدر اضافہ ہوگا اور دنیا میں جس قدر وسعت پیدا ہوگی اس قدر قرآن مجید کی تعلیمات کی حقانیت اور انہماک میں ہر واقعہ ہوتی چلی جائے گی لا ایتہدہ انہا حل من بین یديہ ومن خلفہ۔ باطل دنیا کی گمراہی سے اس کے پیچھے سے آگاہ۔ یعنی قرآن کے اندر کچھ ہے وہ حق چاہا اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ باطل ہے لہذا وہ اس پر حملہ نہیں کر سکتا۔ اگر بن یسویہ سے روئے مستقبل لیا جائے اور من خلفہ سے نواز باقی رہ جائے تو یہ نکتہ اندر زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی غور کرنی چاہئے کہ قرآنی تعلیمات کو اقوام ثابت کرنے کے معنی یہ نہیں کہ ان کو گھونچ کر ان کو کس قسمی کثافات کے مطابق ثابت کیا جائے اور یہ کہ طبیعی کثافات یا ان کثافات کے خلاف انسانی خواص اور مشاہدہ کی سب چیزیں اہمیت اور غور کی جا رہی ہیں جس کو سنا ہے کہ جس کثافات کو حقیقی حقیقت سمجھ کر قرآن کے اس کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، وہ اپنے اندر کوئی حقیقت ہی نہ رکھتا ہو بلکہ حقیقت کے تجربات اس کو باطل قرار دے دیں گزشتہ ایک صدی میں سائنس و طبیعیات اور دوسرے علوم کے بعض ایسے نظریوں کو قرآن کے مطابق قرار دینے کی کوششیں کی گئیں، جن کو مقبول عام ہونا نظر آیا، مگر کچھ عرصے کے بعد ہی نظریے کھوئے گئے ثابت ہوئے اندر قرآنی حقائق کی وضاحت کی اور بڑھ گئی اس لئے ضروری ہے کہ وہ باطل کا صحیح قرآن کو قبول کیا جائے اور جو نظریہ اس صحیح پہلو پر آئے اس کے کسی بھی کچھ کے بغیر رد کر دیا جائے۔

اس کا ایک پہلو یہ بھی قابل توجہ ہے کہ اگر ہم قرآن کی صداقت کو ثابت کرتے وقت اس کو ہر دو نظریات کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش کریں گے تو ہر قرآن تو صحیح صداقت نہ رہے گا، معیار صداقت وہ نظریات ہوں گے جن کو اقوام ماننے لگے گا۔ حالانکہ بات درست نہیں ہے۔

۴۔ آخری ہدایت
قرآن مجید ان کی آخری کتاب ہے، نئی کتاب کے سلسلہ کو ختم کرنے کا خوف بھی قرآن مجید ہی کو حاصل ہے۔ اس کتاب کی لکھنے کی آخری

ادب اس کے کسی نئی ہدایت کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لیکن رسول اللہ و خاتم النبیین۔ لیکن وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم کو ختم کرنے والے ہیں۔ ختم نبوت کا مسلمات کا مخصوص اور جمہوری اور متفقہ مسئلہ ہے قرآن و سنت کی ہے شمار غرض اس کی نصیحت کرتی ہیں، دین اسلام کی تعلیمات کا جذبہ کسی دوسرے نئے ہی یا کسی دوسری کتاب کے لکھنے کے امکان کا مدخلہ قطعی طور پر نہ ہو سکتا ہے۔ اس بات میں ہر کسی کو کوئی شک نہیں رہتا بلکہ یہ مشاعرہ حیاتانی نفع میں ملتی ہیں۔ توحید شریعت کی حیثیت سے ان امر سالۃ والنبیۃ قد انقطع فلا رسول بعدی ولا نبی۔ رسالت اور نبوت کا مدافہ بند ہو چکا ہے لہذا ہرے بعد کوئی نئی ہوگا اس لئے کوئی رسول ہوگا۔

۵۔ قرآن کریم ناسخ کتب و شرائع
قرآن مجید دوسری اسمائے شریفہ اور کتبوں کا ناسخ ہے جو کہ اس کی تعلیمات تمام ان کی کے بعد ہی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہیں اور زندگی پر مشتمل کئے ہیں۔ اس لئے اس کی موجودگی میں کسی ایسی اسمائے شریفہ کی تعلیم پر عمل کرنا نصرت نہ ہوگا جو کسی گزشتہ زمانے کے لئے مخصوص تھی یا کسی خاص علاقے کے لئے مخصوص تھی یا تاریخی تھی قرآن مجید اس سے پہلے اسمائے کتبوں کی اس حیثیت سے

ما بین الانبیاء نبي الا اعطى من الايات
ما مثله اومن اوت من عليه البشر
واخما كان الذى اوتيت دعيا او صاه الله
الى فـ جـ رانى اكلهم تالفا في القيامه
درجہ بخاری باب الاخصام

دنیا میں ہر نبی کو کچھ نہ کچھ معجزات دئے گئے جن کی وجہ
سے لوگ ان پر ایمان لائے لیکن جیسے اللہ تعالیٰ نے جو معجزہ
دیا وہ دوسرے پر جو اللہ تعالیٰ نے محمد پر اتاری۔ لہذا جیسے محمد
کو تمام اشیاء سے قیامت کے دن میرے متبعین زیادہ ہوں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید خود معجزہ ہے قرآن مجید نے یہ قہر کی کوئی اس جیسی کتاب ہائے فادرا بسورۃ من مشملہ اس جیسی
کوئی سورت لاؤ۔ درود ص ۱۰۱ ناؤ بسورۃ مشملہ واؤ عومن استطعت تم من ورون افشا۔ قرآن جیسی کوئی سورت لاؤ لہذا ان کے سوا اس کام
کے سے قوم کو بھی بن سکتے ہر بلاؤ۔ ۱۰۱ ۱۰۲ آج تک کوئی اس طرح کا جواب نہ دے سکا اللہ نہ دے سکے گا۔ اسلام اللہ کا آخری اور مکمل ترین پسندیدہ
نظم ہے صا دبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کاس کانت میں اللہ تعالیٰ نے آخر نبی احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے۔ آپ کی اس حیثیت کا تقاضا یہ تھا کہ آپ کے ہم ترین معجزے
اوصال کی گولٹوں اور نشانہ کے قیامات سے بلند ہر تر اور محفوظ رہیں اسلئے معجزے میں مقول حکیم ادبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ

۹۔ قرآن راز فطرت ہے۔
اس سے پہلے یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ قرآن کریم نے دین کامل پیش کیا ہے جو تمام مذہبوں کے لئے استعمال و اقام کے لئے
پسندیدہ دین ہے اس کے اصول ناقابل تغیر ہیں وہ "قوم" ہے اور "معجزہ" ہے "وہ ایسے معجزاتی اور ایسی عبادت
پر مشتمل ہے کہ اس جیسی کوئی کتاب پیش نہیں کی جاسکتی۔۔۔۔۔ لیکن قرآنی تعلیمات کا ایک دستوں پہلو یہ بھی ہے کہ وہ فطرتِ الہی کے عین مطابق ہیں۔ کوئی
اصل ایسا نہیں ہے جو ناقابلِ لمس ہو۔ قرآن کا دعویٰ ہے کہ اس نے فطری تعلیمات چلی کی ہیں۔ اس نے ہر احکامات دیئے ہیں وہ نہایت مترادف، قابلِ عمل اور عام
الہ نوری صلاحتوں کے مطابق ہیں لا یدکلف اللہ نفسا الا و شغوا۔ اللہ تعالیٰ بغیر اس کی استطاعت اور ہدایت کے مطابق ہی تکلیف دیتا ہے۔
بڑے بڑے مانا خود ہنسکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ قرآن مجید کا کوئی حکم ایسا نہیں جو عقل نہ ہو یا حکمت سے خالی ہو۔ انسانی علم و تجربہ کے
ارتقاء کے ساتھ ساتھ، قرآنی احکام کی حکمت، لگرائی اور انسانی معاشرے کے لئے ان کی افادیت واضح تر ہوتی جاتی ہے۔



آزمودہ دواؤں کا مرکب **انجلیں**



Spacie

سر درد - کمر کا درد - دانت کا درد
 ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے
 یقینی زود اثر اور بے ضرر علاج ہے

۵۱/۵۶

صحابہ کرام للہ مولانا مودودی

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے مقالہ :-

”خلافتِ راشدہ سے ملکیت تک“

محض مولانا طغلا احمد عثمانی نے ”براء عثمانی“ کے عنوان سے فقہِ نسائی مبنی، یہ کتاب ”جیب“ فاضل میں تبصرے کے لئے آئی تو اس پر تمام اعراف نے تبصرہ کیا، جیسے مسلمان کے دینی اولاد سے ”فریڈنگ میڈیکیشنز“ نے کتابی صورت میں چھاپا اور ایک دو جلدوں میں بھی اس کو نقل کیا گیا، اس طرح اس تبصرے کی خاصی اشاعت ہوئی اور معقول علمی و دینی حلقوں میں اسے دلچسپی کے ساتھ پڑھا گیا۔

”فاسان“ کے ہر اس وصف و صفات اس کے گماہ میں کہ ہم نے فقہِ تبصرہ میں اپنی دانست اور ذوق و معلومات کی حد تک کسی کے ساتھ کیا دلی نہیں کی، کہتا ہوں کہ محاسنِ دوسان کی کڑویاں یہ دونوں رخ ہم پیش کر دیتے ہیں، وہ جسکی شاعر نے کہا ہے :-

سہ آئینہ اپنی لطافت کی سسڑا پا تا ہے

تو اپنے ذوقِ شغف کی بدولت ہمیں بھی بعض اہلِ تسلیم اشعاروں کے عقاب و خضب کا نشانہ بننا پڑا ہے، مگر ہمیں اپنے کسی نادار سے شکایت نہیں ہے، جب ہم دوسروں پر تنقید کرتے ہیں، تو خود ہماری تحسیر و تنقید و احتساب سے کس طرح محفوظ رہ سکتی ہے۔

”براء عثمانی“ پڑھنا ان میں جو خاصہ طبعی تبصرہ ہوا تھا اس پر اس کتاب کے فاضل حضرت (مولانا طغلا احمد عثمانی) اسکا جزا دے جناب قمر احمد عثمانی نے غنیہ فرمائی جو بہت روزہ شہاب کی تین اناہوں (۱۰۰ رگت، ۱۰۰ رتیر، ۱۰۰ رتیر) میں چھپ کر منظر عام پر آئی ہے۔

قمر احمد عثمانی صاحب کی شخصیت کا اس اعتبار سے تعارف ضروری ہے کہ صاحبِ موصوف نے عائشہ کو فاضل کی تائید میں سرکاری نقد لگا، کی تمجید کی اور ترقین کرتے ہوئے، ایک کتاب لکھی جسے ان کی ایک خاتون عزیزہ کھانم سے چھپوایا گیا، تموجاب کے لئے بھالی سراسر صاحب عثمانی بیرون سے فنڈز اکاملت کے دست و پا نہ ہوئے جس نے ہمیں اقتضایا تین سال پہلے حضرت مولانا طغلا احمد عثمانی نے خاک روک لکھا تھا کہ... بیوی عمر احمد عثمانی کا خدام احمد پرستہ اختلاف ہو گیا ہے اب ان کے وہ خیالات نہیں رہے، آپ اپنے دل میں اس واقعہ کا ذکر فرمادیں۔ میں نے مولانا مودودی کی خدمت میں عرض کیا کہ اس اختلاف کی جھجھی اظہار علی ہے، مگر سنا گیا ہے کہ وہ اختلاف انتظامی اور مالی معاملات سے متعلق رکھتا ہے اگر عمر احمد صاحب کے عقائد و خیالات میں تبدیلی آگئی ہے تو ان کی تحسیر بھیجوائیے۔ ”فاسان“ میں اسے شائع کر دیا جائے گا اس کے جواب میں مولانا عظیم نے حکمت اختیار فرمادیا۔

قمر احمد عثمانی صاحب کی تنقید کا تیسرا پیرا گراف مندرجہ ذیل ہے :-

وہ منہ اندر سے ہوتا ہے اور اس کی تفسیر کا اقتباس درج کر کے لکھا ہے ۔

”نہ معلوم آپ جس سال کے بعد کیا انقلاب رونما ہوا کہ خود مولانا مرحوم کا قلم تاریخ کلاسیسی ہے حضرت عثمانؓ نے جیسے اصحاب کیا اور سیرت کو داغ دینا ان کے لقمہ ہاگ ہو گیا ہے اس حدیث فامان بھی اسی مسئلہ کی تائید ہمنوائی میں ایک مدت سے دونوں طرف کہہ رہی ہیں ۔۔۔۔۔“

مولانا مرحوم دیکھ پر یہ تہمت ہے کہ حضرت عثمانؓ کی سیرت کو داغ دینا ان کے لقمہ ہے ہاگ ہو گیا ہے! حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دو صفات کے چنا مضبوط بات کے ذکر کر دینے کے پیش پرگز نہیں ہیں کہ ان کی سیرت ہی سرے سے داغ دینا جو کئی مولانا مرحوم نے جس سال پہلے تاریخ و سوانح کی ضمن میں صابہ کرام کے بارے میں جو اصولی بات بیان کی ہے وہ اس پر آج بھی عمل پیرا ہیں یعنی وہ عثمانؓ کی بعض اضطرابات کی واقعیت تسلیم کر لینے کے بعد بھی انہوں نے بعض مورخین اور محدثین کے لگا کر اس حیثیت سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نیت پر کسی شبہ تک کا اظہار نہیں کیا، بلکہ آپ کی سیرت اور زندگی میں نفوذی و طہارت کا اعتراف کیا ہے!

مولانا مرحوم نے حضرت عثمانؓ کی بعض تاریخی تعلیقات کو نقل کر دینے کے بعد بھی ”بے ہاگ ہو جانے کی نیت“ حضرت عثمانؓ کی نیت اور سیرت و کلام پر صریح لکھ نہیں کی، بلکہ ان سے صحابہ و نفوذی کو منسوب کیا ہے! یہ دلیل ہے اس احترام و عقیدت کی جو مولانا مرحوم نے تمام صحابہ کرام سے اور خاص طور سے کہ ان صحابہ سے کہتے ہیں، لانا کی تحریک اور اقتباس تمام صاحب نسخہ مقام میں درج فرمایا ہے ”اُس کی یہ حیثیت ہے“ جیسے کوئی کہے کہ تفسیر و تفسیر میں بعض انبیاء کرام کے بارے میں جو غلط و ضیاع روایات ملتا ہے، صرف اس کو ماننے سے کہہ کر انبیاء کرام کی مقدس سیرتوں کے باب میں کوئی ماننے قائم نہیں کر لیا جاتا ہے ۔

”صحابہ سے اظہار اختلاف ادا کرنا صرف گہری کا حق صرف صحابہ کرام سے ہے کسی غیر صحابی کو یہ جرات نہیں کرنی چاہیے“
 ترمذی و عثمانی صاحب نے یہ بات ٹھیک کہی ہے، ہم تو یہاں تک عرض کرتے ہیں کہ صحابہ کرام پر صرف گہری (اور ان کی رائے سے خواہ مخواہ اختلاف) پر مزاج ہی کسی مسلمان کا نہیں ہونا چاہئے، اگر ہم سنیوں کو خود صحابہ کرام کے معیار اختلاف پر اس حد تک میں غیر صحابی بھی ٹھکرانا اور ماننا نہ کرے، کسی ایک یا چند صحابی کے اقرب الی الخ قول کو لے کر کہتا ہے اور دوسرے یا چند صحابہ کے قول کو ٹھکرک کیا جاسکتا ہے! ہم صحابیت کے موضوع پر آگے چل کر گفتگو کریں گے۔

”صحابی نہیں ہے ۔“

”اگر ساری عدالت اور حفظ و ضبط میں مشہور ہو، لیکن تقدیر نہ ہو، جیسے ابوہریرہؓ، انس بن مالکؓ، و ابوبکرؓ ان کی حدیث تیس کے مطابق ہو تو تب اُس پر عمل کیا جائے گا اور اگر مخالفت ہو تو فرضاً (صیغہ) چھوڑ دیا جائیگا۔“
 اب اگر کوئی اس پر اعتراض دے کہ اگر وہ صحابی کو صحابی کے بارے میں یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ ان کا صحابی ”نقد“ میں نہ ہو یا دوسرے کہ صحابہ کی طرح نقد نہیں لکھنا۔۔۔۔۔ تیرہ اعتراض بلندئے اعتراض ہے! صحابہ کرام کے کیا وجوہات ہیں! اس کا تعین کتاب و سنت اور خود اقوال صحابہ کی روشنی میں غیر صحابی (ابن سکر) اہل سبب ماننے سے کیا ہے! اصحاب اگر صحابہ کے مقابل میں ناقص جانتے ہیں۔۔۔۔۔

”ان غنیمت کی تقسیم کے وقت بعض انصار نے کہا: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو انعام دیا اور ہم کو محسوس نہ کیا، حالانکہ ہماری تمام دولتیں سے اب تک قریش کے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں، بعض بڑے مشکاکات میں ہماری یاد ہوتی ہے اور غنیمت (اور صلہ کو ملتی ہے)۔“ (سیرت النبی جلد اول)
 انصار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تھے، ان کے اس فعل پر غیر صحابی بھی اپنی رائے کا اظہار کر سکتے تھے، اور ان کا ہاتھ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل میں ان کا یہ اعتراض کسی طرح درست نہ تھا اور اس میں ہوائے نفس شامل نہ تھی بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عز و شرف، کہ ان کو معاف کر دیا گیا، وہ نہ یہ الفاظ غضب الہی کا سبب بن سکتے تھے؟

تاریخ کی دونوں کتابیں یہ بتاتی ہیں کہ حضرت سعد بن عجلہ نے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرو بن عبد مناف سے بیعت نہیں کی، اسد اللہ بہ کے مصنف نے تاریخی ملازمین سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ "قلہ یصلح سعدا باہلک ولا عسر" یعنی سعد نے نہ ابوبکرؓ کی بیعت کی اور نہ عمرؓ کی ۱۲ دونوں نے حضرت سعد کی وفات کا سنہ ۵ ہجری لکھا ہے اور "تین کے ساتھ" ہجری جو لکھا گیا ہے وہ بھی حضرت عمرؓ مدنی رضی اللہ عنہ کا چھ صدقہ بنت ہے، ان اعراس "تین کے ساتھ" سنہ ۱۰ لکھا ہوا ہے، قراحد عثمانی صاحب کی دیانت کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے "تین کے جہول اور کردہ انداز بیان کا اپنی تفسیر پر سہارا لیا ہے۔ ہر مضمون نگار کو حقیقت کے ساتھ ہی بات لکھنی چاہیے کہ کسی مضمون نگار سے کسی ناقص عالم یا سرور حادثہ کے سبب لکھنے میں کوتاہی بھی ہو سکتی ہے مگر جب اس پر کوئی شخص نقد و احتساب کرے گا اور یہ کہے گا، "فول فاقہ مضمون نگار نے غلط لکھا ہے تو اس نتیجہ کو ملاحظہ فرمائیے مستند اور ذہنی پونا چاہئے انہوں نے قراحد عثمانی صاحب کے غیر مستند اور بے وزن بات کہی ان کو چاہئے کہ سنہ ۱۰ لکھا ہے پس کسی ذمہ داری اور تحقیق کے ساتھ بیانات کہ کریں نہ ہی ہم ان کی تفسیروں کو ہلکا اور بے وزن سمجھیں گے۔

خاک دے تبصرے میں لکھا تھا۔

۱۔ حکیم کے مسند میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ حضرت عمرو بن العاصؓ نے جو معاملہ کیا، اس کی جو کوئی تائیدیں کرے گا مریخی غلطی کا ارتکاب کرے گا؟

قراحد عثمانی صاحب اس نتیجہ کے تقابلیے رقمطراز ہیں۔

"... اس تمام واقعہ میں قابل غم بات یہ ہے کہ عمرو بن العاصؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے وعدہ نہیں کیا تھا اگر وہ حضرت علیؓ کو معزول کر دیں گے تو جواب میں وہ بھی امیر معاویہؓ کو بطرف کرنے پر آمادہ ہیں اس کے علاوہ دوسروں کی معزولی کا مشورہ بھی انہوں نے پیش نہیں کیا تھا، یہ تجویز ابو موسیٰ اشعریؓ کی طرف سے پیش کی گئی تھی اور انہوں نے عمرؓ کو ابن العاصؓ کے مرض یہ کہہ دینے سے تو بھڑپ اس کا اعلان کر دیں۔ از خود یہ یاد کر لیا کہ عمرو بن العاصؓ بھی حضرت معاویہؓ کو معزول کرنے پر آمادہ ہیں، ان کی اس غلط فہمی یا سادہ لوحی کا لازم عمرو بن العاصؓ پر عائد نہیں کیا جاسکتا۔"

ابن نافعؓ کی اس تقریر میں سب سے زیادہ قابل غم بات یہ ہے کہ انہوں نے علیؓ کی رسولی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ رضی اللہ عنہ سے "سادہ لوحی اور غلط فہمی منسوب کی ہے حالانکہ وہ خود بھی یہ اصول اور عقیدہ بیان کر چکے ہیں کہ غیر صوابی، صحابی رسول پر تنقید کرنے کا مجاز نہیں ہے۔

واقعہ حکیم کے مسند میں "الکامل ابن ابیہ (جلد دوم ص ۱۳۳) کے متن کا اردو ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

"پھر عمرو بن العاصؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے پوچھا بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے انہوں نے جواب دیا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم ان دونوں کو معزول کر دیں اور پھر اس بات کو مشورہ پر پیش کر سکیں کہ مسلمان جس کو چاہیں گے خود اپنا خلیفہ منتخب کر لیں گے، تو عمرو بن العاصؓ نے کہا جو تمہاری رائے ہے وہی میری رائے ہے، تم ان دونوں کو لوگوں کے سامنے پیش کر دو جو اس دلت جمع ہیں، پھر عمرو بن العاصؓ نے کہا اسے ابو موسیٰ ان لوگوں کو بتا دو کہ ہمارا اس بات پر اتفاق ہو چکا ہے تو ابو موسیٰ نے لوگوں کو بتایا کہ ہماری رائے اس پر متفق ہے اور ہم خط سے امید رکھتے ہیں کہ وہ اس میں اُمت کے لئے بہتری کی صورت نکالے، اس کی طرف سے بھی تصدیق کر دی اور پھر کہا ابو موسیٰ اپنی بات شروع کر دو، ابو موسیٰ آگے بڑھے تو عبد اللہ بن عباسؓ نے ان سے کہا: اور اسے! مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ تمہیں دھوکہ دیا گیا ہے، کیونکہ اگر تم دونوں کا اس دست پر اتفاق ہو چکا ہے تو پھر عمروؓ کو تم مقدم کر دو کہ وہ تم سے پہلے (معزول کرنے کے مسند میں) اعلان کریں، ان کے بعد پھر تم اعلان کرو، کیونکہ وہ دھوکہ باز آدمی ہے بلکہ مجھے یقین نہیں ہے کہ وہ رضامند ہو جائے گی نہ کہ جب تم کہو گے

ہرگز اس اعلان کو دیکھ کر وہ قہری غفلت کرے گا۔ اس پر کوئی سادہ لوح و عقل ہتھ — اس پر
 البرزخی نے کہا کہ تم نے اس پر غفلت کرتے ہو کیا ہے — یہ ہر کوئی کے سامنے اعلان کر دیا، اگر لوگ ہم نے امت
 کے اس مسئلہ میں بہت غور کیا، اس امت کے لئے مسیح دنیا وہ بہتر و خیرا اس امت کی پلٹ کی کامیابی سے
 عموماً علی ہی ہے جس پر میری رائے تھی کہ اس کے متعلق جیسا کہ اس وقت ہے اس وقت ہے کہ ہم چاہے دنیا وہ دنیا کو موزوں کر دیں
 اور جو لوگ ہم میں کہا ہیں اپنی پسند سے غلط منتخب کریں۔ چنانچہ میں علی اور سادہ لوح کو موزوں کر دینا اب ہم
 اپنے اس مسئلہ کو غور و سنجیدگی سے لے کر بھی اپنی بھر آئے دنیا خلیفہ بنا لو۔ اس کے بعد البرزخی پیچھے ہٹ گئے،
 اور مروت نے اسے کھڑے کر لیا، انہوں نے جو کچھ کہا آپ لوگوں نے سنا انہوں نے اپنے قہری و زنجیری حکم کو موزوں
 کر دیا ہے اور میں ہی ان کے قہری کو موزوں کر دینا چاہتا ہوں۔ چنانچہ وہی معاویہ
 کو خلیفہ سارہ کھڑا کر دیا، اس لئے کہ ابن عثمان نے ان کو دانی بنا یا تھا اور وہ ان کے قول کے خلاف نہیں تھا۔ ان
 کے پیچھے نہ زیادہ عقیدہ قائم تھا۔ اس وقت تک کہ اسے البرزخی ائمہ کو موزوں کر دینا چاہتا تھا۔ اور
 اس کے مقابلہ میں کہہ دیکھتے تھے، البرزخی نے دیا ہے کہ اس کی کہنا انہوں نے ایک بات ہم سب سے اتفاق
 کر لیا اور ہم اس سے پیچھے گئے۔۔۔۔۔

قرآن صاحب نے ناقدہ حکمران کے مسئلہ میں حضرت حمزہ ابن ابی اسحاق کی قصیدہ و ممانعت کی جو کوشش کی تھی وہ کہنی ہے اصل بات ہر قاسم اور طوط
 نے اس مسئلہ میں جو کچھ عرض کیا تھا اس کی تصدیق ہو گئی۔

میں نے اپنے تجربے میں لکھا تھا۔۔۔

حضرت عثمان کے مروت کی تعریف کرتے کرتے خود غرض حضرت دروہا ظفر اور عثمانی ان رعایتوں کو دیکھ کر
 گھبراہٹ میں حضرت حمزہ علیؓ نے اس مسئلہ میں حضرت علیؓ کو مروت کا مروت بڑا کر دیا ہے۔

اس کے جواب میں عثمانی صاحب نے "رؤیہ عثمان" کی جو عبارت نقل کی ہے۔

"اگر حضرت علیؓ ان رعایتوں کی پذیرش کو مضبوط کر دے جو عثمان کے ہاتھ تھے، بلکہ خلافت کا منصب
 سنبھالتے ہی "مسئلہ" سے پس کرنے کہ ان رعایتوں کے بارے میں قہری کیا رائے ہے؟ مجھے کیا کہنا چاہئے
 تو حضرت ظفر و عثمان حضرت معاویہ کو مطالبہ ہم عثمان کے لئے راست اقدام کی قرب نہ آتی۔"

راہات کو دیکھ کر کہنا کہ صاحب مروت لکھتے ہیں کہ۔

"ہمدی محمدی نہیں آتا کہ اس پسندیدہ رعایت کی بات غلط ہے لکھ کر اس مسئلہ سے حضرت علیؓ کی تعریف کا
 پہلو لگاتا ہے۔"

مولانا ظفر اور عثمانی کے اس جملہ ہے۔

"اگر حضرت علیؓ ان رعایتوں کی پذیرش مضبوط کر دے، جو عثمان کے ہاتھ تھے۔۔۔۔۔؟"

رہت علیؓ کے "مروت" پر کرنی صرف نہیں آتا!

مردم: "حمزہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مولانا ظفر صاحب عثمانی نے اپنی کتاب "رؤیہ عثمان" میں یہ لکھا تھا۔۔۔
 ابن عباس کہ: "وہ نے حضرت عثمانؓ سے رائے لیا، حضرت عمرؓ کی وفات اس وقت تک نہیں ہوئی

جب تک قرطیس اُن سے اُگ نہ گئے، انہوں نے قرطیس کے (مجاہدین) کو مدینہ میں محصور کر دیا تھا۔ اس کی تعدیل و ممانعت یا تاویل کی جرات قراحمہ صاحب نہیں کر سکے، اہم نچنے بھرے میں یہ لکھا تھا کہ :-

”حضرت عثمان غنیؓ کے ولید خلافت کے سلسلے میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی رعایتوں کو نقل کیا ہے، اور حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کیلئے مولانا غلام احمد عثمانی نے بھی رعایتوں کو دوسرا ایسا ہی اس صورت میں روایات کے نقل و اعادہ سے۔“ نقد و جرح کی بوجہ مدت چٹی آتی ہے اس میں دلائل بزرگوں کا ایک ہی ہوتے ہے۔

اور بات اپنی جگہ ثابت ہے کہ مولانا غلام احمد عثمانی ایسی رعایتوں کا پانی کتا نہیں دے رہا ہے جو حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے حقوق کے بارے میں۔ نقد و جرح کی کیفیت پسین کرتی ہے۔ گریں کر اگاہ ہے، تو۔

سہ اس گناہیت کہ دہر ہر شمایز کنندہ اگیدہ جرم ہے۔

تو اس طرح حضرت مولانا غلام احمد عثمانی اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ایک ہی جیسے جرم کے مجرم ثابت ہوتے ہیں!

قراحمہ عثمانی صاحب کی تنقید ان حملوں پر ختم ہوتی ہے :-

حق و باطل

”مضمر خاصہ طویل ہو گیا ہے، اب ہم اس کی کسر و عا پر ختم کرتے ہیں کہ کاش! مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، ’مناہب دہم القادی‘ انسان کے یہ غریب حضرات اس ضمن کے مطالعہ سے اس حقیقت کو سمجھ سکیں کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے یہاں اپنی رائے کے واسطے واقعات و حقائق ثابت میں نسبت حق و باطل کی نہیں مابرج و مرج کی ہے اور یہ کہ منہاجت بھی بڑا کام و موضوع جرح کے بجائے تعدیل کا مستحق ہے۔“

یہ تو عجیب و غریب انکشاف ہے کہ جو دھمکین کی بجائیں، مابرج و مرج۔ ”مناہب دہم القادی“ میں صواب و غلط اور صحیح اور حق و باطل کی سرسے سے کوئی نسبت ہی نہ تھی! حالانکہ اہل سنہ و اہل اجماعت کے جس کا مسلک یہ ہے کہ حق و معین اور علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان ”پیش حق“ اور ”دہم اللہ و ہم“ کے ساتھ تھا۔ اس نچنے معاین میں یہی موقف مولانا مودودی کا خفیہ کیا ہے۔

نقد حنفی کی معروف ترین کتاب ”ہدایہ“ میں مابرج و مرج لکھا ہے :-

در یحوز استقلال من الاستقلال، لیا تو۔ لکھ جو زمین العادل، لان الصحابة تغلظ وامن معاہدہ حق کان پیدا علی فی وقتہ۔“

دیگر چار جہے، فاضی بنانا سلطان چار کی طرف ہے، جس طرح چار جہے، عادل کی طرف ہے، کیونکہ معاویہ و معاویہ کی طرف سے فاضی قسم دے اور حق حضرت علیؓ کے اقداس تھا۔

علامہ مرفعیؒ نے صاحب ”ہدایہ“ سے اس عبارت میں حضرت امیر معاویہؓ کو ”سلطان چار“ کہلایا اور حضرت علیؓ کو ”حق پرستان“ پھاڑا، ہر جہے کو علیؓ حق پرستے تو ان کا مخالف ”فاخر پرستہ“ ہمارا نظر ہے۔ جگہ کوئی ایسی تشبیہ نظر نہیں گزری جس میں صاحب ”ہدایہ“ پر قرآن مجید کا التزام لگایا گیا ہو (یہ کتاب ”ہدایہ“) مروجہ دین کے ساتھ عدلیوں سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ دوسری پڑھائی چارہ ہے، اگر صاحب رسولؐ کے کسی خاص پر تشبیہ گناہ ہو تو فاضل حنفی کے دئے بڑے امام، ہمیں عورت نہ ہو جاتے، دعا گار سے یہ فعل سہو ہو گیا تھا تو دوسرے علما ماننے پر تعلق نہ تھا۔ یہ خبر دکر تے۔

قراحمہ عثمانی صاحب نے اپنی تنقید میں صاحب ”ہدایہ“ کے قول سے اختلاف کرتے ہیں، یہ سمجھنا بات کلی ہے کہ امیر معاویہؓ کے پاس میں امام اعظم کا یہ مسلک نہ تھا، انہیں امام موصوف کا قول نقل کرنا تھا، پھر انہوں نے اس سے زیادہ بہیم بحث اور جادو کی پچھڑ لگا ہے، حضرت امام رضید دین رحمۃ اللہ علیہ اس عمل سے فخر کا سلام کی وجہ سے مجھے میں مگر حسن کی ایمان کی لازمی شرط قرار نہیں دیتے اس سے قطعاً ان کا یہ گودھو کا ہمارا گودھ ”موجوبہ“ مسلک کہتے تھے، حالانکہ نقد معنی

اور میں اس مسئلہ کی تردید کرتی تھی ہے۔ اگر عین کامک توفیق و توفیق پر پادری کو طیر شامیہ حضرت علی اور امیر معاویہ کے مابین جدل و نزاع کے سلسلہ
ابجاء کی بحث کا ذکر سمجھ میں نہیں آیا۔ کاش، فاضل تفسیر نگار صاحب طبع و علم ہمارے خیال فرماتے۔
صاحب پایہ کے قول کے بعد المسامرہ شرح المسامرہ (جلد ۳) کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

”واعلم انہ قد راقق اهل الحق و دھوا اهل السنة والجماعة رضي الله عنهم على ان معاوية
وامام خلافة (علی) رضي الله عنه ومن الملوك لام من الخلفاء واختلاف مشائخنا في اسامة
اى امامة معاوية (بعد وفاة علی) رضي الله عنه (فقتل صار اماماً) انعقدت له البعثة
ووتبين الام انى له ايضاً اماماً (بقوله عليه الصلوة والسلام) اخذتة بعدى ثلاثون
شهرا يصير ملكاً عضوضاً“

اردو میں اصل میں بھی اہل سنت والجماعت نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ معاویہ حضرت علی کی خلافت کے زمانہ میں پادریوں میں سے تھے، خلفاء
میں سے نہیں تھے، اور ہمارے مشائخ نے ان کی امامت کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ حضرت علی کی وفات کے بعد بعض لوگ کہتے ہیں کہ معاویہ بن
گئے تھے انسان سے بہت لی گئی تھی اور بعض کہتے ہیں نہیں وہ امام نہیں تھے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے بعد نہیں
سب خلفاء رہے گی، پھر لوگ عرض فرماتے ہیں امام تھے۔

اس پر کسی عبارت میں حضرت امیر معاویہ پر لغت و وجہ ہی کا پہلو نکلتا ہے اور اس عبارت کی بناء پر صاحب المسامرہ تم صواب کلام کی اذیت یا
کا اٹھام نہیں لگایا گی!

حاشی کی صواب سے اپنی تنقید میں کسی حد تک بغیر و تہاد و تہاد کے بارے میں ایک عبارت لکھ رکھی ہے حالانکہ جامع ترمذی کے صحیح اصابہ میں
”من اب حدیث قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ابش يا عمار تعلقك الفنة الباقية
من اسطورة لم يكتف بها“ مثلاً (صاحب معاویہ)۔

اور امامی ترمذی نے اپنے مقالہ میں یہ بات حق لکھی ہے کہ قتل سرانجام کے بات حق پوری طرح واضح ہو گیا تھا، یعنی یہ کہ حضرت علی سے جنگ کرنے والے باقی تھے
اور امامت سرانجام احمدی حدیث یہاں پوری اس حدیث کا شروع میں فرماتے ہیں کہ الفئنة الباقية سے مراد معاویہ اور ان کی جماعت ہے۔

لیکن ابوری میں حضرت سرانجام اللہ شاہ صاحب اس حدیث پر غور فرماتے ہوئے آخو میں لکھتے ہیں کہ۔

”علمائے کبار کہ یہ حدیث بالکل محکم کلام اس بات کی واضح دلیل ہے کہ علی حق و صواب پر تھے، اور دوسرا گندہ
باخیر کا تھا، لیکن وہ مجتہد تھے اس لئے ان پر کوئی گناہ نہیں۔“

پھر یہ ہے کہ خلیفہ راشد کے مقابلہ میں بغاوت کو اور حق و باطل کے موبہ و۔۔۔ عثمانی صاحب فقہی نزہات کی طرح راجح و مرجوحہ میں
انجیم میں اور ان کی رائے کی اگر صحت مان لیا جائے تو صحابہ کرام کی کتنی حجت آج ہے کہ وہ راجح و مرجوحہ میں ہیں ایک دوسرے سے فوہر جنگیں کب کرنے لگے۔
شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبدالرحمن بن نفیم حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوہریرہ کے مابین ایک مکالمہ کو نقل فرمایا ہے جس کے قری الفاظ

ہے۔

”مروءہ کا شرابی میں کیا وطن، مروءہ تو طلاق میں سے ہیں، جن کے لئے خلافت ہو ہی نہیں سکتی، وہ اور ان کے خالد

سروادانی الخراب میں سے تھے۔“ (مقتصد ص ۲۵۵ - ۲۴۹)

سچ الخرافہ میں جامع الاصول و مجمع الزوائد امام محدثین محمد سلیمان (جلد ۵) میں ہے کہ جنگ صفین میں حضرت حماد بن خداہنی نبال سے یہ حدیث

حضرت عمر بن العاص سے بیان کی، تو انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا، جب حضرت عمارؓ شہید ہوئے تو ۔۔

۔۔ عمر بن العاص رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا، کیا آپ سے ہیں شنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد بنا رہے تھے تو عمارؓ سے کہا، تم جواب دو پر عرض ہوا، تم جتنی بھی کہہ تلو کہے گا، معاویہ نے کہا، لا، میں نے شنا ہے تو عمر بن العاص نے کہا، آپ لوگوں نے انہیں قتل کیوں کر ڈالا اس کے جواب میں معاویہ نے کہا ۔۔ ہم نے کہاں قتل کیا ہے، انہیں تو اس نے قتل کیا ہے جو انہیں میدان جنگ میں لے آیا۔

حضرت معاویہ کے اس عجیب غریب جواب پر شیخ محمد اعلیٰ محدث دہلوی، تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر معاویہ کی یہ دلیل درست مان لی جاتے تو پھر اس کے یہ سنی ہوں گے کہ غزوہ احمدیں امیر عمر رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کیا تھا۔

اس مسئلہ میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کیا فرماتے ہیں ؟ ۔۔

باجسد، صلیحین امت کہ وے دینی معاویہؓ را مرتکب
کیسہ باید دانست و زبان از لہن وطن بنداید نمود
والا مایقالی فی من زنی و من زنی و من شرب من العصاب
رضی اللہ عنہم اجمعین و وہ ہر جائے طاعتی اجہاد سی را
دفع و اوان خالی از مساحت نیست ۔۔

الفرض درست یہ ہے کہ انہیں رضی اللہ عنہ کو امیر و کبیرہ کا مرتکب
جاننا چاہئے اور بدیہی لہن وطن بند کھنا چاہئے و گرنہ ان
معاویہ کے پاس سے یہ کہا جائے گا جن سے نسا اور شراب نوشی
مسند دہلوی اور ہر جگہ خطائے اجہاد کی کو دفع دینا کوئی تعریف
کی بات نہیں ہے ۔۔

رضادی عزیزی ص ۳۳۴

اس کتاب پر رشتہ دہلوی غریبی ص ۱۱۰ میں تک ملتا ہے :-

۔۔ یہ صحیح ہے اور حالی از ذلت تہ نفسانی نہ بود۔

انالہ الخافین شاہ ولی اللہ دہلوی نے المستدک کی بعض روایات نقل کی ہیں، جن میں خواہی کی مذمت وارد ہوئی ہے مگر ہم ان حدیثوں اور

روایتوں کو یہاں نہ نقل نہیں کرتے کہ صاحب المستدک دھاکم پر تشبیہ کی جانب غاصبیت کا التزام لگایا گیا ہے ۔۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متسا اللہ علیہ جو خدا بخیر مستر فیض و خروج کی طرف متل نہیں ہیں، وہ ملا سچ الشیوہ میں لکھتے ہیں ۔۔

۔۔ گفتہ اند محمد ثانی کہ ثابت شدہ امت و فضل معاویہؓ بیج حدیثہ (ص ۵۴)

۔۔ محدثین نے کہا ہے کہ فضل معاویہ میں ایک حدیث بھی ثابت نہیں ہوئی ۔۔

علامہ ابن عساکر برنہ ۔۔ الاستیعاب میں اس حدیث کو نقل کیا ہے اس کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے ۔۔

۔۔ البروق طیلگی ہشام سے امیر المومنانہ حمزہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں عمارؓ سے فرمایا ۔۔ کہ وہ کچھ لکھیں اس

لکھا کہ اگر باکوہ کھا لکھ رہے ہیں، میری بھی، تو میری حضرت معاویہ کی طرف سے میری جواب آیا کہ وہ کھا لکھا سب

ہی، امیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا ۔۔ لا شیئ اللہ بطنہ ۔۔ اللہ اس کا پٹ کبھی نہ بھرے ۔۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب ۔۔ اختصار الصحاح میں امام ثانی کے واقعہ کو روایت کرتے ہیں ۔۔

۔۔ حضرت عثمانؓ آمد ۔۔ وابل ناحیہ لوبیہ لکھتا ہوا کہ معاویہؓ دیر چہرہ فضل آورد و نہ اندر

جواب میں لکھتے ۔۔

امام رضی اللہ عنہ ان شخص جو راساً جو اس حق فیض

مصلحتاً اظہار گفت نمی شایم بچ فضیلت بلا لا الشیخ الاسلام بطنه پس مردم بخاستند و در پیچیدند،
و بگویم متها که در چند روز در لای گماند مسجد بیرون آمدند و او را به درگاه بردند و آنجا بخت بسیار
شد و کائنات بسیار بوقت از دنیا رفت (ص ۱۰۰)

مهری و شرف آید اندوختن والدین یک باره بچین امام شافعی سے دریافت کیا کہ آپ عابدیہ کے بارے میں کیا
کہتے ہیں انسان کی فضیلت میں کون سی بات آتی ہے انہوں نے مافی کے جواب میں کہا کہ عابدیہ کسی عامی نہیں کہ ہمیشہ
مرا بہر ہی چھوٹ جاتیں چہرہ ہائیکہ ان کی فضیلت میں کوئی چیز وارد ہوتی ہو اور ایک روایت میں ہے کہ میں ان کی فضیلت
میں اس حدیث کے ساتھ کہ اللہ کوئی حدیث نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "الانسان کا پیٹ کبھی نہ
بھرتے ہیں اس پر لوگ بڑکے تھے اور ان سے پہلے گئے انسان کی بڑی بے رحمی کی انسان کو دانا شروع کر دیا،
پھر انہیں مسجد سے باہر کر دیا گیا اور بعد پرچا دیا گیا وہ اسی روضہ سے بجا رہے تھے اور اسی بیماری میں دنیا سے
کوچ کر گئے تھے

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس واقعہ کو پڑھنے کے بعد، ہم نے احادیث کے بعض مجموعوں کو دیکھا، ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
نہایت بے شک سچہ روایتیں امیر معاویہؓ کے حق میں ہیں۔ یہ کہ اسے اللہ انہیں سب دکھائے رہا، کتابت الہیہ (مکملہ) — اور عذاب
بچا، حیرت ہے کہ کنز العمال میں وہ روایت نہیں ملی، جس میں امیر معاویہؓ کے "دادی دہدی بنائے جانے" کی دعا کی گئی ہے، انہی روایات کے لئے
وہابی بھی فضیلت و شرف کا باعث ہے، مگر وہابیہ وایتوں کے علاوہ دوسرے صحابہ کے فضائل والی احادیث کی طرح کوئی حدیث امیر معاویہؓ کی
شان میں نہیں ملی۔ جس طرح حضرت زبیرؓ ابن العوام کو حضور نے اپنا "جوانی" کہا ہے یا خلفائے راشدین کی فضیلت میں صرف وہابی نہیں
احادیث میں وارد ہوئی ہیں، البتہ حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہؓ کے ثناءات دیکھ کر انہیں "کڑے عیب" کہا تھا۔
دینی خدمات میں زہد و عبادت میں، علم و عقل میں، اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف و قربت و محبت میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا ایک
مقابلہ، دینی جذبہ کے تحت ہی چھوڑ دیا، نے حضرت علیؓ کو کم اللہ و کم اللہ و کم اللہ کی تعبیر اور مخالفت کی ہے!

کوئی شک نہیں حضرت مسیحؑ یا آتش علیہ السلام رضی اللہ عنہما کی "نمازت" کیا نہیں رہے گا تو خود دیا انسان کا معاملہ تھا نہ ہو گیا مگر امیر
معاویہؓ رضی اللہ عنہ کا معاملہ، اس کے برعکس ہے، خلیفہ راشد علیؓ کو اللہ و جبرائیل انہیں گد زنی سے درخواست کیا، امیر معاویہؓ نے اس حکم کی تعمیل نہیں کی
اور خلافت راشدہ کے معاملہ میں اپنی انماست کو بڑھتا رہا، خلیفہ راشد سے جنگوں میں امیر معاویہؓ کی حیثیت "بانی" کی تھی، انہوں نے اپنے بیٹے
یزیدؓ کی واپس جہد کی کٹھن بیعت کے کما اسلام میں، نوکریت کی بناؤں وہی ان کے لئے جوئے واقعات کی دشمنی میں نرم نرم الفاظ میں ہی طرہ پر کہا جا سکتا
ہے، کہ امیر معاویہؓ کو حکومت اللہ اس کی لذتوں سے ذاتی طور پر دلچسپی تھی، ان خطیروں کے باوجود حضرت امیر معاویہؓ کا شرف صحابیت اپنی جگہ ثابت ہے بلکہ
ان کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ، لکھتے ہیں اور برتے ہیں۔

انہی نے، اپنے اس مضمون میں جناب محمد رفیعؓ (دعوت) کے سلسلے سے بھی استفادہ کیا ہے۔ اس سلسلے کی بعض روایتوں کا اصل کتابوں سے
ہم نے مقابلہ بھی کر کے دیکھا ہے، کتنی ہی روایتیں اصل کتابوں میں مل گئیں۔ مگر بعض کتابیں دستیاب نہ ہونے کے سبب، بعض روایتوں
مقابلہ نہ ہو سکے۔ لیکن صاحب موصوف پر بھی استناد ہے کہ خدا انہوں نے اللہ ان کے رفیق و معاون اہل علم نے اصل کتاب یا اس کا
لہذا اقتباس دیکھ بغیر کوئی روایت نقل نہیں کر سکتی۔ اے یہ کہ کسی کتاب ہی میں کسی مشیر نے تخریفات کر دی جو۔

دم-ق م

امیرت اللہ کے چھپتے بیٹے نیرید کے پاس سے ہم غور کیا کہیں، اُس کی ناپسندیدگی ہماری امت کا اجماع ہے اُس کے منہ سے نکلتا ہے اور۔۔۔
نا پسندیدہ ہونے کا معاملہ اس حد تک پہنچا ہے کہ امام احمد رضا نے قرآن سے کافر تک کہا دیا ہے۔ (المعارف صفحہ ۳۱) اور خراج حق نہ نفسی میں بھی
اسی خیال کی تعریف کی گئی ہے!

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

۱۔ علامہ نانوتوی کی اس عبارت کے مطالعہ کے بعد مقدمات گزشتہ کی تصدیق ہو جاتی ہے، اس اہل سنت کے

اصول پر نیرید کی سابق حالت بدل گئی، بعض کے نزدیک کافر ہو گیا اور بعض لوگوں کے نزدیک اس کا کفر

ثابت نہیں ہوا، بلکہ سابق اسلام، فسق سے خلوت ہو گیا، اگر امام موصوف نے نیرید کو کافر سمجھا تو اس پر خود

کرا نہیں کیا غلطی فرمائی، امام احمد کو بھی بات پسند آئی (بحوالہ مکتوبات مولانا حسین احمد مدنی رحمہم)

مگر سچی بات یہ کہ نیرید کی تکفیر کا فتویٰ عقیدہ اہل سنت سے درست نہیں ہے، ان وہ امت کے لئے بد اثر ہے، ان علماء کو کیا کہنے جو دیوبند سے شرف
نسبت رکھتے ہوئے نیرید کو حضرت احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، اور اس طرح ظالم حاکموں کی بہت افزائی کا سبب بنتے ہیں!

ایسا چاہیے کہ حضرت مجتہد ابن شہبہ رحمۃ اللہ علیہ کی ولی ہونے کا جو مشورہ دیا تھا اسی بات انہیں سمجھانی تھی، اس کو بھی پسندیدہ نہیں سمجھا گیا،
اور چاہیے کہ حضرت عمرو بن العاص کی سیاسی حکمت عملی پر چاہیے کہ وہ اس کی حمایت میں تھے، گنت ہی کی جائے گی۔

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کا ان واقعات و معاللات میں بڑی توفیق ملے، جو جہود کا باعث کثرت ہے اس لئے ان پر توہین صحابہ اور رعن و
خارجیت کی طنز و عریضہ و انصاف کا کھنسا ہے!

خلافت عثمان حضرت محمد عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی نیکی فیتی، نہ بد و درسا، بے نفسی و پاکیزگی اللہ بارگاہ رسالت میں آپ کو جو محبوبیت اور تقرب
حاصل تھا اس کا اعتراف مولانا مودودی نے اپنے مضمون میں کسی تشاہد و ایہام کے بغیر واضح نظر میں کیا ہے۔ اس کے
ساتھ وہ اس کے بھی قائل ہیں کہ حضرت عثمان کے دور خلافت میں بعض ایسے اضطرابات نمایاں ہوئے، جن کا خلافتِ عثمان میں وجود نہیں ملتا اور
حضرت عثمان کے دور خلافت کا طرز عمل پوری شانِ نبیل کے ساتھ خلافتِ عثمانی میں اس طرزِ منطقی نہ ہو سکا کہ کوئی انگلی اٹھائے کی جرأت نہ کر سکے۔
مثلاً تاریخ الخلفاء دھندل میں لکھا ہے۔۔۔

وكان كثير ما يولي بني اميه لمن لم يكن له مع رسول الله صلى الله عليه وسلم مكان يجبي من امرائه

ما ينكحوا صاحب محمد وكان عثمان يستعقب فيهم فلا يغيبهم فلو كان في سنة خمس وثلاثين نسبا

كان في السنة الاضافا خرب عده فخلاهم وما اشراك محمد و امر بتقوى الله

اور حضرت عثمان انگریز امیر میں سے والی بنایا کرتے تھے جنہوں نے حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہ اٹھائی تھی، وہ امر و بے کام

کرتے تھے، جو اسی بھڑکے پسند تھے، اور عثمان نے ان کے پاس سے میں موافقہ ہوتا تھا اور بھی آپ ان کو معزول نہ فرماتے تھے

یہ شہدہ مجری کا واقعہ ہے لیکن آخری پھر سال میں عثمان نے اپنے بیٹے کو قریح دینا شروع کر دی اور اپنے بیٹے کو والی بنایا

انسان کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ کیا، اور ان کو تقویٰ کا حکم دیا۔۔۔

مولانا غلام حسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:۔

”مگر اس کے ساتھ یہ کہنا بڑا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ عثمان کی یہ نہ فرما دی اور فرسلی طبیعت نے لوگوں کی ہمتیں بلند

کر رکھیں گے اپنی حد تک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے متعلق جو کچھ وہ کر سکتے تھے، کرتے رہے، لیکن

عزیز معلوم ہو گا کہ - حدیث " میں نقد کی ابتداء جن لوگوں کی راہ سے ہوئی، یہ وہی تھے جن کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نرم حکومت نے بد بختانہ بھارتوں کے ارتکاب کے مواقع فراہم کر دیے (دعویٰ حدیث ۱۹۷۹) دیوبند سے جلد دارالعلوم حضرت مولانا قادیانی صاحب کی نگارنی اندر سے کسی شیخ پر نہایت حضرت مولانا الانشا صاحب کے صاحبزادے اس کے ایڈیٹر میں، دسمبر ۱۹۷۹ء میں ایک مضمون مولانا محمد میاں - عرف مولانا منصور انصاری صاحب پر لکھ کر شائع ہوا جس میں وہ لکھتے ہیں، -

" یہ سنا بھی ہم کو تاریخ صحیح کے صفحات پر چھاپا ہوا ملتا ہے کہ حضرات عین رضی اللہ عنہما کی مضبوط یادداشت کے بعد عالم اسلام کے شہرہ مند مروان اموی نے حضرت ذی النہدین رضی اللہ عنہ کے ضعف پر ہی انصاری سے استفادہ کر کے بہت دلدلی پر دست تصرف پا کر، اپنی قوم بنی امیہ کے احساس قوی کو نہ کہ جگا یا بلکہ اس کو بنی ہاشم سے دست و گریباں کرنے کے لئے میدان میں بھی لے آیا۔"

اسی مضمون میں چند سطروں کے بعد مولانا محمد میاں نے جو دیوبند سے آکر برس شمار کئے جاتے ہیں اور حضرت شیخ الہند کے تبیت یافتہ تھے وہ رخصت عثمانی کو "مہرہ ضعف عثمانی"

لکھ ہے، کیا خلافت عثمانی پر تنقید کے اس جوہر میں مولانا مردودی کی طرح ان ہنگاموں کو بھی مورد لعن و طعن قرار دیا جائے گا!

یہی وہ مروان ہے جس کی تصدیق عثمانی، مولانا طیف احمد عثمانی نے اپنی کتاب دربار عثمان میں کی ہے۔ مگر مولانا محمد میاں انصاری اسے "منہر فساد" کا لقب دیتے ہیں، لیکن مولانا طیف احمد عثمانی کے صحیفہ حقیقت میں وہ حضرت ابو ذی النہدین ہے۔

مروان کی صحابیت کا معاملہ قرآن کے بارے میں حافظ ابن عبد البر نے الاستیعاب میں مروان کے صحابی ہونے سے انکار کیا ہے اور امام ابن خلدون تک مروان کو صحابی نہیں تاہم ابن خلدون نے طبع اولیٰ میں شمار کرتے ہیں۔ کیونکہ - توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہو ابن ثمان سنین اور نحوھا وسمہ ہوا لانہ خرج اری الطائف طفلاً لا یعقل ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب رحلت فرمائی تو کہے تھے مروان آٹھ سال یا اس کے قریب تھا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پس دیکھا۔ کیوں کہ جب وہ لا یعقل بچہ تھا تو طائف کو چلا گیا تھا

مروان کے بارے میں شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں -

مروان علیہ اللعنة ما بدگفتن و ہل از وزیر بود
خبر صاف دہلے کہ با حضرت عین راہی بیت ہی نمودند
وہدایت مستقرہ از بدگمانان - دل داشت از لہذا دم
سنت و محبت اہل بیت است
رفنا دئی عزیز ہی صحت

حاکم اس کے بارے میں المستدرک میں ایک روایت درج کرتے ہیں -

"عن عبد اللہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ ان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن الحکمہ

روایت

حضرت عبد اللہ ابن زبیر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم احساس کے بیٹے پر لعنت کی ہے۔

یہ حدیث المستدرک جلد دوم ص ۱۸۱ پر صحیح الاسناد ہے اور علامہ مذہبی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے!

مروان کو نہ بنی - ابن الطبریؒ اپنی محکمہ رسم پرے شخص کا بیٹا بھی کہتے تھے کہ اس کے باپ حکم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے نکال

اسی مضمون میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جیسے بڑے صحابہ کے متعلق ایک لطیف حدیث کی چمکی ہے، جس میں حضرت ابوذر نے حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ اور حضرت کعب احبارؓ کے بارے میں جو الفاظ استعمال کئے ہیں، وہ پسندیدہ نہیں ہیں، اسی طرح حضرت عباسؓ نے ایک بار حضرت علیؓ کو اللہ و جبر کے متعلق جو الفاظ کہے، ان پر "نا پسندیدہ" کی تنقید کر دی گئی۔ انات صحابہ سے تعبیر کرتا ہے وہ دینی فراموش نہیں رکھتا، اس قسم کا بشری کج بول کسی بھی زمانہ و فوس قدس پر بھی طاری ہو جاتا تھا، جس کی نشاندہی کہ اس پر نقد و تنقید کرنے پر حضرت عباسؓ کی ہنسناسی جگہ ہے جا اورد طبری و تاجہ طبرہ ہے۔

حالات میں صحابہ کرام ایک دوسرے کے فرق بھی ہوتے تھے، اعدان میں طرہ میں ایک ہی پر ہوتا تھا، اس قسم کے بعض واقعات کہ بیان فقہرو سے آیت بھی پند نہیں کی جا سکتی، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ثقیف کی بیعت سے جو لڑائی کیا اس پر بعض ارباب نے اس کے سخت تنقید کی ہے، بال غنیمت کے سلسلہ میں انصار نے جو اعتراض وارد کیا تھا، جس کی زد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر پڑتی تھی، اس فعل کی مذمت ہی کی جائے گی۔

حضرت عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہ کے دو خلاف میں آپ کی ہمدی نیک نیتی اور بے نفسی کے باوجود جو بعض اضطرابات طبعیہ، ان کا اظہار یا یہ کہ حضرت عثمانؓ کے دو میں خلافت کی مشنری میں کچھ ڈھیل پیدا ہوئی تھی یا بنی اسیرہ کو غلبہ حاصل ہو گیا تھا۔ اس قسم کی تنقید کرتے "مفتی" سمجھتے، فہم دفرست کی گوتی ہے! اس سلسلہ میں ولید مرغان اور حکم کی شخصیتوں کا ذکر آئے گا تو مورخ مدح و منہجیت کا رنگ قلم نہیں رکھ سکتا! حضرت علیؓ مدح و ذمہ رضی اللہ عنہما کے ہمین نزاع میں اسیرہ مدح و تنقید دینی، اخلاقی اور علمی و تاریخی اعتبار سے نا جائز افسانہ افسانہ نہیں ہے! دونوں میں سے ایک کو حق پر ماننا چاہئے گا، جو حضرات اسیرہ وادیر کی ملاحت کرتے ہیں ان کے قسم سے حضرت علیؓ کی شخصیت "تنقید سے محفوظ نہیں رہتی" مودنا ابراہام علیؓ مود دینی نے اس سلسلہ میں جو باتیں کہی ہیں دوسرے اکابر امت کی بیان بھی اسی انداز کے اقوال اور تفصیلات عتاب ملتا ہے۔ اگر آپ کرنا جو ہم سے تو مودودی صاحب دینی کو نہیں، تمام ارباب اپنے کو کجبرم ٹھہرائے، یہ کہاں کا انصاف ہے کہ دوسرے لوگ دینی بات کہتے ہیں تو ان پر کوئی گرفت نہیں ہوگی، مودنا مودودی کو "کتابت" طاعت بنایا جاتا ہے اور ہزارہ کے ایک بروی صاحب نے تو مولانا محمد قادیانی پر کفر کا فتویٰ تلک کاٹا دیا، اس ظلم پر جو حضرات نوٹ کرتے ہیں وہ بھی اس ظلم میں شریک ہیں۔

بعض حضرات کو یہ کہنے بھی شنگ ہے کہ ساتھ سے تیرہ سو سال بعد ان مباحث کو اس زمانہ میں چھڑنے کی کیا ضرورت تھی! ان حضرات کی خدمت میں عرض ہے کہ نہیں، اس قسم کی بات حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت شاہ محمد الغفران کے پاس سے بھی کہنی چاہئے کہ انہوں نے بارہ سو سال کے بعد اپنی کتابوں میں ان مباحث کا کبر و ذکر فرمایا، اگر ان سے اس قسم کے مسائل کئے گئے تھے، تو وہ یہ فرما سکتے تھے کہ اے سوال کرنے والو! ان مجھوں سے تمہاری کوئی دینی رائے نہ تھی ضرورت دہستہ ہے! پھر اسی بار سے دو میں مولانا مظاہر حقؒ کی لائی، مولانا محمد حیدر انصاری اور دوسرے کا کہنے اپنے مضامین میں ان مباحث کو چھڑا ہے۔

بہرہ موضوعات و مباحث ایسے نہیں ہیں جو تاریخی طبیب دیکھ پڑے ہوں اور لوگوں کے کافوں میں بھٹک تلک نہ پڑی ہو، اسلامی تاریخ کی کوئی کتاب بھی میں خلوت لاشہ کا ذکر ہے ان بخود سے خالی ہیں ہے اسی حدی کے مورخ مولانا ابوالکلام آزادؒ نے خلیفہ آبادی ہوں یا دارالاحقین کے اہل قسم با دوسرے تاریخ دان و تاریخ رسنم حضرات ان میں ان مباحث میں حصہ لیا ہے! پھر اسلامی تاریخ کے طالب علموں کے ذہن میں یہ سوال ابھرنا ہے کہ تھانث لاشہ ملوگیت میں اہل طرہ تبدیل ہو گئی، یہ سنا کہ یہوں اندک طرح پیش آیا، مولانا محمد قادیانی نے یہ خالی ہیں اس کی نشاندہی کہ ہے۔

مولانا صدیق ابراہام علیؓ مودودیؒ کا ان مباحث میں دینی مسلک ہے، جو اہل سنت کے کامیاب ہے، قابل اعتبار قرآن و روایات کی روش ہے جو بنیادیہ کے وکیل، تفسیر قرآن اور تفسیر ہے جو ہے ہیں۔ لاشہ حضرات مرغان ہی نہیں تیرہ تلک کی تعدیل و توہیف کرتے ہیں۔ امت کے

ضمیمہ ذق مزاج نے اس کا فیصلہ کر دیا ہے کہ اس حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے مدد حکومت کے داپس آنے کی تمنا کرتی ہے مگر حکومت ہارٹیک کی داپسی کے لئے زمین رکھتی ہے اور مدعا کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق پسندی، حق شنائی اور حق گوئی کی توفیق عطا فرمائے اور ہم کو اس کام میں لگا دے جو اللہ تعالیٰ کی رضا ہوگی کاسب بن سکے۔ ربنا تقبل منا انک انت السميع العلیم۔

سرماھی

سیپ

ایک رسالہ - ایک تحریر یکسیر یاد رہانے اور نئے ناموں کے ساتھ معیاری اور اچھی تجربہ پر پیش کرتا ہے
آٹھواں شمارہ شائع ہو گیا ہے - قیمت ۳ روپے

سرماھی سیپ ۳۹ گارڈن آفیسینر کراچی ۳

موسم سرما
قدارت کاملہ نے موسم سرما کو -
انسانی جسم کی حفاظت - زائل شدہ قوت کی بحالی - دماغی، قلبی اور جسمی طاقت
کی استواری کے لئے مخصوص کیا ہے۔

اگر آپ کسی قسم کی کمزوری محسوس کرتے ہیں تو، اس موسم میں مقویات، مغذات، اور اکیسری دواؤں سے
فائدہ اٹھائیں

اگر آپ باقاعدہ علاج کرنا چاہیں تو - **طب اشرف** کی

جانب رجوع فرمائیں۔ جس کی نگرانی براہ راست پاکستان کے نامور طبیب مولانا محکم عبدالرحیم اشرف خود کرتے ہیں۔
بیرونجات کے مریضین مفصل حال کو گرفت مشورہ حاصل کریں یا سالانہ طلبہ فسرمائیں۔

مطب اشرف، اشرف منزل نزد جامع مسجد جناح کالونی لائل پور

مردانہ شمس تبریز نال آلودی

عالمگیر اور انگریز مورخین

تمہیں نے دیکھے ساری داستانیں یاد ہے اتنا کہ عالمگیر ہند کش تھا، ظالم تھا، مستحکم تھا (شہنشاہ) عالمگیر کی عظمت کی گماہ خود اس کی شاہزادہ زندگی اور ۵۰-۶۰ سالہ دور حکومت ہے، انگریز سازگار حالات اور خوشگوار ماحول میں گرہور حکومت کی تو کوئی تعجب کی بات نہیں، عالمگیر کا وہ جبر تھا کہ ہمیں نے مخالفین کے طرفان میں نسل کی طرف مسلسل پیش رفت کی، اسکا نہ جیروں میں اپنا چراغ جھلانا رہا۔

شہرِ دولت محل کند چائے خیزاں
نعمتِ سرمد کہ این تہم داد
شہرت کے یہی مختلف ہر جگہ ہیں میرے بچہ عظمت پہ وہ اس طرف پناہ ہے کہ اس کے قول و فعل میں تضاد نہ تھا، اس نے اسلام کی عظمت پہ پی کی اور میں پیر
پیر کا یہ ناعاقبت تھا اسے حکومت کے جھیلوں اور فرمانروائی کے شظیروں میں بھی فراخ روش نہیں کیا۔ اس نے حکومت کو مانت اور اسکی عظمت
میں نے پہنچا کہ اللہ کی زمین پر خلیفہ، اسکا وادعاً مطلق، (DICTATOR) یا سلطان جہاں نہیں تھا ایک ذمہ دارانہ لکھنا بدھ
حاکم کی تھا، وہ احتساب نفس، جدیدیت، امانت، خشیت، غلبہ خدا، سکرات، رعایا پر ہستی، امن و امان کا راستہ اختیار کر کے عزم
عبدالعزیز، نواسہ الدین زرنگی، صلاح الدین ایوبی، کی صف میں جا کھڑا ہوا اچھے عہد میں شہرت اسلام کی کائنات اور شریعت اسلام کا پاسپاس
نہاں۔ اس کا یہ امتیاز تھا جس نے فلسفہ مسیح اسلام کی شہزادوں اسے خراجِ عقیدت وصول کیا۔

شاہ عالمگیر کو قتل آستان	اعتبارِ دودمانی گود گان
پایہ اسد مہیاں برتر اندو	اضرامِ شمعِ پیغمبرِ راندو
دوبہاؤں کا رونا کفر و دیہ	مگر کش دانا خد گلب آفرین
خشمِ الحاد سے کہا کچھ مدید	بانا اندو ظہیریت ناما دیہ
خبرِ دل نکسیند بارکش نیرؤ	ملت ما از نساو ایمین نمود
سوی گنبد اندہ ہند عالمگیر را	آں فقیر صاحبِ غفر را
ادب کے احیائے دیں ماسکود	بہر تہدیدِ لقیس ماسکود
برقِ تیشِ نوین کاوارت	شع دیں مدھنل مابہر وقت
گود زوقان داستا بہاں نند	دھت ادوگ اونت خند

جامعہ اذملوٹی اور سی ٹیڈ
شعلہ توحید مل پر وادہ بود
اشک نعلی انجیہ دلی چکید
چول بلہیم ندھیں تہانہ بود
وصفت شاہنشاہ کیا ستے
نغز او از ترتش پیدا ستے (دعوت بخیر)

انگریز سرزمین نے کچھ ترسہ ایسی کے اندر سے حقیقت مندوں کی خطر یا نیرن پر اعتماد کر کے اندھا نہ تراپنے خطری تعصب اور مسلم دشمنی کی وجہ سے عالمگیر اور دوسرے مسلم بادشاہوں کو بدنام کرنے کی تاریخی ہم شدہ کی، اندھیہ آج کے "مومنین" ہندوئی خوشی قبول کر لیتے ہیں ہم سرسری طور پر انگریز سرزمین کی تاریخی خطر یا نیرن کی دہر بتاتے ہیں، "اصیلیہ جہاد کی اس ابدی شکست کا انتقامی جذبہ جالب تک پہنچیں موجود ہے، فریخ ہزول کا سر و سنگہ دیں دشمن کے اقتدار سے کہہ کر پکتن ہے۔

"ہم صلیبی کا پیرینہ کے پوتے ہیں جسے ہماری حکمرانہ شہنشاہ پر وہاں بے شکل جائے" (اسلام کا نظام عدل) سید قطب شہیدؒ عمری ص ۲۴۷
ای طرح گذشتہ جنگ عظیم میں ایک انگریز کانٹہ "J. A. L. S. ۱۸۷۷" نے بیت المقدس میں داخل ہوتے ہوئے کہا :-

"صلیبی جنگیں حقیقت آج ختم ہوتی ہیں" (ص ۲۴۷) محرکہ صلیب و ہلال کی بازگشت، صدیاں گزرنے پر بھی یہیپ میں سائی دیتی رہتی ہے پھر عربی کی تحریکوں کے باوجود یہیپ کی مسلسل اپنی اس سلطان محمد زنگ سلطان غنیمہ کی کامیابی میں ان کے دل میں بڑا کھٹکتی رہی۔ (ص ۲۷۰) مغز بادشاہوں میں عالمگیر پہلے بادشاہ ہے جس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ناجائز عدالتانہ طریقوں پر سختی سے لڑا۔ حتیٰ کہ اس کا دندہ خشک بنانے کا اور عظیم ہشت اس کے دبائیں باخبر کیا گیا کہ اس نے اپنی عالی و صلیبی اصفیائے نفاذ میں صاف اس کے کھڈٹ ویم کا کچ کا علاقہ بخش دیا۔ پانچویں لڑائی اور دوسرے مغربی فاتحوں نے جس پر ہندو کو اپنی جھنڈا لہا۔ عالمگیر کا کسی بیڑہ اس پر بھی گاہ گاہ حملہ آور ہوتا جو انہیں سخت ناگوار تھا (ص ۲۳) پچھٹ ڈھار اور حکومت کردہ کی پالیسی جس نے ہندو مسلم منافرت پیدا کرنے میں نہایت حصہ لیا اور اب وہ کام کھینچ پرتی تاریخی کر رہی ہیں۔

(۱۹) ایک بڑا سبب ان کی پہل انکار کی اور دوا اعتماد کی ہے، انگریز اسے قائم کرنے اور تجروہ کنیں بہت جلد باز ہوتے ہیں اور چندہ "توق" میں ہندو ہو کر بہت سی افواہوں اور ہوائی باتوں پر مضمر خبروں کی طرح یقین کر لیتے ہیں اور پھر انہیں تاریخ کا ماخذ بناتے ہیں، ان کی تاریخ والی کا یہ عالم ہے کہ انہیں کھنڈے کا گوی کا صحیح اطلاع تک وہ نہیں لکھ سکے اور ان کے مافوق العادت اور بصیرت انگریز سمیلانہ کارناموں کو فریاد رسوائی اور کشمکش کی جگہ ہے۔ اللہ سنان کے متعلق ان کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ محمد کے بت کو مسجدوں میں پوجتے ہیں! (ان خود باللہ) یہ چندہ سرسری وجہ ہیں جن سے خودی اور غیر خودی طوطیاں انگریز سرزمین نے عالمگیر پر تاریخی ظلم کیا۔ وسیع علم الدین ظلم اور ای متغلب یثقبون! اب ہم چندہ انگریز سرزمین کے وہ اعتراضات لکھیں جو "الفضل" ماہیت بہ الاعدام" کا نمبر میں۔

انگریز سرزمین میں ہندو عالمگیری ہندوستان کی کسی کے لئے آیا اور ۲۵ سال رہ کر واپس گیا ایک بار سے دہلا عالمگیری میں بھی باپا بی نصیب برقی تھی، ایسٹ انڈیا کمپنی سے وہ دشمن نہ تھا اس لئے اس "حمیاد لیلی پر گفت بھی کی ہے، اس کے سفر نامے کا دوسرا ایڈیشن "کشمیر میں چھپا تھا جس کا انتخاب ہندو میج انڈیا کی چیونجی حیدر آباد نے ۱۹۲۳ء میں کیا تھا ہم اس سے جسے جہتہ انتخاب میں کہتے ہیں :-
"شعہ رسدہم علوم فقہ و فلسفہ و سیاسیات کے لئے شہد میں علوم میں لوگوں کو تعلیم دینے کے لئے تقریباً ۱۰۰۰ سال کا یہ ہیں ہیں" (سفر نامہ بلکن ۱۷۶۶ء)

مذہبی رسوائی کے متعلق لکھا ہے "دیانت کا مسئلہ مذہب اسلام ہے لیکن اختلاف ۱۰ ہندو میں تو ایک مسلمان ہے، ہندوؤں کے ساتھ مذہبی رسوائی پس منظر سے برقی جاتی ہے وہ اپنے بہت رکھتے ہیں اور تہو اہول کو ای طرح سے منہ میں جیسے گلے ڈالنے میں وہ اپنے مردوں کو جلاتے ہیں لیکن عورتوں کو کسی ہونے کی اجازت نہیں" (۸/۱-۱۷۶۶)

• صرف نہیں میں ہر فرقہ میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھانا نہیں کھاتے لیکن انہیں مل کر رہتے ہیں، بہرین طیناؤں کے لئے بڑی باتاؤں کو وقت کرتے ہیں۔

• اسی اپنے صوم غریب نسبت کے مطابق ادا کرتے ہیں، عیسائیوں کو اپنی اجازت ہے کہ اپنے گرجے بنائیں اور اپنے مذہب کی تبلیغ کریں اور بعض رتبہ اس میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں لیکن جو لوگ عیسائی ہو جاتے ہیں ان کے اخلاقی خیر کے تمام لوگوں کے اخلاقی سے عموماً ہاتھ مرتے ہیں۔

• اس پھر (خود) میں قریباً سو فیصد تک لوگ رہتے ہیں لیکن ان میں کچھ کوئی سخت جھگڑا ان کے معاملات و معاملات کے متعلق نہیں ہوتا، اختلاف غریب پورے ملک میں دیکھا جاتا ہے اور پورے ملک میں عقیدہ ہے۔ (۱۹۲/۱)

• عبدالغفور کی ایک سوا گروہت میں رہتے ہیں کہ تہذیبی سرگرمیوں میں کئی سالوں کے بلوچہ میں نے ایک سال میں ایک سال میں مل کے تقریباً ۱۰۰ ہزار روپے خرچ کیا ہے ہر ایک ہزار ۳۰۰ روپے کا تھا اور ایک میں صرف

تجارت اور خوشحالی

اگر مال، انڈیا پورٹ اور بعض میں پچیس ہزار کا ہوتا ہے اور ایک ہزار مال ہر سڑک پر کھانا کھاتا ہے اس کے پاس ہوتا۔ (۱۹۹/۱)
• ہندوستان کے کس کس قسم کے صنعتی و تجارتی اداروں کو بڑھتی ہوئی تھی جس سے کہ ہر صنعت کھانا اور صنعت قائم رکھتے ہیں۔ (۱۹۳/۱)

• بلاد کے لوگ ایک کچھ نہیں سمجھتے، اور چنا اور بیج بھارت میں اپنا جاتے، ہندوستان کا کچھ لاپرواہ ہوتا تھا اس کی ایک ولایت پھر اسے انڈیا میں بھی ملتی تھی۔ (۱۹۵/۱)

• تھوڑے کا گوشت ۳۰ فیصد تک یعنی کچھ کوڑے میں نصف سے ملتا تھا۔ (۱۹۱/۱)

• ایک ٹن ملک ایک کلوں میں فروخت ہوتا تھا جو ۲، ۴، ۶ روپے کے بلوچہ تھا۔ (۱۹۵/۱)

• شہر ایک میں لیکن ایک آئین ایک پورٹ (نصف سیر) ملتا تھا۔ (۱۹۲/۱)

• ڈھاکہ میں ۸۰ روپے چاول ایک روپے میں ملتا ہے۔ (۲۵/۱)

انصاف اور امن
• مالیک کے زمانہ میں ملک کا انتظام اس حد تک کیا گیا تھا کہ ہندوستان کے دوسرے مقام سے دلی تک سفر پر پہنچنے میں صرف ۸ دن صرف ہوتے تھے اس پر وہ سب پر کار سے بدل دئے جاتے تھے۔ (۱۹۹/۱)

• سیاہ نام ہندوستان میں دشمن اتنی نہیں ملتی کہ ملتی ہیں۔ (۱۸/۱)

• اس ملک کا مہاراجا فرانس کی اس قدر باجی کرتی ہے کہ ڈاکہ اس کی فرس بہت کم تھی جاتی ہیں ایک غیر ملکا باشندہ اس ملک میں جا رہے ہیں چلا جاتے کوئی یہ بھی تو نہیں پوچھتا کہ وہ کہاں جاتا ہے اکیلے جاتا ہے؟ (۱۹۹/۱)

صنعت و حرفت
• ہندوستان میں ہر قسم کے خوردہ کو اکثریت میں ملتا تھا جس کی مثال دیکھیں یہی ملتی و شہر تھی، یہیں سوئی کا پکڑا بہت ہار ایک دھکم جاتا ہے اس قدر تیار کیا گیا تھا کہ میں نے بھی نہنگیں نہیں پایا (۱۹۵/۱)

• مرزا صاحب کہتے ہیں "خانہ" یہ خانہ کی شہرہ ملتی ہوگی، اس کے علاوہ کھلاب، چھینٹ اور اس کے کپڑے بنانے والے اس کثرت سے کہ عرف عام میں اسے انڈیا کہتے ہیں یہ پاس ہر کوئی کہتے جاتے جلاتے ہیں کہ یہ کپڑے کپڑے کے کپڑے ہر صنعت کے اس غائب ہو گئی۔

• جن لوگوں کو اس کی سب سے زیادہ پیش چندمت آتی ہے، ایس سی، آئی کی کتب "Indian economic history"

علاحد فراموشی در میں تہ عراج چکر یہ نورست انگیزوں کی مٹی

لین پول

مولانا علی گنجی لکھتے ہیں :- عالمگیر کے دستور میں ایک صاحب زمین ہوا ہے۔ انہوں نے عالمگیر کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے اور اپنی داستان میں عالمگیر کے تمام الزامات کا جواب دینا اور عالمگیر کو ثابت کرنا چاہا ہے لیکن اس کا طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ عالمگیر کی جہنم کی برائیاں یعنی دارا شکوہ وغیرہ کا نقش، پسند دیا مٹوں سے لگا کر کے دنیا کی سلطنت کا متبر لڑی کر دینا، بہت خاتوں کا قہر لانا، ہندوؤں کو مذمت سے مروت نہ کرنا، دکن کی مسیحی سلطنت کا برباد کرنا، سرزمینوں کے پیچھے فوج، ملک اور سلطنت کو خاست کرنا وغیرہ وغیرہ ثابت کی ہیں اور لکھا ہے کہ عالمگیر چونکہ ایک بہت دیندار، پکا ماسخ العقیدہ مسلمان تھا، اس لئے فرائض مذہب کے لحاظ سے اس کا فرض مذہبی تھا۔ چنانچہ مسجد اور بہت سے مقامات کے ایک جگہ آپ قسم پر غور فرمائیے ۔

”منور کی تاریخ میں یہ سب پہلا بادشاہ ہے جو پکا مسلمان تھا۔ جو منوعات سے خود پرہیز کرتا تھا۔ اور دوسروں کو یہاں کے گزرتے ہاتھ نہ تھا۔ اور بادشاہ جو اس نے شخص مذہب کی بدعت اپنے تخت کو معرض خطر میں ڈال دیا، وہ اچھو طرح جانتا تھا کہ میں جوں سب سے زیادہ محفوظ طریقہ تھا جو مختلف قوموں اور مختلف مذاہب کی جو برائی سلطنت کے تو تم رکھنے میں اختیار کیا جا سکتا تھا وہ ضرور اس پر مقرر راستہ سے واقع ہو گا جس پر وہ کام فرمائی گئی تھا۔

اور ”جاننا ہو گا کہ ہندو کے سرکار خیال سے علیحدگی اور برائی تر دوسروں کو اس کی فوج اور اس کے دیہاتوں میں بڑے بڑے سرواڑے سے عائد نہ تھا کہ ان کے دشمن بنانا اور ان کی انتقام کو خود بخود لانا تھا، تاہم اس سے بھی راستہ اختیار کیا اور بڑے استقلال سے اپنی پاس پاس کی عظیم الشان فوجوں کو دنیا میں اس پر چڑھایا۔ یہ جسد کا دشمن یا ان اور ان کے بڑے کسی گہری حکمت علی کی دہر سے نہ کی تھیں بلکہ ان کو قطعی حق سمجھا جاتا تھا۔ (ص ۱۲۶)

ایک اور توہم پر غور فرمائیے :-

”اسٹاک ایک جس سرکرت میں ناکامی ہوئی تو، لیکن یہ ناکامی بڑی رنج اشان ناکامی تھی اور دنیا کا مستحکم اس نے اپنی قوت ایمان پر بند کر رکھا تھا۔ اس لئے اپنے اندر خوف کا راستہ منتخب کر لیا تھا۔ اور باوجودیکہ وہ قطعی ناممکن تھا پھر بھی وہ بڑے استقلال سے اسی پر چڑھا۔ اگر اسٹاک ایک دین دشمن شخص ہوتا تو اس کو دستہ فوجوں سے قہر کا ہوتا لیکن اس کی شان کاہراتی تو اسی میں ہے کہ اس نے اپنی مدد کو جو ہر نہیں کیا اور علم عقائد کو پیچھے رکھنے کی ہرأت نہیں کی۔ ہندوستان کو یہ دیندار اور عظیم الجسم ایسے اور کا شخص تھا کہ اس نے تاج شہنشاہیت پر (صفحہ ۱۰۱)

مولانا علی لکھتے ہیں :- میں ہوں صاحب کی یہ بہرہائی ”چندوں قابل تعجب نہیں وہ یہ چین میں ہے اور ان کو یہی کہنا چاہئے تھا لیکن محبت کا یہ مقام ہے کہ جدید سیر یا نہ گروہ بین ہوں صاحب کی کتاب کو عالمگیر کی حمایت خیال کرنا ہے سے تو ناواقف اور اور ہندو مسلم کا زمین ضائع یہ عجیب تہانہ کہ زمین سنت بسیار ہم دادہ در مضامین عالمگیر ص ۱۱۷

اس تہمید کے بعد ہم میں قول کی تائید سے جبرستہ جبرستہ اقتباسات پیش کرتے ہیں جس سے اندازہ ہو گا کہ اس کے بدترین دشمن بھی اس کے فضل و کمال کا اعتراف نہ کر سکتے تھے نہ کسی رو سے کیا :

دیندار کی

”الہیہ انہوں نے یہ بات مذہب کی کہ انہوں کی سخت جنگ میں نماز کا وقت آجائے سے عالمگیر یا استقلال گھڑے سے نیچے اترا اور انہوں کی کوشش میں نماز ادا کی تو انہوں نے اس کی ہمت کو چھوڑا۔ اس وقت سے ہندوستان کے سرسبز ہوا اور دیندار کے معلوم ہوا کہ سلطنت کے آئندہ حالات میں جب بھی وقت کیوں نہ آئے اور ان کی یہاں جو ضروری نہیں ہیں کا شمار نہ ہو“ (صفحہ ۱۰۲)

شیخا حضرت

”وہ مانے دکن کے بادشاہوں پر اپنی ترکش خیالی کے بغیر شمشیر پر تھمنا اور ادا صحت بہت لڑنا شروع کیا یہاں تک کہ ان کی بیوی کی حاضری لڑنا اور جہانگ شروع ہو گئیں جس کی حالت ناگہان گئی تھی اور قریب تھا کہ عالمگیر کو ہریت ہو، وہ تہا کھڑا تھا اور اس سے

لکھتا ہے کہ امت اور یہ پڑھتا ہے اللہ لہما کی جماعت میں قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے جن کے ساتھ کبھی تو وہ چھ گھنٹے اور کبھی نو گھنٹے شنبہ میں بیٹھتا ہے اور وہ صیام کے آخر عشروں وہ مسجد میں مختلف جگہ پر اور اگرچہ پورے چند روز چند روز جگہ کو نہیں جاسکتا ہے لیکن حاحیوں کی آسائش کے لئے وہ جن قدماہتمام کہتا ہے قراب جگہ کے برابر ہے۔ وہ بھی خلاف قریح لباس نہیں پہنتا۔ اللہ بھی سونے چاند کے برتنوں میں کھانا ہے۔ اس کے دیوار میں کئی قسم کی گفتگوئے ناشائستہ غیبت اور گنہگار کی اجازت نہیں وہ برصغیر دیا تین مرتبہ عقدہ پیشانی اہر علیہ السلام وضع سے قریا دیوں کا انصاف کرنے کو دیا میں آتا ہے یہ قریا دی بلا دوک ٹوک بکثرت جہ ہوتے ہیں اور چونکہ وہ بڑی قور ہے اس کی باتیں مستند ہے وہ بے خوف وراس اپنا حال عرض کرتے ہیں اور بادشاہ کی مدد و حمایت دلوں کے تری سے بہرہ مند ہوتے ہیں اگر کوئی شخص اتنی زیادہ باتیں کہتا ہے جتنی نہ کرتی چاہتے تو کبھی ناخوش نہیں ہوتا اللہ جس نہ جیسا ہوتا ہے۔

وہ نہایت اعلیٰ درجہ کا شرفیہ ہے اور اچھی بہارت کا نظم ہے لیکن حکم خدا عزوجل کی تعمیل میں کہ — (تلاز عوکل افادہ) ایشیم لا یلقوی السبح والاکثرہ صلاکین بوان ط والاشعراء یتبعہمسم الغادون) کبھی شوق کی ترقی میں کرتا ہے ایسے اشعار سننے سے بھی جتا ہے جن میں کوئی نیچر اخلاق نہ ہو۔ مضامین کی ہمدردی کی تجویز میں اس نے کبھی قصائد کی باتوں پر کان لگا ہوا ورنہ غور کے معنوں پر توجہ کی: (صفحہ ۶۳)

بے لگ انصاف بمبئی اور سندھ کے تاجروں نے اوگنٹن سے کہا تھا کہ مندرجہ انصاف صلی کا بھرا علم ہے بچے تھے انصاف سے کام لیتا ہے اس کے حضور سفاکش، منصب انصاف کی کچھ پیش نہیں جاتی بلکہ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کی باتوں سے متاثر ہوتا ہے

الفسن جس کے بارہ میں ہونا ناشائستہ سمجھتے ہیں اس سے بڑھ کر عالمگیر کا کوئی دشمن نہیں گناہ بھی ہے کچھ بغیر نہ کہے کہ وہ خود تنہا اپنی حکومت کی پرورش کی کا گناہ کی گناہ لگا کر دنا۔ لشکر کشیوں کے نقشے سوچتا ہے اللہ ہدایت جاری کرتا اس کے قہوں میں پٹائیوں کے نام ہمارے ملک میں مسکوں کے ہمارے کوئی اللہ اللہ ان آگے کے قصائد کو ڈھالنے بلکہ فائدہ کو دوبارہ حاصل کرنے کی تدبیریں مندرجہ پڑ جاتی ہیں۔ سارے کارندوں کی نگرانی جو سوسوں اور سافروں سے کہتا تھا اس سے طبیعت کی آواز کی انہ نہایت گرم جوشی ایسی معلوم ہوتی ہے جو ہر زمانہ میں بڑی عجیب و غریب سمجھی جاتی ہے: (ذاتیہ ہذا الفسن ص ۱۱۳ بحوالہ مضامین عالمگیر ص ۲۵)

ڈاکٹر جی: بھری نے اس کی طرف سے عالمگیر کو دیکھی تھا وہ بیان کرتا ہے کہ:

”وہ صاف مندرجہ کی ہشاک کچھ عرصہ پہلے کے ہمارے امیوں کے بھروسے میں کھڑا تھا اور اس کی پگڑی میں ہٹا لکنا زبرد کا منکا ہوا تھا اور خادموں کی عیوض لینا چاہتا تھا اور بلا نیکی پڑھ کر گھاسا پے آتھ سے دھمکا کر جاتا تھا اور اس کے ہوش بٹا شہر سے صاف مترشح تھا کہ وہ اپنی مصروفیت سے نہایت شادان و فرحان ہے“ (الفسن ص ۱۲۰ بحوالہ مضامین عالمگیر ص ۲۵)

عالمگیر کی نظر اس کی کہ:

”الفسن صاحب کی زبان سے عالمگیر کی تعریفیں ایک لفظ عالمگیر کی سمت کی یاد بھی ہے تاہم صاحب جو صرف عالمگیر کے مستقبل

کا ایک بڑا انسان قائم کیا ہے جن میں تقصیر سے واقعات لکھے ہیں ایمان پر کثرت ظاہر کی ہے“ (مضامین ص ۱۱)

ایک عجیب و غریب تقریریں انگریزی اور ہندی سوجن کے مان دیہ کیجئے آتی ہے کہ وہ عالمگیر کے بعض ایسے خطہ کو جن میں کسے نفسی اور تلافی سے کام لیا گیا ہے جن میں عبیت انابت اور صبر و صفا کا اظہار کیا گیا ہے اسے حقیقت پر عمل کر لیا جاتا ہے اور اس سے استعمال کیا جاتا ہے کہ دیکھ عالمگیر خود اپنے نظم و نظم کا اس کا کام کا اعتراف کرتا ہے اپنی اولین قول نے بھی شادانہ اعظم کے نام کا یہ خطہ نقل کیا ہے اور یہ دنیا کی گناہ دہ ہے: —

روح انتخاب

مبتنی کی فہموں کی ممانعت کہ تمہارے روحانی نقطہ نظر میں کہ شاعری علوم عرب میں ایک ایسی علم ہے جس میں ان کی فطرت، رعایت اور نہایت
 کی ایک ہی عیثیت حاصل ہے مشق و ممارست اس کا ایک خاص عنصر و مادہ ہے جس سے قوت پیدا ہوتی ہے، جس میں وہیں نکلنے والا صفت موجود ہوں،
 وہ یقیناً ایک علم اور نہایت شاعرانہ ہے ان کی صفات کے لحاظ سے شاعری صفت کا تین ہی ہوتا ہے، میں جابلی، شعری، جسے و قدیم، اعجازی اور جدید
 کے ساتھ سے تعلق نظر کے کہتا ہوں کہ بحث کو رعایت کی ضرورت نسبت زیادہ شدید ہے اسی طرح اس کو حفظ کرنے کی بھی زیادہ احتیاج ہے یہ صفت
 اس معاملہ میں ہم تحقیق کریں گے تو معلوم ہوگا کہ فطری اور ذہنی شاعر کے لئے بھی یہ ممکن نہیں کہ وہ غیر رعایت کے غریبوں کے الفاظ پر تو دوسرے کے عرب
 لہذا قدیم سے رعایت اور حفظ کے قائل رہے ہیں۔ اور ایک شاعر دوسرے کا مادہ پرنا آیا ہے، عربی کی زبان تو مشترک تھی۔ مگر قرائت میں فصاحت کی
 جیسی اہمیت تھی عرب میں ایک شاعر کو دوسرے شاعر اور ایک خطیب کو دوسرے خطیب ہفتا صحت کی وجہ سے فضیلت دی جاتی تھی۔

زبان اور شاعرانہ ذوق کی تبدیلی یا ہجرت کی بڑی گہرائی سے بحث کہ تمہارے کہتے ہیں کہ عرب زمانہ قدیم سے الفاظ کی شوکت کے قائل تھے، اور
 عربی کلام کے ایسے شائق تھے، کہ دوسرے کے یہاں شاید اس کی مثل نہ مل سکے وہ اپنا شاعر خاص تو ہو دیتے اور اس کی پوری کوشش کرتے کہ زبان میں
 حسن پیدا ہو یہاں تک کہ صحت و ترکیبیں اور پرستش و الفاظ ان کی زبان کے خاص امتیازات ہو گئے۔ فطری برہان اور شعری کوشش نے زبان کے مسئلہ
 میں ان کو دوسری پہچان دی تھی۔ بدیہت کی وجہ سے شکل الفاظ و ترکیب ظہور پذیر ہوئی، جن کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس
 نے ہدایت کا اظہار کیا اس نے زیادتی کی، علی کے شاعر جو جابلی تھا فرق سے زیادہ سلیس ہیں وقت ہمیشہ ایسے شعراء کے اشیاء میں پائی جاتی ہے جو
 عاشق اور صاحب دل ہوتے یا ان کی طبیعت میں شاعرانہ جذبہ بھر پور ہو تو وقت ان کے شعری پیر شعراء کی طرح پیدا ہو جاتی ہے۔

جب اسلام کا ظہور ہوا اور دیہاتوں کے لوگ شہروں کی جانب آنے لگے تو لوگوں نے عام آداب زبان کو زیادہ پسند کیا جن اشیاء کے بہت
 سے اسماء تھے، ان میں آسان اور خوب صورت ناموں کو چن لیا، شہنشاہی - عربی - ایک لفظ ہے اس کے لئے ۶۰ الفاظ اور بھی عربوں کی زبان میں تھے، مگر
 انہوں نے اس لفظ کے اچھے ہونے کی وجہ سے باقی الفاظ کو ترک کر دیا اور ایسے معانی و الفاظ اختیار کئے جو حسین اور آسان ہوں، جن شعراء نے بعد میں
 قدامت کے مشکل اسباب و الفاظ کی پیروی کرنی چاہی وہ بہت جگہ پھسل گئے اور مادہ صواب سے ہٹ گئے جیسے کہ ابونواس۔

یہ تجزیہ جو بتائے گا اچھا کیا ہے، ابونواس کے بعض عربی کا ذکر بھی ابوں نے اس انداز سے کیا ہے کہ ابونواس نے بھی خطیبوں کی تعریف اور شہرت
 نے بھی ان کا اس کا بکھار کیا، اس نے مقلد ہی پر گہری الزام دیا ہے۔

تاریخ جو بتاتی ہے کہ اگر تم کو لفظ کا صحیح استعمال معلوم کرنا ہو اور عمدہ شاعری کا نمونہ دیکھنا ہو تو قدامت میں تحریر اور ذرا آرت کا کلام دیکھو
 اصناف عربیہ میں بختی کا، تغزل میں اہل حجاز کا کلام قابل مطالعہ ہے، مشاعرہ کثیر، جس میں شہینہ اور نصیب کا، فیصد کا طریقہ یہ ہے کہ وہ شعر بہتر ہے جس پر
 فطری شاعرانہ کیفیت نمایاں ہو اور تکلف و صنعت کا نام بھی نہ ہو انہوں نے یہاں تک الفاظ کا حسن پھیلنا ترک کیا ہے اور معانی بدل دیں، فطری شاعری کی زیادہ
 مثالیں ہم کو بختی کے یہاں ملتی ہیں۔

عربوں کے لئے ایک شہر میں مخالفت کے اصولی جھنڈے تھے کہ معافی دے دو اور کشتی چلی اور صحت پر وکالت کریں، اس کا طرح الف اچھے ہیں، صحیح ہیں، وصف عمدہ اور سرچرچہ، تشہیر سنی کو فاش کر دے، جس کو شواہد قرابت خطا ہوئی اور جس کے اشتباہات سے غریب لاشا بن گئے، وہ مخالفت، تجنیس، استعارہ اور بدیہ کے چکر میں نہیں پڑا، محفلین نے جیگا کہ تشبیہ، استعارہ اور مبالغہ و تزیین سے سن پیدا ہوا ہے قرآن میں نے تکلف سے شعری طرز پر اشعار میں ان اشیا و کجرونا شروع کر دیا، اس صفت کا نام "الہدیہ" رکھا، جس تو فانی اس کشتی میں کامیاب اور بعض دیکھ ناکام رہے، ایک ہی شاوکیں کا سیلاب اور کبھی ناکام رہا۔

اگر تمام کی طرح متنبی پر ہے دنیا کا انضمام تھا۔ جتنا ہی بچتے ہیں کہ دن ملک ہے اور شعری ملک، دلوں میں کوئی تعین نہیں اور نہ کوئی تضاد ہے حضرت نے خود بھی شعر گو حسن قرار دیا ہے۔

سہرات کے سند پر جہانی نے صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ شریک معالیٰ میں سرور کا سامان پیدا نہیں ہوتا اور بزرگ شریک معالیٰ میں کھٹکوں کو ساقی کہتے ہیں وہ ناچنے ہیں۔

یہ بات ظاہر ہے کہ متنبی کی شعری میں بہت سے عجیب ہیں، جن کی ساقی جہانی نے کہ ہے، مگر تنقید کے نقطہ نظر سے، ان کی تمام بھڑوں سے عربی تنقید کو بہت فائدہ پہنچا اور عمل تنقید میں آمدی کے بعد ایک دوسری مثال قائم ہوئی، ان کی ناخاندانیں نسکروغض کا سرور یہ فراہم کرتی ہیں احساس فطرت سے۔ اوسانہ سولہ تنقید کی ایک اہم کتاب ہے۔

(سید احسان شاہ)

ہمنہ کی سنیری کا سامان

جی آئی پائپ - سی آئی پائپ - آرسی سی پائپ - بلیسن
ڈبلیو سی - ملکی (غیر ملکی) کی خریداری کی
پتہ ذیل پر تشریف لائیں

سلمان برادر سنیری اسٹور عاکبر روڈ (ریڈیو یگل سینما) صدکراچی

سوز و ساز

زکی ناز کا فی

نازش پر تاپ گزھی

دل سلا پانچم الفت کے سوا کچھ بھی نہیں
نام تیرا ہی مرے در و زباں رہتا ہے
نیف سانی سے کبھی شکر سراپا مٹی زباں
حسن کو دیتی ہے خود دیدہ دنیا کی تلاش
میں سمیٹا ہوں کہ نعل کا یہ اندازِ نالٹا
دل میں ایک آگ سی ہر غلط لگی رہتی ہے
حسن ہی حسن جو ہر چیز میں آتا ہے نظر
چھٹ گیا دل سے عیشِ فریاد کا لہار
سیرے اشعار میں ہے خود ہے لذت کی تلاش
سخن حق میں صداقت کے سوا کچھ بھی نہیں

یہ ظلمتیں کہاں، وہ لگا و کسر کہاں
کیا جانے گم ہوا ہے مذاقِ نطس کہاں
پہلی کرن کے ساتھ اٹھو اور بے چسپو
شبنم کے واسطے ہے غم و بال و پر کہاں
وہ تو میری طرف سے تھا نذرانہ بہار
صحنِ چمن میں میں نے بنایا شاگر کہاں
ہر عیب بھی ہنر ہے سچے سے ہوا اگر
رسا ہوا ہے پھول کا چاک جگر کہاں
اس قس کا عشق میں شقی بنی زندگی
پھیلے آفت آئی ہے لے لے کر کہاں

دعا و نری

جب چلتے ہیں عوامِ دلی انسان کے قریب
اب ہوا آہیں سکتی گلِ خنداں کے قریب
بجلیاں ٹوٹ پڑیں صحنِ گلستاں کے قریب
تیرے دیوانے ہیں اب منزلِ عرفان کے قریب
اس قدر آؤ نہ تم دیدہ حیراں کے قریب
رک گئے خودی قدم منزلِ جاناں کے قریب
خسبِ جاناں بھی ہے اے دلِ کم نہاں کے قریب
اے وقارِ رحمتِ نیراں پہ بھروسہ ہے جس میں
حشر میں ہوں گے وہی رحمتِ نیراں کے قریب

خود بخود اٹھتے ہیں اسرار کے پردے جیسے
اب بہ راہی حقیقت سے ہوئی ہے واقف
جب بھی رکھی ہے بنائیں نے شمعین کی کبھی
اٹھ گئے وحدت و کثرت کے مجاہدِ لطیف
نورِ رحمت میں کوئی فسق ہی باقی نہ رہے
جنبہِ عشق نے خود ڈھونڈ لی اپنی منزل
ان حوادث میں بھی کر صحنِ وحدت کی تلاش

اے وقارِ رحمتِ نیراں پہ بھروسہ ہے جس میں
حشر میں ہوں گے وہی رحمتِ نیراں کے قریب

اہلِ الفت ادبی

چلتے چلتے بھی وہ دیتے گئے الفت کا قریب
جاتے جاتے بھی مجھے ایک نظر دیکھ لیا

وائٹن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

منگھا پیر روڈ

کراچی

ہر قسم کا
سوتی اور



اونی کپڑا

کورا اور دھلا لٹھا اور

ہر قسم کا
دھاگہ

تیار ہوتا ہے



ماوانی وائٹن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا

برا اعتبار سے قابل اعتماد ہے پاکستان کی صنعت کی قدر اور حوصلہ افزائی

آپ کا قومی فریضہ ہے

ہماری نظریں

QADIAN, SIM CRITICAL STUDY
ان دو سید ابوالحسن علی ندوی، غنیمت، صفحات ۱۰۰، جدید اگرچہ کچھ نام آواز سے ترجمہ نظر آتی ہیں
CRITICAL STUDY، ان دو کا نام۔ اسے اہمیت پانچ سو پچھاسے لکھنے کا پتہ اس کی ایک (آٹا سنگ) تیسری صدی (کھنڈ) لکھنے (لاڈلیا)
جن بدنام سید ابوالحسن علی ندوی کا نام ساری دنیا کی تعارف کا محتاج نہیں ہے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ صاحب موصوف بن ابوالقاسم لکھنے کے غیر
ان کے صاحب ابوالحسن علی ندوی۔

۱۔ سرپرست دارالعلوم ندوۃ العلماء رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم دہلی ہند ۲۳ صدارۃ اسلامی تحقیقات و نشریات کھنڈ۔
دوم رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم ندوۃ العلماء رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم دہلی ہند ۲۳ صدارۃ اسلامی تحقیقات و نشریات کھنڈ۔
دوم رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم ندوۃ العلماء رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم دہلی ہند ۲۳ صدارۃ اسلامی تحقیقات و نشریات کھنڈ۔

۲۔ سرپرست دارالعلوم ندوۃ العلماء رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم دہلی ہند ۲۳ صدارۃ اسلامی تحقیقات و نشریات کھنڈ۔
دوم رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم ندوۃ العلماء رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم دہلی ہند ۲۳ صدارۃ اسلامی تحقیقات و نشریات کھنڈ۔
دوم رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم ندوۃ العلماء رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم دہلی ہند ۲۳ صدارۃ اسلامی تحقیقات و نشریات کھنڈ۔

۳۔ سرپرست دارالعلوم ندوۃ العلماء رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم دہلی ہند ۲۳ صدارۃ اسلامی تحقیقات و نشریات کھنڈ۔
دوم رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم ندوۃ العلماء رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم دہلی ہند ۲۳ صدارۃ اسلامی تحقیقات و نشریات کھنڈ۔
دوم رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم ندوۃ العلماء رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم دہلی ہند ۲۳ صدارۃ اسلامی تحقیقات و نشریات کھنڈ۔

۴۔ سرپرست دارالعلوم ندوۃ العلماء رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم دہلی ہند ۲۳ صدارۃ اسلامی تحقیقات و نشریات کھنڈ۔
دوم رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم ندوۃ العلماء رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم دہلی ہند ۲۳ صدارۃ اسلامی تحقیقات و نشریات کھنڈ۔
دوم رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم ندوۃ العلماء رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم دہلی ہند ۲۳ صدارۃ اسلامی تحقیقات و نشریات کھنڈ۔

۵۔ سرپرست دارالعلوم ندوۃ العلماء رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم دہلی ہند ۲۳ صدارۃ اسلامی تحقیقات و نشریات کھنڈ۔
دوم رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم ندوۃ العلماء رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم دہلی ہند ۲۳ صدارۃ اسلامی تحقیقات و نشریات کھنڈ۔
دوم رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم ندوۃ العلماء رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم دہلی ہند ۲۳ صدارۃ اسلامی تحقیقات و نشریات کھنڈ۔

۶۔ سرپرست دارالعلوم ندوۃ العلماء رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم دہلی ہند ۲۳ صدارۃ اسلامی تحقیقات و نشریات کھنڈ۔
دوم رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم ندوۃ العلماء رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم دہلی ہند ۲۳ صدارۃ اسلامی تحقیقات و نشریات کھنڈ۔
دوم رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم ندوۃ العلماء رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم دہلی ہند ۲۳ صدارۃ اسلامی تحقیقات و نشریات کھنڈ۔

۷۔ سرپرست دارالعلوم ندوۃ العلماء رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم دہلی ہند ۲۳ صدارۃ اسلامی تحقیقات و نشریات کھنڈ۔
دوم رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم ندوۃ العلماء رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم دہلی ہند ۲۳ صدارۃ اسلامی تحقیقات و نشریات کھنڈ۔
دوم رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم ندوۃ العلماء رکن مجلس انتظامیہ دارالعلوم دہلی ہند ۲۳ صدارۃ اسلامی تحقیقات و نشریات کھنڈ۔

مرزا غلام احمد اجماعی جانی میں ہسپتال کا مریض تھا اور اس کے بعض اوقات دانتوں کے شدید درد سے کھینچتے تھے کہ وہ بے پروا ہو جاتا تھا وہ نیا بیس
مریض تھا مرنے کے زمانے پر وہ اپنے حالات میں کچھ ہلکا ہوا مریض تھا اور وہ قہری اصول کی وجہ سے اس کے ہر کچھ پر پڑتے تھے اس نے نیا بیس کے سبب میرے جسم کا
دماغ متاثر ہو گیا تھا۔ دن رات میں اکثر پریشانی سے سوسا رہتا تھا کہ اس کی قربت آتی۔

مرزا غلام احمد کی زندگی کا آزاد مریضی صحت کے مسائل کے ساتھ ہوا۔ یہ نئی اور غربت کی زندگی تھی، لیکن جیسے جیسے اس کا سن بڑھتا گیا اس کا ایک
تندرستی کی پیشانی آئے مریض ہو گئی تو وہ خوشحال بن گیا اور تمام دماغ کی زندگی گزارنے لگا، اس نے اپنی زندگی کے اس تندرست زمانے کا خود بھی اچھی
اس میں شہادت ہے، میں اس نے خواہ مخواہ کیا۔

پہلی گز بسر والہ کا حقیر و نا کافی کیا ہی ہوتی تھی، مگر کے دلوں میں کوئی مجھے جانتا نہ تھا۔ اس کے بعد اللہ
تعالیٰ نے اپنی وحی کے مطابق ساری دنیا کو میری طرف متوجہ کر دیا اور مجھے اس قدر وسیع تر حالت میں رکھ دیا کہ میرے پاس شک و
کے لئے کچھ تھا، مگر میں اپنی حالت کو دیکھتے ہوئے میرے جسم کی یہی تھی کہ میں اس کا مجھے ایک زمین میں وہ دیکھتا تھا
ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے میری اس قدر مدد کی کہ اب تک یہی لاکھ ہر سال میرے پاس سے بھی کچھ نہ لے دے بلکہ
مجھے ہے۔ (حقیقت الحق)

مرزا غلام احمد نے ۱۸۹۵ء میں "موجودہ سچ" کا ناول کیا، اور اس کے بعد اس نے وحی کی کہ میں خدا کا نبی ہوں، مصلحت دہانے میں کہ ان وحی کی تردید
و مخالفت کی ان مخالفت کرنے والے علماء، دین میں سچے زیادہ شہرہ و متاثر عالم سر لافا، شاعر، اور قسری ایڈیٹر، ایڈیٹر تھے، ۱۵ مارچ ۱۸۹۵ء کو فرما
اور نے آپ اعلان شائع کیا جس میں مرزا نے موصوف کو خطاب کرتے ہوئے لکھا۔

"اگر میں اتنی ہی جا بجا تھا، جیسا آپ اپنے ہر کچھ کی پرستش میں ظاہر کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں مریضوں کا
اور اگر میں کا فہم دہانہ باز نہیں ہوں اور مجھے خدا کی راہ را خطاب اپنی سے سر فرمایا گیا ہے اللہ۔۔۔ میں سچ موجود
ہوں، تو میں آپ کی ہوں کہ زمین اپنی اور اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق آپ منکرین وحی کی سزا و عذاب، جس میں
پاک رکھتے ان وہ عذاب، آدمی کے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے یہ قدرت میں ہے۔ یہ کہ کو میری زندگی میں آپ
طاعون یا ہیضہ جیسے امراض میں مبتلا نہ ہوئے تو میں، مومن اللہ نہیں۔" (ترتیب رسالت)

اعلان کی موت کے ایک سال بعد، ۲۵ مئی ۱۸۹۶ء کو مرزا غلام احمد صاحب میں اہمال کے مرض میں مبتلا ہوا، دستور کے علاوہ اس کے بھی ہر نئی اس
اعلامیہ معالجہ کیا گیا، مگر نفاذ بہت جلد ہی ہوئی، اور اس کی حالت ناکہ ہو گئی۔ یہاں تک کہ دوسرے دن ۲۶ مئی کو دوسرے بعد وہ مر گیا، اس کی موت
میں اس کے خسر مرزا، صرف اب سے بیان کیا۔ مرزا نے مجھ سے کہا کہ میرا صاحب! مجھے ہیضہ ہو گیا ہے!

بلا میں احمد کی تیسری اور چوتھی جلد میں مرزا غلام احمد نے برطانوی حکومت کی کل گرفتیں اور دماغ مرالی کی بے اس خدانہ خدمات کا بھی ذکر و اعادہ
ہے جو اس کے ذہن نے انگریزی حکومت کے لئے انجام دی ہیں!

مرزا نے ۱۸۹۵ء سے ۱۹۰۰ء تک اس کتاب پر کام کیا، مگر چوتھی جلد کے بعد اس کی اشاعت کا کام نہ کیا، یہاں پر (۵) یعنی آخری جلد ۱۹۰۰ء
تقریباً ۱۹۰۰ء میں کام شروع کرنے کے بعد یہ پچیس سال کے بعد اس میں جن لوگوں نے پانچوں جلدوں کی پیشگی قیمت ادا کی تھی ان میں صرف چار۔
بر میں، مگر کچھ گئے، دوسرے لوگ جو پچھٹی و ہفتم دے چکے تھے، اس وقت پر تھا مجھے خدا کا بیکرد خاطر ہوئے جس کے لئے مرزا نے پانچ جلدیں خانی
اس جلد میں اس نے اس کا بھی اعلان کیا کہ اس نے اسلام کی حقیت ثابت کرنے کے لئے تین سو بیس دینے کا ارادہ کیا تھا، مگر اس خیال کو ترک
اسی طرح پانچ جلدوں کی جلد اب صرف پانچ جلدیں آئیں گی، مادہ کی اس تبدیلی کی مرزا نے (کتاب غریب بلکہ مضحکہ خیز) توضیح کی کہ ان دونوں

مرزا بشیر الدین محمود نے اسے تلمیذ کوہنہ بنایا۔

جن تین کتابوں کا اسے پورا کر دیا گیا ہے وہ مرفا فہمہ محمدیہ و مرفا کی تفسیر کرتی ہیں، ان کتابوں میں مرفا نے اپنے فنِ تفسیر پر جو طعن و طنز کیا ہے اسے گناہِ سنائی میں نہ کسی جبرہ مشن کی کتابوں میں ملے پونے کے قابل نہیں ہیں! ان کتابوں میں جو غلط فہمیاں بیان اسے اسلوبِ انجمنہ اختیار کیا گیا ہے وہ کسی بقاعدہ اہلِ قلم کے بھی شکیانہ نشان نہیں ہے، چرچا بنیکہ اُسے نہیں ہی اصدیجی مصلحین سے منسوب کیا جائے!

سیرتِ خیرین میں جو کتاب ہے کہ حضرت سیح خضریٰ کو قتل کر دیا گئے، اسے مرفا فہمہ محمدیہ ان نظموں میں مذکور کرتا ہے۔۔۔

سیح مازی کی یاد پر سیح بڑا کارنامہ انجام دیا گئے وہ مرفا ہے کہ کہ کتوں کا غول ساتھ لے کر مسجد کا شکار کرنے کے لئے دھوکہ دیا گئے، اگر بات میرے چلے تو کتوں، چاروں، سانپوں... کے لئے غزوہِ دست کا مقام ہے! جو جس نے کہ شکار کے لئے نہ دیا گئے۔۔۔

اس زمانہ میں مرزا غلام احمد نے جو کتابیں لکھی ہیں، ان سے واضح ہو گا کہ کس شخص کی ترجمانی سے نہایت زیادہ مبالغہ کیا گیا، اگر ہم مرزا کا علمِ ماضی کے مسائل میں بہت زیادہ سلی اور سبکی نہ دیتے، تو یہ بھی ہر کہ رحمتِ بڑی کا حقدار چنانکہ ماضی کے مسائل سے لگتا ہے اس سے مرزا نے اُسے دیکھ لیا، اُس کا خیال تھا کہ اس قسم کا عقیدہ تعلیم یافتہ لوگوں کی نگاہ میں دین کو مضحکہ بنانے کے لئے ہے، چنانچہ انشاءِ اتمام میں اس لئے لکھا ہے کہ اس قسم کی تعلیمات کی ہم اشدّ نفرت ہیں، کہتے، جو دلیل و عقل، تجربہ اور تجربی ماضی انداز کے کے بالکل برخلاف ہیں۔ ۱

اس قسم کی عبادت پڑھ کر کوئی غرضی شکل ہی سے یقین نہ کر سکتا ہے، کہ یہ عبادتیں کیا ہی مصنف کی تھیں، پوری ہیں جس نے "سُرمستادین" جیسی کتاب تصنیف کی ہے، جس میں مصنف نے پوری قوت کیا تاہم سچیزات کے ذریعے کے اسکا فائدہ دیکھیں، وہی ہیں اللہ اس بات کی تردید کی ہے کہ انجیلِ طبیعیاتی نظریات اور نظریوں کی انسانی ہیئت و جسم اور عقل و دین کی بنیاد دیکھنا چاہئے۔

اس زمانہ میں مرزا رفیع صاحب کو نبوت کا دعویٰ نہیں کیا، بلکہ اپنی تحریروں میں نبوت کے لفظ کو موقوف و موقوف سے بحث کرتا تھا اور اس بات کا ثبوت کرنے کی ہر کوشش کرتا تھا کہ نبی کے کسی خاص اوصاف کو اس کا ثبوت نہ ہو سکے، طبعی میں نبوت کے لیے خاص اوصاف کا حکم تھا، اس زمانہ میں وہ دعویٰ نبوت کرنے نہیں ہوا کہ نبی تھا، اس بات کا ثبوت لگانا نہ کیا، اس کے متبعین کی حیثیت اس درجہ کم ہو چکی تھی کہ اس نے اپنے دعویٰ کو مبرا، قویہ کہہ کر کہاں کہیں کیا، انہیں اس سے لیں گے، جس طرح کہ آپ کے تمام دعووں پر وہ آنا و صفنا کرتے تھے اسے ہی۔

آؤ کار یہ سنا کہ دتو چ پیر پوری گیا۔ مشائخہ میں مولوی محمد کلیم جو جمعہ کو خطبہ دیا کرتا تھا اُس نے خطبہ دیا جس میں مرنا کہنے کی نئی اور اصل
کے اقباب استعمال کئے۔ اس چیز نے مولوی صاحبہ محمد حسن امر دہوی کے جذبات میں بڑا اشتعال پیدا کیا۔ مولوی محمد کلیم کو جب اس کا علم ہوا تو
اُس نے دوسرے جگہ کے خطبہ میں مرنا فہم احمد کو مخاطب کر کے اس سے مدافعت کی کہ مجھ سے آپ کہنے کی اور منزل امن لائے ہوئے کا عقیدہ بیان کرنے میں
غصیل ہونے سے قریب آپ غلطی کو دست کر دیں؛ جو کہ کہنے کے بعد مولوی محمد کلیم نے مرنا کہنے کا حسن پکڑ کر کہا کہ اگر میرے عقائد غلط ہیں تو اُن
کی اصلاح فرمادی جائے۔ اس پر مرنا نہ پلٹ کر کہا کہ میرا بھی یہی عقیدہ ہے۔ مرنا کی کیا بات تیرے سے؟ بات تیرے کہ مولوی محمد حسن امر دہوی خطبہ کے جلسے
میں جیسے کارگیر اور غصہ کی حالت میں بچھڑے لگا اور مولوی محمد کلیم کہنے پر اس سے لڑنے لگا جب دونوں کی آواز میں بہت بلند ہو گئیں اور شد
شروع ہوئے لگا تو مرنا اپنے مکان سے نکل کر آیا اور قرآن کی یہ آیت پڑھی۔۔۔

“ لا ترفعوا أصواتكم فوق صوتي... ”

۱۹۲۰ء میں مرزا غلام احمد نے کھن کر اپنے اس دعوے کا اعلان کیا، تحفۃ السندہ میں وہ لکھتے ہیں۔

”ہم نے یہ بات بار بار کہی ہے کہ جو چیزیں تمہارے سامنے طاقت کرتا ہوں وہ قطعی طور پر اللہ کا کلام ہے اسی لئے

سورۃ حراں اور وصیت اللہ تعالیٰ کے کلمات میں میں خدا کا اعلیٰ اور بزرگ نامی، ہر اہل ایمان و مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہی معاملات میں میرا اتباع کرے، اور جس کی ننگ بھی میرے بار سے ہیں، اطاعت و غور سے، چاہے وہ صدق ہی کیوں نہ ہو، اگر وہ مجھے اپنے معاملات میں حکم نہیں داتا، نہ مجھے صبح و شام و تسبیح و تہجد کے بارے میں احکامات کو من جانب اللہ سمجھتا ہے، اس کو آنسو میں اس انگڑی سزا ملے گی۔۔۔۔۔ میں صرف یہ بھی نہیں کہتا کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھے موت آجائے بلکہ یہ بھی کہتا ہوں کہ موتی، عیسیٰ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں صریح صادق تھے، انہی کی طرح میں بھی صادق ہوں، اور اللہ تعالیٰ نے اس پر اسے زیادہ نشانیاں میری تصدیق کے لئے ظاہر کی ہیں: انبیاء و مہتممین میرے ظہور کے زمانہ کو بتاتا ہے، اور وہی زمانہ ہے، قرآن نے بھی میرے ظہور کے زمانہ کو نشان دہی کی ہے، اور وہی زمانہ ہے، آسمان و زمین نے میرے ظہور کی تصدیق کی ہے اور کوئی نبی ایسا نہیں ہے جس نے میرے ظہور کی تصدیق نہ کی ہو۔

مرزا غلام احمد کی تحریروں سے یہ بات ثابت ہونا ہے کہ وہ خود مستقل بالذات نبی اور صاحب شریعت سمجھتا تھا، اپنی تصنیف اربعین میں اس نے خود کہہ دیا کہ یہ جو شریعت کے گزرا ہے۔۔۔۔۔ اس نے یہ بھی کہا کہ مجھے پہچانی جاتا ہے۔۔۔۔۔ جو میرا اتباع نہیں کرے گا اور میرے حلقہ اہلاد میں داخل نہیں ہوگا۔۔۔۔۔ نو اللہ اور رسول کا یہ نام فرمان و فلاح میں رہے گا۔

مرزا کی تحریروں کا ایک اور اقتباس، —

”اللہ تعالیٰ نے مجھے اللہ کی ہے کہ جس کوئی ننگ میرا نہ ہو، میرا بچا اور اس نے اس کو قبول نہیں کیا تو وہ مسلمان نہیں ہے۔“

غلام احمد دہلوی کے دیکھ کر مرزا بشیر الدین محمود نے اپنی ایک تقریر میں کہا۔۔۔۔۔ کہ کوئی احمدی اپنی بڑی غیر احمدی کے نکاح میں نہ دے۔

”انصار خلافت“ میں ہے کہ ایک شخص نے مرزا غلام احمد دہلوی سے دوبارہ دریافت کیا کہ ”اللہ ارادے کے نکاح کے مسئلہ میں بہت ہی دشمنوں کا ذکر کیا اس پر مرزا نے اس کو ہدایت کی، کہ چاہے کچھ ہو جائے، اس و احمدی کو اپنی بڑی خواہ ساری عمر گھر میں رکھنی پڑے مگر غیر احمدی کے نکاح میں ہرگز نہ دی جائے۔۔۔۔۔ جب مرزا کے جواب کے بعد،۔۔۔۔۔ شخص نے اپنی بڑی کا نکاح غیر احمدی سے کر دیا تو مرزا کے خلیفہ اعلیٰ حکیم نور الدین نے احمدیوں کی امامت کے بارے میں اس کو ٹھکرایا اور احمدیوں کی جماعت تک سے خارج کر دیا۔۔۔۔۔“

تو یہ سب کچھ آئین اور ترجمان الحق کے بیان کے مطابق مرزا غلام احمد نے اپنے پیش فضل احمد کے جہان نامے کی نماز نہیں پڑھی کیونکہ وہ احمدی نہیں تھا۔۔۔۔۔

ہم مرزا غلام احمد دہلوی کے حالات زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو واضح طور پر یہ حقیقت سامنے آتی ہے۔۔۔۔۔ کہ اس کی زندگی کے دور رخ میں پہلے رخ اس کی ابتدائی زندگی کا افسانہ اور عظمت کا وہ ہے، اللہ بعد کا رخ اور دوسرا ہے کہ اس کے ہاتھ والوں کی عقیدت اس سے حاصل ہو گئی، اللہ نہیں دے جسے مالا مال کر دیا۔ مرزا کی زندگی میں جونیئوں، خواجہ پستوں اور وچہ اروں کی زندگیوں سے مشابہت کی بجائے دنیا پرست مسیحا کی زندگیوں اور غیر مذہبی عقیدوں کے باہمیوں کی زندگیوں سے مشابہت نظر آتی ہے، اس سلسلہ میں ہم سمجھتے ہیں، کہ مرزا کے خلیفہ حقیقت منسلک میں ہم جتنی سید ہو گئے۔

مرزا غلام احمد کے گھر والے جس طرح کی عیش و ترفہ کی زندگی گزارتے تھے، اس کے بارے میں مرزا کے ہاتھ والوں میں خاص طور سے خواجہ کمال الدین سب سے زیادہ غیر مطمئن اور متشکک تھا، خواجہ نے اپنے احباب سے اس کا اظہار بھی کر دیا کہ اس کے خاندان کی عورتیں یہ دیکھ کر کہ مرزا کے گھر والے کی عورتوں کا معیار زندگی بہت ادنیٰ ہے اور وہی زندگی بسر کرنے اور تحریک کے لئے دیرپا پس انداز کرنے کے لئے رضامند نظر نہیں آتیں۔

خواجہ کمال الدین نے ایک بار مولوی محمد علی (ابو جراح) احمدی لاہور، اور مولوی سرور شاہ قادیان سے بتوایا کہ یہ سب باتیں ذکر عالم تھا، کہ کسی کو

نہا دی میرے ساتھ ضرور ہوگی..... اس عیت اظہر علیہا ما تو پیش آئے گا کہ مجھے سرنگام سے

جھک جائیں گے، وہ محنت ابھی تک زندہ ہے۔ اس کا میرے جہانہ عقد میں آنا گویہ ہے.....

یہ آسمانی فیصلے ہیں، جن کو ماکہ اللہ پدا ہرنا ہی چاہئے !

مرنا نہ اپنے اعلان میں پیش گوئی کی تھی، کہ جس شخص سے مجھے یہ علم کی شادی ہوگی، وہ شادی کے دوڑ حاق سال بعد نفی پر جانے لگا۔ ہمت
رکھ کر مرزا سلطان محمد اپنی بیوی کے ساتھ خوشی و طہینان کی زندگی گزارتے ہوئے زندہ رہا، اس پر منوانے کہا کہ خدا ہی مشرور و مصلح مقصد
پا گیا ہے..... مگر جہاں تک اس خالق سے میری شادی کا تعلق ہے یہ یقیناً صحت پر پہلے سے عقد کر دی گئی ہے جس سے دست کشی نہیں ہو سکتی، وہی
میں ہے کہ اللہ کے کلمات تبدیل نہیں ہوا کرتے، کیونکہ اگر یہ تبدیل ہو جائیں، تو اللہ کے کلمات غلط اور بیچ ہو گئے ہوں!

مرزا نے پھر لکھا :-

”میں پھر کہتا ہوں کہ پرنسپل سنی احمد بیگ دینی سلطان محمد آ کے پاس ہیں پیش گوئی پہلے سے عقد کر دی گئی تھی ہے

اس سے اختلاف ہوگا، اگر میں پھر اپنی تو یہ پیش گوئی پوری نہیں ہوگی اس کے بعد موت ہو جائے گی :-

گورنارک ان پیش گوئیوں کے حق اور غم مرزا سلطان احمد نے خاصی طویل عمر پائی اس نے پہلی جنگ عظیم میں حصہ لیا اللہ تعالیٰ پر امان کہ زندہ ہو گیا اور مرزا
فلام احمد کے مرنے کے بعد کافی عرصہ تک زندہ رہا۔

قادیانیت کا مصلحہ غور و فکر کے ساتھ کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ قادیانیت اسلام و امامت مسلمہ کے متضاد ایک جہل گاہ
ذہب ہے، اللہ اس کے ماننے والے جہاں گناہ مت ہیں، انرا محمد نے جو کے خطبہ و بحوالہ انفس سرور پائی ۱۳۱۲ھ میں اس کا اعلان کیا کہ :-

”سیح مروجہ کی زبان سے جو الفاظ نکلا ہیں وہ اب تک میرے کونڈ میں گونج رہے ہیں! انہوں نے کہا کہ یہ کہنا

فطرت ہے کہ ہمارا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و خاتم النبیین یا اسی قسم کے دوسرے مسائل میں ہے، خدا و قرآن

رسول، نماز، روزہ، حج و عمرہ، یہ کہ لڑنے کے ہر چیز میں ہمارا اختلاف ہے :-

مرزا محمد نے یہ بھی کہا کہ مرزا فلام احمد کے خلیفہ اول نے اعلان کیا تھا کہ ان کا اسلام دینی غیر احمدیوں کا اسلام، ہمارا اسلام سے
مختلف ہے :-

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے مقابلہ میں قادیانیت نے عقائد و اعمال کا ایک نیا گھونٹا تعمیر کیا ہے، قادیانیت دینی زندگی کا اپنی تعلیمات
مطابق ایک نیار و متعین کرتی ہے، قادیانیت اپنے اختلافوں کو ایک سیاسی و عقیدت و دوا داری کا نیا نقطہ، اس کے نیا مذہبی شن، نیا مذہبی مرکز
مذہب مقدس، نئے مذہبی آداب و رسوم، نئے رہنما، افشاں بیرونی ہے اور قادیانیت جدید مذہبی تعلیمات کی اساس پر ایک جدید امامت کی
تیس کر رہی ہے۔

مرزا بشیر الدین محمد نے اپنی ایک تقریر میں کہا :-

”جب ہم حق کی نظیر کرتے ہیں تو اس طرح کہتے اللہ کی توہین نہیں کرتے اسی طرح جب ہم قادیان کی مخالفت

کرتے ہیں تو کہہ اللہ کی امانت نہیں کرتے..... خدائے قادر و برتر نے ان تینوں مقامات کو تقدیر میں

کی پھر اور ان مقامات کو اپنے لئے مخصوص رکھ لئے مستحب فرمایا ہے“

علامہ احمد نے اپنی کتاب میں اس کا اعلان کیا تھا کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قرآن کی ہر صریح قادیان کا اعلان موجود ہے۔ مرزا بشیر الدین

ابتداء ہے :-

۱۔ رہا ہے اسلام - احمیت کے بغیر یعنی وہ اسلام جو حضرت مرزا صاحب کے بغیر ہے، روکھا
 پھیکا (Dry) اسلام ہے، پس اسی طرح کہ کایا بھی اس پر دینی زیادت و بیان کے بغیر رکھا پھیکا
 رہا ہے کہ کایا بھی کے جو افراط و تفریط ہیں وہ اس زمانے میں کہاں دیا جائے ہیں، پھر سے ہو جائے ہیں؟
 قاریانیت نے مذہب کا جو تاریخ متعین کیا ہے، اس کا ہندوستان کے قوم پرستوں نے بڑے بلاش و خوش کے ساتھ بغیر مقدم کیا، ایک ہند
 اہل قسم ڈاکٹر شکر پاشا دہرانے بڑی قابلیت کے ساتھ اس نقطہ نگاہ کی ترجمانی کی ہے، ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔

• ملک کے سامنے سب سے زیادہ اہم سوال یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں کس طرح قومی جذبات پیدا کیے جائیں؟ مسلمانوں
 کے ساتھ حکومت بعض اوقات معاہدے کرتی ہے کبھی تم ان کے ساتھ مدد سے بانٹ کر تھی اور کبھی ان کو اتحاد کی دولت
 دی جاتی ہے مگر یہ تمام حیلے بنو جو ثابت ہوتے، مسلمان اب بھی اپنے کو جلا کر قوم سمجھتے ہیں اور دینی ملت عرب کے
 گیت گاتے ہیں اگر ان کا بس چلے تو وہ ہندوستان کو "مغرب بنا دیں، اس اندھیرے اندھا آمیدی کی فضا میں۔
 ہندوستان کے قوم پرستوں اور وطن دوستوں کو آمیدی کی صرف ایک ہی مشاعہ نظر آتی ہے اندھی آمیدی کی مشاعہ
 • احمدیوں کی تحریک ہے: مسلمان جس قدر اقدام دیں بھی احمیت کی طرف مائل اور غائب ہوں گے وہ دیناں کو
 اپنا کہہ سکیں گے اس کا نام کار وہ ہندوستان سے محبت کرنے والے اور سچے فیصلہ بن جائیں گے؟
 • مسلمان ہیں احمیت کی مشاعت و ترقی ہی پان اسلامزم اور عربی ثقافت، برت کی ضرب لگا سکتی ہے میں
 قومی نقطہ نگاہ سے احمیت کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

ڈاکٹر شکر پاشا دہرانے یہ بھی لکھا۔

• یہی وجہ ہے کہ مسلمان احمدی تحریک کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، (اس لئے کہ) وہ جانتے ہیں کہ احمیت
 عربی تمدن و ثقافت اور اسلام کی مخالفت ہے؛ تحریک خلافت میں احمدیوں نے مسلمانوں کے ساتھ اتفاق و اتحاد نہیں
 کیا، ترکی اور عرب کی بجائے وہ دینی احمدی / قاریان میں خلافت قائم کرنا چاہتے ہیں یہ چیز حرام مسلمانوں کے لئے
 جو ہمیشہ پان اسلامزم اور عربی وحدت کے خواب دیکھتے رہتے ہیں خواہ "بہی ما یوس کرنے والی کیوں نہ ہو، مگر
 نیشنلسٹوں کے لئے تو فوری سرور ہے؟

جسٹس مرزا ندیم احمد کے "غیر زور" کا ہے، اس زمانہ میں مسلمانوں کے اندہ جو شش بھارہ جانے کی خاص طور سے ضرورت تھی، کہیں کہیں مغربی حکومتیں
 جنگی طاقت کے اندر سے مسلمانوں کی حکومتوں کو دباتی اور ان پر غالب ہوتی چلی جاتی تھیں۔ — دوسری چیز مسلمانوں میں قایم اصلاح یہ تھی کہ
 فلسفہ قسم کے توجہ: "اور بغیر ہستی" کہ میں وہ مبتلا ہو گئے تھے، اور اکثر "اللہ اللہ شہد ناہ دہشت" و رسوم کا فلسفہ ان پائشاہانہ جیوٹ تھا: یہ وقت
 ایک، ہندو اور مسلمان کے لئے۔ "توحید و مسلمان" کی اس بات کے فروغ کو ادا کرنے کا تھا۔

۱۱۔ مسلمان کے عہدہ میر ذوقی اقام اور مادہ پرستانہ تمدن سے جو مسلمانوں کا واسطہ پڑا، تو ان میں معاشرتی اور اخلاقی طور پر بڑی بستی پیدا ہو گئی
 اندھی اخلاقی بستی اس سنگ بپورچ گئی کہ گتہ ہوں یہ عادت کا احساس دلوں سے نکل گیا، عیش و عشرت کی زندگی سے تھک جی، ذہنی طور پر بیرونی
 حکمرانوں کی غلامی نے خود داری کے جذبہ کو فنا کر دیا، اور مغربی تمدن کی فتنائی اور بظاہری آزادیوں کے طرز زندگی کی تقلید کر جو سماجی تعلیمات
 کی مخالفت تھی وجہ غصہ اور ترقی کی نشت فی سمجھا گیا۔۔۔ یہ موقوف واضح طور پر اس کا مطالعہ کرنا تھا کہ مسلمانوں میں ایک ایسا "پی پل" پیدا ہو،
 جو اس مہم کا مقابلہ کر سکے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں میں دین کے بارے میں بے خبری پائی جاتی تھی، جس کا سبب یہ تھا کہ انگریزی وعدہ میں عوام کی جدید تہذیب پر تعلیم و تربیت پر مبنی تھی۔ مسلمان اسلام کی تعلیمات و تاریخ اور قصہ سے بیگانہ پڑتے جا رہے تھے، یہ صورت حال اس کی مقتضی تھی کہ مسلم سرسائی میں دینی تعلیمات کی بہت طاقتور تہذیب پیدا کی جائے جس کے بغیر مسلمانوں میں اسلام سے گہری عقیدت اور وابستگی پیدا ہو جائے۔

ایک سالہ عزم و جدوجہد کے بعد اس کی مسلم دنیا کی یہ تھی کہ انبیاء کرام کے طرز اور وضع پر مسلمانوں کو ایسی زندگی بسر کرنے کی دعوت دی جائے جو اپنی اہمیت پر ایمان و یقین اور اصلاحی و تہذیبی کی اہمیت پر ایمان و یقین کے ساتھ ہو۔ یہ واقعہ ہے کہ مسلمانوں کو اس زمانے میں احمدی احمد نے جس کی طرف توجہ دلائی تھی، اس کی طرف توجہ نہیں دی، بلکہ ضرورت اس کی تھی کہ مسلمانوں کے یقین کا ایمان کو زندگی دی جائے، اور اپنی صداقتوں کے لئے تازہ جوش پیدا کرے۔
 اور حضرت خاتم الانبیاء و المرسلین علیہم السلام پر اللہ تعالیٰ نے جس پر اہمیت اور تعلیمات کو نکال کر دیا تھا، اُن کو تازہ کیا جائے!

مسلم دنیا کی من طرف لوگوں کا اوپر زکر کیا گیا ہے، اُن کو پر کرنے کے لئے ایک متعدد درجہ دار نظام اور قابل کار پیدا ہونے چاہیے۔ جس سے بڑے و چھوٹے کے ساتھ نہ تو کوئی نئی امت بنائی، نہ انہوں نے کسی نئے نبی کی طرف مسلمانوں کی دعوت دی اور نہ مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کیا! ایسی شخصیتیں انسان کی جو دوسرے دین کے لئے رحمت و برکت ثابت ہوئیں، ان کا مشن اسلام پر قائم کرنا ہے۔ بلا تھا اس کا کوئی مانگا اور اندیشہ ہی نہیں کہ ان کے کسی عمل سے امت اسلام کو کوئی نقصان پہنچے گا، یا کسی چیز کو ضائع کرے، بغیر مسلمانوں کے لئے سے خاتمہ انھیں مسلمانوں کے ان احسان مند اور شکرگزار ہیں!

ایک نازک زمانہ میں جو مسلم دنیا کے لئے پیدا ہوا، ہندوستان جو اپنی اہمیت کا پکا پکڑا ثبوت بنا رہا تھا، وہاں ہمارا فہم اور ہمارا ادب ایک نئی تحریک کا آغاز کرتا ہے، اس نئے دین میں مسلمانوں کے سامنے کچھ ایسا ہمارا قریب ہی تھا، ان سب کا فہم انسان کے مرنے کا فہم اور نہ ذاتِ مسیح کے مسئلہ کو، نہ ایمان اور اسلام کا دھڑکیا گیا کہ میں سچ و سچ ہوں۔ جو کچھ کہتا تھا، تو اس وقت اس دور میں کی تائید و تائید تھی، ہاں ہی اس امر کی آگاہی تھی کہ اس کی گواہی جو کہ ہماری حکومت کی طاقت دینی فریاد ہے، اور قریب نصف صدی تک انہی سب نے پر نظر ہوتا رہا ہے۔

مرزا فہم اور نہ مسیح کے موضوع پر جو کچھ لکھا ہے، اُس کی کن دین سے خارج کر دیا جائے تو ہر دین کی دین میں مشکل ہی سے کوئی تا بن زکر کی دیکھ لے گی!

سچے دنیا وہ دیکھنے اور سنانے کے لئے کہ بات ہے کہ مرزا غنائی نبوت کا ایک جدید قائم کر دیا کہ اس پر ایمان نہیں لانے والے احمدی تہذیب کہتے وہ۔
 ۱۔ مسلم دنیا کی وحدت کی پادہ پادہ کہنے کی تعبیر! وہاں کہتے ہیں کہ مرزا فہم احمد نے پچھلے اور مسلمانوں کے دھیان ایک ایسی دیوار کھڑی کی ہے جس سے اب حال چھوٹا ہو گیا، اس دیوار کے ایک جانب مرزا کے چند ارادے ماننے والے تھے اور دوسری طرف دنیا کے باقی مسلمان تھے، جو کہ کوشش میں نکل پھیلے ہوئے تھے، جن کی یہاں ایک عظیم شخصیت تھیں، بہت سی مفید تحریکیں اور بہت سے علمی و دینی ادارے تھے اور علم و اخلاق کی تربیت کا میں تھے۔
 اس طرح مرزا فہم احمد نے بلا وجہ احمدی ضرورت کے بغیر مسلمانوں کی مشکلات میں بیٹھ بٹھانے اور ان کا کیا ان سب میں سے وہ ہے جس سے ان میں اس نئی آگاہی کو بڑھا دیا۔

مرزا فہم احمد نے مسلمانوں کے ذہنی ترک میں کسی ایسے مفید محرک کا اضافہ نہیں کیا، جس کی بنا پر اُس کی شخصیت کا اثرات کی جائے، اور جس کے اثر کی سوجھ بوجھ اُس کا احسان ماننے والوں نے نہ تو کوئی ایسی تحریک شروع کی جس سے اسلام کا احیاء ہو سکتا اور جس سے مسلمانوں کا تازہ ہو پڑے گا، نہ اُس نے مسلمانوں کے عقیدہ اور ایمان میں کسی ایسی تبدیلی کی کہ انہیں کوئی مدد ملے، اور نہ اُس کی تحریک ہم عصر تمدن کیلئے تھی جو حکومت و دینیات کی کشمکش میں مبتلا ہے، نہ اُس کو ہندوستان یا ایران میں اسلام کی تائید کے لئے کوئی ایسی کوشش دیا جاسکتا ہے

فرمانِ غلام احمد قادیانی کو صرف اس بنام کہ کیا بیگم چاہتے ہیں کہ اس سے بچنے کا طریقہ بتا دیا جائے۔ وہاں قیادت و پیشروانی اللہ عزوجل اس کو خوشحالی ترکہ میں چھوڑ دی، اس معاملہ میں اس کا مقابلہ آفاقی خاں امداد کے اسلاف سے کیا جا سکتا ہے۔

فاضل مصنف انھیں لکھتے ہیں کہ جب میں اخوان الصفا کی باطنیت، ایران کی بہانیت اور ہندستان کی قادیانیت کی تائید کو پرکھتا ہوں مجھے ایسا لگتا ہے کہ ان غلوؤں کے ہاتھوں میں اسلام اور حضرت خاتم النبیین کی سوانح حیات کا سلاخ لہو کی، قرآن کے ذمہ میں یہ بات آتی ہے کہ ایک تبار اور گوشت پرندہ، ریل و رعلت ہے اور نہ اس کی حد کے لئے کوئی قورچہ ہے، مگر پھر بھی وہ لوگوں کو ایک مسک اور ایک مذہب کی حرمت دھرت دیتا ہے اور نہ وہ زمانہ نہیں گزرتا کہ ایک نئی امت ایک جدید دنیا مست ایک ایک نیا تمدن وجود میں آجاتا ہے انہوں نے یہ بھی سوچا کہ اگر نہ تھا شخص واحد نہ فی تاریخ کے رخ کو بدل دیتا ہے اور واقعات کے دھارے کی ایک سفرونیخ میں بچھنے کے لئے بچھ کر دیتا ہے اس سفرونیخ کے بعد ان کو گورنگ پورس آئینہ راج، حضرت عثمانؓ کو یہ بھی ہے کہ تم خود کو شوق کر کے کیوں نہیں دیکھتے؟ — یہ لوگ جانتے تھے ان کے پاس ذہانت ہے اور نہ ہی تعلیمی قابلیت ہے انہوں نے سوچا کہ ان کے معاملہ میں بھی ممکن ہے کہ تاریخ اپنے کو گورنگ دے۔ اس میں ہر پرت قسمت آزاد تو رہے اپنی جدوجہد کے لئے، کی تہ کی معجزانہ کارہ کی واقعات قائم کیں، جس طرح چھٹی صدی عیسوی میں نبی امی (خداہم روئی والی والی و امی) کو سیریلینا کا بیابان اللہ تعالیٰ کی نصرت زمانہ سے حاصل ہوئی تھیں، یہ لوگ سہ و دم و خیال میں بستہ تھے کہ ان کی نظر ہمیشہ ایک ہی سی ہی رہے، جب ان کی فطرت نے زمانہ خاصی میں جھڑک دیا کہ ایک کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ ان کو — بیک نہ گئے !

ان لوگوں کی نگاہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی سرسری جھلکیں تبصرہ: اس حقیقت کا ثبوت یہ کہنے سے محروم رہے نہ حضور کو نصرت: انہی حاصل تھی جو حضور کی اصل طاقت تھی، اور نہایت اسی تھی، جس کا حضور کی حالت واسطہ انداز نہ تھا۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مغربی کثرت کے لئے ان برس پرست شخصیتوں کی کنٹرول کو قدم سے کام لیا لی نصیب ہوئی، ان کے پیچھے کبھی چھنے والا
آکٹو برائے جن کی تعداد کسی گنتی کا لاکھ بھی ہوگئی، ان میں بعض لوگوں نے مثلاً ہائی اپنی ایک حکومت قائم کر لیں جو کامیاب ہو گئے۔ اور اگر وہ ان
شعبہ بہ حکومت سرحدوں سے موکش تک پہنچ جاتے ہیں، لیکن یہ بات بس اسی وقت تک باقی رہتی ہے جب تک وہ اپنی تعلیم کو قائم رکھتے ہیں۔ انسان کی فطری خواہش
کا نام کرتا ہی لیکن جب یہ چیزیں رخصت ہو گئیں تو ان کی طاقت و سطوت اور شوکت و اقتبال اس طرح رخصت ہوئے کہ وہ ماضی کی ایک تلخ یاد بن گئے۔
۹.....

مگر اس کے برخلاف حقیقی اسلام جس کو نبیؐ آخرت نے پیش فرمایا تھا۔ آپؐ کو اسی طرح قائم و باقی اور زندہ و پائیدار ہے، جس طرح کھنڈ اور لٹکے ہوئے عظیم روحانی طاقت ہے، اور امت کی ہدایت و رہنمائی کے لئے مشن تہذیب و اندوہانی نبیؐ کا محرک بنا ہوا ہے۔

اسلام ایک ایسا مقدس دستور اور گروہ بندی کا بن ہے، جو عربی و عیسوی و اسلام کی تربیت کا انتہائی روحانی و سماجی تاریخ اس کی زندگی میں سب سے کبھی نہ ہو، جس پر سب کو کبھی عین نگاہ ہے۔

ابن قتیبہ حاضیہ کے اندازہ لگایا جو اس کتاب کو تاریخ کی تفسیر میں کسی قدر گام ادا ہے۔ جو تحریر کا اس قدر دل کتاب سے خبر نہ رہے کہ
یہ نہ کہ یہ کتاب جو فاضل طبرستان کے تالیف ہے، اب بنیاد پر اس کی اصلاح کی گئی ہے، انگریزی ترجمہ بھی سید
عبدالحی کے ہیں۔

میرزا سلیمان نے کاغذ پر ۱۔ مرتبہ ۱۰۹۰ء لکھ کر دو، شرف آباد، کراچی۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے ہم عمر فضل اہل بیت دے کر ہمارے دوستی و غور میں کے ساتھ شرف عطا فرمایا۔

تاریخ کے دوسرے کمالات کے سامنے دینی و دنیوی تاریخ میں ان کا ذکر ایک مرتبہ معلوم الخلق اور خلق کی حیثیت سے آئے گا مگر ان کی حیثیت سے آئے گا! اساس کا سبب یہ ہے کہ حضرت اوصوف کے دوسرے کمالات ہوسرہ نجوم کی طرح مختلف ہیں ان کے متبادر ہیں ان کی شاعری جگہ جگہ جیسی ہے۔

جناب مولوی غلام محمد (میداد آبادی) حضرت اوصوف سے شرف بیت دارالت رکھے ہیں، بلکہ ان کے تربیت یافتہ ہیں، ہر شیخ کو ایسے نفس الخیر ترقی ملی سیراتے ہیں، مولوی صاحب اوصوف نے اپنے ہر شاگرد کے کلام کو بڑی عقیدت و خلوص کے ساتھ سنا ہے کہ انہیں اس پہ ایک مثاقیہ واجب تھا کہ انہیں انہیں دیکھ کر ہلکا ہے!

اعجاز سلیمان کا آغاز، علامہ مرحوم کے دواغ کے کلام میں غزلوں سے تھا ہے، جس کا عنوان غزل الفزلات ہے، یہ ۱۹۲۹ء کے کلام ہے، اس کلام کا سرنامہ علامہ کا یہ شعر ہے۔

سمجھیں مرے کلام کو جو ہر شہنشاہ میں
نستی تری یہ بادۂ انگور کی نہیں

ان کے منتخب اشعار۔

پتنگ دئے و برہٹکی صدا بھول گیا ہوں	بھاؤ بھڑکے ہیں وہ ذوقی لہجہ و گوشت
آئینہ جزا، خوب سسزا بھول گیا ہوں	منظور تری چشم رضا جیسے ہوتی ہے
ایک میں ہوں اللہ خدا کا نام ہے	نہم میں تھپا نظم سنا ہوں میں
بھٹ میں ابھی سفر تو سفر کا نام ہے	چل کھڑا ہوا رہا ہے پھر کچھ ناہ سفر
جوش جہد پر وہ میخوار کہاں لاؤں	دل ہو لینے لگے یاد کہاں سے لاؤں
وہ سفینہ جو کرے پار کہاں سے لاؤں	اُن ہی دنیا کے معاصی کی ظالم فیزی
شریعہ کلمہ فساقی قسم کہاں کر رہا ہوں میں	دامن کو آفسرد سے بونم کر رہا ہوں میں
دم اپنا چراغ سیر راہ ہے	بھروسہ نہیں اب بھاتا تب بھٹا
یہاں بڑھ چیت ہے ناگاہ ہے	یہاں پیش بینی کوئی کیا کرے
اُتر کے واسطے کچھ اور انتظار کرے	ابھو، بھٹن خالی کچے میں ہزار کرے
ہونا چھوٹے اک دن غلامی و سمانہ	دستہ بغلیت ہو، یاد دینی مرقہ جو
سیدہ آفتابہ بخونم آواز دوست	شیدہ صید و بونم آواز دوست
بہرے کی منسزل ابھی دلد ہے	چپ چل تو منزل پہ منزل پر نہی
داں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے	ہم ایسے رہے، یاں کو دلچسپ رہے
خانہ انفاخت و دھلتی مرا کوا سیر	خواجہ بخشید مرا سجدہ صد خانہ یہ لطف

غزل الفزلات میں جوش ملیح آبادی کی محامد نظم کے خوب ہیں، علامہ محمد اللہ علیہ رحمۃ اللہ کی ہے وہ خوب ہے! شراب راہی
تجربہ کی نظم ہمارے چراغ مصطفوی کے تحت اس کے سامنے علامہ کی نظم دیکھو ہے، اس نظم کا قافیہ کرتے ہوئے فاضل مرتب

- یہ فقہ فہرہ نظم اور جزئی ۱۹۱۶ء کے اخبار مذہب میں چھپ کر عام ہوئی، اس کو پڑھ کر حضرت علامہ دینی تھے
 اور اس کا حقیقتاً فی البدیہہ جواب نظم ہوتا دیا، اس کا ہی دن اسی اخبار کو بھیج دیا۔
 یہ دس ہجے ہمارے سید سلیمان ندوی کی پرگڑی کی، طبعیت ایمانی نے اس میں اضافہ فرمائی اور تقدیریں پیدا کر دیں۔
 علامہ مرحوم کی شہوانہ طبیعت کے برعکس ان کے مقابلہ میں نظم میں بیان دیا کہتے ہیں، علامہ کشمیری انسانی ہمدردی میں جو نظم کہی ہے اس کے پندرہ
 پڑھتے اور محظوظ ہو جاتے۔

بیابان قہر خوان جاو افریدی دیکھو
 نہ الجانے نہ دیکھنے نہ دیکھنے نہ اورنگ
 دشتیں سجدہ گاہ قہر و ابلان تہمت ہی
 ان شعور کے شہل انسانی کی شاعری کا آہنگ سنائی دیتا ہے
 نازی قصیدہ کے اس شعر میں ہے۔

کین دستاورد او بالا ترا از اکلیس سلطانی
 صیر کھارشن بہتر زاد اورنگ سلطانی
 اورنگ سلیمانی کہ کھلا، غالب مذمت ہو تھا اس نے قہر پرفانی کے ساتھ کہ دیا۔
 اک کہیں ہے اورنگ سلیمان مرستہ نیک
 اک بات ہے اچھا نہ سچا ہرے آگے

مگر اورنگ سلیمانی کو چونکہ اللہ کے مقدس نبی حضرت سلیمان علیہ السلام سے نسبت ہے اس لئے مولانا سید سلیمان ندوی کو عام شعرا کی تقصید میں
 یہ تشبیہ نہیں دینی چاہئے تھی۔
 کتاب کے دوسرے حصہ کے منتخب اشعار :-

طوبی غم کے لئے منفرج ہے عسکر دہان
 بات ہے ہیں اور مشکل بھی
 یاد کی زلف کا قصہ ہے یہ کوتاہ نہ پر
 صاف گھل کر کہا نہیں جاتا
 بت چستی بھی کروں ادب شکن بھی میں ہوں
 آنکھوں میں قہر کے آنسو ہوں میں اس بت کی ہوس
 شگستہ روئی بت خفا نہ ہر نہیں مکتی
 ملامت لگتی پہلے ابلیس کی دانات پر غیہ کہا ہے جس کا یہ شکر کس قدر اثر انگیز ہے۔
 تیرے چاہنے پہ گساں تھا کہ ہر محشر ہر پا
 تو گیا اور بچا دہر میں محشر نہ ہوا
 نظروں میں۔ متاخر حق گوئی... اللہ وہیں مساعاات بلند پایہ نظریں ہیں۔

دوسرے آدھ :-

آتا ہے خدا بھی تیرے صدمے میں مجھے یاد
 گویا کہ بظاہر میں خدا بھول گیا ہوں (ص ۱۵)
 نہ کرنا ضرور تھا، خدا کو بھول گیا ہوں
 دل میں گریختا بتِ خود کام ہے (ص ۱۸)

بزارہ بار مجھے لے گیا ہے مقتل میں وہ ایک نظرہ نون جو رنگِ گلویں ہے

ذکرِ اقبال نے ان نظموں میں داد دی —

”آپ کی یہ غزل لا جواب ہے بالخصوص یہ شعر مجھے بڑا پسند آیا“

علامہ سید سیدان ندوی کے لئے شعر گوئی نا تو ہی چیز تھی، اگر ان کو علمی کا سول سے نصرت ملتی اور وہ شاعری پر پوری توجہ دیتے، تو ان کا شعور
ابنِ زکشت عروں میں ہوتا، شعر گوئی کا چہرہ بالقرہ ان میں موجود تھا مگر اس پتہ بالغفل کی پوری طرح حقیقت نہ ہو سکی! مرید نے بہر حال اپنے لائقِ احترام
شیخ کی حقیقت کا اس طرح حق ادا کر دیا۔

انصاف مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ

ذکرِ الشہد

ضمانت ۱۰۰۰ صفحات درمیانِ نوشتن ۱۰۰۰ قیمت ۵۰ روپے

دو دو سلام کے فضائل و مسائل غلے کا پتہ — مولانا عبدالمجید کراچی

اس کتاب میں حضرت مولانا محمد شفیع نے ذکرِ الہی کے طریقے، مسائل، فضائل اور سنون دھاتیں بڑے سلیقہ سے میسر آؤ۔ ترجمہ کے ساتھ
ترتیب کی ہیں، اور دوسرے باب میں دو و شریف کے فضائل و مسائل درج فرمائے ہیں: دو و شریف کے ضمن میں یہ بھی لکھنا چاہئے تھا کہ مسلمانوں نے
سمیعہ اور سیرت النبی کی فضیلت میں کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا جو طریقہ ایجاد کیا ہے اس کے لئے کوئی سند کتاب و سنت، آٹھویں پر
مولانا تعالیٰ ائمہ تک میں نہیں ملے گی، لہذا یہ ”ہفت“ ہے! شکر و بھکت کی تردید میں کلامِ اللہ جبکہ وہی ناما فاعلی کا قلم نہیں کنا چاہئے!

”نام سیدانی میں یہ زیادت — اس مضمون کے لئے صحابہ کرام کے حالات یا تابعین کے واقعات سے سند کافی ضروری تھی، شیخ صاحب لو اب
ہرانی اور علامہ سید سیدانی کی اسناد اس باب میں حجت نہیں ہیں! اس قسم کی دعوتوں سے ذہنوں میں خلجان پیدا ہو سکتا ہے اور ان روایتوں سے اپنی
حجت قائم نہ کر سکتے ہیں۔“

اپنے موضوع پر یہ کتاب خوب نہیں، بہت خوب ہے، ذکرِ اہلِ اللہ دو و شریف سے نبدان کا ترجمہ، بہت اچھی سعادت اور شرفِ ذکرِ امت ہے!

فاران کیمبل توحید

شائقین کے لیے حد اصرار پر تیسری بار شائع ہوا ہے جو اب ختم ہونے والا ہے قیمت فی کاپی ۱ روپیہ ۱۰ پیسے
(دعائے مسرت)

میلے کا پتہ

مکتبہ فاران کیمبل اسٹریٹ کراچی ۱

طاقت و توانائی کا مکمل کورس

مستقل فائدہ۔ قابل اعتماد توانائی۔ فرصت بخش تندرستی
دل، دماغ، معدہ اور ہڈی کے لئے اکیسویں صدی کا نیا، نیا، نیا اور حیات کا محفوظ اور طبعی۔ کاوش پیدا کرنے والا
ایک ماہ ۱۰ روپیہ
طلائے شباب خاص
ایک ماہ ۱۰ روپیہ

اعضائے تیسرا ایسوسی ایشن کو بی ل کرنے والا تیسری خبریہ ممبر کو شک۔ ضروری۔ طاقت بخشنے والا
بہترین کتب خانہ خاص

دفعہ ۱ (فوت) اس سے ادویات کا مکمل کورس ۳۶ روپیہ
نصف کوری ۱۹/۵۰ روپیہ۔ مکمل کورس ۳۶ روپیہ۔ مسرت دعا

میلے کا پتہ۔ اشرف لیبارٹریز، لائل پور، فون نمبر ۳۰۶۱

آدم جی کاٹن ملز
لاڈھی کراچی



آدم جی کاٹن ملز - لاڈھی کراچی

آپ وقت سے پہلے کیوں مڑ جائیں!

دوسرے قادیانوں میں قبل از وقت بھولنے کے آثار نظر آتے
 تھے ہیں اس کا سب سے بڑا سبب انسانی نفسانیت ہوتی ہے۔
 اس غیر فطری حالت سے بچنے کے لئے ہمیں دعا کا نام لےنا اور اللہ
 سے تعلق رکھنا ہے۔ صحت و شباب کا نام نہ لےنا نیز سچا ہونا۔
 ہر فطری حقیقت کے ساتھ دعا کا نام لے کر خود کو ترقی کرنا اور
 ہر چیز کو اللہ کا نام لے کر کرنا ہے۔ ہر ایک کے لیے ایک ہی اصول ہے کہ

اللہ کے نام لے کر ہر کام کرے اور اللہ کو قوت بخشاں ہے اور
 اللہ سے دعا ہے کہ جہاں کو چاہے وہ ہرگز کے سال ہرگز کے
 خرد کی نئی نئی ہوا کرتا ہے۔ یہ شہر لوگ اس کی تائید کرتا ہے ہیں

حاجۃ الاسلام

جائزوں میں قوت اور صحت حاصل کرنے کے لئے ایک مکمل اور موثر شہر



دور

پاکستان
 لاہور - راولپنڈی (دقیقہ)
 کراچی - اسلام آباد - قصبہ - چٹانہ

شماره ۹

جلد ۱۱

ماہنامہ فاران کراچی

ماہ دسمبر ۱۹۶۶ء

ایڈیٹر ————— ماہر القادری

ترتیب

۳	ماہر القادری	نقشِ اول
۱۵	اللہ عالم	نہن الجہاد اسلامی تشکر
۲۱	محمد اقبال سہیل دھیمہ	عالم اسلام میں علماء و شیعہ کی حالتِ نادر
۲۶	پروفیسر افتخار احمد مخدوم و مولوی دایم اے	جگر مراد آبادی، فن، شخصیت اور شاعری
۳۳	مولانا عبد اللہ عباس ندوی	جمال ناہر کی حکومت سے بیزاری کیوں
۴۰	دعید الدین خاں	روپے انتخاب
۴۱	ہماری نظریں

چند سالانہ	پبلشر : مسٹر وحید	قیمت فی پرچہ
سات روپے	مقام اشاعت	۶۲ پیسے
دفتر ماہنامہ فاران کیمپبل اسٹریٹ کراچی		

مسٹر وحید پبلشر نے انٹرنیشنل پریس کراچی میں طبع لا کر دفتر ماہنامہ فاران کیمپبل اسٹریٹ کراچی سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقشِ اول

حکامات، تہذیبیں سے یہ اطلاعیں ہم تک تو اتنے کے ساتھ پہنچ رہی ہیں کہ قادیانی اپنے لٹریچر اور شخصی ملاقاتوں کے ذریعہ مسلکِ قادیانیت کے دعوے سے کہتے ہیں، اُن کی سرگرمیاں روز بروز بڑھتی جا رہی ہیں، اسی عرصہ میں خود ہمارے پاس قادیانیوں کی لامتناہی جماعت کے روز بروز بڑھتے ہوئے پھرنے والے اخبارات کے مرکزِ رتقہ سے اُن کی کتابیں آئیں۔ اس طرح ان اطلاعات کی پوری طرح تصدیق ہو گئی، حیرت ہے انگریز کے دور میں قادیانی اپنے کفر پر مشن کی تبلیغ کرتے ہوئے تھوکتے محسوس کرتے تھے، مگر پاکستان میں اُن کی ہزاروں اتنی بڑھ گئی ہیں کہ وہ اسلام آباد، گواہ کرنے والے انداز میں بے ایمان بنانے کے لئے کھلے بندوں قادیانیت کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ اور اس فتنہ کے خلاف سے بالکل بے پروا ہیں۔

قادیانیوں کی ترویج میں بیسیوں کتابیں متحدہ دوزبانوں میں لکھی گئی ہیں، لیکن وہ ہر کسی کو آسانی سے نہیں مل سکتیں، ہمدون فیسر محمد الیہ برنی مرحوم کی تالیف ”قادیانی مذہب“ تک پائیدار میں فایزید ہے، اس صورت حال کا افسانہ کرنے کے بعد ہم نے اس کی شدید ضرورت محسوس کی، عوام مسلمانوں کو اس فتنہ سے بچانے کے لئے قادیانیت کی ترویج میں ایسے دلائل و شواہد ا۔ ساتھ ہی قرآنی کی کتابوں کے سفوفات جمع کر دیں گے مطالعہ کے بعد بھی نوری نبوت سے مسلمانوں کی لغزت و بیزارگی اور یہ یادہ شدید ہو جائے، اور وہ اس مسلکِ فتنہ کے مبلغین اور دعوت دہوں کو سمجھ سکے کہ دہشتی کے ساتھ دھتکا کر دیں، تاکہ وہ پھر ایسا کرنے کی ہمت نہ کر سکیں اور انہیں اچھی طرح اس بات کا احساس ہو جائے کہ کسی جدید ہمت اور مفروضہ سمیت موجودہ کے بارے میں ایک حرف بھی سننے کے لئے تیار نہیں ہیں اور قادیانیت سے لغزت و بیزارگی کو سب سے اسلام و ایمان کا تقاضا اور دلیل سمجھتے ہیں

جب پاکستان میں فتنہ قادیانیت کی تبلیغ پر کوئی مسلک لوگ نہیں ہے۔ تو مسلمانوں کو اس گمراہ مسلک کی ترویج کا حق حاصل فتنہ قادیانیت کی ترویج پر جو کوئی ”فرقہ واریت“ سمجھتا ہے وہ عوامی کے آس و پی میں مبتلا ہے، جس کا نام دینی بے نیازی اور بے تعلقی ہے تنقیر دین کے مسائل میں بالکل گمراہ اسلام و ایمان سے قطعاً ہے خبر ہے، جو قادیانی مذہب کو مسلمانوں کا ایک فرقہ سمجھتا ہے، قادیانیوں اسلام اور مسلمانی سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ گمراہ امت محمدیہ کی مخالفت جدید امت (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی کی امت) میں شامل ہے قادیانی امت محمدیہ سے بالکل جدا گانہ، جدید اور مختلف امت ہیں، اور یہ گمراہ مسلمان فرقوں میں شامل نہیں ہے، مسلمانوں کے کسی قسم کا کوئی دینی رشتہ نہیں ہے، اپنے اس موقف کا خود قادیانیوں کو بھی احساس ہے، اس کے لئے بالکل سامنے کا ثبوت یہ ہے کہ ہندوستان میں ہندوستان گیر پیمانے پر مسلمانوں کی جو تحریکیں اُٹھتی ہیں چاہے وہ غلام کھنڈ کی تنظیم ہو، تحریک خلافت ہویا قیام پاکستان کے لئے جدوجہد

قادیانیوں کا ان سے کوئی واسطہ اور کسی قسم کا ربط و تعلق نہیں رہا، مسلمانوں کی ان تحریکوں اور تنظیموں میں نہ تو خود قادیانیوں نے شمولیت نہ کی، نہ ان کی دعوت اور خواہش کی اور نہ مسلمانوں نے ان کو دعوتِ شرکت دی؛ دنیا کے دوسرے علم و مالک پر کیسے کیسے نازک اور سخت وقت آئے مہینا یا یوں نے ان کیسے ان اور مشکلات و مصائب سے کسی قسم کا کوئی تعلق اور واسطہ نہیں رکھا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کو خود بھی اس کا احساس تھا کہ وہ مالکِ تہنِ مسلمانوں کی حکومتیں ہیں وہ ان اُس کے پیش کئے ہوئے مذہب کا کاروبار نہیں چل سکتا، اُس نے خود اس کا اعتراف کیا۔

”کیونکہ میرے اعلیٰ معادہ جو بن بقیہ ہند کی حکومت کے ساتھ کے نیچے انجام پذیر ہو رہے ہیں، ہرگز ممکن نہ تھا کہ وہ کسی اور گورنمنٹ کے زیرِ سایہ انجام پذیر ہو سکتے، اگرچہ وہ کوئی اسلامی گورنمنٹ ہی ہوتی۔“

(تحفہِ قیصر، ص ۱۸۹)

دل کا چہرہ اندھ ہی اندھ کہ رہا تھا کہ مسلمان حکومتیں نے نبی اور جدید نبوت کی تبلیغ کی اجازت کس طرح دے سکتی ہیں اور وہ کسی سیاسی مصلحت کی بنا پر چشم پوشی بھی کر سکتے ہیں تو ان حکمرانوں کے مسلمان عوام اس بے حسیتی اور بے غیوریت کی کس طرح گواہ کر سکتے ہیں۔ جتنا نچر افغانِستان میں قادیانی مسلمانوں کا جو حشر و آزار سب کو معلوم ہے؛ ارضِ مقدسہ تہذیب قادیانیوں کا داخلہ آج تک ممنوع ہے، اگر کسی کو قادیانی کے تہذیب میں موجود ہونے کی اطلاع مل گئی ہے تو اُسے گرفتار کر کے بیک بینی و دو گوش ملک بند کر دیا گیا ہے؛ اندیسہ سب کچھ اس عقیدہ کی بنا پر ہوا ہے اور یہاں چاہے کہ قادیانی امتِ محمدیہ میں شامل نہیں ہیں، نہ یہ مسلمانوں کا کوئی فرقہ ہے اور نہ ایمان و اسلام سے اس گروہ کا کوئی تعلق ہے؛

مسلمانوں کے تمام فرقے اللہ، رسول، کتاب اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، اس لئے وہ مومن اور مسلم ہیں، نبوت کا وہ دائرہ بند کر دیا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب نہ کسی شخصیت پر قیامت تک کوئی آسمانی بھیجہ نازل ہوگا اور نہ کتاب آترے گی، دہلی نبوت کا بھی کوئی امکان باقی نہیں رہا، اس صحت میں مسلمان کسی ایسی شخصیت کو سچا اور صادق القولی کس طرح سمجھ سکتے ہیں، جو اپنے منکر کو کافر کہتا ہو اور خود خدائی کے قول کے مطابق دوسرے نبیوں کی طرح اُس کا ماننا ایمان کی لازمی شرط اور جس کے انکار کو کفر سمجھا جائے؛

اللہ تعالیٰ کی کتاب پر حرف بہ حرف موجود اور محفوظ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور احکامات کے ایک ایک لفظ اور امت نے حیران بنا کر رکھا ہے، صحت پر کلام کے آثار بھی کتابوں میں لکھ لئے گئے ہیں، اُس کے بعد صلواتِ اُمت اور اسخون فی العلم کے لاکھوں صحابہ اُمت کو روشنی دے رہے ہیں، حکمت و موعظت، طہارت و تقویٰ اور ہدایت و نجات کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو نشہ انداز دھڑلہ گیا ہو، اُمت نے کسی دہائی میں بھی بعثت خاتم النبیین کے بعد وہی نبوت اور صالح وہی نبوت کی فرصت محسوس نہیں کی، اللہ تعالیٰ کی کتاب اس واسطے رسول کو انبیا کی ہدایت کے لئے ہر اعتبار سے ہر جہت سے کافی و کافی بھجوا گیا، اللہ تعالیٰ نے ختمِ نبوت کے ساتھ دین کا اتمام بھی فرمایا، اس میں اب کوئی اضافہ نہیں کر سکتا؛ پھر اُمت کا کوئی دھڑلہ صلی اللہ علیہ وسلم و تقویٰ سے خالی نہیں رہا، دین کی تجدید و احیاء کے لئے عظیم شخصیتیں پیدا ہوتی رہی ہیں، مگر انہیں سے کسی شخصیت کو بھی وہی عظمت اور شرف و کرامت کے ہا دھڑلے کے حاشیہ و جسرِ اُتار کا اب غل و بربط نہیں مانا گیا، جس کا ماننا ایمان کی لازمی شرط ہو، اور جس کے انکار سے مسلمان کافر ہو جائیں؛ ان میں سے کسی عظیم و مقدس شخصیت نے بھی امتِ مسلمہ سے کٹ کر نہ تو کوئی جہت بانی نہ کوئی منفرد سلسلہ قائم کیا، ایسا سلسلہ کہ جس میں داخل نہیں ہے وہ کافر ہے؛ اور نہ کسی مجدد نے صرف اپنی طرف دعوت دی اور نہ کسی شخصیت نے کسی مجدد کو معیار حق اور ایسے منصب پر فائز سمجھا، جس کا انکار کفر کے مترادف ہو؛

”دنیا میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے سوائے گروہِ مسلمان موجود ہیں، وہ جبکہ سب اللہ، رسول، کتاب اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں، اس قبولِ واعتراف کے بعد ان کے ایمان و اسلام میں اتار کی کمی نہ جاتی ہے اور وہ آخر کس دلیل کی بنا پر اس بات کو دوست و صیغ مان سکتے ہیں کہ خدا، رسول، کتاب،

اور آخرت پر ایمان لانا کوئی وقعت اور حقیقت نہیں رکھتا جب تک کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت الٰہیہ صحت پر عمل پیرا نہیں نہ لایا جائے دیکھیں مسٹر پن اور حماقت و جہالت ہے کہ قادیانی ساتھ کرکڑ مسلمانوں کو کافر سمجھ کر اپنے مسلک کی طرف اُن کو دعوت دیتے ہیں اور مرزا کے قادیان پر ایمان لانا بغیر ان بے چاروں کا نہ کوئی عمل خیر قبول ہے اور اگر کوئی عقیدہ معتبر ہے، کیسی وحاندلی، سفسیت اور ہٹ دھرمی کے کفر و الحاد پر ایمان واسطہ کا مذاق اڑاتے ہیں، نجاست، طہارت کو اپنی طرف جاتی ہے اور غفلت اور غبی ہٹنہ کرتی ہے آؤ کس دین کی بنا پر اس بات کو حق مان لیا جائے کہ ساتھ کرکڑ مسلمان مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت الٰہیہ صحت پر عمل پیرا ایمان نہ لے لے کے بسبب دھاک بدھن گستاخ کافر ہیں! اور دین و دنیا کی سعادت کھراڑا مرزا کے قادیان کی اطاعت سے جائز ہے، مسلمانوں کے کرب و دازیت، غم و غصہ کی کوئی انتہا ہی نہیں رہتی جب اُن کو زبان دشمن کے ذریعہ قادیانیت کی دعوت دی جاتی ہے اور اس سمنہ صمدی خدا نامہ اور کافر مسلک کی طرف اُن کو بلایا جاتا ہے!

یہ کروار؟

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر اللہ تعالیٰ کی شہنشاہت و عظمت مبارک ہو رہی ہے، کتنی عقول ہات آپ نے فروئی ہے کہ جو کوئی کسی دینی نبوت سے دلیل نبوت طلب کرے تو اسے کہنے سے وہ کافر ہو جاتا ہے! امام اعظمؒ کے اس لٹکا دکھا یہ ہے کہ غم نبوت ایمان و اسلام کا بنیادی مسئلہ ہے، جو کوئی دینی نبوت سے دلیل دیکھتا ہے وہ "غیر نبوت" پر یقین نہیں رکھتا یا اس قطعی مسئلہ میں مذہب ہے! دینی نبوت تو اسلامی معاشرے میں زندہ رہنے کا حق ہی نہیں رکھتا، اس دعوے کے بعد اس کی شہریت بلکہ عام انسانی حقوق بھی کالعدم ہو جاتا ہے، خلافت راشدہ کی مثال ہمارے سامنے ہے، نبوت کا دعویٰ نے کروڑوں آٹھ لاکھ اُن سے قتال کیا گیا:

"غیر نبوت" کے عقیدے کا یہ تقاضا تھا کہ یہ فرض محال مرزا غلام احمد قادیانی کی ایک ایک چیز گولی میچ ثابت ہوتی، اس کی ہر بات و زندگی، جہاد و تقویٰ اور صدق و امانت کے سوا اور کوئی چیز نہ پائی جاتی، اُس کے اشارے سے ڈھب ہوا سود برج پلٹ آتا، وہ زمین پر جہت تو ٹھہر رہا ہے لیکن جہاد ان تمام کمالات کے باوجود اُس کے دعوے نبوت کی تردید کی جاتی اس کو کا ذب و مغزی جاوید اور شہیدہ باند کھجا جاتا، دُشمنیت کا دعویٰ کرتے بھاگتے، گورنر بدلتے اور مرتد قرار دیا جاتا، اس لئے کہ نبوت کا دعویٰ دین و دنیا کا سب سے بڑا فرائض ہے جس کے بعد دینی نبوت کی نہ کسی نیکی میں کوئی وزن باقی رہتا ہے اللہ اُس کا کوئی کامی اور نیک لائق اٹھنا سکھا جاتا ہے، کسی شخص کو نبوت کا دعویٰ دین کو کھڑا کر دیتا ہے شیطان کا شاہکار ہے، اس لئے، حقیقہ اور حقیقت اللہ تعالیٰ کی پناہ! استغفر اللہ و لعلو باللہ من کید الشیطان۔

اندیسوں تو

اس دینی نبوت کی زندگی اور کردار میں، جگہ جگہ ناہمواری نظر آتی ہے۔

برطانوی حکومت کا فرائض حکومت ملکی، مسلم سیاستوں کو کمزور کر کے اعدائے کو غلام و محکوم بنانے کا جو کارنامہ برطانیہ نے انجام دیا ہے وہ سب پر روشن اندیش ہر ہے، ۱۹۴۷ء میں انگریز نے مسلمانوں کے جان و مال اور عزت و تہذیب کو جس طرح محال سمجھا، وہ بھی قادیان کے شواہد ہیں: اس مسلم دشمن حکومت کی جو خدمت مرزا غلام احمد نے انجام دی ہے، اس کی کیفیت خود اُس کی زبان سے سنئے۔

- اب گورنمنٹ حنفیہ فرما سکتی ہے کہ جس حالت میں میرا باب گورنمنٹ کا ایسا سچا خیر خواہ تھا اور عیسا جی بھی

اُمی کے قدم پر چلا تھا اور میں بھی اُن میں سے ہی خدمت اپنے تعلیم کے ذریعہ سے پالانا ہوں تو میری عزت

کیونکر متنبہ ہو سکتی ہے میری تمام جمالی اسی ماہ میں گزری (رکشت الخطا) - از مرزا غلام احمد قادیانی

جس شخص کی پسروی انگریز کا دفاع دے، خیر خواہی اور دنیا دہندگی میں بسر ہوتی ہو، اُس کے کہنے کے بارے میں کیا کوئی اچھ رائے قائم کی جاسکتی ہے وہ جڑ پھریٹا ہے۔

خشت اول چوں نہد صحرا رنج

تا شاہ مومراں

قومِ رازِ غلام احمد جس کی پرانی لا آخِزِ مسموم دشمن حکومتِ برطانیہ کی وفاداری اور نیا زندگی سے وابستہ اس کے بارے میں قریب ہی سے کلمت ہے۔
 پیدا ہو جاتی ہے اور نکلنے لگتی ہے۔

اسے قیصر و ملکِ معظمہ! ہمارے ولی تیرے لئے دعا کرتے ہوئے جناب الہی میں جھکتے ہیں اور ہماری مدد میں

تیرے اقبال و سلامتی کے لئے حقِ قدرتِ احدیت میں سجدہ کرتی ہیں۔ (تختِ قیصر، ۱۸۹۶ء)

لیکن اپنے پیچھے مڑ کر نہ دیکھو اور نہ ہی ملک و کثریہ کی اقبال و سلامتی کے لئے ہمارا و خداوندی میں روح و دل کے ساتھ سجدہ کرتے ہوئے:

اور

”دیگر میں ایک حکم ہے کہ آپ لوگوں کے پاس آ کر ہوں“ وہ یہ ہے کہ آپ سے تمہارے جہاد کا خاتمہ ہے مگر اپنے

نفس کے پاک کرنے کا جہاد باقی ہے۔“ (گولڈنٹ انگریزی اور چارلز مرزا غلام احمد، ۱۸۹۶ء)

مرزا غلام احمد نے حضرت انگریزوں کی خوشخبری حاصل کرنے کے لئے ”جہاد باسیف“ کے خاتمہ کا اعلان کر کے، قرآنی حکم اور نبی کریمؐ پر خط تحریر لکھنے یا

اس کا پتہ اس لئے انگریزی حکومت سے دیا تھا۔

”اب میں مناسب نہیں دیکھتا کہ اس طریقہ نیا و کوٹول دول گو میں جاتا ہوں کہ جس میرے دل میں یہ خوش تھا

کہ میں اپنے اخصاص و اطاعت اور خوش گزاری کو حضور قیصر و ہند دامِ ملک میں عرض کروں، پورے طور پر میں اس

خوش گوارا نہیں کر سکتا، نہ چار و عارضِ خرم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جو زمین و آسمان کا مالک اور نیک کاموں کی جزا دینا

چاہے، وہ آسمان پر سے اس کے حضور قیصر و ہند دامِ ملک کو ہماری طرف سے نیک جزا دے اور اسے اس کے شائق حال

کرے، جو نہ صرف دنیا تک محدود ہو، بلکہ بھی اور دائمی خوش حالی جو آخرت کو ہر گز دہ بھی عطا فرمائے۔“

(رسالہ قیصر و انڈیا غلام احمد، ۱۸۹۶ء)

کوئی مسن جو بین و شریعت کا ذریعہ بھی علم رکھتا ہے کیا کسی عیسائی کے لئے آخرت میں ابی مسرت اور دائمی خوشی دے جائے گی اللہ تعالیٰ کی

بارگاہ میں دعا کر سکتا ہے!

”امیہ مولف۔۔۔ تاجِ عزت جناب ملکِ معظمہ قیصر و ہند دامِ اقبال کا واسطہ ڈال کر خدمتِ گولڈنٹ عالیہ

انگلش کے اعلیٰ افسروں اور مرزا غلام احمد کے باادب گزارش کرتا ہے کہ براہِ غریب پردہ کی اور کم گسٹری اس سال

کو ادا لے آخر تک پڑھا جائے یا سن لیا جائے ڈکٹف الفاظ۔۔۔ انڈیا غلام احمد، ۱۸۹۶ء)

”براہِ غریب پردہ کی یہ مبادی اور چکر کیوں کی نیان اور لب و لہجہ ہے، کیا اس مزاج و ذہنیت رکھنے والے کو کوئی صاحبِ عقل، ہمدرد، سچ موعود یا نبی

مان سکتا ہے؟ تمنا! درخواست اور عرض و معروض تو دیکھئے کہ کسی طرح مرزا غلام احمد کی تحریریں انگریزی حکاموں کی نگاہ سے گزر جائیں، صاحبِ بہادریوں

کو بڑھ چکی فرحست نہ ہوں ان تحسینوں کا خلاصہ ہی ان کے گوش گزار کر دیا جائے اور اگر ان کے بارے میں خوشخبری کا پروانہ مرزا کو مل جائے!

مرزا غلام احمد کا یہانی بظاہری حکومت کی نیا زندگی، خیر خواہی اور وفاداری جس میں اللہ تعالیٰ فرما کر ہے اور بار بار جاتا ہے کہیں تو انگریزی

گولڈنٹ کا پیشین گوئی نہ انداز فرما کر اور اندھا گروں، اور میری تو ساری جوانی انگریز کی نیا زندگی اور خیر خواہی میں بسر ہوئی ہے۔ اگر اس کی زندگی

سہ، انگریز حکومت کی نیا زندگی اور وفاداری کا یہ دھڑا انداز کہ مرزا کے جیسے بشیر الدین محمد کو ملتا ہے ۱۸۹۶ء میں پرنس آف ویلز کے حضور بشیر الدین خروپا ہ

خیر مقدم پیش کر کے۔۔۔ قادیانیوں کی وفاداری کا یقین دلاتا ہے۔

ایک سیرت مکمل میں کوئی دوسری اصلاح نہ ہوتی، تو تمہارا یہ عجیب (انگریزی) دعا گوئی اصرار نہ مندی، اس کے بغیر جو غم کی دلیں ہے۔

مرزا نے تاجران کا کہنا تھا کہ غریب جراثیم کی کیا خبر دی ہے یہ کہتے ہیں کہ ہم نے کچھ اور دوسرے مفلک میں مبتلا کرنے والا ہے اس کے بعد دوسرا
تعاقد مرزا کی محبت جہان کا سہارا ہے کہ وہ برسرِ مرقعِ مصحفی باءِ اور کثرتِ بول جیسے امراض میں مبتلا رہا ہے، جس کا اظہار اس نے اپنی تحریروں
میں بابِ ہیکل ہے، ان امراض کی شدت انسان کا ظہور ایک آدمی کو اس قابل کیا کہ وہ کوئی کارِ نمایاں انجام دے سکے، ناں! دوسروں
کا اس پر غلبہ ہو سکتا ہے انسان دوسروں کا اگر اپنے مصیبتِ وفاقی کے سبب وہ شخص من جانب اللہ اور وہی راہِ امام سمجھ لے تو پھر اس کے اختتام کے
مشکوٰۃ غیر دوسرے انسان دیکھ لیں یا اس سرزد ہو گی۔ جس قسم کی تعادلیاتی اور دوسرے مفلک کے یہاں ملتے ہیں۔

دعائی کے بارے میں مرزا غلام احمد کا پہلے یہ عقیدہ تھا۔۔۔

ظاہر ہے کہ اگرچہ ایک ہی دفعہ نزول فرض کیا جائے اور صرف ایک ہی فقرہ جبریلؑ لادیں اور چپ چو بادیں، یہ امر بھی

اسمِ نبوت کے معنی ہے: (انزالِ اہرامِ صحت، مرزا غلام احمد)

گوچر و گجرات یہ کہتا ہے۔

”چونکہ میری تعلیم میں امر بھی ہے اور نہی بھی ہے اور شریعت کے خودی احکام کی تجدید ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے میری

علیم کو انداسی دلی کو جو محبوب ہوئی ہے، نیک نیتی شفیق کے نام سے پکارا گیا ہے۔ (حاشیہ اربعین)

نغمِ ثبوت کے پاس سے میں مرزا کا پچھلے یہ عقیدہ تھا۔

”ان تمام میں سے کوئی ایک مذہب ہے جو ان گراہل سنت و جماعت کا مذہب ہے۔ — اب میں مفصل ذیل امر کا مسئلوں کے سامنے حقائق اقرار کرتا ہوں، اس خاندان و جاہ سے جو مذہبی عرب کو میں جناب خاتم الدنیا و معلی الشہادین علیہ السلام کے خاتم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو بے دینی اصطلاح سے اسلام سے خارج و جنتا ہوں۔“

در مضافات آنجا تحریری بیان ————— نسخہ تالیف رسالت جلد دوم ————— (۷۴)

مستم خیرت کے معنی اس کے حوالہ سے جو بھی نہیں سکتے کہ خیرت کا عہدہ تو یہ دیا گیا۔ ان انبیاء و کرام کے خشنود و راضی مہر و گاہی معنی کو اسے

قیامت تک کسی تہ نبی کا ظہور اور قبول نہیں ہوگا لہذا اس اپنے بچے عقیدہ کے علی الرغم مرزا غلام احمد نے اعلان کیا۔

ہیں کوئی نیایشی نہیں ہوں، پچھلے بھی کوئی نئی گز رہے ہیں، جنہیں تم سچا مانتے ہو۔

خود اپنے ہی قول و سلف و عقیقہ کی روش سے، اپنی نبوت کا دعویٰ کر کے، رکھا کرنا عظام احمد و ذرہ اسد سے خارج نہیں ہو جاتا، اس دعوے کے بعد کبھی اعلان نہ ہوتا ہے کہ وہی نبی میرا نام محمد اندا سحر رکھا گیا ہے، کبھی یہ دعویٰ کہ میں ابراہیم ادیسو سے بھی بہل اندہ کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ میں کرشن بھی ہوں !

قرآن کریم میں جہتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس و تعظیفات میں داخل ہوتی ہیں اور اس کے بارے میں دعائیں نہیں ہو سکتیں۔ ان کا مصداق قرآن کے قادیان نے اپنی ذات کو ٹھیرا ہے، "اے اللہ! ان کے اہل باطن کے لئے قرآن کی آیات کی کھلی ہوئی صغریٰ قرآنیہ کا کارنامہ انجام دیتا ہے۔"

تو ایسا ہی ابنِ علم، سنیانِ علماء کو تو کسی حد تک میں حکم مانتے ہے۔ سب سے مستثنیٰ تین جو عربی زبان و ادب میں مہارت تامہ اور برور رکھتے ہیں، ان سے ہے۔
یعنی کیا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم کی نسبت انفس و بیانات میں کیا مفر افلام احمد تو ایسا ہی نام کی کسی شخص کی مدح و تحیث کا کوئی پہلو نکلتا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی ابتدائی زندگی انسدادِ ضرورت کی زندگی تھی مگر جب اسے مذہبی پیشوائی حاصل ہوئی تو مرزا کی زندگی میں امیرانہ

تورنہ چلیا ہو گیا۔ اس کے گھر کے لوگوں کو پرہیزم کا عیش ادا و سودی میسر ملتی، مرزا کے حلقہ خاص خواجہ کمال الدین تک نے صاف کہہ دیا کہ ہمارا کوئی مرزا، مرزا کے گھر کی کھڑکی کے خٹاٹ باٹ دیکھ کر کچا گمان نہ ہو گئی ہیں، مادر وہ قادیان پہنچے جانے کے لئے ایک عرصہ بھی دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ — خاص طور سے مرزا کے باورچی خانہ کے مصارف خاصہ سیرانہ تھے۔

مولانا شہداء احمد قرسی رحمۃ اللہ علیہ کی موت اور محمدی مہم کی شاد و کد کے بارے میں مرزا غلام احمد نے جو پیش گوئیاں کی تھیں وہ بالکل غلط اور خلاف واقعہ ثابت ہوئیں۔ ان غلط پیش گوئیوں کی مرزا احمد اس کے معتقدین نے جو تاویل کی ہیں ان کی رکالت کی کوئی حد و انتہا نہیں۔
مرزا غلام احمد کو دینا بی کے پیش کئے ہوئے مذہب نے کیا کام نہ دیا، اور کجاولی ایک ہندو اہل قسم ڈاکٹر شکر پرث دہبرا کی تحریریں لکھیں۔
ہندوستان کے قوم پرستوں اور وطن دوستوں کو اُمید کی صرف ایک ہی شعلہ نظر آتی ہے، اُمید اُمید کی شعلہ احمدیوں کی تحریک ہے؛ مسلمان جن حد قلعہ میں احمدیت کی طرف مائل اور مغرب ہوں گے، دو تہائی کو اپنا کلمہ صحیح اور انجام کار وہ ہندوستان کی محبت کرنے والے اور بچے شیلٹ بن جائیں گے۔
اسی نوری میں احمدیت کی اشاعت و ترقی ہی پان اسلامزم اور عربی ثقافت پر موت کی ضرب لگا سکتی ہے۔
میں تو یہی غلط لگا ہے احمدیت کا مٹا لہ کرنا چاہئے۔

یہی وجہ ہے کہ سائن احمدی تحریک کو ننگ دستہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ احمدیت عربی تمدن و ثقافت اور اسلام کی مخالف ہے تحریک خلافت میں احمدیوں نے مسلمانوں کے ساتھ تعاون نہیں کیا، ترکی اور عرب کی بجائے، یہ تیریاں میں خلافت قائم کرنا چاہتے ہیں یہ چیز عوام مسلمانوں کیلئے جوہریشہ پان اسلام مزہ اور عربی وحدت کا خواب دیکھتے رہتے ہیں، عوام کتنی ہی مایوس کرنے والی کیوں نہ ہو مگر نیشہ مندوں کے لئے کوہِ سرست بنے۔ (دعاویائیت)۔ ایک مقالہ۔ (امروانا سید ابوالحسن علی ندوی کا)

ڈاکٹر مشفق رشاد دہرانے دعاویائیت کا صحیح تجزیہ کیا ہے، یہ تحریک اسلامی اتحاد و اہمیت اسلامیہ کی وحدت و سالمیت کو پارہ پارہ کرنے والی ہے !

مرزا غلام احمد قادیانی نے انبیاء کرام پانچینات کو فضیلت دی ہے۔
 آنچہ ماواست ہر نبی را جام داداں جام را مرابہ تمام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جو حمد و شرف عطا فرمایا تھا اس کو اس طرح ہتھیانے کی کجیہش کی۔

۱۔ اللہ نے محمد رحمتہ اللعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ (مقیفۃ الریض ص ۱۰۷)

۲۔ اللہ نے مجھ کو نبی عطا کیا۔ (ضمیمہ انجام آقہم ص ۲۳۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پسری کے بعد ہمدرد کا دھڑکی بھی کر دیا۔

● اس کے دل میں نئی کریم کے لئے دھڑکنے لگا، گریں کا نشان ظاہر ہوا اللہ میرے لئے چاند اور سورج
 دونوں کے گرنے کا اس کا توفیق دلا کر رکھے گا۔ (دعا کا زامری حصہ)

● ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے پانچویں ہزار میں اجمالی صفات کے ساتھ ظہور فرمایا اور وہ زمانہ اس روحانیت کی ترقیات کی انتہا کا زمانہ تھا بلکہ اس کے کلمات کے معراج — کے لئے پہلا قدم تھا

بھروسہ روایت نے چلنے پھرانے کے آخر میں، یعنی اس وقت درمیان غلام احمد کے خلاف میں، ایک اور عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔
حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کرمہ علیہ السلام نے فرمایا کہ، حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ پر اس طرح طعن کرنا
صحیحین است صریحاً

اور

”میں خدا کا کشتہ ہوں، لیکن قہارِ رحیم و قہور کا کشتہ ہے بس فرق کھلا کھلا اور بڑے (ایکجا نہی ص ۳۱۱)
اس شاعرانہ خیال کو مرزا نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی سبائی کے ایک شعر سے اخذ کیا ہے۔

سہ اوکشتہ دشمن است و اس کشتہ دوست

یہ ”تے“ بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ گئی کہ مرزا غلام احمد نے حضرت علیؓ علیہ السلام کے خاندان کی نقیص کی اندھا دیکھ رہے ہیں گستاخ آپ کی داد دیوں
نازیں کو نہ لانا کہہ کسی کہا دعا شیعہ تمہید انجام آتھم

یہ چہ مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی، سیرت و کردار اس کی تعلیمات اور دعویٰ کا اجمالی خلاصہ! اس غلط اندیشی کی وجہ کوئی انتہا
کہ ایسی ناپسندیدہ شخصیت ہمایوں لائے کی سببوں کو جوحت دی جاتی ہے اور جو کوئی مرزا غلام احمد کو سچ موعود اور نبی نہیں مانتا اس کو گمراہ
اور کافر سمجھا جاتا ہے جس شخص کی موت ماری گئی ہوگی، وہی اس جھوٹی نبوت کو مان کر اپنے دین و ایمان اور اسلام کی تباہی کو گوارا کر سکتا ہے، کوئی
ہر شے سبب تو دین و ایمان کی اس خود کشی کے لئے کسی قیمت پر آمادہ نہیں ہو سکتا۔

دجل و فریب

”خاندان“ میں جو مضامین رو قادیانیت کے سلسلہ میں شائع ہوئے ہیں ان کے پاس میں قادیانیوں کے رسالوں نے یہ تاثر پیدا
کرنے کی کوشش کی ہے، جیسے ہم نے مرزا غلام احمد سے بے سرو پا باقی منسوب کر دی ہیں اور مسک قادیانیت پر غلط تبسم
کے الزام لگائے ہیں حالانکہ ہم نے ہر بات ثبوت، دلیل اور گناہوں کے تراویں کے ساتھ ہی ہے، اور اس کی بے اصل بات قادیانیت اور اس کے موجد سے منسوب
نہیں کی!

مرزا غلام احمد اور قادیانیت کے بارے میں ہم نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ عرب و عجم کے تمام مسلمانوں کی یہی خیالات ہیں، مرزا کے دعویٰ
نبوت کے کذب پر تمام عالم اسلام متفق ہے! مستند زبانوں میں درجنوں کتابیں رو قادیانیت کے موضوع پر لکھی گئی ہیں، اور اس تعداد میں ہمیشہ
اضافہ ہوتا رہتا ہے، مسلمانوں کے خیالات اور مسائل میں ایسے مضامین جن میں قادیانیت کی تردید کی جاتی ہے، آتے رہتے ہیں! اگر رو قادیانیت
جوہم ہے تو یہی ملت اسلام اس جوہم میں شریک ہے!

مسلمانوں کے کسی عالم، اہل فہم، مفکر، دانشور اور ائمہ اہل علم نے (مخصوصاً ائمہ اہل سنت و جماعت) قادیانیوں کے ساتھ ذہن پرانہ منافقت نہیں کی، انہوں نے
قادیانیت کے بارے میں وہی باتیں کہی ہیں، جو قادیانیوں کی کتابوں میں لکھی ہوئی ملتی ہیں، مگر قادیانیوں کے رسالے حقائق کو سچ کر کے اور واقعتاً کو گمراہ کر دیتے ہیں
کہتے ہیں، مثلاً ”ہم نے“ خاندان“ میں یہ لکھا تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے یہ تو نہیں کہا کہ میں ختم نبوت کے عقیدہ کا منکر ہوں، مگر اس کی دوسری تقریروں اور
اقوال و افعال سے ختم نبوت کی پوری طرح نفی ہوتی ہے۔ قادیانیوں کے آگے ”ماہنامہ الفرقان“ (دربارہ) نے ہمارے قول کا ایک جزو تو نقل کر دیا
مگر دوسرے حصہ کو جو اس بحث کا مرکزی نقطہ ہے، دائرہ نظر نہیں کیا؟

مسلمانوں کو یہی دھوکا دیا جاتا ہے کہ مرزا غلام احمد ”ختم نبوت“ کا قائل تھا اور حضرت کریم الخانیؐ نے یہ الفاظ کہے
ہیں ”اور میں نہیں کہہ رہا کہ ختم نبوت نہیں ہوتی“۔ مگر اس کا توئی دھوکا دینا ہے یہ کہ ”میں اسکا کفر ہے“۔ میری تعبیر میں امر یہ ہے کہ
نبی بھی ہے اور شریعت کے مقررہ احکام کی تجدید ہے، اس لئے خدا تعالیٰ نے میری تعلیم کو اس دھوکے پر جو میرے اوپر ہوئی، ناک ایمن کشی کے نام سے

انبیاء و مرسلین پر وہ اندیشے
آپ و اہل بیت پر نبی و امام
میں بغیر ان کے کہ گویہ دروغ باطن
میں بغیر ان کے کہ گویہ دروغ باطن

اور

”میری امت کے دو حصہ ہوں گے، ایک وہ جو سچیت کا رنگ اختیار کریں گے اندیشہ تباہ ہو جائیں گے اور
دوسرے جو ہدایت کا رنگ اختیار کریں گے، میں کوئی نیابتی نہیں ہوں، پہلے بھی کوئی نبی گزرا ہے جو جسیر تم لوگ
سچائی مانتے ہو۔“

مرزا کے ان دعووں کے ساتھ ایک جدا گانہ امت اور نبوت کے تمام لوازم لئے ہوئے پورا انسانی یوشن وجود میں آتا ہے جس میں مرزا غلام احمد
کے نام کے ساتھ ”علیہ السلام“ لکھا جاتا ہے اس کے ساتھ نبوت کو ”رضی اللہ عنہم“ کہا جاتا ہے، وغیرہ دینی مسلمانوں سے یہاں شادی کر کے انسان کے ہاں
کی نماز تک پڑھنے کی ممانعت کی جاتی ہے، مرزا غلام احمد اپنے مسئلہ کو کافر قرار دیتا ہے، خدا کے لئے انصاف سے بتائیے کہ یہ صحت حال اور واقعہ
کیا ”مختبر نبوت“ کی کس طرح پر نفی نہیں کرتا؟

”انامہ اہل ایم“ میں ”مختبر نبوت“ کی غور مرزا غلام احمد دانی نے یہ تعریف کی تھی۔

”ظاہر ہے کہ اگرچہ ایک ہی دعوہ کی کاغذی فرض کیا جائے اور صرف ایک ہی فقرہ حضرت جبریل علیہ السلام
پر چلے، یہ امر بھی مختبر نبوت کے خلاف ہے۔“

لیکن ”حاشیہ اربعین“ میں مرزا نے اعلان کیا،

”جو کہ میری تعلیم میں امر ہے اور نبی جو اہل شریعت کے فروعی احکام کی تفسیر ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے میری تعلیم کو
اس واسطے دیا کہ جو مجھ پر ہوتی ہے ظاہر بھی کشتی کے نام سے موسوم کیا۔“

مرزا نے قادیان کا یہ اعلان کیا عقیدہ ”مختبر نبوت“ کے خلاف نہیں ہے، مرزا غلام احمد کا خود وجود اس دعوے کے ساتھ کہ میں نبی ہوں میرا مسئلہ کافر ہے، میری
ایک امت ہے مجھ پر دئی گئی ہے اپنی جگہ۔ خاتم النبیین کے عقیدے کی تردید، نفی اور تکذیب ہے۔

دہرہ کے ”الفرقان“ نے ناظم اطراف کو ”حیات سچ“ پر مناظرہ کی دعوت دے کر پہنچ دیا تھا، میں نے اس کے جواب میں لکھا کہ میں نے سو قادیانیت کے
سلسلہ میں اس بحث ہی کو نہیں چھیڑا، لہذا مجھ سے اس مسئلہ پر بحث دینا ظاہر کہنے کا مطالبہ نہیں کیا جاتا ہے! اس میری تحریر کو ”الفرقان“ میں اس انداز
سے پیش کیا گیا کہ جیسے پہلے اس مسئلہ میں شکست مان لی ہے۔ حالانکہ میں نے اس عبارت کے ساتھ حضرت علی علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے،
مشق قرآنی آیات اور فلسفہ سیری اقتصادیات بھی درج کر دیے تھے۔

حیات سچ اور نزول سچ کے سلسلہ میں میرے یا کسی دوسرے ناقد کے بحث و مناظرہ نہ کرنے سے یہ مطلب تو اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ نفس مست
ہی کا عدم ہو گیا، سہم ارباب بی فکر، اہل علم اور دانشوروں نے اس مسئلہ پر پہلے پہل صفحہ لکھے ہیں اور حیات سچ کے منکرین کے ایک ایک اعتراض کا
جواب دیا ہے۔ کلام انفعیض فی تحقیق المیراج — کلمۃ اللہ فی حیات روح اللہ — انقول الحکم فی نزول مصیٰ بن حرم —
نزول مصیٰ — التصریح بمقام نزول المیراج — یہ وہ چند معرکہ آرا کتابیں ہیں جو حضرت سچ کی حیات اور نزول پر مسکت و تلبیس پیش
کرتی ہیں۔

ایک مفروضہ کے طور پر پجسبل تنزل یہ مان لیا جائے کہ حضرت عیسیٰ مسیح صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت احمد قادیانی کی "موجودیت" کو کسی عزائم بھی ثابت نہیں ہوئی، تنزل مسیح کی جو واضح علامتیں احادیث میں ملتی ہیں، ان میں سے ایک علامت بھی مرزا میں نہیں پائی گئی؛ اور امت مسلمہ نے مختلف طور پر مرزا کے اس دعوے کو رد کر دیا۔

جس طرح دوسرے مسئلوں کی طرح مرزا غلام احمد کا یہ عقیدہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، اب نہ کسی پر وہی آئے گی اور نہ کوئی نیا نبی، سو بحث ہوگا مگر پھر اس نے اس عقیدہ کے برخلاف اپنی نبوت کا دعویٰ بھی کیا، اور یہ بھی کہا کہ مجھ پر وہی آتی ہے، اسی طرح "یوحنا" کے مسند میں بھی وہ امت مسلمہ کا ہم عقیدہ تھا، مگر پھر اپنے اس عقیدہ کی خود ہی نفی اور تردید کر ڈالی، مرزا نے قادیان لکھا ہے —
 "میں تقسیماً بارہ برس تک جو ایک زمانہ مدافعت ہے، بالکل اس سے بے خبر اور غافل رہا کہ خدا نے مجھے بڑی شہادت سے بہرہ میں ہی رکھ کر قرار دیا ہے اور میں حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی کے یہی عقیدہ پر جمنا تھا، جب بارہ برس گزرنے کے وقت آگے کی برکت پر اصل حقیقت کھل دی جائے، تب تاثر سے اس بارے میں الہامات شروع ہونے کی میں سچ مولا ہوں" (راجمحمد)
 مرزا غلام احمد کے قول و فعل میں اس قسم کے تضاد کے متعدد نمونے ملتے ہیں: —

سچوں نہ دیدند حقیقت رو افشا زندقہ

اس مسند میں انہیں کے دعائیات ملاحظہ فرمائیے: —

• "اور جب وہ زبور کے پہاڑ پر بیٹھا تھا، اُس کے شاگردوں نے اس کی خدمت میں آکر کہا کہ یہ کب ہوگا، اور تیرے آنے کا اور زمانہ کے آخروں کے کیا نشان ہیں؟ تب یہ دعا پڑھ کر انہوں نے جواب دیں، "آن سے کہا خبردار کوئی تمہیں گمراہ نہ کرے کیونکہ بہتیرے میرے نام پر آئیں گے، اور کہیں گے میں سچ ہوں اور کتنوں کو گمراہ کر دیں گے" (انجیل متی باب ۲۴ آیت ۲)

— اور —

• "اس وقت اگر کوئی تم سے کہے کہ دیکھ مسیح بہاؤ ہے یا دیاں ہے، تو یقین نہ کرنا کیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی آئے کھڑے ہوں گے، اور عجیب کام دکھائیں گے، اگر ممکن ہو تو ہرگز یدوں کو بھی گمراہ کر دیں" (انجیل متی باب ۲۴ آیت ۲۴ - ۲۵)

انہیں مقدس کی یہ پیش گوئی وہ جابر مرزا نے ہے، جو مرزا غلام احمد کی شخصیت پر ٹھیک آتا ہے۔
 "ابن عبیدہ لکھتے ہیں کہ تمام امت مسلمہ کا اسی پر اجماع ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اس وقت آسمان پر زندہ موجود ہیں اور اللہ آپ کو ہم شہری پھر تشریف لانے والے ہیں، جیسا کہ سزاوردہ نبی سے ثابت ہے" (بحر حیدر)

• "حادیث میں" عیسیٰ ابن مریم "اور" مسیح ابن مریم "کے نزول کا ذکر آیا ہے، مرزا غلام احمد کے نند کا ذکر نہیں آیا اور ابن مریم کی تصریح وہ شخص کے بعد تو کسی اشتہار و تہذیب کی گئی تھی باقی نہیں رہی، دنیا میں عیسیٰ مسیح ابن مریم ایک ہی شخصیت کا نام ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی سوا کسی نہیں پیدا ہو سکتا، اور اسی کے پھر نزول کی احادیث میں خبر دی گئی ہے اور عیسیٰ کوئی قرأتی گئی ہے۔

پھر احادیث کے الفاظ واضح طور پر بتاتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم عالم بالا سے نازل ہوں گے، زمین کے کسی خط میں پیدا نہیں ہوں گے، امت مسلمہ میں عیسیٰ مسیح کا رہنا جیسا ہے جو سچو کے طور پر بغیر باب کے پیدا ہوا تھا، علیہ السلام کسی ایسے عیسیٰ مسیح کو نہیں مانتی، جس کے دل باپ دونوں ہوں اور مروجہ مذہب و فطرت میں کی پیدائش کا سبب بناسو — اس لئے امت مسلمہ نے مرزا غلام احمد قادیانی کے مسیح مولا ہونے کے دعویٰ کو ٹھکرا دیا اور اسے یہ کہہ کر برابر بھی وقعت اور اہمیت نہیں دی۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت یحییٰ مدنی کے مینا نہ سفید کے پاس نازل ہوں گے، نزول مسیح کے اس مقام اور علامت کی تاویل مرزا نے قادیان

کی زبان سے سنئے :-

”خدا تعالیٰ نے مجھ پر یہ ظاہر فرمایا کہ قصہ تادیبانی ابو اس کے کمتر دیدی الطبع رنگ اس میں سکونت رکھتے ہیں، رشتی سے ایک مناسبت اور مشابہت دکھانے (حاشیہ ازالہ ادا م)

اور

”میر کی طرح حسینی کی روح مجھ میں نفع کی گئی، استعارہ کے رنگ میں مجھے عالمِ ظہیر دیا گیا اھلِ انوار کی ہمینہ کے بعد دوسرے ہمینہ سے بنایا، ہندو اور الہام مجھ پر ہم سے ملنے بنا دیا گیا، اس طرح سے بن کر میری ”ظہیر“ (کشتی نوحِ حشر) مرزا فہم اس کے ”تاج“ کے بن کر جو کسی انداز میں ”تحریف“ سے بھلا ہے، اس کی اور کہیں مثال نہیں ملتی، امت مسلمہ نے جس شخص کو کچھ موجود، ہمدردی کی طرح تسلیم کر سکتی ہے جسے استعارہ کے رنگ میں عالمِ ظہیر دیا گیا اور جسے دہندہ الہام مہر پر ہے، یہی بنا دیا گیا۔

مسح ناطقہ سرگرمیوں کی کہ اسے کیا کہئے

”نور کے ”افرقان“ درجہ میں۔ ”دیر فاطمہ لا جواب ہو گئے“ کے عزائم کے تحت یہ لڑتے دیکھ گیا ہے۔

”ہاں، میرا فرقان“ دسمبر ۱۹۷۷ء کا خاص نمبر رسالہ ”فاطمہ“ کی کراچی کے اعتراضات کا ایسا مسکت جواب ہے کہ میر

”فاطمہ“ کی اس کے جواب میں ایک بات لکھنے کی بھی جرأت نہیں ہوئی، جا رانی و ذوق اباطل ان الہا طن کان

”نور“ سے اس خاص نمبر کو ”نور“ کے گزرتے وضع بدایوں و جہات سے میر ”فاطمہ“ ”نور“ کا ہر لفظ درگاہِ حاکم، ایک ہر گز

دوست نے ”نور“ کو ذیل کا خط لکھا ہے جسے ہم تاریخ کے ازبیا و علم کے لئے دیکھ کر تے ہیں

”فائدہ ”نور“ میں۔ ”دیر فاطمہ“ کے موضوع پر مسلسل لکھا جاتا رہا ہے اب رہا آخر گزرتے کا خط، تو یہ صاحبِ اسلام ترک کر کے ”بہائی“ ہو چکے ہیں اس صورت میں جہاں تک دینی بحث و تحقیقات کا تعلق ہے ان کی رائے کیا وزن رکھتی ہے! یہ نیت تو دیا نیت سے نگرہ خراج میں بہر حال کسی نہ کسی حد تک مسکلت اور مشابہت رکھتی ہے۔

آخری بات ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ امت مسلمہ نے مرزا فہم کا صحیح دیا نے کے بعد ویک موجود اور بنی حشر کے دعووں کو نہ مان کر انہیں ٹھکر کر، ذرا براہِ کرم کی غلطی نہیں کی، اور مرزا کے ان دعووں کی تردید و تکذیب نے مسلمانوں کے اسلام اعدا یمان کو کوئی نقصان نہیں پہونچایا، اپنے اس موقف کو وہ سولی صدیق حق سمجھ میں بلکہ اس پر فخر کرتے ہیں۔

گزشتہ ”آخر میں ہم حکومت کی خدمت میں یہ عرض کرنا ہے کہ مجازاً اور افعالستان اور بعض دوسرے اسلامی ملکوں میں قادیانیت کی تبلیغ کی اجازت نہیں ہے، پاکستان جو اسلام کے نام پر بنا ہے اس ملک میں فقہ قادیانیت کی نشر و اشاعت کی اجازت کے حدود و بنی خدا اور اس نظر ہی، خاص طور سے قادیانی رسالوں میں قرآن کریم کی جو کجی باہ کی کے ساتھ جو جھوٹی تحریف کی جا رہی ہے اس پر احتساب ضروری ہے۔

رو قادیانیت کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے جسے دائم اطریت نے پہلی بار بھیڑا تھا، کم و بیش ۶۵ سال سے، جب سے مرزا فہم احمد قادیانی نے حج معروف اور اس کے بعد اپنے بیٹے کو لاٹھلی کیا ہے مسلمان اہلِ قلم، ادباء، نگار اور انشور زبان و قلم کے ذریعہ مرزا کو دیکھ کے دل سے اس کا جھیند برباد، ترمیم کرتے رہے ہیں!

”فاطمہ“ میں اس موضوع پر لکھنے کی ضرورت اس لئے عرص ہوئی کہ قادیانیوں کا تبلیغی لٹریچر ”نور“ فاطمہ میں برصغیر ہوا اس کے علاوہ بھی بعض حضرات کی زبان یہ اطلاع میں ہیں کہ قادیانی اپنے مشن کی تبلیغ بڑی سرگرمی کے ساتھ کر رہے ہیں، اس صورت میں مسلمانوں کو گمراہی سے بچانے کے لئے اس سماج کو چارہ کار ہی نہیں ہے کہ زبان و قلم سے مسکلت قادیانیت کی تردید کی جائے اور مسلمانوں کو بتایا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کو ختم کیا آخری کتاب

ہو نہی رسولی آچکا، اب کسی ایسی شخصیت کی ضرورت باقی نہیں رہی جس کا ماننا ایمان کی لازمی شرط ہو۔

مسک کا قیامیت کی تردید جب یہی کی جائے گی، مرزا غلام احمد کو بھڑائی انداز کے دھوکے کو کذب و افتراء ہی کہا جائے گا اور اس فوج کے ساتھ مرزا کی زندگی پیش کیے نہیں بنایا جائے گا کہ کسی بھی یا محمد کو کیا اہل کو ہار چکا ہے !

قیامیہوں کو جب ان کے مسک کی تبلیغ و اشاعت کی آزادی حاصل ہے کہ ہم میں ان ہی مسک قیامیت کی تردید کا حق رکھتے ہیں، کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کی دوجہ صحت میں یہ کہ یا تو اس کی نبوت کی تصدیق کی جائے اور ساتھ ہی مانا جائے یا پھر اس کی نبوت کی تکذیب کی جائے اور اسے کذب کہا جائے اس میں مرزا غلام احمد کو "سپانی" نہیں مانتے، "نامن" ہیں اس فوج کے اسی عقیدہ کی ترجمانی کرتے ہوئے "کذب و افتراء" جیسے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جن کا استعمال رسول قیامیت کے مسلمانوں میں ناجائز ہے۔

حساب کے قابل تو قیامیاتی رسالے اور اخبار ہیں جو اس فقرہ کو ہمیشہ یاد دیتے رہتے ہیں اور اس بحث کو چھیڑتے ہیں جو واقعی "غیر مردی" ہے اور جس سے کروڑوں مسلمانوں کو اذیت ہوتی ہے۔

"نعم نبوت" لاسند اسلام و ایمان کا بنیادی سند ہے، اس کا مجروح ہونا کوئی مسلمان گراما اور بدداشت کر ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ

چھٹ جائے اگر دامن کو نین تو کیا غم
لیکن نہ بچھے ہاتھ سے ایمان محمد

کراچی ۱۲/۴/۶۶
۱۳

ہم اپنے مضامین میں مسک کا قیامیت کے قریب قریب تمام گوشوں کو بے نقاب کر چکے ہیں اور ان کے تمام بنیادی ادھار و دھوکے اور دھوکوں کی تردید کر چکے ہیں، ان مضامین کو جو کوئی مسلمان پڑھے گا، پھر وہ فقرہ قیامیت سے نفرت اور گریز ہی میں اپنے ایمان کی غیر کجی گا؛ اس لئے اب اس مسئلہ کو مزید ادھر دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے !

جہاں تک قیامیہوں کے مسائل اور اخباروں کا تعلق ہے ان میں جو غوغا مچا رہی ہے ان کی کہانیاں تصدیق کی جائے، یہ رنگ و بو ہیں اور جو مسک قیامیت کی نظر میں آیا ہے قیامیت کی تردید میں وہ صرف کتب پر مبنی ہیں جن میں جو وہ ہیں جو حضرت خیر متین و صلوات کے کلام پر مبنی ہیں وہ ان کا مدعا صرف یہ ہے کہ یہ غوغا کیا "نعم نبوت" قیامیہ مذہب ہی کا تہمید کا فقرہ قیامیت کے یہاں نظر انداز کے احادیث و روایات اور نصیحتات کو بے نقاب کر کے کھٹکے گا کافی ہے۔



آزمودہ دواؤں کا مرکب

انساجین



سر درد - کمر کا درد - دانت کا درد
ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے
یقینی زود اثر اور بے ضرر دوا ہے

Spartan

Opal

انوار عالم

ذہنی الجھاؤ اور سلبی فکر

محمود احمد جیاسی صاحب کی کئی کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں جن کے مطالعہ کے بعد اس بات کی ضرورت محسوس ہوتی کہ ان کا مفصل جائزہ دیا جائے لیکن کسی موضوع پر تنقیدی بحث کے لئے چند اقسام کا تصفیہ ناگزیر ہو رہا ہے۔ صدرِ حاضرِ موضوع کا احاطہ بحث و نقد، نتیجہ و خدشہ کا تعین اور بیشتر و تنبیہ اسلوبِ تحقیق۔ اسی نظریہ کے پیشِ نظر جیاسی صاحب کو میں نے چند سوالات پر مشتمل ایک خط میں جوابی الفاظ کے بھیجا تھا مگر خدا جانے کس۔ مصلحتوں کے پیشِ نظر جیاسی صاحب نے ان کا جواب دینا گوارا نہ کیا کم از کم جواب سے جیاسی صاحب کی نگارشات کا جائزہ لینے کے لئے منسلک ذیل بنیادی نکات کا تعین ہو سکتا تھا۔

(۱) جیاسی صاحب کے نزدیک تاریخ کا موضوع بحث (SUBJECT MATTER) کیا ہے؟

(۲) جیاسی صاحب کے نزدیک تاریخ کے مستند ماخذ کین کون سے ہیں اور کیا ہیں؟

(۳) جیاسی صاحب کے نزدیک کسی تاریخ کے وقوعہ کی حمت و عدمِ حمت معلوم کرنے کے لئے کونسا اسلوبِ تحقیق (METHOD OF

RESEARCH) متبصر ہے۔

اس تصفیہ سے بہت کچھ بات نہ سمجھیں یہ طرہ دیکھیں مجبور کیا۔ جیاسی صاحب کے وہ غیر واضح اور مبہم تصورات تھے جو صاحب کو کثیرِ اسلامی ریاست و مائتروں کے متعلق لکھتے ہیں۔ جیاسی صاحب نے بڑی دیدہ و باری کے ساتھ اسلام کے متعدد واضح تصورات کو ابہام اور پیچیدگی کا شکار بنانے کی کوشش کی ہے حالانکہ ان تصورات کی قرآن اور سنت میں نمایاں اور واضح بنیادیں موجود ہیں بلکہ ان کے متعلق اس صرح میں اسامی مفسرین نے اس قدر تحقیقی و اظہارِ مکرر کیا ہے کہ ظن و تشکیک کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

جیاسی صاحب کا اجماع اسلوبِ تحقیق ہے کہ وہ اسلام کے سیاسی تصورات پر نقد و بحث فرماتے ہوئے سلبی انداز (NEGATIVE) اختیار فرماتے ہیں چنانچہ درج ذیل عبارات ملاحظہ ہو جو کتابِ محسوسہ تبصرہ محمودی پر غزواتِ محمودی سے اخذ ہے۔

”اللہ نے مسلمانوں سے جس خلافت کا وعدہ کیا تھا اس میں یہ نہیں کہا کہ اس کا دستِ باری کیا ہوگا۔ والہ اعطاء یہ ہیں

استخفاف الذین من قبلہ۔۔۔ دنیا میں حکومت کی حقیقی اور حسی صورتیں تاریخ جلی آرہی تھیں دینی ہی مسلمانوں

کی بھی حکومت ہوگی“ (صفحہ ۵)

متذکرہ بالا عبارات کو بالکل غیر جانبدار انداز میں بار بار پڑھئے۔ ایک اسلامی مدرسہ صاحب اپنی وسیع رائے کا ایک اظہار کرتے ہیں۔

۱) اسلامی حکومت کا قرآن اور سنت کی بنیاد پر کوئی دستِ باری نہیں ہے۔

۲) استخفاف الذین سے مراد وہ دنیاوی کی تمام حکومتیں تھیں بلا تخصیص۔

کی جامعہ صاحب کے نزدیک ہرگز نشہ حکومت آیت توحید کی ظہری تھی خواہ وہ فرقان کی ہو یا نمودار شعا کی۔ خلافت امت استغاثت کے جس ٹکڑے سے صاحب استلال فرما رہے ہیں اگر اس کو سیاق و سباق کے ساتھ پڑھا جائے تو اس آیت میں یہ بھی ملتی ہے کہ خدا اچھے کس کے لئے نالے اصحاب ایمان کو بطور صلہ یا عطیہ خلافت سے سرفراز کرے گا جس طرح ہرگز نشہ میں نیک عمل کے لئے صلہ صاحب ایمان کو سرفراز کیا تھا آیت مبارکہ یہ ہے۔

وعدا اللہ الذین اٰمنوا منکم و عملوا الصالحات لیستغفرتھم فی الامر من کما استغاثت الذین من قبھم۔ (المائدہ)

اللہ کا وعدہ ہے اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے کہ وہ ان کو زمین پر خلافت دے گا جس طرح اُس نے پہلے والوں کو دی تھی۔

تین اہم احادیث بالا سے واضح ہوتے ہیں۔

(۱) ایمان اور نیک عمل کی شرط

(۲) شرط مذکورہ اول کا صلہ خلافت

(۳) اصحاب ایمان کی پچھلی غلط فہمی کی مثال دہ کر حکومت کی۔

آیت کے مطالعہ کے بعد جو چیز سامنے آتی ہے وہ یہ کہ خدا خلافت دینے کا وعدہ کرتا ہے نہ کہ حکومت کا برزوی علم یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ خلافت اور حکومت میں کوئی اور فرق ہی براعتہ سے فرق ہے اس کو آپ اس طرح سمجھیں۔

خلافت

(۱) خلافت کا معنی مفہوم نیابت یا نمائندگی ہوتا ہے۔

چونکہ یہ اصل حاکم کی۔

(۲) خلافت میں اتدرا اعلیٰ (SOVERIGNITY) محرم

خدا کے لئے ہوتا ہے۔

(۳) خلافت میں سپرد کردہ اختیارات (DELEGATED

POWER) ہوتے ہیں۔

حکومت

(۱) حکومت کا معنی مفہوم حکم چلا ہوتا ہے کسی کی کوئی پابندی

موجود نہیں ہوتی۔

(۲) حکومت میں اتدرا اعلیٰ (SOVERIGNITY) کا

سرچشمہ فرد یا افراد ہوتے ہیں۔

(۳) حکومت میں سپرد کردہ مطلق اختیارات (ABSOLUTE

POWER) ہوتے ہیں۔

خلافت اور حکومت کے اس جوہری فرق (SUBSTANTIAL DIFFERENCE) کو نظر انداز کر کے یہ کہہ دینا کہ حکومت کی جتنی باتیں ہیں جتنی ہیں وہی حکومت کی ہوں گی۔ اس بات کی ضمانت ہے کہ اسلام کے مورخ اعظم صاحب نے تو دنیا کی سیاسی تاریخ کے مختلف عوامل (FACTORS) و محرکات کا صحیح جائزہ دیا کہ ہر حکومت کی تشکیل و ترقی میں بڑا نقشہ مقاصد و نصب العین کا ہوتا ہے ایسی اقتدار و عظمت حکومت یا سیاسی و اجتماعی بہت سے طرف ایک تحفظانہ بندوبست ہوتا ہے اس مقاصد و منشائے قیام و استقامت کا جس پر ہم آئندہ سطریں مختلف سیاسی و اجتماعی نظموں کے تذکرہ و تقاضا میں بحث کریں گے اور مقاصد ہم کو چاہی صاحب کس جگہ بھی جائزہ لینا ہے کہ۔

کتب اور سنت نے امت کو کوئی دستور ایسی نہیں دیا اور نہ ایک شریعتی قانونی ترقی پذیر بین الاقوامی امت کو کسی دستور کا پابندی کا جانتا ہے۔ حاکمیت باور محض عقلی یہ سمجھ لیا چاہئے کہ دستور ایسی ہے کی چرک و تدارک گیری فقط کا فنی تشریح (CONSTITUTION) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے۔

آکسفورڈ و کیشنری میں اس کی یوں تشریح ہے۔

رو خاکہ میں کثرت یا مطابقت حکومت چلاتی جاتی ہے۔

FORM IN WHICH A GOVERNMENT
IS GOVERNED

بروز سیر انگلش ڈکشنری

وہ قوانین یا اصول ہیں پر کسی سیاست کی حکومت چلاتی جائے

LAWS AND PRINCIPLES TO
WHICH A STATE IS GOVERNED

یہاں یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ دستبرداسی سے مراد کسی حکومت کی پالیسی کی وہ بنیادی باتیں ہوتی ہیں جن کی ہر حکومت اپنے سیاسی انتظامی معاملات میں پابندی کرتی ہے چنانچہ ذیل کے نکات سرورستہ رکھنے کے لئے جوتے ہیں اور کسی ہر حکومت کی تمام پالیسیوں کا اخصاصہ ہوتا ہے۔

۱. ملک کا اقتدار اساطلی یا حاکمیت (SOVEREIGNTY)

۲. سیاست کا مقصد و ہجو۔

۳. حکومت کے لئے قانون سازی کا دائرہ عمل۔

۴. انتظامیہ و عدلیہ کے حدود و دائرہ تسلط (LIMITS AND PROCEDURE)

۵. حکومت کی ذمہ داریاں۔

۶. شہر لوں کے حقوق

۷. حق شہریت

۸. ہر براہ ممکنات کا انتخاب اور اس کی شرائط (CONDITIONS)

دستبرداسی کے ان ہی بنیادی نکات پر سیاسی و اجتماعی نظام بنتا ہے اگر ایک اسلامی حکومت کے پاس کوئی دستبرداسی موجود نہیں ہے۔ وہ ان معاملات کو کنٹرول کر کے دے گی، دیکھا جائے گا صاحب اس ضمن میں ہماری ذمہ داری فراموش نہ کی جائے کہ ہم قرآن و سنت کی بنیاد پر ان نکات کو حل کر کے لے لیں یہ بھی خوب ہی ایک طرف تو محققانہ اور ایماندارانہ قرآن اور سنت نے اہمیت کو رکھ کر دستبرداسی دیا ہے اور پھر بھی دستبرد کیسے قرآن و سنت ہی بنیاد ہے۔

یہاں یہ بھی خود مطلب ہے کہ قرآن اور سنت کی دستبرد ہی حیثیت سے ان کا کہے جودیک مسلم ریاست کو خدا کے انتظام اساطلی و حاکمیت تسلیم کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ تو براہ جواب دہی کے لئے کہ چونکہ قرآن و سنت ہم کو کوئی دستبرداسی نہیں دیا ہے اس لئے کیوں نہ اقتدار اساطلی کا سرچشمہ اورام کی کو قرار دیا جاتے ہیں کہ آج کل کے حالات میں تمام حکومتوں میں مندرجہ ذیل ہے آپس میں بنیاد پر ایک مسلم ریاست سے یہ کہہ سکیں گے کہ اس کا سرملہ مسلمان کی ہمت چاہتے ہیں تو جواب ہوگا کہ جب قرآن اور سنت میں ہمارے لئے کوئی دستبرداسی کا وجود ہی نہیں تو ان کو ہم بدتر عام سے بدتر کر سرتراپی کچھتے مسلمان ل تیار کیوں رکھیں اسی طرح ان قانون سازی (LEGISLATION) میں قرآن اور سنت کے بیان کردہ حلال و حرام کی کہیں پابندی کریں جبکہ دستبرداسی کے لحاظ سے کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا۔

قرآن اور سنت کی دستبرد ہی اہمیت و حیثیت کو ختم کر کے آپ آنر کن اصول اور بنیادیں پر اسلامی و غیر اسلامی کا تقاضا و فرق قائم رکھ سکیں گے غالب اس سبب انما ناسر پر علامہ سابقا نے لکھا تھا۔

حریت انکار کی نعمت ہے خدا داد

چاہے تو کرے اس میں فرجی منعم آباد

چاہے تو خدایک آواز شریعت کرے عباد

ہے کسی کی یہ بات کہ مسلمان کو لڑکے

چاہے تو کرے کعبہ کو آتش کردہ پادش

قرآن کو باز پچھ تاویل بنا کر

ممكن ہے اس سرحد پر بھی اس صاحب یہ اتفاق فرمائیں کہ میں نے اپنے جواب میں یہ بھی لکھا تھا کہ۔
- فرق صرف اتنا ہوگا کہ اس حکومت کا مقصد دین پر مبنی ہوگا اور اس کے قوانین ایسے ہوگا کہ ان کے تحت
زندگی بسر کر سکے۔

چنانچہ مذکورہ کتاب پر حکومت انچارج و معاملات میں صرف ایک تہہ ساسی کی ہی پابندی ہرگز نہ ہوگی بلکہ پوری دائرہ اختیار رکھتے ہوئے
اس پر کوئی دوسری پابندی نہیں ہوگی۔ اس کے تحت میں چنانچہ ہر حکومت میں آپا ہی معاملات کی جتنی تحریکیں چلتی ہیں یا حکومتوں کے کسی اقدام کو عدالت میں چیلنج
کیا جاتا ہے تو وہ صرف عدالت ساسی کی بنیاد پر ہی ہوگا کہ نہ تو وہ صحیح معنوں میں حکومت اور حاکم کے درمیان ایک سمجھوتہ کی حیثیت رکھتا ہے جس میں
لڑنے والوں کے حقوق اور ذمہ داریوں کی بنیاد پر تقسیم کا تعین کر لیا جاتا ہے اس لحاظ سے آپ بتائیں کہ وہ حکومت جس کا مقصد ساسی و قرآن اور عدالت کے
علاوہ دوسرے مقاصد بھی ہیں تو اس میں کیا تبدیلی کی ضرورت ہے اور اس کی تکلف ہوگی۔

اس قدر سمجھتے ہیں کہ اس قانون اور عدالت کا ایسا ہی معاملہ ہے کہ اس میں ناگزیر یہ قسمیں کر لیں کہ قرآن اور عدالت مسدود کر کوئی دستہ
اسی دیتا ہے یا نہیں۔ قرآن اس معاملہ میں بہت صاف کہتا ہے۔

لَقَدْ ارسلنا رسلنا بالبينت وانزلنا معهم
الكتاب والميزان ليقيموا الناس بالقسط (الباقہ)
قرآن کا یہ دوسرا ہے۔

۱۱۔ رسولی کھلی ہوتی ہدایات کے ساتھ آئے۔
۱۲۔ وہ سادہ نمائی کے لئے کتاب و میزان بھی لائے۔
۱۳۔ ہنسا کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔

اس آیت میں لوگ انسانہ اور معاملات کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی کیونکہ یہ طبعی ہدایت ہے۔ دوسری جگہ اتفاق ہوا۔
ومن بعد ما انزلنا القرآن منا وليتدبر
الانفس فان القرآن من الله وحده
قرآن کے نازل کرنے کے بعد احکام کے مطابق فیصلہ نہ
کیں وہی کاہر ہیں۔

آیت ہمارے واضح طریقہ پر بتا رہی ہے کہ احکام خداوندی (INSTRUCTIONS) زندگی کے ہر معاملہ کے لئے نازل ہوئے
ہیں ان کے اندر سیاسی، معاشی، اخلاقی، تمدنی اور ثقافتی معاملات کی کوئی قید قائم نہیں کی گئی ہے اور نہ اس کا امتیاز رکھا گیا ہے۔
اس صورت میں جب قرآن زندگی کے ہر معاملہ میں فیصلوں کو احکام الہیہ کے مطابق انجام دینے کا قطعی حکم دے رہا ہو تو اس
جہاد کے ساتھ یہ کہ دینا کہ قرآن اور سنت نے امت مسلمہ کو سیاسی معاملات میں کوئی دوسرا ساسی نہیں دیا ہے یا تو ہم کا قصور ہے یا
سیاسی امور میں قرآن کی برتری (SUPREMACY) کا انکار ہے۔

قرآن نے اس بات کی اپنی مقدس آیات میں سخت ترین غصہ کی ہے کہ لوگ اس پر بھی ایمان لا کر پھر زندگی کے معاملات میں فیصلوں
کے لئے دوسری صورت رجحان ہوں اس قرآن کے علاوہ کسی اور کو آخری سند (FINAL AUTHORITY) نہیں کہیں۔

انزلنا القرآن من قبلنا وحده
ان یحکموا الی الطاعت وقد اصرنا ان
کیا تم نے ان کو نہیں دیکھا جو دینی ایمان میں اس پر چڑھتی
طرف نازل کی گئی ہے اس پر جسے پہلے۔ وہ اللہ رکھتے
ہیں کہ اپنے فیصلے طاعت کے لئے اس حالانکہ ان کو حکم

یوسف وجہ ویرید الشیطان ان یفلحهم
 ہے کہ گمراہ کو کہے ان کو وہ بھٹکا دے۔

قرآن کی ان کھلی ہوئی تہذیبات کے بعد یہ تصور باطل ہو جاتا ہے کہ قرآن اور سنت سیاسی معاملات میں ہماری کوئی راہنمائی نہیں کرتے، ہم کو کوئی دستور دے نہیں دیتے۔ ممکن ہے یہ کہا جائے کہ ایسے دستور کا تحسیری مجموعہ کہاں ہے؟ لیکن اگر دستور کے لئے تحسیری مجموعہ شرط ہے تو کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ بھٹانید کا کوئی دستور دے ہی نہیں ہے حالانکہ بھٹانید کا پہلا سیاسی اندق لونی نظام، ایک دستور اس کی کا پابند ہے مگر یہ تو وہ تحسیری صورت میں ہے اور نہ یہ صورت میں چند اصولی منشور (MANUCHARTA) (۱۸۵۸ء) کا قانون ہندوستان (LAW OF SETTLEMENT) کا قانون پارلیمنٹ یعنی (PARLIAMENTARY ACT) ۱۹۲۸ء کا سیاسی حق باقی رائے دی (EQUAL FRENCHISE ACT) اور نہ ہی اس کی صلاحت کو سمجھ کر اس کا نہ تو تحسیری دستور ہے اور نہ ہی اس کی شکل لیکن پھر بھی بھٹانید کا تنظیم و استوار دستور اس کی جو بھٹانوی قوم کی حد یوں بڑی رسوم و عادات پر انحصار کرتا ہے۔

بہینہ قرآن و سنت کا دیا ہوا دستور اس کی گویا تحسیری صورت میں قابل حصول نہیں مگر زندگی کے تمام معاملات میں توحید و رسالت و آئین اور ایمان وغیرہ کی بنیاد و روایات ہیں۔ اس کا وجود رسم ہے۔

طاقت و توانائی کا مکمل کورس

مستقل فائدہ، قابل اعتماد توانائی — فرحت بخش تندرستی

بانع اعظم دل و دماغ، معدہ اور جگر کے لئے اکیسے منشیاتی اشیاء سے بھرا، مادہ حیات کا مغلطہ اور طبی و کاوش پر کیا کرنے والا
 ایک ماہ دس روپے —

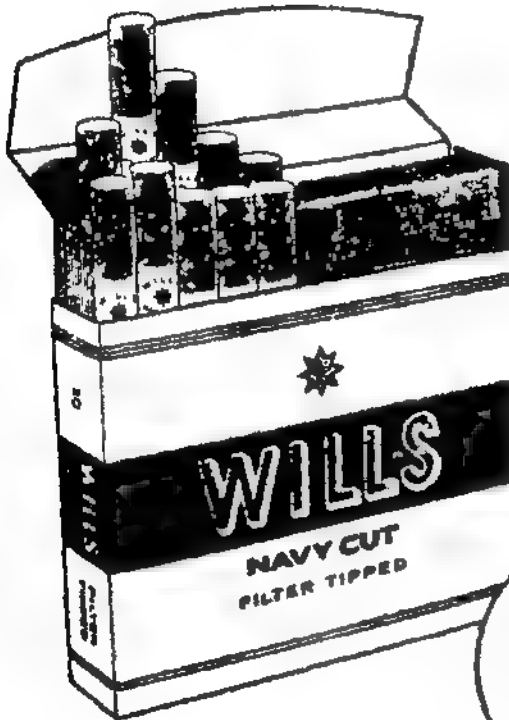
طلائے شباب خاص بیرونی کمزوریوں کے لئے بے ضرر
 ایک ماہ دس روپے —

لبوب کبیر خاص الخاص اعضائے رکیہ اور جنسی قوتوں کو بحال کرنے والا کیستوری، اعجاز مغز سرکینک، زہر و یا تو
 فیروزہ، کشتہ چاندی، کشتہ سر و حاتمہ وغیرہ کا مرکب — ایک ۱۶۵ روپے

نوٹ: — ہر سال انتخابات کا مکمل کورس — ۳۶ روپے نصف کورس — ۱۹/۵۰ روپے
 مکمل کورس منگوانے پر محصول ڈاکہ معاف

دیکھئے کتابت: — اشرف لیبارٹریز، لائل پور۔ — فون نمبر ۳۰۲۱

ویپا ولسن فیلٹر ٹپڈ



۲۲ کے برقی یافتہ دور میں
ولسن آپکے لئے ایک
نیا فلسفہ ہے۔ ولسن ٹپڈ
پیش کرتے ہیں۔ ولسن ٹپڈ اپنی
عمدہ کو ملی بہترین تھپ کو اور دوسری
نہم دہائی فورول کے ساتھ لکپ کے
سگریٹ ترقی کے صبح لطف اور
مکمل تھپ کی نہانت ہے

ہر سگریٹ کے پیکٹ کی قیمت ۱۰ روپے
ہے۔ اس سگریٹ کے لئے ۱۰ روپے کی قیمت
ہے۔ یہ سگریٹ سب سے بہتر ہے

PAKISTAN TOBACCO COMPANY LIMITED, SUCCESSIONS TO W & M WILLS BRISTOL & LONDON

محمد اقبال ہسپتال (جلد ۱)

عالم اسلام میں علماء و مشائخ کی حالت زار ایک عبرت ناک مطالعہ و مشاہدہ

دہ خواروں کے شہرے وقتاً فوقتاً جتنے بہت سے آپ جس درد مندی اور قلب دروہ کی گہرائیوں سے
- نقشِ اولیٰ تحریر فرماتے ہیں، بے اختیار بیتِ اُن میں آپ کے لئے ایسا نقشِ قلبی اور دل سے اس غمزدہ
کتاب کے لئے دعا ہوتی ہے، اللہ بزرگ دہر آپ کو بڑے بڑے علم کے فائز و پُر - زمانان کے فیض
حق و صداقت اور خلاص و بے لوثی کی نعمیں روشن کئے ہوئے ہیں، مگر میں افسانہ المسلمین پر غم و
تسلیب اور وحشت و ہریریت کا جو قیراں دور چل رہا ہے اس سے عالم اسلام سخت مضطرب ہے، فروزیت
اور تہمت اس دور اپنی پوری سیاہ کاریوں کے ساتھ ابھری ہے۔ مگر میں فنِ پزیردلی سے توجہ دے کر
کوہِ سرِ اسلام جنہوں نے غریبت و استقامت اور صبر و عزم کی آہنی زنجیروں کو ہٹا کر اس کی حکمت کی
تہائیوں کو سیاہ و درمیں بے سرو و مچنی کی - دل آویز یاد ہے اور محنت بہت چہن ہے، اسی ضمن میں سر
کے فروغ و ترقی کے مطالعہ میں کوئی ایسا ایک نہایت اہم ناک اور عبرت خیز سپر کی طرف توجہ دینے
کے لئے چہنہ نے جوئے سحر زمان کے لئے کھسکا ہوں۔ کاش، لوگ اس عبرت حاصل کریں!

محمد اقبال ہسپتال - مکہ المکرمہ

واقعہ یہ ہے کہ اس قوم پر اس سے زیادہ دردناک خطاب نہیں ہو سکتا، جس قوم کے علماء اور دانشورا پتہ عقیدہ و ایمان کی بنیاد پر
اور دین و تاریخ کے حرکت و تفریق سے اپنے آپ کو کوٹے ہیں اور ان کی ماضیاتی اعتبار سے آن کے خیال میں جاگزیں، جس کے کسی قوم پر اس سے زیادہ
اہم انگیزانہ و سنگین صورت نہیں ہو سکتی، جس قوم کے علماء و دانشور و علم و اخلاق کی اصلاحی بلندیوں سے گزر کر ایمانیت، اخلاقیات، گروہی
اور اجتماعی افشارانہ افشارانہ کی پستیوں میں جاگزیں - قوم کی زندگی میں یہ جیسے سخت و زبردست ہیں، ایسے ہی رسول پر آفات و آلام کا نزول ہوتا ہے
ہمارے اپنی تاریخ شاہد ہے کہ تاریخ کے جس مرحلے اور جس موڑ پر بھی ہم اسے علمائے نامی نے زبردستی کی بنیادوں کو چھڑ کر قوم کو گمراہ کیا، گروہی و عداوت
نشان کی اور غلطی کا ثبوت دیا - وہی وہ پائائیں جاگزیں اس لئے کہ ان کے دھوکے سے چھڑتی رہی -

اجتماعیات کے نقطہ نظر سے سماجی و سیاسی تمام سماجی و اجتماعی سرگرمیوں اور اہلیوں، آسودہ حالی اور غمزدہ حالی کے ذریعہ عالم و دانشور
ہیں اور فلسفہ تاریخ کے اعتبار سے قوموں کے درجہ و ذہن، ایمان و دانشورانی کا غالب حصہ ہے اس طبقے کی فکری بلندی - وسعت نظری اور اخلاقی

تقریباً سب ان کے قیادت میں اہمیت، الحاد، آوارہ و مافی، شذیذہ فکری، اشتراکیت و قومیت اور دھم دھم کے مکر کے نام نہاد سازش یافتہ، انتہا کے متعلق پس منظر اس کے تبدیلی مراحل اور اس کے پیچھے بنیاد قومی حواط و مضمورات کے تجزیہ و تفسیر اور تفصیلی بیان کا یہ تو نہیں ہے اور نہ اس سب کچھ کے تجربہ میں تھر کے حیات انگیز تحریک، انخوان المسلمون پر تعذیب و ظلم اور جبرائیت کے نہایت المانگ و دھماکا بیان کرنا مقصود ہے، ایسکں جہاں یہ حقیقت ہے کہ انخوان المسلمون پر ظالم و بربریت کے سسطوں میں بین الاقوامی قوتوں کی عالمی اسلام دشمن سازشیں اور مصری آمریت کا پورا اشتراک مابھیہ، دانا یہ بھی نہایت ہی تکلیف دہ امر واقعہ ہے کہ اس استبداد و وحشت اور ظلم کو نہ صرف مصری اور عربیہ نہ گولہ بارود عطا کرے جس مصر کے بعض شاخ و علما پر ان طریقہ سے اور دانش و دل کا ایک خاصہ طبقہ بھی چٹپٹی پیش رہا۔ ان حضرات نے نہ صرف ختوں کے ذریعے ماحول کے مستبد اور فرقہ ویت کو "جہاد" قرار دینا بلکہ اس انتہائی غصہ و بدترین حکومت کو خلافت راشدہ کے مماثل قرار دے ڈالا۔ اور بعض تو یہاں تک پہنچے کہ اس فرقہ وین جدید اور خلفائے راشدین کے بعد خلافت علی منہاج النہیہ کا احسن ہیرو قرار دیا۔

ان ہند کا ان شکم ————— علماء ————— نے تھر کی فرقہ ویت کو اپنی روش سے جو غنا پر پناہ ہے وہ بڑی ہی عجیب حقیقت ہے، منتخب خدا کا جن کا کام علم کی مخالفت تھا وہ ظلم کے دست و باز بن گئے !

تقریباً انخوان المسلمون کی تحریک کو ان مولویوں اور پوروں کے ذریعے چلنے کے بعد، مآثر اور اس کی حکومت نے آوارہ راہ فکروں، غصہ و ایلپ اندش و سب سے قلم لکھنے والوں کے ذریعے اسلام کی کٹر برنت خروار کر دی۔ من مانی تعاصیر اور غایتت کے مطابق اسلام کے ہر اصول کا علیہ لگا لگا کر گڑھے ہوئے اور پیروں کے ذریعے اسلامی تاریخ کی بزرگ ترین اور محترم شخصیات کا دھماکا خاں اڑایا گیا، سیدنا محمدؐ، سیدنا عثمانؓ، اور سیدنا علیؓ نے پر اشتراکیت اور قومیت کے نقطہ نظر سے دل خواش کھٹے کئے گئے۔ شعا و دینی کا خالق ایک ہم کے طور پر خروار کیا گیا۔ جب یہ نفا پیدا ہوا تو انخوان المسلمون کے خلافت نئی دینے والوں کی آنکھیں کھلیں۔ چونکہ کنگے تو ظلم و دانش و دی کی گدی سر کی نظر آتی، حوام میں شہید ہو چکے ہیں، مراد میں اللہ صلا میں گہری نفرت کا جذبہ رکھنے لگے، مظاہر سے ہوئے، ان علامت شاخ کی غیرت کو پکا را گیا۔ جب یہ حضرات کچھ بولے، بعض نے احتجاج کیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے شکر و شکایت کا آواز کیا، تو فوراً ہی انضامات و مصافح میں، ان شاخ و علما، کے خلافت پر بدگشتہ کیا گیا، انہیں بظاہر کسی امر راج کا ایجنٹ قرار دیا گیا شیوخ و علما کا خوب خاں اڑایا گیا۔ یہ مرحلے کرنے کے بعد مصری حکومت نے ان میں سے بعض کو پکڑ کر قتل کر دیا، بعض کو گھروں میں پابند کر دیا۔ بعض کو خلافت و سرکار کا پانچ کھمبہ پر بائیں سج دیا۔ ان میں سے کچھ ذرا زیادہ سرکاری فتنہ پھری اور پیروں اور صحابہ کے خلاف برے آواز میں سے ایک صاحب کو قائم الخوف کے تہہ و بیہوش تمام کے دھماکے ہی تاجروں کے ماحول پر بدترین صیل۔ طرہ میں طرح طرح کے مظاہر سے کر ختم کیا گیا۔ ان صاحب کے متعلقین نے جب ماحول کے پاس فریاد کیا تو انہیں بھی خوفناک و حکیمانہ دسے کہ ماموش کر دیا گیا، یہ یہ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ سب ماحول گام بڑی تہذیب اور تنظیم طریقہ کے ساتھ انجام پا سکا۔ ایک طرف مصری عوام عرفہ و مشرت ملائی، با شمشاد سبیا بطریق پس زندہ ان اور مصری طرف ملک کی سب بڑی تحریک انخوان المسلمون سرسیر دار، ایسی ہی، ان علامت کلام اور تحقیق کلام کو ختم کرنا جسے حسان تھا، ان لوگوں کو اپنے حدود و رقابت و امانیت اور گردہ بازی کا خاطر خواہ چل گیا۔ اس کے بعد جاسمۃ اللہ مصر پر حملہ کرنے کا راستہ ہموار ہو گیا۔ اس کی تہذیب کے نام پر خوب حرمت کی گئی، اس کی تاریخی اور بین الاقوامی حیثیت کا خاتمہ ہوا۔ اس کے تمام تعلیمی پروگراموں کو ماحولی اشتراکیت کا لبادہ اڑا دیا گیا۔ اس کے علماء کا بار بار خاں اڑایا گیا۔

اور پھر عربیت و اشتراکیت و قومیت کے نام پر اسلام کے خلافت، اسلامی تاریخ کے خلافت، اسلامی شخصیات کے خلافت ڈرا کے لئے گئے۔ کچھ نیاں لکھی گئیں، ناول لکھے گئے، انصر و کارٹون شائع ہوئے۔ یہ سب ٹیٹریٹ پر خاں اڑایا گیا، یہ مختلف انداز سے اور انجینین بنا کر مصری اور غیر مصری لوگوں کو ہلکے کر رکھتا ہے، ہا کر انگریزوں اور فاسٹہ حور قوں سے لایا گیا، ان حور قوں سے اخلاقی خراج اور اسلامی روایات کے خلاف خاں اڑانے کا کام لیا گیا۔

مجھے یاد آیا، ایک عالم دین جنہوں نے انخوان المسلمون کے خلافت نئی دینا تھا، خلافت ہی مزاج رکھتے تھے، اور جو بظاہر یہ صلیک زندگی تھے

اصلاحی نیکی کی زیادتی کی بنا پر ہی اخوان کی وجہ سے اسلامی کے خلاف ہو گئے تھے۔ انہوں نے جب اخوان المسلمین کے فتنے کے بعد مصری حکومت اور
فرعون جیسے کے نہ بدست کار سنا تے دیکھے تو انہیں نہ اپنی رائے بدل دی کہ اسلام دشمنی نبی جی جیسے میں حکومت کی پاسٹ۔ ان کا دلائل اشتراکی العربی کے سلسلے
میں شکایت کے طور پر کچھ باتیں کہیں۔ اس کے بعد اس کے بعد ایک دوسرا منہ تمام پر پھینک دیا گیا جہاں ان
سے ایک بدحلیت میں بری کار کام لیا جاتا ہے۔ کچھ حصہ متعلقہ عمل خانہ کے پائلوں کو صاف کر کے کام بھی ان سے لیا جاتا ہے۔ ان صاحب کے عزیز پر رشتہ دار
قاہرہ میں موجود ہیں انسان پر بھی کڑی نگاہی ہے۔ اخوان المسلمین کے خاتمہ پر مصر کے علماء و دانش ور کیا جاتی ہیں۔ کاش : ہمارے ان کے لوگ
اس سے بچ سکیں۔ کاش : یہ لوگ یہ حقیقت جان سکیں کہ اباحت اور عین دشمنی کے اس نہایت ہی الجھے ہوئے مدعی خود علماء و دانش ور انسان کے امانوں
کے لئے تحریک اسلامی دفاع کا کام دیتی ہے۔

اب شام میں نیچے شام میں حزب البعث کا زندقہ والوں کو تو جی ہاتھ ہیں ہے۔ حزب البعث کی اسلام دشمنی کی اس سے زیادہ اور کیا دلیل ہو سکتی
ہے کہ حزب البعث کے تحت حال ہی میں "الزہابیہ الکلیدیہ" قائم کی گئی ہے۔ جس کا کام قومیت عربیہ کے لفظ نظریے عربی تاریخ کی نئے سرے سے تدوین ہے اور
جس میں الزہابیہ کو قومیت عربیہ کا بطن قرار دیا گیا ہے۔ حزب البعث دہری حزب فاسد ہے جس میں شہرہ مستتر تین جی میں اور کو پھر گدا انسان شہرہ
قوی و اشتراکی ادیب بھی۔ یہ لوگ بریت کے تمام سوشلسٹ نظریوں کا اسلام کے خلاف ہندی قوت سے استعمال کرتے ہیں ان کی دہریہ جگہ ان کی کارکن
بیروت کا معروف اسلام دشمن ادارہ (INSTITUTE OF SOCIO POLITICAL STUDIES ON MIDDLE EAST) (المہیت
الدراسات الاجتماعیہ والسیاسیہ عن الشرق الاوسط) ہے اس ادارے کا کام نہ صرف اسلامی تاریخ کو کھنکھانے کی بجائے بلکہ اسلامی
تعلیمات کا حکم کھانا ملنا ان کا بھی ہے۔ عربی زبان کو اسلام کے آئینے نکال کر بریت کے ان ادارہ کے ذریعہ WHITE WASH کیا جاتا ہے جو نہایت برا
نکار اور جھوٹا ہے۔

شام کی حزب البعث دراصل کال مارکس کی روح خبیث اور مال مسٹرٹ ایک کے ناجائز غلاب کی پیداوار ہے اس پارٹی کی ہیئت ترکیبی اخلاقی فراہم
آٹاں دہری، تشدد، سازش اور BACK DOOR گھناؤنی سیاست سے ہے۔ حزب البعث کا اعلیٰ طبقہ ... ہتھکنڈوں پر مشتمل ہے۔ لوگ اتحاد و یکجہت
اور امریت پسند قومیت اور گمراہی کے حامل ہیں اور اسلام کے تحت ترین دشمن۔ فرانسیسی استعمار نے شام میں مسلمانوں کے جن مرتدا اور گمراہ ترین نعروں کی
سرکشی کی تھی۔ ان میں لبنان و شام کے دروزی اور فرقہ فیرہ کے لوگ ہیں یہ دونوں فرقے حسن بن صباح کی یاہو کاروں کے وابستہ ہیں اب انہی فرقوں
میں صحابیوں کی طرح جگہ جگہ ہوتے ہیں۔ جو ایک وقت میں محمد بھی ہیں، یکبر نٹ بھی ہیں اور امریکی بین الاقوامی ہجو و فساد نیز زمین سیاست کے بھٹ بھی :
مصر کے نام کی طرح ان کے ان بھی نعروں کا ڈھل انداز لفظ اور CATCH WORDS کا سراپ ملتا ہے۔ یہ لوگ شذذات، غلط بات اور
نعروں پر جھجھتے ہیں اس تحریک کا ہدف شام میں حقیقت یہ ملتا ہے کہ شامی مسلمانوں کی دینی دوج و مزاج کو کچل دیا جائے اور کشش سازشوں کا ایک
خونخاک چکر چلا کر شام کو کشش اضطراب سے دوچار رکھا جائے۔ تاکہ وہاں کے عوام کی طاقت و دینی دوج ... کا کسی طرح خاتمہ ہو، اور لبنان میں
عیسائیوں کے جرائمات ہیں اسے بڑھ کر شام کو بھی بین الاقوامی طاقتوں کی مدد سے نیم استعماری ریاست بنا دیا جائے اور اس طرح شام مسلمانوں کے کھار
میں نہ رہے۔

دوسری طرف شام کی دوسری تحریکات "اخوان المسلمین" اور "مشابہ محمد" کو دراصل یہاں سے بنائے کلاستہ ہی ہو سکتا تھا۔ چنانچہ
دروں بلوں کی تہ سب و مشترکہ عزائم سے فائدہ اٹھا کر "حزب البعث" کو تسلط و غلبہ حاصل ہوا اور اخوان و شباب محمد کی تحریکات کو خلاف دست فتن
قرار دے کر ان پر ظلم و تعذیب کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ دہری و دہریہ جس کے مناظر ہم مصر میں دیکھ چکے ہیں اور دیکھ رہے ہیں، وہاں کے گدا دہریہ ہر وہ
میں جلد نہ رہے سب کا جیروں میں ڈالنے کے بعد، سب پہلے شام کے سابق صفتی اعظم کو نکال دیا گیا اس کے بعد فتنہ و الاوتاف سے تمام مسلم پسند امر کو خدج

کہا گیا، جنہوں نے کہا صحابہ کیا ان کو جیل قاسمیر کے خارجہ جیل میں بند کر دیا گیا۔ اس کے بعد جب شام میں شہر میں حمل ہوا اور محسن و حمادہ و حلیہ میں مظاہرے ہوئے اور محسن نے شب بھر کی قیادت کا ہر بلا اظہار کیا اور محسن کی نمازوں میں احتجاجی تقاریر پڑھنے لگیں تو حزب البعث کی "ترقی پسند قیادت" نے محسن و حمادہ کی مساجد پر پھینکی۔ بے شمار لوگوں کو بے دریغ شہر کیا گیا۔ اس سارے دردناک واقعات کے بعد ان تمام کے حامی حمادہ و پیرانہ طرفیت نہ صرف خاموش رہے بلکہ ایک بہت بڑے طبقے نے ان کے پیچھے کر حزب البعث کا ساتھ دیا۔ اور اس طائفہ کے سر میں شیخ کفر نے "انوان المسلمون" اور "شباب بھوت جیسی دینی تحریکوں کے خلاف ان انقلابات کو عین اسلامی قرار دیا اور انوان المسلمون کا خون الشیطان نکھا۔ ایک حالت نے پاشا کھیلا اور بعد حزب البعث کے ہتھ پلہ پسند طبقہ نے بغاوت کی۔ یہ یاد ہے کہ ادھر کی ساری تحریک و بیرونی حزب البعث کے معتدل پسند طبقہ کی بہادریاں تھیں۔ انہما بہت طبقہ کے انقلاب کے بعد ہی کچھ علماء و دانش ورانہ کے ساتھ شروع ہوا جو مصر کے کان علماء و دانش ورانہ کے خلاف ہوا، جو اسلامی دولت و تحریک کی مخالفت کر رہے تھے، شیخ کفر اس وقت بے حال ہیں۔ ان کے مختصر حرا دیوں کی آنکھیں کھلیں تو انہوں نے دیکھے الفاظ میں احتجاج کیا اور ان سب کو کچل کر بند کر دیا گیا۔ تمام اب کھلم کھلا اتحاد و اشتراکیت کا پرچار کر رہا ہے تحریک اسلامی کے مخالف دانش ورانہ کے دل نہایت سخت کے ساتھ گندہ ہیں۔ کتنے عجیب غریب انداز میں آمیزش یہ واقعات! کاش! علماء کو رام سوچ سکتے۔ وہ گروپی تعصب اور انقلابی مخالفت کی بنا پر کس طرح آسانی کے ساتھ حکومتوں کے آدھ کار بن کر کوئی تنظیموں اور اسلامی تحریکوں کو کس قدر شدید نقصان پہنچاتے ہیں، اھ جب یہ تنظیمیں نہایت چمکی ہیں تو بھریہ علم بھی صاحبانِ قلم و قلم کی مارو گئے سے نہیں بچتے اور ان کو بھی معاف نہیں کیا جاتا!

موسم سرما
قدس کا ملامت نے موسم سرما کو۔
انسانی جسم کی حفاظت، ذائقہ شہ قوت کی بحالی، دماغی، قلبی اور حسی طاقت کی استوری کے لئے مخصوص ہے۔

اگر آپ کسی قسم کی کمزوری محسوس کرتے ہیں تو اسے موسم میں خوب بات و مفرحات اور اکیسے دواؤں سے —
فائدہ اٹھائیے۔

طیب الشرف اگر آپ باقاعدہ علاج کو ماننا چاہیں تو

جانب رجوع فرمائیں جس کی نگارنی براہ راست پاکستان کے نامور طبیب مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف خود کرتے ہیں۔
بیرونیات کے مرعین مفصل حال لکھ کر منت شرمہ حاصل کریں یا سالنامہ طلب فرمائیں۔

طیب الشرف، اشرف ہسپتال، درجہ جامع مسجد جناح کالونی لائل پور

جگر مراد آبادی فن، شخصیت اور شاعری

جگر مراد آبادی میں متوسط طبقہ کے ایک شاعر خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کی ابتدائی تعلیم بھی پرائی طریقہ پر ہوئی اگرچہ انہوں نے لائی اسکول
انگریزی بھی سیکھی۔ نازی پورسٹ زلیخا اور سکندر نامہ تک پڑھی، عربی سے واقف تھے۔ ایسے اعلیٰ کا پروردہ ابتدائی شاعری بھی لکھ کر لے دی تھی
سنے کی سیدھی سادی سن رشتہ کی باتیں، جن میں سنے سناتے، سننے ذہن یا فہم پرانی انھوں نے گزشتہ برس کے صرف دو اشعار سیوہر مہدی کے
میں سے لے کر جو انشا تھا اس کا پتہ چلانے کے لئے کافی ہیں۔

کی چیز تھی کی چیز تھی انسان کی انسان کی
جا، بھی اے صاحب نادوں! نہ کہ ان کو بدنام

بنے کچھ غزلیں، آغ و بھوک مرہوم کو اصلاح کے لئے بھیجیں جن کا کوئی ہندوستان بھر میں بول نہ سنا۔ پھر زیادہ تر زمانہ جویم نے سنا گئے رتنا
دی کو اپنا کلام دکھایا۔ حضرت مروانی کے استاد امیرانہ تسلیم ہے بھی استفادہ کیا انسان سب کا شرم بھی انہوں نے بہر کیا۔ تاہم آہستہ آہستہ
ن کا اپنا دھانہ انسان اور رنگ ابھرنے لگتا ہے، اظہار میں بھی سلیقہ آجاتا ہے اگر سلیقہ باقی رہتی ہے نہ خلوئے، بل گئے، دامن پھا گئے۔
سے ساتی کی ہر نگاہ پہل کھا کے پی گیا سے اُن کو پیار آئے نہ آئے محو کو پیار ہی گیا۔

ن ظاہر ہے کہ جذبہ کی شدت نے بہن۔ آج کے رنگ میں نیا نکھار پیدا کر دیا ہے۔ رشتہ نہ ان کے ہاں رہا، شادی اور نکاح اور بھولگی کی وجہ
انفرادیت جھٹکتی ہے ادب ان کی آواز ہر کوئی پہچان سکتا ہے۔

شیشہ سے نہ رکھو مطلب اے ساتی سیمناہ!
جھک گیا ایک ایک ٹکڑا اس نگاہ سے

شیت مست و بادہ مست و جن، مت و عشق مست

آج پیئے کاغذ و پی کر بیک جانے میں ہے

چ تو یہ ہے ہر دم ناتے و لوش جگر کی کہ دم سے قائم نظر آتی ہے

دلوں سے ہے جگر سونا پٹا تنہا سیکہ
بھردہ دیا نوش زخوش کام آہی گایا

اے اس ائمہ کے کہ

اے محتسب! نہ پھینک، مرے محتسب نہ پھینک

ظالم! شراب ہے، اے ظالم! شراب ہے

یہاں ان کی شاعری میں سوز و گداز، دلکشی و پراثری ان کی زندگی و گداز قلب ہی سے آئی، ایسی کیفیت ان کی شاعری پر چڑھتی رہتی ہے۔
تیسری شاعری کی عمری ہے، افسوس کوئی دلی مراد کے کارخانہ میں، ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنے لگے تھے، ان کی شاعری بھی افسوس کوئی
ساری ستہ جی سنی اور عینکوں کی تجارت کے سلسلہ میں انہیں اکثر سفر کرنے پڑے تھے، تاہم عقل قیام گزشتہ ہی میں ہو گیا تھا، پھر بھی اردو
اُن کے لابی بن اور رنڈا وضع کو نہ روک سکے، ایک اہم انقلاب الہی ضرور مدد نما ہوتا ہے، افسوس کوئی دلی مراد کے ساتھ ہی جگر کو
عبداللہ کے آستان تک لے جاتا ہے، جگر کو بھی آستانہ شاہ عبداللہ سے بہت حقیقت ہو جاتی ہے اور اسی وجہ سے افسوس ہو رہا ہے
ہیں اور یہیں سے اُن کی شاعری میں تبدیلی کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں چنانچہ وہ دماغاً افسوس کے بعد کب سوتی شاعر، افسوس کوئی
آجائے ہیں یہ اور بات ہے کہ نہ سے لگی ہوئی "کافر ایک عرصہ تک اُن سے بہت بھڑکی مگر یہ ضرورتاً بد جزا کے افسوس کا ذکر جہاں کہیں
نہ کیا ہے، شری حقیقت اور احترام سے کیا ہے۔ مانتہ حوس

جو جھوٹا ادب ہو کر تو افسوس باخبر ہو کہ
دنگ بکھڑا حضرت افسوس نظم سے ہے

یا کہ

زنگ و حضرت افسوس کی مراد بہت خاص
الغرض جگر کے کام میں صوفیانہ اثر یا افسوس کی گری جہاں حضرت افسوس کے قوب کا آہستہ دیتی ہے۔

وہ غالب، بنوین اور حسرت کے بڑے قائل تھے۔ ماحول میں افسوس کے بعد قافی کا نام بھی رجحان اور احترام سے لیتے تھے، حسرت
وہ بالی اور قافی کی الم پرتی سے بھی وہ متاثر تھے، ایک مرتبہ "اس الم پرتی سے انہیں قافی کی طرح باسیب زد و یا تو نظم نہیں بنایا بلکہ ان
جاناں نے "نظم دو سال" لکھ لکھ دیا، مگر اجتماعی احساس دیا پھر انہوں نے افسوس مراد کی طرح "نظم ہوا سے نظم جاناں" نہیں بنایا، بلکہ جب صبر
کے وقت ملک پر تیاہٹ ٹٹ پڑی اور انسانیت مٹا کر گئی تو وہ ٹپ گئے انسان میں بھی سر سے کفن باندھ کر لکھنے، اللہ قدرت واسطہ
وہ صبر پیاہر اس کی شائیں نے جگر کے ذکر کے وقت ملیں گی۔

جگہ اولیٰ کلر غزل گور ہے اور قافی کی طرح وہ اقبال کو بھی "ناظم" کہا کرتے تھے، مگر جب ضرورت محسوس ہوتی تو انہیں بھی
لڑے "نگار غزل" کا احساس ہوا، غزلوں میں وسعت پیدا ہوئی اور قافی و آناؤ کی طرح افسانہ وقت کے سرفروہ نظم کی ضرورت
کے ساتھ اس کے قائل بھی ہو جاتے ہیں نہ صرف اس کی کہ وہ نظم کی ضرورت انہیں سے متاثر ہوتے ہیں بلکہ اقبال کی عظمت کو تہ
کہتے ہیں انسان کے فکر و نظر افسوس سے استفادہ کرتے ہیں بھی ہیں ویش نہیں کرتے، وہ فراتے ہیں۔

خجندی و سرین و گل، انجم و خدمت سید و ماہ

آسمان مرکز تخیل و تصور کب تک؟ آسمان جس سے جمل ہو وہ نہیں پیدا کر

مگر وہ اقبال کے مفکرین بن گئے وہ غزل ہی کے خانہ میں زندگی کے مرصد کی حکایت کے قائل تھے اور غزل ہی کو نئی نئی اظہار بنانا اور نئی نئی
کہ وہ قافی سے جو متاثر تھے، قافی بھی جگر کو مانتے جانتے اس لیے بھی کہتے تھے، یہ بات دلچسپی سے قائل نہ ہو گی کہ جگر کے مسند بنیں شاعر کو

خانی بہت پسند کرتے تھے

یوں بسر کی زندگی ہم نے امیری میں جگر
ہر طریقہ داخل آداب و مذاہب ہو گیا
خانی کے کلام سے جگر کے ساتھ ہونے اس کے رنگ میں شعر کہنے کی مثال ہم کے مدح و ذمہ شعر سے خواہ نمایاں ہو سکتی ہے
دن کا کیا ذکر تیرہ بختیوں میں
ایک مات آئی ایک مات تھی
اور یہی اشار کلام جگر سے خانی کے رنگ کے پیش کیے جاسکتے ہیں مگر یہ ایک شہری کا حلقہ تین بخت ہے۔

مروم احمد گریڈ وی نے یوں تو داغ کے بعد کو ختم ہوتے دیکھا تھا، تسلیم، تہدک، جروج، حسرت، جتنی، جزیر، ریاض، خانی، یگانہ
اقبال اور جتن کو بھی مگر جگر نے ان کے علاوہ اختر مشیرانی، قراق، فیروز، امجدتین، گوہی اپنے سامنے بھرتے دیکھا۔ چنانچہ نے زلمے نے ان
کی شاعری کو نیا انداز اس نئے عنوان سے عطا کئے۔ ترقی پسند تحریک بھی ان کے سامنے ہی ابھری اور پیچھے بھی گئی۔ اس سے قطع نظر غالب کی
طرح جگر نے ایک حرفتوں انقلاب اور خونی سیاست کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ مشائخہ نے جس طرح غالب کے کلام میں گہرے تاثرات
نمایاں کر دیے تھے، مشائخہ کے انقلاب نوین نے بھی جگر کی غزل کو رنگین و بنا دیا۔ انہوں نے غزل ہی کے ذریعہ اپنے درد کی ترجمانی کی اور
عوام کے دلوں پر گہرے اثر کی قوت سے جگر کو دوسرے شعرا کو اس کے لئے ٹری ٹری اور طویل تر نظموں لکھنی پڑیں۔ اگرچہ جب کہ ادیبان کیا جا چکا ہے
چند نظموں جگر نے بھی نظم کے صحن اور ضرورت کے پیش نظر کہیں مگر یہ ایک نندہ حقیقت ہے کہ غزلوں میں غالب کے بعد کوئی شاعر اس گہرائی تک
نہ پہنچ سکا جہاں تک جگر کی وہ بین نظریں پہنچیں، صرف اتنا ہی نہیں ان کی غزل کو تیر کی سادگی و مہر کا رنگ، درد کا تصور، مومن کی نقاب پوش
خیال آسانی، داغ کی خوشی اور گلہ انداز قلب، اہ اقبال کا فکر بھی انہیں متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکا۔

جگر کے دل، سادہ سن کے علاوہ شہر کی بھٹکیاں بھی نمایاں ہیں، غراب سے توہ کہنے کے بعد مومن و داغ کا رنگ تغزل کو کم سے
گیا مگر تدک قدس افری اور اقبال کے فلسفے نے اس کی جگہ لی۔ کلام جگر میں شہری اور تغزل کی چند بھٹکیاں ملاحظہ ہوں
ضمیمہ دوست ہی جرم زندگی بھر
جناب شیخ کو تھا زخم پاکی طاس
بیاض اور داغ کی شہری بھی ہے اور اپنا رنگ بھی

دندول نے جو چھڑا نہادہ کو ساقی لے کہا کس طنز سے آج

اوروں کی وہ عظمت کیا جاوے؟ کم ظرف جفاں ہوتے ہیں

اور وہ تغزل جس نے انہیں رئیس المتغزلین بنایا ملاحظہ فرمائیں کہ واقعہ وہ رئیس المتغزلین کہلے جانے کے حقدار بھی تھے

تو مرے حلی پریشاں پر بہت طنز نہ کہ
لے کے خطا ان کا، کیا ضبط بہت کچھ لیکن
ہم نے سینہ سے لٹکایا دل نہ اپنا ہو سکا
کیا خبر تھی وہ بھی نکلیں گے ہمارے کے شریک
نزدک کو تو تھیں اشامات کا دفعہ
ہمیشہ اراے نگہ بستم آشنائے دوست
کیا لطف کہ میں اپنا پتہ، آپ بستاؤں؟
اچھے گیسوی خدا دیکھ کہاں تک پہنچے!
تھر تھرتے ہیں انہوں نے بھرم کھول دیا
سکڑ کر تم نے دیکھا، دل تہا ہا ہو گیا
دل کی دھڑکن ہی کو اپنا راز وہاں سمجھ تھا میں
ہلکے سے تم میں کنایات کا عالم
دل بھی ہے اک لطیف سا شہر ہے ہونے
کیجئے کوئی بھول ہوئی خاص اپنی ادا ویر

شاعر نے صرف اپنے ماحول پر محدود ہونا چاہے بلکہ وہ اپنے ماحول کا نمائندہ بھی اپنے ماحول سے انکلیں بند کئے ہیں گند بھی نہیں سکتا۔

کلام بکریہ۔ ان کے ارتقائی سفر کا اندازہ ان کے تینوں مجروحہ کلام سے بخوبی ہو جاتا ہے۔

ان کے تیسرے مجروحہ کلام "آئینہ گل" میں ساحل کے افواہات بدلتے ہوئے حالات کے گہرے نقوش ہیں نظر آتے ہیں۔ جس طرح "بانگ درا" کا شہین بلی جریں میں بندہ، اندر غریب کیم میں بندہ تر لفظ ساتھ ہی طرح جگمگے۔ "داغ جگر" میں وہ سوز و گداز نا اہل نظر نہیں آتی جو شاعر طرز ہے، یہی جگمگاری شاعر بننے کے بعد جو تک بھرک کر آئینہ گل میں کہنا آتی ہے یہی بھڑکی ہوئی آئینہ سوناں بھاپتے۔ جن کی حفاظت کرنے کے لئے، مستعد بھی نظر آتی ہے اور اس میں کہ دلی میں ناگ بن کر گری پے اگر تو ہے یہاں یہ ڈگڑکی ہے خالی نہ ہوگا کہ ان کے مجروحہ کلام "داغ جگر" کے بعد جو دو سال مجروحہ جو "شاعر طرز" کے نام سے منظر عام پر آیا اس کا انتخاب اشد بھڑک کے رہتا تھا مگر گندوی مروجہ نے کیا تھا جن کے جگمگے وہ مستعد بھی "داغ جگر" میں کہتے تھے، جگر کو پسند کرنا۔ یہ دوسرا سال احمد سرور داند فخرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مجروحہ چھپنے کے بعد جب "داغ جگر" اور ایک دوسرا مجروحہ جس میں اشن کی لکھا دہی لیا دہی اسی نام سے وہ منظر عام پر آیا اور پھر "شاعر طرز" کے شاعر یا لکھنے والے کے نام کی مقبولیت میں کمی نہ آئی۔

جہاں تک غزل کا تعلق ہے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ دسویں صدی عری نے غزل کی قطب شاہ، گنگا داس صدی کے دلی، یاد بھٹی جیسے ادیبوں میں دے لئے ان تینوں صدیوں پر غالب اگر غالب کو پسند کیا۔ اور جو دہوی نے جگر کو یہ دلی کائنات شاعر غزل کو اپنے لئے خاص کر داند تک سزا دے کر لی۔ یہ تمام مشعل اور صرف شاعر ہی نہیں بلکہ جہاں تھے۔ اب اس دوسرے نظم ہونے تک شاید کوئی ایسا سرا لکھ اور محبت پر غزل گو پیدا نہ ہو سکے البتہ چند مجاہد صد کے بعد بھی نا امید نہ ہونا چاہئے۔

جگمگے پیر کے ۳۶ شاعری پر شریک ہو کر آدو کو عام کیا اور مدد کی پتا نیر کشش اور محاسن نے دشمن سے بھی خواجہ حسین وصول کیا اور آدو کی جو دوسری جگہ کر لکھنے لگے۔ جگر کی شخصیت نے نہ صرف ان میں اب ادعوام سے خواجہ حسین وصول کیا بلکہ اپنا راج بھی سنا لیا۔

حقیقت "مازل جاتی ہے سوائی نہیں جاتی"

۱۹۶۶ء کے نئے ہونے جگمگے کلام میں۔ رات بے نیکی و سرسختی اور بے قاشا عشق کے بدلے، سنبھلا ہوا پاکیزہ عشق اور پر سوز اندازہ عرف کی ان کی کامیابی جو کچھ دیکھ اور دل کے جگمگے کی دلی اپنی نے بے جھجک انداز میں داغ طرز پر جی کی احساس طرحی فانی ٹاپہ، قرین واساس پانہور نے اپنی شاعری کی بنیاد۔ گھر وں پر، بے نہ جگمگے کی جھجک ساتھ آتی ہے، فانیات سے دلی شاعر شپ اٹھتا ہے اور حدود محبت کو چھوٹا کر اس کو فانی نظم اپنی میریت میں اب کائنات کی تمام چیزیں جہاں آدو ہونے لگا اور دلیا ہے۔ ملاحظہ ہو

دو دو دو، دون، نو، کھائی، دس بار
آٹھ بار، آٹھ بار، ابھی میں منتظر جگمگے
انساں سے اندھا ماماں اب نا ہے آج کل
چھپا کر قتل گاہ کا منظر لئے ہوئے

ادیبی کے ذرا فانیات نے ان سے چھو کہہ لیا۔

کہتے ہیں بھائی بھائی میں، ازل وطن تمام
بھرتے ہیں آستریں میں فخر لئے ہوئے
اور اس امن میں دو گدگد پر بھی، نذر کرنے سے نہیں چکے اندھا بکارتے ہوئے

نکلت کے منظر الم جب سے انکھوں نے دیکھے ہیں
جگمگے بھائی کو کر محبت فانی — بھیتے ہیں

وہ انداز میں جید بہانے کی نہ تھے اور ان کی دلی اپنا شاعر بھارت تھے وہ جیت پہلے ہی انہوں نے کہا تھا
گشت پوٹ ہوں مجھ کو، ی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی بناہ گئے جاسا ہوں میں
افغانی فرقہ کو جب سب کی نگاہ سے دیکھا جائے گا تو پھر نہ یہ آواز بند کی ہے

پہلوں کو نازِ حسن اگر ہے تو جو جگر
کانٹے بھی ہیں غرورِ گستاخ لے سرتے
اتنا بجا کہ جب کائنات پر فخرِ دشمن کا اندھیرا چھا جاوے اس ملک کی کھائی نہ بھائی
انسانیت کو جس سے جبروت ہے زندگی
انسان لکھا یہ ہے بھی گزراں ہے آہ کس
ہر چند کائنات و دو عالم میں اسے جگر
انسان ہی ایک چیز ہے انسان مگر کس !
تیز ہر وہاں مبارک تجھے مرگ
دل میں اگر نہیں تو کہیں مٹتی نہیں
یہ مسکوں ہاں مگر نہ نہ تو نہیں سے

کیا کیا ست سے کہ اس دور ترقی میں جگر
آدی سے آدی کا حق ادا ہوتا نہیں
اور گٹ گٹ گئے انسان، بچے گئے سائے

کی نظریں نہ صرف ہمارے کائنات کا مددگار تھیں بلکہ وہ کائناتِ دل پر بھی اپنی کس گرفت رکھتی تھیں۔
اپنی نے اپنے ملک کے شوقیہ اور فحاشی، تنقید ہی اپنے کلام پر باجی اتر سکے ہیں اور جگر کہ ان کے کلام کے آئینہ میں دیکھ جاسکتا ہے اپنی
پر بھی ان کی نگاہ تھی !

تکلف سے انقش، بے شک ہے شاعری اپنی
حقیقت شعر میں جو ہے وہی ہے زندگی اپنی
نہ میں نہایت ہی شرف ہے، نہ صرف سے جگر
ملکِ عشق مرادِ صلب زندانہ سہی
مرے شعر میں ہی لطافتیں، مری نظم میں ہی نزاکتیں

مری فکر میں کہیں اسے جگر ! ادب کشف کی جانیں

ہے کہ وہ بات جس کے منتقین کہا گیا ہے کہ "وگفتنی آید" اسے اس انداز سے بیان کرتے ہیں

اسے کہ لی سخن کے دیوانے
ماہ لائے سخن بھی پہاگ بات

سب دین ہے ایک "وہ منہ دلی" کی خوشنوی آگ میں تب کہ کندن ہو چکا ہو، اودھ دل نہ دے، دلی مدد آشنا، کسی کی لگاؤ ناز کی توجہ کا بغیر
صحن ہوتا ہے ؟ اس احساس کو اس حقیقت کو جان کی لپٹی شاعری پہ عارف ہے، اشخاص میں سالیق رہی ہے اس کا اظہار اس طرح ایک
آواز اعلان کر دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ

میرا کہ بل شہر بس اتنا ہے جگر
وہ مجھ پہ چھا گئے ہیں نہانے پہ بھی گئی

حالی کی طرح وہ حالی ہے باغِ ہونے کے ساتھ ہی۔ تب سے بھی اس رنگتے بیٹھے تھے، حالی کی نظریں جس طرح مستقبل کو دیکھ سکتی تھیں اور
اندازہ کر سکتی تھیں گردنہ تک احاطہ نہ کر سکتی تھیں جگر کی نظریں بھی صرف حال تک محدود تھیں، پیش گوئی اور پیرویِ اقبال کی طرح شاعری
بعد ان کے بس کی بات نہ تھی۔

جگر انادی کی تحریک کے بعد انادی کے حصول اور اس کے نتائج کو بھی چونکہ اپنی نظروں سے دیکھ چکے تھے اس لئے کلام میں جا بجا اسٹانڈنٹ فائنڈ
رہ چکے تھے مگر دل کا درد، خون بن کر اس وقت ان کی آنکھوں سے جاری ہوتا ہے وہ حصولِ انادی کے بعد کی افراط و تفریط پہ کھنکھاتے ہیں
نادی، نام نہاد آنادی پر ان کی شہرہ نظم سے قارئین تجزیہ و تاقبہ میں ہم خوفِ طرانت صرف اس کا پہلا بند پیش کرتے ہیں جس میں شاعر نے اپنا
چیر کر رکھ دیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

بھاگ مسافر میرے وطن سے میرے چمن سے بھاگ

ادیر ادیر جوں کچھ میں بھیرتے بھیرتے آگ

پس کے اپنے کرنا دھرتا اکثر میں وہ لوگ
دلہا میں کے کھڑے چہرہ نظرت جن کی نگاہ
گاندھی کی گانم نہاں پر سن کے اندر دگ
کام نہیں ہے جھانپتی، بات نہیں ہے آگ
بستا جہل و شنی جھوٹی، اندر ہاں یہ لوگ
اپنے اپنے رنگ گل میں بیٹھ اٹھیں گاہ

بھاگ سا فرمیکے وطن سے میرے چن سے بھاگ

و نہر وطن دوستی پر ان کی نغمہ گاندھی جی، پریش کی جاسکتی ہے، جہاں کے خیالات وطن دوستی کے سلسلہ میں واضح و پیدہ پیش کر رہا ہے۔
ایک دفعہ کی میں نے لکھی ہے۔

اس نغمہ کی پران کو یہ قطع تو آپ نے نہا ہی ہوگا !

کام اور صبر اور آواز
نہیں ہے لیکن دھندلی دھندلی
نام نہ ہے اور وقت سے دشمن
سایہ لیکن روشن روشن

راں دھندلی دھندلی شمع آواز کو وہ اندھنی روشن تر اور تیز ہوتا دیکھنا چاہتے تے اندھا مینہ تھ فرماتے ہیں

نمودیج کا دھبی، دلپسند میرے صادق ہے
افق سے زندگی کی دیکھو وہ نگاہ کرن، ساقی !

بالکل غالب کے انداز فکر میں کہ

لطافت کے کثافت جملہ، پیدا کر نہیں سکتی

آبنائے اور میدان کا دلطاف و شرم

شالنامہ "اوراق"

مترجمہ ڈاکٹر وزیر آغا، حارف عبد اللہ

ری ۶۷ میں منقذہ مشہور پرائے کا اور ایک اہم ادبی دستاویز کی حیثیت اختیار کرے گا۔

سینٹر "اوراق"، چوک بازار، لاہور

ہر قسم کے سوتی دھاگے کیلئے ہمیشہ
 ”اٹونیا“ برانڈ یاد رکھئے



فیروز سلطان انڈسٹریز لمیٹڈ سرائے روڈ کراچی

مولانا عبد اللہ عباس ندوی

جمال ناصر کی حکومت سے بیزاری کیوں؟

یہ ایک سوال ہے جو ہم سے بار بار کیا جاتا ہے اور اس ضمن میں یہ باتیں بھی کہی جاتی ہیں۔

۱۔ کیا صرف اس لئے کہ معری حکمران نے الامخوان المسلمون کی تحریک کو کچل دیا اور خدا تعالیٰ نے معری کو پھانسی دے دی — آپ معری حکومت کے عظیم کاموں کو فراموش کر دیتے ہیں۔

۲۔ آپ یہ نہیں دیکھتے کہ سریز کے نویسنے اور سفر فی طاقت کے محررین کا سرطوح پامری سے مصر سے مقابلہ کیا اور یہ ایک وقت اگر بڑا فرح اور مسرت کا وقت نہ ہو؟

۳۔ کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ مصر نے اشتراکی نظام برائے کس طرح غریب کو دھکیلا، لوگوں کا معیار زندگی بلند ہوا، عوامی سپرد کام کس قدر ندر و خیر سے چل رہا ہے؟

۴۔ کیا آپ کو یہ نہیں معلوم کہ معری حکومت نے اسلام کی کتنی خدمت کی ہے، اللہ پر کامیاب بلند کیا۔ قرآن مجید کی تلاوت کے لئے سیدہ لویا ایک شعبہ کھول دیا جو ان دنوں نشر کرتا ہے، قرآن پاک کے بلاشبک سیکڑا تیار کئے، دنیا بھر میں تعلیم کئے، لائبریریوں اور دارالافتاح کی متعدد کوششیں اور ساریہ سے تمام دنیا کے مختلف علماء کو بلانے جاتے ہیں تاکہ مسئلہ نبوی کے ساتھ مل جل کر رہیں۔

۵۔ آپ معری حکمران کو برا کہتے ہیں حالانکہ وہ اپنی ذاتی حیثیت سے ایک عیسائی حکمران ہے مگر اب تک اس جنگ میں بہت سے جہس میں لغتوں کو مل کی حیثیت سے لڑا کرتا تھا، اس کے لڑکے شہیدوں پر اسکول جاتے ہیں اس نے جو کچھ کیا ہے وہ ملک و ملت کے لئے کیا ہے اس کا اپنا نہ کوئی سراہہ ہے، نہ وہ اپنا جنگ بلیس دیکھتا ہے۔

ذکرہ بالا باتیں جسے شیعہ کے ساتھ اور مختلف انداز سے بار بار دہرائی گئی ہیں جو لوگ جن نیت سے ان باتوں پر توجہ رکھتے ہیں ان کی منہیں قدم سے تھیں سے ان باتوں کا جواب پتلی گنا چاہتا ہے۔

گفتگو شروع کرنے سے پہلے اس حقیقت کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ معری حکومت یا حکمران سے جیسا یا آپ اگر محبت پرستی ہے تو رفت اس لئے کہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں وہ چلتی پھرتی ہیں یا کم از کم اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کو ان کے فہم میں پہنچا رہا ہے اور اگر نفرت سے تو اس کا سبب بھی یہی ہوتا ہے کہ ہمارے علم و دانش کے مطابق وہ اسلام دشمن اور مسلم بیزاری کی راہ پر گامزن ہیں۔ اور اگر یہ نہ ہو یعنی اسلامی اخلاقیات کا رشتہ تو ہمارے لئے معقول و مستقیم ہے یا لیسٹ اور پولیسٹ سب جابری ہیں، جہاں

معری کا نام ہے

اس کے ساتھ اس حقیقت کو بھی سامنے رکھنا چاہئے کہ ہم جن کو انسان کا پورا ٹیٹ معاملہ نہیں آتے کہ ہمارے دین کا مطالبہ ہے، اپنے عقائد

دوسروں کے دین کی بھی نگر کریں اگر اس راہ میں رکاوٹیں ہوں تو اس کو دور کرنے کی کوشش کریں رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے تمام جائز وسائل اور معروضات طریقہ اختیار کرتے رہیں یہی اگر اس کے لئے ضرورت پڑتی ہے تو ہم سیاست میں بھی مصروف ہوتے ہیں، سیاست نا پسندیدہ ہے اگر اس کے لئے عوامی سطح پر آواز اٹھے اور حرام ہے اگر دنیا طلبی اور شخصی اقتدار کے لئے ہو، لیکن اگر دین کی راہ میں رکاوٹیں دور کرنے کے لئے ہو تو بقرآن معنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم "لا یمنع منہ" ایک ایسی بڑی بات ہے جس سے ہمارے کاروبار نہیں ہے۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد سے مغربی سیاست دانوں نے مذہب اور سیاست کے درمیان تفریق کا نعروں لگایا، کلیسا کا حق کلیک کو دیا اور حکومت کا، حکومت کو، یہ بنیاد تھی مغربی طرز فکر کی، یہی اصول مسلمانوں میں رائج کرنے کی کوشش کی گئی اور آل عثمان کے زوال و دہشت کے بعد یہ ہم کانی تیز ہو گئی، مرحوم ابن شکیبہ اردکانی نے حاضر العالم اسلامی کے کوائفی میں فضل الدین عین السیاسة کے عنوان سے اس نظریہ کی تاریخ بیان کی ہے۔

تیسری بات جو سمجھ لینا چاہئے وہ یہ ہے کہ آج دہشتہ زمین پر کوئی حکومت ایسی نہیں ہے جو کسی کو بڑا پاٹ کرنے سے یا اپنے نظریہ پر اپنے وجود کا عہدہ دے سکی، گریبان ملک کو اگر آپ جیکو سلاویہ، یوگوسلاویہ، چین کے گلیچہ پر، انجیالات اور دستور پڑھیں تو آپ کو حدم ہونگا دلال گرجا۔ مسجد میں ہیں اور لوگوں کو اپنی عبادتیں اپنے طریقوں پر ادا کرنے کا حق ہے، اختلاف وہاں بھی ہے اس امر میں جسک مسلمان صرف اپنی عبادت پر اکتف نہیں کرنا چاہتے دوسروں کو بھی عبادت پر مائل کرنا چاہتے ہیں، اپنی آئینہ اسل کے لئے بھی بنو ہنس، کچھ ہیں کہ وہ عبادت کرنے والی رہے، اس کی خاطر ان کو تسلیم و تسلیم کا کام بھی کرنا پڑتا ہے، اللہ سے کوئی پڑ نہیں، دعوت کا کام تنظیم کرنا پڑتا ہے پھر وہ (یعنی مسلمان) اپنی زندگی کا ہر کام عبادت سمجھتے ہیں، دوسروں کی مدد کرنا، مسلمانوں کی سپردگی کو فکر رکھنا بھی اپنا فرض سمجھتے ہیں، ان کے سامنے ان کے رسول کی حدیث ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے ایک جسم کی مانند ہے جس کو کوئی عضو بھی درد عالم کا شکار ہے تو ہر جگہ تمام اعضاء بچیں رہتے ہیں، لہذا جو حکومتیں اسلام کی کھل کر مخالفت کرتی ہیں یا دہرہ ان پر نہ لگے دشوار کرتی ہیں اس کا سبب صرف یہی ہے کہ مسلمان خلیفہ کو پڑا تو یہ معاملہ کی سطح پر کھینچنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

ان بنیادوں کو سامنے رکھنے کے بعد آئیے مصری حکومت اور عراق کے فوجی حکمران کے سلسلہ میں جو باتیں کہی جاتی ہیں ان کا جائزہ لیں۔

مسلمانوں کو پھر سے دہرا لیجئے تاکہ حجاب سمجھنے میں آسانی ہو۔

کیا صرف اس لئے کہ مصری حکمران نے الاخوان المسلمون کی تحریک کو کچل دیا اور چند اخوانی لیڈروں کو پھانسی دے دی۔ آپ مصری حکومت کے عظیم کارناموں کو فراموش کر دیتے ہیں۔

ہم مصری حکومت کے عظیم کارناموں کو بزرگ فراموش نہیں کہ تمام عظیم کارناموں کی حقیقت تو ابھی آپ کے سامنے آئے گی، سرورست یہ عرض ہے کہ آپ یہ کہنا کہ کیا صرف "اس خلیفہ"..... یہ بڑا ٹال مٹال ہے، یہ بات بالکل اس طرح کی ہے جیسے آپ نے ہندوستان کے مسلم دشمن عناصر کے ہاتھ میں کہا جاتے کہ کیا آپ کو ان سے صرف اس لئے شکایت ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی بستیاں جلا کر خاک کر دیں، احمدیوں کا انوکھا کیا مردوں کو قتل کیا، ماؤں کی گود سے ان کے بچے چھین کر ان کے سامنے دوڑکھڑے کر دیئے..... !

الاخوان المسلمون کی تحریک پر سے شرع اسلام کے لئے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے آخری سراپا تھی، مگر کہ اسلامی ثقافت، حشرا نیت، اسلام لانے کی وجہ سے جو مرکزی حیثیت حاصل ہے وہاں یہ ایک ایسی تحریک تھی جس نے گنتی کے چند برسوں میں مذہبی انقلاب برپا کیا، جہاں کبھی لوگ مسجد میں جانے سے شرماتے تھے، وہاں انھوں نے ان کی تبلیغ کی یہ دولت کھیل کے میدانوں میں تھا، یہ جماعت ہونے لگی، جہاں کی مخالفت مغرب کی مخالفت سے باز کی گئی وہاں ہی اور عطا کا چلن شروع ہو گیا ہو، جہاں مسجد و خانقاہ کے داعیوں بھی، آئندہ امتوں کے ذکر کرتے ہوئے شرماتے ہیں اور اجرت و روزہ کے ذریعہ ان کو غیر منطقی بات نظر آتی ہے، اس کی تائیدیں کر کے اپنی قابلیت اور دشمن خیالی کا کچھ بٹھانا چاہتے ہیں وہاں کالج کے طلبہ کو پایا جاتا ہو شرع ہوا سے بے تاب ہیں اور فلسفین کی جنگ میں جاتے ہوئے یہ کہہ رہے ہوں کہ یہیں کی شکلی چھوڑ کر اس لئے جا رہا ہوں کہ وہاں میری منتظر ہیں یہ مصر جس کی

حاجت خدا ہی کی نہ ہانی صلاحتہ الا فتاویٰ و اسناد و محدث کے ہمیں گردش کرنے والی مصافحت و لفظی ترجمہ چونکہ شرمناک اور خلاف تہذیب احساس نہیں ہو گیا، ہر روز نئی اور عریض رسالوں کی فروخت کم ہو چلتے اور مذہبی مسائل پہنے لگیں، جہاں جیسی ناول لکھنے والے مجدد ہوں کہ وہ خطا راستہ بناؤ، بدین اسلام کی سیرتیں لکھیں، کیرل کا ہندو کی مانگ ہی ہو گئی تھی، جس طرح کہ پادریوں میں محمد بظاہر نئی اور ساری حکومت نے نامیق بن احمد فواد رسالت والی اہم و فیلو کر لیا ہے، کیونکہ ان کی پانچ سو سالہ کاوشوں پر پانی پھر رہا تھا، جس جماعت نے مثبت ثابت کے خلاف جہاد کی تیاری کی ہو، اس جماعت کو کچھ دینا "عرف" بہ سمری بات ہے، وہ بھی ایک مسلمان کے نزدیک؟ یہ پورے شرق وسطیٰ اور تمام عرب ممالک کی دینی نشاۃ ثانیہ کو بچانسی دینے کے مراد ہے۔

خوانی شہادہ۔۔۔ جن کی صحیح فقہاء حضرت اند کو معلوم ہے مگر جن کو علانیہ اور ایک عدالتی ڈرامہ کر کے تبہ کیے گئے، وہ صرف مقرر کے نہیں، لہٰذا سے عالم اسلام کی امانت تھی، شیخ محمد القادری مجددہ جیسا فاضل قانون دان مدد مذہب میں پیدا ہوتا، شیخ فرحانی وہ شخص ہے کہ بظاہر نئی سفارت کا زندہ مردہ لائے والے کے لئے پچاس ہزار پونڈ مصری کا انعام دے رہا تھا، سید قطب، محمد قطب، احسان کی دو بہنیں، چچا خاندان کیوں بید دی عقل کی یا، سید قطب جن کی تحریروں نے لیجنڈ دی، جوش اور ایمانی زندگی لوگوں کے اندر پیدا کی تھی جو کبھی مولانا آزاد نے اہمال اللہ البتہ راج کے زمانہ میں پیدا کی تھے، شکوہ یہ تھا کہ دس سال کی سسٹن قید با مشقت کے باوجود ان کے نقطہ نظر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، تین سال کے لئے ان کو قید با مشقت سے قید میں رہا، کھانا، تصنیف و تالیف کا بھی موقعہ دیا گیا، مگر وہ ان ملامت خسرانہ کے باوجود وہ اشتراکی نظام حیات کی اسلام پر ترجیح دینے اور علیٰ جہاں بہادری کی مدح و تعریف کی تھی تیار نہیں ہوئے، اس کے بعد قید و باز ایک سال تک در عبد السلام حائف مرحوم کی سفارش پر مہربان سے باہر بھی کھینچا گیا، جب کہ وہ بہادری کی وجہ سے نفق و مکر سے مجبور تھے مگر پھر بھی ان کی تحریریں ان کے عقیدے کی ترجمان رہیں، یہ کیا بغاوت کہ تھی کہ ان کی تحریروں سے ایسا جن جن تیار رہا ہے جو اسلام کی اشتراکیت پر ترجیح دیتا ہے، آج ہندوستان میں شیخ عبد اللہ کے بارے میں متعدد بار ہندوستانی حکام کا یہ جملہ سنایا گیا ہے کہ ان کے لئے شکریہ کی تبدیلی نہیں ہوئی ہے اس لئے ان کو چھوڑا نہیں جاسکتا، ان حکام کی سخیں سرسبز نظر آتے ہیں لیکن یہ حکام پھر بھی جمہوری قدروں پر ایمان رکھتے ہیں، وہ ان جرم میں شیخ عبد اللہ کو بچانسی نہیں دے رہے ہیں، قید میں بھی سیاسی مدد کی ہے جس میں جہاں ان کی تہذیب نہیں ہوئی، پھر بھی آپ اس کو غلطانہ جائزہ دیتے ہیں اس سے مراد نہ کہ لیجے، حتمہ عرب جمہوریت کے مستند آدمی نظام کو اگر مزید جمہوری اصولی پر کھنکھاتے ہو تو میں سفارش کروں گا کہ آپ اپنی کے فاضل قانون دان داخلی عدلیہ میں اس کا وہ ضمن میں پڑھیں جو اکثر برسرِ شمشاد کی ہے، یا کوئی ادارہ حکومتیں شائع ہر ماہ ادبیہ و فنی رہے کہ قاضی صاحب کو صرف صدہ سال عبد اللہ امر کے ایک ہیست مدد دیا ہے، دوسرا "دلی ہیر سونیکہ" تو میا نے ایک سطر کی جملوں کو شکست دینے کے بارے میں کہا جاتا ہے اور جس کو عظیم کارناموں میں سے کہنا زیادہ بڑا کارنامہ دے عظیم تر بتایا جاتا ہے۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اگر یہ کوئی کارنامہ ہے تو اس کا "کریڈٹ" مصری حکمران کو میں بلکہ دوس کو جاتا ہے جس کی دانتنگ نے برطانیہ کا حتمہ کا تھا، یہ بات محض پوچھ گچھ اور سفید جھوٹ ہے کہ مصری فوج نے ہمیں بھی بظاہر نئی فوج کا مقابلہ کیا تھا، بظاہر نئی فوج اپنی جیب کا دواں خیموں اور اسلحوں سمیت چھڑوں کے فیلو پلٹے سفید پارتی اور کافی دن تک قابض رہی مصری فوج ان کو خواہش تک پہنچا سکی، صحابی کونسن کی تجویز اور دلی رائے ہمارے کے دباؤ سے وہ واپس گئے، اسرائیل کو اس حملہ سے تین ہفتے نڈے نڈے ہوئے۔

۱۔ علیٰ عقوبت پر اسرائیل کا قبضہ ہو گیا جس سے اقتصاد کی ناگہنکدہ ہینڈ کے لئے خم ہو گئی اور عربوں کے ساتھ سے ہیر سونیکہ بعد دوسرے وجہ کہ سب سے کم آبی شہرہ نکل گئی۔

۲۔ غزہ میں اسرائیل کی حفاظت کے لئے بین الاقوامی فوج تعینات کر دی گئی کہ اگر آئندہ بھی کبھی مصر میں ایسی حکومت قائم ہو جو دافعی اسرائیل کی دشمنی پر آمادہ و توجہ نہ کر سکے۔

۳۔ ہیر سونیکہ سے ہر ملک کے جہاز گزرتے ہیں جس میں اسرائیل بھی شامل ہے۔ یہ ایک بین الاقوامی معاہدہ ہے جو مقرر نے اقامت سے کیا ہے۔

۴۔ غزہ اسرائیل اور اسرائیل کا مقصد اس حملہ سے مصر بغیر کرنا نہیں تھا بلکہ اسرائیل کے لئے زیارت کا کچھ سامان فراہم کرنا تھا، اسرائیلی قیدیوں کو کھانا بچا رہا،

تاتم ہا، قرآن کا سب سے بڑا گھڑہ تم کی گیا۔ قرآنِ شہادت کے چاٹک سب کا لکھو تقسیم کئے گئے۔ مقررہ الجھٹ الاسلامیاد و مقررہ مادی کے جسے کئے گئے۔

اگر یہاں بندہ نہ تھے کہ مطلب دعویٰ کی بلندی نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات اور اس کی روح کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے امکانات کی بلندی ہے تو اس لحاظ سے کہ اس کی زیادہ پست ہوگی ہے، غرض تعلیم نے رہا تھا اور یہی ختم کر دیا، افسانہ کے علمائے کام کا کام اور مدبر تصانیف پیش کرنا، اور اس کے ساتھ فاعری میں سب سے زیادہ کرنے کے علاوہ کہ نہیں رہ گیا ہے آج وہ اشتراکیت کے عین اسلام پرست کا کٹھن دے ہے یہ کہ کل یہی علماء تھے جو فاضل بنو علی محمد متوکل میں مطلب اللسان تھے، ان کو مطلب اپنے غریب اندر خواہے ہے، کبھی ان میں رہی محبت و غیرت، امجری؟ منکر اس کی کبھی انہوں نے اعتقاد نہ رکھا ہی کرتے کی محبت کا؟ کھلے نبیل قرین کا جواب ہی نہیں دے سکے جب کہ صدیوں عبداللہ بن عمر پر سرور عام ۱۹۵۶ء میں انگلینڈ میں قتل کیا گیا تھا۔ علماء جن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”مجھے ان رجال الدین (علماء) سے کیا امید ہو سکتی ہے ان کے لئے ایک دیک مدی (مرض مدی) کافی ہے“

سائنس اور دینی عقائد کے درمیان جو تضاد ہے، اگر حکومت اسلامی نہ ہو تو اس تضاد کو حل کرنے کے لیے کسی اور حکومت کا انتظام کرنا ضروری ہے۔ اگر حکومت اسلامی نہ ہو تو اس تضاد کو حل کرنے کے لیے کسی اور حکومت کا انتظام کرنا ضروری ہے۔

یہی حال تلاوتِ شکر کے لئے ہے، آپ کو معلوم ہے کہ فی باقی لندن سے انگلستان کو سفر پر دو گرام ہوتا ہے، اللہ پر دو گرام کا، نتائج قرآن مجید ہوتا ہے، دنیا میں جہاں جہاں ریڈیو سے عربی پر دو گرام ہوتا ہے خواہ مسکو ہو، یا واشنگٹن ہو، یا چین ہو، ہر جگہ سے تلاوتیں شکر ہوتی ہیں، اگر مقصد دعوتِ اہلِ توحید دینِ پیش نظر نہیں ہے تو ایسی تلاوت سے فائدہ؟ حدیثِ نبوی میں آیا ہے: رَبَّنَا تِلْكَ الْقُرْآنُ وَالْقُرْآنُ بِالْعِلْمِ قرآن کی تلاوت کرنے والوں میں کچھ ایسے بھی ہیں کہ وہ قرآن پڑھتے ہیں اس قدر ان پر محنت کرتا ہے۔

موترسا ہی اور مرقا البوٹ الاسلام کے بارے میں پہلے تو یہ سنتے کہ اول ملکز کیسائی شاہ محمد و مرحوم علامہ محمد اودھدنتہ ہر کے اشتراک اند سرور بن عبدالعزیز کی تحریک سے جہان میں قائم ہوئی تھی اور اس کے سیکریٹری افراد اوقات بنائے گئے تھے و ستودے ایک بین بھیل روس لاکھم کا ابتدائی چندہ دیا تھا، اس کا مرکز تاتہرو بنایا گیا، یہ مقررہ سال تک جادہ تھا۔ سو ترکہ طرف سے چند طلبہ کو وظائف دئے اور چند مدرسین انہر کو بیرونی ملک میں عربی پڑھانے کے لئے بھیجا گیا، اب جبکہ رابطہ عالم اسلامی کا قیام عمل میں آیا تو اس کی خدمت میں اس کا احیاء کیا گیا ہے۔ جس کی حیثیت مسجد خضراء سے زیادہ نہیں ہے۔ وزارت الاوقات نے ایک شعبہ البحوث الاسلام قائم کیا تھا تاکہ مربوطہ حالات میں فقہی مسائل پر از سر نو رد کیا جائے۔ مثلاً، مکمل کا استعمال، ہوائی جہاز پر سناڑ، مردے کی آنکھ کا استعمال، انٹرنس وغیرہ وغیرہ جو مقصد کے لئے مجلس تحقیقات تخریج کا قیام ہندوستان میں اس کانفرنس سے دوسرا پہلا عمل میں آچکا تھا۔ اس کانفرنس کی کارستانیوں مہری علماء کی تحقیقات پر مشتمل تھیں، سمائے کلام کی ضیافتیں خوب خوب کی گئیں، انہیں سیر کرائی گئی اور صدیوں بعد جان لیا جانے والے ایک ایک علموی کا قسبہ کیا گیا۔ اس کانفرنس کا مقرر اسلامی کی کانفرنس کا مسئلہ نوز کے اجتماع کی سائنس سے بالکل تعلق نہ تھا اس کو سیاسیات اور مصلحتوں کے اندوخی معاملات، کہ کہیے دہل کر دیا گیا، نیز یہاں اگر یہ کام کچھ وزن رکھتا ہے تو ہمیں اس سے انکار نہیں، مگر اس طرح کی اصلاح سے معیہ مخلصانہ کوشتیں اناس اور ہر طرح کی تفریق کے باوجود ہندوستان تک میں جو رہا ہیں، پاکستان میں آئے دن بین الاقوامی کانفرنسیں اجتماع العلماء، برتنے رہے جن سے دین کی وضاحت ہوتی رہا معلوم ہے !

آخری سوال یہ ہے کہ مصری حکمران کی زندگی میں جو ساوگی پائی جاتی ہے وہ قابل ستائش ہے۔

بجائے ان غلوں ہے، اس حد تک ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ بھی جانتے ہیں کہ الیہیہ ازمیں کاساتھ بننا اب بے فربہ نئی نئی ہو چکا ہے اور

غزل کی صحت مند قدسوں کا آئینہ وار

ذوقِ جمال

از: عزیز چشتی

جس کی غزلوں میں زخموں سے چمن کھلنے اور اشکوں سے چراغاں کرنے کا انداز ملتا ہے —
کتابت و طباعت: سید احمد رضا — کاغذ: مسودہ ۱، جلد
مہر رنگین گرد و شمس — قیمت: صرف ۳ روپے
مطبع: کاپتہ

سیدہ اختر - اردو سماج - جامعہ نگر - نئی دہلی ۲۵

مہجوری کے کبرویں سے ہاتھیں مٹھنے کے پاس قالین سے لٹھائیں
مدینہ کی بیڑیوں سے گشتگر، مارنگلی کی یہ بھی کہانی کہتے ہیں صحن
بھی مدنا ہے تارین کو بھی نہ لانا ہے۔

سفرِ حج

الفاظ کا جادو نہیں دل کی دھڑکنیں ہیں، مازین بچ کے لئے پیر
حاجی صاحبان کے دل کی آواز، نبی اللہ کے وضع فرمیں و بات اور
کعبۃ اللہ پر انوار و تجلیات کے سب سے بڑی سمن کی میج عکاسی -
ہدیہ تین روپے
مطبع: کاپتہ

الاج فخریدہ قمری نفا، شیرشا، کالونی کراچی ۲۵

ماہنامہ نگار پاکستان کا سالنامہ ۱۹۶۶ء

اصنافِ ادب نمبر

وہرو باہیں شائع ہوتا ہے جس میں داستان، ناول، مائند، نظامہ،
سوانح نگاری، تنقید، انشائیہ، پہلے سنی، خطوط، علمی، طنز و مزاح اور
حاکم نگاری کے نئی و نئی ارتقا پر اہل علم کی بحث و مباحثہ ہوتا ہے۔
صفحات تقریباً ۱۵۰ — قیمت تین روپے
تعمین و تصنیف: نوری
تقریباً بکسٹن یا منہ زبانی پتہ سے طلب کریں۔

ماہنامہ نگار پاکستان

۲۶ گارڈن مارکیٹ - کراچی ۳

نظریہ انتخاب

ہر کسی نظریہ تاریخی اور زیادہ نوجو ہے۔ یہ نظریہ اس مغرور غریب مبنی ہے کہ اقتصادی حالات ہی وہ اصل عامل ہیں جو انسان کی تعمیر و تشکیل کرتے ہیں۔ مذہب جس زمانے میں پیدا ہوا وہ جاگروادی دور ہے۔ ہر دوری نظام کا زمانہ قابلہ ہے۔ جاگرواد کا اندر سرائیہ ہر دوری نظام اقتصاد اور لوٹ کھسوٹ کا نظام ہے۔ اس لئے اس کے وہ بیان پیدا ہونے والے اخلاقی و مذہبی کھسوات ہی جتنی طور پر اپنے ماحول پر کام کر رہے ہوں گے وہ رت کھسوات کے نظریات ہوں گے۔ مگر یہ نظریہ علمی حیثیت سے کوئی قدر رکھتا ہے اور نہ تجزیہ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

یہ نظریہ انسانی مادہ کی بالکل نفی کر دیتا ہے اور اس کو صرف ماحولی حالات کی پیداوار قرار دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کی کوئی سچی نہیں جس طرح حیران کے کارخانے میں مادیان ڈھنچے میں ایسی طرح آدمی کو اپنے ماحول کے کارخانے میں ڈھنچے دھانگ سے سوچ کر کوئی کام نہیں کرتا۔ بلکہ جو کچھ کرتا ہے اس کے مطابق ہوتے ہیں۔ اگر یہ نظریہ درست ہو تو ہمیں ہر سرائیہ مادہ کا نظام کے اندر پیدا ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ اس طرح ممکن ہو گا کہ اپنے وقت کے ماحول کے حالات سے مطابقت رکھے۔ کیا اس نے زمین کا ماحول پر جان کر کیا تھا۔ اگر مذہب کو پیدا کرنے والی ہر وقت کا اقتصادی نظام ہے تو آخر مذہب کی ہر وقت کے اقتصادی نظام کی پیداوار کیوں نہیں ہے۔ مذہب کی ہر وقت کا مرکز و کسم پوس نہیں ہے۔ وہی حیثیت اس کے اپنے لئے کس طرح جائز ہوگی۔ حیثیت یہ ہے کہ یہ نظریہ اشتعال انگیز حرکت لے رہا ہے اس کے پیچھے کوئی ایسی علمی اور عقلی وسوسہ موجود نہیں۔

تجزیہ یہ ہے جسے اس نظریہ کی عقلی داغ جو چٹکی ہے۔ روس کی مثال اس کو کچھ کہنے کے قابل ہے جو ان قسم پر آدمی صدیوں سے اس نظریہ کو انکس غلبہ حاصل ہے۔ اعلیٰ ترین حدت سے زیادہ مسترد ہو چکا ہے۔ ہر دور کے آدمی کے حالات بدل گئے ہیں، وہ ان کا نظام پیداوار اور نظام تقسیم وراثت سب غیر سرائیہ نظام پر چکا ہے۔ انسان کے ہر دور کے لیے خود مدد کی زندگی کی طرف سے تسلیم کیا گیا ہے۔ چونکہ انسان کے زمانہ حکومت میں مادیان کے اندر ہر دور کا نظام بدل چکا تھا اور علوم کا اس طرح اتھار کیا جا رہا تھا جیسے سرائیہ لہذا ان کو ان میں پرانا ہے۔ اور اس حقیقت کو سامنے رکھا ہے کہ روس میں پرین پر حکومت کا ممکن کرنے والے جو لوگ اس کے لئے یہ ممکن ہو سکا کہ وہ اپنے نظم کھانا خفایا کو دنیا کے سامنے بدل دیا۔ ان کے نام سے شہر کر کے اور پرین کا یہی گزروں اب بھی وہاں جاری ہے۔ تو یہ بات یہ بتا دیتی ہے کہ اگرچہ جو خوب صورت پیدا ہو گئے تھے اس میں نظریہ روس کے مادہ دی سب کچھ ہر دور کے انسان کے لئے نہیں ہوتا تھا۔ مدد کی کوشش اس کی سیر پر کاگوں و فروری ۱۹۵۶ء نے انسان کے نظام کا انکشاف کیا تھا۔ اس کے بعد اگرچہ ان کی چاندی پر کاگوں نے خود شہر کے اندر کا زمانہ فاش کر کے اس میں ہر گوارا سمجھنے کی کوئی بات نہ ہو گئی تھی۔ آدمی صدیوں کے اس تجزیہ سے بے خبر ہو گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح ہر دور کے مادہ اور تبادلہ کی نام نہاد تہذیب سے انسان نہیں بدل جاتا۔ اگر انسانی ذہن نظریہ پیداوار کا تابع ہوتا اور اس کے مطابق حیثیت پیدا ہو کر یہ تو فزکس کی حیرت میں علم اقتصاد کی تو نسبت میں جتنی طور پر پیدا نہیں ہوتی چاہئے تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر دور کے علم اقتصاد کا مادہ انسانی ذہن کا علمی مضبوط (Scientific Sophism) ہے۔ ان کے مادہ کے نہیں انسان نہ دیکھ سکتا ہے۔ حقیقت صرف یہ ہے کہ۔ کہیں کی کہیں ان کا مادہ انسانی ذہن کا ہے۔ یہ ہے کہ واقعات کا مطالعہ کرنے کے لیے علمی طریق اختیار کیا جاتا ہے۔ مگر علمی طریق جس کی طرف اشارہ ہونے کے لیے یہ ہے کہ انسان کی سب سے پہلی دنیا کا مادہ کے ساتھ ہر دور کی پہلوئی کو خود کھانا انڈیا ہے۔ مثلاً آدمی ان کے علمی حیرت پر علمی طریق کو زور دیا جاتا ہے کہ وہ اپنا علمی ہر دور کے مادہ و ماحول کے ساتھ شہر کی کچھ سرائیہ کا علم پیدا کر لیتے ہیں۔ اور پیداوار کی

ہماری نظر میں

مکتوب ہفتی از حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ :- مولانا محمد حنیف ندوی، غمامت ۳۶ صفحات (دختر نامہ) ۱۹۸۷ء
 ویز کاغذ قیمت ایک روپیہ کلاس پیسے طے کاغذ :- امانت شرافت اسلامیہ، کلب ریلو، لاہور

آفتاب اکبر بن عبدالعزیز بن محمد المصطفیٰ کو قی صاحب ہوں گے، جن کو حضرت شاہ ولی اللہ سے عقیدت اور اُن کے علم و لغت پر اعتماد تھا، ابن صاحب نے رحمت اللہ علیہ اور رحمت الشہرہ کے ہاں سے ابن شاہ صاحب سے دریافت کیا، انا صاحب نے اس کے جواب میں یہ کہہ کر غریب خط لکھا جسے مولانا محمد سعید حنیف ندوی صاحب نے اُس وقت میں منتقل فرمایا۔ یہ مباحث بڑے نازک اور دقیق ہیں، مولانا ندوی کے تجربہ علی اندیشہ نگاری کا کرشمہ ہے کہ جو کچھ اس قصہ صاف منطقی و دقیق معانی کا حامل ہے اُسے اندوکالیاب سیرت ولی اللہ میں نہ دیا، جس میں کہیں جھول نظمیں نہیں آتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی ذات شریعت و طریقت کے علوم کا گنجینہ ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں عظیمی درجات اور بصیرت عطا فرمائی تھی، یہاں تک کہ جس کو فرعون پرست مٹا دیا تھا اُس کا جی ادا کر دیتے ہیں، ان تمام کائنات کے ساتھ اُن کی کتابیں معلومات والہ اور نمکات و لطائف کا مالہ نامزد بھی ہیں اور مشکل بھی ہیں، جن میں گل و لاله اور حاشا حاشا کر کے لکھا ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے اگر کسی مخالفہ میں بعض امور فقہیہ و تربیتی نہ پا کر ہرگز قرآن کی نہایت محبت نہ کر اور تعظیہ الہدین کی صلاحت و بصیرت سے جو طور پر توفیق کی جا سکتی تھی کہ وہ شیخ محمد الدین ابن عربی پر تنقید کر کے مخالفی میں سے کبھی پیش پیش نہ ہوں گے۔ ان کا احوال اور خاندان کے احوال کا یہ اثر تھا کہ وہ شیخ کبر کے فلسفہ وحدت اور ہر کے مہیا اشارے کی حیثیت سے جاننے پہچانے نہ جانتے تھے !

عجیب بات ہے کہ حضرت محمد اہل بیت ثانی عیسیٰ بن مریم علیہ السلام "وعدت الوجود" کو غلط فہم سے لے کر اس کے معنی چلیں۔ "وعدت
الشہر وکوش کرتے ہیں، اگر حضرت شاہ ولی اللہ محدث نے ثابت کر دیا کہ کئی نسل کی بچہ شیخ اکبر اور حضرت محمد مصطفیٰ ایک جیسی بات ہی ہے، ان
دونوں کے ناموں میں اختلاف اور ٹکراؤ نہیں ہے؛ وہ فرما تھیں ۔۔۔

”غلامہ بحث یہ ہے کہ یہ کہاں کہ حقائق ممکنات و حاصل عکس و ظہول ہیں، ہر احوال متغایہ ہیں ہر قسم

پند یہ ہے کہ کسی طرح بھی فیخ ابن اعرابی کا تصریحات کے خلاف نہیں * (ص ۳۰)

کوئی تنگ نہیں اپنے اس کتب میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مقبول المعنی ثابت کر نہیں کمال صبر کی زبانت اور بابیک حتی کا ثمت زیادہ انگڑا سہی بخیر کے یاد رکھو ان کے ذہن میں یہ کھٹکاتی رہی ہے کہ ۔

باقی یہ بات کہ حضرت محمد نے شیخ العربی اہل اس کے بعض اتباع کے اقوال کو اپنے وہاں کے خلاف

عسور کیا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ ایک ایسی غرض ہے جس کا کشف کی غرض سے کوئی تعلق نہیں۔

وَمِنْهُمْ

میں شاہ محمد اسحق نبیب شاہ عبدالعزیز کے چھوٹے بھائی شاہ محمد نعیم (دہلوی) مہاجر کی فوت ہوئے تھے :

اور

محمد طاہر سرتی بیان کر لانا ناظر احسن گیدڑی نے شاہ عبدالغفار شاہ آبادی روفاٹ ۱۹۸۸ء کی اولاد لکھا ہے جو چھ نہیں ہے ان انتسابات سے انشاء نگار یا جاسکتا ہے کہ فاضل تذکرہ نگار مسین روفاٹ سے کسی نسب یا خرم میں اندر آن کا سلسلہ لکھنا کسبج ہے :
یہ کتاب تذکرہ نگار کی کا اچھا نمونہ ہے۔ محترم محمد علی باب نادری صاحب نے تذکرہ نگار کی صفت میں اپنا مقام پیدا کر لیا ہے :
از ۱۔ ڈاکٹر مصدقہ آہ۔ صفحات ۱۰۸ صفحات درجہ ۴ قیمت ۱۰ روپے

امیر خسرو بہ حیثیت ہندی شاعر

ملنے کا پتہ۔ علی باب نادری، محمد علی روڈ، ممبئی ۴۰

جناب ڈاکٹر مصدقہ آہ اردو زبان کے خاکے شہرہ آفاق تذکرہ نگار ہیں ان کی اس کتاب کا موضوع حضرت امیر خسرو کی ہندی شاعری ہے : کتاب کے بعض ہم عنوانیات :
خسرو کا ہندی کلام کیوں ضائع ہوا ؟ — خسرو کے کلام میں شاعری کی — خالق باری — محمد مشیر فی اور خالق باری —
شیرازی صاحب کے خطا اعتراضات — خسرو کے ہندی کلام کے متعلق تعینات —
کوئی تذکرہ نہیں اپنے موضوع پر یہ کتاب خوب ہے اس کا بھی تحقیق کما حقہ مرتب کی گئی ہے : ڈاکٹر مصدقہ آہ نے لکھا ہے :
"خسرو کی مادہ کی زبان گو دہلوی کا ہندو کی کہنا چاہیے"
ایچو کے بعض دہے اور انھیں جو ان سے منسوب ہو گئی ہیں، فیاض تذکرہ نگار نے اس غلط انتساب کی تصحیح فرمائی ہے مثلاً :
نیکسا ہو کر میں ذلی ساقی تیرا جاؤ
منجھ خطہ جہم گرا تیرے لیکن چہاؤ
ڈاکٹر صاحب اس دوہے کا موضوع انتساب صحیح نہیں سمجھتے،
ایچو کے اس شہرہ دوہے —

گوری سروے سیچ پر لکھ پر ڈارے کیس

چل کھرو گھر آچنے سانجھ بھنی چو لیس

کے بارے میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ "کاتب نے اسے ناقص اور نامزد بنا دیا ہے" اس کا سبب یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے نہ جانے کس کتاب میں یہ دوہے کی جگہ پر لکھا، جس کی وجہ سے معروف ادبی نامزدوں پر لکھا : "دوسرے معروف میں" سانجھ بھنی کی بجائے ڈاکٹر صاحب نے "سانجھ بھنی" لکھا ہے :
شخص الٹا قادیانے آدھو پیہ میں یہ غزل :
خوارشدم نار شددم لٹ گیا
دغم جہم تو کر فوٹہ ہے
بار نہیں دیکھتا ہے سوئے من
پر گناہ ہم ساتھ مجبے دھڑ ہے

میں کہیں کہیں کتاب کی غلطی کا سبب یہ تین لکھتے ہیں تاہم ہر ایک ہے مثلاً ۱۸۶۳ء کی جگہ ۱۸۶۳ء چھپ گیا (ص ۵۵)

خسرو سے منسوب کی ہے، ڈاکٹر مصدقہ آؤ نے اس پر سخت گرفت کی، فرماتے ہیں: —
”یہ غزل کا بے کوسخسہ پن ہے“

خاقانی کو ڈاکٹر صاحب موصوف امیر خسرو کی کتاب پر شک کرتے ہیں، اور یہ وینڈر شیلڈی کی سائے کی بجائے وزن سمجھتے ہیں۔
مجموعہ وینڈر شیلڈی نے بڑی کوشش اور کاوش سے ایک کتاب خاقانی پر لکھی ہے جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مشہور معروف ہندی نظم خاقانی باری امیر خسرو کی تصنیف نہیں ہے، میں شیرانی صاحب کی نکتہ رسی کا بدلہ دیتے ہوں، لیکن ان کی اس تصنیف میں محققانہ نکتہ نخبی سے زیادہ اپنے مفروضہ نظر پر کے لئے توجہ تڑا شی گئی ہے۔۔۔۔۔

اور

”جرت ہے کہ ایسے جمول الحیثیت لکھنے کو اپنے نظریے کی بنیاد بنا کر شیرانی صاحب نے خاقانی باری کو اس لئے کی تصنیف قرار دیا ہے اس واسطے کہ مصنف کا نام ضیا سالدین خسرو مان گارشا دفریابا ہے کہ تپاس اسی کی وجہ سے یہ کتاب امیر خسرو کے نام سے شہرہ ہو گئی ہے“

سات سو سال کی تحریک کاری (دس ۵) ”تخریب کے ساتھ“ کاری ”ناپید معلوم ہوتا ہے۔“ خسرو کی ہندی شاعری تو ایک طرف، ان کی فارسی شاعری پر ابھی تک کوئی فاضلہ معقول امدادیں نہیں لکھا گیا (دس ۸۹) ڈاکٹر مصدقہ آؤ نے قسم سے اس عبارت کو پڑھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ ”شعر العجم“ ان کی نگاہ سے نہیں گزری، علامہ شبلی نعمانی نے امیر خسرو کی فارسی شاعری پر جو مضمون لکھا ہے وہ زبان و ادب کا شاہکار ہے۔
”پیشانی دہلی سے زیادہ درد نہیں“ (دس ۸) تبہ پیشانی، دہلی سے کم از کم سو سال سے ہے ”زیادہ درد نہیں“ تو کسی طرح نہیں کہا جا سکتا ان یادہ سے زیادہ بلند شعرا میں سے کہ کوئی کہہ سکتے ہیں کہ دہلی سے زیادہ تصنیف ہیں۔
ڈاکٹر مصدقہ آؤ اس کتاب پر غلطی دنیا کی طرف سے تہرک۔ تحقیق کے تحت ہیں، اپنی استطاعت کی حد تک انہوں نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے

اور ————— حکیم گلپش کرنا، فصاحت ۲۰۸ صفحات،
ادب اردو لکھے کا پتہ: — اردو مشن، گلپش والی، ملتان۔

اس کتاب کے چند اہر اب: —

تلفظ کا معیار — اردو جمع — تلفظ کی خطا ہاں — خطوط ترکیبیں — مذمو و ای و ای و رے — کہ و ہیں —
نہیں — مذکر و مؤنث — بعض فقرات کی نئی تحقیق — اصلاح سازی —
جناب حکیم گلپش کرنا نے بڑی محنت اور کاوش و تحقیق کے ساتھ اپنی اس کتاب کو مرتب فرمایا ہے، ان کی یہ تصنیف، اس کی شہرت دینی ہے کہ حکیم صاحب موصوف زبان و ادب میں کتنی بصیرت رکھتے ہیں، ان کی نگاہ کس قدر تدقیق ہے اور دوسرے ہے اور امداد معقول کا انہوں نے ہر سطح سے مطالعہ کیا ہے۔

ان واقعات سے لوگوں کو جرت حاصل کرنی چاہیے کہ کچھ اردو کا نام ادا کبھی اس کا خط بدلنے کا شوق نہ

پھرتے رہتے ہیں۔

حکیم صاحب کی یہ رائے کتنی صاحب امداد معقول ہے!

کسی صاحب نے ”لاپتہ“ کی بجائے ”پہنہ“ تجویز کیا، گلپش صاحب نے اس رائے کی غلطی واضح کی کہ —

۔ حالانکہ دونوں میں بڑا فرق ہے، "جیتہ خط" کے معنی ہیں، "جس خط پر جیتہ نہ ہو" اور "لاپتہ خط" کا

مطلب ہے، جو خط گم ہو گیا ہو۔

تیار فقیہ کی ہے، "تیار کے مقابلہ میں، "طیار کو ترجیح دی اور اسے صحیح ترتیباً، "فاصل معصوف" تیار کے معنی میں ہیں، انسان کی سائے درست ہے۔
جوش ملیح آبادی نے اپنی نظم "خبردار" کے اس شعر پر۔

تو اسے بھی تیز ہے یہ ماہ پر خطر

یہاں دھنسا ہوا نہ گندہ کپڑا ہے

نئے نوٹ لکھا۔ "میرے نزدیک قلب اصناف کے ساتھ میچ ہے، پیچھے صاحب دل وغیرہ۔" اس پر کہیں صاحب نے گرفت فرمائی۔

"بیرت ہے کہ کپڑا طوطا اصناف ہی نہیں ہے، پھر رنگ اصناف کپڑا طوطا کے کیا معنی؟ ہم نے آج تک

پل صراط پر اصناف لام نہ سنا نہ پڑھا۔"

لاق معصفت کی سائے میں دوسری زبانوں کے شہرنا مولیٰ میں تصرف جاتے نہیں، مثلاً اکیدی کو اکادی، ڈانٹے کو دانٹے، بیٹھے
بیٹھے یا لٹھے، آلائش کو اٹلاشک اور ویش نام کو ویش نام بنا دینے سے یہ الفاظ غریب اور بے ہنگم ہو جاتے ہیں۔

حکیم کہیں نے اسلوب بان کے بعض مشاہیر پر اس قسم کی غسریوں کے نمونے دکھ کر بتایا ہے کہ ان سے بھی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں، مثلاً
علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں،

"اور اسے مطلب میں عظیم ان بن غلطیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔"

کہیں صاحب اس غلطی کی نشان دہی فرماتے ہیں،

"عظیم ان ہمیشہ اچھے معنی اور اچھے کام کے لئے آتا ہے۔ عظیم ان کا معنی تو کہہ سکتے ہیں عظیم ان کا لفظ

نہیں کہہ سکتے بلکہ بہت مدت یا سخت ناکامی کہیں گے نیز پیدا کا لفظ بھی "حشر" ہے۔

نامہ ہارنہ بان کی مثال دیتے ہوئے، لکھتے ہیں،

جوش ملیح آبادی کی نظم،

"جس کا وجود غنہ و شہیت تھا وہ حسین

کا مہر ہے،

سہ جس سورما کا اسم گرامی حسین ہے

"جس سورما کا اسم گرامی بہت نامہورانہ بان ہے۔ سورما چھو سا خوں کے لئے مناسب اندرمان مجاہدین

کے لئے نامناسب ہے، اسم گرامی کا ہم مزاج، "تج ندن" وغیرہ ہو سکتا تھا۔

سہ اس تج ندن کا اسم گرامی حسین ہے۔"

اس نوع کی تمام تنقیدیں صحابہ بڑی خوش ذوق کا شہرت دیا ہے، مگر ان کے ذوق شعری میں یہ شہرت گہجی بھی نظر آتی کہ دہرائے

انہیں کہ ان مقبولوں میں،

سہ فرمایا میں حسین علیہ السلام ہوں (دبیر)

سہ ملائے سر جھکا کے کہا میں حسین ہوں (دائیں)

انہیں تبیلا مہر بہتر معلوم ہوتا ہے، حالانکہ صرف علامہ شبلی بلکہ تمام اصحاب ذوق کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ انہیں کے مدعو یا پورے شعور کے مقابلہ

میں دبیر کا معرکہ یا شعر انتہائی پست ہے! انیس کا یہ شعر —

یہ تو نہیں کہا کہ مستحقین ہوں
مولا نے سر جھکا کے کہا میں عین ہوں

شاعری کی مساجد ہے :

دبیر — رویا میں بھی حسین کو رویا ہی کرتے ہیں

انیس — حسرت ہے کہ خواب میں بھی رویا کیجئے

”دبیر کا معرکہ واضح اور پست ہے۔ یہ کچھ نہیں صاحب کی رائے ہے، حالانکہ ”رویاعین مدنا“ یہ آئینہ بانی ہی نہیں ہے۔ خواب میں مدنا، کچھ نہاں ہے، اس طرح ”دوویں کون برتا ہے — کہ میں نے تیار دیکھا تھا —“ یا ”میں کل رات رویا میں روتا رہا“

انیس — آنکھوں میں یوں پھرے کہ خزانہ کو خبر نہ ہو

دبیر — آنکھوں میں پھرے اندھ مردم کو خبر نہ ہو

”ابن میں دبیر کا معرکہ بہتر ہے۔ ”مردم“ آنکھ کا جزو ہوتا ہے، اس کو خبر نہ ہونا — پھرے“ کا لگا لپٹا — ”خزانہ“ تو بہت دُعا کی چیز ہے۔ ”اُسے خبر نہ ہونا کوئی کہاں نہیں! دبیر کے معرکہ کے تیس بھی ”مردانہ“ ہیں، جیسے دبیر کے شعر سے

سروانے میر کے آپستہ بلور

ابھی تلک بدلتے بدلتے سر گیا ہے

کے مقابل میں سودا کے شعر — سودا کے جو بالیں سے اٹھا شدہ قیامت

خدا ام ادب بڑے ابھی آنکھ لگی ہے

کے تہہ مردانہ ہیں —

کچھ نہیں کہنا کی یہ گرفت تو صحیح ہے کہ ”مردم“ آنکھ کا جزو ہوتا ہے اور خزانہ بہت دُعا کی چیز ہے (اس میں بہت مبالغہ ہے، دُعا کی چیز لکھنا تھا) مگر تہلی کے تہے ”مردم“ اور دوویں کون لولٹا ہے! دبیر کے شعر میں ”مردم“ میں تھا کھڑا کھڑا لگتا ہے! پھر شعری یا قرینہ کہ اس کے تہہ ”مردانہ“ ہونے چاہیے، عجیب اور ہی قسم کی تعریف ہے! کہا یہ چاہئے تھا کہ سودا کے شعر میں دبیر کے شعر کے مقابل میں غفلت شکرہ پایا جاتا ہے، مگر کہاں تک انداز لگائی اور اذیت کا تقاضا ہے تیسرا شعر سودا کے شعر سے بلند تر ہے، سودا کے شعر میں ”خدا ام ادب سے کون مردا میں، فرشتے یا تیار دار؟“ انیس کے شعر میں خزانہ نے کتنی غفلت پیا کر دی، جو دبیر کے شعر میں ”مردم“ لانے کے سبب فاسد ہو گئی!

علاقہ خلیج پر کچھ صاحب کا یہ اعتراض —

— انیس — دبیر کے کلام کا مقابلہ کرنے میں وقت نظر سے کام نہیں لیا، یا نہیں لیا جا سکا

ابن ذوق اور صاحب نظر کے نزدیک کوئی نثر نہیں رکھتا، قبلی کو شرکی جیسی پرکھتے تھے، ایسی پرکھ دوینہ کے شاید چند لغویں ہی کو نصیب ہوتی ہوگی۔

”اگر نامی میں شہر، شہر کا خاصہ رکھتا آیا ہے! اندسکھیا کی تاثیر سنکھیا ہی رہی تو مستقبل میں شہر شہر ہی

رہے گا اور سنکھیا کی تاثیر سنکھیا ہی رہے گی“ دادم الکتاب — مولانا ابوالکلام آزاد

اس پر کچھ صاحب اعتراض کرتے ہیں —

— چاروں جگہ سنکھیا غلط ہے سنکھئے ہونا چاہئے

ہے تو میں جیسا کہ بعض شاعروں کے ترغیب نامہ نفس امارت میں پیش ہے دیکھتا ہوں کہ کیا ہے۔
 ٹانگہ اس میں سے اُس کا پہلا ٹانگہ سے مراد ہے اور یہاں پہلا صاحب دیوان غزل گوٹ سلطان محمد قسلی
 قطب شاہ کو تسلیم کیا ہے اس کتاب کے منتخب اشعار۔

مناہن کاغذ کاغذ کوئی چمچ ہے

کس کس کا نہ مندل بن، کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے	خلق نے منعت میں کیا چ نام
مجدد کا نہ پہنچا نہ مسلم	ماہن تک بھی میں نے پہنچا مرا خیار
مشہور ہے زمین کہاں، آسمان کہاں	عرض خضر میں بھی اہل وفا کی نہ تھے
ہٹ پٹا جائے وہ کافر خدا کی نہ تھے	جس موز بھی ادب پیدا کرو گے
یہ یاد ہے ہم کو بہت یاد کر دے	مجھ کو پامال کر گیا ہے ابھی
یہ پروا سن اٹھا کے جاتا ہے	دیکھ بھلا کہ اپنے در پہیل کہا نہ پیر کے
یہ دوا نہ کس نے میٹھا ہے رستہ گیر کے	میرا دل کس نے لیا نام بتاؤں کس کا
میں ہوں یا آپ ہیں مگر میں کوئی آیا نہ گیا	پھر کہ کے جان نہ دیتا تو آہ کیا کرتا
نفس سے لہر لکھنے کی ماہ کیا کرتا	حضرت ظل آپ ہیں جس وجہاں میں
مر گئے لاکھوں اسی ارمان میں	کچھ کہ دو جھوٹ پر کہ تو حق بند ہے
تو نہ آسرا دل امجداد کا	کیوں بڑھتا ہے ہر اختلاف بہت
ہم میں طاقت نہیں جدائی کی	ہر لی نہیں قبول ہمارے کشتی کی
دل چاہتا نہ جو نہ تھا میں ہاں کہاں	مگر نہیں کہ عشق ہر لہر دل تری نہ ہو
میرا ہی محل دیکھ لے جس کو عین نہ ہو	جب کہنا س نے مٹا کچھ
سوچے وہ گئے کہ کیا کہئے	ہوئے دے کو شہر یاد وعدہ آگیا
مجھ کو دیکھا، مسکرایا اور پھر شراب گیا	نور کہ کاٹ دے خند کے دل سے دولت
وہ ترک پاؤں میں ہوں یا ترے بٹلے میں	دیں گزری تری یاد بھی آتی نہ ہمیں
اے ہم بھول گئے ہیں تجھ اب بھی نہیں	ذرا وصل کے بعد آیت تو جھکے صورت
ترے جلال کی حد شیری نکھسائی	پھانس ہو کہ نکالیں احباب
خلق دل کو گیا کرے کوئی	

صوفیہ پر مگر مراد آباد کو ہر مراد آباد کے خلاف میں شاعری کیا ہے یہ سب مجھے نہیں معلوم ہوتا، جب دماغ کا انتقال ہوا ہے تو جگر
 وہ بندہ جس کے تھے اس نے اسے بندہ سال کی عمر کے جوان کا دماغ کی خدمت میں اصلاح کے لئے مراد آباد سے غزلیں کا، رکن ڈاک کے
 لیے بھیجا ہے کہ نہیں لگتا۔

شعر کلام کے لئے چنے مشابہت انتخاب میں دیکھتے تھے، تو شعر کو منتخب دیکھا رہنا چاہئے تھا، اشارہ کا انتخاب میں مذکور نگار نے
 خوش ذوق کا ثبوت نہیں دیا، ناپ فصاحت بنگ بہار و جلیل کے اشعار پڑھ کر یہ بات خاص طور سے کشش۔

اور اس کے علاوہ بھی بہت سے کتب و رسائل ہیں جن کی تصانیف و تراجم

میں سے کچھ کا ذکر یہاں کیا گیا ہے۔

سورۃ الجہاد فی سبیل اللہ

اس کتاب کی دعا تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی تفسیر کو ہر مسلمان کے دل میں لکھ دے اور ہر مسلمان کو اس کی تعلیم سے بہرہ مند کر دے۔

ہاں! یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئی ہے اور اس کی تعلیم ہر مسلمان کو ملنی چاہیے۔

اور اس کتاب کی تعلیم ہر مسلمان کو ملنی چاہیے۔

یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئی ہے اور اس کی تعلیم ہر مسلمان کو ملنی چاہیے۔

یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئی ہے اور اس کی تعلیم ہر مسلمان کو ملنی چاہیے۔

یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئی ہے اور اس کی تعلیم ہر مسلمان کو ملنی چاہیے۔

یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئی ہے اور اس کی تعلیم ہر مسلمان کو ملنی چاہیے۔

سہ صدقہ خیر اللہ کا

سہ صدقہ اہل اللہ کا

سہ صدقہ اہل اللہ کا

اللہ سے خارج ہیں !

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئی ہے اور اس کی تعلیم ہر مسلمان کو ملنی چاہیے۔

وہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئی ہے اور اس کی تعلیم ہر مسلمان کو ملنی چاہیے۔

یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئی ہے اور اس کی تعلیم ہر مسلمان کو ملنی چاہیے۔

نترہ کے سوسے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی و حکمت و عزت والے طور پر ہیں۔ یہ عقیدہ ضلالت کے سوا اور کیا ہے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ہر شخصیت پست ادا کی ہے اللہ صہندہ کا چاہے وہ نبی ہی کیوں نہ ہو کوئی مقابلہ ہر حالت میں نہیں۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ جو نبیوں کی اللہ تعالیٰ سے پہنچاتی ہے اللہ کا ہر شہرانی ہے اور وہ نبیوں کو نبیوں پر نصیحت دیتی ہے اسے گرسق مرانہ نہ کہی زندگی

شیخ محمد کافر۔ یہ حضرت حسین بن جعفری ایدیکٹ (حیدر آباد) فصاحت ۸۰ صفحات، قیمت ایک روپیہ۔
خدا کا پتہ۔ شفیق آڈیو ہائڈر، گاندی کھانہ، حیدر آباد

اس کتاب پر لانا مصطفیٰ حسین صاحب جو پورے تقریباً لکھی ہے اللہ مصنف کے لئے دعا کی ہے کہ خداوند عالم صرف کہ نسلی جہاد کرنے کی توفیق کرامت فرماتے۔
"پیش لفظ" میں داخل مصنف رقمطراز ہیں:۔

"تقدیراً و عشرہ، آیات بینات اور نصیحت اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب میں نہایت آب و تاب سے شائع کی جا کر سواۓ اعظم کے دلوں میں اہل فحش کی طرف سے جذبات منارت اُجھارے جا رہے ہیں۔ (ص ۵)
ان کتابوں پر شیخ کے عقائد پر بے شک نقد تبصرہ ہے، مگر شیخ حضرت کی کسی مقدس و محبوب شخصیت کی شان میں ایک لفظ بھی ہے اہل اصناف کا نہیں پایا جاتا۔

لیکن

شیخ حضرت کی کتاب میں جن میں صحابہ کرام کو گالیاں دیا گئی ہیں، وہ۔ یا برعکس ہیں۔ داخل مصنف کے نظر نگاہ سے قرائن میں قابل اعتبار نہ کتاب میں ہیں۔ جن کا موضوع و مقصد نفوس قدسیہ کی اذیت و تفتیح ہے، سوائے مقبول احمد کا ترجمہ قرآن خود داخل مصنف کے پاس بھی ہوگا۔ اُس کے پاس سے کیا رائے ہے؟

قبول اسلام کی دعوت میں ہانسی لے جانے میں پس حضرت علی علیہ السلام نے کی ہے، اس لئے اس کو سائبین اولین کے رئیس قرار پائے ہیں اساس اولیت سبقت کا لفظ کی توجیہ کی لگتا ہے کہ لہذا سبقت ضمنی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام اختلاف سائل کی صورت میں آپ ہی کی امت مسلمہ کے لئے قابل اتباع ہیں؛ یعنی یہ دعوت کو ان کے طریقہ پر چلنا چاہئے اساس کے معنی میں یہ دعوت۔ شیخ علی قراد پائی ہے (ص ۲۸)

سب سے پہلے اسلام کس معانی نے قبول کیا، اس میں اختلاف ہے اساس اختلاف کا اسباب فکر و نظر اس طرح قلمبند ہے کہ باغ و مریض میں حضرت ابوبکر صدیق، کسوں میں حضرت علی رضی، محمد تو ہیں حضرت خود بخود غلاموں میں حضرت زید سے پہلے ایمان لائے؛ پھر جہاں تک برہنہ فکر و عقل کا تعلق ہے کہ سن کے مقابلہ میں ہائی مرگاہ کی تعلیم کو قبول کرنا زیادہ سمیت رکھتا ہے۔

بیشک حضرت علی کرم اللہ وجہہ صابہ ہیں۔ "اشقی" یعنی سب سے بڑے ناخوش تھے، مگر اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سارے صحابہ رضی عنہم میں میں تمنا حضرت علی کی ہی رہی نہیں کرتے تھے، اور نہ حضرت علی اس کے طریقہ فکر کے طرف سے ابتداء تمام مسلمانوں کو کرنا چاہتے تھے جس میں میں جن اہل صحابہ کے فدا کی ہو جو برحقہ فی الدین میں شہرت رکھتے ہیں، امت بکل کرتے ہے اور ان میں ایک حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ صابہ ہیں۔!

حضرت علی اصحاب صحابہ کے وہ ہیں جب نزاع پیدا ہوتی، تو ہر لوگ حضرت علی کے ساتھ تھے وہ "شیخان علی" اور ابو امیر صحابہ کے

معاذ اللہ! دھوکا دیتے مشیعائی معاویہ کہلاتے تھے، تقسیم کی دینی عینہ کی بنا پر ہم پر گز نہیں تھی، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے امت محمدی کا نام ”مسلم“ رکھا ہے، اگر کوئی اور نسبت امت کے لئے قابل قبول ہوتی تو ”عجمی“ نسبت ہونی چاہئے تھی، مگر اس نسبت کے لئے بھی کوئی قول رسوا نہیں ملتا، اس لئے امت محمدیہ کا نام جماعت اور فرد کی حیثیت سے ”مسلم“ ہی کتاب و سنت کے عین مطابق ہے، ”مشیتہ“ چونکہ مسلمانوں کے ایک مخصوص فرقہ کا نام ہے اس لئے امت کے تمام فرقے اپنا نام ”مشیتہ“ یا ”شیعیان“ علیٰ کس طرح رکھ سکتے ہیں، کہ اس طرح ایک نئی الجھن پیدا ہو جائے۔ سچا بحث علیٰ صحابہ کے ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کی جو بحث فرمائی ہے تو اس کے بارے میں یہ عرض ہے کہ یہ بات کسی مستند کتاب میں نہیں ملتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازیں ہمیشہ ارسال یدین فرماتے تھے۔

۱۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا نماز میں ارسال یدین تو امام مالک نے خود رکھا ہیں۔ — واضح الیدین اعداداً... فی الصلوٰۃ کا باب پانچواں ہے اور ارسال کا ذکر نہیں کیا، امام ابن عبد البر، جو فقہ مالکی کے متون ہیں، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم السلام ”وضیع یدین“ نمازیں پانچواں ہاتھ نہ تھے، ان کے خلاف نہیں آتی، امام ابو حنیفہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امام ابو یوسف صلی اللہ علیہ وسلم اس اتفاق اور یک رنگی کی دعوت کرتے ہیں کہ تمام مسلمان نماز پانچواں ہاتھ کھول کر نماز پڑھیں اور اپنا نام ”مشیتہ“ علی رکھیں۔ — ۲۔ نزاع و بحث کی دعوت ہے، جسے کس طرح منقول و مستحسن قرار نہیں دیا جا سکتا!

۱۔ اذ۔ — یہ یکم یا تھوڑے وقت و فضاوت و مسجد گرد و پیش کے ساتھ (قیمت چار روپے) —
میرا بھائی — ۱۔ — ۲۔ کرشنا ماریکٹ امرتسر

جناب یہیم ناتھ دت آروندیان رادھ کے سنی ذاتی، آسودہ کھانچے ادیب، اور انسانی بھائی چارے کے والی ہیں۔ ان کی نصف درجہ کتابیں اب تک منظر عام پر آچکی ہیں اور کئی کتابیں زیر طبع ہیں یہ ان کی بڑی کھجور کی دہلیں ہیں کہ انچائی اس کتاب کو ڈاکٹر پجمودھ جی کے نام معزز کیا ہے۔

بھارت کے صدر جناب ڈاکٹر کرنی اور نائب صدر ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب انیا زخمی ہو کر، ڈاکٹر تاجند، مولانا محمد حسین عروسی، خاکسار، حادثہ سرمنڈک اور پروفیسر رشید احمد صدیقی کی تحریریں، اس کتاب کی نیت ہیں، ان تمام نامور شخصیتوں نے ”میرا بھائی“ کو سراہا ہے، رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں: —

”اس کتاب میں مصنف نے تھنن کا بھی کمال دکھایا ہے، کتاب میں کہیں نہایت اہم نکات اور تکلف نہ ملے گا۔۔۔ گاؤں

کی زندگی کا نقشہ اس کتاب میں جس سادگی، سچائی اور شرافت سے کھینچا گیا ہے اس سے اس ناچار غلام کس پیرس

مجھے کہ منزلت چارے سے دل میں مانع و دشمن ہو جاتی ہے، جن کو ہم نے قابل اعتناء نہیں سمجھا۔

”میرا بھائی“ بڑی دلچسپ کتاب ہے یہ آپ جی بھی بے ادب لگتی تھی، کروڑ لاکھ روپی میں غیبت کی نزاکتوں کو جس سلیقہ کے ساتھ سمیٹا گیا ہے اور ماحول کی جس انداز میں حکایت اور سچائی کی گئی ہے اس نے اس کتاب کو ناقص قابل ذکر بنا دیا ہے!

لائن مصنف کو انہماک مطلب پر پوری قدرت بلکہ بد طریق حاصل ہے کہ جس قسم کا کوئی الجھن اور ابہام نہیں، سامنے کی باتیں مگر گراں قدر انداز میں کہیں ہیں زبان کتنی منجھتی ہوئی ہے مگر اس کے خاص طور سے لطف انگیزی ہیں۔

”جنگل میں نہ لیتے، اگر کچھ پڑ جاتا“ (ص ۱۱۸) — ”اگر نہ پڑ جاتا“ کی جگہ ”ان پڑتا“ لکھنا چاہئے تھا۔ — ”یسا نہ مڑا“ کی جگہ

”نہم جھرت سے بچنے کے لئے“ (ص ۱۲۰) — ”نہم پڑے“ — ”لاہل تھا“ — ”ہر لٹے“ کا استعمال دل میں ہوتا ہے۔ — ”وہ راستہ“

میرے ساتھ ہوئے۔ — ”ادھار دے دے، ہمارا وظیفہ لگ گیا تھا“ (ص ۱۵۰) — ”وظیفہ مقرر ہو گیا تھا“ کہا تھا۔ — ”اس کا“

اور انہیں کئی صحت میں پیش فرمایا۔ یہ حضرات قہر اور محنت و جستجو نہ کرتے تو فاضل عزت نشینؒ کو شہر گیری اور طویل خاموشی کی بدولت ان کا کلام گنگائی کی غمزدہ کردہ جاتا۔

جناب فاضل عزتؒ کی نظموں میں تیرہ کے ساتھ نظرت کی عکاسی اور محاکات نگاری کی خوبیاں نظر آتی ہیں! ان کی شاعری بڑی جاندار اور جدید اصطلاح میں "پہلو وار" ہے۔ پہلی نظم کا عنوان "خدا ہے" فرماتے ہیں۔

اُسی کے حکم سے سبھی ہے چاند کی آتشاںوں میں
عین نظرت لئے جتنی ہے برہنہ کوہاں مدلیں ہیں
اُسی کے حکم سے دن رات گردش ہے گلوں میں
چراغوں کے ہے میں کہکب شب تاب چروں میں
عین کہن اُسی کا دل رہا پیغام دیتی ہیں
نہاے میں ہنری خد متیں انجہام دیتی ہیں
اُسی دلی کی دعا میں اس سے عرض حال کی ہیں
گناہوں کا زباں انک سے اقبال کرتی ہیں
اتنے چھ تھروں کے ساتھ بھرتی کے ایک دوسری نظم میں شامل ہو گئے ہیں، مثلاً۔

جب اُس کے دم کی کرنیں دلیں کو جگمگاتی ہیں
سرت سحر یوں کی نگاہیں مسکراتی ہیں

۔۔۔ دھڑکی کرنیں ہی اول تو مغرب ترکیب ہے، پھر نگاہوں کی مسکرت میں بھی تلفظ پایا جاتا ہے۔

۔۔۔ میرے لئے "خاصی مترنم نظم" ہے، مگر اُس کا یہ شعر۔

گھورتے ہیں آسمان کو دیو پیکر کوہ سا۔
دے رہی ہیں پہرہ ان کی چوٹیاں میرے لئے

دوسرے شعروں کے ساتھ یہیں خاصہ نسبت ہے؛ بلکہ یا کوہ سا کو "دیو پیکر" کہنا اول تو ناقص و کمزور تشبیہ ہے، پھر منظر کہ کوہ سا آسمان کو گھور کر دیکھ رہا ہے، عجیب ہے، "انہ ان کی چوٹیاں" کا پہرہ دینا اس پرستنداز و علامہ خیالی نے جمالیہ کو جو "سستری" یا پاسبان کہا ہے اُس کا حق اور ہے فاضل صاحب نے۔ کوہ سا مدلی کی بیٹے ہونے ان کی چوٹیاں کا "پہرہ دار" ہونا ظاہر و باہر ہے، ایہ چیزیں محض نظر کے چوٹیاں "پہاں مدلی" کی ہوتی ہیں یا "کوہ سا مدلی" کی!

۔۔۔ کوئی "خاصی" اچھی نظم ہے، یہ نہ کہتے سناں، ملیں و سادہ اور مترنم ہیں۔

ہیں! یہ دیکھ لیا کیا ہوا
کیوں گاتے گاتے دُکھا گئی
وہ آڑھ جلی پر توں کر
وہ شاخ دہ کر جھک گئی

اور

سوئے فضاے نیلگوں
اب مائل پہنا رہے
دشمن چہا پر یا کوئی
اُڑتی ہوئی آواز ہے

راں خند ہیں

تقسیم غم کے واسطے
بروقت آمادہ ہے تو
دل گرفتہ نازیں
کہہ کر کی دلدادہ ہے تو

میں پہلے ہوئی۔ "تقسیم غم" سے آخر کیا مراد ہے! اشعار غالباً یہ کہنا چاہتا ہے کہ کوئی اپنے گیتوں سے گویا سننے والوں کو درد و غم تقسیم کرتی ہے۔

۔۔۔ تمام جن نظم کا عنوان ہے "اُس کا پہلا شعر گنگا اچھا ہے۔"

پچ کر یہ ہے گھر نہ تھا پہلے یہ گھر تیرے بغیر
تیرے چہرے پہ دشتاں ہے تجسی طور کی
روشنی ہے دور کی
ایک پاکیزہ کرن ہے تو خدا کے نور کی

۔ محرموں کی دنیا "کے شعر خوب ہیں، ———

حسن کی محرم تصویریں ہیں یکسں ابھی
کس تبدلش میں آیا آدمی، دلش آدمی
بچنے کی نیند میں کٹتے ہیں ان کے دل ابھی
کچھ فرشتے ہیں کہ بارخِ خلد میں آباد ہیں
میرے بس ہیں ہر توں ان کو جواں ہونے نہ فعل
پائمالی انقلابِ آسمان ہونے نہ فعل

بعض نظموں کے منتخب اشعار، ———

رُفان (نورائون کی ایک کل ہے آج کل کے ادیب ہیں
میری خدمت کے لئے حاضر ہاں ہر شب
شباب) عشق آیا تم عصرتِ دل میں ہو کر چل دیا
حسن نے سادہ تمناؤں کو زخمی کر دیا
ایک سٹی کا کھلنا ہے اجل کے ماتھے میں
علم نے بھی پیش کی اپنی گراں مایہ کتاب
ناخدا اچھا ملا کشتی ڈبو کر چل دیا
پھول مانگے تھے مگر کانٹوں سے دامن بھر دیا

بڑھا ہے کی یہ تعریف، ———

یہ آتا ہے تو چہر قامت میں بخائی نہیں رہتی
یہ آتا ہے تو چہر چہرے میں زیبائی نہیں رہتی (ص ۱۰۹)
اُسی محلِ نور ہے کہ نگہ "قامت" کی صفتِ رشانت ہے "اے بڑھا ہے کا جب نگہ ہو۔ تو چہر لائی طرح پر ہی کہنا چاہئے کہ بڑھا ہوا آتا ہے
تو قد قامت میں جھکا تو پیدا ہو جاتا ہے۔

"میں جس نظم کا حمنان ہے وہ ہنسی کی ہنسی شاہکار نظم ہے!

۔ دیا یہ محبت "کے اس شعر میں، ———

آنکھ دیکھے دوست ہو جائے شیخ بھگت پرست ہو جائے

۔ آنکھ کی بجائے "تورن کہنا جو ہے تھا؟ اس نظم کا یہ شعر، ———

خاک چنگیز ہے خمیران کا
شبیر تاریک ہے خمیران کا

رینا کے تمام ظالموں اور جبرٹے خداؤں کی فطرت اور سیرت کو آئینہ دکھاتا ہے۔

غذا یہاں سے دو تاجواں جاتا ہوں میں
نالوں سے تیرے عشق کو بھلا رہا ہوں میں (ص ۱۳۳)
"آخری ملاقات" کا اس ادیب کے شعر آغاں ہوتا ہے، یہ شعر کس قدر سلی بلکہ بچکانہ ہے۔

دُعا) میرے نام محبت کا پیام آ جائے
کی ہے نیکی کوئی دنیا میں تو کام آ جائے
دُعا) تامل میں چہر ہے کچھ ایسے سفید چاند
جیسے برائتوں میں ہو دوہرا برات کا

ہے آج عیش کا دار و مدار دولت پر
نہیں خوشی کا مگر انحصار دولت پر
تربیب خاتمہ افسوس شہسود یلکہ ہے
ہر ایک گوشہ میلک - انفتلاب جلدی ہے

بھریں گے تیرے موافق بھی صبح و شام ترے
کبھی لائے گی گردش بہاں میں کام ترے

نظم و بیانی کا ایک شعر ہے ۔

پھر بھی یہ حالت ہے شکل و رنگات انکار سے
ساہوکار - بھیک کافنی اور دیہاتیوں کو کہاں دیتا ہے ! ہاں ! سود پر قرض دیتا ہے نظم میں " قرض " یا " قرض کی بھیک " لانا تھا ۔
باپ کی وفات پر جو نظم کہی ہے اس میں باپ کے غم کا تاثر تو صرف آخری شعر سے ظاہر ہوتا ہے ۔ باقی پوری نظم میں نظم و نظم ہمدرد
مرگ و اس میں بیان کی گئی ہے !

" سلطان شہید شیخ کے مزار " کا یہ ایک شعری اپنی جگہ مکمل نظم ہے ۔
یہ مٹی قیمتی ہے بادشاہوں کے عزیزین سے

ابھی تک مالدار اسلام ہے ایسے وطنوں سے

چند اور منتخب اشعار ۔

میں شاعر مولوی تقدیر میں رہنا ہی لکھا ہے
جمہوریت کا چرچا اب عام ہو رہا ہے
مٹ رہی ہے شان و عظمت مصر کے اہرام کی
" مزدور کی صدا " کا ابتدائی بند ہے ۔
ملی ہے باغ میں شبنم کو فصدت اشکباری کی
شاید جہاں کا مذہب اسلام ہو رہا ہے
آفتاب کا پتہ دیتی ہے سرخی شام کی

مزدور کی نافر ہو پونجی
تو ایک ملوں سسی ہوئی پیدا
جب غریب کے ایوانوں میں
سب اصلاحی دیوانوں میں

اصلاحی دیوانوں " کہہ رہے ہیں ! پھر مزدوروں کی نافر ہو غریب کی کے ایوانوں میں کیلئے پونجی ، مشرق کے ایوان اس سے کیوں محروم ہے
کوئی ثبوت ؟ کوئی قرینہ ؟ کسی خاص واقعہ کی طرف اشارہ ؟
دعویٰ ہوں کو عقائد سے نہ دیکھو

غریبوں کو عقادت سے نہ دیکھو
انہی کے خون کی سرخی چہا کر
کہ ان کو بھی بتایا ہے خدانے
بھرا ہے رنگ پھولوں میں جانے

(بیچنے کا مقصد) اس بیچنے کا مقصد کیا ہے

افت

آفت ایک دیا ہے
میں کے چاندی سمت ہوا ہے

تیسری کتاب منظرِ عام پر آتی ہے، توقع ہے کہ یہ ادیب زیادہ پسند کی جائے گی، کہیں نہ کہ لعلش نقش ثانی بہتر کردار اول

ادیب تو نقشِ ثالث ہے :

نصرت قریشی کی نظر دل میں یہی امت پرکڑے لیتے ہیں اُن کے آہنگ میں خامی دکھائی ہے، اُن کا دوجاں تغزل کا مزاج نثر میں !
منتخب اشعار :

ضروری نہ تھا دوستی پر دوازہ دینا
کلی کا چٹک کر وہ آواز دینا
عشق دانے کیا زمانے کی ہمارے دُر گئے
ابھی تو خود نگری کا نہ مانہ آیا ہے
سنا ہے شیشہ گری کا نہ مانہ آیا ہے
عمر بھر تشنگی سی رہتی ہے
اے وہ لمحہ کسی کی یاد میں گنہ گرا !
عدتے اس حسنِ تبسم کے سحر بھی ہوگی
آجائے گی یقین کی منزل گماں کے بند
جب یہی خانہ نوابی مرے گھر بھی ہوگی
صفو دہر پہ اس کا کوئی ثانی تو نہیں
باغ میں اک آشیایاں اُڑا ہوا رہنے دیا
اُگئی اک نگاہِ لطف کی یاد
کچھ دل کو جلا دے جاتا ہے کچھ گردِ عالم دھو جاتا ہے
بہائی آگ میں جلتا ہے صدفِ ہمدانہ
ماٹھ آئے گا کیا عسَم کے فائے کو سنا کے
مجھے کیا ضرورت کہہ کیوں بنا ہے، زمیں پر پائے حرم کس نے ہے

میں کیوں کفرِ ایمان کے جھگڑوں میں الجھوں جنت کا نقشِ قدم کس نے ہے

لب پہ کچھ بے ربط تجھے آگئے
ورنہ ترسے قابل کوئی فدا نہ نہیں ہے
رکھتے ہیں باطلِ دیدہ دل بھی اُسے لوگ
مصلحت میں تم آکر رخِ پروانہ بدل دو
میں پیاسا ہوں مگر پھر بھی لبِ مدیا نہیں جاتا

اسیری ہی قسمت میں جب تھی تو یارب
وہ جہاننا ہمسایا چمن سے قفس میں
اس اندھیرے میں جلاتے کیوں نہیں دل کے چراغ
خدا شناس بھی ہو جائے گی نظر اک دن
جلو جلو تلاش کریں ہم بھی دل کے ٹکڑوں کو
علم کی پیاس بجھ نہیں سکتی
عمرِ فانی کیا حیاتِ دائمی اُس پر نشا
رات بھی زلفِ معنبر کی ہلاتیں لے گی
کچھ سخی سخی جو بھی تو کر منکر خدا
کیوں جنوں مجھ کو بیاباں میں لے جاتا ہے
نقشِ اول ہی ہی، صمدیت انسانِ یان
یوں نہ تھی ہم صفیوں نے قفسِ دالوں کی یاد
جب ہوا ہے کوئی ستمِ ایجاد
دنیا کی نگاہوں سے چھپ کر پچھلے پرکار دینا
کوئی کسی کی نگہ میں ہساں نہیں جلتا
کچھ بعد میں منس نہیں تھے تو کچھ نہ پر نہیں گئے
مجھے کیا ضرورت کہہ کیوں بنا ہے، زمیں پر پائے حرم کس نے ہے

اُس نے پر چھا حال ہم گھر آگئے

جاں نذر ہے لے کے یہی پاس ہے اپنے
کہتے ہیں جس کو دشمنِ ایمان و آگہی
آوازِ پروانہ ہے وہ شمع کی جانب
محبت نے وہ استغناء مجھے بختا ہے نصرت

ہم جب تک نہ عاقل نہ گزریں
ہم نہ لے کر ضرورت نہ تھی؛ یہ شعر تخصیص نہیں تھا ہوتا تھا۔
زندگی میں کسی سہی رہتی ہے (ص ۲۶)
عشق کا آفتاب ٹٹ گیا (ص ۵۱)
دل کو عشق کا آفتاب کہنا عجیب سی تشبیہ ہے!

علم حیات کی تکلیف ارے معافاٹھ
سرد ٹوٹنا۔۔۔ سرد ٹوٹنا۔۔۔ یا سرد ٹوٹ دینا۔۔۔ یہ کیاں کی نہانی ہے!
نغم فراق کا اُس سرور تو دنیا (ص ۵۲)

اک پس جو اسیری میں اے باز گزائی ہے
یہ کیا شاعری ہے! "خوئے پرواز کا گزانا" غلط زبان اسد ناموس مضمون!
(ص ۶۰)

ظلمتِ عالم میں کچھ فروا جانے کا وجود
مصرعہ ثانی میں تعقید کا وہ عجب جو وجدانِ فوق کے لئے باعثِ اذیت ہوتا ہے۔
(ص ۸۶)

بھروسہ کیجئے کس پر عجب عالم ہے دنیا کا
"میری" نے شعر کا لطف غایت کر دیا۔
(ص ۹۲)

مرے سینے سے چن تک جو لفظ اُٹھی تو دیکھا
ان نظم کے پتہ اشعار، شاعر کا برا تعارف میں۔
(ص ۱۰۸)

بے دی سے سنتے ہیں وہ اگر تو کیا غم ہے
بھرتی کا شعر کوئی لطف نہیں!!
(ص ۱۶۱)

شہید عشق رقصاں بود بر خاک
سردار و سن مفسد باشد۔
(ص ۱۰۱)

نصرت صاحب کو ہم مسئلہ دیں گے کہ وہ فارسی میں شعر نہ کہیں تو اچھا ہے!
جینے کی اُن کے فکر ہے نصرت بحث نہیں
خوش بھی کچھ ہے میں ہل میں کچھ رنگ

پہلے مصرعہ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ جانا رنگ و دھ کا جانا ہے، بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آگ میں جلنے کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے۔
ناوک احباب کے بے خطا کہوں نہ ہوں
ہم ہی مالستہ جب کھاٹ پر آگئے
(ص ۱۹۰)

ذہن و دماغ یوں ہے۔۔۔ "ذہن میری گھات میں ہے یا گھات میں بیٹھا ہے"۔ گھات پر آنا "سننے میں نہیں آیا" ایسی ٹکڑے نے شعر کو مبہم
بلکہ ہسل بنا دیا۔

"ظریف غزل" میں شگفتہ اسد ناموس شاعری کی نہیں ہے، بعض غزلیں شاعر کی طبع آزمائی معلوم ہوتی ہیں، توقع ہے کہ نصرت
ترشی کی غزلوں کے مجموعہ کو اپنی ذوق دل چسپی کے ساتھ پڑھیں گے۔

بادانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

منگھاپیر روڈ کراچی

ہر قسم کا سوتی اور اونی کپڑا

کورا اور دھلا لٹھا

اور
ہر قسم کا دھلا گاتیار ہوتا ہے

بادانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا

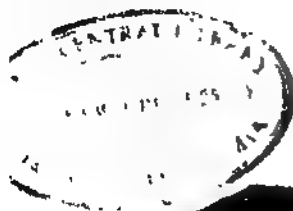
ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہے
پاکستان کی صنعت کی ترقی اور حوصلہ افزائی

آپ کا قومی فریضہ ہے

ادجی کے پار چہ بتا دیر پا ہوتے ہیں



ادجی کاٹن ملز لائنڈھی کراچی



آپ وقت سے پہلے کیوں منہ مائیں!



دوستوں سے فائدہ میں ہی اصل دولت ہے غنیمت کے آثار نظر آنے
 لگے ہیں اس کا سب سے بڑا سبب ان کے دماغ کی توانائی ہے۔
 اس غیر متوقع حالت سے بچنے کے لئے ہمیں روزانہ اس قدر توانائی
 استعمال کرنی ہے جس سے دماغ کام کر سکے اور تروتازہ رہے۔

ہر روز تین گلاسے پانی پینے سے دماغ کی توانائی بڑھتی ہے۔

پانی پینے سے دماغ کی توانائی بڑھتی ہے۔

پانی پینے سے دماغ کی توانائی بڑھتی ہے۔

پانی پینے سے دماغ کی توانائی بڑھتی ہے۔

پانی پینے سے دماغ کی توانائی بڑھتی ہے۔

پانی پینے سے دماغ کی توانائی بڑھتی ہے۔

پانی پینے سے دماغ کی توانائی بڑھتی ہے۔

پانی پینے سے دماغ کی توانائی بڑھتی ہے۔



ماہنامہ فاران

کراچی

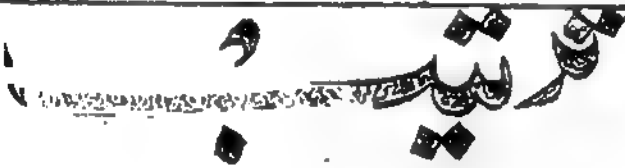
جلد :- ۱۸

شمارہ :- ۱۰

ماہ جنوری ۱۹۶۷ء

ماہر القادی

ایڈیٹر



۳	ماہر القادی	نقش اول
۱۱	اللہ عالم	زمینی الجہاد اور اسلامی فتنہ
۲۲	محمد رفیع چلواری	سلطان شاہ احمد مراد احمد شاہ و عام
۳۲	ماہر القادی	قرآن فیصل - ایک
۳۸	مولانا محمد رفیع عثمانی (دعوتِ قادریہ کے علمبردار)	بجلی ہنا باس
۵۳	ماہر القادی	یاد رنگین
۵۹	ماہر القادی	مرحبا! اوصیاء
۶۰	فتنہ شعراء	نغمہ و فریاد
۶۲	ہمارے نظمیں

چند سالانہ

پبلشر :- مسٹر حسین

دفتر ماہنامہ فاران کیمیل اسٹریٹ کراچی

قیمت فی پیو

ہر سال دو بار شائع ہوتا ہے۔ ہر کپی کے ساتھ ساتھ ایک سالانہ کیلنڈر بھی ملتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقشِ اول

وہ مہم جو، چین جو، یوگوسلاویہ جو، یا کوئی اور دوسرا ملک یا خطہ زمین جو، کی سرحدوں کو جہاں بھی موقع ملے وہاں کو
استدار و غلبہ میسر آیا ہے انہوں نے اشتراکیت کا نظام مسلماً قائم کر دیا ہے، کیونکہ جس نظام حیات اور مسلک پر یقین رکھتے ہیں اس
کے صرف زبانی مدعا اور فطری حقیقت منذ ابد تعبدہ خواں نہیں ہیں۔۔۔۔۔ کہ جس کیونکہ ہم کی تعریفیں کئے جائیں اور کیونکہ کسی قدر ویت
اور فلسفہ کو مسلماً آجا کر گئے کے لئے کچھ نہ کریں !

اس کے برخلاف مسلمانوں کو کیوں غلبہ حاصل ہے مگر انہوں نے کسی ایک ملک میں بھی اسلامی نظام کو قائم کرنے
کی کوشش نہیں کی ! جہاں تک تحریر و تصدیق تعلق ہے، اسلام کی تعریف، مدح سرائی اور تعبدہ خوانی کے تھروایوں کو گناہ ہے جس میں اور دینام ہے
جس کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے، لیکن جہاں تک عمل و کردار کا تعلق ہے، اس باب میں مادی
سہ ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے۔

پسہ کر خاموش ہو جاتا ہے۔

مسلمانوں کو ملتا ہی سے قبل یورپ کی جن طاقتوں کا بھی غلبہ اور تسلط تھا، وہ طاقتیں تو سخت ہرگز نہیں مگر ایسا نظر آتا ہے کہ وہ اپنے
جائزین استیلاگر چھڑ گئی ہیں، جو ان طاقتوں کی ایک ایک رعایت کو سینوں سے لگائے ہوئے ہیں اور اپنے سینہ نام آفاقوں کے نقش قدم پر پیستہ چیل
رہے ہیں، کلب گھروں کے نقش و رسم نوشی سے لے کر دیس کرکٹ کی قمار بازی تک یورپ کی لاقی ہوئی بربرائی اسی طرح پرمان چڑھ رہی ہے اور ہر منکر
کو پیچھے سے بھی بڑھ چڑھ کر فروغ حاصل ہوتا ہے۔

فرانس جو، آئینڈ ہوا، انگلستان، ہمایا اٹلی، غرض یورپ کے ان سابق حکمرانوں کے بعد مسلمانوں کے ہر آواز شدہ ملک میں کرسیاں تو فرسید گئی
ہیں، مگر واسپورت نہیں بدلی، جو دور و فضا میں جاری و ساری تھی، خطہ ملک، رقبہ اور حدود اس لیے بیشک آنا و بر گئے لیکن خاک و گاہا عدل و
مدار پیستہ غلام ہیں، حالانکہ آنا و دی دل و مدعا، انگلستان و اٹلی ایسا ہیات و اقتدار کی آنا و کا نام ہے۔

ایک طرف وہ خردہ اندلید مسرت کہ بدلی حکمرانوں کی غلامی سے نہایت ہی، دوسری طرف یہ سامنے اندلید کہ اجسام سخت ہو گئے مگر مدعا
پرستہ دل و مدعا پرستہ سکوان اور صاحب پرستہ ادب، بدلی ہر ملک کا ہٹ آتے ہی، آنکھوں میں آنسو بھی آتا ہے جس میں بدلی پرستہ غمہ آجرتے تھکا و فریاد کا

سہ سعودی عرب میں ملکیت ہے مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہاں حدود و دائرہ حفاظت کی جاتی ہے !

ہدی جلد ہی نکریں مار کر مصلوۃ عمر کے قریضہ سے اپنی دانست میں سلک و شہر گئے، ایسی نمازیں کیا ہمارے سر پر نہیں مار دی جائیں گی ۱
ایک شخص نماز پڑھنے کے لئے گھر سے نکلتا ہوا تھا جس میں قدم قدم پر ہے حجاب اللہ تو اس کا ساتھ رہتا ہے لباس میں باندھ سٹنگا میں لپٹے کے نمازیں
نگاہ کو دھرت پر اس اور پیغام قہر شکنی، نگاہ کو ہاتھ کاتے ہر سنا کی اپنا کام کر جاتی ہے اس کے بعد سینا میں اس کا ساتھ ہے گناہا، جہاں ایگزٹوں کی تمام
رنگین و شمع تصویریں آویزاں ہیں، دھڑکنے والے تصویروں کو جاذب نظر اندر کھینچ کر لے جاتے ہیں، اپنے اندر کی تمام قوت و فن کی ساری نزاکت کو صرف کر
دیا ہے، اس نقشہ کے بعد سید کے قریب پہنچنے کی لپکا رڈوں کی آوازیں آ رہی ہیں۔۔۔۔۔
انکھیاں ملائے، بیاباں کے سچے نہیں جانا

اور

کر کے قہر ڈال دیا جائے گی

اس ہنگامہ ہوا دہوس، طوفان مصیبت اور ان توحید شکن مناظر اعتقادیوں کے گزر کر سر میں یونان و اکی جانے لگی اس میں کتنی پرانگی ہو گئی اور
وہ اس نفسانی کاکس قہر جرم ہو گا؟ ہم یہ نہیں کہتے کہ وہاں جن میں ماقام افروخت بھی شامل ہے اس میں پروردہ حاضر ہے کے ذمہ داریاں ہیں مگر مسلم حکومتیں
اگر اپنے ذرائع استعمال کرتیں تو معاشرے کی بہت کچھ اصلاح ہو سکتی تھی؛
دفاع میں غارتوں کی بددعاؤں استیجی دہی جاتی ہیں ان میں کھیل کود کے سارے ٹیکٹ پیش کئے جاتے ہیں، نوکر یوں کے لئے انٹر ویو میں متعلقہ عہدید
خود بھی اسید واصل سے دریافت کرتے ہیں کہ طالب علمی کے زمانہ میں کن کھیلوں سے دلچسپی رہی ہے مگر نماز کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا جاتا اس بات کا
پتہ لگانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ کائنات کا اسید واصل کیا کس جگہ پابند ہے، خصوصیت شمس علیہ السلام اور شمس وادب کی کائنات اسے اختیار کیا گیا ہے
پناہ نہیں رکھتے، فرما رہی ہیں۔۔۔۔۔

دانش مدہ آن کہ بے نماز است

یعنی جو کوئی نماز ادا نہیں کرتا اُسے قرض نہیں دینا چاہئے۔۔۔۔۔ کیونکہ بے نماز ہونا اس کی دلیل ہے کہ وہ شخص خرف نشناس نہیں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ
کا قرض ادا نہیں کرتا وہ قرض کیا ادا کرے گا؟

حکومتوں کے قومی ترانے جن کی دین کو اصل نہیں ہے ان کے اعزاز پر حکومتیں عوام کو مجبور کرتی ہیں کہ جب وہ بجائے جائیں تو سننے والے
کھڑکے ہو جائیں لیکن قریضہ نماز کی اہمیت اور فرضیت نگاہوں سے اوجھل ہو گئی ہے۔

”مصلوۃ“ بھی اہم ترین فرض ہے جب غفلت کا یہ عالم ہے تو دوسرے فرائض و ارکان سے احتیاط کی توقع کی جا سکتی ہے یہ تو بے مسلم حکومتوں کا
”معروف“ کے ساتھ ہوتا ہے اس کے مقابلے میں ”منکرات“ پر کوئی تدبیر نہیں، بلکہ بعض منکرات و فواحش کی تو فی مسہرہ پستی اور عرصہ افزائی کی جاتی ہے
شراب، سود، قمار اور اس قسم کے دوسرے ”منکرات“ کو کھلی ہوئی چھٹی ملی ہوئی ہے، کافر ریاستوں اور بے مسلم حکومتوں میں ان ”منکرات“ کی مقبولیت اور
معاشرے میں رواج کا جو رنگ ہے، مسلم ملک میں بھی وہی رنگ نظر آتا ہے بلکہ پہلے کے مقابلے میں یہ رنگ اور زیادہ گہرا اور تیز ہو گیا ہے۔
اسلام نے صلائے و عوام کا جو نظام مقصد کیا ہے وہ جن چیزوں کو حرام و حلال قرار دیا ہے اس پر غور کرنے تک کی
رحمت ہی برداشت نہیں کی گئی اس بات کی طرف دھیان ہی نہیں لگیا کہ اسلام نے ہر ذی کائنات کے لئے حلال اور حرام کی تاکید کی ہے۔
ناچار ذرائع سے جو دولت حاصل ہوتی ہے وہ اسلام کی نگاہ میں نجس اور ناپاک ہے، یہ نیاست جب معاشرے میں محسوس جاتی ہے تو زندگیوں
کی گدھ پست باقی نہیں رہتی، اور جن زندگی میں طہارت نہ ہو وہ انسانی سوسائٹی کے لئے وبال ہے۔۔۔۔۔ جس قسم کی پرورش عوام کو ملی اور ناجائز
دفعی سے ہوتی ہے، عدالت خریفین میں اس قسم کے لئے بڑی شدید وعید آئی ہے۔

مسلم حکومتیں اگر اپنے دینی قوانین کو پچھتیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو بلند و غالب کرنے کا نہیں اس میں ہوتا تو۔ بلکہ اس کے بعد اس پر پابندی لگاتیں اور دنیا پر ثابت کر دیتیں کہ دہرائی حکومت پر قرآن کا فیصلہ جی ہے۔ تجارت بے سود بھی چل سکتی ہے اور معاشی کا سدبار اور تجارت میں دین کے لئے۔ سود کوئی ناگزیر ضرورت نہیں ہے، یہ بڑی تو سرمایہ دارانہ ذہنیت کی پیدا کی ہوئی ہے اور یہودیوں، بنیوں، یہودیوں اور شیعہوں نے۔ سود کی لعنت کو مناجا دیا ہے، تجارت میں نفع و نقصان اور سود بایک کے لحاظ کی ضمانت کے ایسے ذرائع اور بدل بھی موجود ہیں، جن کا رواج اسے کئی قسطنطینی نہیں ہے۔

یہ کیا ہو رہا ہے؟ لیپ میں مردوں کے آزادانہ اور بیباکانہ اختلاط اور گودوں کی فتنہ بے گمانی نے وہاں کے معاشرے کو پستی کی جس حد تک پہنچا دیا ہے وہ کسی ثبوت کا محتاج نہیں ہے، اس معاملہ میں ان کی زندگیاں بچ چکے ہیں جیسے ہو سکی ہیں بلکہ وہ وقت اور پاپ آچکا ہے کہ۔ وہ شیراز اور سمیت کے الفاظ میں لغات اور کتابوں میں لکھے ہوئے ملتے ہیں، واقعہ اور وجود اور عزت کے لحاظ سے یہ الفاظ بے اثر نہیں پائے جاتے، مسلم ممالک میں بھی اس فتنہ کو پران چڑھنے کے موقع مل رہے ہیں یہاں کے معاشرے میں وہی رنگ پیدا ہو چلا ہے اخلاق کی تباہی اور معاشرے کے بگاڑ لاکھوں کو اس تک نہیں پہنچا رہی جن پر مشرکوں اور مانوں اور یہودیوں میں سیدہ فاطمہ اور حضرت عائشہ کے مقدس گہوار کی جھلک اور خوب پیدا ہوئی چاہئے مگر وہ رگڑا گا۔ بو اور دیو کا کافی مٹی جلدی ہیں، گارنٹ کی حد ہو گئی کہ بعض مسلمانوں میں شراب تک پینے لگی ہیں۔

سہ لہجہ کا کوئی حد سے گزنا دیکھئے

مسلم ممالک کے آزاد ہو جانے کے بعد مردوں کے بیباکانہ اختلاط اور گودوں کی فتنہ بے گمانی کا جو مٹی ٹپا ہے اور ہر ایک کی فدا خلق و شرافت کے بند ڈھیلے ہونے کے لئے چلے جاتے ہیں یہ آتش بیدار ہے جس پر ہم فاعس کے اظہار کے لئے الفاظ نہیں لیتے، یہ خرابی ایک حد پر پہنچ کر ختم نہیں ہو جاتی مسلمانوں کو نقص و سرور کے مظہر ہونے کے لئے اسٹیج پر لایا جاتا ہے مسلم ممالک میں۔ کچھ لڑکوں کے نام پر ان خواہش کا کچھ ہندو مکتب ہند ہے اور لڑکے کے ساتھ اختلاط میں ان شرف نگاہ کی نظر کی تصویریں چھپ رہی ہیں، اسلام نے صحت کا حق و صحت کی حفاظت کے لئے جو خطری عمارت قائم کئے تھے ان کو توڑ کر مسلمانوں کو دین و دنیا کی رسوائی کے سوا اس کا حاصل حاصل ہے، مسلمان عورتیں اور قص و سرور کے مظہر سے خدا کی پناہ! دنیا کے سامنے اسلامی تہذیب و ثقافت کا یہ کتہ بڑا ثقافت اور اسلام کے ساتھ کیا افسوسناک خالق ہے۔ عورتوں کے کسے نیشن کو اس طرح کچھ کر کے نام پر۔ گھر بڑا اور ہندو شریف بنا دیا، یہ اگر کا نام ہے تو بہت بڑا کا نام ہے!

ان برائوں کے ساتھ جن مسلم ممالک میں اسلام کی بے سرح ہدی ہے اور دین کی علی تشہیر و تحقیق کا کام جاری ہے وہاں اسلام کو ٹانٹا بنانے کی کوشش کی جا رہی ہیں، دین فطرت کی جدید تحقیق اور ان کی بے سرح کا متقاضی نہیں ہے، اللہ اور رسول کے ساتھ ہونے کے احکام پر محبت سے درست، صحیح، حق اور انسانیت کے لئے مذہب میں، جس کو سوال قرار دیا گیا ہے اسے کوئی حرام نہیں کر سکتا اور جسے حرام ٹھہرا دیا گیا ہے اس پر حلت کا فتویٰ نہیں لگا جاسکتا، دین کی جانب دی نہیں انڈیا، اللہ ہی مرض و واجب، سنت و مستحب، مباح ان تمام وجوہات کی تفصیل اسلامی لٹریچر میں ملتی ہے، دین کی کسی قسم پر نہ اضافہ ممکن ہے اور نہ اس میں کمی کی جاسکتی ہے، ہاں تحقیق اور بے سرح دین کے احکام، قدسوں، روایتوں اور نظریوں کی کئی تشکیل کی خاطر ان کی فادیت و اہمیت پر نفسیات، فلسفہ، سائنس، انسانیات اور دوسرے علوم سے دلیل و سند لانے کی ضرورت ہو سکتی ہے اور ہونی چاہئے، مگر یہ سارے کہ اللہ اور رسول کے احکام میں بے سرح ہے اور تحقیق کے نام پر قطع و بید کی جا رہی ہے وہ سود جو، بے پردگی ہو، یا رقص و موسیقی ہو ان کلمات کے جواز کے لئے دین میں گھسائیں لگائی جا رہی ہیں، خوب و ناخوب کا معیار خود آپ کا دین و فکر بن کر رہ گیا ہے، اسی معیار پر مبنی و اشتیاق کو رکھا جاتا ہے۔ حالانکہ امت مسلمہ کو ملکہ تعالیٰ نے چیزوں کے پرکھنے کے لئے کتاب و سنت کی کسوٹی دی ہے جو چیز اس کسوٹی پر پوری نہیں اترتی وہ کوئی اور ناقص ہے اسے

بھی تو نظریاتی ہے جس نے مطلق الزام نہیں ہے کے خطاب کی پرمانہ کرتے ہوئے کھڑے قیاسی اندازوں سے ان کی جان میں ہاں نہیں دے گا ! اسی دور کے ایک باقیہ عالم نے خلیفہ کے فرمان اور حکم کو جس میں خلافت شرعی کی بات کی تائید کا فتویٰ طلب کیا تھا ، اپنی جگہ کے سامنے ڈال دیا مگر چار سو کے ایک قضا کی فرمان کے کاغذ کو بھی چوڑی ! حضرت سفیان ثوری کی رائے تھی کہ یہ فتویٰ درست نہیں ہے ، خلیفہ اس وقت تک کہ خط لکھ کر دینی قریضوں کا حق ادا کر دیا اس خط میں حضرت ترمذی نے خلیفہ کی زندگی پر ، امت المملک کے اسراف پر اور دوسری باتوں پر سختی کے ساتھ تنقید کی ، اس وقت تک کہ اس نے خطاب و برہنہ کی بجائے اس خط کو صحیفہ ہدایت سمجھا مات کو سوتے وقت خط کو پڑھتا تھا اور دعا کرتا تھا ۔ بھائی کی کتابت اس کی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کی عزیمت ، استقامت اور حق گوئی کے آگے جھکنا پڑا اور آخر کار حجت اس غیر مجتہد نبی کی رہی !

رہنما ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ ہے ، ایک عالم کو جو خوش الحان تھا ، جس کی تفسیر بھی تھی ، حضرت بھی ہی بلایا ، گفتگو کے دوران نماز کا وقت ہو گیا ۔ بادشاہ نے اس عالم دین کی اقتدار میں غماز ادا کی ، نماز ختم ہو چکی تو سلطان نے جواب دیا کہ میرے پاس تو حضرت ائمہ کا دعوت ہے آپ کی اہمیت میں آتا ہے میری دعوت ہے کہ آپ اپنے نظریہ میں غماز پڑھانے کی نکتہ نگاہ فرمایا کریں ، اس عالم دین نے اس کے جواب میں کہا ، سلطان ! دین کی اصلاح میں اس نکتہ کے پاس سے دے کے صرف بہتر نہ ہو گئی ہے تو اسے بھی چھین لینا چاہیے ۔

پیرانو پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سلطان وقت کو جب کسی خط لکھتے تھے تو اس کا غانا اس طرح فرماتے تھے : " عبدالقادر جیلانی حکم دیتا ہے " سلطان حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو ان کے اظہار یا کرنا نہ چاہتے ، سلطان کو کہتے جاتا تو باہر تشریف لائے اور سلطان کو کہتے ہو کر کہ آپ کا استقبال کرتا ۔

ایک بادشاہ ایک مدینہ کی پاکیزہ اور شرافت و کرامت کا شہرہ من کران سے غصے کے شے گیا ، مدینہ نے بادشاہ کے آگے جہاں وہ بیٹھا تھا ، بلکہ برقی کے ساتھ پاؤں پھیلا دیا ، جب بادشاہ مدینہ سے مل کر واپس چو گیا تو اس کے بعض غم نشینوں نے غرض کیا کہ تہذیب بادشاہ آپ کو چھریاں باندھنے کی بجائے خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا ، آپ اس کی تکریم کو خلیفہ نہ فرماتے مگر آپ نے اس کے آگے پاسے مبارک کو دے کر فرمایا : مدینہ نے جواب دیا ، لوگوں نے مجھے خلیفہ اور خلیفہ کے اہل میں جانتا ہوں ، مگر حریف خلیفہ ہے ۔ —————

تکبر نفس کے ساتھ تکبر سے پیش آئی کہ کلام ہے ایک اس حکم کی تعمیل مقصد تھی ، مدینہ بادشاہ اور دوسرے دیکھنے والوں کو یہ جتنا غصہ تھا کہ دین سے بغض تھا گھٹنے لیتا ہے وہ بادشاہ وقت کے آگے پاؤں پھیلا سکتا ہے !

پیرانو کے بعد خلافت میں ایک خلیفہ جو علما اور مفتیوں کو تحفے اور ہدیے بھیجا کرتا تھا ، اسے ایک مسئلہ میں علمائے دین سے فتویٰ لینا ضرورت لاحق ہوئی ، مدینہ بادشاہ کی مرضی کے مطابق فتویٰ مرتب کر کے علما کے پاس پہنچا ۔ بہت سوں نے اس فتویٰ کی تعریف کی تھی کہ اسے وقت کے دے مگر ایک عالم نے انکار کر دیا ، مدینہ اس کو دیکھا اور اس کی بات بڑھنے لگی تو وہ عالم دین گھر کے اندر گیا اور سلطان کو کہہ دیا کہ اسے فتویٰ دینا اس کے سامنے دے دینے کے ساتھ ہی لے لے رہا ہے کہ اس نے سلطان کی بھیجی ہوئی کسی ایک چیز کو بھی لے لے نہیں لگا دیا ہے معلوم تھا کہ ایک نہ ایک نایاب و قیمتی ہوا ہے ، آپ ان شے پہلی کو واپس لے جائیں ، میں شرع کے خلاف فتویٰ نہیں دے سکتا ۔

یہ وہ علماء تھے ، جن سے اس علم کی تاریخ آباد کیا ہے انہی کی حق پرستی کی بدولت سچائی کے تقویٰ آپ تک روشن و منور ہیں ، حضرت محمد انام الاحیاء نے " حیات نبی " (یعنی القضاۃ) کے منصب جلیل کی پیشکش کو ٹھکرا کر اس کی بادشاہ میں جواب دہی کا لٹ نہ بٹا کر : " امتان نفوس قصبہ کے کارنامہ پر غصہ لگتا ہے (انہیں گرفتار)

مسلمان ملک کے جن حالات کی تفصیل ہم پیش کی گئی ہے اسے حقائق اسحق ہیں ۔ جن میں نہ کسی جانف سے کام لیا گیا ہے اور نہ مفروضہ طرہ کوئی بات زیب داستان کی خاطر بیان کی گئی ہے ، جن حضرات نے ان ملکوں کی سیر و سیاحت کی ہے وہ ان کے حالات کا پتہ لگایا ہے ۔

اس کی شہادت دے سکتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ کہا ہے، وہ تو بے اصل ہے، لہذا جہانگیر آمیز ہے۔

ان حالات میں دین پسندوں کا شکستہ خاطر اور غم و غلیظ ہونا، غلطی بات ہے، مگر ان اصفیاء کو خدا کا اور دیکھ کر غریب کا دل جڑھتا ہے، یہاں تک کہ قرآن کریم بتاتا ہے، انبیاء و کرام تک کی پیش کی ناسازگار کہ کو دیکھ کر "سنتی نصراۃ" ان خرافات و افسانوں کی مدد کرتے گی، مگر آج کے ہیں! لیکن اسلام پسند طبقہ میں دین کو تم دیکھا کرتے کا حوس رکھتا ہے، اسی دین کے کسی حالت میں بھی پچھس ہو۔ یہی جھوٹے، اہمیت داسنے کی تعلیم نہیں دے گا، حالات کچھ ہی ناواقف اور بگڑے ہوئے ہیں نہ ہوں، اصلاح حال ہی کے لئے کوشش کرنا ہی چاہئے، اقامت کے دن پر ساری نہیں ہو گا کہ حالت تم نے بدل دی نہیں دیتے، اگر نہ کہ حالات کا بدلنا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، ہم نے یہ ساری ہو گا کہ حالات کی تبدیلی کے لئے تم نے کیا کیا؟

جن ممالک میں جس قسم کی بھی حکومت تھی، شہزادیت باقی باقی ہے، وہاں آئین و قانون کے حدود میں رہ کر تبدیلی اصلاحیہ کام کر رہے ہیں، یہ ساری کوئی شک نہیں، بڑے عرصہ سے قسطنطنیہ کی جانب سے یہاں پر قدم بردھ رہا ہے، ان کی پالیسیوں سے وہ جا رہا ہے، یہاں پر تبدیلی، اگر کوئی پالیسی کے مطابق جو غلط ہے، اسے بدل دیتے ہیں، اسلام پسندوں کو تبدیلی حالات کے لئے جائز اور سہا جہ تدبیریں سے کام لینا چاہئے، نیکی کا حصول، نیکی کے راستہ اور راستہ پر چلنا چاہئے، غم و اندھاں اور محتاج و تنہا میں بھی شائستگی کی نمود اور اہلبالہ و البغض خدا کا نام اور اس نظریہ کی پورے طور پر چھٹک، ان کی نیچ اور غیر خواہش کے طور سے جو جدوجہد کی جاتی ہے، وہ ایک نہ ایک دن کسی نہ کسی شکل میں فرو ہو جائے گی، اسلام آج پانچویں انہری کو بھی "طریقہ" یعنی اجنبی نظریہ آتا ہے اس کے قیادت اہل سنت و تبلیغ کی ذمہ داری اسلام پسندوں پر عائد ہوتی ہے، جدوجہد اور مسلسل جدوجہد میں اس کی فکر کو کسی طرح اللہ کا دینے، غالب ہو جائے، یہاں تک کہ اسی منزل میں موت آ جائے، اصلاحیہ بالغیر ہو یہی ان افسانوں کی بدولت، مسک اللہ طسہ زندگی ہے، جن کو قرآن میں "اولئک ہم المفلحون" کہا گیا ہے، اللہ تعالیٰ میں ان فلاح پانے والوں میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرماتے (آمین)

آج رات درجی
"اسرارِ سلطان مبارک" — سومر دسمبر ۱۹۷۷ء



آزمودہ دواؤں کا مرکب انساجین



سر درد - کمر کا درد - دانت کا درد
ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے
یعنی زود اثر اور بے ضرر علاج ہے

Special

۱۹۵۳

ذہنی الجھاؤ اور سلبی تفکر (۲)

دنیا کے تمام وساتیر کا پہلا نکتہ حاکمیت یا اقتدار اعلیٰ (SOVEREIGNTY) کا قین ہوتا ہے سیاسی اصطلاح میں حاکمیت کا مفہوم ہے اس کی وضاحت کے لئے چند سیاسی مفکرین کی آراء و نقطہ ہائے نظر نقل کرنا مناسب ہوگا۔

اقتدار اعلیٰ یا حاکمیت جس کو انگریزی میں سارنٹی کہتے ہیں لاطینی لفظ SUPREMACY سے ماخوذ ہے جس کے معنی اعلیٰ۔ ف۔ لون۔ اور بہتر کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ بوڈین (BOUDIN) نے اقتدار اعلیٰ کی تعریف یہ کی ہے کہ "شہریوں اور رعایا پر ریاست کا ایسا حق جو قانونی حد بندیوں سے آزاد ہو" دوسرے مفکر گلکرایٹ (GILCHRIST) کے نزدیک تعریف یہ ہے "یہ وہ ذی اختیار ہے جس کو از روئے قانون قطعی اور آخری حکم نافذ کرنے کا اختیار ہو" روسو (ROUSSEAU) کے نزدیک اقتدار اعلیٰ ناقابل امتثال۔ ناقابل تقسیم ناقابل خط و مطوطہ اعلان ہوتا ہے۔

اقتدار اعلیٰ کی اس تشریح کے بعد یہ بات قطعی ہو جاتی ہے کہ اسلام میں نہ تو کوئی شخص یا ادارہ قانون سے بالاتر ہو سکتا ہے اور نہ ناقابل خط و امضاء و مطاب کیونکہ اگر کسی کی نسبت یہ تمام حقوق تسلیم کرنے جائیں تو پھر تشریع کی قائم کردہ حدود و حدود دولت و حوریت کا اس کو پابند نہیں کیا جاسکتا، اسی لئے اسلام میں یہ حق صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہے۔

والذی ملئت السموات والارض من رحمہ ورحمۃ
ولہدایہم لئلا یشتد فی الملت -
والفرقان -

وہ جو زمین اور آسمان کی بادشاہی کا مالک ہے جس نے
کسی کو بیٹا نہیں بنایا ہے اور جس کی بادشاہی میں کوئی شریک
نہیں۔

ومن لہم حکمہما انزل اللہ فاولئک ہم
المکلفون (المائدہ)

اور جو اللہ کے نازل کئے ہوئے قانون کے مطابق فیصلے نہ
کریں وہی کافر ہیں۔

ان آیات مقدمہ سے واضح ہوتا ہے کہ زمین کی فرماں برداری اور حاکمیت صرف خدا کے لئے ہی ہے اور چونکہ وہ ہی مقتدر اعلیٰ ہے، لہذا اس کے نازل کردہ احکام اور ہدایاں جن کا ذکر قرآن اور سنت میں موجود ہے قطعی اور آخری حیثیت رکھتی ہیں جن میں کوئی بھی تبدیلی کا ہمارا نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ خرافہ نازکے ساتھ یہ دعویٰ فرما رہے ہیں کہ اسلام امت مسلمہ کو کوئی دستور یا کتاب نہیں دیا وہ بتائیں کہ قرآن کے اس فیصلہ پر ان کی کس طرح کیا ہے اس قرآن کا فیصلہ کردہ یہ نکتہ ایک دستور کا مطالبہ ہے یا نہیں ؟

دستور کے ضمن میں دوسری بات جو سر حکومت کو طے کرنی ہوتی ہے وہ یہ کہ ریاست کا مقصد جو دیکھا ہے۔ بادشاہی نظام میں یہ مقصد شخص واحد کی سماعت و غفلت کی برتری پر عجب و جلال کا تفریق عینش و نشاط کی فراوانی کا خالق حصول اور نواز کو مل جاتا ہے۔ جس سے اس کی فکر ہے۔ مغربی جمہوریت میں حریّت و مساوات کا حصول سیاسی حقوق و فرائض کی منصفانہ تقسیم اور رائے عامہ کی برتری ہے۔ اشتراکیت میں معاشی مساوات کا جو ہی نظام اور پرولتاریہ کی سیاسی فزیت کا تصور ہے مگر اسلام ان سب کے بالکل ایک ہی گیارہ یا گیارہ نظریہ یہ دیتا ہے۔

الذین ان ملکنا محمد فی الامن الیمو الصلوة
و اتوا لفرکوة و امروا بالعرف و نہضوا عن المنکر
وہ لوگ جن کو اگر ہم نے زمین پر ظلم و تلکین دیا تو یہ نماز قائم کریں گے زکوٰۃ ادا کریں گے اور اچھا نہیں کا حکم دیں گے برائیوں سے روکیں گے۔

اسلامی ریاست کے مقصد وجود کو چار جامع الفاظ تقسیم صلوة، امانے زکوٰۃ، حکم نیکو کاری اور امتناع بدی میں ادا کیا گیا ہے۔ زیادہ طرقات کا یہ تعلق نہیں ہے مگر یہ چار باتیں انسانیت کو ایسے پاکیزہ اور تعمیری معاشرے سے روشناس کرا سکتی ہیں جس کی آج اس کو سب سے زیادہ تلاش ہے۔ پہلی بات نماز انسان میں عجز اور بندگی کا احساس پیدا کرتی ہے اور یہ احساس ہی جمہوری حیثیت کے ایک ایسی سوسائٹی معرض وجود میں لاتا ہے جس میں حاکم و محکوم، مطیع و مطاع، آقا و بندہ اور بلند و بلند کے فرائض امتیاز نہایت کی کوئی گنجائش نہیں رہ سکتی اور جس کے اندر ہر فرد اپنی ذمہ داری کو محسوس معنائے الہی کے جذب کے تحت انجام دیتا ہے اور اس طرح خالق انسان کی ہر رنگ و نسل کے تعصبات میں رنگ انسانیت برائیوں کا قلع و قمع ہو جاتا ہے اسی طرح زکوٰۃ کی بنیاد پر جو مالیاتی نظام وجود میں آتا ہے وہ ریاست کے ہر فرد کو کفالت و تکلیف امتیازیت کی ضمانت فراہم کر کے معاشرہ کو معاشی ناہمواری سے بچاتا ہے۔

انسانی سوسائٹی اس وقت تک تعمیری استحکام حاصل نہیں کر سکتی جب تک اس کو مسئلہ برائیوں سے بچا کر نیکو کی مسئلہ اقدار سے بہرہ ور نہ کیا جائے، جس سوسائٹی میں برائیوں کو فروغ حاصل ہوتا ہے اس کی زندگی بھی نقش بر آب سے زیادہ نہیں ہمارا کہتی اس سے اسلامی ریاست کا یہ اولین فرض ہوتا ہے کہ وہ برائیوں کا خاتمہ کرے اور اچھا برائیوں کو فروغ دے۔

کسی دستور کا تیسرا اہم مسئلہ حکومت کے قانون سازی کا دائرہ عمل (LEGISLATIVE JURISDICTION) ہوتا ہے، اس ضمن میں اسلامی حکومت اُن تمام قیود اور حدود کی پابند ہوگی جن کی دفاع متقرآن اور سنت میں موجود ہے مثلاً زنا، شراب نوشی اور جوا وغیرہ قابل تعزیر اور منوع تصور ہوں گے ان کے خلاف کے لئے کوئی قانون بنانا ریاست کے خارجہ اختیار ہے ہر شخص ہر گاہ کہ اسلام کی ریاست بذات خود مقتدر و ماعلیٰ (SOVEREIGN POWER) نہیں ہے بلکہ اقتدار الہی کی نیابت کی منظر میں ہے اور یہ ظاہری بات ہے کہ کسی اعلیٰ (SUPREME) کا حکم اور فی مابعدت (SUBORDINATE) منسوب نہیں کر سکتا۔

وہا کاں مومن ولا مومنہ اذا قضی اللہ ورسولہ
امرا ان یکن لہم الخیرۃ من امورہ
کچھ مومن یا مومنہ کا یہ کام نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کریں تو ان کے لئے کوئی اختیار یا پسند کا موقع نہ جائے۔

والا طالب

البتہ ریاست اسلامی کسی دستور کی بات کی تفصیل و تعبیر (DEFINITION) یا اس لئے طریقہ کار (PROCEDURE) یا اس لئے انتظامی قانون (ADMINISTRATIVE LAW) وغیرہ بنانے کی ہلک برگی مگر اس کا کوئی قانون قرآن یا سنت کے کسی حکم کے خلاف (REPUGNANT) ہر اس قانون کو قطعی غیر مؤثر و INVALID قرار دیا جائے گا۔
کے دستور میں یہ بات بھی طے کر لی جاتی ہے کہ انتظامیہ اور عدلیہ کا دائرہ عمل کیا ہوگا۔ اسلامی حکومت میں انتظامیہ محدود دائرہ کے نفاذ و تحفظ اور

مشاور کی اسوی تربیت و عاوضہ نظم و نسق کی دستاویزی رو کوئی ایسا حکم دینے کی مجاز نہ ہوگی جس کے تحت حدود و انہی کی خلاف ورزی ہو۔
ولا یطیعوا امرا المسلمین الذین یصلحون (المشرع)
انسان حد سے گنہ گار نہ ہونے والوں کے حکم کی اطاعت نہ کر
بوزین میں بگاڑ پیدا کرتے ہیں اصلاح نہیں کرتے۔
بجانب عدالت کا کام بھی یہ ہی ہوگا کہ وہ انفساری و اجتماعی معاملات یا کسی خلافی معاملہ میں جس کے تحت فرد اور انتظامیہ (Exclusion) میں اختلاف ہو قرآن اور سنت کی بنیاد پر اپنے فیصلوں کو صادر کرے۔

نا حکمہ بینہم بما انزل اللہ ولا یطیع اھواء
ہم عباد عت من الحق۔
پس تم لوگوں کے مہدیان اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق
نیچے کو گرا دے حق کو چھوڑ کر جو تھارے پاس آیا ہے لوگوں کی
خواہشات کی پیروی مت کرو۔

شہریوں کے حقوق اور ان کی ذمہ داریوں کا تعین بھی ایک دستوری مسئلہ ہے اس معاملہ میں بھی قرآن اور سنت کا مسلک بالکل واضح ہے۔
اسلامی سیاست چونکہ ایک نظریاتی (Ideological) یا اصولی بنیاد پر اپنا اجتماعی نظام تعمیر کرتی ہے اس لئے وہ سیاسی حقوق
نہ (Political Rights) میں مسلم اور غیر مسلم کا امتیاز رکھتی ہے۔ اگرچہ ایک نظریاتی نظام میں مملکت کے کلیہ مسابھ ان لوگوں کو قبول کر
دے یا نہ دے اس میں جو اس نظام کی بنیادی باق پر ایمان اور یقین نہ رکھتے ہوں، ہر نظریاتی نظام اپنے اصولوں کے تحت اور ان کے لئے یہ اقدامات کرتا
ہے اور بھی اشتراکی اور اشتراکیت حکومتیں اس مسئلہ میں بطور نظریہ پیش کی جا سکتی ہیں۔ بہر حال اسلامی سیاست میں کلیہ کی بنیاد پر ان لوگوں کو فائدہ
نہیں کیا جا سکتا جو اسلام کو اپنا دین نہ تسلیم کرتے ہوں۔ اس کے علاوہ تمام شہری حقوق (Civil Rights) میں اسلام مسلم اور غیر مسلم
کے مہدیان مکمل مساوات قائم کرتا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے شہریوں کے منہجہ ذیل حقوق ہیں۔
۱) شہریوں کا یہ حق ہے کہ ان کے جان، مال اور عزت کا تحفظ کیا جاسکے اور بغیر کسی قانونی جواز نہ چارہ ہوئی کے ان کو اس حق سے محروم نہ کیا
جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ان دماءکم و اموالکم و اعراضکم
حرام کحرمۃ یومکم حدنا
تمہاری جانیں تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ویسی
جی حرمت رکھتی ہیں جیسے بچے کے اس دن کی حرمت۔
رب، شخصی آزادی کا تحفظ اور احترام نفس۔ اسلامی معاشرہ میں ہر شخص جائز حدود میں حریت اور احترام کا مساوی حقدار ہے کسی فرد کو اس حق
سے محروم نہ کرنا چاہیے اور عدل و انصاف کے مسئلہ تقاضوں کی تکمیل کے بغیر محروم نہیں کیا جاسکتا بغیر اس کے ہر تعزیری یا انتظامی اقدام
ایک غیر عادلانہ نفس ہوگا جو قرآن کے قیام عدل کے حکم سے متصادم ہوتا ہے۔

الانظما یا مسر یا عدل والاھسان (المفلح)
یہ ہی وجہ ہے کہ حضرت محمد رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ
لا یرسر من فی الاسلام بغیر عدل
الذہم دینا ہے عدل اور نیکی کا
اسلام میں بغیر انصاف کے کسی فرد کو تہ نہیں کیا جاسکتا۔
(موطأ، باب شرط الشاہد)

۲) اسلامی سیاست میں ہر فرد کو ذمہ داریاں نظم و نسق کی تعلیم اور ایمان پر تہذیب و اخلاص کا لازمی اور اس حق حاصل ہوتا ہے کہ نہ کہ انہی ر نیال
کی آزادی ہر فرد کا مساوی بنیادی حق ہے جس کو ختم کر کے کسی مخصوص طبقہ کو عمومی احتساب و نقد سے باہر تہذیب و دنیا نہ صرف فرد کے نظری حق کی نفی
بلکہ قیامت کو کھلی دھت دینا ہے۔ حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ما من قوم عدا بالما صی وقیم من یقما
 ان ینکر علیہم نظم یفعل لای فیکفی یمہم
 اللہ بعد ذاب من صلا
 (۳) اسلامی است ہر خبری بنیاد کفریات زندگی کی ضمانت کا حوالہ ہے۔ کوئی شخص صحت اور گردش کا شکار ہو جائے تو اس کی کفالت کی دیت
 پڑھ مادی ہرگ۔ یہی کلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

السلطان دلی من لا دلی
 من تروک کلا ین
 چنانچہ خلافت کا شہدہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کا تین اس کی مثال ہے۔

حق شہرت کا سند بھی ایک دستری موضوع ہے اسلئے اس حق کے لئے شخص وطن (Land - Soil) یا نسلی بنیاد (Jury - Jury) کو تسلیم نہیں کرتا چونکہ وہ ایک بہرہ گیر نظریہ باقی نظام کا دھار ہے اس لئے حق شہرت کی بنیاد وہ نظریہ کو تسلیم دیتا ہے ملک انس یا خاندان کو نہیں
 تفصیل کے لئے سورہ الانفال - ۷۲ کا مطالعہ کیا جائے۔

سرباہ مملکت کے طریقہ کار تین اساس کی شرائط پرستہ کا ایک بنیادی مسئلہ ہے اسلامی نقطہ نگاہ کو سمجھنے کے لئے یہ تصدیق ناگزیر ہے
 کہ اسلام میں اجتماعی نظام کی نوعیت اور حقیقت کیا ہے۔ انسانی تعمیرات نے حکومت کی آج تک معنی اور معنی صریح جنم دی ہیں ان سب کے اندھ
 یہ تسلیم موجود ہے کہ وہ کسی نہ کسی سطح پر سراسر انتظامات مکرانی کسی طبقہ کسی نسل یا خاندان اور گروہ تک محدود کر دیتے ہیں جس کے نتیجے میں
 انسانی معاشرہ کی عظیم کثرت ایک فیصلہ طبقہ کی زندگی پر محدود ہو جاتی ہے۔ اسلام بنی نوع انسانیت میں شخصی یا طبقہ کی تفصیل کو تسلیم نہیں
 کرتا بلکہ ہر بنی نوع انسانیت کو روک دے اور انسانی بنیاد کا حقدار تر اسدیتا ہے۔ انی جاہل فی الامراض خلیفہ۔

ہر وہ شخص جس کو وہ مادی سے متروک اور کشتی اختیار نہیں کرتا خدا اور اس کی وحی و رسول پر ایمان لا کر اور اس کے نازل کردہ قوانین
 کے اتباع سے عطا شدہ شہر کی زندگی اختیار کر کے اپنے نائب بننے کا اقرار ہی عہد (۱۹۶۱۸۸۸۸۸۸۸۸) کرتا ہے وہ خدا کی عطا کردہ خلافت
 پر مادی شریک کا ہوتا ہے ہی وہ ہے کہ قرآن کی وحید خلافت میں کما طب واحد یا فردی نہیں بلکہ کما طب جمع و انفرادی ہے۔

وہی الام الذین امنوا متکلموا علی صلیحت
 یستخلف فیہم فی الام من کما استخلف الذین
 من قبلہم۔
 وعدہ کیا ہے اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں
 تم میں سے ایسا چلے عمل کئے ہیں کہ خلیفہ بنائے گا ان کو
 زمین پر جیسا کہ خلیفہ بنایا ان لوگوں کو جو اس سے پہلے تھے۔

ان حضرات میں خلافت پر نہ کہ ایک مختصر کو حق ہے ہر امت کا اس لئے امت ہی اس بات کی حقدار بھی ثابت ہوتی ہے کہ وہ اپنے ایمان پر خلافت
 نظم و نسق کے لئے سربراہ منتخب کرے اگر کوئی شخص بغیر انتخاب و مشاومت امت کے شخص خود واحد کی ذاتی پسند واپار پر سربراہ بنا دیا
 نے تو یقیناً خلافت کے اس مشترک حق کی نفی ہو جائے گی جس کے تحت خلافت پر واحد و فرد واحد کا نہیں بلکہ ہر امت کا حق ثابت ہوتی ہے۔
 اب اگر تسلیم اندیشہ شدہ بات ہے کہ خلافت امت کا مجموعی حق ہے۔ فرد واحد کی حکایت نہیں تو مجموعہ واحد صواب کی یہ منطق کہ
 ہم اس کا ہم سے باہر تھے کہ ایک طرف تو خود بھی خلافت کو امت کا مشترک حق تسلیم کریں اور دوسری طرف سربراہ خلافت کو اپنے جائزین کی نامزدگی
 تا بغیر امت کی رضا مندی کے سپرد فرما کر خلافت کو فرد واحد تک محدود فرمادیں۔ یہ عجیب چیز ہے کہ خلافت کے نظم و نسق کی ذمہ داری
 شخص کو دھرم امت تو یقین کی جائے مگر وہ شخص امت کی اس امانت کو بھی ذاتی حکایت کی طرح جس کو چاہے منتقل کر دے۔ جن لوگوں نے اسلامی

خلعت کی زوجیت کو نہیں سمجھا ہے وہ اسلامی نظام کے متعلق اس قسم کے پہلے تصورات لکھتے ہیں تو کوئی تعجب نہ سمجھنا چاہئے۔
حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام کا تصور حکومت شمولی ہے، اس شمولیت کے تحت سہولت مملکت قطعی طور پر تمام معاملات و مہمات میں مشورہ کا پابند ہے۔ خود قرآن حکم کے یہ حکم دیا ہے۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ
اور معاملات میں مشورہ کرو پھر جب تم عزم کرلو تو اللہ کے
بھروسہ پر عمل کرو۔
آل عمران ۱۵۹

ممكن ہے یہ خیال پیدا ہو کہ مشورہ ایک رسمی بات ہوگی۔ اگر صرف مشورہ ایک کھادے کا تماشا ہوتا تو کبھی قرآن حکیم اس کو ناکیدی انداز میں بیان ہی کرتا
دوسرے یہ کہ وہ شمولی نظام کی نمایاں خاصیت۔ CHARTERIST قرآنہ نبیت۔

وَأَصْرَحْهُمْ شَوْرَىٰ بَيْنَهُمْ
وہ تمام معاملات باہمی مشورہ سے طے کرتے ہیں۔
اس لئے شوری کے متعلق یہ غلط فہمی نہ رہنی چاہئے کہ یہ ایک رسمی عمل ہے جس کی ترغیب کے بعد سربراہ مملکت کو اقدام کے لئے شخص ذاتی رائے
پر اصرار دکر لینا چاہئے۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی کی حقیقت احمد غسلس کی تشریح فرمادی ہے چنانچہ جب بعض صحابہ کرام نے حضور سے
آیت شاور ہم میں فاذا عزمتم فتوکل علی اللہ کی تشریح چاہی تو حضور اکرم نے ابتدا فرمادیا کہ۔

فتاویٰ اہل السنۃ شہر اسباب عہدہ
تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۰۰

سربراہ خلعت کی رائے کوئی شک نہیں وقت رکھتی ہے، مگر رائے عامہ پر اسے مقدم نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت
صحابہ میں رضی اللہ عنہ کے اقتدار کے معاملہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی سے خطاب فرمایا اس میں صاف صاف کہہ دیا کہ
معاذی فیما لہد یوحا ائی کا حاصل کہہ
ابن ماجہ الزوائد ج ۱ ص ۱۶۶ کتاب المناقب ج ۱ ص ۱۱۸

اسی بنیاد پر ہمیشہ اسلامی مفکرین نے تمام امور و معاملات میں شمولیت کے تقدم کو تسلیم کیا ہے۔ ابوبکر البصاف نے خود ہی کے متعلق کہا کہ
و فی ذلکما لغزیمتہ عقیب المشاورۃ و لا تلتمہا
قرآن میں عزم کا ذکر جو شوری کے بعد ہے اس بات کی دلیل
صدائے حق المشورۃ (احکام القرآن ج ۲ ص ۵۰)

پھر بھری کے معروف اسلامی قانون دان ابن علیہ کی رائے ملاحظہ ہو۔
ان المشورۃ ہی من قواعد الشریعۃ و ہذا تم الامام
و بحر المحیط ج ۲ ص ۱۹

آخر میں بھری کے عظیم مفکر صدر ابن تیمیہ کی رائے کہ شریعت کی بنیاد پر ہے۔

”اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اہم معاملات میں خود ہی کے لئے مامور تھے اور معاملات حکومت میں خود ہی کے فیصلوں پر عمل فرماتے تھے تو دنیا میں
کبھی وہ شخص پیدا نہیں ہو سکتا جو خود ہی کی پابندی سے آزاد ہو۔“ (السیاست الشرعیہ ص ۷۵)

شرعی کی اس صراحت اور اہمیت کے بعد کیا محمد احمد صاحب عہد کی نامزدگی کے فائدہ سے کوہست تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ کیا خاک مہین حضرت ابوبکر
رضی اللہ عنہ نے نص پائی فاقی رائے اور رضی پر اپنا جانشین نامزد کر کے قرآن اللہ سنت کی صلاحت کو نظر انداز کر دیا ہوگا؟
سربراہ کے تین کا سوال معاملات اجتماعی ہیں، ایک اہم مسئلہ ہوتا ہے اور جب کہ قرآن اللہ سنت تمام معاملات میں شریعت کی پابندی کی ناکید

کہ یہ پہلے قرآن کو لکھا گیا تھا کہ اس کے صحیفہ پر کلام تھا اس سے بنیاد کی برتری ہوگی۔

پھر قرآن کے احکامات کے انشاء اور منقطع و مواصلات سے اس کی نظام زندگی کے تصور کو واضح نہیں کیا جاسکتا ہے کہ یہ کمال ایک صاحب ایمان کے لئے ہر صورت قرآن اور سنت کی تعلیم پر بنائے اصول (DIRECTIVE PRINCIPLES) کا دیکھ رہے تھے۔

یا ایہا الذین امنوا استجبوا للفرمان وللسری اذا اذاعوا
یا حبیبکم ولا انفصال ۲
اے صاحب ایمان! ایک ایک کلمہ اللہ کے رسول کو جب وہ تمہیں
کہتا ہے اس کے خلاف نہ ہو اور تمہیں اس کی طرف سے کسی چیز کی تلقین ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے بعد مسلمانوں کے سامنے صرف اللہ کا مسئلہ آیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کلمہ جانننا نحمدہ نہیں فرمایا تھا حالانکہ اگر امامزدگی اتنی اہم بات ہوتی کہ وہ انتخاب است پر تقدم کرتے تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ حضور قرآن و سنت اور اس کی مصلحت نہ فرماتے مگر ایسا نہ ہونا اس بات کی حکمت و قائلہ وین ہے کہ حضور جو تک خلافت کو امت کا کلمہ حق تصور فرماتے تھے اس لئے آپ نے سربراہ خلافت کے تئیں اس امت کے عمومی احساس کو مدہ عمل دیکھا ہی پسند فرمایا۔

یہ بات بالکل پس انداختہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب محض چندانوں کی پسند کا نتیجہ تھا۔ ابوبکر کی زندگی کا ہر مرحلہ اور آپ کی خدمات کا ہم تمام لوگوں کو اچھی طرح تھا اس بنا پر امت میں جو تقریرات اور باتیں گاہے گاہے ملتیں جو قرابت آپ کو جس میں وہ بھی کوئی غلطی بات نہ تھی خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ امشا بھی مصروف تھا کہ

فذلک فی من اهل الامن من فابوبکر وعمر
روئے زمین پر ابوبکر و عمر میرے ذمہ ہیں۔

رواسد الغابہ ج ۲ ص ۲۱۳

عوامی تاثرات بھی یہ تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ہی سیدھے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول عوامی تاثرات کے اُن کے حق میں برکت کی بڑی دلیل ہے۔

کنتا نحمدہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
خیر هذا الامة فابوبکر وعمر
ہم آپ ہیں اس بات کا اظہار کرتے تھے کہ حضور امت میں اعلیٰ ترین غرو ہیں اس کے بعد ابوبکر و عمر۔

رواسد الغابہ ج ۳ ص ۲۱۴

دوسری جگہ آتا ہے کہ

کنتا نلکون فی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
من یكون اولى الناس بهذا الامر فقولوا ابوبکر
ہم ہمہما اللہ میں یہ بحث کرتے تھے کہ آپ کے بعد یہ امت کی
فہر دہائی کے لئے کن مناسب ہوگا تو ہمہما کی زبان پر ہوتا
تھا کہ ابوبکر۔

میں تقریرات اور جہان عام کے اس جھگڑے کے بعد کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ ابوبکر کا انتخاب صرف چند شخص کی پسند کا نتیجہ تھا اور اس میں امت کی رائے و مجلس کو کوئی دخل نہ تھا۔ درحقیقت ابوبکر کا انتخاب مسلمانوں کی رائے عامہ ہی کا نتیجہ تھا اس لئے اس کے حصول کے نتائج اور مسائل میں اختلاف تو ہر سکتا ہے یعنی یہ لوگوں نے رائے اور دلائل سے عام رہنمائی کو مسترد کیا جاتے مگر جو شخص اس معاملہ میں مراد امت کی رائے کی برتری کو نظر انداز کر کے شخصی رائے کے تقدم کا جواز نہ دے وہ قرآن اور سنت کی تعلیم و ترویج حقائق سے یقیناً لاعلم ہے۔

بحث کے اس مرحلہ پر مزید توضیحات سے پہلے چند سوالوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

۱) خلافت امت کا حق ہے یا کسی فرد کا؟

۱۲) اگر خلافت امت کا بحری حق ہے تو خلافت میں سربراہ کی حیثیت کیا ہوگی ؟

۱۳) اگر خلافت میں سربراہ کی حیثیت محض نظم و نسق میں خلافت کے نگران اور محافظ کی ہے تو اگر اس کو کسی بنیاد پر یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ امت کے بحری حق خلافت کو صرف اپنی ذاتی مرضی پر جس کو چاہے منتقل کر دے ؟

۱۴) اگر سربراہ کے لئے حق خلافت کے انتقال کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو پھر وہ کلامیہ بھی تسلیم کر لے گا کہ خلافت امت کا بحری حق نہیں ہے بلکہ یہ حق تو امت کا ہر ادا اختیار انتقال حق سربراہ کو یہ ایک مفاد و منہل ہوگا ؟

۱۵) خلافت میں اگر سربراہ کو ہائیں کے لئے ناز و کی کا حق حاصل ہے کہ وہ کون سے کوئی کنفکات (Dismissing Authority) میں جین کے مفاد خلافت کو صرف ایک یا چند خلافتوں میں محصور کرنے سے روکنا چاہتا ہے ؟

۱۶) نظریہ (Theory) صحت قیہ و دینی ہو کہ خلافت کسی فرد کی ملکیت ہے اور نہ کسی خاندان کی مگر ناز و کی کی بنیاد پر خاندانی مصلحت کی گنجائش پیدا کر لینا کیا فلسفہ اور منہل اختیار ہو ایک مفاد و بات نہ ہوگی ؟

۱۷) دین کے مقلدین کا یہ تسلیم شدہ کہ جب کوئی جہاد قسب ہوتا ہے تو جہاد غزل (Dismissing Authority) بھی ہوتا ہے کہ اگر نصب و عزل کے بعد جہاد غزل تو جہاد غزل میں ایک نیت عمل کو پائے و مقلی کا خطبہ ہوتا ہے جب اہل اسلام میں پیشہ سربراہ بعد کے سربراہ کے تعین کا ہوا ہے تو پھر لفظ دہی جہاد غزل بھی ہوگا امت کو عزل کا کوئی اختیار نہ ہوگا کیونکہ عزل تو یہی ہے کہ سطح میں اس کا آپ حق ہو گیا ہو ؟

۱۸) اس مسئلہ اصول کے تحت فرض کیجئے۔ الف۔ اپنا جائش میں جب کوئی قسب کرتا ہے اور جب عرب غیر سیدی و تہذیب کے امتداد کا انتخاب کرتا ہے تو اس صورت میں امت کے لئے کیا چارہ کار ہے چاہا ہے کیا تب کو جہاد غزل قسب نہ رہے دے گا نہیں تو اس بنیاد پر امت اس کے عزل کی جہاد ہوگی !

ان ساری باتوں کو پیش نظر رکھ کر خدا سے دعا ہے کہ اس ناز و کی کے فائدہ میں ایک عینی نظر ڈالنے اور بتائے۔ ان تمام باتوں کا کیا جواب ہوگا۔ ہمارے نزدیک ناز و کی کا اندوہ شاہ پر حق و سلطان پر حق کے اس نظریہ سے بالکل مصادف نہ کہتا ہے جس میں ہمارے شاہ کا تمام اہل اسلام بالاد و مدنی سمجھ کر اس کو تمام انتخاب سے محروم کیا جاتا تھا اور یہاں پر تمام کو اس کی حدود کی زندگی کے لئے مستعد کئے جانے کا نظریہ کی حد تک ہاد گشت کو ہم آہم پھر یہ جان استعمال کے ساتھ دوبارہ سن رہے ہیں مگر امت مسلمہ کا یہ فلسفہ کہ وہ دشمنوں کا کوئی بھی خطرہ سمجھ کر چکا ہے کہ

فصلت بیعتنا ہے امامت اس کی جو مسلمانوں کو سلاطین کا پرستار کرے

جناب پٹنل جو خوب دلچسپ ہے کہ اگر امت مسلمہ صابان خلافت کو خاندان غزل کا حق قسب دیکر اس کو خاندان غزل کی صورت میں تو ہم ان کو یہ جواب دیں کہ خلافت کسی خاندان یا نسل کا مدنی حق نہیں ہے مگر جب ہم خود ناز و کی کے اصول کو تسلیم کر کے خلافت کو خاندانی مصلحت و قسب کا

باز کر دیں تو پھر ہمارے جواب کا خلافت ہی کیا ہے جتنا ہے شیعہ صاحبان کے یہاں بھی خلافت کے خاندان میں محصور کرنے کا نظریہ اور آپ کے یہاں بھی یہ نفسیہ رد و پسل آئے گی گنجائش دہی خلافت کو امت کا بحری حق تسلیم کرنے سے گزیراں اور آپ بھی ان ہی کے اس مصلحت میں نفسیہ قدم کے مقدمہ۔

ان ہی تمام فضیلت کے منظر پر وہ جہاد امت مسلمہ کی حق امت امت کے قسب سربراہ خلافت کے مصلحت میں مقدم سمجھا گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

فمن بايع عن طيرة مشورة المسلمين فانه

لا بيعية له (سیرت ابن ہشام)

خود ہمارے دود کے اسلامی منکرین نے قسب سربراہ کے لئے امت کے حق انتخاب کو باطل قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب سابق علیہ الرحمہ کی رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ خلافت کا اصول و فرض یہ ہے کہ حکومت کی گنجائش و امین امت اسلامیہ ہے کوئی فرد یا خاندان اس کا انتخاب نہیں کرے مگر امت کی حکومت کو ایک

معتبرہ و معتبر شخصیت ہیں۔ حدیث کی تائید میں گروہ اہل سنت کا اہل تصوف کے ہیں۔ یہاں حکومت کا اجتماعی نمبر اس ایک فرد یا شخصیت منفرد کے وجود میں عمل پیرا ہوتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں خود حقیقتاً صحیح اصول میں تمام قوم کا نمائندہ ہو سکتا ہے۔

(مسلمانوں کے سیاسی افکار۔ پروفیسر رشید)

مولانا ابوالکلام آزاد کا یہ قول بھی یہ دہاتے ہے۔

”مختلف جمعیات و گروہ کے علاوہ خلفاء کا نام بھی میں انتخاب۔ آنکھوں کی روایت کے ساتھ ان کے احکام و اعمال کا اقتدار۔ اس پر ہم میں خلفاء کا اہل الہیہ اور اہل باب محل و حق سے استشاریت الہی کی شخصی صورت اور اس کے خزانہ کا گرمیہ ہونا اس امر کا حکم بنتا ہے کہ اسلام میں حکومت چھوڑ کر ملک کی طاقت کا نام ہے۔ ان تمام تعریفوں میں تم نہ کیجئے جو کہ انتخاب خلیفہ کے لئے انتخاب عام و مشورہ ابن علی و عقد کے ساتھ خلیفہ سابق کے تعین کو بھی ایک صحیح شکل قرار دیتا ہے۔ حالانکہ اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انتخاب کی مثال پیش نظر ہے لیکن خود کیجئے کہ حضرت عمر کے لئے حضرت ابو بکر نے تحریک کی لیکن اس پر تم عمل و عقد اور پھر عمارہ سلیمان نے پسند کیا کہ ابو بکر کی اس لئے وہی تعین شخصی نہیں بلکہ بمنزلہ انتخاب تھا اس بنا پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام نے سوائے انتخاب عام کے اور کوئی صورت تعین خلفاء کی قرار نہیں دی۔“ (مخالفات اہل سنت ص ۱۹)

علامہ ڈاکٹر محمد سلیم پاشا کا نقطہ نظر قابلِ فہم ہے۔

”یہ بیان کہ میں کسی شخص یا دین کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ حکومت کے حامی اور اگر ہونے کی ایک شرط ہے یہ کہ اس کی شان نفس و مادی طرف ہو تو دوسری اتنی ہی طرف کی شرط ہے کہ صاحب حکومت کو قوم منتخب کرے یہ قوم کا فعلی طریقہ ہے۔“

اسلامی حکومت کی عملی تشکیل ص ۱۰۵

مشہور اسلامی مفکر علامہ ڈاکٹر محمد رشید احمد کی نظر میں یہ بھی لکھا جاسکتا۔

”جسٹس صاحب کا اصول یہ ہے کہ حکومت قوم کے آزاد انتخاب کی بنا پر وجود میں آئے نہ آزاد انتخاب کی پوری نمائندہ ہو تو قرآن مجید میں تم میں سے دشمن کا یہ ایک اور پہلو ہے۔ اس کا تعلق پوری قوم سے ہے کسی خاص طبقہ یا گروہ سے نہیں۔“ (اسلامی مملکت کے بنیادی اصول ص ۶۱)

محمد حجازی صاحب نے امت کے حق انتخاب کے ابطال کے لئے بعض واقعات سے بھی استدلال کیا ہے۔ نجاشی کے قبور اسلام کے واقعہ کو دہا بطلان انتخاب کی دلیل میں پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد میں مشاہدات امت کی رائے کی اہمیت ہوتی تو نجاشی کو قبول اسلام کے بعد سربراہی سے محروم کر دیا جاتا تو ایسا نہ جتنا عجیبی صاحب کے نزدیک امت کے حق انتخاب کی نفی کی دلیل ہے۔ اس شخصیت طلب بحث سے پہلے یہ فیصلہ ناگزیر ہے۔

۱۔ کیا احمدی مسالمت میں مسلمانوں کی دو جدا جدا خلافتوں کا وجود تھا یعنی مسند دین عرب کی خلافت اور سرزمین حبشہ کی خلافت ؟

۲۔ اگر دو مملکت دو جدا جدا نہیں بلکہ ایک ہی خلافت تھیں تو خلافت واحد کے لئے دوسرا براہ کیسے ممکن ہوں گے ؟

۳۔ کیا نبی کی زندگی میں کسی خلافت کے لئے خلافت کی سربراہی کا جواز ہے ؟

پہلا حل اگر مردِ عوامی صاحب تذکرہ خلافت کی وضاحت کر لیں تو مردان کے استدلال کی حقیقت ظاہر ہو جائے گی کہ وہ کس قدر نہیں اور بے صفی ہے جس نے کہ قبل اسلام احمدیہ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت کے بعد نجاشی کی پوزیشن ایک نامناسب و مملکت کی حیثیت میں باقی نہیں رہتی جبکہ خلافت اسلامیہ کے ایک حلقہ کے حاکم یا والی (The Reason for the Reason) کی ہر بات سے جو مرکز کے تابع عمل ہوتا ہے اس لحاظ سے اہل سنت میں مختلف علاقوں میں متعدد حاکموں یا والیوں کا وجود ثابت ہے۔ اصل موضوع بحث یہ نہیں ہے کہ خلافت کے کسی حاکم یا حاکم کا اقتدار انتخاب سے ہو بلکہ موضوع بحث تو یہ ہے کہ خلافت کے سربراہ کا انتخاب امت مسلمہ کا حق ہے۔ ان سب میں نجاشی کے واقعہ سے استدلال سرسری ایک بے وزن دلیل ہے۔

دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ ہم کو تاریخ سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ولید حبش کے ہاتھ نہ تھا نہ اس نے اس کو قبول کیا تھا۔ ملک کی ہمارا اس سے افسوس ہے اگر نہ بھی اسلام قبول کیا تھا۔ کسی تاریخ نگار نے یہ بات ثابت نہیں ہوئی اس نے ایک ایسے ملک میں جہاں صرف بادشاہ مملکت پر گنتی کے کاف ملہ مسلمان ہیں ان کے اعتقاد و خلافت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا نہ کہ خلیفہ کا سوال کیا کہ نہ اس کو کسبای نفاق اس معاشرو خطہ ارض میں سے جس آگے ہے جہاں اسلام کے ماننے والے غالب یا سرتقداد میں ہوں جہاں یہ صورت نہ ہو وہاں مسلمانوں کی رائے کا سوال ہی ہے اس بات ہے کہ یہ نہ کہ انتخاب خلیفہ کے لئے مسلمانوں کی رائے اور نہ اس وقت شرط ہے الغرض ان تمام باتوں کو نظر انداز کر کے نجاشی کے واقعہ سے استدلال مضحکہ خیز بات ہے۔

باقی رہ گیا یہ سوال کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صرف اپنی ذات ایسا ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خاطر کر دیا تھا یہ ایک غلط فہمی ہے اس لئے کہ اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس نقطہ نظر کے قائل ہوتے تو اس ضمن میں دیگر اصحاب سے مشورہ کی ضرورت ہی کیا تھی مگر آپ نے اس اہتمام فرمایا کہ علالت کے باوجود حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت عثمان بن عفان، حضرت اسید بن حضیر، حضرت سعید بن زید اور دیگر حلقوں کی نمائندگی کرنے والے سربا آدم اصحاب سے مشورہ کیا جس کی تفصیل ابن اثیر (جلد دوم) میں دیکھی جاسکتی ہے اور جس کا عتراف خود محمد امجدی صاحب نے بھی کیا ہے کہ

”البتہ ایک آدمی سے پہلے بعض اکابر سے حضرت فاطمہ کے متعلق ضرورتاً ہی تھی مگر اس طرح کہ انہیں انتخاب میں کوئی دخل ہو ان کو ولی مہربانے کا آپ پہلے ہی فیصلہ کر چکے تھے“ (تنبیہ محمدی ص ۳)

غرض کہ مشاہدہ کا انکار خود محمد امجدی صاحب بھی نہ کر سکے لیکن بات یہ ہے کہ اگر عباسی صاحب کے نزدیک یہ نہ وقت ایک سی ٹکٹ تھی تو کیا یہی رائے نہ تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بھی ہو سکتا تھا بڑا نہیں کیونکہ اولاً۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ شامت کے قرائی حکم اور اس ضمن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توضیحات اور عرضیں سے لاعلم نہ تھے۔ دوم۔ اگر نہ وقت اصولی نقطہ نگاہ سے بحث اور محض ایک سی ٹکٹ یا برائے بیت ہوتا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ عرض الموت کی مشیہ لکھا بھی ان تکلفات پر کام نہ ہوتے۔

سوم۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فرمان یا وصیت کا ان تمام باتوں کے بعد لکھا جانا یعنی تکمیل مشاہدہ کی ادویت اور بصورت کی تحسیر کا مراد ہونا خدا اس بات کی حکم و دلیل ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خدمات مسلمہ کی مشاہدہ سے دست اندازے کو سربراہ خلافت کی تعیین کے لئے اس تصور فرماتے تھے۔

کیا ہم کو محمد امجدی صاحب یہ بتا سکتے ہیں کہ اگر ان فرض امت مسلمہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وصیت کو نظر انداز کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بجائے کسی اور صاحب کے ماتھے پر بیعت خلافت کر لیتی تو آخر قرآن اور سنت کی وہ کون سی دلیل یا احکام میں جن کی بنیاد ہدایت کے اس نسل اور خلافت کو کاہل و غافل بنو نہ دیا جاتا تھا کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی خلیفہ ہونے کے لئے مسلمانوں کی ایسی بیعت کو معتبر قرار دیتے جو امت مسلمہ کی باہمی مشاہدہ کے فیصلہ کے تحت معرض مجلس میں آئے۔

من ہایح رجلاً عن غیر مشورۃ من المسلمین
فلما یأیح ہو۔
جس شخص نے فیصلہ توں کے مشورہ کے بغیر کسی کی بیعت کر لی تو اس سے وہ شخص خلیفہ نہیں بن گیا۔

رجلہا جلد دوم ص ۹۰۰ باب رحیم الخلیفہ

خلاصہ یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا اصل نتیجہ تھی امت مسلمہ کی رائے اور ہدایت کی کا جس چیز کو

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نامزدگی کیا جاتا ہے وہ فی الحقیقت ایک تحریک تھی جس کو تاریخی حیثیت (L e g a l e s s e c i t) اس وقت حاصل ہوتی جب امت مسلمہ نے بیعت کے ذریعہ اس کی تصدیق کر کے وہ امت ہدایت دینا یعنی اس کو قبول نہ کر لیتی تو قرآن اور سنت سے اس کے خلاف نفی و کفر کی جائز فرام نہیں کیا جاسکتا ہے۔

حکمت دین کے محترم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی اس تحسینی تحریک سے پہلے اسی لئے مشاeret کی تمکین کر لی تھی کہ آپ ایک اہم معاملہ میں مشاeret کی اس اسی حیثیت کو کسی طرح نظر انداز کر سکتے تھے جبکہ موصوف رضی اللہ عنہ قرآن اور سنت کے صریح احکام کے علاوہ خود بہرہ میں ہمیشہ مشاeret ہی کے اصول پر عمل پیرا رہتے تھے جس کی ایک واضح نظیر وہ واقعہ ہے جس میں موصوف نے یزید کے مقام ہناؤ کے مرتدین کی معافی کا مسئلہ مشاeret کے بعد طے کیا تھا۔ راجعہ ہر صحیح کتاب کی جلد دوم صفحہ ۱۲۰ باب ثلث بیعتہ (۱) اگرچہ بحث لاءین زکوٰۃ اور جیش آسامہ کا معاملہ زیر بحث لیا جاتے تو بھی اس کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تاریخی رائے کے تقدم کی بنا پر مستعمل نہیں بنایا جاسکتا ہے کیونکہ اسلامی نظام کا یہ اثر بنیادی اصول ہے کہ خداوندی کے حکم کے خلاف اعتراض یا اجتماعی کسی طبقہ پر بھی کوئی قانون سازی یا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ زکوٰۃ ایک ایسا معاملہ ہے جس کا کھلا ہوا حکم قرآن میں موجود ہے زکوٰۃ کا انکار صریح نص قرآنی کا انکار ہوتا ہے اس لئے خلافت اسلامیہ کا اولین فرض یہ تھا کہ وہ اس فقہ کا سد باب کرے یعنی جیش آسامہ کے معاملہ میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا نفسہ خود ہی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چکے تھے اور خلافت اسلامیہ کا ہر حال یہ فرض تھا کہ وہ حضور کے اس فیصلہ کو اپنی تمکین تک پہنچائے اس طرح ان دونوں مسئلوں میں قرآن اور سنت کے حکم کی واضح سرحد کی بعد تاریخی رائے کا سال ہی نہیں آتا۔ تاریخی رائے کے تقدم کا سال قرآن وقت ہوتا جب قرآن اور سنت میں کوئی حکم صریح موجود نہ ہوتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سن کو بھی اگل نامزدگی کے لئے دین بنایا جائے تو یہ بات نظر انداز نہیں کی جاسکتی، اگر با فرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ سربراہ خلافت کو نامزدگی یا جانشینی کے تین کا اختیار ہے اللہ یہ اختیار ہر صورت میں نافذ نہیں ہوتا ہے تو سوال یہ ہے کہ ایک خالی عہدہ (SINGLA VACANCY) کے لئے خلیفہ کو صرف ایک ہی فرد نامزد کیا جائے یہ کیسا متنازعہ ہے کہ خلافت کا عہدہ تو ایک ہے مگر اس کے واسطے نامزدگی ہے چھ افراد کی اگر یہ کہا جائے کہ معاملہ ہمارا اس کے باہمی فیصلہ پر چھوڑ دیا گیا تھا تو آخر ای کیوں کیا گیا جبکہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ جانشین کے تین کا قطعی امتداد ہی (FIRM AGREEMENT) رکھتے تھے۔ کیا خاتم دین موصوف خود موزوں شخصیت کے انتخاب کی صلاحیت کے حامل تھے؟ حالانکہ تمام اصحاب کے حالات ان کی خدمات اور لائسنز کا آپ کو صحیح علم بھی تھا پھر کیا بات مانع تھی کہ آپ اپنا تاریخی فیصلہ ایک کے حق میں صادر فرما کر ذمہ داری عہدہ پر لیتے۔ بلاشبہ ایک سادہ طریقہ کار (SIMPLE PROCEDURE) کو چھوڑ کر ایک پیچیدہ راستہ اختیار کیا گیا؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسلام میں خلافت کی نوعیت کا علم تھا آپ جانتے تھے کہ خلافت اصل معنوں میں امت مسلمہ کا مجموعی حق ہے اس لئے تمکین مسان میں اس کو پہلی طے مساد کی شریک کار ہونا چاہئے۔ اسی باعث اسلامی نقطہ نگاہ سے کسی کی سربراہی خلافت اس وقت تاؤنی طور پر معتبر اور جائز ہوتی ہے جبکہ وہ بیعت عامہ کے تسلیم اپنے تمکین مرحلہ کو پہنچ جائے گویا خلافت کا معاملہ اس طرح دھڑکوں سے گزرتا ہے۔

(۱) سربراہ خلافت کے لئے موزوں و مناسب شخصیت کی تجویز (SUGGESTION) یہ تجویزات مسلمہ ہر فرد میں کی جاسکتا ہے جو نہ کہ پیشہ و خلیفہ ہی امت ہی کا ایک فرد ہوتا ہے اس لئے اس کو بھی تجویز پیش کرنے کا حق ہوتا ہے۔

(۲) پیش کردہ تجویز پر سادہ امت کی رضا مندی جس کی شکل بیعت بھی ہے اور جس کے نتیجہ میں کسی کی خلافت پایہ تمکین کو پہنچتی ہے۔

بیعت عامہ کے بغیر کسی فرد کی خلافت کی سربراہی کی تاؤنی تمکین نہ ہونا قرآن و سنت کا حکم ثابت ہے کہ اسلام میں انتخاب سربراہ خلافت کا قطعی

حق امت مسلمہ ہی کو پہ کسی فرد یا گروہ کو نہیں۔ اگرنا مزدوں یا چائینی عہدہ خوفت کی قانونی تشکیل کی اساس ہوتی اصیت بعض ایک بے صابطہ یا اضافی کا دعائی، تو ہم کو خلافتِ راشدہ کی تاریخ میں اس بے ضرورت کا اضافی عمل کا وجود نہ ملتا مگر یہ دیکھتے ہیں کہ خلافتِ راشدہ کے ہر سربراہ کی بیعت عامہ ہوتی تھا اس بیعت سے پہلے کسی بھی خلیفہ نے یہ اسحق احمد کی ذمہ داریوں کا آغاز نہیں کیا۔

ساری بحث کے بعد جو غلط فہمیاں سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ

۱۔ قرآن نے صاف صاف تمام معاملات میں شاہم فی الامر کا حکم دیا ہے جس کی پابندی ہی طرح تمام چھوٹے سرکاری کارکنوں کی ہے قرآن کے حکم کی عدم تعمیل سے وہ ہرگز نہیں رہے۔
۲۔ ہرگز کوئی عملی الشہادہ کی طرح نہ علاوہ ان امور کے ہیں وہی کے ذلیفہ کوئی حمایت ملی ہو مگر تمام معاملات میں شاہت کو صرف تعظیم ہی تھی کہ اتنی کامیابی میں اس کا نتیجہ نہ التزام کیا جس کی ایک مثال آپ کا یہ استدعا ہے۔

لوگنت صحرًا احدًا اور بغیر مشورت ابن ام

اگر میں کسی شخص کو بغیر مشورہ امیر بنا تو ابن ام عہد کرنا تا۔

عہد - (ترجمہ: ایک بدافشاں ہے)

۳۔ خلافتِ راشدہ میں بیعت کے وقوع سے قبل کسی خلیفہ کو بیکار عملی نہ تھا بلکہ وہ ہمیشہ اپنے حلقہ اختیار فیہ (ARISTOCRACY) عہدہ (OLIGARCHY) یا کثیت پسندی (TOTALITARIANISM) کی طرح کوئی محدود تعریف نہیں رکھتا ہے بلکہ وہ صحیح معنوں میں افرواٹ کے ساتھ ہی خلافتِ راشدہ داریوں کے امور کی اساسات و جذبات کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

یہ آسانی بات شخص سمجھ سکتا ہے بشرطیکہ وہ اسلام کے کوثر داریوں کے نظام خلافت کے لئے قرآن و سنت سے ثابت شدہ بنیادی اصولوں کا متکرم ہو جس میں صورت حال اس کے خلاف جو روائی تراویح کا کیا سولہ شخص کی ناقص طے ان فکر اسلام کا معیار بن جاتی ہے جس کے بغیر بیعت اموروں سے ہرگز عدم توازن ان کی ضرورت کا شکار ہوتا ہے اور اس کے ساتھ دوسرے تمام جانب داریوں کی نگارشات میں دیکھ سکتے ہیں بھر مثال ایک حاکم ہے۔
جانب داریوں کا معیار ہی صاحب قلم داریوں کے

من رقی الجماعۃ شہراً فقد ضلح ولقہ الاسلام من

عنقہ الا ان یراجع

جس شخص نے یہ صحاح حدیث بھی سیکھ لی ان کی اسلام

کا حوائی گردن سے آواز دینا اس کے لئے کہ وہ اپنے وقت سے

بنا جائے۔

یہ دینی خلافتِ اسلامیہ کے خلاف خروج کے بارے میں ہے جبکہ اگر ہم نے قرآن کی پشت پر ملے عامہ نہ ہو (مترجمہ: محمودی ص ۱۱۱)
سندھ بالا حارث سے بھی بات مانجھ ہوتی ہے کہ جب باختر داریوں کی سماج کے نزدیک وہ خروج غلط استدعا بل قرض ہے جس میں صاحب خروج کیا تعداد عامہ نہ ہو اگر وہ جب خروج کرنا ملے عامہ کی تائید حاصل ہو تو خروج صحیح اور حق ہوگا۔

کیا اسلام کا مجموعہ خروج کے مستحق یہ ہوتے ہوئے ہو سکتا ہے؟
اسلام ایک اصول پسند دین ہے نہ اصول جس چیز کو راقی تصور کرتا ہے وہ اس کے نزدیک ہر حال میں ہائی ہوتی ہے خواہ اگر انسان کوئی فرد یا گروہ کہے یا ملے عامہ کی تائید سے کہے غلط فہمی اسلام میں ایک ناپسندیدہ اور بدلتا ہے اگر اس غلط حرکت کا استکباب کوئی شخص ملے عامہ کی تائید سے بھی کرے تو امرنا اسلام جس بات کو غلط کہتا ہے وہ غلط ہی شمار ہوگی جس ملے عامہ کی تائید امرنا غلط فہمی کو پسندیدہ اور لائق تسلیم نہیں بنا سکتی لیکن اگر خروج، سلام میں ایک ناپسندیدہ شخص سے کہ اس کو ہر حال میں ہائی تصور کیا جائے گا تو جس چیز کو امرنا پسندیدہ تسلیم کیا جائے گا وہ ملے عامہ کی تائید سے بھی کیے بغیر نہ ہو سکتی ہے جس میں ہمیں فقط نظر کا اسلام جس کوئی حجاز نہیں ہائے ایسے بعض معنی اصطلاحات تصور ملت کا اسلام بھی اصول پسند دین سے غریب کے لیے ہے کسی بلا اصولی دینی ساخت اور اسلام کی عملی پالیسی کو نسخہ کرنے کی ضرورت بھی نہ ہوتی ہے۔

محفوظ اللہ بھٹو اردو

مسلم بادشاہ اور امراء اور

رفاہ عام

رفاہ عام کے کاموں سے دلی چسپی اسلامی تمدن کی ایک نمایاں خصوصیت ہے اور دنیا کی تقریباً تمام اسلامی حکومتوں کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کے حکمرانوں، مسلمانوں اور مسلمانوں کے ہر فرد اور ہر زمانہ میں رفاہ عام کے کاموں میں بڑی فراخ دہلی کے ساتھ حصہ لیا۔ تمام اسلامی ممالک بے شمار مسجد، مدارس، کتب خانے، خانقاہیں، شفا خانے، کارخانے، سرائیں، حمام، تالاب، کنوئیں، حوض، بستریں، بند، آبن، نہریں، انٹرفیکو بنائے جاتے تھے، ہسپتال بڑے اوقات میں تعمیر کیے جاتے تھے جن کے ذریعہ رفاہ عام کے کام انجام پاتے تھے۔

شہرہاں مسیحی اسرار ابن توفیق مسافروں اور سرائوں کے سلسلے میں لکھتا ہے کہ کوئی شہر یا کوئی گراہ جس میں لوگوں کی آسودہ نہ ہو، یا کوئی رگڑوں یا اس میں جس میں بڑی بڑی سرائیں بنی ہوئی نہ ہوں، اتنی بڑی کہ ان کے تارنے والوں کے بعد بھی جگہ اس میں باقی رہ جاتی۔ اور انہی کے حالات کے سے یہ مسیحی لکھتا ہے۔

”ہم اس علاقے میں دس ہزار سے زیادہ باطنی (سرائیں) ہیں، بہت سی سرائیں قبائلی ہیں جن میں اس کا بھی انتظام ہے کہ مسافروں کو انسان کے جانوروں کو کھانا اور چارہ سرائے کی طرف سے دیا جاتا تھا۔ میں نے اب بہت کم دیکھا کہ کہیں سرائے نہ ہو یا سرائے کا مٹا یا ناگہ ہو، یا کوئی مسجد ہو، یا کسی دیوار کے کنارے (سایہ لیجئے کھئے) لوگ جمع ہونے ہوں، وہ صرف کی سبیل سے خالی ہوئے۔

دشمن کا حال بیان کرتے ہوئے غلام مسیحی ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ۔

دشمن کے اوقات اور مصارف کا تمدن ان کی کثرت کی وجہ سے شکل ہے بعض اوقات ان لوگوں کے لئے ہیں جو حج کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے، ان اوقات کے ذریعہ حج کرنے کے لئے مصارف دئے جاتے ہیں، بعض اوقات آن غرا اور سائین کے لئے ہیں جو غنسی کی وجہ سے اپنی لڑکیوں کی شادی نہیں کر سکتے، ان اوقات کے مصارف سے ان کے نکاح کا بند بولت، اسلام میں چیز وغیرہ کا انتظام کیا جاتا ہے، بعض اوقات قبلہ کے نادر کرنے کے لئے ہیں بعض مسافروں کے لئے ہیں جن سے انہیں کھانا، کپڑا، اسلحہ اور دیا جاتا ہے، بعض اوقات شکرانہ اور پزائیوں کی دوستی کے لئے ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے نیک کاموں کے لئے اور بھی بہت سے اوقات ہیں۔۔۔۔۔

ایک دفعہ میں نے تھا کہ کسی غلام سے چینی کے برتن اگر ٹوٹ جائیں تو فوراً غلام کی طرف سے اس برتن کا ماحول برتن

یہاں تک کہ اس میں مالک کو بھیج دیا جاتا۔

اس وقت میں کافی ذخیرہ چینی کے برتنوں کا اس کام کے لئے رہتا۔

ابن حنیبل اس وقت لکھتے ہیں کہ دمشق میں علاء بن سفیہ کے پانی کے بعض پھیلوں میں غلاب کا پانی بھی پلایا جاتا تھا (غلاب ایک قسم کے عرق نکالا جاتا تھا)۔

ساحل ہندس پر ایک خاص قسم کی لذیذ پھلیاں خاص موسم میں نمایاں ہوتی تھیں، یہ پھلیاں اتنی قیمتی ہوا کرتی تھیں کہ مغربیوں کو نصیب ہوتی تھیں کسی ہر شخص جس نے جانا وقت کر دی تھی کہ اس کی آمدنی سے یہ پھلیاں غرباء کو بیس کی جائیں۔ ایک وقت اس مقصد سے کیا گیا تھا کہ میان درمی میں اگر شخص ہو جائے اور پوری دولت کریمیاں کے گھر سے چلی جائے تو جب تک میان درمی میں نہ ہو، پوری کے مصارف اس وقت سے ادا کئے جاتے۔ ایسی عورتوں کے لئے ایک مکان بھی موقوف میں بنایا جاتا تھا جس کا نام "دارالاقہ"۔ یہ وقت خالی اپنی نوعیت کا سب سے دلچسپ وقت تھا۔

مراکش میں ایک بڑا وقت باگل اور دربانوں کی خبر گیری کے لئے تھا، نیز سرسبز موسم میں غلاب میں کپڑے بھی تقسیم کئے جاتے ایک نرالیسی سیاح نے مراکش کے متعلق لکھا ہے کہ "وَالْأَمْرُ إِسْلَامِي وَقَدْ بَعَثَ فِي الْمَصَارِفِ عَنْ أَتَابِئِ الْمَكَانِ بِنَايَا كَيْ يَكُونَ فِي الْأَمْوَالِ كَوْنًا هِيَ بَرَقِي تَقِي، اِنْ كُنْكَ تَعْنِي، لِيَاْسَ اَوْرَاقًا وَفُرُوقًا كَاكْفِيْلَ وَقْتُ تَقِي۔ اِسْ كَالْعَلَاءِ كُوْشِيُوْنَ، مَحْدُوْرًا اَوْرَاقًا لِيَعْنِي اَسْلَامِي اَوْقَاتُ كِي فَرَسَتْ بَهْت طَرِيْلَ يَحْ رَا مَحْدُوْرًا اَزْ اَنْزَالِ اَبِيْلَ"۔

ابن بطوطہ قاہرہ کے سیکس ہیں لکھتا ہے کہ یہاں "خالفہم کثرت سعيهم اور امر اعلیٰ العسوم خالفهم بنوانے کے بڑے شوقین ہیں خالفہم فقرہم کی ایک جماعت کے لئے مخصوص ہے ان خالفہم میں جو جس قسم کا کھانا چاہتا ہے اس کے لئے طبیب بھی تیار ہوتا ہے... کھانے جاڑے اور گرمی دونوں موسموں کے کپڑوں کے مصارف پر وہ پیش کو خالفہم سے ملے میں اور وہ پیش کو جب خرچ کے لئے بھی دس دہم سے تیس دہم، ہوا کے لئے تیس۔ ہر خبثت کی شب کو خلک متحاف، صاف ملن، دھوئی کی دھلائی، حمام کرنے کی اجازت، اور شئی کے لئے تین۔ وغیرہ کے مصارف بھی اوقات سے ملتے ہیں۔

خلیفہ ہمدانی نے مکہ معظمہ کے ناغے دہشت لکھے، فافطہ کے لئے جا بجا سرائیں بنوائیں جو سرائیں شکستہ تھیں ان کو دست کیا، ہر ہر کمز میں کھد کے فافسوں کے جانوروں کے لئے حوض بنوائے، بغداد سے مکہ جہ راستہ گیا ہے اس کے کنارے خلیفہ آدمی نے حج اور دیگر کام کے لئے آرام کے لئے سفر خانے اور حوض و تاب بنوائے۔

خلیفہ ہمدانی الرشید کی بیوی زبیدہ خاتون کے خزانے کا بڑا حصہ ہمیشہ رفاہ عام میں صرف ہوتا تھا۔ زبیدہ کا سب سے بڑا رنجی اور غم دار نامہ زبیدہ کی تعمیر ہے جس کے لئے پورا علم اسلام اس گھر میں منسوب ہے، اس بلند بہت ادا انیت و دست خاتون نے حج کی راحت، کئے عرب کی سنگلاخ زمین میں دونوں کھدوائی تھیں، ایک نہر طائف کی سر زمین سے شروع ہو کر مکہ میں ختم ہوتی تھی جس میں جن کے چشمہ کا آدھا، طاقت اور کہ کے صہبان جگہ جگہ پھاڑوں پر حوض بنوائے گئے تھے، اور ان حوضوں سے اس شہر تک نالیاں بہتی تھیں جن کے ذیلہ بارش کا پانی جو حوضوں میں جمع ہوتا وہ نہر میں آتا تھا۔ دوسری نہر وادی نعمان سے موقوفات، مزوٹہ اور مٹی ہوتی تھی نہر زبیدہ پر ختم تھی جہاں سے مکہ متعلقہ نامہ صہ پڑھ جاتا تھا۔ اس نہر کے ذیلہ وادی نعمان کے چشمہ کا شیریں پانی منگھہ بالا مٹا ات میں پہنچا گیا کہ حج پر کن مضافات میں میٹھا پانی پانی اور کافی مقدار میں دستیاب ہو سکے زبیدہ نے ستر لاکھ دینار صرف کئے تھے، وادیان میں سیلاب

کثیر کے سلطان زین العابدین نے آقا تھ اسناد داری کے جاتریوں کے کام کے لئے مکانات بنوائے تھے۔
فیصل آباد کے پٹھانوں کی مشالہ میں ہر دور پر حکومت تھی۔ ناب نے ہندو جاتریوں کی آسائش کی غرض سے بڑے بڑے مکان بنوائے
تھے جو آج تک موجود ہیں اور ہندوؤں کے قبضے میں ہیں (ہندوستان کا مستقبل)

آصف الدولہ دکنگو نے پانچ لاکھ روپے سے بخت اثر میں ایک ہرکاری کرائی جس کا نام "نہال کر" رکھا یہ نہیں مل لائی ہے۔
شالہ بنگال اسناد پر نے تعلیمی ضروریات کے لئے بڑی بڑی جائیدادیں وقف کی تھیں لیکن اسلامی سلطنت کے خاتمہ کے بعد انگریزوں نے
تمام اثاثات ضبط کر لئے اور بقول سر ولیم ہنٹر اس جائیداد کو شیکھ طریہ پستعل کیا جاتا تو بنگال میں مسلمانوں کے پاس آج بھی نہایت اعلیٰ افسانہ
تعلیمی ادارے موجود رہتے۔

مسلمانوں نے اپنے دور عروج و اتقان کا فائدہ عام کے کاموں میں جو نہاں تھے یہ۔ اگر یہ تعلیمات ایک جگہ جمع کئے جائیں تو مستقل ایک
کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ مسلمانوں کا فائدہ عام کے کاموں میں صدیق دینی فرض سمجھتے تھے۔

وَمَا تَبُولَ لَا هُوَ كَالسَّائِلِ أَتَى أَهْلَهُ خَيْرٌ خَيْرٌ مِّنْ مِّنْظَرٍ عَامٍ يَّأْتِيهِ

(چند لکھنے)

امیر ہون	_____	محمد عبداللہ
زکیہ عبید	_____	ابن خسرید
خدیجہ لوبہ عثمانی	_____	ماتل خیر کیاوی
عاصی دکن	_____	نیرانو
عفت مولانی	_____	حبیبہ بیگم
عائشہ صلیحہ بیگم	_____	ام نیر
ثریا اسماء	_____	ملکی یاسین نجی

دفعہ ۱۰

دفعہ زیب نامیش۔ خدمات۔ ۱۰ صفحات۔ قیمت دو روپے۔ سالانہ خریدار بننے والوں کو سالانہ قیمت میں ہی دیا جائے گا۔

اعزازی خریدار حضرات سے اتنا سہ کہ وہ پرم پندلیہ جیشی مشکوٰۃ کے لئے جلدانہ جلد ۵۰ پیسے کے ٹکٹ بھجوائیں
وہ سہ ماہی میں فروغ کی صورت میں پرم دوبارہ نہیں بھیجا جائے گا۔

دفتر ماہنامہ بتول، اے ڈیلدار پارک، لاہور

لا انسان کو سامنا کرنا ہے۔ ان نظموں میں جگہ بہ جگہ نیا وہ آبِ جی پائی جاتی ہے، اگر لکھنا نہ لکھنا کافیر۔

اگرچہ تلخ ملامت کا

مگر محسوس نہیں ساقی سے بگمانی کا

علی اختر کی زندگی کا ترجمہ ہے۔

ان کی نظموں کا دوسرا رنگ اخلاق و حکمت اور خدا شنائی کی تبلیغ ہے، علی اختر کی ان نظموں میں فکر و حکمت فتح ہے، سوزِ دل اور یقین نے فکر و حکمت کو ادنیٰ زیادہ تابناک بنا دیا ہے۔

علی اختر کی شاعری دل اور تصویر کی آواز ہے، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ایمان و اسلم کا تقاضا شعر کے سہلے میں ڈھل گیا ہے اور یہی ان نظموں کے ذریعہ انہوں نے ایک بہت بڑے فرض کو ادا کیا ہے! یہ وہ مقام ہے جہاں شاعری تفسیر و فلسفہ کی بجائے مقصد بن جاتی ہے! اسی شاعری میں جدیدیت اور پیغمبری کا رنگ پیدا ہو چکا ہے۔

جوشِ شیعہ آبادی نے ایک طرحی نظم "حرفِ آخر" کے نام سے کہی تھی، جس میں خدا اسکائات، مقصد، فریض اور نیت، تخیل جیسے دقیق و نازک مسائل کو مضمون بنا کر شاعرانہ انداز و منظر کشی کیا ہے، مگر ان باتوں کے لئے جس ظاہری اور باطنی مطالعہ اور حکمت و اشتراق کی ضرورت ہے، اس سے جوش صاحب بڑی صحت و مردم پس پھر ان کی طبیعت میں خدا اور دین و اخلاق سے جو تعلق کا شدید جذبہ پایا جاتا ہے اس نے جوش صاحب کی اس نظم میں صحت پیدا کر دی ہے، اس جوش میں یہی جوشِ متنا ہے کہ ان کی اس نظم کے منظر عام پر آنے سے یوں کہنا چاہئے کہ ان شعر و ادب اور علم و تحقیق کے حلقوں میں دھوم مچ جائے گی، مگر یہ نہیں ہوا، ان کی اس نظم نے اہل ذوق کی توجہ کو نہ تو اپنی طرف کھینچا نہ اس نے قلب و نظر کے ساحل پر گئی موج پیدا کی، نہ اسے پڑھ کر خیالات کے صحرا میں گوتی گول لگائیں! اور اب تو یہ نظم گناہ میں ہو گئی ہے۔

سید علی اختر نے جوش کی اس نظم کے جواب میں ایک طرحی نظم کہی۔ "قلی فیصل" نام رکھا، اس نظم کے کچھ حصے ہمارے نگاہ میں شائع ہوئے پھر کئی شکل میں منظر عام پر آئی اس پر کیا تنقید ہے؟ تعارف، ملاحظہ کیا، ایک اقتباس دیکھ لیں کیا جاتا ہے۔

"جوش کی وہ طرحی نظم جس کا عنوان انہوں نے "حرفِ آخر" رکھا ہے، ابھی تک تمام و کمال شائع نہیں ہوئی، لیکن

اس کے متفرق اجزاء مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں، ان میں نظم و عقائد و مذہب کے خلاف جو

کھل ہوئی بغاوت و فحش پائی جاتی ہے، اس نے اختر کو مجھ کے دیا کہ وہ اس کا جواب لکھیں۔"

"نظم کا آغا نام صرف جونا ہے کہ ایک شاعر جو آشفہ حال اور پریشان منہ گار ہے کھری چار پائی پر پڑا ہوا ہے۔

دل سے دبدب نامرادی کی غلش جاتی نہ مٹی

جس ہے تھوڑے کے سینے میں نام مٹی کے داغ

اس عام میں مشیطان یک زنجیر جو ان دعا کی صورت میں اس کے سامنے آتا ہے، جس کے دھنوں میں غلاب سے لبریز مہر آتی ہے۔

اجنبی آخر پڑھا اس کی طرف ادب اک تلم

مستہ پہ لبر انعامات آنکھوں میں انداز کم

اور

اب میں آتا ہوں، تمہیں غم سے چھڑانے کے لئے

شعر اس جوانِ مینا بہت کو دیکھ کر کھٹکتا ہے۔

آہی ہے اس قبیل میں یہ کیسی تلخ بر

کپ کیوں فرما رہے ہیں، مجھے ایسی گفتگو

پچھلے میرے ان سوالوں کا مجھے ویسے جواب
نہ مل سکا وہ تھا کہ ۔

خستہ چہرے ہوں یہ بیدار کا عالم ہے کہ خواب

کہہ چکا ہوں میں ہوس کے اٹھانے کے لئے
معم ابھی تک اسیرِ غفلت و ہم و قیاس
شہرِ چین کے اندر ہے جامِ پیوینا ہے ۔

شادی کی تمہیں رہیں رہیں رہیں دکانے کیلئے
جامِ توبہ کو دکانِ مرکز پہ آج نہیں کھاس

شادی کی بدش کہہ اور بھی غصہ نہ تھا
اداس کے لئے ۔

جامِ ہرزوں سے لگا تھا کہ وہ جام اور تھا

زندگی کی سست خبروں میں ہونے لگا
یہ ہوا عرس اُس کو جسے سدا کی سنات
سبزِ باغی پر شکر نے ناز فراتے ہوئے
زندگی نا آشنا ہے وہ دھڑکتے ہوئے
عشق کی تابعدار ہوں میں مدائی آگئی
شہرِ لہارہ (شہرِ لہارہ سے اتفاق ہے ۔

تسکرائے چہرے امیرِ ہستی چھانے لگا
یہ نہیں ہے چھنے یہ ہنگامہ مرگ و میات
تقلید کا رقص مرنے کا ہنگامہ ہوئے
تو بھی دنیائے کمال یا حقیقت ہو گئی
چرچے کر اپنی مرکز پہ جوانی آگئی

وہ گئی ہے سنسنیل تکمیل شاید ہندو گام
اپنے سینا نے کا صدمہ الہ الہی اور نیک جام

نہ مل سکا کے جواب میں شعر سے ہمدردانہ انداز میں لڑائی کے لیے یہی کہتا ہے ۔

ہنس کے وہ وہاں اُسے دل کا چین گل جانے گا
گوں ہوں میں جانتے ہر دم مری ہستی کا ناز
میں ہی ہوں ہوسکا تا ہے نہیں جینے کے ڈھب
میں وہی ہوں جس نے دنیاں کو دمِ قہر و حقاب
میری جھیل پھر دیتی ہے رُخِ لیل و فہار
میری دنیا نصِ سنگ و شاہد و جام و شراب
تو سمجھتا ہے حریفِ جلہ ایساں ہوں میں
شیدہ دئے جرم ہے آگاہ ہوں تجھے
کس نے تو سے یہ تیری سلی بیٹی کے جواب
کس نے چھڑی تھی حدیثِ جلہ سرو و سن

پچھلے میری بات نکلی جام بھی مل جانے گا
ہے اک نا آگئی ہے جھٹیل اسی کو ناز
صبح سے جس نے ڈوکی عرصہ ہستی کی شب
آج تک دنیا نہیں بھولی دیا تھا وہ جواب
میری اک کدش میں دیلائی پتا ہی ہے ہمار
میری دنیا کیفِ حسن و عشرت و رنجِ سباب
برقی غم ہوں کتنی آگ بھڑکی شعلہ ہوں میں
تو سمجھتا ہے کہ میں گمراہ کرتا ہوں تجھے
کس کی کشت کرتی ہے رنگِ لڑکی سدا کی آب
کس نے کھولے تھے تری خلوت پہ اسرارِ چمن

کھتے دھندلے ہی تری منزل وی کے خدِ خال

خس کے پیچھے میں کہیں ملتا ہے پہلوں کا جمال

بطنِ بستی میں بجز ہم و گماں کچھ بھی نہیں
لیک سنا ہے فاضل اور یہاں کچھ بھی نہیں

ابن آدم ہے اس پر شہادتِ امید و بیم
خود دل چہر عین کے ذوقِ محکم کا ملا
نظر تہ ذرا اس بندِ گل میں ہے اسیر
برتری کے کچھ اور جو ہے قصہ کچھ فریب
ہاں آنکھوں نے کتری نوحِ افسانہ کی جیب

خود گر غیب نے اس دنیا کو آخر کیا دیا
کون سا غیب ہے اس کا نام باطل کے تھکا
تو کہ نہ بچے دکھائے دھندے و جنت کے غلاب
زندگی انام کے ان سلسلوں میں کھو گئی
اہلِ غیب جس قصہ پر بہت کرتے ہیں ناز
تازگی پھر لوں کو، سہو لوں کو سانی اُس نے ہی
اک طرف تیرے صفاتِ اللہ وہ سری جانہ یہ حال
دل پہ دلِ غمِ اطاعت اس طرح ہوتا ہے وہ

واہ رے! غریب نہ ہے آئینِ حق افسانے خدا
یہ خدائی ہے ابھی پھول اس ابھی دم بھر میں آگ
جب بیک وقت تیرا ہے دم کوئی کڑیں جواں
جب بھرے گھر کا کسی کے بچنے لگتا ہے چرانہ
ٹوٹی ہے جب کسی بڑی سی امانت جہاں کی اُس
پھر نہ ہے جب نہ بل ہونٹوں پہ کوئی تشنہ کام
جب کسی پر آگ ہوتا ہے، حاکم کا انتخاب
خاک پر جب رشتہ ہیں گہرا شکستہ یتیم
لڑتی ہے موت جب کل کی بیباکی کا ہر گ
چیتا ہے یاد میں شوہر کی جب بیوہ کا دل
تیری ہستی خود ہے اس شوقِ حقانی کی دلیل

زندگی کی پس پہلی کو کوئی پرچھے تو کیا
پھر اپنی ناچتے ماتوں میں چاس سنیائی باگ
کیوں نہیں کرتا حد پر دھوکا پائس دجاں
بیٹھ جاتا ہے کہاں چھپ کر غلطے بارغِ دلغ
سوچتا رہتا ہے کیا سخن کا لطف ہے تیاں
حاکم کو کڑ پلتا کیوں نہیں کوثر کے جام
رحمتیں اس وقت ہوں جاتی ہیں کیرنِ محوِ غلاب
زیر لب کیا مسکلاتا ہے خداوندِ رحیم
کیوں نہیں اس دم بھرتی سینہ زباں میں آگ
کیوں نہیں آخلاق جاتی بساطِ آبِ دل
کون جھد نامرادی میں ہوا تیرا کھیل

شیطان کی ان باتوں نے سنو کہ بہت اور اس جواب کر دیا شیطان کا افسانہ خطاب اس قدر چوق اور ملک کن تھا کہ ہر دین شاہ کے ذہن و فکر
میں اتنی چل گئی شیطان نے افسانہ کہنے کے بعد کہ شاہِ اس کے نام غریب میں آگیا، اُسے شرب کا ایک اور جام دیا — شیطان نے پھر اپنی گفتگو
کے لئے ہوئے سلسلہ کو چڑھ دیا، اُس نے کہا —

سہ تیر کی کشتی دہم کے دھاروں میں تھی اب تک رواں

اور

عقل ہے اس خاک کی دست میں غلابی بہار اور تعلق ہے جس کو ہے خدا کے روزگار

اب سے لاکھوں سال پہلے یہ جہاں کچھ بھی نہ تھا
آگ تھی تیز آگ اس عالم میں سرگرم حیات
ترخ اور جلنے ہوئے پہاڑیاں تھی یہ کائنات
تھم گیا پھر سے ہوئے طوفان آتش کا جہول
زندگی کے سر قدم پہنچے پڑے میں آسمان
آپ نکھری ہے کھلی ہے اور جی ہے کائنات

خاک بادو آپ و آتش کی ہے یہ ساری عمر

میں اسی کی ارتقائی صورتیں میں اور تو

وجود پاری کے انکار اور نفی ذات خدا کے سلسلہ میں مادہ پرست انجیسم کی ویسی پیش کرتے ہیں، جوش تیر آباری نے بھی اپنی نظم عزت نور
پر انہی دلیوں کو دہرایا ہے۔۔۔ وہ - حیات و توانائی - کو خدا کا دھجہ دیتے ہیں -

اس کے بعد شیطان نے شاعر کو - عقل و تفکر - کا فریب دیا، اس نے کہا -

عقل کی ضربیں قدم آگے بڑھانا ہے تجھے مضحکہ اسرار و عرفان کا اڑانا ہے تجھے

اس کشتی کے بعد

قلم و ديب کے پردے، نرم قاینوں کا فرش
میرے ہدم، امنزل بین وسعات ہے یہیں
تیر کا دندخ ہے یہیں اندھیری جنت ہے یہیں
خاک کی چٹکی کسی دن خاک میں مل جائے گی

دل ہوا روشن کہ اب بھی نصیبیں مستوی ہیں

برل کیا یہ زندگی کی راجتیں منقود ہیں

پا چلا تھا باد و شیطاں ادیب فوجوں
آستانِ مری پر خود مستحاشی جھلک گئی
اس میں اب انظہار آندہ کی کی جوت تھی کہاں
مدح کی آواز آتی، اور بول پر رکھ گئی

موت یہ - لا - وحشت آدما چلتا رہا
نغمہ و ہوا کی رنگیں ہڈیاں کھلی گئیں
یوں ہی پیہر دہر کا چلتا رہا جلتا رہا
حصن کے نور سے پیہم جہلیاں کھلی گئیں
خفلیں اس جہد کی کو نظروں کو شرماتے لگیں
عجب کو حسن اور گالی کو دعا سمجھا گیا
کچ روئی کو زندگی کا دعیا سمجھا گیا

اس ادیب و شاعر کو شیطان کے فریب میں آکر خدا کا منکر ہو گیا خدا اللہ جس کی زندگی اس وقت و صحبت میں بسر ہو رہی تھی !

اس کو اپنے عہد کا روح القدس سمجھا گیا

اخباروں اور رسالوں میں اس کی نقشبندی شاعری اور انقباضی پیام کی دھوم مچ گئی، اس کی ہر نظم کا غیر مقدم دوست نائن کے کیا گیا: وہ لوگ جو مذہبی عناصر رکھتے تھے، انہوں نے اس شاعر کی ایک بات کو اہم سمجھا:

مگر... شاعر نظریات کی پیروی اور فیمیر کی نگاہ کو آؤ کب تک دھائے دھتا۔ یہاں تک کہ

عقل تھرائی ہے جس جاہ مقام آج ایک
مات گندی صبح کا آخسر پیام آہی ایک
جس جگہ فرعون کے دل سے یہ آتی ہے صدا
کار دوراں کچھ نہیں سچا ہے۔ موسیٰ کا خدا

عیش و عشرت اور فسق و صحت کے جس مابوں میں شاعر زندگی گزار رہا تھا، اس نے شاعر کی صحت کو تباہ کر دیا۔

زندگی کیا زندگی کا جیسے دھوکا رہ گیا
کچھ دنوں میں ہڈیوں کا صرف ڈھانچا رہ گیا
زندگی کی توانائی کے جواب دے دیا، جن دوستوں سے غزیری کی امید تھی وہ رفتہ رفتہ گم ہونے لگے، یہاں تک کہ...
سہ دوست ہی بچے نہ تھے، شیطان بھی کم آنے لگا

یہاں وہاں شاعر نے اپنے اس شفق نامیج سے شکایت کی۔

ہاتھ ہے تو کہ سب کچھ سچ دیا تیرے لئے

یہاں کیا میں نے چھوڑا ہے خدا تیرے لئے

لیکن اک دن بڑھ گیا جب حد سے اصرار دہیب
کہہ دیا شیطان نے آخر بیٹھ کر اس کے قریب
بھوت ہے تو حریف نوع ان میں بھی تو ہوں
میں بھی کچھ ہوں مگر نادان شیطان بھی تو ہوں

پھر شیطان کے سچ میں نہ جانے کس طرح نیکی آئی کہ وہ اس طرح گمراہ ہوا۔

مقتل رحمت ہے مگر عرفان منزل پا گئی
نوع ان کی یہ کمزوری ہے تجھ پہ آشکار
جانتا ہوں دام میں کس طرح آئے گا شکار
خود سہا تھا مگر اب جگتا ہوں تجھے

سن کہ اب اس سدا رہ بیداری جانا ہوں تجھے
میں نے تجھ کو یہ سکھایا تھا، یہاں کچھ بھی نہیں
بطن ہستی میں بجز وہم و گمان کچھ بھی نہیں
خاک کی اس سطح پر یہ جنبش مروج حیات

میں ہی تجھ سے اب یہ کہتا ہوں کہ تیری کائنات
مطرب نہظر نے چھڑی ہے نہاے سرمدی
دل کی بیداری ہے جس میں صبح کی تابندگی
پھر شیطان کہتا ہے کہ زندگی کا یہ جن اور گستاخان کائنات کی غیبی طاقت کا بنایا اور لگایا ہوا ہے، یہ آپ ہی آپ پیدا نہیں ہوگی، گلشن دہر کی

نشر و نما خان کائنات کے قانون قدرت کے تحت جڑی ہے۔
دھوپ سے ہوتی ہے کس حد تک شگوفوں کی نثر
از پتے نثر و نما کتنی لطافت چاہئے
ایک دستہ مکمل، ایک آئین جمیل

یا دوباروں سے کہاں تک ہے فردغ رنگ و بو
کتنی پودوں کو کتنی، کتنی حرارت چاہئے
جو ترے گلزار کی شادابیوں کا بروکین

اور

سہ ان مابوں میں نظر آتا ہے کوئی اور بھی

یہ وہی نقطہ ہے نامان جس سے کھلتا ہے یہ راز

اُدے اہل سنت کا یہی ہے کوئی کا صاف

اُدے ہمارے کوئی نقص بند جہان پاک

فکر ان حدیں پہنچتی ہے اگر ہر خود شناس
کشتی اُمید پھر ساحل کے رخ پہنچتی نہیں
بھول جاتی ہے وہ دسم نظام منگلر
کچھ گڑاگے بڑھی دھوکے نئے کھانے لگی
پند ناقص تجربے میں چند ادھر سے سے تھیں
کس قدر بدی ہے اب تک علم انسان کی اساس

اس نظام مستقل کو عقل پاسکتی بھی ہے

ماڈل کے بس میں یہ ترتیب آسکتی بھی ہے

یہاں اس شاعر کو بتانا ہے کہ —

تو م جب کوئی رہے صدیوں غلامی میں اسیر
عجب اس کو اپنی ہر اک شے میں آتا ہے نظیر
وہ پیر کی بن کے رہ جاتی ہے اُن احسان کی
دوسروں کے نقص کو بھی وہ سمجھتا ہے گل
رب زدہ تمدن نے حیوانی فضائل کو عام بدلا دے دیا ہے
اور انسان جانور کی طرح بے نگاہ ہو گیا ہے جہاں ہر اول دکھائی دیتی ہے وہیں
ہو اسنے گھٹا ہے زندگی میں کوئی اصول اور قانون وقاعدہ باقی نہیں رہا — آج کی نام نہاد تمدن دنیا کا یہ نظریہ ہے —

بن پڑے جب تک شراب ناپ پینا چاہئے

حرف برنے کے لئے انسان کو جینا چاہئے

میں نے قہر کو یہ بتایا تھا کہ تو مرنے کا نہال

عروسہ سستی میں ہے مذہب پرستی کا نال

اور

سہ مذہب اک سازش ہے دنیا میں حقائق کے خلاف

مگر

اب میں کہتا ہوں کہ تشریح و دراز حال متی
راز مذہب کیا ہے! تہذیب حیات روزگار
عقل کو اتنی ترقی دی کہ عرضاں کر دیا
اس ملکستان میں تعصب کا خیر چلتا نہیں
نکرانسی یہاں اس درجہ ہوئی ہے بلند
وقت کی کن منزلوں میں داد دی کرتا نہیں

یہ تو میرا ایک دھوکا تھا، مری اک پال متی
ہے اسی آئین نظیرت چہ نہانے کا مدار
تو تو حیراں تھا، تجھے مذہب نے افساں کر دیا
جبر و استبداد کا سکہ یہاں چلتا نہیں
چینیاتی ہے ہمت مردانہ نیرداں پر کھنڈ
وقت کی کن منزلوں میں داد دی کرتا نہیں

مشروبِ وقت

نورس

خوشذائقہ - فرحت بخش



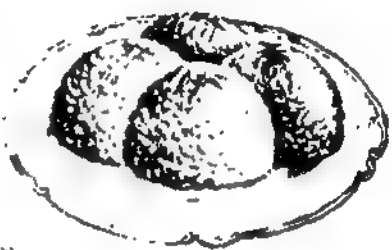
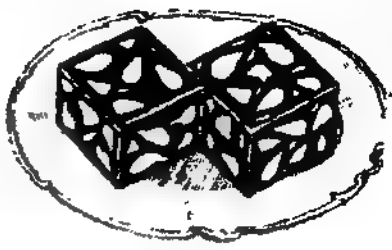
اچھی غذا کے لازمی اجزا

ہر وقت تروتازہ



احمد فوڈ انڈسٹریز لمیٹڈ نورس روڈ - کراچی ۱۶

فائقہ
اور نفاست
کا معیار
استزاج
خود کمالات اور عظمت اور شہرت



خوشن ابقہ بقوی مسطائیاں

مرمیتہ دیستانی دستیار ہے
آرڈر پر مال بزرعہ پوری روزہ کیکھا

اسپیشلٹ
احمد کراچی حلوہ مرچ کراچی حلوہ حبشی حلوہ
سورن حلوہ

کس نے جینا قومیت کے جنگ سے کا وہ جہلاں
جس کے سرحدوں سے غم تھے کس نے اُکسایا انہیں
پھر تھ جو نشہ دولت میں ان کو لوک کر
کس نے اٹلی سلطنت کی منہ جاہ و جہلاں
وہ ہی اسباب مذہب تھے جنہوں نے بے خبر
والتی تعبیر دی اور قوتِ تادیب دی
آج بھی نازاں ہے جس پر اس گھستاں کی بہار

ان کی عظمت نے جہاں کو زیر و بالا کر دیا

ان کی سیرت نے زمانہ میں اُچھا کر دیا

حق کا پتا ہے اگر ہلکا سا پر تو قلب پر
جو برائی ہے برائی ہی رہے گی بے خبر
اصل مذہب ہی رہے گی، چاہے صورت اور ہو
نظرتِ عالی عطا کرتی ہے جینے کے اصول
رفتہ رفتہ پھر بدل جاتا ہے اندازِ خیال
ہر طرقت اُڑتا ہے آئینِ خدا کا مفلک

میں نے تجھ کو یہ بتایا تھا خدا کچھ بھی نہیں
مادے پر منحصر ہے اہتمامِ روزگار
گر خدا ہوتا تو چل سکتی نہ تھی بادِ خزاں
گر خدا ہوتا تو دنیا تجھ پر ہو جاتی نہ تنگ

تو نے ان باتوں کو بچ سمجھا: خوشامن خیال

وید کے قابل ہے یہ انسان کی سیرت کا انداز

بے خبر! اگر امِ فطرت میں ہے تجھ کو اشتباہ
شائع گل سے اک گل مرچا لے گرتی ہے اگر
اک نداسی پھڑ میں بیدار ہوتے ہیں چین
یہ جزمِ رنگ و بو یہ عشرتِ میل بہار

ذوقِ نہیں پا جائے یا عسین پیدا پا جائے

نعمتیں اتنی تو پھر اے انسان تجھے کیا چاہئے

زندگی کی ہر محیبت کا ہے اک کشمیرِ مائل

ان سے ہوتے ہیں نمایاں حکمتوں کے خد خد

دل اگر ہو بہر و یاب جملہ علم و لقیں
اس طرف بھی ہکا سانس نہ آ گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہی خالق خیر و شر ہے تو انساں کو اس کی اپنی گمراہی کا ذمہ دار کیوں ٹھہرا جاتا ہے۔
میں یہ باتیں از روہ کمزوری علم و لقیں
بے خبر! پندار کے دھوکے میں دانش کے نہیں

— اند —

عقل طے کرتی ہے جتنی پختگی کی منزل میں
قلب انسانی میں چکر کاٹتے ہیں یہ سوال
ہم کہاں سے آئے ہیں، کیوں کر جتنی ہے کائنات
چل رہا ہے کس طرح اس کارخانے کا نظام
یہ جہن کیا ہے، خزاں کیسی ہے کیا ہے نور ہمدرد
کیوں چٹکتی ہے کلی، مرصع کج رہ جاتی ہے کیوں
عقل جو جستجو ہے، شوق سرگرم طلب
یہ تصور رقص کرتے ہیں دلوں میں بار بار

تو اگر سائنس سے پوچھے کہ کیا ہے کائنات
وہ کہے گی، ہے یہ لامحدود ذروں کا نظام
مختلف شکلوں میں یہ تبدیل ہوتے ہیں یہاں
کون سے رخ بہ رہی ہے کشتی مرگ و حیات
گروہیں ہیں جن کی بے اندازہ وقت و مقام
ان کی شکلیں بے نہایت ان کے جلوے بیکراں

فلسفہ ہے اس سے بڑھ کر انسانی سچ و تاب
ذہن انسانی کے دھوکوں کو بڑھا دیتا ہے یہ
ارد بھی بے ربط و مبہم اس سے ملتا ہے جواب
عقل کے ڈانڈے تیا سوں سے لادیتا ہے یہ

علم لیکن ان حسابوں کو اٹھا سکتا نہیں
روح انسانی کی بے چینی مٹا سکتا نہیں

تو اٹھنا چاہتا ہے راز ہستی سے نقاب
فلسفہ، سائنس منہن اور یہ سائے علم و فن
تو نے کیا پایا تھا ان کو بے تلاش و اکتساب
کیا تصور پر رہا ہے علم و دانش کا مدار
مذہبوں ڈھونڈ رہی ہیں راہیں منزل تکمیل کی
آج بھی ہیں علم و دانش کے حقائق نامعلوم
بے خبر! چھوڑنا نہیں یوں سردی غمروں کا ساز
مجھ سے تن شکل نہیں ہے ان سوالوں کا جواب
جن سے ہے شاہد آپ و گل کی دنیا کا چین
ہوں ہی کیا برداشتے کار آئے ہیں یہ دنیا کے خواب
دب سکا ہے اس طرح ہستی کی راہوں کا غبار
آج تک لیکن وہی ہے قسطنطنیہ تحصیل کی
اس ترقی پر بھی تعمیر نظر آتی ہیں خام
عقل بن جاتی ہے جب عرفان کو چھلتے ہیں یہ راز

زندگی کی مستحق تنظیم پر بھی غور کر ۴
شب کے سانچوں پر حرکتی تابشیں ڈھلتی ہوتی
مادے اور ارتقا کی یہ ساری گیر و دار
اس نظر سے استفادہ کر جو ہے آگاہِ سادہ
یہ گلستاں یہ گل و دیبل یہ خورشید و قمر
خاک کے قلعوں میں دوح زندگی چلتی ہوئی
یا کوئی بیدار قوت ہے یہاں سرگرم کار
یہ تو پچھلے زمانے کے طوطے سے چھڑتا ہے ساز
کوئی اندھا گر نہ دیکھے زندگی کی آبِ تاب

کون کر سکتا ہے انکار وجودِ آفتاب
جس سے ملتی تھی رلوں کو گری فکدِ نظر
اور ممکن کی جگہ پہ ہے شرارے کا یثیب
زندگی دنیا کی ہے کوئی حقیقت یا نہیں
کوئی اندھی رویہ سب دانتے پروا نہیں
غور کر اس پہ اگر تو کر سکا حاصل یہ سوال
آگ وہ تو نے بھگا کر آپ رکھ دی بلے خبر
زندگی کی پسلیوں پر مان چڑھ سکتی نہیں
بہرِ خلقت ہے کسی خالق کی حاجت یا نہیں
محفلِ ہستی میں یہ ترتیب ہو سکتی نہیں
خود پلٹ جائے گا منزل کی طرف تیرا خیال

روح کی بے چینیاں تسکین کی ماہیاں پائیں گی
جتنی ذہنی مشکلیں ہیں آپ حل ہو جائیں گی
اس کے بعد نظم میں اس کی شرح کی گئی ہے کہ دین اسلام سرمدی اور تغیرنا آشنا ہے اور —
اب بھی ان پھولوں کی خوشبو سے معطر ہے نسیم

مرد نے وضعی ہے، اس مغربی تمدن و تہذیب کی کو سب کچھ سمجھ لیا ہے، یہ تہذیب نو شروع ہی سے سیرتِ داخوق کی حلیف رہی ہے، یہاں طوالت
ہے نہ رہا یہ داری اور ردت پرستی ہے؛ وہ تمدن جس کی کوششوں کا حصہ "ایم۔ ایم۔ ہور" اور "ایم۔ ایم۔ ہور" کی ادھانک پر فخر کیا جاتا ہے، جس میں
سیرتِ داخوق کا کوئی مقام نہ ہو، جس کو خلاصوں، حکموں اور مظلوموں کی آہ و فغاں سے نسیم اور خوشی ملتی ہو، جس میں روحاں، کون کا فقدان
وہ ایسی تہذیب عقل، انسانی کو خود پسند اور نفس انسانی کو کیش بنا دیتی ہے۔

اور اے "شعر انقلاب" تو بغاوت کو بٹائے انقلاب بھٹا ہے؛ حالانکہ —

انقلاب آتا ہے عزمانِ حقیقت کے لئے
صنعتی تعمیر سے کھلتے نہیں ہستی کے باب
رہنمائی کے لئے تہذیب سیرت کے لئے
ہے وہ فہمی ارتقا کہتے ہیں جس کو انقلاب
یہ جواب دینا میں سرگرم عمل ہے انقلاب
اصل میں ہے نوعِ انسانی کا ذہنی اضطراب

جس تو میں ہے سکونِ روح کی اب کائنات

منتشر ہیں انقلابی رویوں اجزائے حیات

نوعِ انسانی کو تباہی سے بچانے کے لئے
ہے یہی آجین محکم شرح اسرارِ حیات
مذہب آیا ہے یہی نقطہ دبانے کے لئے
اس کے بل پر بار بار انسان نے ہانپنے کی بات
علم و دانش کچھ نہیں حسنِ حقیقت کے بغیر
زندہ رہتی ہے حقیقتِ علم و حکمت کے بغیر

تو سمجھتا ہے کسی وہ وقت بھی آجائے گا
جو نہ تھا معلوم کل تک آج وہ معلوم ہے
مروجہ طرماں خود لئے جاتی ہے سال کی طرف
رہنہ رفتہ رفتہ بڑھ رہی ہے عقل منزل کی طرف
اس طرح جب یہ جمایاتِ نظمہ رائے جائیں گے
آنے والے، دانش اجداد پہ شرمائیں گے

مگر

یہ خط اندیشیاں ہیں بے یقینوں کے لئے
دیت کے میدان میں اس امید پر ہے شادیاں
اپنے قبضہ میں حجاب اختیار آنے تو دے
عقل کے دھوکے ہیں تجھ سے سطح بینوں کے لئے
ایک دن گاتے ہوئے جھٹے میں ہوں گے وہاں
کھس کے پی لینا، مگر ابر بہار آنے تو دے
چھوٹی ہے عقل اگر ایسا فالے بھی تو کیا
توہ کے ہیں ڈھول اگر یہ ہول مہانے بھی تو کیا

آج کا انسان ہے، انکا بڑھا سے شادیاں
گر ہی اس کی نظر میں ہے ذات کی گفیں
نوجوانوں بن دھند گول پیچ اب کھوٹی ہوئی
کیا عجب عقلیں اگر عقدوں کو سلجھا تی رہیں
کل کی دنیا واقعت دانہ دھول ہو کر رہے
دانشِ مجسود اپنے مجز کو چھپان لے
اس طرح یہ بھی تو ہو سکتا ہے لے محروم باز
جہل کی خلعت پہ ہے اس کو تھنی لگا لگاں
اور اقراءِ خدا ہے عجزِ ہمت کی ذلیل
جس دنادانی کی گہری نیند میں سوئی ہوئی
آنے والے عہد میں یہ ظلمتیں جھاتی رہیں
اضطرابِ روح انسانی سکون ہو کر رہے
زندگی کی نامتسامی کی حقیقت جہان لے
اعترافِ ذاتِ خالق ہو کر کل انسان کو نماز

شیطان، انقلاب کے دلی اور بنیاد کے مبلغ شاعرے کہتا ہے کہ تو شروع ہی سے علمِ دین کا صحیح قدم دیا اور لذت شناس نہیں ہے
یہ صرف لطرتِ کانیف ہے کہ تیرے کلام میں حق پیدا ہو گیا۔ دماغ گناہ پر مسموم اور معصیت آلودہ زندگی نے تجھے ذوقِ یقین سے محروم نہ
اور تو شکوک و ادبام میں الجھا رہا،

ابتداء تو نہ تھا لذتِ مشائس علمِ دین
کچھ اثر ماحول کا تھا اور کچھ شہرت کے خواب
میں نے دیکھا جھک رہا ہے تو گناہوں کی طرف
دل میں تیرے لذتِ ادبام کو چوں لگا دیا
فیضِ نظرت ہے، اگر کچھ ہے ترا حسنِ سخن
کچھ تیرے عام کی رو کچھ ہوس کا پیر و تاب
آنکھ ہی میں تیرے دل میں شک کی برہیں صاف صاف
آپ ڈھیمی جی فدا میں نے اُسے آکس دیا
شہرتِ ارمان کا طالب تھا تجھے وہ مل گئی
میری چالوں سے تیرے دل کی کلی کو کھس گئی

نہ بن کر بھی مسرورِ زندگی ملتا نہیں

نہ مل جاتا ہے لطفِ مسرور ملتا نہیں

۱۔ اختر اختر کی نظم اسے موضوعِ بحث ہے مگر کہ نظم ہے اس نظم سے شکوک و ادبام کے دھند

روشنی مٹی ہے، اور عقل کے جاہل پند پر یہ نظم ٹہری گاڑی بلکہ فیصلہ کن ضرب لگاتی ہے۔ انسانیت کی یہ انتہائی ہستی ہے۔
 دوا کی سوس رحمت اللہ بے یقینی پختہ کرنے لگے انداس مسک کا سنا دلاہ متعلق بن چائے، انسانیت پر اس سے بڑا ظلم اللہ کیا ہو سکتا ہے،
 اللہ تعالیٰ کی کلمات پر یقین بھی کائنات کی حقیقت الحقائق ہے، جس نے اس حقیقت کو نہ پایا، وہ گمراہ ہو گیا، اور انسان
 انسانیت کے لئے دہال بن گیا۔ انسان العصر الکبر الہ آبادی کا یہ شرمکھت و لیلیات کا ایک مکمل دفتر ہے۔

طبیعت اس تصور سے بہت دلیس ہوتی ہے

کہ ہے پاؤ خدا میں زندگی محسوس ہوتی ہے

یہ حقیقت ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کا یقین انداس کی یاد اور ذکر نہیں، وہاں زندگی صحت سے ہتر ہے : اس زندگی سے
 اللہ تعالیٰ کی پناہ !

چراغِ راہ

جنوری ۱۹۷۱ء سے اپنے دورِ نیکو آواز کو ہے

شعور و جوش کے ماضی سے آندیزیں

محتویات

- مرقی لکھت، اسلامی نثر
- مذہب اور بیند کی حاشی حق
- اور حضرت کا انشا اور اسلام

عالم اسلام

- ہاشم قند کا فرس، ڈی پی سی کا مطالعہ

تعارف و کتاب

- علامہ ابی یوسف بنیوی، تعارف فقیر فقیر

مشاعر و انشائیں

- مذکورات حسن ایتہ، شہید

علمی و فنی

- موبت روس میں سلاواں کی نوزت جان، اورانی قومیت کی روایت
- اسلام میں تقسیم، غزال کو فریاد، و لیلیات کے ماضی کی شہس

غیر سرے

- حضرت : اسلامی موشہم، د احمد، ابن کثیر
- خطاب، ملکیت اور بانی، ۱۱۰، د احمد، ابن کثیر

چراغِ راہ
 جلد دوم و سادہ اسلوب
 پتہ: چراغِ راہ، سب سٹال، برقی روڈ کراچی

مولانا محمد تقی عثمانی
(مدیر دارالعلوم کراچی)

انجیل برناباس

ایک مطالعہ

یہ بات قراب علی دنیا میں ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ جو انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، وہ دنیا سے ضائع ہو چکی ہے، اس وقت جو کتب میں انجیل کے نام سے شہر ہیں، ان سے ادا حضرت عیسیٰ کی سوانح سیات ہے، جسے مختلف لوگوں نے قلمبند کیا ہے اور اس میں آپ کی تعلیمات کا ایک بڑا حصہ پایا جاتا ہے۔

تواریخ مسیحیوں کے مختلف شاگردوں اور پیروں نے ان قسم کی انجیلیں لکھی تھیں، لہذا اپنی انجیل کے شروع میں لکھتے ہیں:۔

”چونکہ بہترین نسخہ ہرگز پانچویں صدی کے جو باقیں ہمارے درمیان واقع ہوئے ان کو ترتیب وار بیان کریں،

جیسا کہ انہوں نے جو شروع سے شروع کیے، اے انکلام کے خادم تھے ان کو ہم تک پہنچایا“ (لوقا ۱: ۱-۲)

لیکن عیسائی حضرات نے ان بہت سی انجیلوں میں سے صرف چار انجیلوں کو معتبر مانا ہے جو علی الترتیب متی، مرقس، لوقا اور یوحنا کی طرف منسوب ہیں، باقی انجیلیں یا تو کم ہو چکی ہیں یا موجود ہیں، مگر انہیں عیسائی حضرات تسلیم نہیں کرتے۔

لیکن آج سے تقریباً ڈھائی سو سال پہلے ایک کتاب دریافت ہوئی جو برناباس عاری کی طرف منسوب ہے، اس کتاب کی بدولت نے دنیا بھر میں ایک طغیانی پیدا کر دی، اس لئے کہ اس میں نہ صرف یہ کہ بے شمار باقیں ایسی موجود تھیں جن سے عیسائیت کا پورا ایمان منہدم ہو جاتا ہے بلکہ اس میں نبی، حواریان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام گڑی بھی لکھا ہوا تھا۔

اس وقت سے لے کر آج تک بہت سے علمائے عیسائیت اور ماہرینِ تاریخ نے اس کتاب کو اپنا موضوع بحث بنایا ہے، اور تمام عیسائی علمائے دعویٰ کیا ہے کہ یہ اصلی انجیل برناباس نہیں ہے، بلکہ اس کا مصنف کوئی مسلمان ہے جس نے عیسائیت کو غلط ثابت کرنے کے لئے اسے برناباس عاری کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

جناب سید مرتضیٰ رضا مہری مرحوم کے ایک مختصر مضمون کے سوا اس سلسلے میں کسی مسلمان کی کوئی تفسیر میری نظر سے نہیں گزری، حضرت مولانا شبّر الہ صاحب کراچی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ”اظہار الحق“ میں انجیل برناباس کا بہت مختصر خاکہ لکھا ہے، تاہم احرارِ حال ہیں۔ لہذا احرارِ حق کے اس وقت جسے کی شرح و تحقیق سے فارغ ہوا ہے اسی دوران مجھے انجیل برناباس اور اس کے موضوع پر مختلف مضامین پڑھنے کا اتفاق ہوا، اس مطالعے کا حاصل میں اس مختصر مقالے میں پیش کر رہا ہوں، امید ہے کہ علم دوست حضرات کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگا۔

میں سب سے پہلے انجیل برناباس کا مختصر تعارف اور اس کے کچھ اقتباسات پیش کر رہا ہوں، اس کے بعد مقدمہ، مآخذ، کتب و رسائل کی

تحقیق کی جائے گی کہ یہ انجیل اصل ہے یا جعلی ؟ انجیل برناباس حروف انجیل اربعہ سے بہت سی چیزوں میں مختلف ہے، لیکن چھاختہ نات ایسے میں نہیں بنیا دی اہمیت حاصل ہے ۔

(۱) اس انجیل میں حضرت مسیح نے اپنے "خدا" اور "خدا کا بیٹا" ہونے سے صاف انکار کیا ہے ۔

(۲) اس میں حضرت مسیح نے بتایا ہے کہ وہ مسیح "یا مسیح" جس کی نشانت عہد قدیم کے صحیفوں میں دی گئی تھی، اس سے مراد میں نہیں ہوں، بلکہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا مصداق ہیں جو آخرا نے میں مبعوث ہوئے گئے ۔

(۳) برناباس کا بیان ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی نہیں دی گئی، بلکہ ان کی جگہ یسوعاہ اسکیریون کی عورت بدل دی گئی تھی، جسے ہر پوئلہ نے حضرت عیسیٰ سمجھا، اور پچاسی پر چڑھا دیا، حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لاندے نے آسمان پر اٹھالیا تھا ۔

(۴) حضرت برناباس علیہ السلام نے اپنے جس بیٹے کو بڑا کرنے کا ارادہ کیا تھا وہ حضرت اسحق نہیں بلکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے ۔

ذیل میں ہم انجیل برناباس کی چندہ عہد میں پیش کرتے ہیں جنہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نہانی سرور کوئین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی باتیں ذکر کی گئی ہیں،

انجیل برناباس میں آنحضرت کا تم گرامی

ہم اسے پاس انجیل کے عربی اور ترکی ترجمے ہیں، ہم یہاں دونوں کی عبارتیں نقل کریں گے، اُنہوں کے ترجمے پر اس لئے اکتفا نہیں کیا گیا کہ وہ ایسے مسلمان عالم کا کیا ہوا ہے، اس کے برعکس عربی ترجمہ ڈاکٹر فیصل سعادت نے کیا ہے جو ایک عیسائی عالم ہیں ۔

دام لست اُحلاً ان اُحلاً رباطات جو مرق اُوسیوس
حد ا رسول اللہ الذی تسمونه مسیا الذی خلق
تسبی دیا فی بعدی فصل ۱۱ آیت ۱۱

عربی ترجمہ مطبوعہ قاہرہ ۱۳۵۷ھ ص ۶۲ و اُنڈو ترجمہ مطبوعہ لاہور ۱۳۵۷ھ
ص ۶۴

ادعاب کہ میں نے اس کو دیکھا میں تسبی سے بھر کر کہنے لگا، اسے محمد رسول اللہ
تیرے ساتھ براہ مجھ کو اس قابل بنائے کہ میں تیری جوتی کا تیرے کھولوں ۔
عربی ترجمہ ص ۶۹، اُنڈو ترجمہ ص ۷۰

شاگردوں نے جواب میں کہا اے عالم! وہ آدمی کون ہو گا جس کی نسبت تو
یہ بات کہتا ہے اور جو کہ دنیا میں عظیم آئے گا! یسوعاہ نے دلی خوشی کے
ساتھ جواب دیا بیشک وہ محمد رسول اللہ ہے ۔

عربی ترجمہ ص ۷۲، اُنڈو ترجمہ ص ۷۳

یہ تم سے بچ گئے ہوں دل سے باتیں کہنا ہوا کہ میرے ہی رو گئے
کھڑے ہوں گے اس لئے دنیا مجھ کو مہربان کی گی اور مجھ پر لازم ہو گا کہ
اس کے حضور میں حساب پیش کروں، اللہ کی زندگی کی قسم ہے وہ اللہ کے
میری جان اس کے حضور میں کھڑی ہونے والی ہے کہ بیشک میں بھی ایک فنا
ہونے والا آدمی ہوں، تمام اہل دل جیسا ۔

(۵۲ : ۱۰ تا ۱۵)

اس انجیل کی دریافت

قدیم عیسائی لٹریچر میں انجیل بنائے جانے کا ذکر ایک گمشدہ کتاب کی حیثیت سے ہے، لیکن مشہور میں شاہ ہوشیار کے ایک غریب کو جس کا نام کوثر تھا، اس سترہ سو کے مقام پر کسی کتب خانے سے ایک کتاب پڑھ لی جو اٹالیوں میں سے تھی اور یہ لکھا جاتا تھا کہ یہ بنائے جانے والی کی لکھی ہوئی انجیل ہے، اس وقت تک صرف نامعلوم ہونے کا ذکر کرتے تھے یہ اٹالی کی لکھی ہوئی سترہ سو کے کسی صاحب حیثیت آدمی سے حاصل کیا تھا جو اسے انجیل کی کتب سے لے کر تھیں، کوثر نے ایک شہزادہ آفریقین مافوقی کو تھوڑے طور پر دیدیا، اس کے بعد شہزادہ میں اس سترہ سو کے پانچ تخت دانہ کے کتاب کی کتب خانے میں منتقل ہو گئی، اور ایک چار تکس میں ہے۔

اس کے بعد اٹھارہ سو صدی کی ابتدا میں جن صدی کے تمام پر فطرت ملنے کو انجیل بنائے جانے کا ایک اور نسخہ دستیاب ہوا جو سب پانچ سو سال میں تھا، یہ نسخہ شہر مستشرق باورجس میں کوثر سے حاصل کیا گیا، اپنے ترجمہ قرآن میں مختلف اختلافات نقل کیے ہیں۔

پانچ سو میں اس پانچ سو کے نسخے پر جو نوٹ لکھا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حقیقت یہ مذکور بالا اٹالی کے نسخے کا سہا پانچ سو ترجمہ ہے جو کسی اور مغربی مسلمان مصنفی نے لکھا ہے، مصطفیٰ نوادی نے اس کے شروع میں ایک دہائی لکھا ہے جس میں اٹالی کی نسخے کی دریافت کا ذکر حال غریب ہے۔

اس دہائی کے خلاصہ یہ ہے کہ تفسیر یا سراسر صدی کے اختتام پر ایک لاطینی راہب فرامیون کو آرتوس بشپ کے کچھ خطوط دستیاب ہوئے جن میں سے ایک میں پوسٹ پر محنت منجھدی کو لکھی تھی: اس تفسیر یہ لکھا تھا کہ انجیل بنائے جانے میں پوسٹ کی حقیقت خوب واضح کی گئی ہے۔ جبکہ فرامیون نے آرتوس کا یہ خط پڑھا تھا، اس وقت سے وہ اصل انجیل بنائے جانے میں جستجو کرتا رہا۔

کچھ عرصے کے بعد اسے اس زمانے کے پوپ اسکس خیم کا تقریب حاصل ہو گیا، اور ایک مہذبہ پوپ کے ساتھ اس کے کتب خانے میں چلا گیا، کتب خانے میں پوپ کو پوپ کو کینہ لگی، اس عرصے میں فرامیون نے وقت گزارنے کے لئے کتابیں دیکھیں شروع کی، مگر اتفاق سے اس نے پہلی بار میں کتاب پڑھ لی اور وہ انجیل بنائے جانے کا اٹالی کی نسخہ تھا، فرامیون اسے حاصل کر کے بہت خوش ہوا اور اسے سائنس میں چھپا کر لے آیا۔

یہ پانچ سو صدی کے شروع میں مستشرق سس نے مصطفیٰ نوادی کے کلمہ سے ترجمہ قرآن کے مقدمے میں لکھی ہے، یہ پانچ سو کی لکھی ہوئی کتاب اس کا نام ہے کہ آرتوس مہذبہ میں یہ نسخہ ڈاکٹر بریٹ کے پاس آ گیا تھا، اور اس نے اپنے لیکچر میں بتلایا ہے کہ دو جگہ مغربی اختلاف کے علاوہ اٹالی اور سہا پانچ سو کی کوئی تائید ذکر نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ اب دنیا میں صرف قدیم اٹالی کی نسخہ موجود ہے وہی ڈاکٹر منکر نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کر دیا، پھر مگر کے ایک کسی عالم ڈاکٹر جنس سعادت نے اسے انگریزی میں عربی میں منتقل کیا، یہ عربی ترجمہ جناب سید رشید رضا مہذبہ روم نے شہر میں اپنے ایک مختصر مقدمے کیساتھ شائع کیا، ڈاکٹر جنس سعادت ہی نے اس انجیل کی تصویق پر آفریقہ کے فریڈلے میں، اس نسخے میں یہ عجیب و غریب تھے اور انہوں نے ہی اس کے شروع میں ایک عربی دہائی لکھا ہے جس میں اولاً انجیل بنائے جانے کی دریافت کا مذکور بالا تمام سترہ سو کے نسخے کے بعد ڈاکٹر جنس سعادت نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ انجیل کسی ایسے یہودی شخص کی تصنیف ہے جو پہلے نصرانی اور پھر مسلمان ہو گیا تھا۔

یہ عربی ترجمہ ہندوستان پہنچا تو مولوی محمد سلیم صاحب انصاری مولوی نے اس کا اردو ترجمہ کیا جو سترہ سو میں لاہور سے شائع ہوا۔ یہ انجیل بنائے جانے کا مختصر تعارف، اب سب تحقیق کریں گے کہ یہ انجیل واقعہ میں بنائے جانے کی تصدیق ہے یا — عیسائی علم کے بقول — کسی مسلمان کی لکھی ہوئی ہے، جو ان تکم نے تحقیق کی ہے ہم یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ اس انجیل کا سبب اسناد بنائے جانے کے کسی بھی صحیفے سے کم نہیں ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔

سے پوسٹ، جب یوں کا سبب بنا ۱۱۱۱ء میں اس کے وہ خط بنائے جانے میں شامل ہیں۔ رفتی، یہ جو صورت یہ لکھا جاتا ہے وہ عربی ترجمہ اسٹیننگ کا ہے کہ لاہور میں، اور یہ عربی نسخہ کسی ایسے ہی زمانہ کا ہے کہ کتب خانے میں دیکھ سکتے ہیں۔

برناباس کون تھے؟
 انجیل برناباس کی حقیقت اور اس کی اصلیت کی تحقیق کرنے کے لئے ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ برناباس کون ہیں؟
 واریوں میں ان کا مقام کیا تھا؟ اور ان کے خاصہ خاص نظریات کیا تھے۔۔۔ ان کے عقائد کا پسہ جسہ جسہ آؤں گی کتاب
 اعلیٰ میں ملتا ہے، وہ لکھتے ہیں:-

”اور یسوع مسیح ایک لادکا تھا جس کا لقب رسول تھا۔ برناباس نے بھی نصیحت کا بیٹا رکھا تھا اور جس کی پیدائش آپس کی تھی،
 اس کا ایک کھیت تھا جسے اس نے بپا اور قیامت لاکر رسول کے پاؤں میں رکھ دیا“ (اعمال ۴: ۳۶-۳۷)

اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوتی کہ برناباس واریوں کا بلکہ تمام کے حال تھے اور اسی وجہ سے واریوں نے ان کا نام ”نصیحت کا بیٹا“ رکھ دیا تھا، دوسرے یہ بات
 معلوم ہوتی کہ انہوں نے خدا کی رضا ہوتی کی خاطر اپنی ساری دنیاوی زندگی تبلیغی مقاصد کے لئے صرف کر دی تھی۔

اس کے علاوہ برناباس کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ انہوں نے ہی تمام واریوں سے آپس کا عقائد کر لیا تھا، آپس میں کامیابی نام سنا تھا ہے، ابتدائی کفر
 یہودی تھا، اور شروع میں اس نے واریوں پر سخت ظلم و ستم ڈھائے تھے، پھر چونکہ وہ مسیح پر یقین کر لیا کہ وہ مسیح کے راستے میں مجھ سے ایک اور چکا
 اور اس میں سے مجھے ”خداوند یسوع مسیح“ کی یہ آواز آئی کہ تو مجھے کیوں مستند ہے؟ چنانچہ آپ میں ”یسوع مسیح“ پر ایمان لا چکا ہوں، واریوں میں سے کوئی
 یہ یقین کرنے کے لئے تیار نہ تھا کہ وہ مسیح کی جگہ پر توکل تک ہم لوگوں کو مستانہ اور تکلیف پہنچاتا رہا ہے، اور اس خطبے کے ساتھ ہمارا دوست، ہم نامزد بپا ہو سکتا
 ہے لیکن۔۔۔ برناباس ہی تھے جنہوں نے تمام واریوں کے سامنے آپس کی تصدیق کی اور انہیں بتایا کہ یہ واقعی تمہارا ہم نامزد بپا ہے چنانچہ تو آپس
 کے بارے میں لکھتے ہیں:-

”اس نے بروشلیم میں پہرینچ کر شگردوں میں مل جانے کی کوشش کی، اور جب اس سے ڈرتے تھے، کیونکہ ان
 کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ مسیح ہے، مگر برناباس نے اسے اپنے ساتھ رسولی کے پاس لے جا کر ان سے بیان کیا
 کہ اس نے اس طرح راہ میں خداوند کو دیکھا اور اس نے اس سے باتیں کیں، اور اس نے وحش میں کی دلیری
 کہ یہ خداوند یسوع کے نام سے خدا کی“ (اعمال ۱۱: ۲۶-۲۷)

اس کے بعد میں کتاب اعلیٰ ہی سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپس اور برناباس عرصہ مدلت تک ایک دوسرے کے ہم سفر رہے اور انہوں نے ایک ساتھ
 تبلیغ حیاتیت کا فریضہ انجام دیا، دیکھیے اعلیٰ البلم وچلا والباب ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴

کی سنادی کہتے ہیں، چند روز بعد پرتس نے برنباس سے کہا کہ جن جن چیزوں میں مجھے خدا کا کلام سنایا تھا، آؤ
پہرانی میں چوں کہ بھائیوں کو دیکھیں کہ کیسے ہیں؟ اور برنباس کی صلاحت بھی کہ پرتس کو جو ترس کہتا ہے، اچھے ساتھ سے
چلیں، مگر پرتس نے یہ مناسب نہ جانا کہ جو شخص پرتس میں گناہ کیلئے اس کام کہنے ان کے ساتھ نہ گیا تھا اس کو ہمراہ
سے چلیں پس اُن میں ایسی سخت نگاہ پڑی کہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے، اور برنباس ترس کہنے کہ جہاز پر گرتی ہو
رو نہ ہو، مگر پرتس نے پرتس کو پسند کیا، اور بھائیوں کی طرف سے خدا کے فضل کے سپرد ہو کر مدد مانگا، اور کلیک لیا
کہ مضبوط کتاب اس وقت آدھ لکھی سے گذرا۔ (اعمال ۱۵: ۳۵ تا ۴۱)

کتاب اگلی میں بند ہوا اس شدید اختلاف کی وجہ سے۔ یہ بیان کی گئی ہے کہ برنباس یوحنا ترس کو کم مضبوط بنانا چاہتا تھا، اور پرتس اس سے انکار کرتا
تھا۔ لیکن ہماری رائے میں اس شدید اختلاف کا سبب صرف اتنی معمولی سی بات نہیں ہو سکتی، بلکہ دونوں کی یہ داخلی جراتی یقیناً کچھ بنیادی اختلافات
کی بنا پر ہیں۔ اتنی سی بات کے مندرجہ ذیل شواہد ہیں:۔
۱۔ لام تو کا کتاب اس کی میں ان کے اختلافات اور جہاز کی کہ بیان کرنے کے لئے جو یونانی الفاظ استعمال کیے ہیں وہ غیر معمولی طور پر سخت ہیں، بیشتر
ای۔ ایم ہلیکے نوک (Blacklock) اپنی کتاب اعمال کی شرح میں لکھتے ہیں:

”اب تو ایماندار کی ساتھ دونوں رفتار (پرتس اور برنباس) کے درمیان واقع ہونے والے اختلاف کی انکار
کہانی لکھتا ہے، جو لفظ اس نے استعمال کیا ہے یعنی PAROUSIA وہ بڑا سخت لفظ ہے اور اگلی سی مترجم
K. J. V. اس لفظ کے ترجمے میں لفظ SHARP (تیز و سخت) کا اضافہ بالکل درست کیا ہے۔ پرتس اور برنباس
ایک دوسرے سے بالکل جدا ہو جاتے ہیں یہاں پھر جہاز کی لکھنے والی زبان کا ایک ایسا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو
بڑا سخت ہے اور عام طور سے استعمال نہیں کیا جاتا، یہ لفظ یہ نامہ جدید میں اس جگہ کے علاوہ صرف مکاشفہ میں
میں ملتا ہے، جہاں آسمانوں کے تباہ ہو کر چھاپنے کا ذکر ہے“ (شرح کتاب اعمال مرتبہ ماسکرس ۱۱۸ و ۱۱۹)

کیا اتنا شدید اختلاف جس کے لئے ایسے غیر معمولی الفاظ استعمال کیے گئے ہوں، صرف اس بنا پر پیدا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص یوحنا ترس کو طریق مضبوط بنانا
چاہتا ہے اور دوسرا سیکلاس کو؟ اس قسم کے اختلافات بلاشبہ بعض اوقات پیدا ہو جاتے ہیں، لیکن ان کی بنا پر ہمیشہ کے لئے کسی دیرینہ صداقت کو طبعاً نہیں
لگایا جاتا، خصوصاً جبکہ یہ صداقت اس قسم کے لئے جس کے تقدس اس کی بیزاری کے دونوں طرف ہیں، وہ برنباس کو تبلیغ دین کے لئے اپنی ساسی پونجی لا کر
مولدوں کے ذہن میں ڈھیر کرنا چاہتا تھا۔ اپنے ایک رشتہ دار کی وجہ سے تبلیغ و دعوت کے مقصد میں ایسی رخنہ اندازی کو گوارا نہ دے گا؟
۲۔ پھر لفظ کی بات یہ ہے کہ بعد میں پرتس یوحنا ترس کی صداقت کو گوارا کرتا ہے، چنانچہ قریباً تین سو سال پہلے دوسرے خط میں وہ لکھتا ہے:۔
”ترس کو ساتھ لے کر آ جا، کیونکہ خدمت کے لئے وہ میرے کام کا ہے“ (۲۔ تیمتیس ۱۳)

اس سے معلوم ہوا کہ ترس نے پرتس کا اختلاف اتنی اہمیت کا حامل نہ تھا کہ اس پر برنباس جیسے شخص کی مذمتی کو قربان کر دیتا جاتے، اسی لئے اس نے بعد میں
ترس کی صداقت کو گوارا کر لیا، لیکن یہ جیسے کہ نامہ جدید یا تاریخ کی کسی اور کتاب میں کہیں نہیں ملتا کہ بعد میں برنباس کیسے تھیں پرتس کے تعلقات
دست بستہ تھے، اگر چہ پرتس ہی تھا تو اس کے ساتھ پرتس کی رضا مندی کے بعد برنباس کے ساتھ اس کی مذمتی کیوں ہراندہ ہوتی؟
(۳) پھر جب ہم خود پرتس کے خطوں میں برنباس سے اس کی داخلی کتاب کا تبادلہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ کہیں نہیں ملتا کہ اس کا سبب یوحنا ترس تھا، اس کے

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خطاب ہے ۱۔

۱۔ ابراہیم ابراہیم تو میرے اور تیرے دینیان اور تیرے بھتیجی نسل کے دو بیان ہے اور جسے تم مانو گے میرے کہ تم میں سے ہر ایک فرزند زینہ کا ختنہ کیا جائے، ورنہ تم اپنے بدن کی کھڑکی کا ختنہ کیا اہیہ اس جگہ کا نشان ہو گا جو میرے اور تمہارے درمیان ہے، تمہارے ہاں پشت و پشت ہر لڑکے کا ختنہ جب وہ آٹھ دن کا ہو، کیا جائے، خواہ وہ گھر میں پیدا ہو خواہ اس کے کسی پر ویشی سے ہو یا جو جو تیری نسل سے نہیں، ورنہ تم کہ تیرے خاندان اور میرے خاندان کا ختنہ کیا جائے، اور میرا جگہ تمہارے حکم میں ابھی اہل ہو گا، اور فرزند زینہ جس کا ختنہ نہ ہوا ہوا اپنے لوگوں میں سے کھٹ لٹا جسے کہو نہ کہ اس نے میرا جگہ توڑا۔ (پیر پلش، ۱۷، ۱۸ تا ۲۴)

اور میری علیہ السلام سے خطاب کہتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ۲۔

۲۔ ابراہیم! تمہیں دنوں کے کا ختنہ کیا جائے۔ (احبار، ۱۷)

اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی ختنہ کی گئی تھی، چنانچہ انجیل کو قاریں ہے ۱۔

۱۔ اور جب آٹھ دن پورے ہوئے اس کی ختنہ کا وقت آیا تو اس کا نام ایسوع رکھا گیا۔ (دوقا، ۱۷)

اس کے بعد حضرت یحییٰ علیہ السلام کا کوئی ایسا دایا منقری نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ ختنہ کا حکم منسوخ ہو گیا ہے۔

ہذا یہ بات عین قرین قیاس ہے کہ وہ برہنہ جس میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بلا واسطہ عادات کا شرف حاصل کیا تھا، پوس بھی ہوا بنا پر برگشتہ ہوا ہو کہ وہ ایک عرصہ دنا ننگ اپنے آپ کو سچا عیسائی ظاہر کرنے کے بعد مذہب عیسوی کے بنیادی عقائد و احکام میں تخریب کا مرتکب ہوا تھا، شروع میں برہنہ نے پوس کا ساتھ اس لئے دیا تھا کہ وہ اسے غلط عیسائی سمجھتے تھے، لیکن جب اس نے غیر اقوام کو اپنا مریض بنانے کے لئے مذہب کی بنیادوں کو منہدم کرنے اور ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالنے کا سلسلہ شروع کیا تو وہ اس سے جدا ہو گئے اور اسی بنا پر پوس کثیروں کے نام مذہب برہنہ اس کا طاعت کرتے ہوئے یہ لکھتا ہے کہ ۱۔

۱۔ مجھ کو وہ آگئے تو غمزدگی سے ڈر باز رہا، اس کا وہ کیا، اور باقی یہودیوں نے بھی اس کی طرح دیا کاری کی، یہاں

تک کہ برہنہ اس بھی اس کے ساتھ رہا کاری میں پڑ گیا۔ (دگنٹوں، ۱۷)

اس بات کو یاد ہے۔ پوس اس سے بھی عیسوی کہنے ہیں کہ پوس اور برہنہ اس کی جدائی کا سبب صرف عیسائی تھا، بلکہ اس کے پس پشت یہ نظریاتی اختلاف بھی کام کر رہا تھا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں ۲۔

۲۔ جبکہ اس اور پوس کے جو بڑے عالی و صدف شخص تھے، ضرور اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا ہو گا اور یہ وہ وقت و دور ہوا تھا

ہے، لیکن باوجود اس کے کہ احتمال ضرور گذر رہا ہے کہ ان کے درمیان کچھ نہ کچھ رنجش رہ جاتی ہے جو میں ظاہر ہوتی ہے

(رحبات و مخطوطات، ۸۹ ص ۹۰)

مندرجہ ذیل بحث کو ذہن میں رکھ کر اب انجیل برہنہ اس پتا جائے، ہیں اس انجیل کے بالکل شروع میں جو عبارت ملتی ہے وہ یہ ہے ۱۔

۱۔ اے عزیز! اللہ نے جو عظیم اور عجیب ہے، اس نوری زمانے میں

ہیں اپنے ہی ایسوع مسیح کے ذریعہ ایک عظیم رحمت سے آراہا،

اس عظیم اور آتمی کے ذریعہ جس میں شیطان نے بہت سے

لوگوں کو گمراہ کرنے کا ذریعہ بنایا ہے، جو تقویٰ کا دعویٰ کرتے

ایما الاعتراف ان اللہ العظیم العجیب قد انتقدنا

فی هذا لا دایام الا خیر و بنیہ ایسوع المسیح بوجہ

عظیمہ لتعلیم و الاایات النبی اخذناھا الشیطان

ذریعہ لتضلیل کثیرین بداعویٰ التقویٰ مبشورین

یتعلیم شدیداً، انکس و اعین المسیح ابن اللہ
 ورافضیہ النان الذی امویہ، اللہ و انسا
 جہوزین کل طعم نفس اللہ فی عقل فی عدا و ہم ایضاً
 بس الذی لا انکس و اعین اللہ و انسا و هو
 السبب الذی لا جہل اسل و فلت اطلت
 الذی مریض و معصی اسنا و معاشی فی لیسوم
 لکی تخلص و لا یطعمک الشیطان فتسلو فی دینوت
 اللہ و علیہ فاسفر و اکل احد و پیشو کہ تعلیم
 جہد یہ مضائقہ اکبر، تخلص و اخلاصاً ابدیاً۔
 (دربہاں ۱۱، ۱۹۵۲)

ہیں اور سخت کھڑکی تبلیغ کرتے ہیں اس کے الٹ کا یہاں کہتے
 ہیں، "نقدہ کا انکار کرتے ہیں جس کا الٹ نہ ہم نے حکم دیا
 ہے اور جس گوشت کو جائز کہتے ہیں، انہیں گندہ سے میں
 پرکس میں گراہ ہو گیا جس کے بائیں کچھ نہیں کر سکتا، اگر
 انہیں گندہ نقدہ اور وہی سبب ہے جس کی وجہ سے مردہ
 حق بات لکھ دیا ہوں جو میں نے یسوع کے ساتھ سمجھنے کے
 دوران میں اور دیکھیں ہے، تاکہ تم نجات پاؤ اور تمہیں مشیہان
 گراہ ذکر کے اور تم اللہ کے حق میں گراہ ہو جاؤ اور اس بنا پر
 ہر اس شخص سے جو جو نہیں کسی نئی تعلیم کی تبلیغ کرتا ہے وہ میرے
 لکھنے کے خلاف ہے، تاکہ تم اپنی نجات پاؤ۔"

کیا یہ نثرین تیس نہیں ہے کہ پرتس سے نظریاتی اختلاف کی بنا پر جدا ہونے کے بعد بریتانیس نے جو عہدہ دماغ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ساتھ ہے
 حضرت مسیح کی ایک سولہ لکھی ہوا اس میں پرتس کے نظریات پر تنقید کے کچھ عقائد و نظریات بیان کئے گئے ہوں !

یہاں تک ہمارے گزشتہ اشاعت کا خلاصہ یہ ہے کہ خود بائبل میں بریتانیس کا جو کفار پیش کیا گیا ہے اس میں پرتس کے بقا ان کے من اختلافات
 کا ذکر بیان کے پیش نظر یہ بات چننا بعید نہیں ہے کہ بریتانیس نے ایک ایسی انجیل طبعی جو جس میں پرتس کے عقائد و نظریات پر تنقید کی گئی ہو اور وہ مردہ بریتانیسی
 عقائد کے خلاف ہو۔

اگر یہ بات آپ کے ذہن نشین ہو گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ انجیل بریتانیس کو بریتانیس کی تعریف کچھ کے واسطے سے ایک بہت بڑی کادے
 گود ہو گئی، اس لئے کہ عام لوگوں اور انہماک مخصوص عیسائی حضرات کے دل میں اس کتاب کی طرف سے ایک بہت بڑا — بلکہ شاید بڑا بڑا — مشہد ای وجہ سے
 پیدا ہوتا ہے کہ انہیں اس میں بہت سی باتیں ان نظریات کے خلاف نظر آتی ہیں جو پرتس کے واسطے سے ہم تک پہنچے ہیں، اور جب یہ دیکھتے ہیں کہ کسی کتاب کی بہت سی
 باتیں ان انجیل اعلیہ اور مردہ بریتانیسی نظریات کے خلاف ہیں تو وہ کسی طرح یہ باہر کر نہیں لگاتے کہ یہ واقعی بریتانیس کی تعریف ہے، اس بات کو پیشینہ امر لگانا
 کا ساتھ نہ لگا کر اس انجیل پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:—

"ہم اسے پاس کوئی ایسا ضمیمہ نہیں ہے جس سے ہم یہ معلوم کر سکیں کہ انجیل بریتانیس کے اصلی مضامین کیا تھے؟ تاہم اس نام
 سے اطلاع دینا میں ایک طریق محدود توجہ کو پایا جاتا ہے جو اسلامی نقطہ نظر سے کٹھا گیا ہے اور جس میں توہم پرستی کا ایک
 مضبوط عنصر موجود ہے، مثلاً ۱۹۰۷ء میں "اس ڈیس اعلیٰ لٹریچر" سے ایٹک کیا تھا انسان کا خیال یہ تھا کہ یہ کسی ایسے
 شخص کی تعریف ہے جس نے عیسائی مذہب چھوڑ دیا تھا، اور غالباً یہ تیرہویں اور سولہویں صدی کے درمیان کسی کسی؟"

اور اساتذہ کرام بیڈ یا امریکا نام ۳۶۶ ج ۳، ص ۴۰۳، ص ۴۰۳، ص ۴۰۳

آپ نے دیکھ کر ہر قدر متاثر ہوئے، اس کتاب کے ناقابل اعتبار ہونے پر کوئی غور و دل چش کرنے کے لئے کیا ہے چھٹی اس پر یہ تبصرہ کی گئی، "ہر سداً نظر نظر
 لکھا گیا ہے" اور اس بات کو کتاب کے اصلی ہونے پر کافی دلیل سمجھ کر لکھ کر دیکھا ہے کہ اس کا لکھنے والا کون تھا؟ اس کا کبھی کوئی : اس کی وجہ یہ ہے کہ پرتس
 کے نظریات و عقائد اس کے بیان کردہ واقعات و خبروں میں کچھ اس طرح سمجھ چکے ہیں کہ جس کتاب میں ان کے خلاف کوئی بات کہی گئی ہو : اس کی وجہ یہ ہے کہ پرتس
 منسوب کر کے ہر دلی آواز نہیں ہوتے، ————— لیکن اس پر جو گزارشات ہم نے پیش کی ہیں : ان کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر بریتانیس کی کسی

تصنیف میں پوس کے عقائد و نظریات کے خلاف کوئی حقیقی یا واقعہ بیان کیا گیا ہو، وہ کسی طرح تعجب خیز نہیں ہو سکتا اور محض اس بنا پر اس تصنیف کو صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا کہ وہ پوس کے نظریات کے خلاف ہے، اس لئے کہ مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ پوس اور برہمناس میں کچھ نقطہ یاتی اختلاف تھا جس کی بنا پر وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے تھے۔

اس نئے وی نقطہ کو قدسے تفصیل اور وضاحت سے ہم نے اس نئے بیان کیا ہے تاکہ انہیں برہمناس کی اصلیت کی تحقیق کرتے ہوئے وہ غلط تصورات سے قدسہ جانے جو عام طور سے شہری یا غیر شہری ہو رہا ہی جاتا ہے۔

اس نئے بعد اچھے دیکھیں کہ کیا واقعی برہمناس نے کوئی نہیں کھوئی؟ جہاں تک ہم نے اس موضوع پر مطالعہ کیا ہے اس بات میں بعد میں نہیں ہیں کہ برہمناس نے ایک نہیں لکھی تھی، یہ باتوں کے تویم تاخیریں برہمناس کی انہیں کا تذکرہ سہ ہے، اظہارِ حق دس ۲۳۲ جداول ہیں، ایک چور کے حوالے سے جس میں گشتہ کتابوں کی فہرست نقل کی گئی ہے اس میں انہیں برہمناس کا نام بھی موجود ہے، امریکا، دس ۲۹۲ ج ۳۳ کے متعلق برہمناس میں جو اس کا اعتراف کیا گیا ہے۔

چونکہ انہیں برہمناس دوسری انہیں کی طرح مدعا نہیں پاسی، اس لئے کسی غیر جانب دار کتاب سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس کے مفاد میں کیا تھے؟ لیکن کلیں کی تاریخ میں ایک واقعہ ایسا ملتا ہے جس سے اس کے منہ جات پر کچھ روشنی پڑتی ہے اور جس سے اتنا معلوم ہو، کہ برہمناس کی انہیں میں ایسا یوں کے عام عقائد و نظریات کے خلاف تھے، اس میں سوا وہیں وہ واقعہ ہے کہ انہیں پانچویں صدی عیسوی میں (یعنی) تختہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریف آدھی سے بہت پہلے ۱۰۰۰ پہلے۔

جیسا کہ ان کے نام سے ظہور ہے۔ "اس نے اپنے دین، ایک نئے دین جاری کیا جو" "دین بیکاشیس" (۵۵۸-۵۵۹) (۵۵۸-۵۵۹) کے نام سے مشہور ہے۔ برہمناس میں اس واقعہ پر لکھا ہے کہ: "اس نے اپنے دین، ایک نئے دین جاری کیا جو" "دین بیکاشیس" (۵۵۸-۵۵۹) (۵۵۸-۵۵۹) کے نام سے مشہور ہے۔ برہمناس میں اس واقعہ پر لکھا ہے کہ: "اس نے اپنے دین، ایک نئے دین جاری کیا جو" "دین بیکاشیس" (۵۵۸-۵۵۹) (۵۵۸-۵۵۹) کے نام سے مشہور ہے۔

اس واقعہ پر لکھا ہے کہ: "اس نے اپنے دین، ایک نئے دین جاری کیا جو" "دین بیکاشیس" (۵۵۸-۵۵۹) (۵۵۸-۵۵۹) کے نام سے مشہور ہے۔ برہمناس میں اس واقعہ پر لکھا ہے کہ: "اس نے اپنے دین، ایک نئے دین جاری کیا جو" "دین بیکاشیس" (۵۵۸-۵۵۹) (۵۵۸-۵۵۹) کے نام سے مشہور ہے۔

اس واقعہ پر لکھا ہے کہ: "اس نے اپنے دین، ایک نئے دین جاری کیا جو" "دین بیکاشیس" (۵۵۸-۵۵۹) (۵۵۸-۵۵۹) کے نام سے مشہور ہے۔ برہمناس میں اس واقعہ پر لکھا ہے کہ: "اس نے اپنے دین، ایک نئے دین جاری کیا جو" "دین بیکاشیس" (۵۵۸-۵۵۹) (۵۵۸-۵۵۹) کے نام سے مشہور ہے۔

اس واقعہ پر لکھا ہے کہ: "اس نے اپنے دین، ایک نئے دین جاری کیا جو" "دین بیکاشیس" (۵۵۸-۵۵۹) (۵۵۸-۵۵۹) کے نام سے مشہور ہے۔ برہمناس میں اس واقعہ پر لکھا ہے کہ: "اس نے اپنے دین، ایک نئے دین جاری کیا جو" "دین بیکاشیس" (۵۵۸-۵۵۹) (۵۵۸-۵۵۹) کے نام سے مشہور ہے۔

اس واقعہ پر لکھا ہے کہ: "اس نے اپنے دین، ایک نئے دین جاری کیا جو" "دین بیکاشیس" (۵۵۸-۵۵۹) (۵۵۸-۵۵۹) کے نام سے مشہور ہے۔ برہمناس میں اس واقعہ پر لکھا ہے کہ: "اس نے اپنے دین، ایک نئے دین جاری کیا جو" "دین بیکاشیس" (۵۵۸-۵۵۹) (۵۵۸-۵۵۹) کے نام سے مشہور ہے۔

اس واقعہ پر لکھا ہے کہ: "اس نے اپنے دین، ایک نئے دین جاری کیا جو" "دین بیکاشیس" (۵۵۸-۵۵۹) (۵۵۸-۵۵۹) کے نام سے مشہور ہے۔ برہمناس میں اس واقعہ پر لکھا ہے کہ: "اس نے اپنے دین، ایک نئے دین جاری کیا جو" "دین بیکاشیس" (۵۵۸-۵۵۹) (۵۵۸-۵۵۹) کے نام سے مشہور ہے۔

اس واقعہ پر لکھا ہے کہ: "اس نے اپنے دین، ایک نئے دین جاری کیا جو" "دین بیکاشیس" (۵۵۸-۵۵۹) (۵۵۸-۵۵۹) کے نام سے مشہور ہے۔ برہمناس میں اس واقعہ پر لکھا ہے کہ: "اس نے اپنے دین، ایک نئے دین جاری کیا جو" "دین بیکاشیس" (۵۵۸-۵۵۹) (۵۵۸-۵۵۹) کے نام سے مشہور ہے۔

دین وسیع سن کی تفریق کا یہ نفسیہ خالصتہ غیر اسلامی ہے اور علمائے اسلام شروع سے اس کی تردید کرتے آئے ہیں۔

۱۱۔ انھیں عقائد آیت میں آسمانوں کی تعداد کو بتلانی گئی ہے اگرچہ بعض فلاسفہ اس کے قائل رہے ہیں مگر مسلمان یقیناً شہرہ قبول مسات ہی کا ہے۔ قرآن کریم میں بھی آسمانوں کی تعداد ہر جگہ سات ہی مذکور ہے۔ اس طرح کے بعض اور تصورات اس کتاب میں ایسے نظم میں جو عام اسلامی نظریات کے قطعی خلاف ہیں، یا کم از کم مسلمانوں کے یہاں معروف نہیں ہیں، ان حالات میں یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ یہ کتاب کسی مسلمان کی تخلیق تھیں۔

یہ تھے وہ قرآن جن کی موجودگی میں اس کتاب کو کسی مسلمان کی تصنیف قرار دینا بہت بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔ اب ہم وہ ترن پنز کہتے ہیں جن سے اس کتاب کا جیسا ہونا معلوم ہوتا ہے اور جن سے اکثر عیسائی حضرات اور اہل مغرب نے استہلال کیا ہے۔

۱۲۔ جیسا کہ ہم نے عرض کیا، عیسائی حضرات کو اس انجیل کے اصلی مہم نہیں ہے۔ یہ مسیحیوں کا عقائد و دشمنیات (انجیل) کے بالکل خلاف ہیں، لیکن بحث کی ابتدا میں ہم تفصیل کے ساتھ یہ ثابت کر چکے ہیں کہ یہ کتاب اس انجیل میں اگر عام عیسائی تصورات کے خلاف کہیں، تو وہ کسی طرح محسوس تعجب نہیں ہیں اور تنہا یہ بات اس کتاب کے جلی ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی۔

۱۳۔ دوسرا شبہ یہ ہے کہ اس کتاب میں بہت سے مقامات پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام گلابی ذکر ہے حالانکہ عام طور سے انبیاء علیہم السلام آئمہ کسی نبی کو پیشین گوئی فرماتے ہیں تو صفات صامت نام ذکر کرنے کے بجائے اس کا حلیہ اداس کے اوصاف بیان کرتے ہیں اور وہ بھی علمائے کتبہات ادا اشارتوں میں ہیں، یا جس میں کسی جگہ کسی آئے والے شخص کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔

لیکن اس میں اولیٰ تو یہ کہن ہی غلط ہے کہ بائبل میں کسی آئے والے کا نام ذکر نہیں ہے، اس لئے کہ کتاب یہ سچا ہے حضرت شعیب علیہ السلام کی زبانی یہ پیشین گوئی بیان کی گئی ہے کہ۔

”دیکھو۔ ایک کنواری عاقل ہوگی اور دنیا پیدا ہوگا اور وہ اس کا نام تمنا قرار رکھے گی“ (یسعیاہ ۴۸)

عیسائی حضرات کا کہن ہے کہ اس عبارت میں حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشین گوئی کی گئی ہے۔ اسی وجہ سے انجیل میں اس عبارت کو پیش کے تحت بڑے حلیہ کی تعاقبیت پر استدلال کیا گیا ہے اور کچھ مکتبی علماء اور لوگ (۳۱۱ ۳۱۲) — اگرچہ اس معاملہ میں بائبل کے مشاہدین سخت حیران ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا کوئی نام بتائیں تو یہ بتایا نہیں؟ لیکن اس سے کم از کم اتنی بات ہر صورت ثابت ہو جاتی ہے کہ بعض مرتبہ کسی عظیم الشان شخصیت کی آمد کی پیشین گوئی اس کا نام بتا کر کر دی جاتی تھی، اس کے علاوہ زبور میں ہے۔

”تو میں کس لئے طیش میں ہیں؟ اور لوگ کیوں باطل خیال بنائے تھے؟ خداوند اور اس کے مسیح کے خلاف“ (زبور ۱۱۲)

عیسائی حضرات کے نزدیک اس عبارت میں مسیح سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور کچھ آکسفورڈ بائبل کنکارڈس میں ۳۷۶ء مہر ہر لندن م اس پیشین گوئی میں بھی صریح عتبہ موجود ہے، بلکہ کتاب دانی میں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لقب کے ساتھ آپ کی مدت بھی بیان کر دی گئی ہے۔

”اور باسٹھ مہینوں کے بعد وہ مسیح قتل کیا جائے گا اور اس کا کچھ نہ رہے گا“ (دانی ال ۱۱)

اس کے علاوہ یسعیاہ ۴۸ اور یسعیاہ ۵۴ میں بھی اتنی ہی شخصیتوں کے نام ذکر کئے گئے ہیں، ان تمام حوالوں سے ہر حال یہ بات پابہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ اگر آئے والی شخصیت عظیم الشان ہو تو بعض اوقات پیشین گوئی میں اس کا نام بھی ذکر کیا جاتا ہے، مذکورہ مثالیں تو بائبل کی تھیں، اسلامی ذخیرہ و احادیث میں آخر نہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی ملتا ہے۔

اب آپ خبر فرمائیے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبی اعجازان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام گلابی ذکر کیا ہو تو اس میں تعجب کی کوئی بات ہے؟ خاص طور سے اس لئے کہ آپ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے مقابلے میں ممتاز ترین مقام کے حامل تھے، آپ نبوت و مملکت کے مقدس سلسلے کو ختم ہونا تھا، آپ کی نبوت کو کسی خاص غلط یا آدم کے ساتھ مخصوص کئے جانے کے ساتھ دنیا کے ہر گوشے کے لئے عام کیا جانے والا تھا، کیا ایسے نبی کی پیشین گوئی میں عیسیٰ علیہ السلام

کے علاوہ نام ذکر کرنا قرین قیاس نہیں ہے۔

۵) انجیل برہنہاس کے اصل ہونے پر تیسرا شبہ عام طور سے یہ ہے کہ اس انجیل کا اسلوب بیان باقی انجیلوں کے کافی مختلف ہے۔ لیکن ہمارے سامنے ہیں اول تو سب بیان کے اختلافات کا فیصلہ اتنی جلدی سے نہیں کیا جاسکتا، اب تک انجیل برہنہاس کا کوئی بغرائفی یا لڑائی لڑنے کی سیانت ہی نہیں مباحثہ انجیل دلیہ کا مقابلہ کیا جسکے ساتھ قرآن کے ذریعہ اسلوب تحریر کا موازنہ بہت غیر محاط ہوگا۔ اسلوب تحریر کا جس قدر اختلاف ترجموں سے معلوم ہوتا ہے، وہ بہت نمایاں نہیں ہے جس کی بنا پر کوئی فیصلہ کیا جاسکے۔

دوسرے اگر واقعی انجیل برہنہاس اور دوسری انجیلوں میں اسلوب میں اسلوب کا فرق ہے تو اس سے اس کے صحیح ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ پھر کھنڈانے کا اسلوب تحریر جو ہر کتاب ہے، کیا یہ حقیقت سامنے نہیں ہے کہ انجیل یوحنا اپنے اسلوب بیان کے اعتبار سے پہلی تین انجیلوں سے بہت مختلف ہے اور اس بات کو تمام حوالہ دینے والے بھی تسلیم کرتے ہیں، یا دوسری کی منبئی یا اس پر اپنی مشبہ کتاب میں لکھتے ہیں:-

”پہلے یہ انجیل دوسری انجیلوں سے جدا و متضاد ہے، کیونکہ یہ انجیل متفقہ کے متعلق ہے، مختلف ہے، بیشک اختلافات

تو ہیں، لیکن اگر ہم جو بھی انجیل کو اس کی اپنی خوبیوں کی روشنی میں دیکھیں تو اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ انجیل متفقہ خود چشم

دید گاہ تھا، یا اس چشم دید گاہ کے بیانات اور مشاہدات کو اس نے غلبہ کیا تھا۔“ (ہمارے کتابت مقدسہ ص ۴۴۸ مطبوعہ ہند)

یہ جو یہ نام جدید کے مندرجہ بالا، اسے ان کے اپنے تفسیر کے شروع میں کسی قدر تفصیل سے انجیل یوحنا کے اسلوب بیان کا جائزہ لیا ہے (لاحظہ ہو اسے نیز کتابت مقدسہ ص ۴۴۸) اور بعد ازاں مطبوعہ کتابت مقدسہ ص ۴۴۸ میں ان کا اپنا اگر انجیل یوحنا باقی تین انجیلوں سے اسلوب کے فرق کے بارے میں متبر انجیل کہلائی جاسکتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ انجیل برہنہاس کے اسلوب تحریر کی وجہ سے اسے روک دیا جائے جو

۶) انجیل برہنہاس کے اصل ہونے پر چوتھا شبہ بعض حضرات کو یہ ہوا ہے کہ نئی کے واقعہ میں حضرت مسیح علیہ السلام جس پہاڑ پر چڑھے تھے، اس کتاب کی فصل ۱۸ آیت ۱۸ میں اس کا نام جس پہاڑ پر لکھا ہے، حالانکہ یہ تحقیق انجیل اور بعد کے بہت بعد ہوئی ہے کہ اس پہاڑ کا نام ”ظاہر تھا۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ بات انجیل برہنہاس کی اصیت کو نقصان نہیں، فائدہ پہنچاتی ہے اس لئے کہ یہ عین ممکن ہے کہ انجیل اولیہ کے مصنفین نے واقفیت کی بنا پر، یا غیر ضروری سمجھ کر پہاڑ کا نام ذکر نہ کیا ہو، برہنہاس نے اسے ذکر کر دیا، اس قسم کے اختلافات خود انجیل اولیہ میں سے کثرت پائے جاتے ہیں۔

۷) انجیل برہنہاس کی اصیت پر ایک خاصا رد فی اعتراض وہ ہے جو ڈاکٹر خلیل سعادت نے اس کے عربی ترجمے کے مقدمہ میں بیان کیا ہے اور وہ یہ کہ اس کتاب کی فصل ۱۸ آیت ۱۸ میں ایک جدید یہ موجود ہے کہ:-

حقائق آفاقہ مستند الیہوسیل انتی تجتبی الآلات حسن
مستند منته سیمجملہا مستیا کل مستند لف
کی مکان۔

یہاں تک کہ پہلی کا سال جو اس وقت ہر سال میں آتا
ہے مستیا اس کو ہر جگہ سالانہ کر دے گا۔

اس میں جس جوبلی کا ذکر ہے اس سے مراد ایک یہودی تہوار ہے، اس کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ اس وقت ہر سال میں آتا ہے۔ حالانکہ یہ تہوار حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بہت بعد تک ہر پچاس سال کی ابتداء میں منایا جاتا ہے، کتاب اہبار ص ۴۴ میں اس کے لئے پچاس سال ہی کی مدت بیان کی گئی ہے، اور اس کے بعد کلیسا کی تاریخ میں صرف سن ۱۸۰۰ء تک ایسا ہی ہے جس میں پوپ یونیفیکیشن ششم نے اس جوبلی کی مدت میں اضافہ ذکر کے اسے ہر صدی کی ابتداء میں مننے کا حکم دیا تھا، لیکن بعد میں اس حکم پر عمل نہ ہو سکا اس لئے کہ سن ۱۸۰۰ء میں جوبلی جوبلی منائی گئی اس میں کلیسا اہل دولت نے نہال ہو گیا اس لئے پوپ گلیکسیٹس ششم نے سن ۱۸۰۰ء میں یہ فرمان جاری کر دیا کہ یہ تہوار ہر پچاس سال میں ایک

مرتبہ منایا جائے، پھر وہ آدھار ششم نے اس مدت میں کی کہ اور ششم میں یہ حکم جاری کیا کہ یہ تہود ہر تین سال میں ایک بار منایا جائے، پھر وہ آدھار دوم نے اور کی کہ اسے ہر پچیس سال منانے کا حکم دیا۔ اس انجیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ لاری تاریخ میں صرف ششم سے ۳۲۵ تک ایک ایسی مدت گزری ہے جس میں اس جوہی کبر رسالہ میں ایک بار منانے کا حکم دیا گیا تھا، اس لئے انجیل برنیاس کا لکھنے والا وہی مدت کا ہونا چاہئے۔

لیکن پھر خود انگریز خلیفہ مسیحیت ہی نے اس اعتراض کا جواب دیا ہے اندازہ یہ کہ انجیل برنیاس کو پچھلے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کا لکھنے والا عہد نامہ قدیم کے تمام معجزوں سے خوب واقف ہے اور اس کا کوئی حکم رکھتا ہے، ایسی صورت میں یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نے ایسی ناش خلقی ہو گئی ہو جس کا معمولی صاحب علموں سے نہ ہونا بھی مشکل ہے، لہذا اظہار میں معلوم ہوتا ہے کہ اصل نسخے میں یہاں تتر کے بدلے - پچاس - کا لکھا ہوگا، لیکن کسی لکھنے والے نے غلطی سے اس لفظ کے کچھ حروف گھٹ کر آٹھ - بنا دیا، اس لئے کہ اٹھ لاری زبان میں تتر اور پچاس کے لفظوں میں کچھ اتنی شبہت ہے کہ اس قسم کی غلطی کا واقعہ سوانح میں ممکن ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے نزدیک یہ یہ ممکن ہے کہ چودہویں صدی عیسوی کے کسی شخص نے اسے یہ جملہ حاشیہ کے طور پر بڑھا دیا جو غلطی سے متن میں شامل ہو گیا، باقی اس طرح کے مشابہہ لفاظ ہونے میں ہر اعتراض مسلمان اور عیسائیوں دونوں کو ہے، مثلاً کتاب پیدائش ۲۲: ۲۳ میں ایک ایسی کہانہ متروک ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اس ہی کہانہ متروک کے باعث قریت اربعہ تھا اور جب بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ سلام کے زمانے میں شطین کو نزع کیا، تب اس کہانہ متروک دیکھا تھا، چنانچہ کتاب برنش میں تصریح ہے کہ :-

اسا لگے وقت میں حیرت کا نام قریت اربعہ تھا (مشروح ۱۱)

یہ تو ایک مثال ہے، حضرت مرزا فرحت اللہ کیر لاری نے باقی سب سے بہت کثرت میں پیش کی ہیں، ملاحظہ فرما اظہار حق باب دوم مقصد دوم جلد اول (۱) ان تمام مثالوں میں عیب کی علامت یہ کہتے ہیں کہ یہ الفاظ بعد میں کسی نے حاشیے کے طور پر بڑھائے تھے، جو غلطی متن میں شامل ہو گئے، یہی بات انجیل برنیاس میں اس مقام پر بھی لکھی جا سکتی ہے۔

(۲) انجیل برنیاس کی اصلیت پر چند اعتراض بعض لوگوں نے یہ کیا ہے کہ اس کے بہت سے نظریات چودہویں صدی کے مشہور شاعر ڈانت سے ملتے ہیں، لہذا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصنف ڈانت کا ہم عصر ہے، لیکن اس اعتراض کی کمزوری محتاج بیان نہیں، ورنہ انوں کے کلام میں اگر کچھ مطابقت پایا ہو جائے تو اس سے یہ ثابت نہیں آتا کہ ان میں سے ایک لفظ دوسرے سے ماخوذ ہے، صحت بقول علامہ رشیدی صفا یہ ماننا پڑے گا کہ کلمات کے تمام قوانین قرآنی کے قانون سے ماخوذ ہیں، پھر اگر قواعد پیشکش معلوم ہوتے تو یہ کیوں ممکن نہیں ہے کہ ڈانت نے اپنے خیالات انجیل برنیاس سے مستعار لئے ہوں؟

(۳) انگریز خلیفہ مسیحیت نے ایک اعتراض یہ کیا ہے کہ اس میں بعض جیش فلسفیانہ انسانیت ہیں، انسانانہ اور انجیل میں یہ انداز نہیں ہے، لیکن اس کا جواب ہم دے چکے ہیں کہ اسلوب کا اختلاف اس کے بھی ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا، انجیل یونان کو دیکھئے اس کا شعراء اور شہیدانہ سے بھر پورا اندازہ باقی تینوں انجیلوں کے ساتھ مل کر ہے؟ اس کی بہت سی جہانیں تواریخ میں آج تک قیسی طور سے حل نہیں ہو سکتیں، مگر اسے تمام عیسائی معتبر انجیل مانتے ہیں۔

(۴) ہمارے نزدیک انجیل برنیاس کے قابل اعتماد ہونے پر سب سے زیادہ مضبوط اعتراض یہ ہے کہ یہ کتاب کی قابل اعتماد طریقہ سے ہم تک نہیں پہنچی، جس شخص نے اسے پیلا یا اور حاصل کیا ہے، اس کے بارے میں ہم کچھ بھی معلومات نہیں ہیں کہ وہ کس قوم کا لاف تھا؟ اس نے فی الواقعہ یہ نسخہ کہاں سے حاصل کیا تھا؟ اور ایک طریق عرصہ تک یہ نسخہ کہاں کہاں اور کس کس کے پاس رہا ہے؟

ہمارے نزدیک یہ سب بات بہت محفل اور حسد ہیں اور جب تک ان کا کوئی قسقی ثبوت ملے اس وقت تک اس کتاب کو یقینی طور پر اصل قرار نہیں دیا جاسکتا، لیکن عینہ یہ سب بات باقی کے ہمہ رخ پھیلنے کے بارے میں یہاں ہر قسم کی کٹوتی قسقی ثبوت اب بھی تک نہیں مل سکا، لہذا جو محفلت باقی کو توں وقت دیکھتے ہیں ان کے لئے انجیل برنیاس کو قابل اعتماد قرار دینے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

حجرت کی ابتدا میں یہ لکھ چکے ہیں کہ اس طریق گشت کو ہم یہ دوئی کہ نہیں چاہتے کہ یہ کتاب یقینی طور پر اصل اور قابل اعتماد ہے، نہ ہمارے یقینی طور پر

ابھارتی اداسمانی سمجھتے ہیں نہ ہمارے۔ دوسری ہے کہ اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب مجھے ہے، بلکہ ہماری گزارشات کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ اس کا پانیہ اعتبار بائبل کی کسی کتاب سے برگزین نہیں ہے، جیسے ناقابل اعتنا طریقوں سے بائبل ہم تک پہنچی ہے، ایسے ہی طریقوں سے یہ بھی پہنچی ہے، جس طرح بائبل رتبائیں کا سند سند کنعانی زبان سے ہوا جو پر جا کر ختم ہوا ہے اس طرح قرأت کی سند نوٹی ہوئی ہوئی زیادہ سے زیادہ حلقہ کا ہن تک پہنچی ہے، شاہ یوسف کے زمانے تک اس کا کوئی پتہ نشان نہ تھا، اب تک یوسف کے زمانے میں حلقہ کا ہن یہ دوسری کتاب ہے کہ مجھے ملکی کو صاف کرتے وقت آیت مل گئی ہے اداس کے دوسرے کو نیز کی تفسیر کے تسلیم کر لیا جاتا ہے (دیکھئے ص ۲۲-۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶)

یہ حال ہمہ تسلیم کی دوسری کتابوں کا ہے کہ ان میں سے اکثر کے بارے میں تو یہ تحقیق نہیں ہو سکی کہ ان کا مصنف کون تھا؟ اداس کے زمانے میں کسی نہیں؟
 ہمہ تسلیم کہ اس کا مطالعہ تو بہت پرانا ہے، خود بائبل میں اولیہ کا یہی حال ہے کہ ان کی کوئی سند موجود نہ ہے نہ یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ واقعی حوالہ دیں یا ان کے ساتھ لکھا کی گئی ہو، پتہ پتہ سے یہی حکم صادر نے انہیں اصلی ثابت کرنے کے لئے اپنی چوٹی کا دھڑ لگایا، لیکن ظن و تخمین کے سوا کچھ نہ لکے، اور انہیں اس بات کا کھانا اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے کہ دوسری صدی عیسوی سے پہلے ان انجیلوں کا کوئی انسان نہیں لکھا، عیسائی حکماء کے جتنی اقوال میں سے ہم یہاں صرف ایک جتنی اس پیش کرتے ہیں جس سے آپ کو ان میں اولیہ کی حقیقت معلوم ہو سکے گی کہ مسٹر رنڈلین اسٹرٹھرا میں اولیہ پر اپنی حرف کتاب TOURS OF THE EAST لکھتے ہیں۔
 "ہمہ نامہ جدید کی تحریروں کو جو ابھی انجیلوں کی حقیقت سے تسلیم کر لیا گیا ہے، کیا یہ کوئی کلیسیائی اعلان تھا، جس پر پڑے
 پڑے کلیسائی ڈاکٹر، سڈا، نے انہیں لکھا تھا؟ یہ میں معلوم نہیں ہے میں صرف اتنا معلوم ہے کہ سڈا کے ایک لک بنگلہ انجیل
 اولیہ کو انطیک، افسس اور سوس میں یہ حقیقت معلوم ہو گئی تھی (فورگاسپرس میں) طبعی طور پر یاد رکھو

گیا سڈا سے پہلے تو ان انجیلوں کا کوئی ذکر نہیں ملتا اولیہ اسٹرٹھرنے یہ جو کہا ہے کہ سڈا میں انجیل کو انطیکہ وغیرہ میں تسلیم کر لیا گیا تھا اس کی بنیاد بھی انٹرنیشنل اور کیمینس وغیرہ کے خطوط میں جن میں ان انجیلوں کے حوالے ہو جو ہیں، لیکن خود یہ خطوط ہی پیش کرتے ہیں، جیسا کہ مرھانہ کیونٹی نے انجیل حوالی میں تفصیل کے ساتھ ثابت کیا ہے۔

یہ تو انجیل میں اولیہ کی اسناد کا حال ہے، جس اندوخی شہادتیں اس معاملے میں بائبل کی حالت موجودہ انجیل رتبائیں کے مقابل میں کہیں نہ یاد نہ لکھتے ہیں کہ کیونکہ اس میں ہے پناہ اختلافات اور خطیاتی ہرچہ وہ ہیں۔

ہمہ نامہ رومی گزارشات کا جس میں یہ ہے کہ جن تک مسلمانوں کے اصول متفقہ تھے ان کی رو سے تو یہاں سنبھالیں رتبائیں کی کتاب نہیں ہے جس میں یقینی طور سے اصرار دیکھا جائے، لیکن ان اصول کی مدد میں پوری بائبل بھی ناقابل اعتبار ہے۔

بہت صیغہ کی حضرات کہ وہ اصول تحقیق نہیں نے بائبل کو نہ صرف قابل اعتبار بلکہ ابھاری اداسمانی قرآن دیا ہے سوان کی کتاب میں انجیل رتبائیں بھی قابل اعتبار مقرر ہے، ہذا جو حضرات بائبل کو قابل اعتبار سمجھتے ہیں ان کے پاس انجیل رتبائیں کو نہ کرنے کی کوئی وجہ تو نہیں ہے بلکہ جتنے خارجی ابھارتی تفریق اس کتاب کی اصیت پر دھت کرتے ہیں، اتنے شاید ہی بائبل کی کسی کتاب کو حاصل ہوں۔ والدہ بھانہ دھاتی علم۔

ہر قسم کے سوتی دھاگے کیلئے ہمیشہ
 اونیٹیا برانڈ کو یاد رکھیے



فیروز سلطان انڈسٹریز لمیٹڈ سرائے روڈ کراچی

ماہ الفارسی

یادِ رفتگان

مولوی مجید حسن مرحوم

۱۹۳۱ء سے سر روزہ "مدینہ" دکن میں راقم الحروف کی غزلیں اور نظمیں جو شائع ہونی شروع ہوئی ہیں، تو کئی سال تک مسلسل یہ سلسلہ چلتا رہا، میں ان دنوں حیدر آباد دکن میں مقیم تھا! اس مدینہ "مدینہ" کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ ایک صاحب مجھے ہے انجا۔ مانگ کر مل جاتے اور اہلاد و خانہ کی کتاب کی طرح اس اخبار کا ایک ایک لفظ یہاں تک کہ انتہا تک تک کو پوری قورہ اندر شوق و عقیدت کے ساتھ پڑھتے اور سرشار شدہ آئے تک "مدینہ" مسلسل ان کے مطالعہ میں رہتا۔

۱۹۳۱ء کے وسط میں سر روزہ "مدینہ" ہی میں یہ اطلاع میں نے پڑھی کہ مجوزہ مدینہ "مدینہ" شائع ہونے والا ہے اور اس کے لئے اسسٹنٹ ایڈیٹروں کی ضرورت ہے اس اطلاع کے پڑھتے ہی مولوی بی بی صاحب ملک سر روزہ "مدینہ" کی خدمت میں، عالم الحروف نے درخواست بھیج دی، دو تین مہینہ کی خط و کتابت کے بعد بات طے ہو گئی، اور بات حیدر آباد دکن میں ملے لگائے مدینہ کو چھپو کر میں دنوں سے چل پڑا۔

اس واقعہ کا میں نے اپنے کسی دوست اور بھائی سے اس لئے ذکر نہیں کیا کہ وہ مجھے میرے اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کریں گے، اور میرے اصرار اور میری طرف سے ضد! اس شکیں کی فہرست ہی کیوں آنے دی جاتے! یہ ٹھیک کاروبار کی مادیں رہی! دکن کی سر زمین میں کوئی تنگ نہیں بڑی کشش تھی اور ہر طرح کی دلدہی کے اسباب موجود تھے، خاص طور سے حکومت آصفیہ کے صدر اعظم سر سہارا چوکش پرشار بہادر یمن السلطنت کی نوازشیں ہمیشہ زنجیر پائی رہیں، مگر دیکھتے محافض میں آنے کا شوق، وطن کی قربت کا جذبہ اور کچھ یہ بھی کہ آؤں ایک ہی ماحول اور نفس میں رہتے رہے! آؤں سا جاتا ہے!

اب سے ۳۳ سال پہلے کی بات چھ طے پاتا تھا کہ مدینہ "مدینہ" کے آغاز اشاعت سے چند دن قبل مجوزہ بی بی صاحب نے، میں حیدر آباد سے رمضان کی ۱۸ تاریخ کو گراؤنگا کسپرس سے چل پڑا اور رمضان کو شہر میں آگہ آگہ ہوا، تو حیدر آباد کا چاند ہو چکا تھا، ایک سرائے میں سامان رکھا اور صبح سویرے نہاد دھوکے شاپ میں میرے حیدر اعظم کی نماد اور کی زندگی میں پہلا قصبہ تھا کہ دیکھتوں اور عزیزوں نے ذکر اس طرح مسافرت میں عید ہوئی، پھر میں کچھ دن کے بعد حیدر آباد پہنچا! مولوی بی بی حسن مرحوم سے ملاقات ہوئی وہ بڑی محبت اور تپک سے ملے اور بھلے گیر ہوئے، سخت سردی پڑی تھی، اس عالم میں انڈے کا گرم گرم حلہ اور چائے تھوڑے دے گئی، مولوی صاحب مرحوم کی محبت اور تواضع کی یہ رسم ہمیشہ جاری رہی! کم و بیش تین ہفتہ دفتر "مدینہ" میں مولوی صاحب کا یہاں رہنا، نام نہاد اور دونوں وقت کا کھانا انہی کے ساتھ رہتا۔

مولانا ناصر اللہ خان عزیز سر روزہ "مدینہ" کے حیدر اعظمی تھے انکئی سال سے اولیت کے فرائض بڑی نیک نامی اور اچھی شہرت کے ساتھ انجام دے رہے تھے، انادی غصہ و عداوت کوئی کے جرم میں تہذیب رنگ کی عزت بھی حاصل کر چکے تھے۔

مولانا حامد اللہ قادری قاضی احمد مولوی جو محسن کے دلائل و حجتیں صاحب مدینہ کے رکن ادارہ تھے! اخبار کا ادارہ احمد زکامی کام مولانا نصر اللہ خاں عزیزی سے تعلق تھا، شہادت ۱۸۵۵ء اور علی ناک کے ترجمہ کا کام مولانا قادری کے ذمہ تھا اور باقی کام محمد حسن انجام دیتے تھے۔
دورانہ مدینہ میں جگہ میرا تقصیر ہوا تھا، اس کے لئے شوکت سہافی مرحوم نے بھی کھٹوتے دے دیے تھے، میں اس دنیا میں نوازدہ، دو شانی و قریب کا۔ اگر تھوڑی سی کمی کے سبب ان سے معاملہ طے نہ ہو سکا، اور مدینہ قریحہ خاں اس دلیانہ کے نام کا ہیکہ نکلتا۔

میں اس خیال و تصور کے ساتھ بکھر گیا تھا کہ اعلیٰہ و شہادت اللہ علیہ السلام کے دوسرے مضامین کا کام مجھ سے تعلق ہوگا، مگر پہلے ہی دن مولانا نصر اللہ خاں عزیزی نے انگریزی کے دوسرے مضامین کی طرف توجہ دے کر کہنے کے لئے میرے سامنے رکھ دیا، تقصیر پڑھ کر مجھ کے لئے جو تمام مطالبات تراویح پائی گئی، احساس ہوا کہ ایک ایک طرح کا کٹ چھانٹ اور رد و بدل، بعض جہوں کی ترکیب اور غورم ہی پوری طرح چلے نہیں پڑا، مین کی ڈکشنری بھی آؤ گئی، ایک ایک جگہ پر تشریح کا سامنا، اپنی اپنی پہچانی اور خواہ مخواہ کی ہمدانی کا غرور اس دن پانی کے بلبل کی مانند ٹوٹ کر رہ گیا، یا اللہ! میں کس صحبت میں پھنس گیا۔ کیا کوئی کیا نہ کرے، چہرے پر غم کے دہرے ہر میناں چھٹ رہی تھیں، اسی گھڑی کی محنت کے بعد مشکل سے دو مین سہیل بیکر کے مولانا نصر اللہ خاں عزیزی کے سامنے رکھیں وہ ترجمہ پڑھ کر تھکے سے کھڑے عداوت کو جگہ جگہ سے دست کی احمدی کے ابو میں بتایا کہ انگریزی کے جہوں کو آمد میں اس طرح منتقل کرنا چاہئے، انگریزوں کی دولت کی یہ صحت چھٹی چاہئے۔

رات کو پینک پرلیٹا تو دل و دماغ کو یکیش کشش اور پرائیوی میں مبتلا تھے۔ عقل کہتی کہ یہاں سے بھاگ چو، یہ مدگ تمہارے بس کا نہیں ہے مگر دل مشرور دیتا کہ اس منزل میں کام ہو گئے تو یہ احساس کمتری تمہاری زندگی میں ادب و دانش کے باب ہم مدینہ کے لئے سیاسی پھر دے گا، اللہ تمہارا اولیٰ استغاثہ ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو، ہمت سے کام لو، یہ منزل دشنام قدر رفتہ آسان ہو جائے گی!

دوسرے دن مولانا نصر اللہ خاں عزیزی نے ایک اور مضمون ترجمہ کے لئے دیا، جس کے ترجمہ میں پچھلے دن کے مقابل میں کم دشنام پیش آیا، اس طرح رفتہ رفتہ ترجمہ کی مشق بڑھتی چلی گئی، یہاں تک کہ ایک مشق اور تقصیر کا مترجم کی طرح امداد خارج کے چار چار کالوں کے لئے انگلی سے اسے امداد ترجمہ کرنا دینا کا مشغول ہو گیا! اس کا یہی پہلے فتح مندی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ "السنی منی ولا تمام من اللہ" کا پیش پادہ بھی تھا اور تجربہ بھی! ترجمہ کے بعد مدینہ نامہ دینے کے ادبی کالوں کی ترتیب بھی مجھے متعلق تھی، اہل کربوں پر زبور بھی! سیاست کے وقتی مسائل اور مذہبی امور پر مرقعات پر کبھی کبھار بھی میرے نام سے چھپتی تھیں، مدینہ نامہ مدینہ بڑی شان اسباب نام سے نکلا، مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے اپنے شہرہ آفاق اخبار "زمیندار" میں مدینہ کا پیر مقدم کرتے ہوئے ایک نظم شائع فرمائی جس کا ایک شعر یہ تھا۔

وہ مضامین تھے کہ آئے کی سنانی ہے نوید

اس مدینہ کو مدینہ کا مدینہ کہئے

مجھے کے "مدینہ" اسلام آباد کے روزنامہ "انقلاب" سے ان دونوں بھی سیاسی مسئلہ پر نوک بھرنے لگی تھی، مولانا ظفر علی خاں نے اپنی

نظم کے اس شعر میں۔

بذر بانی نہیں ہرگز مشرور کا مشورہ گایاں جو تجھے دے اُس کو گینہ کہئے

میں صاحب موصوف حضرت فیض الہند کے تربیت یافتہ مولانا محمد میاں منصور قادری مرحوم صاحب کمال کے صاحبزادے اور حضرت مولانا ذکی موصی صاحب ہرسم دارالعلوم دیوبند کے نوٹس میں کم و بیش جس باتیں حال سے پہچانی ہیں تمام انرا میں امداد کی وجہ سے اعلیٰ کے اعلیٰ اسٹیج پر اسلامی حکومت کے مین و دسترچان کی حرکت اور العین منظر عام پر آچکی ہے! ان میں سے کئی ہیں، ان کے ماضی و حال میں جاری نہ رہ سکے! ان میں سے کئی ہیں جو کئی ہیں اور ان کی محنت کی بدولت قدیم و جدید تہذیب ہو گئی۔

حیثیت حسن کی رائے نسبت آپ نہ داد

گرچہ ہر سرور داد چاہے مجھ کو اتنا گزشت

اس غریب دانشمند بہادری پر لطیف طنز مٹتی اس کا اظہار لفظ چڑھے انداز پڑے یہی چٹا ممکن تھا، اس سرور رائے بہ چارے اس لطافت طنز کو کہیں سمجھ سکتے تھے!

جنرل جی جی سیسٹن نام کے ایک مختار تھے، گورنمنٹ کے خزانہ صاحب کا منصب پاتے ہوئے ان کے بیٹے عبداللطیف اپنے والد کی بالکل ضد تھے، وہم کواری آدمی اور صاحبزادہ کے لڑکا لڑکی، ایک دوسرا میں بھی کٹ چکے تھے، حضرت "دینہ" میں لگا کر آنا جانا رہتا تھا، مولانا انصاری خان قزلباش نے ایک ہدف فرمایا، ان صاحب کے سگریٹ پزٹن میں دبا کر گھما کر لانا آنا سے سیکھا ہے، چادر اڑھتا ہوا پر لائی بیوی سے، اپنی عظمت کا تذکرہ مولانا عمر علی جوہر کے انداز میں کرتے ہیں اور سنجیدہ ہنسنے کی کوشش میں مجرم اجمل خان کی نقشہ انداز تھے۔

اسد اللہ خان کے سفیر سرور مولوی اکبر شاہ خان نجیب آبادی سے بھی حبیہ منزل پر ہیں تیار حاصل ہوا، لہذا قدسیہ راہ رنگت، کھدک کا انگوٹھا، اس کی ٹوپی اور پاجامہ اور ہاتھ میں کان سے اوچا لٹھے، مولوی جی جی سیسٹن صاحب ان کے دوستانہ مراسم تھے، بالخصوص خان مرحوم کی زندگی میں ایک ایسا تنہا ایک دوست بھی آیا کہ وہ تادیابی ہو گئے اور حقیقت کے مجوس میں مرزا خدام احمد تادیابی کے خلیفہ حکیم عبداللہ (علیہ رحمہ) کی بیوگرافی ناک مرتب کر لائی مگر پھر اللہ تعالیٰ نے قیام کی توین مظاہرہ کی اور وہ کفر و ضلالت کے اس دائرے سے نکل کر مسلم ہو گئے۔

حضرت جگمور آبادی سے پہلی ملاقات "دینہ" کے دفتر میں ہوئی مولوی جی جی سیسٹن مرحوم نے ان کے اسرار میں شہر و سخن کی ایک نشست کا اہتمام کیا مولوی صاحب کو شہر و سخن سے خاصی دلچسپی تھی!

مولوی جی جی سیسٹن مرحوم کی زندگی کا آغاز ایک خوشنویس اور کاتب کی حیثیت سے ہوا پھر انہوں نے اپنے وطن بمبئی سے سندھ اخبار "دینہ" لکھنا شروع کیا، انٹھانی نے اس کام میں بڑی برکت عطا فرمائی "دینہ" کی مقبولیت میں اضافہ ہی ہوتا ہو گیا، متحدہ ہندوستانی کے علاوہ افریقہ، رجزا، پاکستان، ہون، اور ہجاز وغیرہ میں لکھ میں بھی "دینہ" کے اخباراتوں کی خاصیت تھی، اخبار کے ساتھ کئی کئی اشاعت کا کام بھی بہت فخر بخش رہا خاص طور سے حضرت شیخ اہلند کا ترجمہ قرآن میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کے حواشی ہیں، اس کی اشاعت نے انہیں اہل لکھ کر دیا، جاک سندھی لکھتے، متن، ترجمہ، اور اس کی کاپی بہت پسند کیے ہیں مولوی صاحب کو بڑی دیرہ زندگی اور محنت و مشقت کرنی پڑی!

پریس، اخبار اور مکتبہ سے مولوی صاحب مرحوم کو ہزاروں کی آمدنی تھی، اسباب سے ۳۵ سال قبل ان کا شمار ضلع قیوم کے خوش حال بلکہ دولت مند انسانوں میں ہوتا تھا، مگر اس موت نامیری اور خوش حالی کے باوجود وہ منکر المزاج تھے، سیدھی ساری متوازن زندگی جو نام و نوا اور لکھنات سے نکاشنا تھی، انوش چمن اور عاشقی معاملات میں محتاط، بدبیباں تھیں، اور دھوکے کے املا تھی! خصوصیت سندھ میں ان کی خاموشی کے ساتھ ادا لکھتے، مولوی صاحب کی خیر فرائد روش کی بدولت شہر کے ہر طبقہ میں ان کی عزت کی جاتی، حافظہ خراج پریم جو پرور ہو۔ پلے کے طبع و چہرے، اس کے لیے ہندوستانی حکومت میں کر کے دینیہ برتے اور پھر لڑے دو سال غریبی پنجاب کی گورنر کا اہلک بھی اٹھا، ان کو "خدا" "دینہ" رجزا کے دفتر میں راقم اطراف سے پتا دیا کہ ان روز وہ گیتن میں رکالت کرتے تھے۔ اور مولوی جی جی سیسٹن صاحب کو اپنا بڑا کھدک گیتن ماننا انداز میں ملتے تھے۔

مولوی صاحب مرحوم چٹا خوشنویس، اسکات کے گیتن سے واقف تھے اس لئے ان کی نگارانی میں اخبار "دینہ" کی کاتب معیار کی ہوتی، کوئی کاتب جملت اور بچہ پڑھائی سے کام لیتا، اس کو دیکھتے اس بات سے عرق کے دھریں اور غریبوں کے نوک چلک اس طرح خدمت کئے جاتے ہیں، اخبار "دینہ" کے ادارہ سے بچنے سے پہلے خود تھے، احیاء اوقات ایشیاء نوکوں بھی دیتے کہ انہوں نے خیال کے انہوں میں یہ گونا گویا رہتی ہے، اعلیٰ اس وقت کے ساتھ نہیں لکھا گیا، جس وقت کا سفیر متناظر تھا۔

بروی صاحب مرحوم سرسبز پر رنگ مذہبی آدمی تھے، صوم و صلوة کے انتہائی پابند، پاک صاف زندگی، علم و دین سے بے حد متفرغ، اذیت و سختی سے لڑنے والے، حدیث کے علم کے لئے "مدینہ کلب" قائم کیا تھا جس میں فٹ بال کھیلنے والی کھڑکی، ٹیبلٹ کے کھیلنے والی کھڑکی، کھیل کے میدان کھیل کا میدان تھا۔ دو تین بارے بروی صاحب نے بھی فٹ بال میں حصہ لے کر، ہم جوانوں اصابتِ غلطی کی بہت افزائی کی اصلاحی جوش کا ثبوت دیا۔

۱۹۰۹ء کے بعد بروی صاحب نے جو جوش و خروش سے پھر ترقی و ترقیات کا موقع ملا اس لئے ان سے خط و کتابت کا معاملہ طے، سولہ سال کی اس طویل فترت کے بعد ۱۹۰۹ء میں جب میں نے "فاریں" نکالا تو اس کا اشتہار "مدینہ" میں اس وقت کی افواہ سے بھیجا اور بروی صاحب نے اُس کے کسی معاملہ کے بغیر اپنے اخبار پر شائع فرما دیا، اگرچہ "مسائل نمبر" اور "توبہ نمبر" کے اشتہارات بھی "مدینہ" میں نمایاں طور پر اشاعت پذیر ہوئے اور ان کے تبادلہ میں "فاریں" میں چھپنے کی بروی صاحب مرحوم نے اپنے کتب خانے کی کتاب تک کا اشتہار نہیں کیا۔

سنا ہے کہ اب کچھ دلی سے بروی صاحب مرحوم کے مالی حالات پہلے جیسے نہیں رہتے، مگر انہوں نے استقلال و عزیمت اور ہر دشمن کے ساتھ یہ زمانہ گزارا، ڈیڑھ دو مہینہ سے مدینہ "مدینہ" میں ایک مضمون نگاہ سے گزارا، جس میں حالِ پھر کی صحت کی گئی تھی اور افغان المسلمین پر چڑیں تھیں بھڑ نہ لگایا جس نے بروی صاحب مرحوم کو شک و آئینہ خط لکھا کہ "مدینہ" کا ایک کتا لنگ ہو گیا ہے، ظالم کی حمایت و حفاظت اور ظلم پر طنز و طعنت یہ کیا ہوا ہے؟ اس خط کے کچھ دن بعد "مدینہ" میں ان کے انتقال کی خبر پڑھی، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔



طاقت و توانائی کا محکمہ کوہن

مستقل فائدہ، قابل اعتماد توانائی — فرت بخش تندستی

مانع اعظم: ۱۔ دل، دماغ، معدہ، جگر کے کبیرے منتھی ہوئے عوارض و بیماریات کا معطلہ طبی کا مشہد اگلیہ الاکم پاشی۔ ایک ماہ دس روپے
طلائے شباب خاص: ۱۔ بیرونی کمرے کے لئے بے ضرر — ایک ماہ دس روپے

ببوب کبیر خاص الخاص: ۱۔ اعضائے دیشہ ارضی قوتوں کو بحال کرنے والا کستوری، بھنبر، مغز سرکشک، زمرہ، پاوت،
فیروزہ، گنتہ چاندی، گنتہ سحرانہ و غیرہ کا مرکب — ایک ماہ ۱۶ روپے

نوٹ: ۱۔ ہر ماہ ادویات کا مکمل کس — ۱۶ روپے نصف کوہن — ۱۵/۵۰ روپے
مکمل کوہن ہنگرانی پر محمولہ لڑاک صاف

ملہ کا بچہ: ۱۔ اشرف لیبارٹریز — لائل پور
فون نمبر ۳۰۲

بادانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

منگھا پیر روڈ کراچی

ہر قسم کا سوتی اور اونی کپڑا — کورا اور دھلا لٹھا

ہر قسم کا دھاگا تیار ہوتا ہے

بادانی وائلن ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا

ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہے

پاکستان کی صنعت کی ترقی اور حوصلہ افزائی

آپ کا قومی فریضہ ہے

ماہر نقادی

مَرْحَبًا! مَاكِصِيَّام

مرحبا! اے دیرِ غفران و نجات	مرحبا! اے ماہِ تسبیح و صلوات
دل کو حاصل ہے ہر دُعا آنکھوں کو نور	مرحبا! شہرِ تراویح و سحر
تیری آمد ، آمدِ فصل بہار	اے کہ تو ہے رحمت پروردگار
ہر نفس اک محفلِ روحانیاں	رات دن سجدوں میں ہیں پیشانیاں
اہلِ دل ، اہلِ نظر کی عید ہے	کیا بہارِ قرأت و تجوید ہے
احتسابِ نفس ہے جن کا شعار	تابِ نیرمانِ حق ہیں روزہ دار
ان دنوں دنیا کا عالم اللہ ہے	زہد اللہ پاکیزگی کا دور ہے
امتِ مزاجِ صحتِ روح و بدن	روزہ کیا ہے؟ نفسِ امارہ شکن
ہر قدم پر جلدہ ڈائے طہر ہیں	مسجدیں آباد ہیں ، معمور ہیں
یاو حق ، ذکرِ خدا دن رات ہے	ہر مسلمان آج خوش اوقات ہے

یہ مبارک اللہ مقدس صبح و شام

أُنزِلَ الْقُرْآنُ فِي شَهْرِ الصِّيَامِ

راست غوفانی

ہر گہ خود رکی ہے طرزِ خفا زاتی جدا
گستاخِ دالہل ہے ہی آدابِ بھرائی جدا
نہرے تجھ کو پیار بھی ہے دیکھ کر بھی
دوسرے ہے تیرا اندازِ شناسائی جدا
تیری فرقت میں ستا ہے مجھے شام و سحر
نغمہ جہاں جہاں ہے اندوہ تنہائی جدا
تو ادھر میری بھائی میں ملکِ ہر دم بخود
میں ادھر بیابانِ غم ہوں بیکسِ بھلائی جدا
میرے دل سے یا تو تیری خوشبو سکتی نہیں
کون کہہ سکتا ہے گل کے سخن و معنائی جدا
راست اس غم کے لئے الفاظِ دل کے نہیں
کہ دیا ہے موت نے مجھ سے مر اجائی جدا

راشدان علیٰ حقیر

کسی نادر سے بھی دیکھے زمانہ
میری ہلکنہ گفتاں ہی رہے گی
الٹ پھر میں یہ تو دنیا کے لئے دل
حقیقتِ حقیقت، فسانہ
بکھانا ہے اس کانٹے زمانہ
خوشی منتقل ہے غم جاودا

فیل مرثی

اختیارِ حق و حریاوی ایم

گشتِ گرچہ ندب ہے برق و شرار کی
اہلِ جن میں دھرم و جہنم بہار کی
ماہ و نجوم کا کائنات بھی ہے گر جواہر
پردازِ سوسے خوش ہے شبتِ بھار کی
ہمت شکن تھی منزل و شرارِ عاشقی
اہلِ ہوس نے ماہِ فرار اختیار کی
پھرتی ہے لیکے گردشِ دھول مجھے کہاں
آخری جستجو ہے تجھے کس دیار کی
میں ایم افکارِ حسی جبری

یہ شاہابِ گد غریب کی شام ہے
نفسِ بے سادگی بولی کا نام ہے
نظروں کا کتک کیڑے بول کا نام ہے
کیا میری سادگی میں نہیں بھی کلام ہے
میں شغابتِ الٰہی زمانہ کو کب کلام ہے
مجھ کو تو ان کی چشمِ آہ سے کام ہے
جئے موت مرنا ہوں کسی کے لئے قمر
شیدائے غیب میں ہر دم جاوید ہے

اب لب چہ زندگی کا نہ نہیں رہا
وہ عشق و عاشقی کا زمانہ نہیں رہا
پاہلِ بربک ہے گلستاںِ آرزو
میں اندر دلوں کا بیسائہ نہیں رہا
اے غیبِ شوقِ آن کو کہاں کیجئے تلاش
اپنا ہی اس جہاں میں ٹھکانہ نہیں رہا

ہمارے نظریے

سفرِ حج

غلام فرید بیٹھی نظمی، نعمات ۸۰۸ صفحہ (جلد ۱، ریجن گروپش) قیمت تین روپے
پلے کا پتہ ۱۔ سلطان حسین ایڈسنسز، جس روڈ گراچی۔

جناب غلام فرید نظمی کو ۱۹۶۲ء میں زیارتِ عربین شریفین کی سعادت نصیب ہوئی تھی، اس مبارک سفر کے واقعات انہوں نے اپنے پیرو مشرفِ خواجہ بن نظمی صاحب مرحوم کے ہندو ناٹکس کے طرز پر قلمبند کئے ہیں جو ناٹک طیب اور دولہا فریب ہیں تاکہ سونا پر پتہ مصنف نے لکھا ہے۔ ۱۔
”سفرِ حج کی مکمل داستان، جو ایک دلوانے کو سن آئی اور جسے کسی نے کبھی اس انداز میں پیش نہیں کیا“
اس سفر نامہ میں ”جناب دریا لکھی اللہ والہانہ شیعہ فکلی“ ایک ایک سطر سے نمایاں ہے، لکھنے والے نے اپنے سوز و دل کو الفاظ میں سرسید ہے جس پر ہر دل متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

”ہندوستان، دوسری کی قدر قیمت کیوں ہے“ اللہ پاکستانی نرسی کو کپڑوں ٹھکرا دیا جانا ہے۔۔۔۔۔ کوئی ہمارا ان اسباب کے وجہ مجھے بتا سکے تو مہمتر ہو جائے گا، وہ اپنے پاکستان کے وقار پر اس گہرے و جیسے آنسو بہانے کے سوا چارہ نہیں ہے (ص ۲۶) اس عبارت کے آخری جملہ میں ”وہ“ پر ”آئے“ اور لفظوں کے مبدلت سے شکل کی بجائے پانچ پیدا کر دیا۔۔۔۔۔ ”گنگا کیوں نہ کھولے گی طرح بانٹل میں پھرتے ہیں“ (ص ۱۱) ”میں سندھ میں رہتا ہوں اور خود وہ کہہ بیٹے داروں کی کثرت و ازدحام کو۔ کیزوں کو ٹھنڈے“ سے تشبیہ دینا، محبت کے معنی ہے۔ ”حضرت حبیب اللہ انصاری کے گھر کے پاس درخت“ یہ کتابت کی خطی معلوم ہوتی ہے کہ ”اللہ کی بجائے“ ”چھپ گیا۔“ اسی طرح ص ۲۱ پر ”عالمکے کی جگہ“ ”عالمکے“ ”چھپ چکا تھا۔“ (ص ۱۹) ”پہلے ہی“ ”اسطوانات“ ”الوالبابہ کو“ ”اسطوانات“ ”الوالبابہ“ ”کتابت کیا گیا ہے۔“

”ہوش کرو“ غلام فرید! (ص ۲۱۵) ”ہوش میں آؤ“ ”یا“ ”ہوش سے کام لو“ لکھا تھا۔ ”ایسے عالم میں نہ دنیا کی ہوش“ (ص ۲۲۸) ”ہوش“ ”تھا“ ”لاڈ“ ”ذکر ہے۔“ ”جہاں حرمِ شریف کا فرش آگ“ ”اگل“ ”رہا تھا“ ”وہاں سرائے“ ”دماغ پر دھوپ پڑی“ ”طرح سراسر“ ”(ص ۲۱۶) ”حرم کچھ میں“ ”وہاں کے مقدس فرش سے“ ”اُٹ“ ”اٹھنے کی نسبت پیش و تمازت کی کیفیت اظہار کے لئے مناسب نہیں، ”سراسر دماغ پر دھوپ کا سراسر ہونا“ ”نہاں“ ”واو“ ”کے اعتبار سے“ ”اچھی تشبیہ نہیں ہے۔“
جناب تارا صاحبہ نے اس کتاب پر ”تاثرات“ کے عنوان سے عموماً لفظ لکھا ہے اس کا ایک اقتباس ۱۔

”بھٹی صاحبہ محراب نہیں ہیں، ”کتاب میں اللہ میں نے نہیں دیکھا ہے اور جلتے سنا ہے بڑی کھجکی باتیں کرتے ہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا جب غلبہ ہوتا ہے تو کبھی کبھی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کپڑا چھوا یا ہوا سبق پھر لیا جس میں اللہ کے فرشتے سے مرثا ہو کر عدد و شریعت سے ہر نکل جاتے ہیں۔“

یہ سفر نامہ واحدی صاحب کے ان ”تاثرات“ کی تصدیق کرتا ہے کہ ”ایسے ایسے مقامات نگاہ سے گزرتے ہیں جہاں غلام فرید صاحب غلط فہمیت کے سبب توحیداً نظر نہ دیکھ سکے تھے“ مثلاً۔۔۔

”حضرت عتہ العنین کی یہ سوجھ بوجھ ہے۔ اس قابل ہے کہ اس کی کچھ شش کی جائے“ (ص ۲۲۶) ”سلامتکے سہنری ہر“ ”یوم کبہ ان میں سے کسی عمارت

اور مدعی مقام کی پرستش جائز نہیں۔ دھواں لائے۔ ستیزوں مقامات پر کشتیاں ماسدا کر جویم سے یا علی یا علی کہتا ہاں نکل آیا۔
۱۳۹۹ھ - یا اللہ! کہنا چاہتے تھے کہ مسیح الیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سوا اللہ کوئی نہیں ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ خود بھی صحبت کے وقت اللہ تعالیٰ کو
پکارتے تھے اے اللہ! کہ، وہ مدعی پر کھڑے، استغاثہ صرف اللہ تعالیٰ سے کیا چاہتے!

”دن رات اُٹھتے بیٹھے نہ نازل میں دعاؤں میں اتنا کہ اسے سید المرسلین مجھ اپنے صاحب کی حاضری اصبح بیت اللہ نصیب فرما
اصبح ہر صبح ہاں حاضری لکھائی امکانات نہیں تھے، مگر قرآن ہاں اس ہی طریق کے کہ حضور نے ایسے وسائل پیدا کر دیے کہ میں پچ
پچ تا جوار دینہ کی قدر ہو سکی کھڑے ہیں پچا (دعا نمبر ۴۴)

”تمنا کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا“ یہ تو میری شہادت ہے کہ اس قدر نازل و پند لائے ہیں اس طرح کے عقائد و خیالات جو جہنم کا
صاحب کی تعبیرات کا ہر آدمی کی زبان کے پہلوں میں نہایت رحمت کے نام ہاں ہم کی سب اللہ تعالیٰ نے تو ہمیں جو تعبیرات کھانا اور دینی ہیں، وہ عقیدت و دل ہے جس سے
تو ہم پر عرف، آقا ہر سفر پر یا حضور پر قسم کے اسباب و وسائل اللہ تعالیٰ جنیا فرماتا ہے!

اس مقدس سفر میں غلام غریب بھی صاحب کو زمین پر لیا میری سے سابقہ پڑا ہے اس کی تفصیل میں کھنگریدار کی ہے، ایک طرف دعا عقیدت کہ مدبر منہ
کے ایک ایک اندہ کو کھنگریدار نہیں، انکس پر بھی دوسری طرف کہ صاحب اللہ یا محمد پر کی ذخرا ہوں مشکوں اور پلٹتے ہیں کانکرہ اور کھڑا اس سفر میں جو ہر
نیک ممکن ہو سکے نا تو کھنگریدار پر پھر کرنا چاہتے اندک و تنقید اصحاب شکرہ و شکایت کو کچھ دن کھٹے قابو نہ لکھنا چاہتے صرف نے جس جذب و شوق
کے کہ تو یہ سلسلہ نہ لکھا ہے اس پر نظر کرتے ہوئے شکریہ و شکایت کی داستان احسان کا قلم سے بھلا نہیں حرم جہتی۔ چنانچہ کوئی شک نہیں خاور طیب ہے
جذبہ شوق و شوق پر ہی ملتی اور اس پر لکھا ہے، اللہ تعالیٰ ہر دن کو اس سعادت سے بہرہ مند رہنے کی توفیق عطا فرماتے (دعا نمبر ۴۵)

موسم سرما
قدرت کاملہ نے موسم سرما کو
انسانی جسم کی حفاظت، زراعت شدہ قوت کی بحال، دھاتی، تسلیہ، اور جنس طاقت کی استقامت
کے لئے ضروری ہے۔

اگر آپ کسی قسم کی کمزوری محسوس کرتے ہیں تو اس موسم میں تعویذات، مغزات اور کیری دعاؤں سے
فائدہ اٹھائیں۔
طیب اشرف
اگر آپ باقاعدہ علاج کرنا چاہیں تو

جانب رجوع فسراتیں جس کی نگرانی براہ راست پاکستان کے نامور طبیب مفتاح محمد عبدالمجید اشرف خود کرتے ہیں۔

بیردنجات کے لرغین مفصل حال لکھ کر مفت مشورہ حاصل کریں یا سوالنامہ طلب فرمائیں۔

مطب اشرف، اشرف منزل، مزدج، مسجد جناح، کالونی لائل پور

آدم جی کے پارچہ جاتا دیر پاڑتے ہیں



آدم جی کاٹن ملز لائنڈھی کراچی



ملک میں کیا ہے جو تھکے ہوئے صاحب کو کوئی نشتا ہے اور
 پورے نظام جسمانی کو چاق و چوبند کر کے سال بھر کے لئے
 سرور کی توانائی پیدا کرتا ہے۔ بیشمار لوگ اس کی تاثیر کو آنا چکے ہیں

حاشا للہ

جانوں میں ہی نکت اور صحت حاصل کرنے کے 2 ایک مکمل اور موثر علاج



مکمل دوا خانہ (وقت) پاکستان
 کراچی - ۱۹۵۵ - لاہور - چٹانہ

شماره ۱۱

جلد ۱۸

فاران

ماہ فروری ۱۹۶۷ء

ماہر القادری

ایڈیٹر

تذقیب

- ۳
- ۱۸
- ۲۷
- ۳۲
- ۳۵
- ۳۸
- ۴۳
- ۴۵
- ۴۷

ماہر القادری
علیم گلپن کرناوی
سید معرفت شاہ شیازکا دایم رہا
محمد مہدی شریعی
مولانا محمد مصطفیٰ رحیمی
ماہر القادری
مولانا سید ابراہیم مودودی

لغش اول
فاران کی تنقید پر تنقید
روشن مستقبل
نظام تعلیم
تفسیر
باد بہشت گاہ
تورک چہ خرم کا غیر مطبوعہ کلام
روح انتخاب
ہماری نظریں

مسرحین

پبلشر

چند سالانہ
سات روپے

دفتر ماہنامہ فاران کمپل اسٹریٹ کراچی

قیمت فی پرچہ
۶۲ پیسے

مسرحین بیٹہ غلام نبی شریعی و دیگر لکچرر چھپ کر دفتر ماہنامہ فاران کمپل اسٹریٹ کراچی میں شائع ہوا

پبلشر: محمد رفیع الرحمن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نفسی اول

جماعت اسلامی اعلیٰ کلمۃ الحق کے جس مقصد کے لئے وجود میں آئی ہے اور اقامتِ دین کی جس دعوت کو لئے کھڑی ہے اس پر بدستور قائم رہے۔ اسی راہ سعادت و عزیمت پر گامزن ہے، اس کے مسلک، مقصد اور عقیدہ میں نہ ہر فرقہ انداز مقصد کے حصول کی راہ میں کوئی "فترت" واقع نہیں ہوئی، اس کے قول و عمل سے کسی ایسی بات کا قصد اور غور نہیں ہوا، جس سے یہ سمجھا جائے کہ جماعت اسلامی کی دعوت، مقصد اور پیام میں تبدیلی، انتشار یا اضطراب و تذبذب پیدا ہو گیا ہے، نہ آج صدی کی مدت گزرنے کے بعد بھی، جماعت اسلامی کا مقصد معنی نظر اور نصب العین وہی ہے جو اس کے قیام کے پہلے دن تھا!

جماعت اسلامی کے افراد دنیا کے جس خطہ میں بھی پائے جاتے ہیں، ان کی کوششوں کا مقصد "اقامتِ دین" ہے، اہل اہل بطریق کار میں ماحول اور گرد و پیش کے لحاظ سے یکساں نہیں پائی جاتی اور نہ پائی جانی چاہئے، مثلاً جس خطہ زمین میں مسلمانوں کی غالب اکثریت ہے وہاں اسلامی حکومت کے قیام کا مطالبہ ان کی جہد و جہد کا مرکز اور موضوع بنا ہوا ہے، لیکن جن ملکوں میں تعداد کے اعتبار سے غیر مسلموں کا غلبہ ہے، مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں "اقامتِ دین" کی ان بنیادی شرائط کو پیش اور واضح کیا جاتا ہے کہ جن کے بغیر ایمان اور اسلام کا تصور نہیں کیا جاسکتا، اور خاص طور سے غیر مسلموں میں اسلام کو دینِ حق اور دینِ فطرت ثابت کرنے کے لئے تبلیغ کی جاتی ہے، اور تنصیبِ ناقہ دین نے اسلام کے بارے میں جو نفرت اور وحشت پھیلا دی ہے، اس کو اُس و واپسی سے ہٹانے کے لئے یہ داعیانِ حق اپنی تمام توانائیاں اور صلاحیتیں صرف کر رہے ہیں، دعوت کے ساتھ عزیمت اس جماعت کی سب سے بڑی خصوصیت ہے، وہ جان و مال کے نقصانات سے دوچار نہ ہے، اور طرح طرح کی مصیبتوں اور پریشانیوں کا انہیں سامنا کرنا پڑا ہے، مگر کوئی لالچ، ہمارا اور مصیبت ان کے عزم اور نصب العین میں لچک اور جھکاؤ پیدا نہیں کر سکی؟

جس جماعت کا اتنا بلند مقصد اور اس قدر مقدس نصب العین ہو، اور جس نے دعوت کے ہر مرحلہ میں اس وسیع عزیمت اور استقامت اور بے لچک کردار کا ثبوت دیا ہو، جس کے کارکنوں کی زندگیوں کو کھلی کتاب کی طرح دنیا کے سامنے ہوں۔ جس کا پیش کیا ہوا نذرانہ صفوں کا لکیر چرچا صحت کی ذمہ داری کی شہادت دے رہا ہو۔ وہ جماعت دین پسند طبقوں کی طرف سے شایانِ تأیید و تحائف ہے یا ملامت و تیزابی کی مستحق ہے۔

ہر نام کیا چاہئے تھا اور ہو گیا رہا ہے؟ دینی طبقوں کی عام طور پر روش جماعت اسلامی کے ساتھ غیر مبہمانہ ہی نہیں بلکہ عناد و

خلافت کی روش ہے، جیسے جماعت دنیا کے ہر دور پر ان کی سب سے بڑی حلیہ تنظیم ہے! اپنی تقلید، اہل حدیث حضرات کے بارے میں جو رائے رکھتے ہیں، وہ سب کو معلوم ہے، یہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی جماعت اسی کوئی تھی کہ انہوں نے فتویٰ خانبے کے ساتھ جماعت اہل حدیث کے بارے میں اس کا اعلان کیا کہ یہ بھی مسلک حق ہے، اس میں اختلاف اور اعلان کو انہوں نے کسی قسم کی، اگر، مگر سے آلودہ نہیں کیا، اور جماعت اسلامی جو تمام مسلمانوں کو وحدت اتحاد دیتی ہے خود اس میں اہل حدیث کے بعض افراد نے شریک ہو کر کسی قسم کی اجنبیت محسوس نہیں کی، مگر انہوں نے کہ اہل حدیث کے بعض رسائل اور اخباروں میں ایسی عبارتیں بھی ہماری نظر سے گزری ہیں جس میں جماعت اسلامی کو تاریخی جماعت کے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔ یہ تشبیہ اس قسم کی مماثلت کتنی صریحی ناانصافی کتنا بظاہر ظلم اور حقیقت کو منہ کر کے کی کتنی سناکانہ کوشش ہے!

سب سے زیادہ دکھ یہ دیکھ کر ہوتا ہے کہ علماء دیوبند جن کو جماعت اسلامی کا سب سے بڑا امین، مجدد و اور پیروں پر ہونا چاہتے تھا انہی کی خاصی اکثریت جماعت کی خیریت اور علامہ خلافت میں لگی ہوئی ہے، یہ حضرات جماعت کی تائید نہ فرماتے بلکہ خاموش اور طیسر جانب دار ہوتے تو ہم غیبت تھا مگر ان کی روش تو یہ ہے جماعت کی خلافت جیسے کوئی دینی فریضہ ہے، جسے یہ ہندوگان کرام الخبیم دیتے ہیں، ان میں سے کتنے ایسے سادہ مزاج ہندو ہیں جنہوں نے جماعت اسلامی کی کتابوں کا خود مطالعہ کرنے کی زحمت برداشت نہیں کی، بلکہ اپنے عقیدت مندوں کی نسی سنا کی باتوں پر اعتماد کر کے، جماعت کو مولانا مودودی کے بارے میں انتہائی بدظن ہو گئے! ایک بہت بڑے دیوبندی عالم جو وفات پا چکے ہیں اور جہاں حضرات کے نزدیک شیخ الشیوخ کا درجہ رکھتے ہیں، جماعت اسلامی ہند کے ذمہ دار افراد نے ان سے عاجزانہ درخواست اور مخلصانہ التجا میں کہ وہ انہیں طاعات کا وقت عنایت فرمادیں تاکہ جماعت اسلامی کے شریکوں میں جن باتوں پر حضرت والا کا اعتراض ہے ان کی وضاحت کی جاسکے۔ لیکن ان ہندو شخصیت نے مسلمانوں کو اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ کسی فرد یا جماعت کی تفسیل و تفسیق کے بارے میں چر سہل انگاری کیا اہل علم و تقویٰ کو کسی طرح زیب دیتی ہے۔

جب ہمیں اس کا پتہ لگا تو ہماری حیرت اور انہوں کی کوئی انتہا نہیں رہی کہ دیوبند کے بعض ایسے صاحبان علم و افتاء جن کی عالمانہ شہیدگی اور احساس ذمہ داری کے بارے میں ہم بہت کچھ خوش گمان تھے، جب ان تک کے تلم نے جماعت اسلامی پر پاب و طغیانہ اندسہ و عمل کا الزام لگا دیا تو اس بے اعتدال، علم و تقویٰ کی افراط اور غیر ذمہ داری بلکہ زیادتی کا دور سرا قدیم ہی ہو سکتا ہے کہ جماعت اسلامی کی "تکفیر کا فتویٰ صادر کر دیا جائے، چنانچہ دیوبند کے ایک بہت بڑے عالم نے اپنے مدرسہ کے ایک استاد اور فاضل اہل علم کو یہ خدمت سپرد کی تھی کہ غلام احمد مجدد پر جس طرح کفر کا فتویٰ لگا دیا گیا ہے، اسی طرح اسلام آباد جماعت اسلامی کے طریقہ سے انتہا سات سے کر، مولانا مودودی کو "کافر قرار دیا جائے، مگر ان صاحب نے اپنی نیک نفسی، حضراتی اور اخوت کی بانہوں کے سبب اس خدمت کے اہتمام دینے سے صاف انکار کر دیا کہ میں یہ کہیں نہیں کہیں سکتا!

سہ ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

اس دور انحطاط میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسی سید سیدیں باقی باقی ہیں، اور ایسے لوگ ملتے ہیں جو حق کے معاملہ میں گروہی عصبیت میں مبتلا نہیں ہیں اور وہ "من تالیٰ کی بات سے "حالات کا اصول پیش نظر رکھتے ہیں، اور کسی بڑے آدمی کا باوجود امد و حمایت اور سفار و امد حدیث کے تنگ ہو جانے کا خطرہ جیتنے اپنے خیر کے خلاف کام کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا!

بات تو بہت جلدی ہی ہے مگر اس سے ان حضرات کی ذہنی سطح کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ ہندوگان کرام اپنے کم سوار عزیزوں اور ہشتہ داروں کے نام کے ساتھ "مولوی" اور "میرزا" لکھتے اور لکھتے ہیں مگر مولانا مودودی کو "ممدودی صاحب" لکھتے ہیں اور مولانا مودودی

صاحب کو مولانا یا سیدی کہہ کر ان کی علمی اور دینی حیثیت کو *recognise* کرنا نہیں چاہتے۔ انہوں نے علم و فضل اور دینی قابلیت کا جو معیار اپنے ذہنوں میں قائم کر رکھا ہے، اُس پر مولانا مودودی غالباً پورے سے نہیں آتے۔ یہ گروہی عصیت ہیں تو اس کیلئے ہے تفسیر، حدیث، فقہ، علم کلام، تاریخ، عمرانیات، سیاسیات اور دوسرے علوم پر مولانا مودودی کی اتنی بلند پایہ کتب ہی موجود ہیں کہ جب ان کی بعض کتب میں ترجمہ ہو کر عرب ممالک میں پہنچی ہیں تو اکابر علماء و عرب نے مولانا مودودی کو انتہائی شاندار الفاظ میں تحسین پیش کیا ہے۔ ہند و پاکستان کے علماء میں مولانا مودودی کی تعظیم کی یہ امتیاز اور خصوصیت حاصل ہے کہ وہ دنیا کی متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو کر مقبول ہوئی ہیں، خاص میں بھی اُن سے استفادہ کیا ہے اور حرام نے بھی ناخدا اٹھایا ہے۔ بغیر کسی شک کے کہ ان کا ہم علماء و اہل ادب ان کے ہر مودودی صاحب کی کتاب میں پڑھنے کے بعد اُن سے ملنے کی تمنا رکھتے ہیں اور فرس ہے کہ یہ سب مودودی طبع کا مولانا موصوف کے لئے۔ بلا۔ ثابت ہوئی ہے اور گروہی عصیت کے ساتھ رنگ و حسد بھی اُن کی مخالفت کا سبب بن گیا ہے۔

علماء اور اہل ادب ان کی کتابوں اور تحریروں کو پڑھتے تھے اور ان کی بلندی و وسعت کا موازنہ کرنے کے لئے آسمان سے فرشتے نہیں آیا کرتے، ہر وعدہ کے متوسط معلومات کے اہل علم، اہل فکر، اور صاحبانِ ادب و انشاء ہی اس کا فیصلہ کرتے ہیں کہ کس عالم اور مفکر نے کیا لکھا ہے؟ اور کیا لکھا ہے؟ اس بنیاد پر کسی مصنوعی انگ کے بغیر عرض ہے۔

ہے ادب شرط مند نہ کھلواؤ

ہم نے سب کا کلام دیکھا ہے

تو

مولانا مودودی کی کتابوں کا جہاں تک تعلق ہے وہ اس دور کے کسی ٹیڑھے سے ٹیڑھے عالم دین اور مصنف و مفکر سے دیتے ہوئے نظر نہیں آتے؛ بلکہ جہاں تک علم و فضل سے صحیح طور پر سلیقہ کے ساتھ کام لینے کا تعلق ہے، اس خصوصیت میں وہ سب متاثر ہیں یہ مودودی صاحب کی شان و انداز میں تعبد و خرافاتی یا مدح و سراغ نہیں بلکہ واقعیت کا کسی مبالغہ کے بغیر اظہار ہے۔ جب مولانا مودودی شام تشرین نے لکھے تھے تو ایک علمی اجتماع میں وہ ان کے سابق مدیر محافت اور مفکر اہل قلم جناب مصطفیٰ زکریا نے ان لفظوں میں مولانا مودودی کی خدمت میں خراج تحسین و وحدت پیش کیا تھا کہ استاد مودودی، غزالی اسلام بن مہدی کی صف کا آدمی ہے اور خود دلیو بند ہی کے مستند عالم دین اور علمی خاندان سے کے چشم و چراغ اور بلند پایہ اہل قلم مولانا عاقر عثمانی کو اپنے متعدد مضامین میں اس کا اعلان اور اعتراف کر چکے ہیں کہ مودودی اپنے وقت کا امام ہے؛ حالانکہ جہاں تک اہم اطراف کے علم و خبر اور معلومات و مطالعہ کا تعلق ہے، جماعت اسلامی کے کسی فرد کی زبان و قلم سے اس قسم کے معیہ الفاظ مولانا مودودی کی شان میں سننے اور پڑھنے میں نہیں آتے؛ جمعیۃ العلماء و اطراف کے رئیس علامہ محمد بشیر الابرہی مرحوم نے مولانا مودودی کے علم و فکر اور مرمضانہ عزیمت کا بنی شاندار لفظوں میں اعتراف کیا ہے اور غزالی مدرسہ کی اسناد و تفضیل کے مقابلہ میں مولانا موصوف کے علم و فضل کی ہند بجا بلند شہادت ہے۔ علامہ مرحوم لکھتے ہیں کہ پاکستان اور ہندوستان کے جن فضلاء سے میں متاثر ہوا ان میں سب سے زیادہ توفیق فی الدین رکھنے والے اور اسلام کے تاریخی حق و باطل میں بصیرت رکھنے والے ہیں آپ معلومات کے سمنہ ہیں؛ روشن خیال اور سید برکے بادشاہ اور روحانیت کے صاف و شفاف آئینے ہیں۔ سید ماعزہ کو اسلامی اصول پر لطیف و چنے میں ماہر ہیں اور اس معاملہ میں ایک جدید طرز استدلال کے موجد ہیں، شریعت کے مزاج شناس اور اس کے

اسے احاسی کتبی کہیں یا جذبہ ہمدی میں میں ایسا بول دینا اچھے ہوئے ہیں۔ دنیا اب اتنی چھوٹی نہیں

ہوئی جتنی وہ سمجھتے ہیں اور نہ علم و فضل اور خدات و فراموش کا دائرہ اتنا تنگ اور محدود ہے، ان کو شاید یہی معلوم کر مولانا مودودی کے

ہن غطیوں کے سبب دین کے حقے مطابق فتنہ بن گئے ہیں! ان فصول نے دین کی جہت اندر خدمات انجام دی ہیں اور ان کے عمل خصل سے ملت کو جو تادمہ پہرہ پہنچا ہے وہ ان کے چند تقاضات کے مقابلہ میں بہت نسیا دہ ہے یہ تمام اکابر عربی اور فطری طور پر فربہ ہیں اور ان کے یہاں فیروہ بکت کا غلبہ ملتا ہے۔

دعا السوم دیوبند میں فتووں کی بے احتیاطی کا یہ رنگ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ حضرت مولانا محمد تاج محمد نازوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحسیر کے ایک اقتباس پر مولانا محمد صدق کی تحسیر کے حوالے میں کفر و ضلالت کا فتویٰ لگا دیا گیا۔

علماء دیوبند سے ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ نقد و اعتبار کے جائز حق سے دستبردار ہو جائیں، ہر فرد اور جماعت کی تحریر و نقل اور قول و سخن پر جو دینی نقطہ نگاہ قابل گرفت ہو انہیں اعتبار کرنے کا پورا حق حاصل ہے، دینی اعتراضوں اور کوتاہیوں پر مدعا اٹھانا، ذکر کرنے، لو اور کون کرے گا، جماعت اسلامی کو نقد و اعتبار سے باز ہے کہ مستحق نہیں کی جا سکتا، مگر نقد و اعتبار الہ نہیں ہونا چاہئے کہ سادہ حماروں سے نقد و خیال کے ذریعہ اعتراض کے پہلو پیدا کئے جائیں۔ ————— شہناجی کا یہ عقیدہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے علاوہ کوئی شخصیت معیار حق نہیں ہے۔ ————— اسی سے یہ رمزا اور اثابت تلاش لی جائے کہ اس جملہ سے صحابہ کرام کی تنقیص ہوتی ہے! یا سمری، غلیظوں پر کھر فضائل کا توتی، خارج دیا جائے، جہاں گروہی عصبیت اور ذاتی مخالفت کام کرتی ہے، وہاں فتویٰ کی اصابت اور صحت بہت کچھ مجسود اور مکد ہو جاتی ہے۔

ہم اپنی ذمہ داری کے ساتھ، تمام گوشوں اور پیروں کا جائزہ لینے کے بعد گزارش کرتے ہیں کہ علماء و دانشورینہ کا جماعت اسلام اور ملتان مسجد کی کائنات کے ساتھ جو سلوک ادا ہوتا ہے وہ دینی مآذ کو ہر اعتبار سے کمزور کر رہا ہے۔

احساس طرز عمل کے مخالفین دین کو قوت ملی رہی ہے !

علماء دیوبند کا جو تجزیہ طبقہ ہے، اس کی خدمت میں ہم نہایت خلوص اور معتمدی کے ساتھ توبیانہ گزارش کریں گے کہ وہ مولانا ابوالاعلیٰ مصلیٰ کی کتابوں کا خود مطالعہ فرمائیے، اگر انہیں فرصت نہ ہو تو مولانا حوصرت کی تفسیر و تعلیم القرآن کی پار جلدیں کو پڑھیے۔ مولانا مصلیٰ کے ساتھ بیچہ ہوئی، یہ مطالعہ غالباً ان کی سمت ہی غلط سمجھی کہ نقد کر دے گا۔

یہ ہنگامہ آرائی کیوں؟ مستقبل میں بن جائے گا: حالانکہ جماعت کی چھپی سادہ زندگی اس کی شاہد ہے کہ جو لوگ اس سے وابستہ ہیں عقائد و اعمال میں وہ سلیب صالحین سے مختلف کوئی حقیقہ نہیں رکھتے اور نہ دین کے کسی رنگ کے معاذ اللہ منکر انداز میں کی بیشی کے مرتکب ہوتے ہیں: وہ تمام مسلمانوں کے بچے نماز پڑھتے ہیں اور مسجدوں میں اُن کی بیاہ شادیوں ہوتی ہیں اُن کی کوئی ایسی مسجد بھی نہیں ہے، جو کسی فرقہ کے متلا و مخصوص عقائد و اعمال کی بنا پر جماعتِ اسلامی کی مسجد کہلاتے، اس جماعت میں تو دوسری جماعتوں، مخلوق اللہ، مکتاتب فکر کے مقابلہ میں نہاد و اجتماعیتِ اسلامی وحدتِ اسلامی مرکزیت پائی جاتی ہے: اس جماعت میں اہل حدیث اور غائبِ سلیم کے ماننے والوں کے درمیان کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا اور تمام فقہِ غائب سے نسبت رکھنے والے، جماعت سے وابستہ ہونے کے بعد واقعی اس دہرا کی طرح ہوجاتے ہیں جن کے لئے حدیثِ شریف میں فرمایا گیا ہے، کہ اس کی اینٹ دوسری اینٹ کو تھامے رہتی ہے، جماعتِ اسلامی میں تو یہی

سنة علماء دیوبند میں ایسے حضرات بھی تھے جو جماعت اسلامی سے فطرتاً کر چکے۔ انہیں کے مورخین، اور بعض علماء جماعت نے بالکل غلطی و تردید کرنے کے مقابلہ میں سکوت کو ترجیح دیتے ہیں۔

کہنے یا نہ کہنے اللہ بلند آواز سے آہن کہنے یا نہ کہنے پر کسی قسم کی کوئی نزع نہیں ہے: احمد جماعت میں کلاں علیہ السلام پر بحث احمد طوطہ کہتے ہیں: اس جماعت کے تمام کا مقصد ہی سنت کی وحدت اصلیت کا تحفظ ہے: اس کو فرقہ کہنا زیادتی احمد اضافی ہے: دینی فرقوں میں بعض فقہی اختلافات کی بنا پر جو حصّے پیدا ہو گئے ہیں، جماعت اسلامی میں ان کا کوئی نام دلالت تک نہیں ملتا:

یہ بھی ایک حلقہ ہوتی طرز ہے کہ جماعت اسلامی دینی اکابر کا احترام نہیں کرتی یا ان سے جگہائی میں مبتلا ہے: جماعت اسلامی دینی اکابر کا بیک احترام کرتی ہے مگر وہ ان کی پرستش نہیں کرتی، اس کے ساتھ اصل حیدر کتاب وسنت ہے اور اسی پر ہر کسی کے قول و فعل کو جانچ کر لیا جاتا ہے: مسلمانوں کی لپٹ کی تاریخ اس سے لبریز ہے کہ اختلاف نے اسلام کی ان باتوں پر جو میں خود غلطی کی ہیں، تنقید کی ہے، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قابل فخر شاگردوں کا اپنے استاد امام اعظم سے بعض فقہی مسائل میں اختلاف کیا اس کی دلیل یہ ملتا ہے کہ امام اعظم کے شاگرد اپنے استاد سے ہر گمان تھے: حضرت ابوحنیفہ ثانی رحمۃ اللہ علیہ جب یہ فرماتے ہیں کہ — مخلص صکار است نہ کہ نفس — تو کیا ان کی تنقید کو یہ معنی پہنچائے جاسکتے ہیں کہ اس قول سے وحدت الوجود پر عقیدہ رکھنے والے تمام صوفیاء کی تنقید ہوئی ہے — حضرت امام غزالیؒ کی یہ تنقید کہ ان کی کتابوں میں احادیث کا معاملہ بہت کمزور ہے اسباب معاد میں وہ متساوی تھے اللہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے بڑے نفس اللہ دہر کی پوچھ گیری ہے اس میں تنزیہ کے ساتھ جنس کا بھی شبہ ہوتا ہے۔ اس قسم کی تنقیدوں کو جو کوئی اسلام کی بے محنتی اندہ ہر گمان سمجھتا ہے تو وہ عقیدت اللہ نوش گمانی کے اس غلو میں مبتلا ہے جو اکابر واسطوں کو — معصوم بنا دیتا ہے، جماعت اسلامی اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس غلو میں الجھی ہوئی نہیں ہے اسباب — اسی سبب پر — اسلام سے جگہائی — کی طرز کی جاتی ہے۔

جماعت اسلامی باقاعدہ ایک تنظیم ہے، اس کے یہاں دفاتر ہیں، رجسٹر اور فائلیں ہیں، ایسی فون اور ٹیپ کی مشینیں ہیں، تنخواہ یا ب کاربن ہیں، کام کی ذمہ داریوں کے اعتبار سے عہدوں کی تقسیم اور تعین ہے: پریس کانفرنس اور استقبالات ہیں — دینداروں اور اسلام پسندوں کی ایک جماعت کہ ان تمام باتوں میں دنیا دہی اور تعلق بالشد کی کوئی نظر آتی ہے وہ اس کو انسانی دعوت سمجھتے ہیں کہ دینی اللہ تبلیغ جماعتوں کا نہ تو انضمام میں کوئی اعلان کیا جاتا ہے، نہ رجسٹر لگاتے جاتیں، وہی اجتماعات کے انتظام کے لئے نہ کوئی کمیٹی بنائی جاسکے، نہ کوئی شعبہ قائم کیا جائے: جماعت اسلامی اس کے برخلاف ان جائز دوطرفے سے کام لیتے ہیں دین کا کوئی حصہ اور نقصان نہیں سمجھتے جیسا کہ غیر مسلموں نے ایک دیکھتے ہیں کہ ہر ملگ ان سے حصول مقصد میں آسانیوں اور بہتوں پیدا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے دین کے پیغام کو اللہ کی زمین پر نشر و اشاعت کے زیادہ سے زیادہ موافقہ میسر آسکیں غرض خلق حق میں اہل فاسق کے طریقہ جنگ سے فائدہ اٹھتے ہوئے جو "حق" کہہ دی گئی تھی، یہ مفکرین میں جماعت اسلامی کے لئے تمدن و تہذیب کے ان نتائج اور معاملات میں دلیل دیا ہے۔

لعن و طعن اور —؟ مفسر الہامی احمد علی محمدی کا کتاب "خلافت و حرکت" پر جو ہنگامہ ہوا ہے وہی ہے اس کا اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ بعض دنیا دار لوگ ان کو مطمئن کہنے اور ہدفِ طعن کے بہانے ڈھونڈتے رہتے ہیں، بعض بے خاصہ لکھے پڑھے لوگ بلکہ اپنے دماغ کے علمائے اس کتاب پر اس انداز میں تنقید فرماتی ہیں کہ اگر سے سید تھلپ رہشید کی تعینت پاکستان سے کرانا محمدی صاحب کی کتاب کا اس موضوع پر منظر عام پر آنا یہ سب کچھ ایک "سائنس" کے تحت ہوا ہے۔

سہ ناظرہ سرگرمیوں کا کیا کہنے

مولانا محمد علی نے حضرت سید عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے بارے میں جو باتیں کہی ہیں وہی باتیں دوسرے علماء سابقین جماعت نے بھی فرمائی ہیں: مگر ان علماء اور اصحابِ تہذیب کو جو کہہ کر یا دالستہ چشم پوشی کر کے، مولانا محمد علیؒ پر طعن و تشنیع کی بوجھاد ہو رہی ہے، حضرت مولانا عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ جو ہم اہل سنت کہے جاتے ہیں، انہیں طعن کی مدد اور غلوں کی وجہ سے کہہ کر کہہ کر غیر مسلموں کی ہتھ

رکھتے ہیں، وہ اپنی کتاب سے سیرت خفا و راشدین میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی صفات کا تذکرہ کرتے دیکھتے ہیں :-

اس بارہ سال میں چھ سال تو نظام حکومت اب دست مارا کہ کسی گرفتاری نہ تھی سب رنگ آپ سے
 دینی سعادت میں تھی (م) بے حدت کرتے تھے، مگر آخری چھ سال میں آپ نے اپنے اعزات سب کو
 عہدوں پر فہرست کیا، انہوں نے کام کر خراب کر دیا، صدر جم کی صفت کا آپ پر علیہ تھا اس میں کچھ شک
 نہیں کہ یہ صفت بڑی عمدہ صفت ہے، مگر کوئی چیز کیسی ہی عمدہ ہو، جب وہ خدا تعالیٰ سے تجاوز
 کر جائے تو خرابی پیدا ہوتی ہے، تاہم یہ خیالیاں یا کڑھیاں بمقابلہ ان خوبیوں کے جو آپ کی ذات والا صفات
 میں تھیں اور بعد از غیبت راشدین صفت اسلامیہ کے جو آپ نے ان میں برگزینہ جی اعتراف نہیں :-

یہ کہچہ - جویت اسلام سرگودھا غافل کی تھی اس کی جگہ کی مسجد پہلا جوہر کی صاحب نے امیر جمعیت صدر اسلام سرمد مولانا
 سید گل، دشاہ ناضی و بلند کی خدمت میں بھیجا، وہاں سے اس پر مسجد ذیل فتویٰ صادر کیا گیا :-

اگر اس قسم کے الفاظ کے کہ خلیفہ کرامہ رضی اللہ عنہ نے پہلے یا بعد از غیبت نہایت مہم جوئی کئے ہیں
 وہ خبیثہ الفطرت اور گمراہ ہے اس کے دل میں لٹا ہے، یقیناً اس غلطی سے خدا و عظام رضی اللہ عنہم کی
 توہین ہوئی ہے، وہ اپنی سنت والجماعت کے گردہ :-، خلیفہ ہے، اس قسم کے عقیدہ دیکھنے والے سے قطعاً
 کسی قسم کا تعلق نہ کرے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سنت کے متعلق یہ تشہیر کہ آخری چھ سال میں آپ
 نے اپنے اعزہ و اقارب کو عہدوں پر مقرر کیا :-، ہم نے کام خراب کیا :- (اللی الخ) یہ پتھر
 عثمان رضی اللہ عنہ پر الزام ہے، بالکل غلط ہے، یہ الزام و بہتان ہے، جو شخص یہ کہے کہ وہ کہہ بے
 وہ خبیثہ، یہ اللہ تعالیٰ سے ذلیل کہہ، اللہ اللہ اللہ ذلیل ہوگا، ایسا شخص اپنی سنت والجماعت
 میں نہیں رہ سکتا، ایسی جماعت میں شریعت گمراہ :-، اس قسم کی جہالت، کچھ کسی عمر کی عقائد نہ کہہ :-
 ایسے شخص پر دینی حضرت عثمان پر ہم الزام نہ کرتے، انتہائی غم ہے، اللہ تعالیٰ جو شخص دیکھتا ہے جو خدا کے
 رسول کا دشمن ہو، اور جو خدا کے رسول کا دشمن ہو، وہ اللہ کا دشمن ہے، اللہ کا دشمن جہنمی ہوتا ہے :-

جمعیت علماء سرمد کے نامی دیوبند مفتی کو یہ دھوکا ہوا کہ یہ عبادت مولانا مودودی کی تھی ہوا ہے، جو جمعیت اسلامی پاکستان کے امیر ہیں،
 اسی لئے انہوں نے اپنے فترے میں یہ لکھا ہے :- اس قسم کی جماعت سے تعلق نہ کرے !

جب مفتی ن کلام اللہ علماء عظام عجیبیت و خدا کی اس پیروی پر آمادہ، قہر دیکھاں چرمد :-، عیب بات ہے کہ جمعیت علماء اسلام
 سرگودھا نے یہ کتاب شائع کی ہے، لیکن اس میں مولانا عبد اللہ مودودی کے نام و نامی کے کتاب کا جو اقتباس نقل کیا گیا، جسے سرگودھا کی جمعیت علماء
 اسلام کے اکابر اس میں کوئی خرابی محسوس نہیں ہوتی :-

جماعت اسلامی اور مولانا مودودی پر چاروں طرف سے مخالفوں کی ہتھیاروں اور فتنوں کی چاندنی چوری ہے، جس پر غور کرنے
 کا ایک پہلو یہ ہے کہ جب اتنے بہت سے علم و جمعیت اسلامی کے مخالف ہیں اور سب کو ان کی قربت پر جماعت، مولانا مودودی اللہ تعالیٰ
 علیہ السلام پر مقرر ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ جماعت اسلامی میں یقیناً ایسی خرابیاں پائی جاتی ہیں، جو ان کو کھٹکتی ہیں اور مودودی صاحب کا

نہیں کہتے۔ بس یوں سمجھنا چاہئے کہ مسلمانوں کی کسی جماعت یا فرقہ کی مدد عایت کئے بغیر مولانا مودودی کی حق گوئی اور جماعت اسلامی کی جامعیت اللہ ہدیہ کی اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے دین کو قائم کرنے کی دعوت ان کے لئے۔ بلکہ جان بن گئی ہے اور لوگوں کو ان کی مخالفت پر آمادہ کر دیا ہے۔

اس تصویر کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ بعض افراد کی جماعت اسلامی کی مخالفت کے سبب سرکار وادارہ کے تقرب اور اس تقرب کے نتیجہ میں گونا گوں منافع سے مستفید ہونے کا موقع مل رہا ہے۔ بعض حضرات دیندار اور غیر پسند میں سرکار صاحب عزیمت نہیں ہیں جن کا نہ رہے کہ ان کا حق سے انھیں ہیرا ہری کر کے وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہونا نہیں چاہتے اس خراج و فکر کے لوگ جماعت اسلامی کی صورت نہ عزیمت اور جرات حق گوئی کو دیکھ کر احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور یہ احساس ان کے اندر جماعت کے خلاف نفرت پیدا کر دیتا ہے۔

گوی معلما نے یا مائیدانہ ہم نے جو کچھ بتا دیا، تجزیہ اور محسوس کیجئے، اسے پہلی ذمہ داری کے احساس کے ساتھ کاغذ پر منتقل کر دیا جائے اور بعد از تحقیق و تجزیہ پر ہر طریقہ ممکن ہے۔ اس تجزیہ کے بعد اس حقیقت کا اظہار بھی ہم فروری لکھے ہیں کہ جو لوگ جماعت اسلامی سے وابستہ نہیں ہیں، ان کے ایمان اور اسلام کے بارے میں ہم کسی قسم کا شبہ نہیں رکھتے، اور ہم محبت و عقیدت کے اس غلبہ میں مبتلا نہیں ہیں کہ کسایت اور مصیبت کے صرف جماعت اسلامی میں محدود ہو کر رہ گئی ہے اور اس کے باہر اند بیرونی اندیشہ ہے اور جماعت اسلامی نہ فرشتوں کی کوئی جماعت ہے جس پر نقد و حساب گناہ کی بات ہے۔ ہمارا نگرانی کا مقصد یہ ہے کہ جو کوئی جماعت اسلامی یا مولانا مودودی پر اس سادہ منہ پر ہے کہ جماعت اور مولانا مودودی کی ذات دین کے لئے، فتنہ بن گئے ہیں۔ جماعت اس دور کا سب سے بڑا مسئلہ ہے جس کی مخالفت دین کا اوسن تھا ہے۔ ہم اس نکرہ میں اس کو فیصلہ دے غلط سمجھتے ہیں، اس قسم کی زیادتیوں پر اللہ تعالیٰ کے یہاں شدید قسم کی باز پرس ہوگی! اس بات پر ہمارا ملحد یقین ہے کہ مجموعی طور پر جماعت اسلامی دین و ملت کے لئے سبب خیر ہے، اور عجب سعادت و برکت ہے، اس کو کفر نہ، فریب، بدنام، اور تحریف کرنے کی کوششیں دین و ملت کے لئے مفرت رساں ہیں اور اس دور کا انھیں یافتہ طبقہ جماعت اسلامی کو دینی انگارہ کا سب سے زیادہ قابل اعتناء و توجہ اور اہمیت سمجھتا ہے، اس لئے جماعت اسلامی کو۔ فتنہ بن کر دین کے کوشش سے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے یقین و اعتماد کو سخت ہلکے گئے ہیں اور وہ اپنے لئے دین کے بارے میں شدید اضطراب اور تشویش محسوس کرتے ہیں!

الزام اور تہمتیں پاکستان میں تقریباً ہر دورہ حکومت میں جماعت اسلامی کو شکایات و مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس میں یہ کہ وہ اس ملک میں اللہ تعالیٰ کے کلمہ کا نمبر نہ نظام اسلامی کا قیام پر سختی سے اس پر طرز طرح کی سخت

اور دنیا دینوں ہوئی ہیں! اب سے دو دین سالوں کے بعد وہ اس کے ساتھ طریقہ پر پیہر پیہر لڑائی لگ چکا ہے کہ جماعت اسلامی کو امریکہ سے دوسرے ملک سے اور امریکہ کی ایجنٹ ہے، کتنے علماء اور تہمتیں تھیں جو تہمتیں تھیں ان کے ساتھ ساتھ دینی امور اور الزام دینے کی بہم میں رہیں کرتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے جان میں بلکہ اسی سر زمین پر تھوڑی سی مدت میں اس مجتہد کی قلمی کھول دی اور اس نے دوسرے کفر و کفر کے لئے ذرا بھی سہارا نہ دیا۔ کہ اس قدر فطرتاً شک و شبہ نہ تھا کہ اس نے اس کے ساتھ دینی امور اور جہاد کے ساتھ دینی امور، الزام دینے والے غائب مصلحتوں کے لئے کہ ہمارے گونے کہا کرتا تھا، جماعت اسلامی کے خلاف فتنہ کو برپا کرنا اور لوگوں کے دل و دماغ میں جماعت کے بارے میں شک و شبہ اور بے اطمینانی پیدا کرنا ضرور تھا۔ وہ وقت گزر گیا بات آتی گئی لیکن مگر اللہ تعالیٰ کے یہ قول و عمل کے ہر حرف اور ایک ایک جملہ کار کیا ہو چکا ہے، اور ہمیں یہ دیکھنا پڑا کہ وہ اپنے کو دھڑلے گا، جو کوئی آواز نہ ہو جس سے اس دنیا سے اب لوگوں اور عام کون دھار میں داخل و بے خبر اور بڑے اندیشہ سے اللہ کو نہیں رہا۔

جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کو پرانے کا نازہ ترین سا حکام یہ جگہ دیتے ہیں کہ ان کے مسئلہ میں دوسروں کی تمام تر ذمہ داری

جماعت احمدیہ مولانا مودودی پر ڈالنے کی کوشش نہ شدہ سے جانی ہے: اگر یہ جرم ہے تو اس جرم میں بہت سے بڑے بڑے شہرہ دار تھے۔ انہیں بھی یہ جرم تھا۔ علامہ احمد مغربی پاکستان کے علوم کی غالب اکثریت شریک ہے۔

دوسری بات یہ کہ مولانا مودودی کی زندگی میں ہی ان کا اسلام کی اصلاح پر سرکاری اعلان ہوا کہ کل عید ہے مگر علماء کرام نے دین میں جماعت کے کام میں نہیں تھے۔ دوسرے دن عید کا اعلان کیا اور خود کراچی کی پولیس کو نوٹس دے دیا کہ عید کی نمازیں نہیں، جماعت اسلامی نے بھی مسلمانوں کی غالب اکثریت کے ساتھ علامہ کرام کے فتویٰ کی تعمیل میں دوسرے دن نماز عید ادا کی، اور اس میں بھی جماعت اسلامی اور مولانا مودودی نے علامہ کرام کی اکثریت کی رائے اور فتویٰ پر عمل کیا۔ لیکن اس مسئلہ میں دوسرے علماء کو چھوڑ کر مولانا مودودی کو بھائی بنائے اور انہیں آتش آتش پلہ نہ ٹھہرانے کی کوشش کی۔ علامہ کرام کا مذکورہ فتویٰ غلط ہے جسے اپنا دین پاکستان کے عقیدہ صمدی کا بارگاہ میں آسانی کے ساتھ باریک بینی کا مستند بن گیا، اور بدینہ ہلال کے انتہائی بظاہر دھماکے سے دھماکے سے سرگرمیوں کو کچلنے کا معروضہ پیش کرنے کی عزت اور سعادت حاصل کی!

کنولشن مسلم لیگ کے لیڈروں کے بیانات اس قسم کے آرہے ہیں جو جماعت اسلامی کے خلاف چنگ کوڑا بنائے اور انہیں اسلام آباد ایسی پیدا کی جا رہی ہے کہ حکومت کو کوئی رحمت نہ کرنی پڑے بلکہ پاکستان کے عوام جماعت اسلامی سے دست درگیاں ہو جائیں اور

جماعت اسلامی کو ایک طرف اس سنگین صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے دوسری طرف جماعت اسلامی کو غیر باطنی "عروج و ترقی" کے نام پر وہ چند افراد ہیں جو جماعت اسلامی سے نکلے کے بعد جماعت اسلامی کی رسوائی بکرتا رہے اور ہر ایک کے دھڑے ہیں۔ کاش! یہ حضرات جماعت سے وابستہ نہ ہوتے، مگر تفریق کے ذریعہ کو گننا سکتا ہے اب ہر نامہ نگار جو چاہتا تھا، اسے ہر کہہ دیا۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی کھلی مصلحت ہے!

ماہنامہ "میشاق" لاہور کو سال سے جب مولانا ابن الحسن امجدی کی ادارت میں نکل رہا ہے اس کا آغاز بالآخر دہائیوں کا ہے اب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اس کی ادارت کو سنبھالا ہے۔ "میشاق" کے مدیر جدید ہیں مولانا امجدی صاحب کا نام "سرپرست" کی حیثیت سے صرف پرعزوم ہے! مولانا امجدی صاحب نے "میشاق" میں جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے خلاف خاصہ مذہبی علم صرف کیا تھا، مگر اصل کو کچھ دیکھ کر "میشاق" بند تھا، دوسری وجہ شاید یہ کہ مولانا مودودی اپنے فرزند اکبر ابو جعفر مرحوم کی وفات کے غم میں اس طرف توجہ نہ دے سکے!

گ

مجلہ "میشاق" اب مدیر جدید ہیں پہلے کے مقابل میں خاصی آن بان اس کا ہر دور و سخن شن کے ساتھ منظر عام پر آیا ہے اور اس کا آغاز مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کی مخالفت سے ہوا ہے: ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ان کے منہ کا کواکب پاکستان میں نہ کوئی "سکر" اپنی طرف متوجہ کر سکا نہ کوئی بڑی نہیں احتجاج اور استیصال کے قابل نظر آتی، یہی باطنی نظریہ اس خطہ عقیدہ کی تہ دید کی انہیں ضرورت محسوس ہوئی، اس ملک میں ان کے نزدیک سب سے بڑا منکر جماعت اسلامی ہے اور سب سے زیادہ مفسد شخصیت ابوالاعلیٰ مودودی کی ہے! اسی لئے ان کی ذہنی فراست اور اسلامی شعور نے جماعت احمدیہ مودودی صاحب پر بڑی بڑی دھمکیاں دی ہیں پاکستان میں جماعت احمدیہ کا اصل کام اسی وقت شروع ہو سکتا ہے، جب تک جماعت اسلامی کے ختم کا قلع قمع نہ کر دیا جائے۔ پہلے وہ جماعت اسلامی سے نمٹ لیں اور اس سے بٹا نہیں تو آگ لگا دیں، اس کا دوسرا حصہ کہ جماعت اسلامی کے ختم کے لئے وہ اپنی اسکیروں کو بھونکے گا رہا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی کتاب اور ان کے بعض مضامین پڑھ کر ان کی خبیث مخالفت کے باوجود دل اس طرف بھی ہوتا تھا کہ مودودی

جماعت کی اصلاح کا پسندانہ جذبہ رکھتے ہیں، جماعت سے انہیں بلا وجہ کی دشمنی نہیں ہے، وہ جو حق کی تباہی، انفسکست و رعبز نہیں، اس کی اصلاح کے متعلق اندھا غرض مند نہیں۔ مگر ڈاکٹر صاحب زیادہ دلی تگ اپنے دل کی عظمت اور بغض کو نہ چھپائے، وہ جو انگریزی کی شہرہ غریب المشرق ہے کہ ملی تعلیمی سے بہرہ نائی، تو وہ جنہوں کی میثاق میں انہوں نے اس بہرہ کو بلا خواہی ہی دیا، یہ وہ رسول سے اپنے اللہ چھپائے بیٹھے تھے۔ فرماتے ہیں۔

”آپ کا یہ سوال بڑا اہم ہے کہ کیا جماعت دائے ہیں جماعت اسلامی فتنہ ہے، انداز ہے تو کیا دوسرے فرقوں کی سرکوبی ہو چکی ہے کہ ہم سب اسی کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہماری اولین گزارش تو یہ ہے کہ سید نزدیک جماعت اسلامی بالقولہ (POTENTIALITY) (نقدیاتی فتنہ کی شکل اختیار کر چکی ہے اگرچہ فی الحقیقہ (PRACTICALLY) کوئی بڑا اور فتنہ برپا کرنے کی صلاحیت اس میں نہیں ہے۔ (ص ۱۰) ظاہر ہے کہ فتنہ مٹایا جاتا ہے، اس کی اصلاح نہیں ہوا کرتی، ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اس فتنہ کو مٹانے کے لئے آئے ہیں اور جماعت اسلامی کی تباہی و بربادی اور ملامت اللہ کی بنیادی وجہ آخری آن کا مقصد نصب العین اور ملحق نظر ہے۔ اس پاکستان میں ان لوگوں سے جو جس وقت سے کسی قسم کی وابستگی نہیں رکھتے مگر وہ حق پسند اور انصاف دوست ہیں، ہم گزارش کرنا چاہتے ہیں کہ جماعت اسلامی نے کون سا ایسا غلط کام اٹھایا ہے، کیوں کیا ہے، جس کے سبب وہ فتنہ بن گئی ہے۔ کیا جماعت نے اسلام کے کسی بنیادی عقیدہ کو بدل دیا ہے۔ کیا جماعت کی طرف سے کسی دینی رکن کی تفسیر کا اصلاح ہوا ہے۔ کیا جماعت کسی منکر میں مبتلا ہو گئی ہے۔ کیا جماعت امر بالمعروف کی بجائے امر بانکر کا فریضہ انجام دینے لگی ہے۔ کیا جماعت حکومت یا سرمایہ داروں کے کسی ادارے کے ماتحت ہو گئی ہے۔ کیا جماعت کے متاثرین متبعین ہیں بے دینی کارہان چین، جاپان، ہے۔ کیا جماعت اسلامی کا وجود پاکستان میں بد اخلاقی اور دین سے نفرت کا سبب بنتا جا رہا ہے، جو حق کو فتنہ قرار دینے کے لئے کرتی دینیں؟ کوئی ثبوت؟

ڈاکٹر صاحب برصورت کی نگاہ میں جماعت اسلامی کے فتنہ کا سبب کیا ہے؟ وہ بھی سنیں بیچے! اہل ان کی سلیس پیک کی داد دیجئے فرماتے ہیں۔

”دین میں حکمت عملی کا جو بنیاد مقام اس نے تجویز کیا ہے، وہ اپنی فتنہ انگیزی میں دوسرے فرقہ پرستوں سے کم نہیں ہے۔

اس لئے کہ جسے فرقہ فتنہ یہ ہیں۔ تادیبیت، انکارِ حق، اباہیت و تنہد اور فتنہ۔ ۲۔ کیونکہ

دین کے نام پر بڑبڑک و بدعت کی ترویج۔ جماعت اسلامی جیسے حکمت عملی کہتی ہے، اس کا ان فرقوں سے آخر کیا تھا ہے؟ تشبیہ و تمثیل میں آنور کوئی وجہ تشبیہ اور سبب مماثلت بھی تو ہونا چاہئے، اب جہاں تک زبان و رسم کی جنبش یا لغت ہے اسے ہر طرح اور ہر طرف مڑا جاسکتا ہے، دین میں حکمت عملی۔ انھوں نے عزائم اور اس مضمورات میں کیا ایسی غلطی ہے جسے فتنہ قرار دیا جاسا ہے، نہیں، اس احترام اور

اندھا عرصہ اس قسم کی دوسری دینی اصطلاحات جو حکمت عملی سے متاثر ہیں پہلے سے فتنہ میں موجود ہیں، جماعت اسلامی نے کس معروف کو حکمت عملی کے تحت بدل دیا ہے اور کس منکر کو جائز قرار دے دیا ہے؟ دین کا کون سا رکن ہے جس کے بارے میں جماعت نے یہ کہا ہے کہ حکمت عملی کے تحت اس میں تفریق کیا جاسکتا ہے؟ دین کی کس قدر کو اٹھ دیا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے جماعت اسلامی کے اس رد کی، جو تیسرے ہند سے قبل تھا، اپنے مقالات میں خاصی تعریف کی ہے، مگر ڈاکٹر صاحب کے بقول جماعت کے اس دور تیسرے صرح میں کیا جماعت کے بعض ارکان نے صلہ کی اختیار نہیں فرمائی، ان کی علیحدگی

نو آخر تک سمجھا جائے ؟ یہ کہ جماعت میں کوئی واقعی خرابی پیدا ہوگئی تھی ، یا ان حضرات نے صورت حال کا صحیح جائزہ نہیں لیا تھا ! پھر اس رائے میں بھی جماعت طعن و طنز سے کب محفوظ رہی ہے ، جماعت کے نام پر اعتراض کہ اس جماعت کے علاوہ مسلمانوں کی دوسری جماعتیں غیر اسلامی ہیں ۔۔۔ جماعت پر خارجیت کا الزام ، مولانا مودودی پر محدودیت کا دعویٰ کرنے کی تہمت ، جماعت پر صالحیت کی غرض کہ یہ لوگ اپنے علاوہ دوسروں کو غیر صالح سمجھتے ہیں ! طنز و تشنیع اور جماعت پر الزام تراشی کا یہی سلسلہ پاکستان بننے کے بعد بھی بدستور جاری رہا ، بلکہ ہر دور میں اس میں شدت پیدا ہوگئی ہے ، یہاں تک کہ ڈاکٹر اسرار احمد جیسے مزاج و ذہن کے لوگوں نے جماعت اسلامی کے وجود کو " فتنہ " ہی قرار دے دیا :

تقسیم سے قبل جماعت سیاسی انتخابات میں حصہ نہیں لیتی تھی مگر پاکستان بننے کے بعد حالات کا یہی تقاضا تھا ، یا پھر کہنے یہی حکمت عملی تھی کہ انتخابات میں حصہ لیا جائے ، الیا کہنے سے دین کی کوئی تہ نہ اٹھ گئی ، جماعت اسلامی نے جس دیانت و درست فہم کی اور خدا تعالیٰ کے ساتھ انتخابات میں کام کیا ہے اس کی مثال پارلیمانی نظام کی تاریخ میں نہیں مل سکتی ، جماعت نے کسی ایسے ذلیلہ اور طریقہ کو استعمال نہیں کیا جو ذہنی نقطہ نگاہ سے ناجائز اور نامناسب دیکھ ہو ، سیاسی انتخابات کی " تعبیر کا جو کارنامہ اس نے انجام دیا ہے وہ طنز و تشبیہ کا نہیں بلکہ تحسین و ستائش کا مستحق ہے !

پاکستان میں دینی انقلاب جمہوری طریقہ ہی سے آسکتا ہے اور آنا چاہیے ، جماعت اسلامی اس کے لئے ہمہ جہد کوشش کر رہی ہے ، متحدہ ہندوستان میں صورت حال یہی ایسی تھی کہ اس جدوجہد کے وہاں مواقع اور امکانات نہ تھے ، اس لئے متحدہ ہندوستان کے حالات کے لحاظ سے مولانا مودودی نے بعض ایسی باتیں کہی تھیں ، جن کا پاکستان کے حالات پر انطباق نہیں ہو سکتا ، جو لوگ حالات و امکانات اور ماحول کو دیکھ کر فرق کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں ، انہیں مولانا مودودی کے بعض اقوال میں نقصان نظر آتا ہے اور وہ جھٹ سے یہ فخری لگا دیتے ہیں کہ تقسیم ہند کے بعد جماعت اسلامی اپنی بنیادی پالیسی سے ہٹ گئی ، یا وہ نہیں رہی ، جواب سے جس سال پیسے تھی :

جماعت اسلامی کا مقصد روز اول سے " اقامت دین " ہے اور پچیس سال کی مدت گزرنے کے بعد اس کے اس مقصد اور نصب العین میں نہ ہر تبدیلی واقع نہیں ہوئی ، ہاں ، متحدہ ہندوستان کے مقابل میں ، اس مقصد کو حاصل کرنے کے بعض ذرائع میں تبدیلی ہوگئی ہے اور تبدیلی ناگزیر تھی :

بدلتہ شعبہ کی زندگی کے مقابل میں حقیقی زندگی میں اقامت دین کے جذباتی اختیار کئے گئے اس کے نشانات کی زندگی میں کہاں ملتے ہیں ، حقیقی زندگی میں جہاد یا سیف جہاد سے معاہدہ ہے ، فوجی بار بار ہے ، بادشاہوں اور فرد مغضوبوں کے نام ملت کے تشدد ، غلبہ کی حربہ سے بھیجے ہوئے فوجیوں ، دین و ملت کی نفیم اور مذکورہ دھارے کی فحش ہے ! وہ شخص کتنا جاہل ، بے خبر اور کم فہم ہے ، جو اس طرح سوچنے سے کہ سکتی ہے کہ زندگی کا یہ ذکر ہے حقیقی زندگی میں دنیا داری کا نہ یا وہ تنگ پایا جاتا ہے ذہن و بالندہ چنانچہ دھاک چہن گندھ " مسٹر شری نے سروس اللہ صوفی اللہ تعالیٰ و رسم کی نام لگائی یہ الزام لگایا کہ دینی میں اگر محمد خرابی یا دشوار ہو گئے ، حالات کے مقصد کے لحاظ سے مکہ اور مدینہ کی زندگیوں میں وہ بدولت فرزند نہ پایا جاتا ، مگر زندگی " غلامیت اور خاموش تبلیغ بھی اللہ ہی کے لئے تھی ، اور مدینہ کی فائز زندگی اور اس کے ساتھ اسلامی حکومت کا یہ بھی " اللہ تعالیٰ کے دین کو برپا کرنے کے لئے تھا ۔۔۔ دونوں زمانوں اور زندگیوں میں رضائے الہی ہی پیش نظر رہے ، مقصد و باطلات تھی ۔

جماعت اسلامی کو پاکستان میں " اقامت دین " ہی کے پیش نظر جن ذرائع سے کام لینا پڑا ، ان ذرائع اور وسائل سے بینک تقسیم ہند سے جس کی تسامحی زندگی خالی ہے ، ذرائع کی اس تبدیلی کو جو جماعت کی تبدیلی بلکہ گراہی سے تعبیر کرنا ، کتنی نامناسب و تشبیہ ہے ! بے شک پاکستان

میں جماعت اسلامی کی زندگی میں پریس کانفرنسیں، استقبالیے، جلسے، جلوس، مسند کی انتخابات کے لئے پروپاگنڈا، جمہوریت کی بحالی کے لئے دوسری پارٹیوں سے معاہدے، یہ تمام باتیں نظرات کی ہیں، مگر ان کے ساتھ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، سرور کی سینیٹ، منکر کے خلاف صفائے اجتماع، حدوں و حرام میں احتیاط، خدمتِ خلقی، بیت المال کے ایک ایک پیسے کا صحیح مصروف، انرجی کے ذخیرہ دل و دماغ اور فکر و نظر کی دینی تربیت، یہ تمام خوبیاں بھی تو پائی جاتی ہیں! انتخابات میں دن کے دو بجے سے لے کر شام تک کا وقت بڑا نامک اور فیصد کم ہوتا ہے، جماعت اسلامی کے کارکنوں نے ان نامک اوقات میں بھی ذریعہ صلاۃ سے غفلت نہیں برتی بلکہ بہت سوں نے نو جماعت کے ساتھ نظر انداز و غفلت کی نمازیں پڑھی ہیں۔

مردانہ مقدادی نے حکومتِ علی کے تحت جو کچھ کہا تھا، اس کے ثبوت کے لئے مقدمہ ہندوستان کے حالات کا جائزہ یہ جاسکتا ہے انگریز حکومت کو بد لسنے کے لئے مسلمان، ہندوؤں کے ساتھ ایک پلیٹ نام پر لگائے تھے اور یہاں تا گاندھی کی قیادت کو قبول کر لیا تھا، خاص طور سے ۱۹۳۲ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک ہندوستان کی تمام تر سیاست گاندھی جی کی شخصیت کے اندر گھومتی تھی، یہ حکمتِ عملی ہی تھی جس کے سبب مسلمانوں نے ایک غیر مسلم کی قیادت کو قبول کر لیا! ایک زمانہ وہ تھا کہ مقدمہ ہندوستان کے علماء نے "تذکرہ حالات" کا فتویٰ دیا اور انگریز حکومت سے سوالات کو ناجائز ٹھہرایا، مگر پھر "حکمتِ علی" ہی کے تحت انگریزوں سے تعاون کیا گیا، مسلمانوں کو سسٹمز اور سسٹمز میں گئے اور انگریزوں سے جس "مواثقات" (۵۵۵۳۳۵۵۶/۵۶) کو ناجائز قرار دیا گیا تھا گئے حالات کے تحت "جواز" سے بدل دیا گیا۔

"حکمتِ علی" کوئی گالی یا بے دینی کی بات یا کلمہ کفر نہیں ہے، جس کو اکثر صحابہ جماعت کے لئے "تذکرہ" یا سبب قرار دے رہے ہیں، یہ حکمتِ علی دین کے کسی ٹیکنیک یا عقیدہ کو نہیں بدلتی، اس کا تعلق اصولِ مقصد کے ذرائع سے ہے! اس میں حالات کے لحاظ سے تبدیلی کی جاسکتی ہے! سو کہتے ہیں کہ ایک ذلیلہ یا تہجیر جس کو "نا جائز" قرار دیا گیا تھا حالات کی تبدیلی کی نوعیت کے اعتبار سے اس کے لئے دہر جواز پیدا ہو جائے!

حالات ہی کا یہ تقاضا تھا کہ جماعت نے حامی ناگوار اور شدید کراہت کے ساتھ عسکری انتخاب میں ایک نو مومن کی جماعت نے صاف صاف یہ کہہ دیا کہ ناگزیر حالات میں یہ صورت گوار کی جا رہی ہے اور اسلئے کے لئے اسے مثال سرزنش بنا چاہئے، نوز و فساد مروجہی کے سربراہ حکومت ہونے میں ہے جس طرح مرض کی شدت میں جان بچانے کے وقت کے باعث طبیب کے مسند سے "ناراب" گوار کی جاسکتی ہے، جماعت کے اس موقف کو بھی الٹ ہی سمجھنا چاہئے!

کسی طرح، جائز اور نیک مقصد کے لئے مسلمان و غیر مسلم فرود یا جماعت سے بھی سہ پہرہ، مذکور کی جائز ہے! جماعت اسلامی نے بھی جمہوریت کی بحالی کے لئے دوسری پارٹیوں کے ساتھ تعاون کیا ہے! اس معاملہ میں معاہدہ اور غیر معاہدہ کا سوال اٹھانا ہی سروس سے غلط ہے! اب دیکھو! افراد اور جماعتوں پر اعتماد کا معاملہ تو اکثروں پر بھی بعض معاملات میں عبادت کے نام سے کافر و مسلم اہل معاہدہ قول و قسم کھا کر اپنے عہد سے بھر جاتی ہیں اس میں قصور معاہدہ کرنے والوں کا نہیں ہے کہ وہ کاحول اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی نہیں جانتا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اہل کفر کے بھیجے ہوئے خطوط پر اعتبار کر کے ہی جہیز سے عزان کو رخص کیا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ لوگ اپنے عہد سے پھر گئے!

یہ جواز اکثر اسلئے احمد صاحب ہاسلہ "جائزہ کیسی" کا ذکر کرتے ہیں اس بارے میں ہم پرسیبل تنزل یہاں ملنے کے لئے تیار ہیں کہ جائزہ کیسی کے ارکان کے ساتھ فرض کر لیجئے یہاں تک ہوتی ہے مگر اس نیا دینی کو ضلالت اور فتنہ تو نہیں کہا جاسکتا! یہ تو

انصاف کی بات نہیں ہے کہ جائزہ کیٹی کے ارکان کے ساتھ جو سلوک ہوا ہے، اس کو بنیاد قرار دے کر جماعت اسلامی کے منہ خاندانہ اس کے دعو کو فنا کرنے کے لئے تدبیریں کی جاتی ہیں، پھر جائزہ کیٹی کے بعض ارکان نے جماعت سے علیحدہ ہو کر جماعت کی جس انداز میں مخالفت کی ہے اس کے بارے میں کیا کہا جاتے گا! امیر جماعت نے جس اندیشہ کے پیش نظر یہ انتظامی اقدام کیا تھا وہ اندیشہ کس حد تک صحیح نہ تھا؟ اس حقیقت کو بھی دنیا نے دیکھ لیا۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب لکھتے ہیں :-

”ہر کسی اسلامی تاریخ میں ایک مولانا مودودی کی شخصیت ہی اتنی مقدس رہ گئی ہے کہ ان کی انتہائی

خط اور ہر ایک ترین افادات پر بھی زبان تنقید نمانہ کی جائیکے۔“

تنقید، تنقید میں فرق ہے، مثلاً مولانا مودودی نے جو محدثین دین کے کارناموں کا جائزہ لیا ہے اس جائزے میں ان لوگوں نے دین سے ضدالت و فلتان نہیں منسوب نہیں کیا، یہ نہیں کہا کہ یہ نفوس قدسہ (معافانہ) گمراہ ہو گئے تھے، مولانا مودودی پر جو تنقید کی جا رہی ہے اس کا یہ نوازہ ہے کہ جیسے امت میں یہ شخص عمل و عقیدہ کا نیا دینا کر رہے ہیں، اسی تنقید کو ہم ”تعمیر“ تعبیر کرتے ہیں۔ ورنہ اس کی ملامت کی جاتی ہے! اس نظم و دیانتی، بعض عدالت اور تعصب و دشمنی کے علاوہ اس سے کہ مولانا مودودی کو ”وفاقی“ قرار دین سے تشبیہ دی جاتی ہے، ڈاکٹر صاحب کے اس مضمون میں ان کا قسم حق و انصاف کے اس فرق سے ملگن ہو گیا ہے، مہر نے اپنے اس مقالہ میں بعض ایسی باتیں لکھی ہیں، جیسے اس دوران میں جب وہ ”مضمون“ لکھ رہے تھے، خوف خدا اور شفقت کی بارگاہ میں، اندیشہ ان کے دل سے دھست ہو گیا تھا، ”اے اللہ! اب کسی اخلاقی حدود کا پابند نہ ہو، رہنا۔۔۔“ مرکز کے سرور درون ہند، اس قسم کی رمزیت اور یہاں سے نوازہ ہوتا ہے کہ عدل و انصاف اور اخلاق و شرافت کی بساط کو دریا بہرہ و کرہ سے لے بعد انہوں نے نامناسب ”میشاق“ کے دوید جو بدکا، غازیہ ہے!

جماعت اسلامی پاکستان میں تقابلیت، افکار حدیث، لادہنیت اور تجدید و مغرب زدگی اس قسم کے تمام فتنوں کی ایک تمام کے لئے اپنی امکانی حد تک جدوجہد کی ہے، دوسرے دوسروں کی تقریبات کے خلاف مباحثے میں ملوث رہی ہے، جس کے نتیجے میں بعض مقامات پر یہ طوائف بہ خیرین کی طرح بھی گیا ہے، لیکن مسلمانوں کے حق میں بے یقینی نہیں سمجھا جائے، مگر حجت اس لئے بعض قصوں اور شہزادوں میں سینا یوں کی تعمیر کے خلاف بھی قدم اٹھایا ہے، مغلوں نے ہم فتنہ ہوا، بعض دوسروں کی فتنے، نانی و بین ہوا، خانہ خانی منسوبہ ہندی، جماعت نے ”ہر منکر“ کے خلاف ہر دھڑے کی جوش و خروش کیا ہے۔

جماعت کا نظریہ و بنیادی صورت پرستش ہے اس کے مطالعہ سے ہر اسوں اور جوانوں کی زندگیوں میں دینی انقلاب پیدا کیے، جماعت کی مربی کی جوشی کا نور میں اسلام کی ہر قد اور نظریہ کو چاہے وہ تعدد اور دواچ اور جہاد ہی کا نظریہ، درمستد ر نہ ہر معدت ہر انداز کی بجائے، نہ انداز میں میرا فتنہ ہند کے پیش کیا گیا ہے، جماعت دراصل اسلامی افکار کا مستقل دستار ہے، جماعت کی کتابیں دوسرے حاضر کے ذہن و فکر کو اپنے طریق استدلال اور حجت بیان کے سبب خاصی متاثراتی ہیں، نظام اسلامی کو برپا کرنے کی ”سچ“ دانہ جہاں سے بھی آتی ہے وہ جماعت اسلامی کے پیغام کی صدا ہے بازگشت ہے۔ جماعت اسلامی نے شیعہ خدمت خلق کے فداکاروں، ضرورت مندوں اور نادار لوگوں کی مدد کی ہے، جماعت کے کارکنان کو دیکھ لے یہ ہر دوسرے حکمران میں بے لچک سا ہے، عوام اس پر اعتماد کرتے ہیں اعلیٰ بات زبان نرو خاص و عام ہے کہ جماعت اسلامی

کے کارکنوں کو کوئی لالچ نہ تو رام کر سکتا ہے اور نہ کوئی دباؤ بھکا سکتا ہے۔ جماعت کے افراد کا کردار، اسلام کا اچھا نمائندہ ہے جماعت اسلامی کو کوئی لالچ کے تحریک میں بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اسلام نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کے دین کو غالب کرنے کے لئے بڑی قربانیوں دی ہیں، علوم میں بیانات شہر ہے کہ جماعت اسلامی کے کسی فرد کو کسی قیمت پر غریب نہیں جانتا؛ جماعت اسلامی کا نام اور ذکر کرتے ہی دین و دُعا میں اسلامی نظام، اسلامی دستور اور اسلامی طرزِ حیات کے تصورات ابھرتے ہیں جماعت اسلامی کو کمزور کرنے کے لیے یہی معنی ہیں کہ "اسلامی نظام حکومت" کے محاذ کو کمزور کر دیا جائے۔

جماعت اسلامی سے وابستگی آدمی کو دین سے قریب کرتی ہے، سیاسی مسائل میں جماعت کو حصہ لینے دیکھ کر، بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ یہ بھی سیاسی پارٹیوں کی طرح کوئی پارٹی ہے، حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے وہ نہ تو سیاست بے دین کی قائل ہے اور نہ دین بے سیاست کی! جماعت کے نزدیک "الدین" ایک جامع کلمہ ہے جس میں سیاست بھی شامل ہے حکومت کو جماعت، اقامت دین کا مرکز قرار دیتے ہیں، حدود اللہ کی حفاظت اور ان کا اجرا حکومت ہی کے ذریعہ ہوتا ہے۔

جماعت اسلامی کے کارکنوں کی سیرت و کردار میں دینی اخلاق، اخلاق اور اسلام کو غالب کرنے کی آہنگ پائی جاتی ہے! اخلاق و اخلاق کے حسن و کمال کی کوئی انتہا نہیں ہے، مگر اس دورِ انحطاط میں جماعت کے کارکنوں کی زندگیوں میں دینی اعتبار سے بے غنیمت ہیں، جنہیں دیکھ کر بہت کمزور اور تجزہ کر کے کوئی شخص اسلام کے بارے میں بدگمان نہیں ہو سکتا!

جماعت اسلامی فرشتوں کی نہیں انسانوں کی جماعت ہے انسانوں میں کمزوریاں اور کوتاہیاں بھی ہوتی ہیں مگر مجموعی طور پر جماعت اسلامی میں غریب کا غلبہ ہے اور اس جماعت کے ذریعہ خیر پھیل رہا ہے اور دینی اقدار کی کو فروغ دے رہا ہے! جو کوئی اس جماعت کے درپے نہ آنا ہے اسے قیامت کے دن اپنے اس فعل کا اللہ تعالیٰ کو جواب دینا ہوگا۔

جماعت اسلامی میں اہل ایمان اپنی شخصیتوں کی حفاظت اور خود کے لئے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے دین کو غالب کرنے کے لئے شامل ہوتے ہیں، اس ماہ میں مٹ جانا قرآن کی سب سے بڑی کامیابی اور عین ترنا ہے، اس لئے وہ قصور و الجہان سے لے کر خالق ہوں تک کی پلنگہ اور جھلکی سے ہر اسالی نہیں ہوتے، ڈاکٹر اسرار احمد صاحب انسان کے احوال و احوال بھی ان حق پسند مظلوموں کے سینوں کو چھلکی کر کے اپنا گیمہ ٹھنڈا کر لیں! اس اپنے مزمور "فنتہ" کو مٹانے کے لئے بڑی جوشی کا نعرہ لگائیں! کون کہہ سکتا ہے کہ مستقبل میں اس کی شکست کا انجام کیا ہوگا۔ مگر جماعت اسلامی کسی خوف و لالچ و دباؤ، دھمکی اور سختی سے متاثر ہو کر اقامت دین کے شے سے دست بردار نہیں ہو سکتی، وہ اس شدید ابتلا میں اپنے اللہ تعالیٰ ہی کے حضور اپنا دکھ درد پیش کرتی — اور زبانِ حال کہتی ہے۔

بہ جرمِ عشقِ تیرا ام جی کشند غوغائیت
تو نیز بے سیرام آکہ خوش تماشا نیست

مکرمہ رحمہ دری

۲۶ فروری ۱۹۹۶ء

حکیم گلپیں کنالی

فاران کی تنقید پر تنقید

دوسرے نامان میں جناب حکیم گلپیں کنالی کی کتاب آداب اندوہ پر تبصرہ کیا گیا تھا، اس کے جواب میں حکیم صاحب موصوف نے جو تنقیدی مقالہ ارسال فرمایا ہے اسے ہم ان کے شکریہ کے ساتھ صریح ذیل کرتے ہیں !
حکیم صاحب کے ہر اعتراض کے بعد ہی ہم نے اپنا جواب بھی درج کر دیا ہے تاکہ افسوس کے ساتھ بات واضح ہوئی چلی جائے !
کس کی تنقید کیا وزن ہے اس کا فیصلہ ہم اہبابِ ذوق پر چھوڑتے ہیں۔ (۲۰-ن)

”آدابِ اندوہ پر آپ کی تنقید کے بعض پسندگرمناں حقیقت اس قدر غمخوار ہو کر حال میں مبتلا ہیں۔“

۱۱) اس کتاب کے چند اہباب — تلفظ کا معیار — آندوہ — تلفظ کی غلطیاں — غلط ترکیبیں — دندروہ محامدہ — کہاؤں — تمیں — مذکر و مؤنث بعض فعلوں کی نئی تفسیق — اصطلاح سازی — حالانکہ یہ اہباب نہیں، اہباب کی ذیلی سہیاں ہیں۔ اہباب کے نو مبرہتے تھے ہیں، ایک سے نو تک۔
”فان“ — گلپیں صاحب نے اپنی کتاب میں ”اہباب“ پر صرف مبرہتہ لکھا ہے، ان کے نام نہیں لکھے، ان مبرہتوں کے تحت ذیلی اہباب یا ان کے نمبر لکھے، مسبقین“ درج کر دی ہیں، اگر ان ”مترجمین“ کو ہم نے اہباب کہہ دیا، تو خدا کے لئے بتائیے کہ آپ پر ادب صرف پر اس سے کیا حرف لگایا جائے؟ اعتراض ہیں؟
وطن لومہن چاہئے۔

۱۲) ”مگر ان کے ذوقِ شعریں پر شکر گری ہیں نظر آتی کہ دبیر ادیب کے ان مصرعوں میں۔“

سہ فریاد میں حسین علیہ السلام ہوں و دبیر سہ مولانا نے سر جھکا کے کہا میں حسین ہوں (انہیں ۴) انہیں دبیر کا مصراع بہتر مبدوم ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ عدل نہیں بلکہ تمام اہبابِ ذوق کا یہ تنقید فیصد چکا نہیں کے مصراع یا پسے شکر کے مقابل میں دبیر کا مصراع یا شعر انہا کی پرست ہے۔ انہیں کا شعر۔

یہ تو ہمیں کہا کہ شہر مشرقین ہوں مولانا نے سر جھکا کے کہا میں حسین ہوں

”اگر کی ہوا ہے۔“ یہاں آپ نے ہمارے اعتراض کی تمام عبادت خفہ کر دی، شاید ایسا اعتراض کو صحیح ثابت کرنے کے لئے، جو ایک قسم کا تمانج ہے جس کی توقع آپ مجھے فاضل تدبیر و تشبہ سے الٹنے بچ کی سعادت سے بھی لانا ہے ہرگز نہیں ہو سکتی! ہم نے لکھا ہے۔

”ان میں دبیر کا مصراع بہتر ہے کیا یہ بات قابلِ غور ہے کہ علیہ السلام اپنے لئے حسین نے خود مستعمل نہیں کیا جبکہ مولانا نے سچا ہے، بلکہ انہوں نے تو یہ بے میں حسین ہوں“ گھٹ کر اعتراض یا وزن لپٹا کر لے کے علیہ السلام لکھ دیا، یعنی علیہ السلام کی تمام نقول سے مصراع ہوں لکھا جانے کا فرمایا۔
حسین علیہ السلام ہوں۔ انہیں کے مصراع میں سر جھکا کے معنی دست نہیں۔ یہ کہنے میں کہ ”حسین ہوں“ خروارے کی کیا بات تھی؟ اگر خود کہ علیہ السلام کہتے تو شرو

کی بات تھی، کیونکہ انسان اپنی قرین کریمہ و خرم محسوس کرتا ہے۔

اب فرمایا ہے: "اے اللہ کے بندے! مومنوں کے ساتھ حسنات ہیں۔ دیر کا صبر۔" فرمایا میں "میں ہوں بہت بوجھ ہے۔ میں کا پورا مشر بہت ہے، ہر وقت ہے کہ کوئی مسئلہ آتا ہے، پھر تو یہی، الفاظ کا پسنہ نہیں کہتا۔ پھر میں خدمت میں تشریف دیکھو کہ کب کھتے تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ اس شعر میں عزیت اور بہت ناقص ہے کہ وہ مدانی مخالف اور مخالف ہے اس لئے آپ علم کا ہی میں الجھ گئے۔

"فاران"۔ راقم الحروف نے اس حقیقت کا جو حصہ نہیں پڑا، کسی شخص کے قلب پر اعتراض کیا جاتا ہے تو اس کی وجہ از شرع کہ نہیں ہوتی بلکہ کسی کی طبیعت کی باتیں اور نفس کی باتیں کو ایک کتاب کی تفسیر کے لئے وسیلہ سمجھ کر ناگفتہ بہ ہونے کے، ان ایلی جماعت کے حنفی ہیں کہ چاہتے ہیں کہ نفس نہ کہنے سے حنفی کا صرف کرنا پڑا، اس کا اصل منشا خدمت بقوم کر رہا ہے۔ شافعیانیت کی تردید کرتے ہوئے میں نے لکھا تھا کہ "مرا فہم احمدیانی نے تو یہ نہیں کہا کہ میں ختم نہ کر کے تفسیر کا منکر ہوں، مگر اس کی دوری تفسیر میں اس کا اصل واصل سے ختم نہ کر کے اس کی طرح نفی ہوتی ہے۔" تو دوسروں کے آگے نہ آنا۔ الفرقان" دوسرے نے ہمارے سوال کو یہاں جو نفس کر کے ہماری تنگست کا اعلان کر دیا لیکن دیکھو کہ جماعت اور دوسرے ہیں کہ ہر اس بحث کا مرکزی نقطہ ہے دانش نفس نہیں کیا۔

بہت کتنا حقیقت کی بھی مثال میں جس جماعت کے حنفی دینے سے گھٹنے دالے کا مفہوم و منشا ہی بالکل الٹا ہے چاہے کہ جس صاحب کی ترجمہ کے حنفی کر دیتے ان کا مفہوم و منشا اور وہ نہیں ہوتا۔

گھنٹیں صاحب کی ترجمہ از شرع نفس کہہ کر میں نے ان کی شعری کا پردہ کھلیا تھا، اب جو ترجمہ ادب باب رفت کے ساتھ ہے اسے پڑھ کر صاحب برصغیر کی شعری کے بارے میں فکر شاید اچھی رائے قائم نہیں کریں گے۔
جناب گھنٹیں صاحب نے یہ کہ شعری عجیب و غریب ترجمہ کی ہے۔

"ان میں دیر کا صبر، بھر ہے، یہ بات قابل غور ہے کہ علیہ السلام اپنے لئے عین نے خود استعمال نہیں کیا، جب کہ مولانا نے بھی بے جا ہے، بلکہ انہوں نے کہا کہ "میں میں ہوں، گوشہ غور نے احرام یا مذہب پر ادا کرنے کے لئے۔" علیہ السلام کہ دیا، یعنی یہاں۔ علیہ السلام" ایک تمام نفس قوی ہے، صبر و بردباری لکھا جائے گا۔

فرمایا میں حسین علیہ السلام ہوں

مرا تیر کے اس صبر و بردباری میں حسین علیہ السلام ہوں، گو کہ یہ کسی شخص کا ذہن اس طرف کی منتقل ہو سکتا ہے کہ بات از عرف تھی کہ "یہ میں ہوں" علیہ السلام کو صرف احرام یا مذہب پر ادا کرنے کے لئے لکھا دیا ہے، کیا اس طرح صبر و صبر کا افسانہ یا مذہب میں لکھا ہے۔

فرمایا میں حسین علیہ السلام ہوں

اس طرح اللہ سے یہ مفہوم لینا چاہئے کہ جو ان الفاظ میں میں وہ شاعر نے احرام یا مذہب پر ادا کرنے کے لئے لکھا دیا ہے، اس کا اصل الفاظ میں جو تو میں ہے، ہر میں انفس کی کا آخر یہ کیا افسانہ ہے! حالانکہ صبر و اوقات و احواب "PUNERATIONS" کی پابندی کو کب تو یوں لکھا جائے گا۔

فرمایا میں حسین علیہ السلام ہوں

نویا کہ ان الفاظ میں کہے گئے ہیں وہ شاعر کے نہیں، کہنے والے کے ہیں!

یہ نفس کے شریعت میں عزیت نہیں ہر اعتبار سے مکمل ہے اسے شعر و صفت کا اصل ہی لپٹا رہا ہے اس شعری مدانی، مدنی اور نفسی تو خود نفس اندک تسلیم ہے جس میں ہر نفس کا ہر ایک بات کی ہر کچھ ہر کچھ کی ہے! یہ تو نہیں کہا کہ شریعت میں ہوں، ان الفاظ میں اس میں ام حسین کے نہیں ہیں، پھر اس میں یہ اعتراض کہ "کوئی مسئلہ نہ لکھتے تھے ایسے قرین الفاظ کا پسنہ نہیں کرتا!" اس شعر میں یہ تو لکھ کر عزت اعلیٰ نہ ہے

کشت مرنے پہلے مصرع میں حضرت حسین کے مرتبہ کی لغت و عظمت کا اس خوبی سے اظہار کیا ہے کہ دودھان و دھڑکنے لگتا ہے، دشمنوں کے کہتے ہیں کہ شہید ہیں وہ اپنا لغت ان دائمی غظروں میں کرنے کی بجائے بغیرت و انکسار کے آمنازیں، اس میں نہیں ہوں، کہہ کر دے گئے۔
 ”سر جھکانے پر حکیم صاحب نے جو اعتراض داند کیا ہے وہ بھی لغت نہیں ہے۔“ لفظ لغات جلد سوم میرے سامنے ہے اس کے صفحہ ۴۴ پر سر جھکانے کے یہ معنی لکھے ہیں۔

”سر جھکانا۔۔۔ سجدہ کرنا۔۔۔ انکسار کرنا۔۔۔ شرم یا غیرت سے گردن نیچی کرنا۔“
 اس مصرع میں ”شرم“ کی بجائے غیرت و انکسار کے معنی لے جائیں گے۔

”رومانے سر جھکا کے کہا میں حسین ہوں“

اس مصرع میں تاثرات کا ایک طوفان شہسوار نے بند کیا، ”سر جھکانے“ اگر حذف کر دیا جائے تو شعر کا بہت کچھ تلف فات ہر جگہ گا: اس شعر میں حضرت حسین علیہ السلام کے مرتبہ کی لغت، کس قدر ان کی عظمت اور بیکس کا جس خوبی سے اظہار کیا گیا ہے وہ حقیقت شاعری کی معراج ہے! اس واقعہ کا ایک مثال کے ذریعہ سمجھئے، ایک ہاتھ جس کا ”فیروزہ“ نام ہے اس کا اتفاق سے غلاموں کے کچل میں پھنس جاتا ہے، ایک غلام، بادشاہ سے چل پھرتا ہے کہ تم کوئی ہوں اس واقعہ کا ایک انشاد نگار ابن فطرون لکھتا ہے۔

”غلام کے دیوانہ کی طرح شہنشاہ کو دھاوا لگا کر لے آیا تو لڑیں چاہتے تھے کہ تم تو میرے گھر کے ٹکڑوں کے چھوٹے بھائی ہو
 اور شہنشاہی غلام ہو، میں تو تاج و تخت کا، کھٹک شہنشاہ وقت اور تہا نا قابو ہوں۔“ اس غلام نے کسی میں شہنشاہ کی زبان سے یہ نکلایا۔

”میں فیروزہ ہوں“

اور یہ کہتے ہوئے اس کا سر جھکا گیا۔

میرا تہی کے اس شعر کے بارے میں دلائل چوبی نہیں ملکتے، ہر اہل نقد اس شعر کو عظیم ہی کہے گا، مگر عجیب صاحب کی خوش فہمی اور گاید عالم ہے کہ اتنا اچھا شعر نہیں پالند ہے۔

”نام لانا پڑے گا، لفظ انصاف کے کہتے ہیں کہ عجیب صاحب کی جس عبارت کو ہم نے حذف کر دیا تھا، جس پر انہوں نے ”کتاب حقیقت“ کی طنز فرائی ہے، اس کو عجیب صاحب نے نفس کے اپنے مرتبہ کی مداخلت کی، یا اسے اندکروں کو دیا۔

(۳) ہم نے لکھا ہے کہ میرا کا مصرع ”دانش بھی ہے اور جنت بھی“ انیس کا مصرع ”دانی گداز میں ہے اس لئے دانی کم جہاد و افح بھی نہیں، پتہ نہیں چلتا کہ شاعر کیوں اسے کہنا چاہتا ہے؟۔۔۔ اس تمام عبارت کو حذف کر کے کتاب نے لکھا ہے ”دانی میں معاف“ اسے ”دانی ہی نہیں“ اس طرح ”اند میں کفن“ لکھا ہے کہ ”میں نے دنیا دیکھی تھی“ یا ”میں کل مات دیا میں معاف“ حالانکہ بڑی چال اور شعری زبان میں جواز فرق ہوتا ہے اگر کوئی شعر بدل چال کی زبان میں ہر جگہ لکھتا ہے ”سہل مقنع“ کہتے اور فریاد نہیں کہ ہر شعر سہل مقنع ہو۔

”ناظرین“۔۔۔ عجیب صاحب کی جو تعبیر ”راحم الخوف“ نے حذف کر دی تھی اس کو صاحب موصوف نے درج کر کے کیا فائدہ حاصل کیا؟، ٹیک بل چال کی زبان اور شعری زبان ہر ایک ایک نہیں ہوتی، مگر شعر میں جب بھی لفظ ”اند“ مانوس الفاظ آتے ہیں ان پر بھی اعتراض داند کیا جاتا ہے کہ یہ روبرو اندھ عام بدل چال کی ”زبان“ نہیں ہے، کوئی شاعر لکھتا ہے۔

”نکلا۔۔۔ کوئی لفظ بھی میرا سامنے ہے“

”زبان“ پر اعتراض کیا جائے گا کہ ”ان“ اندھ اندھ نہیں ہے، شاعر کو ان کی بجائے ”زبان“ لانا تھا۔۔۔ ٹیک اسی مصرع کا اعتراض میرا میرے

مصر پر نہیں آسکتا ہے! اس میں غلبہ ہوتا ہے، یہاں عام ہل چال ہے، "دیا" کوئی نہیں ہوتا، ہاں "تیسرہ" یا "بیسرہ" کے
یہی اثرات تو ہے کہ اس میں وہ ایسا لفظ دیا ہے، جس میں بڑی غزوات اور تکلف پایا جاتا ہے، اسلئے خیال میں انہوں نے ایک ہی وہ
دو لفظ "دیا" کا جنہیں عقلی کی صفت پیدا کی ہے۔

دیر کے بعد وہی "ہی" نہایت ہے، "اُنکا کہا کافی حاکم" دیا "میں بھی عین کو دیا کرتے ہیں۔" "ہی" سے واقفیت میں کس قدر جاننا
گیا۔ "اتیں کے بعد وہی" "عزت" ہے کہ لکھنے سے جو سدھانہ پیدا گیا، اس سے "بیسرہ" کا معرکہ کیسے جاری ہے۔ کہاں وہ تکلف اور یہاں وہ
انہی کے۔

دیا میں بھی عین کو دیا ہی کرتے ہیں

اس کا ہل یہ ہے تکلف اور اثر آفرین صرت کہ۔

صرت چکے غلاب میں بھی دیا کیجئے

سہل متھے کی یہ تعریف اس تعلیمت کیا تھو گھسے صاحب نے کی چہا مل خدہ کہ۔

"اگر کوئی شعر ہل چال کی زبان میں ہر جائے آئے سہل متھے کہتے ہیں، انہیں نہیں ہر شعر سہل متھے ہوتے

سیکھ لیں ہر لفظ آشنا ایسے ہی ہر لفظ ہل چال کی زبان میں ہیں، مگر وہ سہل متھے نہیں ہیں، شفا، توحید، ہدی کی غزل کا مسموع ہے۔

سہ جائے، جائے بس آپ سے کئی کردی

یہ شعر "ہل چال" کی زبان میں چھ تو کیا یہ سہل متھے بھی ہے!

معروف دہلی کا شعر ہے۔

آج تک اس کی لطافت کا سہرا پاؤں نہیں

اب تک اپنی کسی بات کا سہرا پاؤں نہیں

یہ "ہل چال" کا شعر ہے، اور گھسے صاحب کی تعریف کے لحاظ سے۔ سہل متھے "ہمنا چاہے حالانکہ ہل چال اس قدر دیکھتے ہیں کہ یہ ایک
شعر ہے۔

جہنم الدین عیش با لہو فیہ معروف شاعر ہیں ان کی غزل کا مطلع ہے۔

میری آن کی کوئی لڑائی ہے اب چلا جاؤں اب مضامی ہے

یہ ہے سہل متھے کی جیسے مثالی "اگر شکر" سہل متھے "کہا جاتا ہے، اس میں ہل چال کے علاوہ بھی دوسری خوب ہوتی ہے۔

(۱) آنکھوں میں پھرے اس قدر مردم کو خبر ہو رہی ہے کہ خبر سے کہ خبر ہو رہی ہے، "گھسے" کی یہ گنت تو صحیح ہے کہ مردم آنکھ
کا خبر ہوتی ہے اس خبر بہت دور کی چیز ہے۔ مگر شہنشاہ کے لئے مردم اس قدر کون ہوتا ہے؟ پھر خود کی یہ تعریف کہ اس کی تیر و دروہا کی کئی ایک انہی قسم کا
تعریف ہے؟

غلاب۔ اگر تیر و مردم کوئی نہیں ہوتا تو چک کو خبر کو لے لیتا ہے؟ پھر یہ خبر کا ہی نہیں خبر کا ہی نہیں لکھتا ہے۔ یہ دوسرا لفظی شعر ہے، "تیر و مردم" کا
کہ مدح میں، "تیر و خبر" کو اگر مدح میں نہیں لکھا تو کیا آپ کے خیال میں زمانہ ہونے چاہیے؟

"تیر و خبر"۔ "مردم" کے مقابلہ میں "خبر" اور "خبر" میں بکثرت استعمال کئے گئے ہیں۔ "مردم" خال، خال، صرف اعتبار سے بھی
"مردم" اس قدر لفظوں کے ساتھ اجنبی اور عجیب لگتا ہے کہ "خبر" یہ اجنبیت نہیں ہائی جاتی، "خبر" کی جگہ ہے مگر "مردم" "خبر" کا

دساندہ نے واحد بھی نظم کیا ہے، سراج الدین شاہ ظفر کا شعر ہے۔

جرم انک سے مژگان اگر اونچی نہیں ہوتی

تعب کیا کہ شاخ پر شہر اونچی نہیں ہوتی

جی یہ کہ کہتا کہ شعر کے تیر زمانہ یا مردانہ ہونے چاہئیں، یہ تو گھٹیں صاحب نے شعر کی فوجی بنائی ہے کہ دیر کے شعر کے تیر بھی مردانہ ہیں !

۱۵۔ علامہ شبلی پر گھٹیں صاحب کا یہ اعتراض کہ انیس دوسرے کے کام کا اعتبار کرنے میں وقت نظر سے کام نہیں لیا، یا یہ نہیں جاسکا، اہل فنق اصحاب نظم کے نزدیک کوئی وزن نہیں کھتا؛ شبلی کی شعر کی جیسی پرکھ سکتی ایسی پرکھ کر دنیا کے کشادہ چند ناقدین کو نصیب ہوتی ہوگی۔

جواب۔ یہ اہل فنق اندہ اہل نظم کی غلط کالت ہے اندر ہے، یہ تو انتہائی نوحی عقیدہ ہے کہ شبلی جیسی شعر کی پرکھ دنیا کے اندر بھی مشاہدہ ہو سکتی ہے، علامہ تاج رحیب آبادی کہتے ہیں کہ۔

”علامہ شبلی کہ وہ اظہار عاں اشعار صاحب میں تنقید کی حدود کا خیال نہیں رکھ سکتے تھے۔ کسی کے عاں بیان کہتے ہوئے

اپنے تاثر، شمار، معائنہ میں اپنی بیزاری کو چھپا نہیں سکتے“ اور: شبلی اور آزاد متوال کی بجائے اکثر جذبات کی تیز فہم سے کام لیتے ہیں حتیٰ اپنے ہنر کی کوئی نوت استعمال کے ساتھ ہونا اپنا جھل جاتا ہے اس آزاد و شبلی اس کے جذبات سے اپنی گراے کے جھانے ہانے کی سعی کرتے ہیں۔

فانان۔ علامہ تاج رحیب آبادی کہ اپنے ذوق اور فہم کے مطابق ہر ناقد اور مضمون نگار کے پاس سے نقد جوہر کا حق حاصل ہے، مگر علامہ شبلی کس فی کا ذوق شعری اس بارہ ذوق اس اہل نظم کی غالب اکثریت کے نزدیک مسلم ہے، اشعار فہم کے معادل میں وہ تنہا اپنی ذات سے لڑتی ایک امت کے برابر ہیں !

۱۶۔ مولانا آزاد نے چاروں جگہ شکایا کا امیج لکھا ہے۔ یہ چیز تو اچھے کبر پر کہ ذوق و وجدان سے تعلق رکھتی ہے، وہ شخص بنے ذوق ہے، ہونشیا کو جھل کی کسی حالت میں بھی سن سکتے لکھا اور لڑتا ہے۔ مشاہدہ تو بولتے اور لکھتے ہیں کہ ”پنکھا خواب بر گیا“ اس پنکھے کی قیمت سو روپے ہے، لیکن لڑا نہیں لڑیں گے

کہ انکھ کی قیمت دس روپے ہے، انکھا جھل کی ہر حالت میں انکی ہی لکھا اور لڑا جائے گا۔ یا ڈبچے کی رنگت سرخ ہے۔ اس کا تیس نکشیا نہیں کیا جاسکتا ہے۔ جواب۔ آپ نے شکایا، پنکھا، ڈبچا، انکھا سب کیساں انسان کے استعمال کو ذوق و وجدان کی چیز سمجھ لیا ہے، حالانکہ یہ استعمال کی چیز ہے جس

کے خلاف استعمال کرنا غلط ہوتا ہے۔ ڈبچا، انکھا کا لفظ ہر حال میں قائم رہتا ہے جیسے ڈبچا کو انکھا کو دیگر میں، مگر شکایا کو پنکھا کو غلط، سنکھنے کو پنکھ کو صحیح ہوگا۔ مگر یہ خیال۔ ہر شکایا ایک ہی نام ہے جسے طبیب ہی صحیح استعمال کر سکتے ہیں اساطیفا کا ہی استعمال ہے جو میں نے لکھا ہے، کسی دلی لکھنے

کے جیسے دیانت کریں یا کسی طبی کی نہیں دیکھیں، سنکھنے کا تیل، سنکھنے کی گولی لے گا، ہی حال ساندے کے تیل کا ہے، ایک طبی اصطلاح ہر آپ کا ایک جیسے اچھا ہرگز معتبر نہیں کہا جاسکتا، آپ سے بہت پہلے حکیم حبیب اشرف دہری بھرہ کہ چکے میں جو خاص اہل زبان ہیں چونکہ وہ سنکھنے کے استعمال سے واقف

ہیں اس لئے انہوں نے بھی ایسا، عطر ارض نہیں کیا جیسا آپ نے دھڑکھینا، اور یہ بھی نہیں سوچا کہ مقرر بھی ایک اہل زبان اند طبیب ہے۔

فانان۔ ہر جربہ ذریعہ انکشاف ہر اکہ اسد زبان میں۔ فن طب۔ کی گرامر، عام قواعد سے مختلف ہے۔ کہ قدر کی کڑی فائے میں، حکم صاحب اہل میں جیسے، مجھے اور جھگڑنے کی بات ہے، واقف اطراف سے لاپ کی قدیر سے بھی سمجھا تا کہ آپ اردو زبان و ادب پر ایک ادیب و

ناقد کی حیثیت سے گفتگو فرما رہے ہیں آپ کو وہ اہل حکم آزاد کی تحسیر پر گفت کہتے وقت اس کا اظہار کر دینا چاہئے تھا کہ اظہار ایسے وقتوں پر سنکھنے لڑتے ہیں ! اگر اہل واقعہ سنکھنے لڑتے ہیں تو جرم اس فعل میں ان کی تقلید نہیں کر سکتے، زبان و ادب کے مسائل میں طبیبوں کی خصوص زبان اور مصلحتات کے حکم پابند نہیں

ہیں اظہار کی جو زبان ماننے کے قابل ہو ان میں سے ایک ہے کہ اردو میں غلیظ۔ پہلے اندر میں کہتے ہیں مگر اظہار۔ غلیظ گڑھے کے سخی میں لڑتے ہیں اور لڑنے کے اصل معنی کو بفرار رکھتے ہیں؛ ساندے کی مثال گھٹیں صاحب بالکل غلط ہے جس طرح۔ کوٹنا سے۔ کوٹنا سے کوٹنا سے کوٹنا سے ساندے سے ساندے

سنا گیا ہے۔ ادیب مرد ہے، مگر سنکھیا سے۔ سنکھنے۔ اردو زبان نہیں ہے !



آزمودہ دواؤں کا مرکب انالجین



سرور - کمر کا درد - دانت کا درد
ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے

یقینی زود اثر اور بے ضرر علاج ہے

Spa: 44

01/69

سید عرف شاہ شیرازی
(ایم۔ اے)

دوشن مستقبل

صرف اسلام ہی کا ہے

مستقبل دین مضمون مرحوم شہید اسلام سید قطب کی کتاب "دوشن مستقبل اسی دین کا ہے" کے پہلے باب کا ترجمہ ہے! یہ کتاب بھی سید قطب کی جدید ترین کتابوں میں سے ایک ہے اور مختلف مضامین کا مجموعہ ہے ان تمام مضامین کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ دین اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے، سید قطب مرحوم ۱۹۵۵ء سے ۱۹۶۲ء تک پندرہ دس سال میں جس میں سب سے پہلے انہوں نے مولانا مودودی صاحب کی ترجمہ شدہ عربی کتابوں کا سلا لکھ دیا۔ اس دوران انہوں نے جو مضامین لکھے ہیں ان میں وہ مولانا سب سے بہت تاثر مند ہوتے ہیں جگہ جگہ مولانا کی کتابوں کے حوالے دیتے ہیں جو سیر شاہدینی اسلام اور اصطلاحات اطلاق فی القرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ شریعت اور احکام علی حدیث کی کتاب یا ذخیرہ اسلام ہاں یہ بھی جگہ جگہ حوالے نقل کرتے ہیں۔

(ترجمہ م)

اسلام ایک طریق زندگی ہے..... غرض زندگی..... ایک انسانی زندگی جس کے زوایاں صرف مذہبی ہیں، یہاں نظام ہے جو اس کا نظام کے وجود کے باعث ہے، ایک خاص انتظامیہ ہے جس سے اس کا نظام اس کی حیثیت کو سنبھالتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا نظام اس کے انسان کا منصوبہ بھی بناتا ہے، اس نظام میں ایک نامور غصہ، ایک خاص اجتماعیت ہے جس کے سوا اس کو اس تصور حیات سے بچھٹنے ہیں۔ انسان کا منصوبہ خدائی ہے، اس اجتماعیت کو عشق تجریدی جو پر نہیں بلکہ ایک ذاتی، خدائی انسانی زندگی کی صورت میں تلاش اور مجسمہ لگاتا ہے، ایک اخلاقی نظام ہے جس سے اس کے ہر حصہ کا اپنا دینا ہے جس سے یہ یوٹوٹا ہوا انسان کی رو بنیادیں بیان کرتا ہے جن پر وہ قائم ہوتا ہے، اس وقت کی زندگی کو لگتا ہے جس سے یہ نظام حیات رہتا ہے؛ وہ ایک اجتماعی نظام اس کی بنیادیں اور اس کے عین عزیمتیں فراہم کرتا ہے، وہ ایک انتظامی نظام اور اس کے ہر اسی نفاذ کے لئے مکمل صورت فراہم کرتا ہے، اس کا ایک بین الاقوامی قانون ہے جو باقاعدہ حاکمیت ہے، یہاں کو منصفیت کو لگتا ہے اور ہر انسان یہ ہے کہ اس دین کی مستقبل اپنی ہر ضرورتیں حیات سے ملے گا، ایک نظام حیات ہے، اس پر توفیق سے کہ اس کی تمام کے تمام عین عزیمتیں کو باہمی تبدیل اور مربوط رکھا جائے، انسان میں سے کسی کو ایک دوسرے سے جدا نہ کیا جائے، یہ عناصر جو حیات، انسانی خدائے شہدہ میں سرگرمیوں پر حاوی ہیں۔

یہ دین، اپنی اس حیثیت کے ساتھ ایک ایسا دین نہیں ہے جو محض ایک تجریدی اور وجدانی عقیدہ بھی ہو یا ایسے عبادت الہی کے متنازع اور مختلف کارناموں سے کوئی سروکار نہ ہو۔ اگر یہ بات مان لی جائے کہ کوئی دین ایسا بھی ہو سکتا ہے جو محض ایک عقیدہ اور عقائد ہو اور جسے الہ کی عملی زندگی سے کوئی سروکار نہ ہو، وہ پوجا پاؤں کے چند رسوم پر مشتمل ہو جس میں ممان، انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر ادا کیے جاتے ہوں اور وہ صرف اسلام سے موصوفہ ہو جاتے ہوں۔ یہ دین ایسا کوئی طریقہ ہے کہ جو صرف الہی الوہیت کا مظاہرہ ہے اور عالم آفریت میں جنت و عذاب تک پہنچاتا ہے، جبکہ اس کے بالمقابل یہاں کوئی اہل نظام عبادت الہی یا نظام عبادت الہی ایسے بھی موجود ہیں جو کہ ارض پر رحمت کو برحقہ کا مظاہرہ ہیں یا زندگی کے کسی حصے پر بھی جو جو ہیں جو اس دین اور اس کے احکام کی نظم کے علاوہ ہیں ؟

یہ دین اپنی اس خصوصیت اور اس غور میں اس قدر واضح ہے اور اس کی یہ حیثیت اس قدر عین و قوی ہے کہ کوئی ایسی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی جو اسے محض ایک وجدانی عقیدے کی شکل میں پیش کرے اور اس فی زندگی کے حقیقی عروج سے اس کا کوئی تعلق نہ ہے، زندگی کے موجودہ نظم و ربط سے اس کا کوئی ربط نہ ہو اور زندگی کی مربوط اور فعال شہینازی سے اسے کوئی رابطہ ہو نہ ایسی کوشش کامیاب ہو سکتی ہے جو اسے محض ایک ایسے عقیدے کی شکل میں پیش کرے جس کے صدیق آخرت میں جنت نصیب ہو اور وہ صرف اس عقیدے کے مطابق چند عبادتیں اور عبادتیں ادا کریں اور ایسی حقیقی اور عملی زندگی میں اس کے قوانین اس کے وضع کردہ طریقے اور زندگی کی اجتماعی تشکیل کا کوئی خیال نہ رکھیں، حالانکہ یہ دین ایک مغزوت اور اہل ایک مخصوص نظام رکھتا ہے۔ دنیا میں بہت سے مذاہب ہیں جن کا خیال ہے کہ وہ دین ہیں، حالانکہ "الہ" جو پوری زندگی کو محیط ہے، وہ بے شمار اور اس میں اس بات کا علم ہے کہ صدیقوں نے اسلام کو محض ایک وجدانی عقیدہ اور مذہبی رسوم و عبادت کے دائرہ سے کہہ دیا ہے کہ زندگی کے لئے زیر دست کوششیں ہیں، تاکہ اسے اجتماعی زندگی کے حقیقی نظام عبادت الہی میں داخل رہنے سے روک دیا جائے اور اس فی زندگی کی عملی تنظیم اور سرگرمیوں پر اسے جو وسیع کنٹرول حاصل ہے، اسے غم نہ کیا جائے۔ جبکہ اس دین کا مزاج ہے اور یہی اس کی حقیقت ہے اور یہی اس کا وظیفہ مطلوب ہے۔

مذاہب دین اسلام نے اس کوشش کی کہ اسلام کو محض ظاہری رسوم و عبادتوں کا دایرہ بنائے تاکہ اجتماعی معاملات میں وہ دخل انداز نہ کر سکے۔ اور زندگی کی اجتماعی حرکت پر اسلام کا تسلط باقی نہ رہے۔ یہ کوششیں جب کامیاب ہو گئیں اور لادینیت کے عظیم لیڈر ہمارے ملک کے افکار اس منحصرہ کی تکمیل ہوئی۔ نظم خلافت کو ختم کر دیا گیا، دین کو حکومت سے علیحدہ کر دیا گیا اور ترکی کو ایک خالص لادینی مملکت قرار دے دیا گیا اس کے بعد اسلامی دنیا کے ان ممالک میں جو اس میں راہ دین پیرویت کے قبضے میں آچکے تھے، مسلسل یہ کوشش کی گئی کہ اسلامی شریعت و احکام خداوندی نہ رہے اور اس کے ساتھ ساتھ بدلی قوانین سے بدل جائے، ان انتظامات کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی شریعت موجودہ حدود و دائرہ کے اندر بند ہو کر رہ گئی :

ترکی کے اس عظیم راجہ (ماہ نما کی زبردست کامیابی کے بعد) لادینیت نے دوسرا اور آخری قدم یہ اٹھایا کہ عالم اسلام میں — یا صحیح الفاظ میں اس منقطع زمین سے جو کبھی عالم اسلام تھا — اس دین کی جو شریعتیں تھیں انہیں ترک کر دینا اور دینی باتیں اور عقائد اور نظریات کے میدان سے بھی اسے نکال دیا جائے اور اس کی جگہ ایسے تصورات اور ایسے عقائد پھیلانے جائیں جو لوگوں کو زندگی کا ایک نیا تصور ایک نیا مفہم دے دے اور اسے اقدار و حدود پر آئیں اور اسلامی عقائد و نظریات کے خلاف ہو، یا حیات پر نہ ہو۔ . . . اور عقیدہ کہ اس سے جیسا کہ ہم نے ان تصورات عبادت الہی کے عقیدہ کہا تھا ہے۔

ان انتظامات کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ اگرچہ اس دین میں جو کہ اسلام اپنے عبادت الہی میں ختم کیا گیا، انہیں سخت مصائب میں مبتلا کیا گیا، مشرق و مغرب کے تمام ممالک ہلاک ہوئے، مشرق سے لے کر مغرب تک کی ایک بات یہ بھی سمجھ نہ سکتے تھے، اس کا بغیر میں اشرک کہتے تھے یہ تمام ملک ساری اسلامی انقلاب سے برابر گرفت زدہ رہے ؟ اور زندگی اور کائنات کے حقائق اور حالات کے مزاج کا لازمی نتیجہ مسلم دنیا کا تاریک و تاریک کی جو صورت حال تھی اس کا لازمی نتیجہ تھا، تھا مختلف مقامات سے اسلامی رجسٹر و رجسٹر۔

لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں دین اسلام ایک بڑی حقیقت ہے، وہ ایک بڑی طاقت ہے، اس کی گہری بڑی ہیں، یہ تمام کوششیں بھی اسے بڑے سے

تجزیہ کردہ نظام حیات کی طرف پلٹ رہے ہیں اور یہ کہ روشن مستقبل اب یقیناً اس دین کا ہے۔

اب اس یقین ہے کہ اس دین کو اپنے حقیقی مقام سے ہٹانے کی جو کوششیں کی گئی ہیں یا کی جانے والی ہیں وہ تمام کی تمام بری طرز کا کام ہوں گی اس ناکامی اور نامرادی کے آثار ظاہر ہر جہ ہیں، اس کا حقیقی مقام کہا ہے؟ یہ کہ وہ انسان کی واقعی زندگی آئے، اس تمام عملی اور شعری شعبوں میں، ایک نظام حیات ہے۔

کیونکہ ایک طرف ہرگز گمشدہ لٹینی اختیار کر لیتا اس دین کے مزاج کے خلاف ہے یہاں کہ کوئی نظام حیات جو واقعی زندگی سے کم بے تعلق نہیں رہا کرتا۔ !

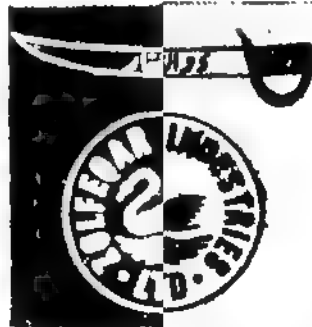
سوان برانڈ صابن

آپ ضرور پسند فرمائیں گے یہ صابن
ستھتے اور راج کچے دھوئے

SWAN



سوان



THAYER

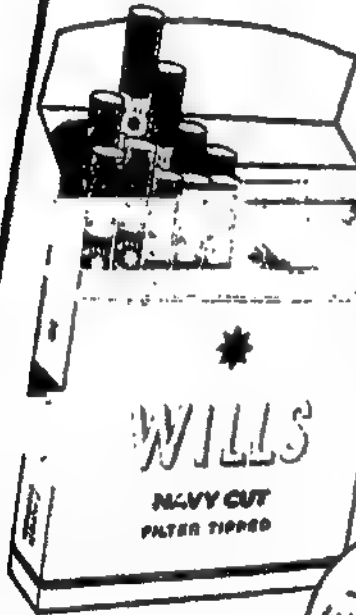
ہے ان مصنوعات کو افست ارند سیریز لیس

نورنگہ

۳۴

نارنگہ

ویلز فلیٹ ٹیپڈ



آپ کے لئے صرف اعلیٰ درجہ کی
 ویلز فلیٹ ٹیپڈ
 یہ ویلز فلیٹ ٹیپڈ جیٹ
 چنا کرتے ہیں۔ یہ سگریٹ اپنی
 معیار کی بہترین بنیاد پر
 تیار کی گئی ہے۔ آپ کے
 سگریٹ آپ کی سلیفٹ اور
 محنت کی نشانی ہیں۔

محترمہ ویلز فلیٹ ٹیپڈ
 سگریٹ آپ کی سلیفٹ اور
 محنت کی نشانی ہیں۔

PARLOR TOBACCO COMPANY LIMITED, SUCCESSORS TO W.D. & H.O. WILLS, BRISTOL & LONDON

مولانا محمد مصطفیٰ علی گڑھ

اللَّهُ نُورٌ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِثْلُ نَوْرٍ

كَمَشْكَالَةٍ فِيهَا مِصْبَاحُ الْمِصْبَاحِ فِي نِجَاحَةِ الزَّجَاجَةِ
كَانَهَا كَوَكَبٌ رَأَى يُوقِدُ مِنْ شَجَرَةٍ مَبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةَ
وَلَا غَرْبِيَّةَ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارُ نَوْرٍ عَلَى كَوْنِ
يَهْدِي اللَّهُ لِلنَّوْرِ مَنْ يَشَاءُ وَلِيضْرَبَ اللَّهُ الْإِمْتَثَالَ لِلنَّاسِ
وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

ترجمہ: خدا آسمانوں اور زمین کے لئے باغیچہ ہے جس کے نور کی مثال اس طرح ہے کہ ایک باغیچہ ہے جس میں چولہا ہے، چولہا ایک فانوس (جیسی) میں ہے جو کہ ایک بہت روشن شے ہے، چولہا ایک کچھڑا ہے جس میں زیتون کے درخت کی شاخ ہے اور مشرق میں ہے اور مغرب میں ہے اور روشن کیا جاتا ہے اس کا روشن ایک معلوم ہوتا ہے کہ آگ بھی چھوٹے تر بجراک آگٹھو، نور علی نور ہے، انشاء دیتا ہے اپنے نور کی جانب میں کو چھوٹا ہے اور مسند شایوں لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے اللہ اللہ چھوڑے سے نور کا واقعہ ہے،

اس نورانی میں بتایا گیا ہے کہ ملاحی ایمان و معرفت اور آیات و بیانات نہایت ظاہر و باہر ہیں۔ تاہم ہدایت شیعہ الہی پر مبنی ہے۔ نور انجانی ذات پر ظہور ہے، اپنے فکر کا مظہر ہوتا ہے اور جو عدم سے وہی نسبت رکھتا ہے جو ظہور خفا ہے جو کہ تمام عالم امکان پر حضرت صاحب الامور و فیضان نور و جود ہے اس لئے فرمایا اللہ نور السموات والارض اور منشا یہ بھی معلوم ہوا کہ یہی سموات کو کواکب و سیارات سے، زمین کو انبیا و صلحا و علماء اور لب تن دیا میں سے اور قلوب بر زمین کو لامر ایمان و طاعت و اخلاق و معادرت سے منور کرتے ہیں اور اس لئے ظہور ہو کر سب ہدایت ہوتا ہے اس لئے دلی مصلحت بھی دبی ہے۔

مرد عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب بایں کیا جو دعا کی ہے کہ اس سے میرے اللہ میرے سامعین، باہو میں میرے گونہ پرست ہیں۔ نور پیدا کیجئے اس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ واجل فی نور یعنی مجھے جسم نور جسم ہدایت بنا دیجئے،

مرداؤ فرماتے ہیں صحت نور جانان اگر نبو و سے راہبر ہیں چوگونہ پیش و پس وادم خبر نور او دیکھن وایں تخت و فوق بر سر و بر گردن مستحق

ہی گریا کوشن بھرا جاتا ہے اور آگ سے جس پر ہے تو نہ دلی اور نہ جانے کاحرہ ایمان کا دل جرات خور ایک لمحہ جب اس سے جذبہ تقییل احکام الہی کی آگ نہ ختم ہو جاتی ہے تو عزم عمل کھلنے کے ساتھ نافرمانی دل کر کے طغیت سے الف بنا دیتی ہے یعنی توڑ دیتی ہے۔ (دعا ۱) ایک مقام پر فرما رہا ہے: انا سے بھی تیری نفساں پالے ؟

یہاں یہ گنتہ بھی پیش نظر ہے کہ ہر طرح سے معیار کا ظرف تبدیل کا ظرف مشکاک ہے اس طرح عقل کا مقصدہ نبیل اور نبیل کا مقصدہ
تہ صمدہ ہے۔

میں ہمدی اللہ! انہوں نے من لیتا، اب اسٹوڈنٹ ہے کہ فلائر کو روکنا چاہیے، آف تو بھی انہی میں، لیکن اہم ہر بات ہماری شہیت کی ہے، مانتے ہیں جیسے جو پتھر ہیں، پتھر کو بھی لٹا نہیں، لہذا تمام دنیا کے علماء اور محققوں کا سنگ واحد ہوتا ہے کہ یہ ایک حق واحد ہے، حالانکہ ان میں اختلافات بھی ہیں۔

وَلْيُصِيبِ اللَّهُ الْإِسْلَامَ وَالْأُمَّةَ كُلَّهَا فِي النَّارِ بِمَا كَفَرُوا بِهِمْ وَأُولَئِكَ الْأَشْقَىٰ

اور یہی وہ شخص ہے جو کہ مضمون مذکورہ بالا پیش کیے ہیں اور یہاں تک کہ اس نے اعلان کیا کہ اس نے ریگفت میں ہم لوگوں کے نام سے کہنے بیان کیے ہیں کہ وہ غلط فہم کرے اور اس شخص تک پہنچے کہ اس نے اس سے ملو نہ ملے، اللہ سے معلوم ہو گا کہ قسم میں اس نے کون کی جانب دولت دی تھی نہ خوار و محزون ہمیں یا کافر و حدیثی ہوں یا تہذیبی اور کسی کی وہم و گمان میں نہ رہنا چاہئے کہ ان قرآنی ضرب الامثال میں کچھ حادی یا نقص ہے، کہیں کو ان کا بیان نہ کرنے والا تو تمام خودی و ذہنی، ظاہری و باطنی، اور کے عقائد و اعمال و صفات مشترک و دینوں سے بغلی واقف ہے۔ اس لئے جو کچھ ارشاد دیتا ہے اس میں اس طبیعت و پیش کے ارکان میں پوری تطبیق کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔

سہارن پور کا انگریز صدر کا ان اہم ترین کام ان کے ذمہ داری کا بیان اور اس کے علاوہ ہے۔ (صفحہ ۲)

قدرت کاملہ نے موسم سوا کو

انسان جسم کی حفاظت کے لئے شدہ قوت کی بجائے مافی اقصیٰ اور طبیعت کی استقامت کیلئے مخصوص ہے۔

باب اول

آپ کی قسم کی گواہی سن کر کہتے ہیں کہ اس موقع میں ہفتیاں ہفتوں اور کسی معاملے سے
مناسبتہ اٹھائی۔ اگر آپ باتا تو صحت سے خارج کرنا چاہیں تو

ہاتھ بھرجاںسےماتیں جس کی بھگوانی بھروہ روست پاکستان کے نام پرطبیب مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفی لکھتے ہیں

میر و نہایت کے مرتضیٰ مختص ہاں لکھ کر مفت منشاء حاصل کریں یا سائنس امر طلبہ فرماتیں۔

مطب اشرف اشرف منزل نوح مسجد جناح ، دہلی لائن پورہ

آبر القادی

پایہ فغان

واحد بخش قادری مرحوم

بلیوں میں ایک خاندان ہے جس کے افراد "جوش" کہلاتے ہیں، "جوش" کو قیادت قید یا قوم نہیں ہے، بلکہ تین پشتوں سے اس خاندان میں "جوش" ہر قسم کے نام کا جزو ہوتا ہے، مثلاً رحمان جوش، مستدرج جوش، غریب جوش — اس گونے کے لوگ تعلیم پانستہ ہونے کے ساتھ خوش حال بھی رہے ہیں !

باید کہ اس خاندان کے ایک رکن غور بخش بلوچ خیر میں مختار تھے، یہاں سے ساتھ تیرہاں پہلے کی بات ہے اس دینیہ میں انہوں نے بڑا کام سید کیا اور انہم کے ساتھ دولت بھی، انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی شاقی خٹن کو روایت بیرک شری کی تعلیم کے لئے بھیجا، اس زمانہ میں بیرک شری کے لئے غالباً ایک گھر بھی قیام تھی انگریز کے ڈل پاس انگلستان ہاتھ اور وہاں ابتدائی امتحان (1840ء) میں کامیاب ہو کر بیرک شری کی تعلیم حاصل کرتے اور دو تین سال میں بیرک شری کی سند لے کر ہندوستان پہلے آتے۔

مذاق بخش مرحوم نے بھی اسی طرح سیرت شری کی سند حاصل کی اور اننگسٹن سے واپس آکر علی گڑھ میں دکنات کا آغاز کیا، وہ بہت زمین تلاش نصیب اور قابل مند تھے۔ دو تین سال میں ہی ان کی پرکیشی خوب چمک اٹھی، اداوان کا شمار ضلع کے نامور دکناء میں ہونے لگا، سرتقیال احمد مرحوم، جو تلہ آباد آقا کوٹ کے چیف جسٹس بھی تھے، مذاق بخش مرحوم کے وزیر وکیل اداوان کے تہیت یافتہ تھے، اس خاندان کے کئی افراد باپوں کے مشہور قاضی خاندان سے سلسلہ عیت رکھتے تھے، اس نے قاضی کہلاتے تھے، مذاق بخش آری، قاضی (R. B. QADRI) کے نام کے مشہور تھے! مذاق بخش قاضی کا بھر علی گڑھ میں نہیں، لڑائی کے کئی سکولوں میں شہر ہونے لگا، انہوں نے ہوائی بیچ کے جائیداد خریدی، علی گڑھ اور ہاپوں میں شاندار کوشیاں بنائیں۔ متحدہ سندھستان میں تک عمارات کا جن دونوں زعمہ شہر تھا ان کا نشانہ کی بات ہے کہ قوم پرستوں نے انھیں دشمنی کے جوڑ میں، چور چوری پس کوششیں کرنا لگا، لگا کرتے تھے کہ سپاہیوں کو زندہ جلا دیا۔ جلا جوری کے اس شہر متحدہ کی پیروی سرکار کی طرف سے انھیں قاضی پرستوں نے جن میں انہیں ایک واقعہ ہے کہ ملک جنگ مختار نہ لای۔ اور مذاق بخش ان کا انتقام ہو گیا۔ یہ سرتقیال کی بات ہے، ان دونوں

ملا ملا افضل، مولیٰ بالائی، مہاراجت کی مدینہ خاصہ شہرت رکھتے تھے، انہیں نے توحید و معرفت کے راہ میں گویا دنیا کو گھٹنے سے پہلے کی آنکھوں پر ملا ملا عجب عطا کردہ باری نے
تھکا دیا، ان کے صاحبزادوں، صاحبزادہ ملا تاج الدین، ملا تاج علی، ملا تاج علی بالائی سے سرگرم تھے، ان کا خاص شہرت ہوئی، جب مولیٰ کی عمر عالم سادہ شریف میں، ان کے تین بھائی صاحب
مولا محمد علی، بدر بالائی، فروغ عالم، اکیس خان و سید حسن قاسم، مولیٰ کی بیٹی، بیٹی باغی، اکیس خان کے ایک فرزند کے عالم دینی، بدر علی، عزیز علی، سید شہزادہ دینیات کے بچے
سید علی، مولیٰ علی، استاد تاج الدین تھے۔

لوں کا کشمیں پڑتا تھا۔ سب کے اچھے طرح یاد رکھ کر ہمارے لڑائی میں تادیب کر سکیں گے۔ ان خیال کا خاصہ جو چاہتا تھا۔ انہوں نے تین بیٹے چھوڑے، جو ان کا خیر و راجہ بنیں، وادہ بنیں، ان سب کے ناموں کے ساتھ شروع ہی ہے۔ تادیب لکھا جاتا تھا۔

۱۹۲۵ء میں زخمِ طرقت جب سب سے پہلے بالائی گیا، تو درسد قادیہ کے ساتھ قادی نزل میں ان بھائیوں کو دوسرے دیکھا۔ بھیر بھائی
میرا ناخانا ہوتا اور وہ ان کو کئی مہینہ قیام کیا۔ اور ان کو شادی میرے ہم عمر تھے۔ ان سے خاصی بد نظمی ہو گئی تھی، اور ان کی عمر بہت
گھٹا سال کی ہوگی، بھیر بھائی، حنفی فاضل، کھنڈ ہزارنگ، اسد علیہ عزیز، انکے دوست، اسد قادیہ کے عہد میں ہم کرکٹ کھیلا کرتے تھے۔ اسد کوٹلی کا
بھائی کھٹو سے چوڑے کے چہرے کس سے کام لیتے، اور ان کو اس کم سن ہی خاصی تیز بولنگ کہتے اس کی ٹیس میں کوٹلی جی سے جیتے دیتے۔

حیدر آباد دکن جانے کے بعد میلا وطن ہر سال آتا جانا رہتا، جس کو کہہ لیتے ہی میں چڑتا تھا، کئی بار - اپنا قادیسیس کے یہیں طہیر نے اتفاق ہوا خوش حال گھرانا، رہنے کہنے کا انداز امریدہ، کئی کئی لوگ اور ماہی، آئے دن یہ فیسیسوں، بڑی کلاسوں کے ممتاز طلبہ - ایسا ہر سے آتا۔ ہوتے ہیں لڑکی دھوئی ہرقی رہتیں، ہوا و گشت و جمع نے مدینہ ہار میر سے غنچہ پانڈیوں کا اہتمام کیا، وہ شعر کا بڑا اچھا ذوق رکھتے تھے، یہ شعر میں نے ان کی نہایت سے سب سے پہلی یاد رہا۔

مجھے زہر ہے عجب رسانی میں پینا

۲۰ رکھا ہے ساغر، یہ رکھا ہے مینا

جائے پیش پہنچے سے دوسرے مریض تھے، ایک بار ڈاکٹر فریڈالہ الدین کے ساتھ ایسٹونیا میں ڈاکٹر سٹراہل کے عہد کی ہمراہی میں، ہسپتال بخشتہ قابو سے رجوع نہ انہیں علاج کے لئے انگلستان بھیجا، مگر مریض کو بس قوتِ افتادہ ہو کر رہ گیا۔ شاید وہاں ہی عہد کی وجہ سے انہوں نے شہر کی طبی کی، یہ مریض بالآخر ان میں ثابت ہوا۔

جہاں جیل مرحوم کے دو نوٹھیائی داماد بخش اور داماد بخش جہاں کے زمین نگار اسی طرح واپس اور تسمیر و خطابت کی بدولت مسلم لاپرواہی کی فوجیہ کے صدر منتخب ہوئے۔ پاکستان بننے سے خالفا چاہتے ہی پہلے ہم اے کہ خٹک کے بعد داماد بخش کا داماد زمین علی سروس ہیں سے لئے گئے انسان کی تعین کی صورت میں گلی میں ہوتی اور اس ٹھاکہ میں خواجہ غلام الدین کے زندان میں ان کی شادی ہو گئی۔

جس بلند سحر و جہی مرحوم نے دیکھی، غرض شہنشاہی، دیانت دہلی اور ساتھ ہی برہمنی قابلیت اور سچے بھروسے کے ساتھ انہوں نے اپنے غرور
انجام دے، ڈیڑھ دو سال میں عرصہ میں پرگہ وزیر اعظم پاکستان کے سکریٹری کی حیثیت سے اُن کا کراچی میں بھی رہنا ہوا، اس سفر میں کئی بار
اُن کے بنگلہ رشتہ رازداری خلیں، اور شاہدوں کے جھگڑے تھے۔ ایک بار حضرت جگر مراد آبادی کے اعزاز میں دولت دی۔

۱۹۵۷ء میں جس سال تمام الحروف کو جوین خریفین کی زیادت کی سعادت حاصل ہوئی ہے، اسی سال دارالخیش قادیان مرحوم گو پاکستان کے فیہر اعظم کی محبت میں اسی سعادت سے بہرہ مند ہونے کا موقع ملا۔ حج کے دنوں میں مٹا میں مسجد حنیف کے پاس اُن سے اتفاقاً ملے۔ پیدائشات جو گئی۔ ہوشیاری میں آئے اور پلاس کا سپاہی راجس لئے ہوئے باؤ کی گاڑی کی حیثیت سے اُن کے ساتھ تھا جس نے بہار پرہ متاد ہے جہاں خود انہی اصل اللہ علیہ وسلم کا میر نصیب ہوا تھا۔ یسین کن کن کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھری گئی تھی! حرم نے اُن کی فابری شخصیت اور عجبائی غصہ صوفی کو اسے نمایاں کر دیا تھا۔

اب سچن۔ او پہلے گزیریں کہے، مازیں آئے، بیان کے شہر استادیار عنایتی اچھا احمد دینا، فی رحمۃ اللہ علیہ کے لائق بہتہ آئیں احمد

تسلیم مہمانی نے راولپنڈی کے مسافر سے واپس لے لیا کہ سرور و بخشش تو وہی ہے تم سے ملنے کا بے حد اشتیاق ظاہر کیا، انہوں نے ناگہم کر دی
چھوٹے تارکوں میں یو پ کے سرکاری عہدے سے واپس کراچی پہنچ رہا ہوں، ایرلیٹ پر باہر سے کہنا کہ وہ مجھ سے غرض دل میں اس
مقدمہ تاریخ پر مہمانی آؤ گے پھر پنا تو یہ لگا کہ جب دکھائے ہوئے آدھ گھنٹہ سے بھی زیادہ ہو گیا، ایک صاحب نے مہمانی کی کمرسٹنری
کے اہلکار کے ریلے آؤس ٹریفک لے گئے ہیں۔ وہاں پہنچا تو دیکھتے ہی بغل گیر ہو گئے انہوں نے کہا کہ یہ دیکھ کر دل نے غلش
عمر کی کہ کھنگھلی اٹھنے لگا۔ ان کی صحت کے احوال کو چچا نہیں سکی، تھوڑی دیر میں کافی آگے و کافی پیچھے میں بے تکلفی کی گفتگو کرتی رہی
اور ان کے کئی غرضیں مجھ سے سنیں، بڑی جنت کے انداز میں بٹھے ماہر صوفی! دل میں بھرا، آپ چند ہی آئیے، میرے یہاں قیام کیجئے، بس پھر
چھ دن ہی بھر کے آپ کا کلام سنیں گے۔ اتنے میں کراچی پر نہ تو کے وائس چانسلر انڈیا کے اشتیاق میں قریشی ان سے ملنے کے لئے آگئے اور میں
ٹانگہ پر چھین صاف پانی کے ساتھ ان کی کار میں شہر چلا آیا۔

یہ اتفاق نہیں مگر اتفاق تھا کہ جن دلوں کو اشتیاق حسین قریشی کی عازمت کی وسیع کا مستند پیر محمد تھا، وہ بخشش قادری جیسا
خریف النفس، قلم کش اس ادب پر قابل محکمہ تعلیمات کا سربراہ تھا۔

لاہور میں قادری نے پاکستان میں کتنی بہت سی حکومتیں دیکھی تھیں، سرکاری عہدے دار کی حیثیت سے وہ ہر حکومت کے عہدار رہے مگر
ان کی کمزوریوں سے بھی واقف تھے اور ان کو تباہیوں پر ان کا دل کڑھتا تھا۔ پاکستان میں صحیح معنی میں اسلامی حکومت کا قیام، ان کی سب سے بڑی تمنا اور
عشق صرف ان کی سب سے بڑی وہ گراں قدر متاع تھی، صوم و صلوات کے پابند، کلب گھوڑی کی زندگی سے نفرا اور اس قسم کی تمام نظریاتوں سے گریزاں، نیکی
اور جبروت کی ہر تہذیب کا رجمان تھا، فطرتاً خیر پسند، انفرادی نفس۔ صاحب کے دار اور اہل دل اپنی عازمت اور عہدے کے کسی قسم کا
کوئی آجائز نہ رہے نہیں اٹھایا، پاکستان کے دن اُس دن ملت پھری گئے جب کہ سیرل پر بہت سے "واحد بخش" نظر آئیں گے، اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر
اپنی رحمت کے پہلی بھارت! (آمین)

میاں محمد شفیع مرحوم

مجھے پاکستان آئے ہوئے تین سال تھے تین مہینے ہوئے تھے کہ شوالہ کے دوسرے ہفتہ ملتان سے ایک من عرس کا دعوت نامہ آیا مہمان
جانے کا یہ پہلا حرکت تھا، مٹ خیر کے صدر ت مسرتی حسن دی دایں۔ پی ایم نے فراموشی، جو ان دنوں ملتان کے کسٹریکٹ، سر محمد عبدالقیل ذیل عظم
کہہ تھوڑے صاحب زادے میاں محمد رفیع صاحب فزونیہ ٹیٹس کے مال ان تھے، انہی کی کوٹھی میں ٹھہرا ہوا اندیشہ میاں محمد شفیع مرحوم تھے، سہمی
ہاں میاں صاحب ہوا، ان کی پہلی مسکراہٹ ہی نے دل سے لیا، میاں صاحب ان دنوں ملتان میں ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج تھے، انہی عہدے والوں
کی فوج اور محبت و تہذیب کی بدولت انہم اطراف کی ہفتہ ایک غریبوں کے سلسلہ میں ملتان میں مقیم رہا، صاحب دہلوی مرحوم کی رعایت نے اس قیام
اور عجیب شغلہ کر گوارا بنا دیا!

دفتری کام کے سلسلہ میں پہلی بار عدالت میں پہنچا، تو لوگوں کا خاصہ حیرت تھا، میاں محمد شفیع صاحب نے مجھے دیکھتے ہی عدالت کے دواں
ہم اپنے قریب کر کے پرستار کیا، میاں صاحب کی فائز اور محبت اپنی جگہ مسلم مگر تمام دوسرے لوگوں کو عدالت کے کمرے میں کھڑا دیکھ کر، میں دل
ہی دل میں عجیب سی محنت محسوس کرتا تھا، اسی حیرت میں قابل غلاؤٹھی بھی درخواست لے کر کھڑے ہوئے تھے، میں تعذر ان سے نہ کیا، بچا تھا!

میاں صاحب مرحوم سے ملتان میں ملاقاتیں ہوتی رہیں، ایک بار وہ ملنے کے لئے نواز شریف ملے آئے اور زیادہ طور کے پھاٹک کے
ساتھ بھی ہوئی کھڑی جا رہی تھی، گئے، ادا محبت کے لیے میں مجھے باہر سے کہہ کر گشتکار آغا دفرایا، میں چند ماہ کے بعد استحقاق پر کراچی چلا آیا

پھر ملتان، پانچ، چھ، آبا و اجداد لائق تھے۔ یہاں صاحب مرحوم سے مشاعرے کی بدولت تہذیب حاصل ہوتا رہا۔ شریعت عربی سے انہیں علمی نہیں غیر
معمولی شغف تھا، کسی مقام پر چھپے پیمانے پر شیعہ عقاید کو تو سرکاری دوسرے کی دیکھنا نہیں مقصد کرتے، ایک کرشمہ دکھا کر سرکاری مخالف بھی
انجام دے دیتے اور عوام بھی سن لیا!

خلیفہ کعبہ کی تیار سی اور اس کی نمائش کے سلسلہ میں جماعت اسلامی کے مرکزی دفتر میں بینک بورڈ ہی تھی یہاں صاحب ان دنوں آمد
کے ڈپٹی کمشنر تھے، ان کی مشعرے سے جا ملی میں لاہور ملتا تھا، اور مولانا سید ابوالکلام علی مدظلہ صاحب کے جلسے کے آنے کے یہاں پہنچا، مولانا معروف
نے اس بینک میں مجھے بلایا، اس اجلاس کی کاروائی میرے پر پڑنے کے چند منٹ بعد ختم ہو گئی۔ چاہتے تو تھی ہوتی اس کے ان میں نے حاضرین کے اصرار پر
دو تین اجنبی غریب سات ہیں، پھر یہاں خوشیوں صاحب اپنی کار میں مجھے لے کر امانہ اسلامیات تشریف لے آئے اور بہت دیر تک وہاں حضرت مولانا
منیر محمد شیعہ مغلطہ سے تباہ دلیغیات فرماتے رہے، ڈپٹی کمشنر اور اسی دور کے قاضی جلیل الدین اس طرح بے لگنی کے ساتھ ڈاکٹر کو یہاں جا کر بیٹھا
کرتے ہیں، ان قسم اطراف کے علاوہ امانہ اسلامیات کے مالک مرکزی محمد زکی صاحب کہتی سے یہاں صاحب کے قصائد، مطالب و مزاحم تھے، یہی لکھتے
انہیں دلی سے آیا، علماء دین سے رابطہ مضبوط اور ان کے غیر مستند اور اداوارے کہتے مرنے تک جانا، سب سے ان کی یہی ادا اور دشمن پسندیدہ نہیں
کبھی گئی اور مشکل ہی سے ایک سال ہمارا ہوا کہ اس جہد سے سنان کا تباہ ہو گیا۔

میں محمد شیعہ مرحوم سے میری آخری ملاقات گزشتہ سال اپریل کے مہینہ میں ہوئی، میں مختصراً یاد آنا دیکھنے سے وہاں ہوا اور صاحب سہول اپنے
بہن بھائی اور عزیز دست ملا، کبھی کی صحبت میں یہاں صاحب کے ٹھکانے پر پہنچا، شغف کاظمی صاحب بھی اتفاق سے امانہ اسلامیات تشریف لے آئے
وہ بھی ہمارے تھے چہ سے کائنات کے ساتھ تواضع کی گئی، پھر ہم غریب نے ان کی فروکش پرنسٹن سائنس، مانا محمد ظفر اللہ خاں صاحب دکان پہلے
سے تشریف فرما تھے، اتنے ہی بونہالانہی ہونے لگی، اس منظر شہر و من کے اس دھول کو اور دنیا دہ کیف ابھار دیا۔

یہاں صاحب نے فرمایا کہ میں پیدل چل رہا ہوں، تو میں صدمہ جاتا ہے اور سبک چھوڑ کر آگے میں گفت سے غور کرتا ہوں، مامراؤ، اگر کچھ کوئی غن
کرے، ڈاکٹر دہلوی صاحب اس قسم کے دوا علاج، معاملہ کرتے ہیں، ڈاکٹر صاحب کے یہاں طبی فون دیا گیا، مگر اس دن شاید موسم کی غول کی
وجہ سے ان صاف نہ تھی، کئی بار کی پیش کیا دوا، بات نہ ہوئی، ایساں صاحب نے فرمایا کہ آپ ڈاکٹر صاحب سے اس معاملہ میں بات چیت کر کے مطلع
جواب دیں کیا وہ تاحمد تشریف لے جاتے ہیں یا مجھے کچھ آنا پڑے گا۔ میں نے آگے ہی ڈاکٹر صاحب کے گفتگو کی، انہوں نے فرمایا کہ دونوں صورتیں ممکن
ہیں، جو کچھ ڈاکٹر صاحب کے کہا تھا میں نے بھی نہ کی کبھی صاحب کو کھڑا کر دیا، وہاں کے بولن کا خط ڈاکٹر صاحب کو دیا گیا، تاہم کچھ پہنچے ہیں، ان کی کھانا
بڑی چھٹی کے ساتھ شہر، ڈاکٹر تشریف نہیں لے تے، ڈاکٹر صاحب بھی بیمار ہو چکے، چند مگر چھوڑ دیا، دوا علاج کی غرض سے لڑت چلے گئے، اس دن پستان میں ان
کے انتقال کی جرحاں صدیاں بڑھی، مرض بفاہر کوئی ایسا تکلیف دہ تھا اسے (ملائشنگ تھا، خودی سے پیو کے رنگ چھل میں ان کی تہیز کو فائدہ ہی ہے چھپنے تک ہر
تاکید نہ پھر خود بخود جاتی رہی، اگر موت کوک کہا نہ جاتے، ہر وقت میں جان کہتے تھے، لیکن یہ وہ ایک خط کہتے ہیں، اور وہ سے دھڑکیں ہلکتی۔

یہاں فریقین نظر تھیں، اسلافیت، دست و پاؤں، ہمت تھا، دفعہ دہشتا، انہیں کچھ گفتگو طبعی صورت شریعہ، افسوس کہ طرح تیز، میں بھی انگریزوں کا ساتھ
اصناف و محبت کے میں صاحب مرحوم اور اصناف پسند، مولانا صاحب کی تالیفات میں ایک کتاب کی تصنیف کی، آگے خط لکھا، یہاں یہاں تھے، نورانی میں، انہوں نے خوشی کا
سیکس تھی، ان کا آخری جہد صوبائی حکومت میں جرائٹ مکرری کا تھا، مگر ان کی قابلیت اس قدر تھی کہ ان کا نظم کا نظم و نسق ان کو پسند آیا، جاتی سے اس خوش
امولی سے جگہ لگے، مگر غور کرنے سے یہاں صاف بھیا اور محمود داناں پاکستان میں کہاں سے آئے تھے، اس جہد تاشقند میرا صدارتی انتخاب مضبوطی سے ہو گئی، دوسرے دن ان سے سب
بھی تباہ ہو گیا، انہوں نے ان کے ہاں کی کھانا تو کھا لیکن ان کے داناں کی یہ باتیں تو دیکھ لی، ان کے بھی پورے ہی ہو گئی، کئی لالچ و باؤ اور غفلت ان کے دماغ میں ہلکے پانی نہیں
کر سکتا تھا، ابھی ہمارا دور قیاسی مہم پر دوسرے طرف تھوڑی سی پید ہو رہے ہیں۔

ہر قسم کے سوتی دھاگے کیلئے ہمیشہ
 اٹوٹیا برائڈ کو یاد رکھیے



فیر سلطان انڈسٹریز لمیٹڈ سرائے روڈ کراچی

ہمداری نظر میں

خلافت و ملکیت — سید ابوالاعلیٰ مودودی ضخامت — ۵۱ صفحات، قیمت اعلیٰ ایڈیشن پلاسٹک کور، آٹھ روپے ۲۵ پیسے
سنا ایڈیشن، چار روپے ۵۰ پیسے، طے کا پتہ — اسلامک پبلیکیشنز شاہ عالم مارکیٹ لاہور — ۱۶ بیت، ۱۸

دوسری منزل (ڈھاکہ) —
مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی یہ وہ محرکہ آگاہی ہے جو ان دنوں بحث و مناظرہ کا موضوع بنی ہوئی ہے، اور جو لوگ مولانا موصوفت کی ذات اور جماعت اسلامی سے واقف اور گہرے جانتے ہیں، انہوں نے التزام توحشی اور وطن و توحش کی باقاعدہ ہم شروع کر رکھی ہے۔ انسان کی تنقید و انتصاف کے حدود سے بہت کچھ تجاوز کر گئی ہے۔

یہ کتاب نو ابواب پر مشتمل ہے: — باب اول، قرآن کی سیاسی تعلیمات — باب دوم، اسلام کے اصول حکمرانی — باب سوم، خلافت، راشدہ اساس کی خصوصیات — باب چہارم، خلافت راشدہ سے ملکیت تک — باب پنجم، خلافت اللہ ملکیت کا فرق — باب ششم، مسئلہ میں مذہبی اختلافات کی اجتماع اساس کے اسباب — باب ہفتم، امام ابوحنیفہ کا کامنامہ — باب ہشتم، خلافت، اساس کے متعلقہ مسائل میں امام ابوحنیفہ کا مسلک — باب نہم، امام ابوحنیفہ اھل ان کا کام —
ہر باب کے تحت مفصل مذہبی سرخیوں ہیں، ہر واقعہ اور مسئلہ کو اس قدر تفصیل اور عقلی و فطرتی دلائل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا نشنگی، الجھن اور کسی محسوس نہیں کرتا، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی دینی مسائل اور سیاسی معاملات میں جو سبھی جتنی فکر کر رکھے ہیں، اور استدلال کا دلچسپ انداز اور خاص پیرایہ بیان، اللہ تعالیٰ نے انہیں دوایلت فرمایا ہے، یہ کتاب ان خوبیوں کی نظر ہے، زبان، بیان، طرز نگارش اور اسلوب تفسیر ہر چیز اپنی جگہ خوب سے خوب تر، بلکہ معیار کی:

مغرب کے تصور کی جمہوریت اور اسلام کی جہری خلافت کا فرق جن نقطوں میں کسی غلط فہمی کے ساتھ بیان کیا ہے —
"مغربی تصور کی جمہوریت عوامی حاکمیت کے اصول پر قائم ہوئی ہے اور اس کے برعکس اسلام کی جمہوری خلافت میں عوام خدا کی حاکمیت تسلیم کر کے اپنے اختیارات، ہمنما و ملکیت کا لڑنے خداوند کے حدود میں محدود کر لیتے ہیں۔

(ص ۳۶)

صفحہ ۱۰ پر تہمت: نگاہ سے گزرا اور ہمارے ذہن میں کوٹنگ پیدا ہوئی، تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ دلی میں تہمت بھی بولا جاتا تھا۔ اس لحاظ سے یہ اظہار غلط تو نہیں ہے، مگر اس میں اب بہت دلی سے تہمت کا چلن ہے، دلی سے بھی اب تہمت ہی بولتے اور لکھتے ہیں، صاحب شہر علی نعمانی اور دوسرے ارباب نے کراہی تسلیم کی تھی دلی میں تہمت ہی ملتا ہے!

اور

۔ وہ (یعنی اسلام) جمہوریت کے اس اصول میں ڈیڑھ گریں سے متعلق ہے کہ حکومت کا بننا اور سنبھالنا اور چلایا جانا، بالکل عوام کی رائے سے ہونا چاہئے، لیکن اس میں عوام مطلق العنان نہیں ہوتے کہ سیاست کا قانون، اس کے اصول و ضوابط، اس کی داخلی و خارجی سیاست اور اس کے وسائل و ذرائع، سب ان کی خواہشات کے تابع ہوں اور ہر جہرہ و ہر درجہ ہوں، یہ ساری چیزیں بھی اسی طرف مڑ جائیں، بلکہ اس میں خدا اور رسول کا بالاتر قانون اپنے اصول و حدود اور اخلاقی احکام و ہدایت سے عوام کی خواہشات پر مضبوطی قائم رکھتا ہے اور سیاست ایک ایسے تین راستے پر چلتی ہے جس کے بدل دینے کے اخلاقی مانت نہ اس کی منتظر کو حاصل ہوتے ہیں، نہ علیہ کو، نہ مقصد کو، نہ عجزی طبع پر لپکی قوم کو، اگلی آئینہ قدم (ص ۵۳) خود اپنے عہد کو توڑ دینے کا فیصلہ کر کے دائرہ ایمان سے نکل جاتے۔ (ص ۵۳)

یہ ریاست محض پولیس کے فرائض انجام دینے کے لئے نہیں ہے کہ اس کا کام صرف نظم و ضبط قائم کرنا اور سرحدوں کی حفاظت کرنا ہو، بلکہ یہ ایک مفید سیاست ہے جس کا باقی طریقہ اجتماعی عدل اور جہانوں کے فرد و فرد اور برائوں کے استیصال کے لئے کام کرنا ہے۔ (ص ۵۶)

اور

”فرما دو ریاست کے درمیان اس نظام میں ایسا تو فرق قائم کیا گیا ہے کہ نہ ریاست فساد مطلق اور ہر گز انتہائی ملک بن کر پسند کرے بلکہ ہر ملک بنا سکتی ہے“ اس لئے فرد بے قید آزاد ہو پا کر خود سرپرستی کی فضا کا دشمن بن سکتا ہے۔ (ص ۵۵)

حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ کی جنگی تدبیر اور مسئلہ حکیم :-

ماندا ابن کثیرؓ حضرت عمرو بن العاص کے اس فعل کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ انہوں نے اس حالت میں لوگوں کو بلا اہم جھڑپ نامہ سب نہ سمجھا، کہہ سکتے ہیں کہ وہ غلط فہمی سے متعلق تھا، اس کو دیکھتے ہوئے انہیں غلطو تھا کہ ایسا کرنا طریقہ دعوای فساد کا موجب ہو گا، اس لئے انہوں نے مصلحت کی بنا پر حضرت معاویہ کو برقرار رکھا، اور اجتہاد صحیح بھی ہوتا ہے اور غلط بھی۔ ————— لیکن جو اوصاف پسند آدمی بھی نیر وں پر فرمان اٹھانے کی تجویز سے بے گناہ اس وقت تک کی مدعا پر ہے گا وہ مشکل ہی سے یہ مان سکتا ہے کہ یہ سب کچھ اجتہاد تھا نہ شبہ ہمارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ واجب الامتثال ہیں اور ہر اہم کام کا ہے وہ شخص جو ان کی کسی غلطی کی وجہ سے ان کی ساری خدمات پر پانی پیر دیتا ہے اور ان کے مرتبہ کو قبول کر لیا دینے پر آمادہ ہے، مگر یہ بھی کہ کم زیادتی نہیں ہے کہ اگر ان میں سے کسی نے کوئی غلط کام کیا ہو، تو ہم محض صحابیت کی رعایت سے اس کو اجتہاد قرار دینے کی کوشش کریں، بڑے لوگوں کے غلط کام اگر ان کی برائی کے سبب اجتہاد بن جائے تو خود کے لوگوں کو ہم کیا کہہ کر ایسے اجتہادات سے مدد کر سکتے ہیں ؟

۔ اجتہاد کے توسعہ پر یہ ہیں کہ ہم حق معلوم کرنے کے لئے آدھا اپنی انتہائی حدود تک کوشش کرے اس کوشش میں ناخالص غلطی بھی ہو جاتی تو حق معلوم کرنے کی کوشش بجائے خود اچانک مستحق ہے، لیکن جان بوجھ کر ایک سرچے کے منصوبے کے مطابق غلط کام کرنے کا نام اجتہاد نہیں ہو سکتا، حقیقت اس طرح کے معاملات میں غلط فہمی

دفعہ ۱۱۱ کے تحت ہے، کوئی غلط کام جس سے شریعت و معاہدہ کی وجہ سے مشقت نہیں ہرجانا، بلکہ
معاہدہ کے مرتبہ بلند کی وجہ سے وہ غلطی اس قدر زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے، لیکن اس پر مانتے نہی کرنے والے کو لانا
یہ احتیاط ملحوظ رکھنی چاہئے کہ غلط کو صرف غلط سمجھنا اور کہنے پر اکتفا کرنے اس سے آگے بڑھ کر معاہدہ کی
ذات کو بہ حیثیت تجربی مخلوق نہ کرنے لگے، حضرت عز بن العاص یقیناً بڑے مرتبہ کے بزرگ ہیں اور انہوں
نے اسلام کی جتنی بہا خدمات انجام دیا ہیں البتہ ان سے یہ دو کام ایسے سرزد ہو گئے ہیں، جن سے غلط کہنے کے
سوا کوئی چارہ نہیں۔ (ص ۱۳۳-۱۳۴)

حضرت معاویہ کی اہمیت اور بڑی کی ولی عہد کی کے واقعہ کے اثرات ۱۔
"خلفائے راشدین میں سے ہر ایک اسی قاعدے کے مطابق ہر سیر اقتدار آیا تھا، ان میں نہ کسی نے بھی خود خلافت
لینے کی پرانی نام بھی کوشش نہیں کی بلکہ جب خلافت اُن کو دی گئی تھی، تب انہوں نے اس کو بیا... ان
کی خلافت دیکھتی خلافت تھی نہ کہ لی ہوئی خلافت !

۲۔ ملکیت کا آغاز اسی قاعدے کی تبدیلی سے ہوا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اس نوعیت کی خلافت نہ
تھی کہ مسلمانوں کو خلیفہ بنانے سے وہ خلیفہ بنے ہوں، اور اگر مسلمان ایسا کرنے پر مامور نہ ہوتے تو وہ نہ ہوتے، اور اگر
خلیفہ ہونا چاہتے تھے انہوں نے تو کثیر خلافت حاصل کی، مسلمانوں کے مامور ہونے پر ان کی خلافت کا انحصار نہ تھا، بلکہ
نے ان کو خلیفہ نہیں بنایا وہ خدا نے خود سے خلیفہ بنے اور جب وہ خلیفہ بن گئے تو لوگوں کے لئے بیعت کے سوا کوئی چارہ نہ
تھا اس وقت اگر ان سے بیعت نہ کی جاتی تو اس کا نتیجہ یہ نہ ہوتا کہ وہ اپنے مامور کو نہ منصب پر ہٹ جائے بلکہ اس کے
مقابلے کو نیز یہ وہ نہیں کے تھے، جیسا ان اور ان کے پیروں پر ترجیح نہیں دی جاسکتی تھی، اس لئے امام حسن رضی اللہ عنہ کی
دست برداری کے بعد تمام صحابہ و تابعین اور صحابہ امت نے ان کی بیعت پر اتفاق کیا اور اس کو عام بیعت
اس بنا پر قرار دیا کہ ان کو ہم خانہ جنگی تو ختم ہوئی۔ (ص ۱۵۸)

۱۔

۳۔ اس طرح جس تئیر کی ابتدا کی ہوئی تھی، نیپے کی ولی عہد کی کے بعد وہ ایک مستحکم ہوا کہ موجودہ صدی میں مصطفیٰ ص
کے الفاظ کے خلافت تک ایک دن کے لئے بھی اس میں متزلزل واقعہ نہ ہوا اس سے جبری بیعت اصحاب ناموں کی سرمدی
اور شامت کا ایک مستقل مسئلہ حل ہوا اس کے بعد سے آج تک مسلمانوں کو انتہائی خلافت کی مخلوق چلنے کا کوئی موقع
نہیں دیا، ہر سال لوگ مسلمانوں کے آئینہ اندر کھیلے مشد سے نہیں، بلکہ طاقت سے ہر اقتدار آئے ہے بیعت
سے اقتدار حاصل ہونے کے بجائے اقتدار سے بیعت حاصل ہونے لگی۔ (ص ۱۵۹)

۱۔ اہمیت کے مشابہت و انتخاب ۱۔

یہاں یہ بحث خیز تھی ہے کہ مسلمانوں کی آئینہ مشابہت و اہمیت کے خیر و خلافت یا اہمیت نہ ہوتا ہم کی وہ آئینہ
مختار ہو جاتی ہے یا نہیں، اصل سوال متفقہ ہونے یا نہ ہونے کا نہیں، بلکہ یہ ہے کہ اسلام میں منصب خلافت کا صحیح
طریقہ کیا ہے، جس سے خلیفہ راشدین خلیفہ ہوتے، یا وہ جس سے حضرت امیر معاویہ اور اس کے بعد کے لوگ
خلیفہ بنے، ایک طریقہ کام کرنے کا وہ ہے جس کے مطابق اگر وہ کام کرنا چاہتے تو اسلام اسے ہدایت کر لینے کی طرف

ہیں اس لئے تعین کن ہے کہ اس کے شانے اہل فتنہ کا کشش کہیں اس سے بھی زیادہ جھلکے ہیں کہ اسے بڑا
 ٹھہر کہ لاکھ شخص جو ان دونوں کو ایک دوسرے میں سکھ دے اور دعویٰ کرے کہ اسلام میں یہ دونوں طریقہ یکساں جائز
 ہیں لاکھ ایک شخص جائز نہیں بلکہ عین مطلب ہے اور اگر جائز ہے تو قابلِ برداشت ہونے کی حیثیت سے ہے نہ
 کہ مطلب اور پسندیدہ ہونے کی حیثیت سے۔ (ص ۱۸۰)

سلی اور قوی مصیبتوں کا ظہور۔

”جی آئیہ کی حکومت ابتدائی سے ایک عرب حکومت کا رنگ لئے ہوئے تھی جس میں عرب مسلہ فنی کے ساتھ غیر عرب
 نو مسلموں کے ساری حقوق کا تصور قریب قریب مفقود تھا، اس میں اسلامی احکام کی ہر جہی خلاف بندی کرنے
 ہوتے تو سسرلہ پر غریہ لگایا گیا، جب کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں اس سے نہ صرف انصاف اسلام میں شدید
 سکاوٹ پیدا ہوتی بلکہ عجیب ہی یہ احساس پیدا ہو گیا کہ اسلامی فتوحات نے حاصل آن کو عربوں کا غلام بنا دیا
 ہے اور اب وہ اسلام قبول کر کے بھی ان کے برابر نہیں ہو سکتے۔“ (ص ۱۸۰)

— اللہ —

”دوسرے سیدیں م باؤنٹی کا طرز وہی رہا جو بنی امیہ نے اختیار کیا تھا فرق صرف یہ ہوا کہ بنی امیہ کے لئے
 قسطنطنیہ کے غیر منسوب تھے، تو بنی خلیفہ کے لئے ایران کے کسئی۔“ (ص ۱۷۵)

مقتزلہ کے قول اور مذمت پر تنقید۔

”بعض معتزلہ اس سے آگے بڑھ کر یہ کہتے تھے کہ بنی امیہ کو امام بنانا زیادہ بہتر ہے، بلکہ اگر مولیٰ (خداوند) غلام کو بنایا
 جائے تو یہ اندیشہ اچھا ہے، کہونکہ امام کے حامی نیامہ نہ ہوں تو ظلم و جور کی صورت میں اسے چنانچہ زیادہ آسان ہوگا۔
 اگر حکومت کے استحکام کی پر نسبت انہیں زیادہ فکرا مقامات کی تھی کہ حکمران کو مقرر کر دے یہ بہت ہو (ص ۱۷۸)

امام ابو یوسف کا شاندار کلام امیر۔

”مجھے پہلے جو پوری کتاب (اخراج) کو بغیر پڑھنے سے نمایاں طور پر سنا دیک کے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ امام ابو یوسف
 خلیفہ کو بنی امیہ اور بنی عباس کی فیکر کا کسری مدایات سے ہٹا کر ہر پہلو سے خلافت مائتہ کی مدایات کے اعتبار
 کی طرف سے جانا چاہتے ہیں انہی نے اگرچہ کہیں یہ نہیں کہا ہے کہ وہ اپنے پیش روؤں کی مدایات سے بھر دے، لیکن
 کسی جگہ انہوں نے جو سے سہی بنی امیہ تو دکن رنڈا مدلل الشیخہ کے باپ دادا کے طرز عمل اور فیصلوں کو بھی نظیر کی
 حیثیت سے پیش نہیں کیا ہے، ہر حال میں وہ یا تو قرآن و سنت سے استدلال کرتے ہیں یا پھر نظر لاتے ہیں تو اس پر
 عمر بن محمد بن احمد علی دیک کے دور حکومت سے، اور بعد کے خلفاء میں سے اگر کسی کے اعمال کو انہوں نے نظیر بنایا
 ہے تو وہ المنصور، بالاکہد کی نہیں بلکہ بنی امیہ کے خلیفہ عمر بن عبد العزیز میں اس کے خلاف سختی یہ تھا کہ سلطنت عباسیہ
 کا یہ آئین سلطنت مرتب کرتے تھے انہوں نے عمر بن عبد العزیز کے وفاتی سال سنسٹی کر کے حضرت علی کی مذمت
 سے کر داروں الرشید کے زمانہ تک تقریباً ۱۳۳ سال کی حکومت کے لئے سے سراج اور قتل کو نظر انداز کر دیا یہ کام، اگر
 کسی حق گو فقیہ نے محض دغلا و لیسوت کے طرہ بالکل بغیر سرکاری حیثیت میں کیا ہوتا تو اس کی کوئی خاص اہمیت
 نہ تھی، لیکن یہ دیکھتے ہوئے اس کی بڑی اہمیت ہو جاتی ہے کہ ایک چہرہ مجلس اہل فتنہ فتن نے اپنی پوری سسکا کی

محبت میں خلیفہ وقت کی سپرد کردہ ایک خدمت انجام دیتے ہوئے کیا ہے (ص ۲۸۵)

۱۔

”یہ خلاصہ چنانچہ آئین تہذیب کا جہاد الاموال پر صرف توجہ دے گا۔ اب سے اہل سرپرست پر پہلے ایک مطلق العنان فوجداری کے سامنے اس کے ذمہ داران اور قاضی القضاۃ کی حیثیت سے پیش کی تھیں مگر ان کو اس کی سیاست کے خیال کی ضرورت اور اس کے خلاف مداخلت کے پسترد اہل حق اور خدا کے راستہ مدام الاموال کی تعلیمات کے مقابلہ میں دیکھا جائے تو یہ ان سے بہت کم نظر آتی ہے، ان میں اجتماعی مخالفت کے تصور کا تصور تک نہیں ہے۔ ان میں شخصی کے ذمہ سے حکومت کرنے کا بھی کوئی ذکر نہیں ہے، یہ اس تصور سے بھی خالی ہیں کہ امام ظالم کو حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور مطلق اس کی جائز ہے کہ اس کی حکومت کی جگہ بہتر حکومت لانے کی کوشش کرے، اور اس طرح وہ بھی متعدد حیثیات سے بھی بہتر ہے۔ اصل اسلامی تصور کے مقابلہ میں بہت ناقص ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ امام البرہن کے تصور سیاست کی بحث اس آئین ہی سے، جتنی کہ اب اخراج کی ان تادیب میں باقی جا رہی ہے اس سے نہ نیا دہ کچھ نہ چاہتے تھے۔ جو اہل نفس اس کتاب میں بیان کر رہا ہے، بلکہ مداخلت یہ وہ نیا دہ سے نہ نیا دہ چیز تھی، جس کی ایک عملی شکل کی حیثیت سے وہ مسطرت تھیں، اس وقت میں تو حق کی کھنکھ تھی، ان کے پیش نظر غرض ایک ایسا خیالی نقشہ پیش کرنا تھا جو تصور کی حد تک ممکن ہو، مگر واقعی حالات میں اس کو جامہ عمل پہنانے کے امکانات نہ ہیں، اس کے علاوہ ایک ایسی ہی انتہائی مسلم مرتب کرنا چاہتے تھے جس کا سیاسی راستہ کے کم سے کم جو ہر مطلب کی خاطر ہر اداس کے ساتھ ہے ان حالات میں نہیں

ہو دیا جاسکتا ہے۔ (ص ۲۹۰)

”کتاب اخراج“ پر لکھنے والے مفسر نے متعدد اداس کے ساتھ امام البرہن کے تصور کے مفسر حسین مافیت انسان کی نفی حضرات انقلابی رائے بھی حضرت امام البرہن علیہ الرحمۃ نے فقہ کی تدبیر کا جو طریقہ کار نامہ انجام دیا ہے اس پر مولانا ممدنی کا تہوہ اداس کا تجزیہ خدا کی جگہ علی شاہ کا ہے!

مولانا ممدنی کی اس کتاب کے بعض الجواب ان کے رسالہ ترجمان القرآن میں بالانتظام طبع ہوئے تھے، اس سلسلہ میں یہاں اعتراضات اور رسالت ان کے پرچے ان میں متعدد رسالتات اور اعتراضات کے جوابات۔ تمحیر کی صورت میں دہرا کر کے گئے ہیں۔ مثلاً

”بعض حضرات اس معاملہ میں یہ زلزلہ قلعہ کلیہ پیش کرتے ہیں کہ ہم صلابہ کلام کے واسطے میں صرف دہا رسالتات قبول کر رہے ہیں، چنانچہ ان کے مطابق یہی اصل ہے اس بات کو مدد کر دیں گے جس سے ان پر صرف آنا ہو، خواہ وہ کسی بھی حدیث میں یا دوسری جگہ ہو، لیکن میں نہیں جانتا کہ حدیثیں و مفسرین اور فقہاء میں سے کسی نے یہ قلعہ کلیہ بیان کیا ہے اور کوئی ماحول یا مفسر یا فقہاء نے یہ نہیں بیان کیا ہے، کیا اس کے علاوہ اس سے بات لائیں یہ یہ الزام آتا ہے کہ انہوں نے فقہ کے لئے حضرت کو تنگ کیا تھا، کیا واقعہ اٹک میرا بعض صحابہ کے طرٹ ہونے اٹک پر حد تک جاتی ہوئے کا تصور ان میں بیان نہیں کیا گیا ہے، حالانکہ اس تصور کی شاعت یہی کہہ رہے ہیں اور یہ ہے۔“
”بہر حال واقعی یہ کوئی مسلم قلعہ تھا حضرت عمرؓ نے حضرت عیسیٰ بن شہر بن زکاء کو لگانے والوں سے شہادت طلب کر کے اس کی حکایت مذکور کی، لیکن اس قلعہ کے گندے سے تو ایک صحابی کی طرف میں اس کی نہایت بگڑ

قانون تسلیم نہ تھی، کہا کہ اس پر نہایت طلبگی جاتی، بلکہ خود وہ حضرات جو اس کا ہر لمحہ کلب کو پیش فرما رہے ہیں، اس کو بولا
پابندی نہیں کرتے، اگر واقعی وہ اس کے قائل ہوتے تو انہیں کہنا چاہیے تھا، کہ جنگ جبین میں مسیحین سرے سے کبھی جینی ہی
نہیں آئی ہیں، کیونکہ صحابہ کرام کی کشتن اس سے بالآخر ہوتی چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کے مقابلے میں تلوار کے کشیم ہر جانی
اصناف کے اہل ایمان کی خونریزی ہو۔ (ص ۳۰۵-۳۰۶)

تائیں عثمان کا معاملہ ۱۔

۱۔ منہ شری احکام پر جتنا ہی غصہ کیا ہے، اس کی بنا پر میرے نزدیک خون عثمان نہ کاہر نہ لینے کی شری ایک ہی صورت تھی اور
وہ یہ کہ خلیفہ وقت کی خلافت کو ان کی انہی سے یہ مطالبہ کیا جاتا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کافر قاتل کے ان پر
مقتدہ جانتی اور جس میں کا جو حصہ بھی اس پر عظیم میں تھا اس کو شہر و قتل کے ذریعہ سے مسیحین کے قتل کے مطابق اس کو
مزدادیں، دوسری طرف اس وقت کے حالات کا یہ ہے کہ یہ مطالبہ کیا ہے اس کی بنا پر یہ سمجھتا ہوں کہ عثمان کی بیست لونی
طریقہ کار اس کے بغیر اختیار نہیں کیا جاسکتا تھا کہ حضرت علیؓ کے ساتھ سب لوگ تھے دن کرتے، انسان کو پر امن حالات میں کام
کرنے کا موقع دیا جاتا، جیسا کہ تاریخی واقعات سے ثابت ہے، جو لوگ سازش کے عینہ پر چڑھ گئے تھے ان کی تعداد بظہر
کے قریب تھی، خود عینہ ہی میں ایک لشکر ان کے عابروں کی موجود تھی، اور مصر، بصرہ، اندلس، کتبہ میں ان کی پشت پر ایک
ایک جھنڈا پانا جاتا تھا، اگر تمام اہل حق حضرت علیؓ کے گرد جمع ہو جاتے انسان سے تعاون نہ کرتے تو وہ ان مجبور کو منتشر کرنے
کے بعد ان پر ہاتھ ڈال سکتے تھے، لیکن جب کہ ایک طرف با اثر صحابہ کا ایک گروہ نے ظہر کا تہ دار کی مدد سے اختیار کیا کہ اللہ
اور دوسری طرف بصرہ کا لشکر میں طاقت اور وہ جب حضرت علیؓ سے ٹکرنے کے لئے جمع ہو گئیں تو ان کے لئے نہ صرف یہ کہ اس
گروہ پر اتنے فائدہ ٹان ممکن نہ رہا بلکہ وہ محض مجبور ہو گئے کہ ان طاقت مند گروہ کے مقابلے میں جن لوگوں سے وہ مدد لے سکتے تھے، ان
سے مددیں اندیک بیک لڑائی تائیں عثمان نہ کہ جتنے سے نہ چھوڑ دیں :-

”یہی اس رائے سے کسی کو ان اختلاف ہے تو وہ مجھے بتائے کہ حضرت علیؓ نے تائیں عثمان ان کے اس مضبوط چھتے کو
کس ذلت پکڑتے؟ کیا خلافت سنبھالنے ہی تھا؟ یا جنگ جبین کے لئے اس کے مقابلے میں؟ یا جنگ جبین کے بعد اس نے انہیں
جب کہ ایک طرف حضرت معاویہؓ ان کے مقابلے میں مملکت کے ایک ایک سر پرے کو توڑ لینے کی کوشش کر رہے تھے؟

اور دوسری طرف خارج ان کے خلاف صف بٹا تھا؟ (ص ۳۱۲-۳۱۳)

حضرت سیدنا محرم اللہ وجہہ کے موت کی مخالفت اور ان کے برسرِ حق ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے مولانا مودودی نے فرمایا ہے :-

”مگر صرف ایک مالک اور مشورہ و معین الی بلکہ گورنری کا چہرہ و چنے کا اس ایسا تھا جس کو کسی تادیب سے بھی

حق کا نام قرار دینے کی گنجائش تھی نہ مل سکی، اسی بنا پر میں نے اس کی مخالفت سے مودودی صاحب کو روکی ہے۔ (ص ۳۱۸)

مولانا مودودی نے چند جہوں میں خود بخود ہی صاحب کی دلیلوں کے سرنگ تلو کو ڈھایا ہے، فرماتے ہیں :-

”اس بحث سے پہلے شری پریشانیوں میں گمراہی آجاتی ہے اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت
اور ان کے مخالفین کے معاملے میں اہل السنہ کا مسلک کیا ہے؟ اب یہ دعویٰ کرنے کے لئے مسابہ کی بہت
بڑی مقدار دکھانے کے لئے حضرت علیؓ کی خلافت مشکوک و مشتبہ تھی، انسان کے مقابلے میں تو اس نے اپنے
شرعی جواز کی کوئی گنجائش موجود تھی، خصوصاً ان لوگوں پر تو مجھے سخت حیرت ہے، جنہیں ایک طرف یہ سید کی

خلافت کے صحیح اہل حضرت عیینہؓ کو پھر غلط ٹھہرانے پر لڑا اعلان ہے! مگر دوسری طرف وہ حضرت معاویہؓ کے حق میں معذرتیں پیش کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا نندہ لگاتے ہیں، حالانکہ جن دلائل سے یہ نیک کی خلافت صحیح ثابت کی جاتی ہے ان کی پر نسبت ہزار گنے زیادہ قوی دلائل سے حضرت علیؓ کی خلافت قطعی صحت کے ساتھ قائم ہوئی تھی، اور جن حضرات نے بھی قرآن عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لئے ان کے خلاف تواتر اٹھائی، ان کے اس فعل کے حق میں کوئی شرعی دلیل نہیں پیش کی جاسکتی، خدا کی فرمائیت بے لاگ ہے اس پر یہ گنہگار نہیں ہے کہ کسی کے مرتبے کا لحاظ کر کے ہم غلط کو صحیح بنانے کی کوشش کریں (ص ۲۲-۲۳-۲۴) عربی سے اردو ترجمہ اہل فاضل مصنف کی تحریر کا ایک نمونہ۔

• "وہی بھی عراق کے باشندے سا اہل سال سے بنی امیہ کے ظلم کو تم بہتہ بہتہ تک آپکے تھے اور اُنھنے کے لئے ہمسایا چاہتے تھے، علوی خاندان کی ایک صانع، عالم، فضیلت شخصیت کا میسر آ جانا، انہیں غیبت محسوس ہوا، ان لوگوں نے زیدؓ کو یقین دلایا کہ کوفہ میں ایک لاکھ آدمی آپ کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں، اور ہزار آدمیوں نے محبت کر کے باقاعدہ اپنے نام بھی ان کے پیچھے میں بھیج کر دیئے، اس اشارہ میں کہ خود برج کی یہ تینیاں اندیدی اندھ مہدی تھیں، اموی گڈنے کو ان کی اطلاع پہنچ گئی، اور بدینے یہ دیکھ کر کہ حکومت خراب ہو گئی ہے، صفر ۱۲۲ ہجری میں قبل از وقت خود برج کر دیا، جب تصادم کا موقع آیا تو کوفہ کے شیعہ بانی علیؓ ان کا ساتھ چھوڑ گئے، جنگ کے وقت صرف ۲۱۸ آدمی ان کے ساتھ تھے، ولسان جنگ میں اچانک ایک تیرہ دھماکے ہوئے انسان کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا (الطبری)

• فرما لے دے انا قتل ہونا چاہتے کہ وہ حق بات تھے، اس کے سزاوارتہ بدداشت ہونے سے بڑھ کر

فرد سال کوئی چیز نہیں (ص ۲۸۹)

یہ کتاب طراح کی ایک عبارت کا ترجمہ ہے اس میں "بجہ بدداشت" مولانا مودودی کی بنائی ہوئی کتنی عجیب اند قابل قبول ترکیب ہے۔

"خلافت و طوگیت" اس صمدی کی عظیم کتاب ہے اس کی حقیریت کی انتہا یہ ہے کہ دوسرا دوہینہ میں چار ہزار کی چار ہزار جلدیں فروخت ہو گئیں، اصحاب دوسرے ایڈیشن کی سزا ہے کہ تیار یا ہو رہی ہیں۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ مولانا مودودی کے قلم سے کو کچھ بھی نکل جاتا ہے وہ سراسر سچی ہی جوتا ہے، ان کے قلم سے بھری ہوئی ہو سکتی ہے اور یہی ہے: مولانا مودودی کی اس کتاب پر بھی تنقید کا ہر شخص کو حق حاصل ہے کوئی چاہے تو حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کے اضطرابات کی ملاحضت بھی کر سکتے ہیں، اگر اس قسم کی الزام تراشی صلی و انصاف کے معروف اصول کے خلاف ہے کہ مودودی صاحب نے حضرت عثمانؓ کی شان میں بدعنوانانہ گستاخی کی ہے، اور صمدی کی تنقیص خود بخود جیسے ان کا شعاع ہے اور وہ بعض بلکہ کفر و اطا کے نمائندہ ہیں اور شخص اخوت کے محاسبہ سے بالکل بے ہوا ہے، جو مولانا مودودی کو اس انداز میں مطعون کرتا ہے مولانا نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نیت کے بارے میں کسی اشتباہ تک کا اظہار نہیں کیا! انہوں نے اس کتاب میں جو باتیں کہی ہیں، تقریب قریب وہی باتیں بعض دوسرے مسلم مفکرین اور بابا قلم اصحاب علم نے بھی کہی ہیں! (ام رافع حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت میں اضطرابات رونما ہوتے تھے۔

(ب) آپ کے ہمد میں خوامیہ کو خلیفہ حاصل ہو گیا تھا۔

(ج) آپ سے بڑی نیک نیتی کے ساتھ ایک دعا جہاد میں غلطی ہو گئی تھی۔

دوم حضرات غیبیہ کے دیر خلافت کے مقابلہ میں خلافت مجدد عثمان کے کل ہند میں وسیع پیدا ہوئی تھی۔

دوم جمع و مقیم ہیں حق حضرت علی کریم اللہ علیہ کے ساتھ تھا۔

دوم حضرت معاویہ خلافت راشدہ کے باغی امیر تھے۔

دوم حضرت معاویہ نے یزید کو ولی عہد بنا کر خلافت کو ملکیت کی ماہ پر ڈال دیا۔

دوم خود اپنی اندیشہ کی ولی عہد کی بیعت کے بارے میں امیر معاویہ کا معاملہ خاصہ ملاحظہ فرماتا ہے۔

دوم حضرت مغیرہ بن شعبہ نے امیر معاویہ کو یزید کی ولی عہد کی جو سند دیا تھا وہ صاحب نہ تھا۔

دوم جنگ میں قرآن کا یزید پر اتارنا اس واقعہ حکیم — ان میں حضرت عمرو بن العاص کی غلطیوں کی ممانعت نہیں کی جاسکتی۔

دوم مروان زاپسندیدہ کردار کا حال جس کے سبب امت میں فتنے پیدا ہوئے !

دوم حضرت عیینہ رضی اللہ عنہ کی شہادت حق کی شہادت تھی، اُن کے قاتل بلاشبہ ظالم تھے، حضرت عیینہ کا کول سے مجرب بھنا محبت نبوی کا نفاذ ہے !

دوم یزید تاریخ اسلام کی مکملہ اہم موضوع شخصیت ہے، حضرت عیینہ سے محبت اہل بیت کی ذات سے لگاؤ اور خوش گمانی رحمت ناک نفاذ وادہ ناقابل غم و غم ہے، جس شخص کے بارے میں اکابر ملت کے صحابہ نواح بھی جو کس پر پلٹ کی جاتے یا نہ کی جاتے، اور ایک دوام کے لئے جس سے کفر تک منسوب کیا ہو اس کی ممانعت فساد قلب اور ناہمیت نہیں تراد کیا ہے۔

جن حقائق کا ادراک اظہار کیا گیا ہے اُن سے "رض و رواجیت" یا "تفصیل صحابہ" کی نہایت دست نہیں ہے، اہل سنت و اہل حق کے اکابر علی و کی تحسیر بدلی ہی کا یہ سلاہ ہے، جو ہم نے سطح بالا میں پیش کیا ہے۔ نفس و رواجیت محلہ کرام کی رخاک ہر گستاخ مکتفیر تفسیق اور تفسیل ہے، جن صحابہ سے غلطیاں ہوئی ہیں چاہے ان میں سے ایک اور صحابی کی ہوائے نفس بھی تہل جو توان غلطیوں کے باوجود وہ صحابیت کے شرف سے متاثر ہیں، اہل ایمان میں ان کے دوسرے اعمال صالحہ کو اللہ تعالیٰ ان کی غلطیوں کا کفارہ بنا دے گا (رضی اللہ عنہم ورضوہم) ان غلطیوں کا اظہار۔ ایمان پر نقصان نہ دینے کا اہم و جامعہ و صحیح ہے۔

اس حقیقت کو کون جھٹلا سکتا ہے کہ اس کی مردہ فوج کی جاسکتی ہے کہ اسلامی تاریخ میں نظام خلافت، نظام ملکیت سے بلا ہے، اس طرح بلا ہے؟ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اس سہیلی کے محرکات اور اسباب بحث کی ہے، اس موضوع پر ان کی یہ کتاب بڑے محرک کی کتاب ہے اس قسم کے واقعات سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا عقیدہ مہرک ہے، آتا ہے — یعنی یہ عقیدہ جو گھڑا گیا ہے کہ اللہ اللہ کو علم غیب ہے وہ دلائل کے حالات جانتے ہیں اور تمام کائنات اُن کے سامنے سبقتی کی طرح روشن ہے اور کائنات میں ہر قسم کے تصرف کا انہیں حق حاصل ہے، وہ مشکل کشا، دانا اور فرادوس ہیں، اللہ ہ سے بالکل محفوظ ہیں۔ صحابہ کرام کے ساتھ جو یہ کائنات آتے ہیں وہ اس قسم کے غلط عقائد کی نفی اور تصدیق کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا شیت کے آگے سرکونی نہیں ہے، اور یہی وہی ہے جو اللہ تعالیٰ جانتا ہے، اللہ تعالیٰ ہی مسیح الدعا و حجاب شکلات، اور عالم الغیب ہے، صحیحیت کے وقت اسی سفر راہ کوئی چاہے کہ سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے، ایہ گرام تک کو کسی بھی شکلیں پیش آتی ہیں اور انہوں نے اس عالم میں اللہ تعالیٰ کو پکارا ہے، اے اللہ تعالیٰ کل شیء تدبیر، نعم الملو و نعم النصیر۔

سے - اسلام تو خیر جہاں بلند چیز ہے، تیرہ میں اگر انسانی شرافت کی بھی کوئی رقی نہ تھی، تو وہ سچا کفر و کفر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے بعد سے خاندان پر کیا احسان کیا تھا اور اُس کی حکومت نے اُن کے لئے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ (ابوالاعلیٰ مودودی)

القرآن الراشد

از: مولانا ابوالحسن علی Nadwi، ضخامت ۱۱۰ صفحات، قیمت ایک روپیہ ۷۰ پیسے،
لکھنے کا پتہ: مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء (کراچی)

یہ کتاب انسداد عربی کے مشہور عالم و ادیب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی Nadwi کی تالیف ہے، جو دارالعلوم اسلامیہ کے طلباء کے لئے مرتب کی گئی ہے، مقصد تالیف اس موضوع پر ترتیب عربی زبان کی تعلیم کے ساتھ دلی دواغ کی دینی تربیت اور اخلاقی تہذیب و ترقی میں بھی ہے، چند اسباق کے نام درج ذیل ہیں:۔

الخیرۃ الی الشہادۃ ————— عید الاضحیٰ ————— رسالۃ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ————— فی الاسلام —————
الخلفۃ عمر بن عبدالعزیز ————— بحارۃ المریضی

جو مضامین خاص طور پر اسلامی ہیں مثلاً: جسم النبیات، البغیہ، المناقب، العین، الکیما، ————— ان میں بھی دوسرا بارے اثبات دیا ہے، مسلمان بادشاہوں کے قصوں میں بھی عدل و خدائری اور انسانیت و حق کی جھلکیاں نظر آتی ہیں، عربی نظروں کا انتخاب بھی خوب ہے خود ناض مولف کے لکھے ہوئے "اسباق" ادب و دانش کا اعلیٰ نمونہ ہیں!

پیارے رسول کیسے تھے؟ از: مآثرِ نبوی، ضخامت ۱۰ صفحات، دس روپیہ، دیکھیں اور دیدہ زیب جلیت اعلیٰ ایڈیشن ایک روپیہ
پچیس روپیہ، سستا ایڈیشن، یہی بیس روپیہ کا پتہ ۱۰، ادارہ "بزل" امجد، لاہور

اس کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کے حالات آسان زبان میں طلباء اور طالبات کے لئے لکھے گئے ہیں، انماذ تحریر بچوں کی ثقافت کے مطابق ہے، اس کے مطالعہ سے ذہن، فکر اور دل دواغ کا تزکیہ ہوتا ہے، ادب بچوں میں یہ احساس اور شعور ابھرتا ہے کہ مسلمان کی معاشرت کیسی ہونی چاہئے، اور جسے کہنے، بات کرنے اور اٹھنے بیٹھنے میں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے، ایک کتاب اتنا برا رسول کی تعلیم دیتی ہے اور

یہ مصطفیٰ ہمارا توفیق داکہ دیں ہمہ اداست

کی مبلغ اور معلوم ہے۔

از: سید احمد اس، ضخامت ۹۲ صفحات، دس روپیہ دیدہ زیب

لکھنے کا پتہ: ۱۰ ادارہ مطبوعات جمعیت ۳۳ - اسٹریٹ مین روڈ، کراچی

مخلوط تعلیم

اسلامی جمیعہ طلباء و نوجوان تہذیب، سنی تحریک اور اسلام پسند طبقوں کی تائید و معاونت کی مستحق ہے کہ وہ مسلمان طلباء میں اخلاقی احساس اور دینی شعور پیدا کر کے جدوجہد کرے، اس مصیبت پسندہ دور میں فوج انوی کا اخلاق و تقویٰ اور نیکی کی تحریک سے کراٹھا، کتنی بڑی معاونت کی توقع ہے۔ تحسید و تشہاد اور خدائی عمل زندگی سے نوجوانوں کی پرکھنا، جماعت پاکستان میں تبلیغ حق کا فرض انجام دے رہی ہے۔ اس کتاب میں علمی و لسانی کے ساتھ اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ مخلوط تعلیم اخلاق و پاکیزگی کے نقطہ نگاہ سے نہیں بلکہ خود تقسیبی مقاصد کے اعتبار سے بھی ناقص و مضرت دہان اور برے نتائج کی حامل ہے۔ ————— چند اقتباسات —————

• "لیکن یہ ہماری پستہستی ہے کہ جس طرح زندگی کے مرقعے میں، آٹا، روغ پر حرکت جاری رہی

سے "سوتھی لکھا تے" وہ ہشدرہ، ترہنہ کچھ دلی کی طرح نہیں کھا کھا جاتے، سوتھ جے جاتے ہیں، سوتھ جے استعمال فرماتے، کھنٹا تھا۔۔۔ کہ داد جیسے اصل لفظ" جیسے کہ کتابت میں، ایک لفظ زیادہ لگ گیا۔

جس رخ پر انجی بہانہ ڈال گئے تھے، اسی طرح تعلیم کے دائرے میں بھی شکیک اس طرزِ اساس پہج پر ترقی ہوتی رہی جس پہ انجیز خود یہاں ہوتے تو کرتے؟

● اس مسئلہ سے جو بات سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ مخلوط تعلیم کا نظریہ معاشرہ کے سنجیدہ طبقہ کے لئے کبھی قابلِ قبول نہ تھا۔

● یہ بات بالکل واضح اور سمجھ میں آنے والی ہے کہ مخلوط تعلیم کے ساتھ خانہ خانی نظام کا ہرگز ممکن نہ ممکن میں ہے، مخلوط تعلیم کے ساتھ خانہ خانی نظام کی تباہی لازم و ملزوم ہے۔

● یہاں سے طبقہ بالا میں، جہاں مخلوط تعلیم کے اثرات نہ اکھل کر سامنے آ گئے ہیں، اخلاقی سبیا کی گڑبگ میں انتہا کو پہنچ گئی ہے، وہ کوئی دشمنی بھی بات نہیں ہے۔

● "ڈاکٹر بوٹ ہرسکمز کا اماندہ یہ ہے کہ بڑے مخلوط کالجوں میں بزرگوں کے کالج سے قریب طاق لڑکیوں کے علیحدہ کالج میں اتنی ہی صدر لڑکیاں کالج کی تعلیم ختم ہونے سے پہلے جنسی تجربات کر چکی ہوتی ہیں۔" تبیں شاہ دی جنسی تعلقات قائم کرنے والی طالبات میں سے ۲۰ سال کی عمر تک کے گروہ میں ۱۳ فیصدی حاملہ ہوتی ہیں، اس میں سے ۲۰ فیصدی شاہ دی کر لیتی ہیں، ۲۰ فیصدی اس قدر کراتی ہیں اور ۱۰ فیصدی کے کاہنہ بچے ہوتے ہیں۔

● مخلوط تعلیم نہ صرف یہ کہ عائلی زندگی کو خوش گوار نہیں بناتی ہے بلکہ مثبت طور پر اسے ناخوش گوار بناتا ہے کام انجام دیتی ہے۔

● بن ممالک نے مخلوط تعلیم کو اختیار کیا ہے، مثلاً روس، امریکہ، انگلستان، اسکاٹ لینڈ، اور مغربی یورپ کے مختلف ممالک، وہاں طلاق اور جھگڑوں کی بھرا ہے، اگر مخلوط تعلیم عائلی زندگی میں خوش گوار پیدا کرنے کا باعث ہے تو کیا وہ یہ کہ ان ممالک میں عائلی نظام کی بنیادیں ختم ہوتی جا رہی ہیں اور خود ویاں کے اپنی نسک

بھی اس صورت حال سے پہلے ہیں؟

انہوں نے پاکستان میں جو اسلام کی بنیاد اور اسلام کے لئے دھرم میں آیا ہے، یورپ کی اس اخلاقی تباہی سے کوئی عبرت حاصل نہیں کی گئی، اور یہاں بھی مغرب کی طرح مخلوط تعلیم پر ایمان، وابہ پائی جا رہی ہیں، انہ جانتے ہاگ، ان کے افی پر دین و اخلاق کا سرچ کب مخلوط ہوگا؟

انہ سنیان حقیقی، صفحات ۱۶۸ و ۱۶۹ میں صریحاً انتہائی مہذبہ و سبب اور خوش خلی کا اعلیٰ نمونہ اہمیت ۳۳ پہلے ذوقِ جمال نے کا پتہ ۱۔ مکتبہ جامعہ مدینہ، نقادہ بی۔

جذبِ عزیزان چشمی حجازیہ اللہ اللہ کے رحم۔ اے میں، جامعہ طبع اسلام میں اللہ کے لیکچرر ہیں، تبیں سال کی عمر میں علم و ادب اور عروض و فن میں بہت کچھ دیا میں کہ کچھ ہیں، شعر و ادب سے فطری ماسبت ہے اور اس جوانی میں ان کے کلام میں جوش و شہابی پل جاتی ہے وہ ان کے شاندار مستقبل کی آئینہ دار ہے۔

عزیزان چشمی کی عزتوں میں شہری کی گونا گوں خریاں ملتی ہیں، کیف و نشاط کے ساتھ سمند و موجی اور ساتھ ہی تعریف و تہنیتی بھی، ان کا اکتب انہوں نے جناب آبرو صحتی گزری ہے، گزشتہ کے کلام میں شہری کا جو چٹھا سا پایا جاتا ہے، وہ اس کے کلام میں بس دیکھی سا نظر آتا ہے، یہ وہ سعادت ہے جو ندرت یا ندرت سے حاصل نہیں ہوتی۔

سے تانہ بخیر خدا کے بخشنده

اپنے اس عزیز کلام پر میری غزل کے عنوان سے شاعر نے خود مختصراً ویسا ہی لکھا ہے اور پھر فیض و محبت صاحب سے اس کتب کو منسوب کیا ہے — منتخب اشعار —

عشق پیر غشتی ہے آشفته سری مانگے ہے
موت کے درد میں بھی جو درد کی مانگے ہے
ماتے آغا محبت میں وہ خوابوں کا نظم
زندگی پھر وہی آیت گری مانگے ہے
میں وہ آمودہ جلوہ ہوں کہ تیری خاطر
ہر کوئی مجھ سے مری خوش نظری مانگے ہے

دیوانوں کا بچیں بنالیں یا صورت خیز ادوں کی

درد سے پہچانی جاتی ہے، شکل تر سے ہوا دلی کی

یوں تجھے ناز سے دیکھا اُس نے
ہر ادا و مطلب ہو جیسے
ماہِ مدد کے ہوئے اک مدت سے
کوئی دکھ شیرہ کھڑی ہو جیسے
اس طرح مل کے جھکی ان کی نظر
سجدہ سہر کیا ہو جیسے
اُف یہ تنہائی دل کا عالم
زندگی ایک خلا ہو جیسے
اپنی زلفیں سے شادابی پہ بکھر جانے دو
دو گھڑی گردشِ دہان کو شہر جانے دو
لاکھوں سلام شوقی رفتارِ یار کو
چلنا سکھا دیا ہے نسیم بہار کو
تیری نسبت سے طاہر ہے مجھے یہ فوجی جمال
مسکاتی ہوئی ہر چیز غزل ہو جیسے
بجھا چکا ہوں ترے انتظار کی غمخیز
کھلا ہوا ہے مگر تمام ہی سے دہانہ
لکھنا بھی قربان، اب دگی بھی نہا
یہ تیرا بھول سا چہرہ یہ فدا سا خانہ
ابھی کم کم ہے ترے قرب کی خوشبو رائے دست
اپنی نگاہ میں بھی سبک ہو رہا تھا میں
آدھی قوجہ سے کام لے تو دنیا میں
کچھ اس ادا سے میں نے کیا اُس کا تذکرہ
ابھی سے بخش دے غم یہ کیا کیا تم نے
ابھی ابھی تری غمخیز سے اُٹھ کے تپا ہوں
ہر بار یہ وہ دھوکے ہوتا ہے کہاں مجھ کو
یہ بات اگل تھیری اپ ہم کہ نہ پہچانی
یہ مارِ محبت ہے سچے کا زمانہ کیا
دیوانوں کے حال سے بھول کے گریبان تک
ان کے جلوے عام ہیں لیکن
مجھے یہ قومِ یادِ رنگ و رنگت نہیں گلدانہ بھول ساتی
خداں کسیدہ میں غنچہ و گل بہار پر ہیں جوبلی ساتی

اپنا اپنا فوجی نظم رہے

ان کے جلوے عام ہیں لیکن

مجھے یہ قومِ یادِ رنگ و رنگت نہیں گلدانہ بھول ساتی

خداں کسیدہ میں غنچہ و گل بہار پر ہیں جوبلی ساتی

میں شام اخبار تراکیما نکالی ہے یاد دل کی چاندنی کو گفن کہ رستا ہوں میں (دوسرا ۱۱۳)
یاد دل کی چاندنی — پھر اس کو گفن کہنا تاخیر بات کیا ہوتی؟ یہ جو نام نہاد "ترقی پسند شاعری" کی عام دبا پھیلی ہوتی ہے اس شعر پر اس کی بھینٹ شاعر کو لگ گئی!

منقذی جہاں اس قابل ہے کہ ہر حلقہ میں اس کی پذیرائی کی جائے، جناب عنوان چشتی کے بانگ میں انفرادیت پیدا ہو چکی ہے، اس کتاب کا اسٹ سے ان کی شاعری کا شاید مستقبل جھک دکھلا رہا ہے!

انڈ — مالک طام دایم — اے صفحات ۲۹ صفحات،
کتابچہ پر نہ ترقیت درج ہے، اسٹ لٹے کا پتہ (خطبہ صدارت)

آل انڈیا اور نیشنل کانفرنس ماہ اکتوبر ۱۹۶۷ء میں مرتبہ علی گڑھ میں منعقد ہوئی تھی، جس کے شبہ اردو کی صدارت کے فرائض جنرل لکھنام نے انجام دئے، ان کا خطبہ نہایت ہی دلچسپ شکل میں شائع ہوا ہے،

اس خطبہ کا موضوع — اردو کی ترقی — ہے اور کوئی شک نہیں اپنے موضوع پر یہ ایک محققانہ مقالہ ہے، خاص طور پر اردو کے اردو دیکھ بڑی ایسے دیکھ کے ساتھ جائزہ دیا ہے، یہ مقالہ کچھ فائدے کی وضاحت مطالعہ کی شہادت دیتا ہے یہ ایک عالمانہ خطبہ ہے جس کے مطالعہ سے معنویت میں اضافہ ہوتا ہے اور ترقی و ترقی کے نئے گوشے نگاہ کے سامنے آتے ہیں:

یعنی، اگرچہ اس خطبہ پر مقالہ نگار کی تنقید کھلی، یہ اس خطبہ کا گزردہ سبب ہے، جمہوری طور پر یہ خطبہ پڑھنے اور غور کرنے کی چیز ہے۔

انڈ — سہیل اختر، صفحات ۱۳۳، صفحات دو جلد، زمین گروپ پبلشرز، قیمت چار روپے
صلیب درو — لٹے کا پتہ — پیراڈائٹ پرنٹ کارنر، ڈیرہ نانا کاں

جذب ہنس، نثر جہاں سانس و عین فارسی اور اردو کے ایلم — اے جی ان کی کتاب میں سبب کہ منظر عام پر آ چکی ہیں، نظم کے علاوہ مکتوبات نثر بھی لکھتے ہیں، ان کا مجموعہ کلام — صلیب درو — ہمارے سامنے ہے، جس کا — تقریبی خاصا جب نے مقدمہ تحریر فرمایا ہے! سہیل صاحب نے اپنے مجموعہ کا "انتاب" —

— سمندر پر تھیں کرتی ہوتی ان نعلوں کے نام دیکھا ہے

جن میں

سوائے کھار کا پانی کے اندر کچھ نہیں ہوتا

اس "انتاب" میں صحت تو ہے مگر اس کی — اشارت — سمجھ میں نہیں آتی! انتاب نگار کی ایسی شخصیت یا نئے سے بڑا چاہے جس میں عظمت و محبوبیت اور بے پناہی کوئی جھلک پاتی جاتی ہو اگر یہی روحیں ترقی و ترقی اور اصلاحی اپنی تخلیقات کو اینٹ پتھر و گھاس پھوس اور خار جس کے منسوب کیا کر رہ گئے ہیں، ان کے اثر کے کلام میں شدت احساس کے ساتھ — "پایا جاتا ہے ان کی محبت و محبت — آج نہیں، شعلہ جوار کی مانند ہے، تیر و ساری کے ساتھ علم جہاں کے امتزاج نے ان کی شاعری کو دلالت بنا دیا ہے، ہمیں اس کتاب کے ساتھ نگار کی اس رائے سے اتفاق ہے —

— ہمیں آخری غزلوں میں مجھے مستقبل کے اہم تھوڑوں کے ابتدائی آثار نظر آتے ہیں —

— صلیب درو کے ختم شدہ —

ہرگز گل تھے ان کی ہمارے وہ دیتے
جانتے تھے مال الفت کا
نور پر جو بادِ نعلات کی چلے ہوں ہر سول
پھر بھی اے دوست، تجھ کو پیار کیا

مے پرستی دھوٹ سکی ہم سے
تیرے کوچے کی سمت آنکلا
کس قدر تھا فخر و عسدرت ط
کبھی اپنی جفا میں یاد کر کے
ہم فیروں نے کچھ نہ پا کر بھی
ہم نے اپنی یہ داستانِ اختر
تیرے بغیر دیدہ و دل کے ہیں گنا
آسمان پر یہ ہمہ رخشندہ
ہم اہل دل کا رہے ہیں تھہر گئی
پیرا نظر آیا ہے ہر اک غلہ و کافرب
ہل سینگار میں دقتیں ہمارے دل

عزمِ قہہ ہزار بار کیا
جب کبھی دل نے بیقرار کیا
مسکراتے ہی کلی مر جھا گئی
وہ دل ہی دل میں شہرِ آستانے تو ہوں گے
تیرے حق میں بہت دعا کی ہے
درو دیوار سے سنا کی ہے
جلتے کو بن رہے ہیں مگر دشمنی کمال
تیرے قدموں کا نشان ہو جیسے
تری ونا کہ تھی عمر گریز با کی طبع
آتی ہے غنیمتِ دل کو شہرِ دل کی چھائی میں
جلتے ہوں جیسے دیب چاندل کی چھائی میں

دوسرا رخ

ہم بہترین میں تنہا ہی چلے ہیں برسوں
مگر بھی ہم سے دندیلوار چلے ہیں برسوں
بد تنہا سے شاعر نے شعر میں آخر کیا ناں لکھا ہے، اگر ہم رہے شرق میں دوسروں کے ساتھ چلتے، تو کیا دندیلوار کو پھر جہنم نہ ہوتی، اور جو
کوئی درو دیوار کے سایہ میں نہیں چلتا، اس سے درو دیوار غور۔ کیوں جلتے ہیں! یاد اس میں یہ "انشاریت" ہمکے دنیا میں جن لوگوں کا ہم احسن
نک نہیں لیتے وہ بھی بلا دھرم سے کد رکھتے ہیں!

دل کو پھر گھر ہے ہی وہ اندھیرا ہے دوست
تیرے عارض کی فضا سے جڑیں ہلے دست

"جو ہے پیارے دوست" اس مصرع میں تائید دے نے شوکر و جہان کے لئے تکلیف دہ بنا دیا۔

سارے دل شکستہ یہ لاکر خوشی کے گیت
میں مصرعوں کے دل کو بھاتا چلا گیا (ص ۱۸)

مگر مصرع ثانی میں کتبت کی غلطی نہیں رہ گئی۔ تو یہ مہل مصرع ہے۔

جب کبھی زلفِ حسین ہمارا گئی
آمدِ دلوں پر جوانی آ گئی (ص ۲۰)

نوشقوں کا سا انداز

تو گر جذبِ دجست کا حسین میانہ
میرے شیرازہ ہستی کو پریشاں کر دو (ص ۲۲)

جذبِ محبت کا پیانا کیا ہوتا ہے؟

روالفت میں اپنی سست لگائی
وہ اب محسوس فرماتے تو ہوں گے (ص ۲۵)

"اب سے کی مراد ہے! شاید وہ زمانہ جب عرفین کے دنیائی تعلقات نہیں رہے۔ اس مصرعہ لفظی خیالی کے اعتبار سے بھی سست ہے۔

زیستِ سائون کی بھڑکی ہو جیسے
اور کتنی دلی سے کھڑکی ہو جیسے (ص ۳۳)

مختر "ہونا" ہاؤل اس گھٹا کے لئے آتا ہے، بجھے صحیح سے گھٹا میں کھڑکی ہوئی ہیں۔ "بھڑکی" کے لئے "گھٹا" آتا ہے۔ دروپر سے بھڑکی
نہ ہوتی ہے۔

ہم ترے لب کی حلاوت کھلے تلخی غم کی ڈگر سے گزرے (ص ۳۳)
جس شعر میں "لب حلاوت" تلخی غم اور گزرے، جیسے فارسی اور عربی کے شاعروں، بسک اور نرم الفاظ ہیں، ان کے وسیع - ڈگر کتنا
لفظ آگیا ہے۔

ہم قصے کے ہنرے آنچلوں میں جاٹھے بھری ناگن سی گھڑیاں ہاتھ ملتی نہ گئیں (ص ۳۴)
یہ جہ وہ ترقی پسند انسان کہ اسلوب بیان "جس نے شعر و ادب کے مزاج کو بگاڑ دیا ہے۔"

مری فرہ پر مری زیارت کا ہو تو نہیں یہ شب چراغ کہیں داغ صحو تو نہیں (ص ۳۵)
صحو غامی خوب نہیں بہت خوب ہے مگر صحو ادبی میں "زیارت کا ہو" نہیں ہے۔ "مرا خون آندہ" آندہ تھا۔

وہ پھول بوشہم کے تطف کے کھلے تھے آفات کی اس دھوپ میں کس دھیرے میں (ص ۳۶)
توبہ! ——— وجدان کو آبرو کی آنے لگی!

مندلمات کے قصوں کے لئے صورت سم دہی ہے تیرا یاد (ص ۳۷)
مندلمات "اند پھران" کا۔ قصوں "اس پرستار" کا صورت سم دہی "کوئی کل بھی اس شعر کی سیدھی نہیں ہے۔"

یہ تمنا بھی سٹی کوشش ناکام کے بعد کاش میں نام مرا لوگ تمہے نام کے بعد (ص ۳۸)
آفات کیا ہوئی؟ عشق میں گم اس کی کوشش کرتا ہے کہ مجرب کے نام کے بعد عاشق کا نام لوگ لینے لگیں، پھر شاعر کو اس کا تجربہ کیسے ادا کیا
یہ شعر جس "کھلے" (یہ تمنا بھی سٹی) سے شروع ہوتا ہے، اور تو ہی کمزور ہے۔

ناگن سی ایک بات ہے ادھم ہیں دوڑو دل بہن حادثات ہے ادھم ہیں دوڑو (ص ۳۹)
چکنا نہ اند بیان!

دیدہ دول میں ملتی ہو تو غزل ہوتی ہے حسن نیزے کی انی ہو تو غزل ہوتی ہے (ص ۴۰)
"حسن" کو "نیزے کی انی" کہنا، حسن اور شاعر کے دونوں کے ساتھ مذاق ہے۔

پھر دل ہے بقدر لب و دل کی چھاؤں میں اک پل کو ابی ہاؤس دلی کی چھاؤں میں (ص ۴۱)
"بہان کی جمع یہاں کھٹکتی ہے، شاعر شاید کہنا یہ چاہتا ہے کہ دل موسم بہار میں بھی بے قرار ہے، تم ذرا سی دیر کے لئے رات میں کسی لذت آج تو

رکھ دیا ہر جیسے لطافت سے جیسے عادی اس قدر نرم و نعل جیسے ہوا کا ہزار کا (ص ۴۲)
"الطاف" — "لطف و نرم" کی بجائے استعمال ہوا ہے، محبوب کے رخسار کی ہوا کے نرم و نعل جیسے ہوا کا ہزار کا ہر جیسے ہے۔

ہمارے خواب ویران کی غزالہ اک توقف کر کسی دف تیرے خوابوں میں بیشک کہم بھی نہ بکھیں گے (ص ۴۳)
"اک" شعر میں کتنا اکھڑا اکھڑا لگتا ہے! دوسرا صحرے میں نہیں ہٹتا ہے۔

میری گستاخ محبت کا لڑنا دامن تیرے آئین سے جو چھو جائے کہانی بن جائے (ص ۴۴)
"گستاخ محبت" لڑنا دامن کیا جاتا ہے۔ پھر لڑنا دامن جو کہ آئین سے چھو جائے سے حقیقت کی بجائے "آؤ" کہانی "کیوں بن جائے گا!"

جدید شعرا جن ترقی پسند شعروں کا پیغمبر ایک عظیم شاعر تھے میں تمنا کی یہاں نکلے بیان انسان و کلامہ کی فاضل غلطیاں میں آئے، ان کے متدین شروع
خط لگانا اور غلط انداز بن جائے ہیں! ——— ہیں اترے صاحب کی طرح۔ ترقی پسند کے خاردار سے دامن چاکر غم و غم کی دلی میں گامزن ہے تو سفا

جو صورت کہ ترقی کریں گے، کاش! وہ نام نہاد ترقی پسندی کے گند و غبار ہے اپنے ذہن و فکر کو پاک و صاف کر لیں۔

باواؤی وائین ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

منگھاپیر وڈ کراچی

ہر قسم کا سوتی اور اونی کپڑا — کورا اور دھلا لٹھا
 (دوسرے قسم کا دھاگاتیار ہوتا ہے
 باواؤی وائین ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ کا تیار شدہ کپڑا

ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہے
 پاکستان کی صنعت کی قدر اور حوصلہ افزائی

آپ کا قومی فریضہ ہے

آدم جی کا پارہ جاتا
دیکھو سو گئے ہیں



آدم جی کاٹن ملز لائنڈھی کراچی

فساد خون سے بچنے کے لئے صافی

اور قبض سے
نجات کے لئے اب اسٹریپ پکینگ میں

صافی قبض کشا قرص

صافی قبض کشا قرص - مشہور خون صاف کرنے کی قدرتی دوا
صافی سے تیار کئے جاتے ہیں۔

صافی کے یہ قرص نہایت احتیاطاً و نرمی سے بغیر کسی قسم کا نقصان پہنچاتے
قبض رفع کرتے ہیں۔ مزید یہاں ان میں تمام مصفی خون صفات بھی موجود ہیں۔

ہر کیسٹ، ڈرگسٹ اور جیزل اسٹور پر دستیاب ہیں۔

بھرد و دوا خانہ (وقت) پاکستان
کراچی - لاہور - ڈساکر - چٹانگ

مارچ ۱۹۶۷ء

جلد ۱۸
شمارہ ۱۲

ماہنامہ فاران کراچی

ایڈیٹر: مہر القادری

تقریریں

۳	ماہر القادری	نقشِ اول
۸	سیاح و شاہ ایم۔ اے	وحی الہی
۱۳	مولانا عسکریہ خاں	قرآن ابدی فی نفسیات
۲۱	دفاعِ شہدائے ایم۔ اے	رحمت کی شاعری میں اسلامی رجحانات
۲۲	پروفیسر ضیاء احمد ہلالی	تکفیر و یاس کی حدود
۲۸		مولانا مفتی محمد یوسف صاحب کے دو مکتوبات
۳۶	محمد نعیم صدیقی	معیاری حکومت - مثالی حکمران
۴۳	محمد کبیر خان	ایک حکیمانہ حدیث کا پس منظر
۴۶	ماہر القادری	یادِ رفتگان
۵۶		ہمدردی نظم میں

چند سالہ - سات روپے - پبلشر: محمد حسین - قیمت فی پرچہ: ۶۲ پیسے

مقام اشاعت: دفتر ماہنامہ فاران کیمبل اسٹریٹ کراچی ۱

سب ممبرین پبلشر نے انٹرنیشنل پریس کونگریس میں حصہ لیا اور دستہ ماہنامہ فاران کیمبل اسٹریٹ کراچی کے نام سے شائع کیا۔

(پبلشرین اور ممبرین)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نقشِ اول

کیونکہ ہم کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے وجود کی نفی اور انکار پر ہے، اللہ تعالیٰ کے انکار کے بعد آخرت کے تصور کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایک کیونرٹ کے نزدیک تو یہی ذاتی دنیا سب کچھ ہے، کھانا، پیو، مڑے کر، عیش آسائش اور مر جاؤ، موت زندگی کا طلب سین ہے، پھر نہ کوئی دوسری زندگی ہے نہ کوئی پردہ اور یوم الحساب ہے، ہذا انسانی افعال پر غماز اور سزا کا کوئی امکان ہے۔

سہ یا پھر یہ عیش کو شش کہ عالم دوبارہ نیست

جس طرح ایک کیونرٹ کسی ملک میں انقلاب لانے کے لئے ہر قسم کا ظالمانہ حربہ اور سفاکانہ تدبیر اختیار کر سکتا ہے مثلاً یہ کہ صرف انتشار پیدا کرنے اور عوام کو بدعنوان بنانے کے لئے کسی ٹرین کو جم سے اڑا دے یا عوام کے اجتماع میں گولی چلا دے، اسی انداز پر کیونرٹ حکومتیں بھی کسی اخلاقی ضابطہ کی پابندی نہیں ہیں، وہ اپنے بڑے سے بڑے لیڈر کو حکومت کی کسی پالیسی سے اختلاف کی پاداش میں گولی مے آٹا سکتی ہیں، روسی حکومت میں سیریا کا جو مشر جانہ ہمارے سامنے ہے، وہ ان ملزموں کو اپنی عفا فی میں بولنے تک کی بھی آزادی نہیں ہے، حکومت جس کو سزا بھیجتی ہے اس کو پولیس کے ذریعہ پیسے ستل عذیب میں مبتلا کیا جاتا ہے کہ وہ ناکردہ گناہ اقرار و جرم پر مجبور ہو جائے، کیونرٹ ملکوں کی عدالتیں بھی انصاف کے تقاضوں کو بردائے نام ہی چلا کرتی ہیں۔

کیونرٹ حکومتوں میں، حکومت کے کسی فعل پر کوئی تنقید نہیں ہو سکتی، کوئی مظلوم اور محبت زدہ کسی قسم کا کوئی احتجاج نہیں کر سکتا، انٹرا کی ریاستوں میں افراد میں حکومت کا یہی طرح قبضہ ہوتا ہے، وہ عوام کے کسی فرد کا ایک حرف احتجاج بھی شائع نہیں کر سکتے، حکومت کسی قسم کا نرم سے نرم مطالبہ یا احتجاج کرنے کے لئے کوئی جلسہ منعقد نہیں ہو سکتا، حکومت کی خدہ حکومت عملی ہو یا داخلی پالیسی اس پر مبنی نہ رہے اور نقد و راحت ب کا کسی کو حق نہیں ہے۔ ریڈیو، پریس، ٹیلی ویژن اور نشر و اشاعت کے دوسرے ذرائع بالکل حکومت کے ہاتھ میں ہوتے ہیں، عوام ان سے استفادہ ہی نہیں کر سکتے حکومت کی کسی بھی پالیسی پر عوام کا کوئی رد و عمل پریس میں نہیں آ سکتا، یہاں تک تین ذرائع ہمارا، عوام بالکل بے اختیار ہاتھ دے رہا ہے!

وہ جو قدیم زمانہ میں کہا جاتا تھا کہ —

بادشاہ غلطی نہیں کر سکتا

یہی شانہ، وہ جاگیر دارانہ عقیدہ کیونرٹ ملکوں میں زندہ اور پائندہ ہے کہ حکومت غلطی نہیں کر سکتی، بادشاہ کی جگہ اب حکومت نے لی ہے۔ شبہناہیت، مطلق انسانی اور مہریت جوں کی توئی کیونرٹ ملکوں میں موجود ہے بلکہ پہلے سے زیادہ طاقت اور وسعت کے ساتھ موجود ہے۔

کیونرٹ حکومتیں، مواصلات میں جمہوری رویوں میں امپریلزم اور ڈکٹیٹر شپ کی رویات کو ان کی تمام خصوصیات کے ساتھ قائم کئے ہوئے ہیں، کہنے کو

میردم سراپہ لدا کہ او جاگیر وادانہ مقام کے خلاف مزدوروں کی تنظیم ہو کر دراصل کینزٹ حکومت قحطانی جگہ سراپہ دار بھی پھا اور جاگیر و
بھی چھوڑ دے وہ علوم اور خاص طور سے مزدوروں کی معاشی ضرورتوں کا اہتمام کرتا پھا اور انہیں ہمو کار فرماتے ہیں، دینی، مگر اس اہتمام حقیقت کی حیثیت
تہذیبوں کی زندگی میں ہے جہاں قیدیوں کو حکومت کی جانب سے کھانا بھی ملتا ہے، طبی سہولتیں بھی مہیا کی جاتی ہیں اور ان کو دست کار بھی
دیا جاتا ہے۔

کیونکہ حکومتوں کے یہاں اخلاق و پاکیزگی کا کوئی ضابطہ نہ ہے جو یہ نہیں ہے، شریعتِ خدا کا یہی ضابطہ اخلاق و روحِ دوسو ہے تمام فراموش کیونکہ کہ نہ ایک آیت انسان کی فطری ضرورت سمجھ جاتے ہیں۔

نہی ہے اور تیس دوسروں کے پاس ہیں اور ان کے دلوں کے دھند کا غیر گہری میں جانا اور بد چلتی کیونٹ حکومتوں ہی کی ایجاد کی ہوئی ہے اس وقت کے تمام فرائض کو سنبھال دینے اور انہیں مقبول بنانے کا سہارا ہے کہ اس طرح ہیں اخلاقیات کو نقصان پہنچتا ہے جو خدا کا خوف ہے کسی نہ کسی میں گہری میں گہری اور بد چلتی دلوں کے ہوتے ہیں۔

برجاء پسند گنگسلیک بار حکومت کی کوئی پیشہ کر، چھوٹے سے تنہا ہی نہیں چلے اور آخری سانس تک تخت اقتدار پر جمے رہنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ ان کو فرماں روائی کے گیر نہ ہو سکتا ہے۔ یہی حکوتیں ہیں جن میں ملک افروغ کے تختے - شافین اور نمونے ہیں کہ اگر تم اپنے اقتدار کا دمام کاچھو، تو ہماری عقیدہ کی تمام کو اس طرح شکنجے میں لکھ دے گا کہ جس طرح کیلکس، یہاں تک کہ انقلاب قیادت کا تصور ہی ان کے ذہن سے نکل جائے۔ تمام کو بے اختیار کمر دے اور جلسے باندھ کے جوڑ جنگ کر لیں۔ ان کو تو تھیں وہ ان ہندام جاہل بادشاہوں کو کہاں آتے تھے، جن کا نام سن کر ہر کوئی فرس بجھتا ہے :

جمالِ ناکہ کی زندہ مثال ہمارے سامنے ہے، جس نے اس مطلق العنان فرداں دعا کے گیرِ فٹ حکومتوں کو غمزدہ بنا کر انسان کی مثال سامنے رکھ کر تعریف جی جی تیس ڈھائی ہے وہ سب پر ظاہر ہیں دین کی جمہوریت کی آواز کی ادھاق و شوق کی وہ گون کا تہ ہے جسے اس شخص نے بھیج سلامت پہنچے رہا ہے۔ یہ شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ جب تک سلفوں کا اسلام انسا سلام کی رعایت ہے تعین اسد ثابتگی ہے گی، جمالِ ناکہ کی شخصیت - اللہ نہیں بن سکتی اسلام کی وحدت کو مفضل کرنے کے لئے - سب کویت کی تحریک شروع کی تھی اور وہ بد بلا کہہ کی "شعبیت" کی طرح اسلامی وحدت اور دینی مرکزیت کے خلاف فاطنہ سدش ہے، اس تحریک کو دل و دعا سے پر غالب کرنے کے لئے ناکہ کی سب سے زیادہ معروف شاہراہ پر "فرزینِ کبریا عیسائیوں" کا جبرہ نصب کیا گیا ہے۔ اللہ - نحن ابناہ - الفرحون - (ہم فرزین کی اللہ ہیں) کے نعرہ کو کھائی تو وہ بد بلا کہہ کی جد جہد جاری ہے۔

اس اسلام دشمنی پر نوکے والی واحد جماعت۔ اہل ان السون حق اس کی کیاست اذقیات کو جمال ناخرنے اپنے امت کا حریت سمجھ کر سب پہلے اس کو شکستہ لگا۔ اہل ان کو تعزیر وادیت کی بن دندان کو بیدار گزنا پڑا ہے اس پر خون کشا نوسہا کر بھی تعزیرت ادا نہیں کریم کا تعزیرات حق بھی ادا نہیں ہو سکتا، عبداللہ و محمد، سید قطب اند مقبلی یہ وہ شخصیتیں تھیں کہ اس وادیت نہ وہ دعویں دینی علم و فضل کا بحر ان سے قائم تھا مگر یہ شخصیں گل کر گئیں، باقی دھواں رہے نہ

۱۔ اعلانِ پرنسپل میں نوٹ ہے جس میں اللہ دیندار صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ علم کو ستم کی یہ بجلیاں، افغان کے مشابہان کو خاکستری کر دیا اور پھر ہی محمد جانی گ، ہم کو کوئی آج کے آج کے، مگن کی خود مرضی، خوش نہیں اس خط لکھ رہی تھی، افغان کی تباہی کے بعد مقرر کے وہی حقوں کا پھر دفعہ بھی ستم کر دیا گیا، مقرر کے معنیوں کے ستم جمال آفر کی مرضی کے خلاف شکل ہی سے حرکتیں لکھتے ہیں۔ جو علما اس جاہلانہ ماحول میں ہی وہی مسائل میں اظہار مرضی کی جرات کرنا نہیں ان کی آواز پر پس اللہ دیندار کے طریقہ و سرن تک پہنچتے نہیں بلکہ جاتی۔

جہاں ناصر نے اپنے اندر کو دوام اور استحکام دینے کے لئے جیسے کوششیں کیں، وہاں وہ بنا دیا گیا اور اسے نافذ بھی کر دیا گیا، جن فوجی

نے جس عظیم الشان عزیمت و استقامت کا ثبوت دیا ہے اس میں غلو مولیٰ اودقی پسندوں کے لئے بڑی تسلی اور عبرت ہے۔
اللہ تعالیٰ کی معافی پیش نظر ہو تو پھر دنیا کی ہر سختی اور مصیبت کا خیر مقدم کیا جاسکتا ہے! اہل! یہ غرور ہے کہ خواہ غنا
پریشانی میں پڑنے اور مصیبت میں مبتلا ہونے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے؛ مگر جب کوئی مصیبت آن پڑے تو صبر و استقامت کے ساتھ
اُسے برداشت اور گوارا کرنا چاہئے!

ہر حال میں حق پر جیسے رہنا، اُسی کے لئے کام کرنے جانا، یہ ہے غرور و عن کا گناہ، یہاں تک کہ اسی جدوجہد کے عالم میں
مرتا آجائے! اور خاتمہ اس طرح ہو کہ عالم غیبی ہے اور ملک ہم اغفل عن کی حد میں آ رہی ہوں!

ماہر رتہ دری

۲۲ فروری ۱۹۶۷ء

سید عرفان شاہ ایم۔ لہ
 رفیق احاطہ مطہر اسلام آباد

وحی الہی

انسان کی اہم ضرورت

یہ کہہ ارض ایک مدت ہے انسان کا سکون ہے۔ یہاں انسان نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوتوں اور صلاحیتوں سے شب و تاریک کو چلائے اور کبھی کے نظروں سے روکش کیا، سوال سے ایسا ڈھالے اور دشت خاردار کو گلزار بنایا۔ یہ کہہ ارض جو ہمارا مسکن ہے، ہمارے مستحو اور ذوقی قمار کا مرکز ہے۔ انسانی فکر اور فلسفہ یا نئے حیات کے تعلیمات کی اسی زمین (الفنڈی) سے تعلق رکھتے ہیں، انسان غم خوردہ ہیں اس سبب پر کہ کیا ہے کہ یہ جہان کیا ہے؟ یہ عالم کیسے وجود میں آیا؟ اس کا وجود خالق کرنا ہے؟ اس جہان کی دیگر تخلیق کیا ہے؟ خالق اور مخلوقات کا باہمی رشتہ کیا ہے؟ کیا یہ برکت ہے؟ یا اس کا کوئی انجام ہو گئے والا ہے؟ یہ لوگ کہاں سے آئے ہیں اور کدھر جا رہے ہیں؟ یہ اور اس قسم کے بے شمار سوالات ہیں جن پر انسان نے ہر بعد میں غور کیا ہے اور کوشش کی ہے کہ وہ ان کے بارے میں کوئی تسلی بخش جواب پائے چنانچہ اپنی اپنی فہم کے مطابق ہمیشہ ہر انسان اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے، دیکھتے مری علیہ السلام کی ملاقات اچانک ایک بالکل ان پڑھے پیدا ہے سے ہر جاتی ہے اس کے ذہن میں بھی اس مسئلے کا ایک حل تھا، خواہ اس کی تعبیر و توجیہ سے حضرت مریؐ کو اتفاق ہو یا نہ ہو اور طریق اور اسطرح کے ذہنوں میں ایک حل تھا خواہ مریؐ کا چرما اس سے اتفاق کرے یا نہ کرے

۱۔ انسان کے حسی اور ذہنی وسائل۔

انسانی خود فکر کے تاریخ اور اس کے نتیجے میں سامنے آنے والا تمام ذہنی اور فکری لڑی پر شاہد عادل ہے کہ کسی بعد میں بھی انسان محض اپنے ذہنی وسائل سے محض کائنات کو حل کر نہیں کامیاب نہیں ہوا، نہ اس بات کا بھی کوئی امکان نظر آتا ہے کہ مستقبل میں انسان بڑھ سکے گا۔ انسان کے علم کا دائرہ انسان کی حواس پر ہے۔ اس کے تجسس و کائنات میں وہ حواس خمسہ کے مروجہ دست ہیں یعنی سامعہ و بصری و قوت، (دیکھنے کی قوت، ذائقہ، (چکھنے کی قوت، (شم، (بو سنے کی قوت، (اسلامہ (دھبہ کی قوت) یہ ہیں انسان کے ظاہری حواس۔ ان کے علاوہ انسان کے پانچ باطنی حواس بھی ہیں مثلاً۔ حسی مشترک۔ یہ حواس ظاہری کا ٹک خاندہ ہے۔ ہمارے پانچ ظاہری حواس جن میں چیزوں کا ادھاک کرتے ہیں وہ سب چیزیں حسی مشترک کے اندر نقش ہو جاتی ہیں۔ خیال یہ تمام معلومات کا اسٹور ہاؤس اور گودام ہے، جو معلومات حواس ظاہری سے ہرگز حسی مشترک میں نقش ہوتی ہیں، یہاں آکر جمع ہو جاتی ہیں اور خیال میں جمع شدہ معلومات حاکم کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں اور بہت خدمت یاد آ جاتی ہیں۔ تاہم یہ وہ قوت ہے

جو حکمت کا جائزہ لیتی رہتی ہے انسان کے متعلق احکامات صادر کرتی ہے، مثلاً ہم نے دیکھا ہے ایک لنبی جیز کیسے جو حرکت کرتی ہے، اس کا تہہ ہندسہ جس مشورہ گنیاں میں پہنچ گیا اسی دوران سے ملاحظہ ہو، پھر پناہ وقت ماہر اس "حکمت کے باوجود" احکامات صادر کرتی ہے مثلاً یا لنبی جیز انسان ہے جو پکڑا گیا ہے یا یہ کہ کسی جانور پر پکڑے پڑے ہیں جو اپنی جگہ پر حرکت کر رہے ہیں، "تخلیہ" یہ بڑی اہم قوت ہے یہ ایک طرف یہ تمام حکمت میں تعریف کرتی ہے اور دوسری جانب اس کا تعلق معافی دینا اور عالم بالا سے بھی جتا ہے اور ان سے کشف والہام کے ذریعہ نفع معلومات حاصل کرتی ہے لیکن عالم روحانی ہے اس کا تعلق اس وقت قائم ہوتا ہے جب ظاہری حواس اپنا کام بند کر دیں یعنی غنڈ کی حالت میں۔

ذہنی قوتیں پس نواہ ظاہری حوصلہ یا باطنی، ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ہمارے تمام ظاہری حکمت اور تمام علوم و تعلیمات کا واحد ذریعہ حواس خمسہ ہیں، یہ حواس جو مادی و فزائیہ ہیں، ان کا ذہن اور اس کی مادی قوتیں اس کی بنیاد پر قائم رہتی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا خود فلسفوں اور دانشمندی کے نقطہ نظر سے یہ بات ممکن ہے کہ انسان محض اپنے فرائض ذہنی کے ہمارے کائنات کے متعلق تمام سوالات کا جواب دے سکے اور ان طبیعت اور علم کے تمام حقائق کو جان سکے۔ اگر اس کا جواب نفی میں ہو تو پھر ہمارے علم کے روحانی اور تعلیمات خداوندی کے اند کوئی ذریعہ علم ہی نہیں اس کے بغیر ہم ہمیشہ حیرت و بے خبری میں مبتلا رہیں گے اور کبھی "حقیقت" معلوم نہ ہوگی۔ ایک نہ پر پکڑیں گے۔ اقبال نے نہایت لطیف انداز میں وحی اور تعلیمات الہیہ کو "دانشِ فردانی" کہا ہے انسان کے حواس کی بنا پر حاصل شدہ علم کو دانشِ برائی ہے۔

۲۔ علم کے فرائض انسان کے حدود۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ سب سے پائیدار اور ذریعہ علم "مشاہدہ" ہے۔ یعنی کسی چیز کو اپنی حواس کے ذریعہ سمجھنا۔ لیکن حواس کی جو حیثیت ہے اس کے متعلق بخیر ملاحظہ فرمائیں اس کی کتاب "مختصر تصانیف" میں لکھا ہے۔

"خلق کا ایک اندیشہ مافوق فطرت ہے کہ حواس جو حقیقت ہیں، محض مادی اغراض کے لئے عطا ہوئے، اہمیت اشیاء کو کسی چیز پر متکشف کر سکتے ہیں۔"

یہی مصنف ایک دوسرے مصنف MONTAIGN کا قول نقل کرتے ہیں۔

"ان کا علم بہت ہی ناقص ہے۔ اس کے حواس غیر فطرتی اور غلط انداز میں ہیں، ہم سمجھیں یہ نہیں کہ سب کے کہ انہوں نے حقیقت ہی کو ہمارے سامنے پیش کیا۔ حواس کی دنیا ایسی ہی معلوم ہوتی ہے جیسی ان کی حالت اور غلط ہے انسان کے حواس کی اشیاء نہیں بلکہ آلات حس کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ حواس پر یقین کرنے کے لئے ہمارے پاس ایک آلہ ہونا چاہئے جو ان کی تصدیق و تکذیب کر سکے۔ اور اس آلہ کی جانچ کے لئے ایک آلہ آکر ہونا چاہئے اس طرح یہ سلسلہ غیر متناہی ہو جائے۔"

جب یہ حواس ہی محدود ہو گئے تو ان کے ذریعہ حاصل شدہ علم کی کیا حقیقت ہوتی۔ لیکن یہ مسئلہ یہاں آکر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ہماری بڑی مصیبت تیرہ ہے کہ ان ناقص اعتبار حواس کے ذریعہ بھی ہمارا ذخیرہ معلومات نہایت ہی قلیل ہے اور ہماری عقل کی حدود نہایت محدود ہیں، ہمارے علم کی جو حدود میں خود مصنف اول کے عقلا کے خیال کے مطابق یہ ہیں۔

۱۔ اہل مشرق کہ اس لیے آکر ہو رہے ہیں وہی اہل اہل مغرب شہید ہونے کے لئے صدوں تک۔ ۲۔ اہل مشرق کہ اس لیے آکر ہو رہے ہیں وہی اہل اہل مغرب شہید ہونے کے لئے صدوں تک۔ ۳۔ اہل مشرق کہ اس لیے آکر ہو رہے ہیں وہی اہل اہل مغرب شہید ہونے کے لئے صدوں تک۔

نہیں مہربان۔ اس سے بچنے کی بہترین تدبیر یہ ہے کہ ہم اپنے اعلیٰ اسٹیشن پر پہنچ کر کم کر کے اس کے لئے سے پہلے ہم خود
اصل دشواری کو سلوک کر کے اس کا اعتراف کریں۔ اس کی ایک اعتراف خود ایک فضیلت ہے۔

۳۔ عقل کی نارسائی۔

ہر زمانے کے لکھنویوں نے اگر وہ خدا سے دعا دیں، بتلا نہیں، چوں کہ ایک صوبہ ہا کلائی عقل کی نارسائی اور علم ان کی حدود کا اعتراف کیا
لیکن یہاں تک کہ اس اعتراف کے ساتھ ساتھ بہتر علم کی تبلیغ بھی کی ہے، وہ خدا سے دعا کرتے ہیں کہ ان کے لئے بہترین ماستری ہے کہ
ایک صوبہ ہا کلائی عقل کریں کہ اس سے بچنے کا راستہ ہو سکتا ہے۔ یہ ہے کہ خدا کی طبیعت میں جانا تو خدا کی بات ہے ہم خدا نے ذہن ہی نہیں مہربان
وہی النفس کے اس قدر متبصر وہ۔

دوسرے عالم اساتذہ کی گندگا ہوں کا

اپنے انکار کی دنیا میں سفر کرنا

یہ چھٹل چٹکیاں کہنے والے ان کا المیہ۔ دوسرے اصناف میں ہم باغیہ جالیہ ہیں ماضی سے برکت کے کھنڈ پر پڑے۔ یہی صفت کھنڈ ہے۔
"انسان ذہن کا ایک عجیب خاصہ ہے کہ ایک طرف تو وہ ہمارے لئے نہایت اعلیٰ اور عمدہ بات کی حیثیت رکھتا ہے لیکن
دوسری طرف جب یہ صفت بڑھتی ہے تو ایک تاریکی پیدا ہوتی ہے اس صوبہ ہا کلائی عقل کی نظر نہیں جتنی کہ ایک کلائی عقل کی نظر
انسان کے دوسری آسانی سے گفت میں آجاتی۔ بات یہ ہے کہ انسان اس قدر لطیف اور نازک ہوتا ہے کہ ایک حالت
پر دیر تک قائم نہیں رہتے۔"

انسانی دنیا میں کس قدر قوی ہیں؟ وہ کس طرح کام کرتی ہیں۔ ان کے عقل کی سرزندگی ہوتی، کہ وہ ہر اس نازک شے کی کو چھتا ہے۔
"ذہن کا یہ خاص فعل جس کی بنا پر ہم معلومات کے حصول اور عمل سے معلومات کا استنباط کرتے ہیں، چونکہ تمام عملی فنون انسانی
بقائے لئے اشیاء سے ہیں، اس کو انسانی عقل کی قیادت کے سر و نہی کی جاسکتا ہے کہ عقل کا استعمال کا یہ
حال ہے کہ ہمیں ان کے ابتدائی ایام میں اس کا سر سے پتہ نہیں ہوتا اور ایسا کوئی ذہن بھی انسانی زندگی میں نہیں آتا کہ پہلے
کے نہایت عقل کی طرف سے بھی ابتدائی فنون اس خطہ کا خطوط نہ لگا رہتا ہو۔ لہذا قدرت کی اس عجیب و غریب حکمت کا انتظام
جو ہر شے کی نظر ہی سے ہی تھا کہ وہ ذہن کے لیے ہم اس زندگی کے لئے اگرچہ خود کو کسی ایسی جبلت یا نیکی سیلان کی شکل
میں دیکھتا ہے جس کے افعال میں عقل کی گنجائش ہی نہ ہو جس کا سرچشمہ زندگی اور فکر کے اولین سرچشمہ کے پاس ہر اور عقل و
ہم کے شکست پیدا کرتے ہوئے قیادت سے آجائے، ہر طرح عقل فہم کرنا ہے اور ان کی اس استعداد کو اس کا سہارا ہے بغیر
اس کے کہ ان کے حساب و محاسبات کی مشین کا پیچہ سے علم حاصل کریں، اسی طرح وہی "عقل" سے ہماری اندہ ایک
ایسا جیل میں لان بھی دیکھ کر دیا ہو کہ ان کو اس ملہ پر لگا دیتا ہے جس پر کہ ان کا تعلق خارجی میں ہی ہے کہ ہم خود ان
ظاہری اور عجزی کے پاس سے جان بوجھ کر ان کی یہ مشیط اور سوس مشق و زحمت ہے۔

تو ہم اندہ دوسرے فلسفہ کی کچھ بات پہرے کر کے کہ غرض قدرت کچھ میں بنا ہے اس کی حقیقت ہے؟ تو ہم خود اپنے تمام فلسفوں کی بنیاد، علت و معلول
کے ایک ہی ماخذ ہے۔ اس واسطے کہ عقل کی حقیقت ہے اس کی وجہ سے ہم خود ہم کے عقلی کچھ میں ہی۔ علت تو ہم کا وہ سرچشمہ ہے اس کی کوئی حقیقت
نہیں سمجھتا ہاں اگر وہ ایک "فوق" عقل ہے، "اور اس سرچشمہ" اور علت عقل کا سہارا دیتا ہے ہم اس کی کوئی "خدا پاک" سمجھتے ہیں۔

نکات فلسفی، استعاره‌ای، مانیسم، عرفانی !

یک پیرا غصت میں خاندانہ کہ از پر تو آں ہر کامی نگری انجمنے ساختہ اند :

وہ رحیم و کریم ہستی نفسیات کی سرچوخی نہیں کرتی بلکہ اپنی حکمت و ہدایت سے اس کی توجیہ کرتی اور اسے صحیح رخ بھی عطا کرتی ہے۔
 قرآن و حدیث کی تعلیم کی طرح اپنے پیادہ طریقہ کے اندر موضوع (TOPIC AND ALTERNATIVE) توجیہ و اصلاحات، آغوش سے
 غیر متعلق نہیں ہوتا وہ علوم و فلسفہ، مسائل و مباحث کی حیثیات کا ذکر بھی اس انداز میں کرتا ہے کہ وہ گویا ایک کلی اصل الاصول کی فروعات ہیں،
 انبیا و صفت فلسفہ زندگی ہیں اس لئے ناگزیر طور پر انسانی زندگی ہی سے وہ خام مواد فراہم کرتے ہیں اور چونکہ انبیاء و صفت کے رفق و رفقاء کو معارف
 و روایات کا دلفز و بنا کر دھت لگا دیتے ہیں۔ حشر و حقیقی کی کتنی ہر پانی ہے کہ جاوید طلب کے حشر و رازگار اور بگڑے کے گرد و بی لکے بھی نشان
 نازل بنا دے، میرا ایک شعر ہے۔

پہلے تو اپنے آپ کو نہیں بنا دیا پھر خرم و دجھل کر ہی غنول بنادیا

افان نا نفس میں جتنی نصیبیں ہیں وہ سب شمعِ ازل کی غایت میں اذان کے تمام خبیات و خوبیات اور کائنات میں پھیلے ہوئے علیات و سبب اللمشک

ابن نظر جاننے، دیکھنے اور محسوس کرنے پر ہم میں کہ کل آئینہ عالم میں ان کا ہی سراپا ہے۔
ذوق جمال : حضرت کوئی کے بارے میں اشتادہ ہو کر "واقفیت علیک مجھے دیتی" میں نیا ہی طرف سے آپ کی شخصیت میں مجربیت اور

اور موسیقی رکھ دیتی تھی، غالباً یہی مجربیت تھی جس نے فرعون کو تائب کیا۔ قرآن نے انسان کے ذوق جمال (Aesthetic Instinct) کو بھی میج پر غالب لگائی اور یہی ذوق داستان یوسف و زلیخا کی بنیاد بن گیا۔ قرآن نے انسان کی بات بان لپیٹ کر آمادہ کر دیا، انسان کی حسن پسندی اس کے تمام وہ انداز سے حسن مطلق کی لامحدود تصاویر اور اسٹائڈ نیبائے حسن کی جلوہ طرازیوں کا تماشا بنیاد بنا دیا۔ یہاں تک نصف قرآن کے ایک سری مطالعہ جسے جست و خیز میں پیش کی گئیں، جن میں نفسیات انسانی کے مختلف اوصاف و صفات دکھائے گئے۔ کہانہ تھا کہ اس نفسیاتی نقطہ نظر سے قرآن کا مطالعہ کیا جاسے تو انسانی نفسیات کے تمام گوشے پہ نقاب نظر نہیں گئے اور علمائے نفسیات و علم الانسان (Psychoanalysis) کو یہ کتاب ایک نادر و ندرت کا مرجع (Book — Reference) کی حیثیت نظر آنے لگی۔ اسباب معلوم ہو کر کہ یہ کتاب، عامی کتب کی نگاہوں (دیکھیں علی الکتاب) بھی ہے۔

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خشک کا علمی دینی اصلاحی

الحق مہنامہ

زیر ہدایت: حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ العالی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خشک۔

ایک جھلک

۱۔ قرآن و سنت کی روشنی میں عالم اسلام کی دینی و ملی کا حال۔ ۲۔ عہد حاضر کی دینی اور علمی و فکری انقلابات کا انسداد و سرکشی و غیر دینی امور کے لیے پُر و تحقیق کلام ہے اور اسلام کی تحقیقات و نظریات کا جامعہ و مغربی تہذیب و تمدن کی تباہ کاریاں اور عالم اسلام کی زبردستی وہ مسلم معاشرہ کی غریبوں کا علاج اور مسلم دنیا کی ان کی ذمہ داریوں اور فرائض کی تلقین وہ مسلم دنیا کی تہذیب و تمدن کی تحفظ و ترقی کی پیہنگ۔ ۳۔ ماہانہ چندہ چھ روپے۔ ۴۔ مکتبہ حقانیت کراچی۔ ۵۔ انڈیا، تیسرا ہفت روزہ۔ ۶۔ دہلی۔

شمارہ ۱۰۰ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خشک (ضلع پٹنہ)

چراغ راہ

ماہ فروری ۱۹۶۶ء

مجلہ ادارہ معارف اسلامی

۱۔ ہمدردی، ۲۔ یسوعیوں کی مین و اقوامی سازش کا دستری ثبوت۔ ۳۔ مصباح اسلام۔

۴۔ اسلام و شریعت۔ ۵۔ ایک ہمساز و شریعت کا اصلاح۔ ۶۔ نصرت کی اشاعت خصوصی کا جائزہ۔ ۷۔ سلیم احمد

۸۔ احکام شریعت میں غیر کمالی اصول۔ ۹۔ مولانا حسین الدین

۱۰۔ دین و دنیا

فی شمارہ ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰ سالانہ چندہ ۹ روپے

چراغ راہ۔ یوسف نزل ہرمزئی اسٹریٹ کراچی ۱

دعا مانتی ایم۔ لے

وحشت کی شاعری میں اسلامی رجحانات

مردانہ مضامین وحشت کلمہ کی ایک غزلی گوئی حقیقت سے نہیں ہیں لیکن ان کے کام پر اس کی تعلیمات کا اثر عدلی کے انداز میں دینی عقائد کی جھلک رہی ہے۔ وحشت نہ صرف سنسنی خیز نہ صرف شاعرین قدرت نے انہیں غزل و غزل و طبیعت و طبیعت نہ اعلیٰ عاقلانہ عقل کیا تھا ان کے سینے میں ایک ایسا دستور تھا جس نے محبت کی چوڑی کھائی تھی اور عشق کی لذت بھی پائی تھی، مگر یہ عشق نہیں مجازی تھا تو کبریا حقیقی۔ ان کے ادا و جہالت کے جس گوشے کا تعلق لذت پاری اور وحدت الوجود سے ہے وہ عارفانہ ہے، ان کا عارفانہ کام نہ تھا کہ ادا و جہالت نہ بلکہ میں موجود ہے یہ ہے۔ یہ نازی حسد کا ایک شعر لکھتے ہیں۔

یادت کفیس راحت داکام جان

ذکر تو ضامن طہر جہادانی ما

بیشتر ذکر و فکر کی عجیب کیفیت کا ہے۔ اب اس رنگ کے افسانہ شاعر حافظ فرما چکے ہیں

بندگی اور صافی اصل میں عدلی ایک ہیں

جس کا عدم ایاز ہے وہ ہے غلام ایاز کا

شوق تھا ہے موجوں ذوق تباہستان

کھل نہ دین محسوس کہیں پر دگیان باز کا

خاک میں مل گئے دے آنکھ اٹھی نہ شرم ہے

مجھے ہے ہر نہ حق ادا اس کی ننگ و ناز کا

ان اشعار سے ظاہر ہے کہ ان کی فکر میں میں تعریف کی جھلک بھی ملتی ہے۔ خدا اور نمونے،

دیکھا ہے چشم شوق نے تجھ کو غلط غلط

تو صبر و گریہ میں تھا وہاں کس کو ہوش تھا

تذہذہ پر جہاں یار ضرور ننگن ہوا

گر شے گشتے میں سپہا رخ آرزو مددشن ہوا

کار فرمائے جہاں جب رنج مکش ہوا

برق سے دست و گریب شوق کا غریب ہوا

مجھ کو دستنویں ہے ترا نفسی قدم
بے لڑائی کا وہی طہا وہی سامن ہوا

ہمیں تو ایک سما ہے اُس کا جسٹہ ناز
کہ آشکارا ہوا اور پھر بھی ماننا

اب تک نظر آجاتی ہے شہناق دلی کو
وہ برق تجلی جو سسر طور نہیں ہے

نعت اپنے موصوع کی سمجھ گہری اور بندہ کے خاطر سے ایک اعلیٰ صفت ہے۔ وحشت نے اس صفت میں بھی چمکی جدت، نزع اور تہذیب کے ساتھ صبح آزمائی کی ہے۔ نہایت وحشت، وہمان و وحشت اور نقوش و آثار میں ان کی اُنہیں کافی تعداد میں موجود ہیں، انہیں سرسبز و دھڑلے سرسبز کائنات رسول کریم جو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے بچنا وہ حقیقت و محبت اصلا ہمارے عشق و ملاقات تھی، حضور پروردگار نام نہاں کے آئینہ پر جو چاند اور ان کی یکیت لوگوں نے خاص طور پر سیر و تامل کی محفلوں میں دیکھی ہے بوقتِ سیر

جب نام تھا بیٹے تب چشم بھرا دے
اس زندگی کرنے کو کہیں سے بگڑا دے

خود وحشت کچھ نہیں ہے

مرا سنا نبی کے عشق میں طرف ان اُٹھانے کا
محیط شوق ہے ایک ایک قطرہ دیدہ ترا

قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحبکم اللہ۔ یعنی اے رسولِ خداؤں سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو مجھے
باتباع کرنا۔ پھر اللہ بھی تم سے محبت کرنے لگے گا۔ اس آیتِ کریمہ کی روشنی میں مولانا کے فقید کلام کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اللہ کی محبت و
نعت بھرا رسول کریم کے عشق مولانا کی زندگی کا نصب العین تھا۔ اپنی اس حالتِ مندی کا اظہار بار بار انہوں نے اپنی نقوش میں بھرا تھا کہ ایک ہے وہ عشق
لے لے کس دھڑلے سے تھے۔ اس کا اندازہ ان اشعار سے لگایا جاسکتا ہے۔

پیام حق مٹا سنا ہے گوشِ دلِ میری جگر کا
مرا ہر نفس ایک نفسہ ہے اللہ اکبر کا
خوش قسمت شب و روز اپنا دلِ بحرِ تیرا ہے
کبھی زلفِ مغنیر کا کبھی دوتے منہ کا
مرہ دم میں ہے دم جب تک کہ میری تنہا ہے
کہ دم بھرتا ہوں میں اپنے آقا اپنے سدا کا
یہ کنس کے ذکر سے کام دہن دے ہیں لذتیں
گم ہوتا ہے اپنے ہر نفس پر مریخِ گوشت کا

یہ کیا کم ہے کہ وقت باہرہ جو دم دسیداری
 بہ را مدد بخشہ ہے شیخ مدد بخشہ کہ
 ہوا کے خلیہ کام کا ایک پیر کیڑا ہے کہ انہوں نے انہوں میں پھر اگر کم کے اصانات، کمالات، تعلیمات اور فیضان میگوں، پر ہی دوستی
 ڈالی ہے سرکارِ دو عالم سے "غلاب کس اب ولعیت کیا تھا کیا ہے۔"

تو احسنِ عظیم اے رہنمائے حق مسلم ہے
 تری تعلیم کا مریون احسانِ سارا عالم ہے
 اخوت کا سبق تو نے دیا سارے زمانے کو
 بنا یا مرکزِ اصلاح اپنے آستانے کو
 تو نے قرآن اے ختمِ رسل کیا شان ہے تیری
 قہانے رحمتہ اللعالمین پہ بیان ہے تیری
 تیز رفتاری و باطل سے دی تری تعلیم قرآن نے
 زمانے کو کیا مہزون تیرے فیض و احسان نے
 سلام اے بانیِ دین میں ختم و رسل تو ہے
 گستاخ جہاں کا من میں سے ہے وہ گل تو ہے
 دیا درسِ مسافات اہل عالم کو تری تو نے
 طریقہ سارے عالم کا بدل کر رکھ دیا تو نے

تو جو اے او عرب، عالم کی نینت ہو گیا
 نہ تیرا کس کے جیسوے کی نہایت ہو گیا
 نہ تیرا رفیع آثارِ خلقت ہو گیا
 ایک عالم کے لئے شیخِ ہدایت ہو گیا
 کیوں نہ منہ نہ نظروں ہو تیرے کوچہ کا غبار
 مریض باہر سرسبز چشمِ بصیرت ہو گیا

تکفیر اور اس کی حدود

دو مسلمان دوست ایک دوسرے سے ملے میں اہل بیت ہوتی ہے۔

ایک ایکوں جناب آپ کی سبجیں محمد کی افان ثانی کس جگہ ہوتی ہے۔

دوسرا۔ جہاں تم ملک اند دوسرے ملک اسلام میں ہوتی ہے یعنی خلیفہ کے دوسرے۔

پہلا۔ گریہ قریب تک ہے۔ یہ افان کو دعوازہ سجدہ پوری ہوتی ہے۔ کیا آپ نے علی باب المسجد نہیں پڑھا۔

دوسرا۔ گریہ پوری کی الامام الامام کے سامنے کو کیا کیجئے گا۔

پہلا۔ بنی ہاشمی میں تو بڑی گناہ کش ہے۔ وہ تو خدا نظر کو بھی شامل ہے۔

غرض دین تک بحث تو کر رہی ہے تو پچھلے رنگ کی بارگاہ جمال سے دوسرے حق میں فتوے کلام دہرنا ہے۔ جس کے ساتھ تہذیب و تمدن، تہذیب و جہت اور تہذیب کا کس بھی تائید ہے۔

یہ کوئی فرضی کہانی نہیں ہے بلکہ حقیقت کی دنیا میں ایسے واقعات ہر جگہ ہیں کہ دعا میوں نے نہیں، دوسرے عالم نے ایک جڑی سے کو وجہ نزلت بنالیا۔ ان سنت رسولی اور شعار اسلام ہے۔ لیکن اگر افان کی بغیر نماز پڑھ لی جائے تو نماز دہر جاتی ہے گو ترک سنت کا گناہ ہو گا مگر یہاں افان محمد کو جو ایک جڑی چیز ہے کفر و ایمان کا سوال بنایا گیا۔

ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم لوگ تکفیر کا کلام کے معاملے میں کس قدر دلیر ہیں حالانکہ شریعت بطورے مسلمان کو کافر ٹھہرانے کے سلسلہ ب کافی حدود و تیردگی کی ہیں مگر ان میں سے۔ ولا تقوا ما من اتقوا ایک۔ المسلمون است موصنا یعنی جو شخص ظاہر اسلام کے لئے (تہذیب و تمدن) ٹیک کر کے اس سے یہ نہ کہو کہ تو رسولی و مسلمان نہیں۔ مفسرین نے کلمہ ہے کہ مرداش بن ہشیک اسلام لئے مگر ان کی قوم شرف بہ اسلام نہیں ہوتی۔ جب ان کے خلاف میں حضرت سہیل بن زید کی سرکردگی میں اس کی لشکر ہو چکا تو اند لوگ کو بھاگ گئے لیکن مرداش سے گئے لشکر کو دیکھ کر انہوں نے سلام با او بکھر پڑھا۔ اس کے باوجود حضرت اسامہ نے ان کو دشمن سمجھ کر قتل کر دیا۔ جب حضور کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ اس مرتبہ باراض ہوسے دلفنبر رک التشریل، بیان لفظ میں ہے کہ حضور نے معزل کے بھائی کو ان کی دیت ادا فرمائی۔ بخاری و ترمذی اور مسندک میں نقل کرتے دانی کا نام ہے، بقرآن حضرت معاذ کو قتل کر دیا ہے۔ ایسی ہی ایک واقعہ حضرت عائشہ کو لکھ کر بھی بھیج دیا کہ انہوں نے ایک شخص کو غلطی سے قتل کر دیا۔ اور رسول ولی نے ان پر پھینکا فرمایا کہ بن شققت قلبہ۔ کیا تم نے اس کا دل پیر کر دیکھ لیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ یہ دیکھا گیا ہے یہ حضرت میں خدا میں ہے ہزاروں کا ظہار کرتا ہوں۔

غرض شہر سب پر مشرعی میں سخت و عیسیٰ ہے۔ بخاری میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ جب کوئی شخص دوسرے کو یا کفر سے منسوب کرتا ہے، اس سے دلائل ایسے نہیں ہوتا تو وہ فرقہ یا کفر سے قطعاً ہی پر لوٹ آتا ہے۔ ایک جگہ استاد دہنا ہے کہ من ذلک موصنا

بکفیر فرسودہ کتلتیم یعنی مومن کو کفر کی ہمت نہ لگنا اس کو قتل کرنے کے برابر ہے۔ امام بخاری نے اسی سلسلے میں باب ہاں تھا ہے۔ باب من اقص
اخا لا یغیر تاویل فرسودہ کا تاویل بھی بغیر تاویل (درجہ صحت پر) اچھے بھائی کی تکفیر کے قیودہ دیا گیا ہے جیسا کہ اس نے کیا۔ علیؑ کا پایہ من
لہو بر اقصا من تاویل متا ولا جاحلا یعنی جو شخص تاویل کے ساتھ یا ناقصی سے کوئی بات کہے دے اس کی تکفیر کو جائز نہ جانتا۔ اس ضمن میں یہ
حدیث نقل کی ہے کہ جب کوئی شخص اپنے بھائی کو کافر کہہ کر پکارتا ہے تو ان میں سے ایک ضرور کافر ہوگا۔ دوسرے کو کافر کہا گیا جس نے غلطی سے کافر کہہ م۔
بیز صفت حاطہ کا ان تو لکھا ہے جنہوں نے کفار قریش کو حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنگی اسلحہ سے ملو کر دیا تھا۔ اسلحہ کو اس شخص
پر حضرت عمرؓ نے منافی کہا۔ لیکن حضرت نے حضرت عمرؓ کو اختیار کرتے ہوئے اور نہ دیا گیا کہ ایسا نہ کہو۔ حاطہ ہند کی ہیں، انہیں کیا فخر کہ حق تعالیٰ اہل بدعت کی
تمام غلطیوں سے معاف فرما چکا ہو۔ یا ایک بار حضرت معاویہ بن جبلی نے ایک مسلمان کو منافق کے لقب سے یاد کیا جس پر حضرت نے فرمایا یا معاویہ ان بات
معاذ کیا تم لوگوں کو نقد میں قائل ہو گے۔

ان انہی صحیحہ و صحیح کی روشنی میں علما۔ اسلام اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں، بشرط عقائد نسبی میں جو حدیثوں سے
ہماری احادیث میں شامل ہے تصریح کی ہے کہ دین قواعد اہل السنۃ والجماعۃ اہل لایکفر احد من اهل القبۃ یعنی اہل سنت و جماعت
کے اصول میں ہے کہ اہل قبلہ میں کسی کی تکفیر نہ کی جائے۔ اس میں کوشش و کا مسلک بتایا ہے۔ حضرت امام غزالیؒ نے بھی یہ قول نقل کیا ہے کہ لا تکفیر
احدا من اهل القبۃ۔ اہل سنائی یہ کہ اہل قبلہ کن ہیں۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جو حدیثی کسی مسند پر ہے اور اس سے قبل کی طرف رخ کرے
اس پر باذنیہ کہاتے رہ اسلام کی پناہ میں آگیا۔ بظاہر تو اس حدیث نے اس عقد کے کو غلطی طے کر لیا۔ مگر غلطی کی ایک بڑی سمجھوتہ دھری فرسوس کے
پیش نظر اس طرف گئی ہے کہ اہل قبلہ کے وہ لوگ ہرادی جو ضروریات دین کے قائل ہیں اور ضروریات کے کسی نہ کسی شذ حدیث عام بشرط اسباق حق تعالیٰ
کے عام کلیات و جزئیات پر نہ براعتا وہ نہیں رکھتے وہ اہل قبلہ میں شامل نہیں ہیں۔ خود شذ عرو بھی اسی تعبیر کے قائل ہیں، حاشیہ خیال میں ہے کہ شذ
مسائل اہلنا یہ میں کسی کی تکفیر نہیں کرتے۔ البتہ ضروریات دین کے منکر وہ بھی کافر کہتے ہیں۔ تاہم نہ تو وہ تکفیر کو مقرر کرتے ہیں نہ کسی کو حد و مقرر کر کے
جن پر آگے بحث آئی ہے۔

پچھلے ضروریات دین کی ترمیم کر دی جاتے ہیں۔ یہ نہ نظر سے گذرے کہ وہ صاف برہماتے۔ وہ عقائد جن پر ایمان کی بنیاد ہے ضروریات دین
ابھاتی ہیں، جیسے خدا، رسول و قیامت وغیرہ یقین رکھنا، اگر کوئی شخص خدا کو نہیں مانتا، یا مانتا ہے مگر اس کی ذات و صفات میں دوسروں کو
فریکہ گردانتا ہے۔ یا اس کی شان اقدس میں گستاخی کرتا ہے یا قرآن مجید کو جھٹلاتا ہے یا مسلمان کا منکر ہے یا رسول مقبول کا یا آپ کی خالیت کا
قر نہیں یا قیامت پر اعتقاد نہیں رکھتا تو وہ بظہر عینہ اسلام سے خارج ہے۔

لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا۔ حضرت علامہ نے تکفیر میں کافی احتیاط برتا ہے اور اس پر متعدد پابندیاں عائد کی ہیں جو ضرور شرع فقہ کبر میں ہے کہ اگر
کی کہے کہ میں نے دنیا میں آجی آنکھوں سے حق تعالیٰ کو دیکھا تو کافر ہو جائے گا۔ مگر محض روایت پر تکفیر کا اقدام نہایت خطرناک ہے۔ فان
نظروا فی افتاء الف کفار اہل سن الخطا و فی افتاء رسم۔ یعنی ایک ہزار کافروں کے متعلق فتویٰ میں غلطی کرنا ایک مسلمان کے بارے میں غلطی کرنے سے
بہا سن ہے۔ حضرت مولانا جوادیؒ فرمائی گئی ہے مختلف فرقہ و مسلم کی نسبت بیان کیا گیا جس پر آپ نے جواب دیا کہ عقائد اللہ کی کتابوں سے
ت ہے کہ بہتر فرماتے جو اہل ایمان میں ہیں ان میں ایک بھی کافر نہیں ہے۔ بلکہ افتاء وان کے کفر کا یہی کفر ہے۔ تہجد ابو شکر میں ہے کہ حدیث بدلتہ فقرہ
ت میں اختلاف ہے نیز کہ امام ابو حنیفہؒ سے پوچھا گیا کہ اہل سنت و جماعت کی کیا تعریف ہے امام نے فرمایا لا نصب ولا سفن ولا جبر ولا
رولا تشبیہ ولا تظہیر۔ اس کے ساتھ امام ابو حنیفہؒ نے کہا کہ اہل ایمان کی گواہی مقبول ہے۔ اور جب جیسا ہے تو ثابت ہو گیا کہ وہ مسلمان ہیں امام عمر
فادہ فرمایا کہ بدعت کے پیچھے نہ ہونا ہے نہ اگرچہ ہر کہانت، کیونکہ وہ بدعت کوئی سمجھ کر اس پر حال ہے۔ دوسرے وہ کاویل سے کام لیتے ہیں اس کو

عام طور پر مسلمان اور ملک اسلام میں مشکلات سے آج کل دو چار ہیں ان کا تقاضا ہے کہ ملت اسلامیہ انفرق کی جگہ اتفاق کو شاد بنائے اور ملک اپنے اپنے عقائد پر قائم رہے جس سے کم از کم امر مشترک میں اشتراک و تعاون کی راہ پر گامزن ہوں۔ مخالف جب اسلام پر اعتراض کرتے ہیں یا مسلموں کو گزند پہنچاتے ہیں تو وہ یہ نہیں دیکھتا کہ مسلمان مسلمان ہیں اہل سنت کا مسلک کیا ہے اور اہل فرقہ فرقہ اسلامیہ کا مسلک کیا ہے۔ یا مسلمان شخص یا گروہ کسی ہے یا شیعہ۔ خاصی ہے یا اہل حدیث۔ ایک دوسرے پر واجب ہمارے ملک میں مذقہ العلماء کا یہی اہم نقطہ نظر ہے تحت عمل میں آیا تھا۔ خود پاکستان نے اس سلسلے میں ایک اچھی مثال قائم کر دی جب کہ دستور سازی کی طرف سے مسلمان سید مسلمان دعویٰ کی صداقتیں علماء کی ایک گینڈی بنائی گئی اور اس میں دیوبندی۔ بریلی۔ اہل حدیث ایشیائی علماء نے باہمی اشتراک و تعاون سے ملک کا دستور کی خاکہ مرتب کیا۔ کی وقت نہیں آیا تو ہم دھندھورا بجھ کر ملنے جیسے کے صحیح مسلمان بن جائیں تاکہ انہم امر مشترک میں نظر اور تعاون کو کام میں لائیں۔

خدا کا بیج ۔۔۔ پر ماضی تھا غلط ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ماضی جو کہیو ہے کفر نہیں ہے بلکہ یہ نہیں جاننے کا کفر تھا اور طرف ہے ۔ خدا پائے رسول کس نسب انجیر
کہہ رکھتی ہے ۔ ان اذین یؤمنون باللہ ورسولہ ۔۔۔ عذابا عظیمیہ ۔ جو لوگ اللہ ورسول کے رسول کو انیت پہنچا نہیں ان پر اللہ دنیا و آخرت میں لعنت کرنا ہے
اللہ ان کے لئے لعنت کا نذیر ہے کہ اللہ اس کا احوال قریب سے سمجھتا ہے ۔ اس کا احوال قریب سے سمجھتا ہے ۔ اس کا احوال قریب سے سمجھتا ہے ۔ اس کا احوال قریب سے سمجھتا ہے ۔
کہ احوال پہنچیں مہم کے بارے میں بھی استہین میں سلگ ہے ۔ اللہ پر صحبت کو کفر ٹھہراتی ہیں ۔ اللہ ہفت و شہید ہو کر نہ کہ کچھ ہیں بلکہ میں کہتا ہوں کہ کافر
نہیں ہوتا ۔ اللہ تعالیٰ ہا کہ ہر سنا ہے ہا کہ ہر سنا ہے اللہ کے ہر سنا ہے اللہ کے ہر سنا ہے اللہ کے ہر سنا ہے اللہ کے ہر سنا ہے

سوان برانڈ
صابن

SWAN
★  ★
سوان



دوخت زندہ پرلیسہ

روزنامه

مولانا مفتی محمد يوسف صاحب دہلی کے دو مکتوبات
حق پسندی، حقوق کوئی اور دینی خیر خواہی

[illegible][illegible][illegible]

سرمایہ دہندگان کی خدمات و شرکت کے لئے ان کے مفاد میں کچھ ایسا کرنا کہ جس سے ان کے مفاد میں اس مسئلہ میں ملنا
پیدا ہو اور ان میں سے کسی ایک کی پیشکش کو ناکام بنانا ہو :

کئی خاصہ خاصہ بحث حاصل ہوا علوم و ہنر میں ان کے کام کے مطابق ہے ایک ہجرت تک پہنچے جس میں وہ مامور ہو کر منتقل ہوئے اور ان کے پاس سے ان کو ذوق و شوق کی بات ہے اور ہجرت تک پہنچے جس میں وہ مامور ہو کر منتقل ہوئے

۱۔ ہمارے اس خوفناک تسلط و اقتدار کے اصل خطیچہ کیسے ہیں، اس پر مشورہ! ————— چہ ہیں

نشی خیز از جلن قمری گز گزانی حرفت چو نیم ولین صاحب نفعی دل گیت قن لبر کما ہے۔ اس کا تذکرہ لیت یہ حیات ہے۔

شیخ محمد تقی صاحب سابق ناظم جمعیت الاسلام لندن، جو کہ جمعیت الاسلام کے مستغنی ہو کر

نظامہ میں داخلہ حاصل ہو گئے ہیں۔

نہیں آتے تھے۔ جنہوں نے سب سے پہلے اس قسم کے واقعات ذکر کئے ہیں؟ یہی واقعات حضرت عاصیہ کے متعلق بھی مسلم عربین اور عجمیوں کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ تو ان کے متعلق ان فضلاء و اولیاء حضرت کا فتویٰ کیا ہو گا؟
 واسلام

محمد یوسف

دوسری اہل کتب

۲۰ مرتبہ شدہ

جناب کا روانہ مرصع ہر گز بہت سرفرازی ہوا۔ یاد آ رہی کہ قصبہ کے مشن ہوں۔ اب یہ بعد ہی طرح آئندہ بھی یاد آ رہی فرماتے سہاگ پتہ۔
 جو جیٹ کے لئے مشن ہوں گا۔ چنانچہ اللہ -

حضرت! آپ نے اپنے حواریوں میں جو اتنی بدشا و فریادیں۔ جی نہیں چاہتا کہ اپنی طرف سے ان کے جواب میں کچھ معذرت پیش خدمت کر دوں،
 لیکن ہر سکتا ہے کہ آپ بھی مولانا غلام غوث صاحب کی طرح غصہ ہو کر اپنے خلیفہ و غائب کے لئے بھٹکتے نہ بنائیں، اس طرح ایک دوسری ناگوار بات کا آغاز
 ہو گا۔ جو جانین کے لئے ہلاکت پرانی ہو گی۔ لیکن غلط کے بعض منہ دہات کو سامنے رکھ کر عہدہ پر نہ گذارنا شایستگی کی گناہوں۔ خدا کہہ آپ کے لئے موجب
 غلط فہمی یا باطلی و غیبی کی ثابت نہ ہوں۔

حکام میرے محترم فریاد، میں اپنے متعلق آپ کو یقین دلانا ہوں کہ میں کسی حد تک عزت و احترام سے جلد آجائے گا کہ جو آپ کے تمام قطعی بھروسوں، اسی طرح
 میں علماء و دین کے متعلق بھی وہ ملتے نہیں رکھتا تھا آپ رکھتے ہیں، آپ کی رائے کے بارے میں یہ کہہ دوں گا فائیت کو شرم میں ہی اہل اسلام بھی۔ اور بحث
 باطن کی بیماری میں بھی مبتلا ہیں اور دینی حادیں میں یہ کہہ کر کسی قدر بھی گوارا پانے کے ذریعہ نجات کچھ بھی ہے۔ اس سے زیادہ وہ دین کی کوئی خدمت نہیں کئے
 اور آپ کی نظر میں چندال فانی قہر کام نہیں ہے۔ اس کے برخلاف میں ان حضرات کے علمی کاموں اور علمی خدمات دین کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور
 یقین رکھتا ہوں کہ اس وقت جو کچھ اور جتنی کچھ پاک و بزرگی مسنونہ پر اس قسم کی روشنی نظر آتی ہے انہی حضرات علمی و دینی کی جیسی سالانہ علمی سرگرمیوں
 ہی کا نتیجہ ہے جس نے تمام مسلمانوں کو اپنی کامنوریاں اعلان کرنا چاہئے۔

عقلمند معززہ دانا سے میری یہ تمنا ہے کہ وہ فوج میں رہے کہ اس وقت جتنی بھی اسلام پسند تنظیمیں اور دینی جماعتیں سرزمین پاکستان میں اسلام کی حقیقی سرپرستی
 کے لئے محنتیں دل سے کام لے رہی ہیں وہ سب سب باہم تعاون و تفریق ہو کر اسلام کے افواج کی مشق و جدوجہد کا آغاز کریں اور اپنے اپنے فرائض اور فرائض کے ساتھ ساتھ ہمت
 کرنا اور قہر انگیز تنظیموں کے مقابلہ میں بنیاد پر محسوس بن کر ہیں اور اپنے اتحاد و عمل سے یہ ثابت کر کے دکھائیں کہ جو ہم اپنے فرائض کے ساتھ ایک دوسرے سے
 فائدہ مند ہیں گوارا ہے مشق و اندیشی سے دین کی حفاظت کے لئے آج سے جو دوسرا سال قبل ہیں۔ واعلموا عجل العاجلین ولا تفسدوا۔ اگرچہ سبق پیش کیا
 گیا تھا اس کے اہل فرائض آج بھی ہمارے دل و دماغ پر یہ کلام ثابت ہے کہ وہ مشق کچھ ہیں اور ہمدی اس سانحہ دین پر جو بھی حملہ آوروں ہم اچھی طرح
 ان کے حملوں کا سدھار کر دے سکتے ہیں اور دماغ کا فرائض یہ اٹا کر جانتے ہیں۔

عقلمند اس وقت سرزمین پاکستان میں اسلام کی حقیقی سرپرستی کے لئے جو لوگ اپنے مخصوص کام سے کام لے رہے ہیں۔ خواہ آپ براہ کرمہ داخل کریں یا خوب تہذیب
 یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ بہت ہی بظہور سے وابستہ حضرات ہیں۔ ان میں سے ایک تو اہل حدیث حضرات ہیں، جو اگرچہ اپنے مخصوص مسلک کے لحاظ سے معتقدین
 حضرات سے الگ اور قہر سے دور ہیں مگر یہ حقیقت پر قائم کہ تنگ ذہن سے یا قہر سے کہ وہ دوسرے تمام اسلام پسند حضرات کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ
 اس ملک میں قرآن و سنت پر مبنی نظام اسلام کو بچانے کے لئے کوشش کر رہے ہیں بلکہ اس کے لئے مقدور بھر سہی اور جدوجہد بھی کرتے ہیں۔
 اور دوسرے وہ علماء و کرام ہیں جو ریاضی و کتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ خواہ وہ حضرت قاضی محمد انصاری کے مشرب سے متعلق ہیں یا حضرت رفقا و مفتی رحمۃ
 علیہ کے خاص مسلک "اشاعت توحید و سنت" سے وابستہ ہیں۔

تیسرے وہ لوگ ہیں جو جماعت اسلامی سے منسلک ہیں۔ پاکستانی قیام اور تعلیم پانڈہ دونوں بظہور پر بروا الذکر دونوں جماعتوں کا جو انہماک ہے وہ دوسری

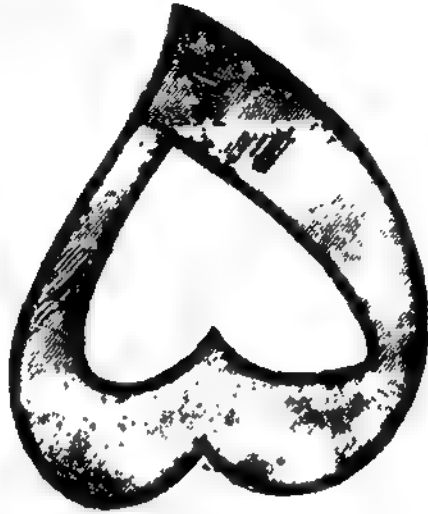
نئے اسلام کی صحیح تعلیمات اپنی تسبیح و تہلیل کے ذریعہ ہم تک پہنچانی ہیں اور انہی کی مدد سے ہم نہایت آسانی سے اصلی اور نقیض اسلام کی تمیز کر سکتے ہیں۔ مگر ماضی میں وہ اپنی تعلیم اور دین و تدبیر کے ذریعہ اپنے والدی اصولوں تک اسلام کی اصلی تعلیمات پہنچانے کا انتظام نہ کر سکے ہوئے یا آج مدارس دینیہ میں غیب و وحشین حضرات دین و تدبیر کے ذریعہ اسلام کے اصلی احکام کی نشر و نذر کر کے تو بہت سے نادان و کفر اسلام کے احکام پر عمل پیرا ہو کر گمراہی کے مارے میں پھرتے ہوئے۔ یہی وہ اندازِ بیوقوفانہ ہے کہ ۱۰: انما بعثت معالما

بہشت آپ بھیر بد از م نگاہیں کر آپ نے مولانا غلام غوث صاحب کے خلاف عداوت بنا رہا ہے لیکن یہ فعل تک نہیں فرماتے کہ پہلے کون حملہ آور ہوا ہے اور بے بنیاد الزامات کون لگا چکا ہے۔ اور گالیوں سے گشت کا آغاز کس نے کیا ہے۔ آپ کا انصاف یہ بھی فیصلہ نہیں کر سکتا کہ پہلے انہوں نے سسٹن جمنے کئے ہیں اور میں صرف اپنا دفاع کر رہا ہوں۔ ایک بھی میرا معترض ایسا نہیں جو دعویٰ کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ مارے کے مارے مضامین جوابی ہیں۔ جن میں مولانا غلام غوث صاحب کے محسوس کا دفاع کیا ہوا ہے۔ سسٹن جمنے کے بارے میں وہ مانتے نہیں۔ کھتا ہوں کہ کھتے ہیں حالانکہ میں ان کے جواب میں ہمیشہ خاموشی اختیار کر چکا ہوں لیکن ان کی یہ تمام حرکتیں آپ کے نزدیک ناچاق نہیں ہیں اور جب میں اسناد کا نذر ہوں تو اسے آپ کا زنا نام دیتے ہیں۔ کہ ہم کیم کیم جولاہی کے لیکر اور اراکت تک کے زنجیر بن، اسلام کے پیچہ دیکھیں۔ یہ خصوصاً اراکت کے پرچے ہیں۔ گنج و سنہریہ کے سران کے تحت جو کچھ میرے عشقِ حق کی نگاہ سے اسی کو ملاحظہ فرما کر خود فیصلہ کریں کہ مجرم کون ہے اور میں اپنا دفاع کرنے میں حق بجانب ہوں یا نہیں؟

عراق میں حیران ہوں کہ جب مولانا غلام غوث صاحب مجھے ملاحظہ فرمادیں دیتے ہیں تو آپ اس کے لئے یہ توجیہ کہتے ہیں کہ وہ متعدد ہیں کیونکہ ان کی طبیعت جھوٹی واقع ہوتی ہے۔ انھیں ان کی گالیوں کو گالیاں کہا جاتا ہے تو آپ اس کرنا تک لپیٹوں کی باتیں کرتے ہیں جیسے یہ کسی اسلام جہاں طبیعت رکھنے والے حضرات کو گالیاں ملے گی، اجانت دیتا ہے نیز ایسی جھلائی گالیوں کو گالیاں کہنا کب حرام کیا جا چکا ہے؟ یقیناً جانتے کہ دنیا کی کوئی بھی علالت انصاف آپ کی اس بات کے کسی متعلق نہیں ہو سکتی۔ آپ کو چاہئے کہ اگر کوئی قوا میں لقمہ سمجھ آئے یا القسط۔ یہ قائم ہیں نہ کہ لایا کچھ منکرہ نشان تو مصلیٰ ان لا عدوانی۔ کی خلاف ورزی کا ہر وقت مضامین و کتب میں۔

غلام مولانا مروتی اور جماعت اسلامی کے بارے میں آپ حضرات کی جرات ہے جیسا کہ ان سے آپ کو جواحتکانات میں کہہ سکے تھے تو ان کے متعلق یہ اطمینان حاصل نہیں کہ آپ کی یہ باتیں صاحب اور اخلاقیات ہر قسم کے تعصبات سے پاک اور اخلاقیات سے بالاتر ہیں اس کو قواد آپ مولانا مروتی کی جو کھٹ ہر یک کھٹا کر کے نہ سکتے ہیں۔ مگر یہ یہ حقیقت کہ میں ہر وہ عداوت سے آپ کے حملے سے اتفاق رکھنے والے اہل علم حضرات کی تحریروں اور اخباری سلسلے سے غلط مضامین اور تصانیف و کتب کا مطالعہ کر رہا ہوں اللہ کی عزت سے انہی حضرات سے نفی گورھی کر چکا ہوں اور بہت سے حضرات کو قریب سے دیکھے کہ ابھی سترچ میں کچا ہے لیکن عدل و انصاف خداوندی برحق کی تعلیمات اور علماء حق کے فیصلوں کی روشنی میں جب ان اعتدالات پر نظر ڈالیں ہوں تو مجھے ہرگز یقین نہیں آتا کہ ہر قسم اعتدالات نہ ہو سکتی ہیں یعنی اور ہر قسم کے تعصبات سے پاک اور ذاتیات سے بالاتر ہیں اور حق کی خاطر ہی یہ کہتے ہیں۔ کہ جب اعتدالات نہ ہوں تو نہیں سمجھتا۔ لیکن ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے اور اسی حد کو نہ کھنا چاہئے مگر یہ کہ یہ اعتدالات نہ ذاتیات اور تعصبات سے پاک ہیں اور نہ اپنی حدود پر پہنچیں۔ البتہ میں اگر برین و لینڈ جمجمہ اللہ کی نیکی بتی پیشہ نہیں کر سکتا لیکن ان کے فیصلہ سے کوئی طرح پر اتفاق ظاہر نہ کر سکتا ہوں۔ اپنے لئے فرض ایسا جہاں نہیں جانتا ہوں۔ اگرچہ مسلک کے اعتبار سے انہی سے وابستہ ہوں۔ اور علمی استفادہ کے لحاظ سے انہی سے شرف تکرار حاصل کر چکا ہوں۔ اس اعتبار سے اعتدالات حلیہ کے ہر قسم میں نے آپ کی بات کو کچھ اپنی رائے میں نہیں کر سکتا۔ بالکل یہ کسی کی ناجائز مخالفت یا حمایت پر مبنی نہیں۔ بلکہ اپنے علم کی حد تک میں اس کو حق اور معنی برائے تعصبات سمجھتا ہوں۔

غلام لیکن اگر آپ کو میری اس رائے پر کہ اعتدالات تعصبات سے پاک نہیں ہیں۔ اعتدالات پر تو میں آپ کو قابل اعتدالات کا حاملہ دیتا ہوں۔ جو مولانا مروتی کے



انجلیں

آزمودہ دواؤں کا مرکب

سردرد - کمر کا درد - دانت کا درد

ایام - انفلوئنزا اور ہر قسم کے دوسرے درد کے لئے

یقینی خورد اثر اور بے ضرر علاج ہے



Sporlit

۵۱/۵۹

ہر قسم کے سوئی دھاگے کیلے ہمیشہ

الوفیا برانڈ کو یاد رکھیے



فیروز سلطان انڈسٹریز لمیٹڈ سرائے روڈ کراچی

محمّد بن عبد الله بن قتيبة
القطيعي

معیاری حکومت - مثالی حکمران

آپ نے یہاں جہدِ بیت و مساوات کا غلغلہ جنم دیا ہے۔ مگر میں یہ بھی دو گوش سے دو دل ہیں، دو گویا گورہا غر مغرب کر کے کرتی آفت ہے۔ سونہی ہے۔ لیکن یہ گورہ حکمران یا بدلتی آتی رہا یا کہ خدمت کرتا ہے، مگر ان کی انکار کا مگر زندگیوں اور غرضِ معیشت کیساں میں ہے؟ اس کا جواب میرے نفسی جو۔ میں ہے۔ دنیا کی تاریخ کا حکم و حکومت کی زندگی کے وہیں فرق مرتب اس عدم مساوات کی ممانعت سے بھری پڑ گیا ہے، ۲۱۔ یہ دافتر و حکمرانوں سے لے کر شہادتیت پر جا ہے جس میں اس عدم کی کسی کے علم و دل میں صحت مساوات سے کوئی دور ہے۔

تاریخ و ملت پر ہے کہ یہ بھی کوئی ایسی تاریخ و مصلحتانہ علم ممکن نہا، طاقت و انتشار کے لیے یہ شاید بزرگوار علم دینے یا کہ حقوق کی پابندی کی، ان کی خدمت نگاہ کی، ان کو مزید محسوس اور گونا گوں مصائب سے دوچار نہ کرے۔

اس آج کے مسکنوں میں جس بچے چشمہ عالم نے تہہ کے ان پندہ دانش سوار کی دیکھا تھا جب اس کو رض پر ایک۔ جب تک حکومت و سر
تھی۔ جب ایک نئی شخص نے اپنی اہمیت و طاقت سے لڑی دینا کا لفظ نہ سنا تھا اس کی ایک نظر کہیں اندر سے انعام کی سند کہیں غلیم
مطلب آگیا اور ایک ایسا معراج و حکمت منہ معاشرہ تیار ہو گیا تھا جس کی نظیر آج بھی اہم کا مریض کہنے کے نام سے اس معاشرہ میں زندگی
مراستہ والے انسان، اخلاق و خدمت گزاری اور نیکی صفات حسنہ کے بلند مقام پر پہنچ نہ سکے۔ غمناک اپنے آئینہ کار کے بعد اس کی تیسرے
مذاہب میں دینا کو ایک کامل و مکمل تہذیب و تمدن بن کر حکومت سے رہنمائی کرے۔ سابق مریض کا وہ دوش و زنجیر کہ جنہی مہمات پر چربی
دور دور سے تھا اس کے کٹوتی آج بھی اپنی پانی سے ولی کو سوز کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

اسلام نے یہ روادیگی کے سر شہیدین خیر خدیج کی دین حکومت کا نصیب عین بھی متعین کیا۔ اس نے بتایا کہ امتداری کی گہری جھڑپ کے بجائے،
 لا مصلحت پیش کرتی، رادے پہلی اور غفلت مند کی نہیں، بلکہ حکومت کا دھڑلے سے حق خدا کی خدمت کا نام ہے، اسلام نے، صلیبہ الخرم سے دھڑلے سے
 رک، ان کے دل میں ہیں رادے کی۔ تو کیا یہ بتا دے کہ اس جہت میں اس کا ہر عالم شب و صبح خدمت حق میں معروف ہے، اور اذیت و آفت کے، و جہد کمر بستہ
 رہے ہر دست فتنہ و دھڑلے کی تہ۔ ورنہ کیوں اپنی دھڑلے کے ساتھ جواب دہ نہ تھے، بلکہ وادعہ کرتے کہ "ایہ زلزلہ حق کا تقصیر نہیں، رادے
 ان کھٹا۔ خدا کی پھر گزرتا، ان کے نصیب سے ان کی تہ و دھڑلے کی تہ، ورنہ کیوں ان کے جواب دہ نہ تھے، بلکہ وادعہ کرتے کہ "ایہ زلزلہ حق کا تقصیر نہیں، رادے
 کیا تھا۔

[illegible]

میں یہ لہجہ اترتی ہیں ؟ اصل گڑبش تو غیر اصلاحیت کا دعویٰ کس بنیاد پر۔۔۔

خلافت راشدہ کا پہلا احمدی مسلمان حضرت گندھاری کے واقعات سے سمجھیں اس فقرے سے جملہ حق مضمین میں ان کا احاطہ مستحق
مقصود نہیں، صرف اس کی چند جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں، شاید ان اسباق پر اس کی ہائے توانائی دیکھنے میں نہ کی تاہم یہ بات ہے اور چاہی کہ اس کی
حکومتوں کے لئے کوئی نمونہ ثابت ہو۔

(۱۰)

رسول عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ص) کا ان بیسیں سال تک پہنچا تھا لہذا یہ کہ اس وقت اس کے پاس ایک ہی ملک تھا اور اس کا نام عالم فانی سے تشریف
لے جا چکے تھے، پہلا مدینہ منورہ تھا۔ عرب کے مسند قیام کے دن کے طوق اپنی گدلیں سے نکال بیچنے کے لئے تیار نظر آ رہے تھے، ایسے فانی ملک تین
دست میں خلافت عظمیٰ کا تابع صدیق اکبرؓ کے سر پر رکھ دیا گیا، وقت کے اس فتنہ گری کا استعمال انتہائی اہم اور غیر معمولی کام تھا، لیکن صدیق اکبرؓ نے
اپنی عزائم کے ساتھ اس کو فرو کر کے اپنی جہان بینی صاحبینوں کا ثبوت بھی ہو چکا تھا۔

کئی خلافت کو زینت دینے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے جو پہلا بیٹے و سالی بیان کیا تھا — وہ آج بھی ہندو سرعظمت حکمت اور عیناً
عزیمت کی ایک عینا ہی مثال ہے۔

۱۔ لوگو! میں تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں اس کام کو نہ تو میری مدد کرے گا
ہوائی کو نہ تو مجھ دست کو، خدا نے چاہا تو تم میں سے کچھ شخص میرے نزدیک مقرر ہو گا یہاں تک کہ میں اس کا
حق دلا دوں یہ تمہاری فرمائش کی رسول کی فرمائش کی کہ تم میری اطاعت کرو لیکن جب خدا اور اس کے
رسول کی نافرمانی کرو تو تم میری اطاعت نہ کرو گے۔ (طبقات ابن سعد ج ۱، خلافت راشدہ، ص ۱۷۲)

کتنساہ احمد صاحب ہے یہ بیان کیا اسی عزم و ارادہ کا اظہار ہے جو ان کے رگ و پے میں ساری تھا کہ خلافت کسی بھی راحت پسندی اور عین
کوئی کا وسیع نہ چھوڑے گا۔ اس کا اصل و بنیادی مقصد خلافت عظمیٰ ہی ہو گا۔

۲۔ تو حضرت ابوبکرؓ خلافت کے لئے پہلے ہی تمام کی بے لوث خدمت کرنے میں اپنے پیش قدمی کی بات نہ فرمایا کرتے تھے، لیکن جب خلافت
کی ذمہ داریوں کے ہاتھ پہنچا تو تمام طور سے سمجھا جانے لگا کہ وہ خدمت خلق سے غافل نہ رہے گا۔ چنانچہ ایک حکمت جس کی بکری کا دھند آپ
مدفون دیا کرتے تھے، جب اس کی سیرم بھیجے آپ کو خلیفہ ہونے کے بعد دیکھا تھا کہ وہ بکری نہ رہی تھی۔
۳۔ اب یہ خلیفہ ہو گئے۔ — یہاں تک کہ بکری نہ دوسرے گئے۔

۴۔ نہیں نہیں۔ — میں اب بھی تمہاری بکریاں دے دوں گا۔ — خلیفہ اولیٰ نے بکری سے سزا کر فرمایا۔

انسان ان الفاظ کو صرف قرآن کی حد تک سمجھ نہ سکا بلکہ اس کو جسی جاہلینا کہہ دیا۔ اس آخری حرکت کے بعد خلافت راشدہ کا اس کی بکریوں کو
دے دیتے رہے۔ (روایتی حکایت ص ۱۷۲)

۵۔ عین کے اطراف میں ایک اندھی بوڑھا۔ — حضرت شرف رفقہ رضی اللہ عنہ علی الصبار جاکر اندھا خدا کی اس کا سارا کام انجام دے دیا
نہتے تھے، کچھ عرصہ بعد انہیں محسوس ہوا کہ کوئی۔ — ان سے بھی پوچھا کہ کیا کام کرنا ہے، ایک دن مکان کے گوشہ میں چھپ کر بیٹھ گئے کہ دیکھیں یہ کون
شخص ہے۔ توڑی دیکھ کر ان کی آنکھیں کھلیں ہوئی، انہوں نے بات کے دھندلے میں بغیر دیکھا تو وہ ابوبکر صدیقؓ ہی تھے۔ جب وہ کام
سے فارغ ہو کر چلے تو حضرت عمرؓ نے فرط عینیت سے کہا۔

۶۔ خلیفہ رسولی آپ فرط خلق میں دیکھ پڑے جانتے ہیں۔ — (کنز العمال ج ۷ ص ۱۷۲)

خلافت گزرائی کے اس شدید غم میں انتہائی بے فتنی اس کے طریق ہستی تھی۔ یہی ابوبکرؓ خلافت کی ذمہ داریاں نبھانے سے پہلے

اپنے اہل و عیال کی معاش کے لئے کپڑوں کے ٹکڑے چاکر فروخت کرتے تھے۔ خلافت کی گونا گوں ذمہ داریوں کے باوجود ذیلہ معاش بھی قائم رکھ کر ادبیت الہی سے ایک جہ بھی لینا گوارا نہ کیا، آخر میں جب عوام نے بہت ذمہ داریاں لے کھاتے پھرتے تھے، لیکن بوقت وفات اس پر بھی تہائی بے چینی، افسانہ طرب کی کیفیت طاری رہی، اور وصیت کر گئے کہ ان کے ذاتی مال کو فروخت کر کے بیت الہی کو یہ رقم لے کر دی جائے۔ وقت و شوک کی یہ حالت تھی کہ لیلۂ عرب دیانتداستہ۔ ان کی زوجہ ایک طرف شام کے میدانِ افسانہ میں مسجدوں کے مقابلے میں اپنی بیب و بی کے چہرہ دکھا رہی تھیں اور دوسری طرف غار کی سی نہ سے سرگرم بیچ رہی تھیں، مگر اس طرح واقعات نے انہیں غمزدگی و غمزدگی میں نہ کرنے کی بجائے، اور بھی منکسر المزاج اور خفازیں بنادیا تھا، خوف خدا کی کیسی اس میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔

(۰) —————

فادہ حق اعظم

دنیا کا وہ عظیم و طاقت ور حکمران جس کے شوکت و دہش سے تہر و کسریٰ کے ایران زندہ جانے لے۔ جس کے عہدِ حکومت میں شام و مصر کی شہنشاہت بس کا چوڑا گل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی باجبروت حکومت کے دھڑپے آگئے۔

لیکن ————— ہاں ہمہ عروج اقبال خفا سے نہ خدا کا حال یہ تھا کہ لہجہ زندگی و غمزدگی میں بسر کی، حکومت کوئی لذت الہی عطف حاصل نہیں کیا، جذبات کی جو حالت پہچھے تھی، خلافت طے کے بعد بھی وہی حالت رہی !

ایک مرتبہ ایک عہد کی بی بی بی بی نے اس جانب توجہ دلائی کہ آپ کرالہ نے بلوچستان پر چڑھ کر آپ صاحب دہلی کے نام کی زندگی پسند کرنے کا سبب لکھا ہے۔ بی بی بی نے فرمایا کہ ان کی گفتگو پسند نہ فرمائی، انفرمایا کہ ان میں جو حالت جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے قوم کا بن بنا دیا ہے، مجھے ان کی امانت میں خیانت کا حق نہیں، کبھی غلط کیا، اگر آپ سب لوگوں کے مال سے اچھا کھا اور پین سکیں تو اس میں کوئی خاص کمی واقع نہ ہوگی، انسانیات، انسانیات، تم مجھے عیش و عشرت کی ترغیب دیتے ہو۔ (کنز العمال ج ۶ ص ۳۳)

بعض اوقات آپ سے ملاقات کے لئے سرفروشی سفر آجاتے اور اپنے باندیوں کی شان و شوکت اور عطران کی بجائے ————— یہاں خلیفہ اسلام نہیں چھٹے بلکہ پہلوں میں ملبوس کسی جسٹس خاں پر بیٹھا نظر آتا تو انہیں اپنی لنگاہوں پر پھینک دیتا۔

سفر شام کے موقع پر تمام سرفروشیوں کی خواہش تھی کہ آپ اچھی پوشاک نہ پہن کر فرما کر اندنگ گھوڑے پر سوار ہو کر جب انصاف میں داخل ہوں، تاکہ خلیفہ اسلام کا منصب قائم ہو سکے، مگر آپ نے کسی طرح یہ منظور نہ فرمایا اور اپنے وہی پرانے کپڑے پہنے، اسی طرح مدہدہ پر دستخط ثبت فرمائے، آپ کی سادگی کا عیب تو سرفروشیوں کے دل پر بہت ہی اچھا اتر چلا۔

کھانے کی کیفیت کا یہ حال تھا کہ دوسروں کو حضرت حجر کے برادر کا معمولی کھانا دیکھ کر آپ ہنسنے آتا تھا۔ ایک مرتبہ عمروں کا قتل کھانے کے وقت تشریف رکھتے تھے۔ حضرت عمر نے بہت ہی اصرار سے انہیں کھانے میں شریک کرنا چاہا مگر وہ نہ چاہے خلیفہ نے اصرار کیا کہ اس کا سبب، ہانت لڑیہ و عمروں کا عیب تو گویا ہوتے۔

— ہمارے گھروں میں جو کھانا پکاتا ہے وہ اس سے بہت اچھا ہوتا ہے۔ —————

حضرت عمر نے جواب دیا۔

— میں اگر چاہوں تو خود کھاؤں، ایک عرصہ کھانا کھا سکا ہوں، مگر قیامت کا خوف الیہ واسئلہ رہتا ہے کہ عیش و

تندرستی بہت نہیں ہوتی۔ (کنز العمال ج ۶ ص ۳۶)

ایک مرتبہ شام سے فاصداً کتاب کا سہانہ ہوا، ضیافت میں ہوئی موٹی موٹی دیکھیں انصاف غلام بہت جلد ہوا، اس نے عرض کیا کہ شام دعوت میں کافی گھبرایا ہوا ہے، آپ اتنی سخت نیند کی گول گداز سکتے ہیں، آپ ایک عظیم سلطنت کے فرمانروا ہیں، فریفت کے باوجود آپ کو اس طرح ہلکے موٹے کھانا کھینچنا نہیں، اس کے جواب میں حضرت عمرؓ فرمے۔

”مجھے علاؤل میں تم نے گھبرائی کی پیداوار کا دلکشا ہے کیا اس میں بڑی مملکت کے غلام صرف گھبرائی کھا سکتے ہیں؟“

سیر یہ باتیں سن کر سناٹے میں آگیا اندامِ مساوات کے رنگ کو دیکھ کر رنگ رہ گیا۔

”ہاں اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ کوئی شخص اقتدار کی ہاک دھونے سے ہی سب سے پہلے اقرارِ فلاحی اھکب پر ہنسی کی شکل کہتا ہے، انصاف نے اس کو عزت و کرم سے اور منہ سے تسلیم کیا ہے مگر حضرت عمرؓ نے حکمرانی کا جو سہارا مقصد قرار دیا تھا اس میں اس اقرار پر ہنسی کی کوئی گنجائش نہ تھی، وہ غصہ ہے، دیکھو اے اہل دین! کوئی کوئی کھانا چاہتے تھے وہ یہ گوارا نہ کر سکتے تھے کہ ان کے خاندان کو دوسروں پر کوئی لائق و امتیاز تھا، چنانچہ کسی پس ماندہ و اوائی کھدہ چاہنے کے خاندان کے کسی فرد کو نہ مروت نہ کیا حق کہ لوگوں نے اس وقت میں اس بات کی بہت بخشش کی کہ آپؐ اتنا علافہ لئے اپنے لائق تھے کہ مروت و فراوانی مگر انہوں نے کسی عرصہ اسے گوارا نہیں فرمایا۔ اگر کوئی غصہ ان کے خاندان کے کسی فرد سے سرزد ہو جاتی تو اس کو وہ لوگ سے لیا وادہ مزا دیتے۔“

عثمان غنیؓ

ان سے پہلے کہ دنیا کا خوش قسمت شخص امکان ہو سکتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دھواں جڑوں پر، آپ کے جہانِ عزت میں تھیں، ان سے پہلے بھی خدمتِ حق کا شدید غم ہے، ان کے بہن خانہ دل میں موجزن رہتا تھا، انصاف کے بعد تقاس میں مزید جدا پیدا ہو گئی۔ اپنی خلافت کے زمانہ میں بعد کے دن خطبے سے پہلے یہ اعلان کر دیتے تھے کہ اگر کسی کو کھدہ گوارا ہو یا کسی عامل سے شکایت ہو تو میرا اس سے انکار کہہ، اسی طرح ہر حال پر کے موقع پر تمام مجال کو جمع کرتے تھے، انہوں سے بہت سخت ہی سب سے کرپٹ تھے، فرمایا کہ تم سب۔

”میں قریب کے متانہ میں ضعیف کے ساتھ ہوں۔“ (دنی جلد ۱ ص ۹)

عوام کے ساتھ ان میں کڑھتے تھے، تاکہ وہ بے تکلف رہیں اور ان میں کچھ کہنے میں دشوار نہ ہو، صبح کا سامنا نہ کرنا چاہتے، وہاں میں مسجد میں، یہ مفرات سے سرگے نیچے چاند کھڑا کر دیتے تھے کسی کو شکایت ہوئی تو میری کتا اندو میں اس کا شیعہ انداز رکھ دیتا۔

علی مرتضیٰؓ

اسلام کا وہ آزاد نازک مکران میں نہ تھا، بار بار رسولی سے خواجہ خمین حاصل کیا، اللہ علی صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ عظیم سے سرفراز ہوا۔ خلافت کی مراد پر شیخ کے بعد نہنگ میں پہلے سے بھی نیا وہ ساوگی آگئی تھی، فاقہ پر فاقے کی تربت آتی لیکن بیت المال کی جانب نظر بھی نہ دھنسی تھی!

بازار خرید و فروخت کے جاتے تھے تو اپنے کو بہت پھیلنے کی کوشش کرتے تاکہ کوئی بیجا ذکر مال کی قیمت میں رعایت نہ کرے۔ یہ ایک مال سے تھے مخالفت لینے میں انتہائی احتیاط رہتے ایک بار پیسے کے طور پر چند گستر گئی، اللہ کے آگے آپ نے ان کے اپنے گھر سے منگو کر رب المال میں داخل کیا تو پتہ چلا کہ آپ کی عمارت لڑی ام کلثوم نے یہ کام کیا تھا، ان میں سے کچھ مقدار لے لی ہے، آپ نے ہرین سے اس کی قیمت انحقاقی اللہ وہ قیمت بیت المال میں داخل فرمادی۔

والن یکنائز ملینڈ

منگاپیر روڈ

کراچی

ہر قسم کا



سوتی اور

لاونی کپڑا

کورا اور دھالٹا اور

ہر قسم کا

دھالگا

تیار ہوتا ہے

بہر اعتبار قابل اتماد ہے پاکستان کی صنعت کی ترقی اور حوصلہ افزائی

آپ کی فریضہ

مردی ہے۔ الا حلیۃ الاذو عشق ملاحیکہ ما اذرتجس بدی (صرف لغزش والا شخص ہی بہداسا صرف تجربہ کا شخص ہی حکیم ہوتا ہے) نہ بحث حدیث (لا یلذذ ع) کا انداز فقہی ہے تاکہ وہ نہ دیا وہ افلاس نہ برادستا ثیر و موعظت میں قوی نہ ہو جائے۔ عالم محروس میں یہ مسرت عادت پیش آتی ہے کہ جس شخص کو کسی بل سے ایک بار کوئی سانپ کاٹ کھاتا ہے تو وہ اس بل کی طرف نہیں جاتا اور اس خیال سے اس کے قریب نہیں ہوتا کہ کہیں وہاں سانپ نہ کاٹ کھائے۔ ان وجہ سے ہمارا صحبت حاصل کرنا اور اس قسم کے تجربہ بل سے فائدہ اٹھانا مناسب اور مفید نہیں ہے۔

اس حدیث سے ایک صحیح واقعہ وابستہ ہے جس سے حدیث کی غایت اور مقصد کی توضیح ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ابوہریرہ مروی ہیں عبداللہ بن ابی اسحاق شاعر تھا جو کہ بد میں اسیر ہوا۔ اس نے صل اللہ علیہ وسلم سے اپنی تھی لکھی اور عبداللہ کی شکایت کی اور کہا:۔
 آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ میرے پاس مالی نہیں ہے میں حاجت مند اور صیالہ میں مجھ پر احسان فرمائیے۔
 حضور اکرم صل اللہ علیہ وسلم نے اس کی امداد فرمائی اور اس کا ہاتھ فرمادیا کہ وہ حضور کے مقابلہ میں کسی اور کی اعانت نہ کرے گا۔ اس قصہ کے بعد ابوہریرہ نے حضرت کی شان میں ایک شعر فرمایا۔
 اُس کے بعد حضرت کہیں کو موقع ملا تو وہ ابوہریرہ کو جو وہاں کہنے میں کامیاب ہو گئے اس نے حضور اکرم سے جو عرض کیا تھا تو فرمایا۔
 ہمایہ کہ غزوہ احد سے پہلے صفوان بن امیہ نے ابوہریرہ سے کہا:۔

_____ اسے ابوہریرہ تم ایک شاعر ہو ہمارا ساتھ دو اور اس کی زبان سے ہمارے کام آؤ۔

ابوہریرہ نے جواب دیا:۔

_____ اور رسول اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ جہاد کی ہے۔ میں ان کی مخالفت نہیں کرنا چاہتا۔

اب صفوان نے کہا:۔

_____ اچھا تو میری ذات سے وعدہ اگر بچا کر آگئے تو تم بھی واپس آکر رہیں گے، اور اے گئے تو ہم تمہاری بیٹیوں کو اپنی بیٹیوں کے ساتھ رکھ لیں گے اور خوش حالی یا شغل میں حال میں وہ ہیں گے تمہاری بیٹیاں بھی اس حال میں رہیں گی۔
 ابوہریرہ نے یہ بات مان لی اور اس قبائل کو حضور سے لڑنے پر آمادہ نہ لگا۔ جب احسا حرکت میں آیا تو ابوہریرہ چھر چھر غاروں میں بھاگے اور پناہ میں پناہ پائی۔

اس موقع پر ابوہریرہ نے وہاں حضور سے درخواست کی کہ اس مرتبہ میرا صانع فرمائیے اور میری جان بخشی کر دیجئے۔

حضور نے اس درخواست پر یہ حکیمانہ جواب عطا فرمایا:۔

_____ اب میں اس کا موقع نہ دے گا کہ تیرے رضاکے کی خاک سے جس جمل اور قیہ کہنا چہرے کہ میں نے عمر کے بدلہ خرید لیا

اس کے بعد حضور نے حکم دیا کہ ابوہریرہ کی گردن مار دی جائے۔ پھر وہی موقع پر ارشاد فرمایا:۔

_____ لا یلذذ ع الا لیسوی من حیث واحد فترتین (یعنی ایک بل سے دوبار نہیں لڑا جاتا)

نبی بارگ سے لکھنے کے الفاظ مدح عام پائے اور ایک ایسی حکیمانہ ضرب المثل بن گئے جو پستی دنیا تک لوگوں کو فلاح بخش ہوگی۔ مسلمانوں کا یہ شعر واقع نہیں کہ اس حکیمانہ ادب کو دنیا کے ہر گوشے کے دو اولیٰ کے فرزندان اسلام نے صدیوں میں یاد نہ کیا ہے۔
 دینی مذہب میں مسلمات میں اکثر و بیشتر یہ کہنا ہے کہ:۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ:۔ "نہ من غری میں نہ کوئی غری مجھے دھوکا دے سکتا ہے۔"

ان نبیوں اور مشائخ کے اگلے مسلمانوں کی زندگی پر گواہی دے گا۔ انھوں نے جو کہہ کرے وہ سچا ہے۔ ان سے فائدہ نہ اٹھایا۔ اس ایک ہی جمل سے بلبلا اچھا آپ کو دوسرا تھپتھپے۔ ہم یہ بات اور حقائق بلکہ غلطی ہمارے، اور ہم ای طرح خواب تو گردش میں پڑے سوتے رہے اس لیے ہی طرح کے دھوکے ہمارے کھاتے تھے۔ اللہ ہم پر رحم فرمائے اور ہمیں دشمنانِ خدا اور احادیثِ اسلام کے انتہائی میں کھنڈاؤں سے محفوظ رکھے۔

(اقتباس و تلخیص از رساله اللذیر و عرفی)

حضرت علیؓ کی آبی غلغلہ کی وجہ سے
 حضرت عثمانؓ کی بی بی زینبؓ کی
 بی بی زینبؓ کی بی بی زینبؓ کی
 بی بی زینبؓ کی بی بی زینبؓ کی

پتہ کا پتہ :- مکتبہ بریلان، ندوۃ المصنفین، اروپا بازار، دہلی

دوسرا موسم قدرت کاملہ نے موسم ہرما کو۔ انسانی جسم کی حفاظت، زائل شدہ قوت کی بحالی، دماغی، قلبی اور جنسی طاقت کی استواری کیلئے مخصوص کیا ہے۔

اگر آپ کسی قسم کی کمزوری محسوس کرتے ہیں تو، اس موسم میں متویات، مفرحات، اور اکسیری دواؤں سے ناگذا آئیں۔

اگر آپ باتقاعدہ علیحہ کرنا چاہیں تو

مطب اشرف کی

جانب بروغ فرمائیں جس کی نگرانی براہ راست پاکستان کے نامور طبیب مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفیٰ فرماتے ہیں۔
 بیروہجات کے مریضین مفصل حال لکھ کر مفت مشورہ حاصل کریں یا سالانہ طلب فرمائیں۔

مطب اشرف منزل نزد جامع مسجد جناح کالونی لائل پور

یادِ رفیقِ گال

عطیہ فیضی

یہ لٹ طبع لکھنؤی، ترپہ بی ملکی، جتنا کہ المیرہ پٹی جلدی، یہی ہے کہ علامہ شبلی نعمانی کے تذکرے کے ساتھ عطیہ فیضی کا نام آتا ہے، علامہ شبلی سے باقم الحروف کو بے انتہا محبت بھی ہے اس عقیدت بھی، اس نسبت اور تعلق کے سبب عطیہ فیضی کے نام سے میں بہت دنوں سے واقف تھا، مگر یہ لطیفہ عطیہ کو جو خاص شغف تھا، اُس کے تذکرے بھی لوگوں کی زبانی سُنے تھے۔

دفاعیہ انشائیہ کا ذکر ہے جب یہی ہیں۔ "یومِ اکبر" منایا گیا اور اس سلسلہ میں ایک مشاعرہ بھی منعقد ہوا، شہزادہ اہل قلم جناب ضیاء الدین احمد نے اس مشاعرے کے دہلی تھے، انہی کی دعوت پر میں حیدر آباد دکن سے پہنچا، کرافٹ مارکیٹ سے متصل شاہجہان پورل تھو وہاں مجھے ٹھہرایا گیا، صاحبِ صدیق ہال میں بڑے دھوم کا مشاعرہ ہوا، اُن دنوں مجھے کبھی کبھار دلی کا وعدہ پڑ جاتا تھا، مشاعرے میں پہلی منزل کے بعد سامعین نے دوسری منزل کی فرمائش کی، دوسری کے بعد تیسری کی، چوتھی منزل پر میں دلی میں گھبراہٹ سی محسوس کرنے لگا، تکلیف پڑھنے لگی، میں نے جیسے جیسے غزل نظم کی، اسی عالم میں ہال سے باہر آ کر سبزے پر لیٹ گیا، شدید تنہم کی تھ ہوئی بدن پسینہ میں شراب؟ میں سبزے پر پہلے قابو پر کر لوٹ رہا تھا، اندھا ایک بیچ میرے سامنے کھڑا تھا، وہ جوں نے کہا ہے کہ "ہزار منہ ہزار باتیں" لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں، کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ نہ کیا وہ لوگوں کا گمان یہ تھا کہ ماہر نے زیادہ شراب پی لی تھی، اُس کے سبب یہ حادثہ پیش آیا۔

مشاعرے کے بعد دعوتیں ادا دلی نشستیں رہیں، بمبئی کے مشہور خاندان طیب بھی کی خواہش نے ایک ادبی انجمن قائم کی تھی۔ اُس کا نام "عقیدۂ ثریا" تھا، اس فرم میں مجھے بلایا گیا، چائے نوشی کے بعد شعر خوانی ہوتی، آصف فیضی جو مقرر میں حکومت ہند کے سیکرٹری رہے ہیں اُن دنوں لا کا بھائی کے پرنسپل کے طور پر فائز تھے ان سے بھی اسی انجمن میں تعارف ہوا، نواب ہاشم یار جنگ بہادر حکومت حیدر آباد دکن میں ہائی کورٹ کے جج تھے پھر وہ شیر قافلوں پر گئے یہ وہ زمانہ تھا جب سرکارِ حیدر آباد میں ہاشم یار جنگ کی طرف سے حکومت حیدر آباد کی صاحبزادی مسز نیت فرخ علی، اس علم دوست خاوند سے کہ ادبی سرگرمیوں کی رو سے مصلحتیں، عطیہ فیضی سے تعارف کا ذریعہ

سہ اکرانہ آبادی نہیں۔ عقیدۂ ثریا جلال الدین اکبر:

شعر و ادب کے یہی اجتماعات تھے۔

میں وصال کے بعد پھر سنبھل آیا تو حقیقت یہ تھی کہ انجمن اسلامیہ کے مال میں ہندو ہیرو نے پورے شہر میں سرکاری زمینوں کی جانب سے
میں شہر و طرح کا انتظام کیا۔ میں پھر وہی رہا تھا، پھر ان کے بچے میں بار بار ملنا تھا اس زمانہ میں جو کہنے لگا تھا کہ انجمن اسلامیہ (انجمن
دعوت کی دکان) والے کس کس شہر پر داغ (DANISH GARDEN) کے متصل ایک ایک کے جگہ میں زمینیں ہندو ہیرو نے ہندو کے
ناش میں ان کے یہاں احباب کو ہرے تھے۔ اسی زمانہ میں غلیبی نے میرا رشتہ کر لیا، اس کے پہلے شہر ڈاکٹر صاحب مرحوم کی فلم تقریر
لکھنے لگے تھے، اس سلسلہ میں ہفت روزہ سمیٹھیر نے کا اتفاق ہوتا، علی غرض اس دور کے اپنے یہاں کی چھ ماہی گیری کی نشست میں ملا تھا،
ملا تھا کہ انہوں نے سمیٹھیر کے یہاں کہا تھا کہ ہندوستان کے سب سے شہر شہر میں "ہندو" ہیں اس خاک لکھنے کے لئے بہت بڑی
دیت کا انتظام کیا، جن دنوں وہ اس دکان کے انتظام میں مصروف تھے، ان کی بیوی بہن غازی بیگم ہر ماہ میں سیمینجھو نے مسجد سے
ایک ایک عید اس دعوت کے انتظام میں اس طرح لگی رہتی ہیں کہ سر پر کا ہوش نہ لگتا ہے جس نے اتنا مصروف نہیں سمجھتا تھا۔
شہر شہر لکھنے جلنے میں سر ڈانڈین کے افادہ "SENTINEL" کے پہلے صفحہ پر علی غرض نے بیرونی لکھی کہ یہاں ڈاکٹر صاحب
ترجمہ ہر رنگ ہر طرح کی ہندو فیسٹیں بھی نہیں یہاں تک کہ لکھی داتا بھی مراد نہیں۔ میں نے "مہندسین" کی اہمیت پر غور کیا اس
بعد وسیلہ طریقوں اور طریقوں سے انہیں اپنے دور کے سامعین پر شہر اور مقرر کر کہاں میسر آئے ہیں۔

ایک صاحبِ فکر، غیر الزامی بنیاد پر پیشہ کرنے والے ماہر نے اسے اندازگی نام کا ایک سہ ماہی لکھنا تھا۔ اُن کے اندازہ قریب ہی کیونکہ
 بعد ازاں انہی کا مغربہ تھا، میری تقریب کے بعد انہوں نے نو کام میں نئے اُن کے احترام کا جواب دیا انہوں نے اس پر ہوا کوئی
 ملی بات کہ دی، جس نے میرے جذبات میں شائبہ لگایا، میری آری کا بھرنگ بچا ہوا گیا اس دل میں موقوفات اور گناہ گوارہ کی
 لگی کو رب نے صحت کی۔

[illegible]

نیا۔
 سبق میں برصغیر کا سرحد پار فوجی گزشتہ چھ ماہ کے اندر اس پر کون سا عمل میں روک تھام نہیں ہوئی گزشتہ
 یہ خوشحال لوگ یہاں آ جاتے ہیں۔

شکل میں چھپایا گیا۔ حلیہ فیضی اور ان کے شہر کے اصل ہے جس نے اس کا ترجمہ کیا۔ مہتمم کی زبان میں اس ترجمہ کا پھر کیا عشر ہا !

حلیہ فیضی کے پاس مشاہیر کے خطوط کا خاص ذخیرہ تھا انہوں نے مجھے ایک خوبصورت سی بیاض رنگائی، جس کا پتہ میری جانب تھا۔ اس پر نواب حامد علی خاں دانی صاحب کے ہاتھ لکھا ہوا ایک شعر تھا، یہ بیاض نواب صاحب دہلی نے انہیں تحفہ کے طور پر دی تھی۔
 واقف اطراف نے سیکڑ دی تھی ہر مصلیٰ کا پر لہا چنار ڈگڈگ رہے ہیں لیکن حلیہ فیضی نے میں اور گلاب یک پر مجھے تھے
 نکسر یاد و اپنی اوجیت کی نامہ صاحب بلی قیمت - بیاض اسکا - ۱۸۵۵ء کلکتہ - ۱۸۵۵ء (میں ۱۸۵۵ء میں ہندوستان) ،
 انگلستان، ترکی اور بعض دوسرے ممالک کے مشاہیر کی تحسیری میں اور خط تھے، ہاں گلاب صاحب دہلی راتو رات شیل کافرٹس کے بعد
 بحری جہاز سے ہندوستان واپس آ رہے تھے، تو حلیہ فیضی کو بھی جہاز میں تھیں، انہوں نے اس کے گاندھی جی کی انگلی میں آپس میں چھوٹی
 اور گاندھی جی نے اپنی انگلی کے نوٹن کافٹن حلیہ فیضی کی اور گلاب یک پر ثبت کر کے اپنے دستخط کے آں لکھا یا اگر سرکاری کی مجلس
 عاقل کے ہوا مکان اس جہاز سے گاندھی جی کے ہمسفر تھے ان سے بھی اس سفر پر خط لکھنے کے اس قسم کی یادیں عجیب اور نئی کاری کی باتیں حلیہ
 فیضی کو خوب سوجھتی تھیں۔

حلیہ فیضی کی زندگی سفر رنگین بھی ہے۔ وہ دینی محبت بھی !

خان بہادر عالم علی خاں مرحوم

فقیر ہند سے قبل جب میں دلی میں مقیم تھا، تو خان بہادر عالم علی خاں کا نام سننا تھا کہ وہ بڑی اسٹیشن میں ذیہ اعظم میں ایک بڑے
 اور غالباً گندہ ہند سنگھ بیک کے یہاں جو ان دلی میں مقیم تھے، خان بہادر صاحب کو دیکھا جو تھوڑا سا مگر ان سے ملاقات بہت دل بردار
 میں ہوئی !

بگستان بھٹکے چار پانچ سال بعد بہادری دلی میں آمد کا فرض اور شہر و صنعت چاروں قریب رہا، بڑا گندہ میں ریاست
 بہادری کے مندرجہ ذیل میں انہی کی شاندار کوشش میں سب مہمان شہر لے گئے، بابائے آئندہ دلی عبدالحی صاحب اس قافلہ کے بھانجے تھے۔
 مشاعرہ کے دوسرے دن بہادری کے سنبھل جیل دیکھنے کا پروگرام تھا، تمام مہمان شہر اور اعلیٰ قلم بریلی عبدالحی صاحب کی
 قیادت میں جیل پہنچے، خان بہادر عالم علی خاں محکمہ جیل کے انسپکٹر جنرل تھے انہوں نے ایک ایک وارڈ سب کو لے جا کر دکھایا۔ وہاں کے کھانا
 طریق کار، قیدیوں کی فوڈنگ، رہن رہن، اسیری اور سزا کی تفصیلات بتائیں، پھر ایک شاعر ترقی کے صلیا جا چکے قیدی کے قتل کے لئے
 الزام میں آؤ تھا، خان بہادر صاحب بہادری نے قیدی محنت اور احترام کے انداز میں فرمایا۔

”جب مجھ سے چونکا یہ صاحب شاعر ہیں کہ میں نے ان کے لئے جیل میں ہر قسم کی ممکنہ بہترین مہیا کر دیں، شاعر
 بہت بڑا آدمی ہوتا ہے کم حکم میرے واسطے قیاس کا ماننا بڑا ہے“

پھر اس شاعر نے اپنے شعر سنائے اور خوشی کے لئے جیل خاندان کو گاہ بن گیا۔

اس کے بعد خان بہادر صاحب کے خطوط کو ترتیب سے لکھ دیا گیا۔ دولت میں ہیں انہی نے کہا ”خان کے خطوط نے دنیا کو جو کلام
 ————— متوجہ عالم ————— تبصرہ کے لئے بھیجا، تین چار پانچ خیریں انہیں بھیجیں ”خان“ میں مشافعت کے لئے لکھا کہ میں ان میں سے ان کی سب ایک
 عظیم نامان میں چھپ چکی، جوئی فی نہیں ہتھی، آن کہہ شکوہ کی اندہ اشاعت کے لئے اور !

[illegible]

اب سے تقریباً پچیس سال قبل عالم علی خاں مرحوم کی خدمت کا آغا محمد انگریزی میں ایک خط لکھا جس میں اس نے ہوا گم ہونے پر فریاد کیا
اس قابلیت کی بدولت ترقی کرنے چاہئے۔ یہاں پر مذکور میں دولت علی کے فرزند اس وقت وہ وہاں کی اس قابلیت کے ساتھ انجام دینے کے یہاں
کو فوٹو گریس اور ہر طرح سے خوشحال بنادیا، اگر کسی حکومت کی طرف سے : خان بہادر کا خطاب ملا : سیاست بہاول پور میں جب وہ حکمران بن گئے
ان کے لئے جنرل تھے اور بہاول پور میں ان کی محکمہ میں اس عہد پر خوش ہونے والی کا خدمت دیا کہ مختلف صنعتوں کی بدولت میں خانہ کو ہر سال
ڈیڑھ لاکھ روپے بچت ہو گئی، غالباً ان کے بنائے ہوئے کاروبار میں ایک ایک سال میں خانہ سے جہاں کا بجٹ حاصل ہوتا ہے، ہزار فی فیس طلب
صاحب بہاول پور نے کاروبار کی اس حد میں انہیں بہت کچھ ملانا ! خان بہادر صاحب مرحوم کے بچے تھے جن میں خانہ کی آمدنی میں کمی ہونے
لگی یہاں تک کہ —

سب جہاں سے چلے تھے وہیں آ گئے !

بہاؤ اللہ کہ ان زمین احمد دکان فروخت کر کے لڑائی کی ڈیفنس سہا سٹی میں اپنے صاحبزادے معظم علی خاں کی کوٹلی کے متصل شہر کی شاہانہ عمارت پر چھ کتے بڑائی، اتصال ہوتے اس واقعہ کو کوٹلی میں سیسٹم کا جملہ کی کچھ اس میں بتایا موجودہ لائب بہاؤ لہ جوان دلف اپنے والد معظم کی وفات سے پہلے ولی محمد امروڑ کی اسل کے رکن تھے اس جملہ میں نثرین فراتہ لائب صاحب صرف خاں بہاؤ صاحب کے فرزند معظم علی خاں کے کم زرافعت تھے ہیں۔

اس جلسہ میں انصر مجھے تھا قریب ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ تھیں خیرہ مڑ میں سیرت مقدسہ وقت پر ایک اس کے بعد نصیحت کا کام سنا، فلاں بہاد صاحب کی خوشی کا عالم وہی تھا، جلسہ کے بعد جانے کوئی چوٹی پاٹنے کے ساتھ بلکات لازم بھی تھے۔

خان بہاؤ شاہ عالم علی خاں کی زندگی اس اعتبار سے ایک انجربہ کہ سمجھو حکم نہیں تھا کہ وہ پچیس تیس سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ جس نے اس کی موت کے بعد بھی نہیں سوئے۔ جو جس جگہ اور آئے پھر جا گئے۔ مرنے والی آن کی اس سلسل میں ان کی کاروان سفر، بعض انجربہ بیان کیا ہے۔ لیکن ان کے بیان سے کہہ سکتے ہیں کہ اس نے اپنے ہاں کے بادشاہان کی محبت اور اچھی فقی، بزرگوار ہے جس کی سرخ و سپید رنگ تھا، جوانی میں بہت خوب صورت ہوئے تھے، مگر جب وقت آتا تو ہمیشہ کے لئے قیامت کی نیند سو گئے۔

آرم لکھنوی مرہوم

نام کا شہنشاہ و مہینہ آدم قلوی، خاص کھنڈ کے باشندے، شہر جو بنی عداوت کے کھنڈی سے شریف تہذیب حاصل تھا زبانی لکھنڈ
مجاہد جانی کا خاصہ لکھنڈ میں ابرہہ راہ راہ بھی اہل علم اور اسباب بنی کی محبت اور بے غشینی انہیں عیسوی انجیل کے ایک ایک لکھ
وضوح قلع، لباس، نشست، جفاست، اچھے پرے پرے سے آئے کے ادیب باخسل نظر آتے تھے، سلام کہیں وہ ان کے ہاتھ کی جنبش اور
دھن کا نام، ان کے کھنڈی چہرے کی شہادت دیتا تھا۔

پاکستان میراث کے لئے ان کا خدمت کار بننا چاہئے اور پھر یہی کہہ کر رہ گئے۔ اور نظم و ضبط رہنمائی دے سکتا

نیر خیر ادب بھاری ہو گئی

اس کی قریبہ تو بہا کی سمجھ میں بھی نہیں آتی، اس شعر کو یہ معنی پہنائے جا رہے ہیں کہ بچھو وعدوں کے مقابلہ میں موجودہ وعدہ سچا
تو ہے! آدم بے چارے کے چہرے پر نیکو و قزولیش کی مہاسیاں سی پھٹنے لگیں، کئی دن غلاق کا یہ سلسلہ چلتا رہا ادب عباس غلاق کا
اُن پر کھل گیا، تو برا نہیں ملا۔

آدم سے آخری طافات اُن کے مرنے سے وعدہ بچھو جناب اشعلیٰ اعظمی سیم مینائی زنیہ حضرت امیر مینائی کی صاحبزاد
کی شاہی میں ہوئی، چند منٹ پہلے غلاق کی باغی بھی رہی، بس پھر وہاں گئے نہائی تھیں کہ کھڑی ہو کر غلابیں اُن کے انتقال کی خبر پڑی
— اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔

آدم کھڑی خوش گوشا سوتھہ غزل کے مزاج کو پہچانتے تھے، اُن کے قریب میں انزادیت کے ساتھ سنا گشت بھی تھی جن میں غزل میں
وہ اس نغمہ کا مایہ چکا بہر ان کے بعد کوئی شاعر گرمی نہیں سکا اُن کے چند شعر —

وہ یہ کہتے ہیں کہ جا اب حسن گاری ہو گئی	اے جنوں! نہ خیر نہ تو ادب بھاری ہو گئی
آئینہ میں اپنی صورت دیکھتا جاتا تھا میں	دلت پیش نظر محبت تمہاری ہو گئی
ہم باغِ تن میں دن اپنے گناتے آئے	اُئی نہ بہارِ آخِر، شاید نہ بہارِ آئے
ٹکڑا یا تھمے دد سے اک لہرہ مستانہ	بے نام لیتے تیرا ہم تجھ کو پکار آئے
کبھی سہری رکھ دی گئے دلتا پہ اُن کے	ابھی صورت نقش قدم دیکھتے ہیں
کوئی دیکھ کہ اُن کو سنبھلے تو چھائی	مگر جن نگاہوں سے ہم دیکھتے ہیں

مطلق کا مسرور تانی غالب کا مسرور — خیابانِ خیاباں آدم دیکھتے ہیں — اُن کے نکلے (لام) کی نسبت سے لطف لے گیا۔

نیر خیر میں اُن کے کئی شعر ہیں
اے صاحبانِ ادب! نیر خیر میں

نیر خیر میں اُن کے کئی شعر ہیں

قریب

ڈاکٹر شریہ غلام

مہر ماز خواجہ

نیر خیر میں اُن کے کئی شعر ہیں

نیر خیر میں اُن کے کئی شعر ہیں

گورنمنٹ

DB

گورنمنٹ



**SYMBOL OF
PERFECTION IN POPLINS**

Mark

LANCORIZED

THE ALL STAR FABRICS



TEXTILE MILLS LTD., KARACHI

Manufacturers of the above poplins

نہ ملتی کہ ہے اس صورت میں خلف کا الزام کیسے قائم ہو سکتا ہے یہی وہ شہادت ہے جو مجلس اُستادہ کو وفات رسالت آپ کے بعد ہی باوجود لوگوں کی مخالفت اس فقہ استدلال کے باعث میں اہل اسلام کی نازک حالت پر جاننے کے لئے لکھ کر نصرت کرتا ہے :-

اس کتاب میں بعض باتیں ایسی بھی آگئی ہیں جن سے صرف نظر ممکن انصاف نہیں مثلاً - واقعہ اسری - کہ فاضل مصنف - "دعایا" کا درجہ دیتے ہیں (ص ۱۳۳-۱۳۴) مگر لاکھ جہود علماء کا یہ فتوہ فیصلہ ہے کہ حضرت کے معراج جہانی طور پر عالم بیداری میں ہوئی تھی - قرآن شریف میں - جن - کا ذکر ایک مستقل فوج مخلوق کی حیثیت سے کیا ہے لیکن سیدنا ابی علی مروج نے اس مسئلہ میں سیدنا حضرت جعفر جبرئیل سے یہودی یا دھڑی یعنی اُٹھ اور گندہ لوگ مراد لے لیے ہیں ! اُن کا یہ خیال اور تحقیق صحیح نہیں ہے - قرآن کریم میں اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا کہیں ذکر نہیں کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور مٹی کو گندہ پیدا کئے یا مہذب و غیر مہذب مخلوق کو وجود بخشا ؟ - ایسا نہیں ہوا یا جیسی یا خارجہ خطر، بشریت، اس لئے نسخہ نہیں - (ص ۱۷۸)

حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے پاس میں جبرائیل کی یہ عقیدہ ہے کہ وہ مصلوب نہیں ہوئے اللہ تعالیٰ نے اُن کو اٹھالیا، وہ آسمان میں اُٹھ رہے ہیں اس عقیدہ دین میں تشریف لائے گئے - بعض قیاس کی بنا پر شراعتا حادیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا -

"خلافت" کے پاس میں بھی فاضل سیرت نگار کی رائے میں - تہذیب کی آمیزش نظر آتی ہے (ص ۱۷۸) اگر اسلام نے تہذیب کی خلافت کو (ص ۱۷۸) میں جنگ کے جنگی حالات اور ضروریات و مصالح بھی شامل ہیں، ختم کر دیا تھا - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس آخری وصیت کی یہ صفحہ ۱۳۴ پر خود اس کتاب میں درج کیا گیا ہے :-

المصلیٰ دعا ملکیت ایمانکم

نماز کی پابندی کو اور لڑائی فلاموں (کا خیال رکھو)

کی توجہ کی جائے گی جس میں - "تہذیب اور فلاموں" کا واضح طور پر ذکر موجود ہے :-

یہ فقیر سیدنا ابی علی مروج نے حضرت ابی طالب کے مرنے والے ایام میں لکھے کی ہے - مشہور حدیث من کنت مولاً فعلی مولاً - کی شرح میں وہ لکھتے ہیں :-

"جن پہ جلی مرتضیٰ کے نہیں اوصاف حمیدہ اور قربت قریبہ کی بنا پر رسول اللہ نے دعا کی تیرے کے وقت آپ کو حضرت یارِ مدین سے تشبیہ کی تھی کہ جس طرح حضرت ابراہیم اور اُن کی اولاد میں نسبت بودیس بنیہ بنی اسرائیل میں روحانی ہمیشہ اسباق مانے جاتے ہیں وہ کیوں نسبت کتاب خروج (ای طرح حضرت علی اور حضرت حسین نسبت بودیس) ایسی دہر چٹا نہیں گئے، حجتہ الوداع میں جب رسول اللہ گمراہی مہلت کا ساتھ قریب معلوم ہوا تھا، امت مزاحمہ کو رخصت کرتے وقت آپ نے علی الاطلاق جناب قرصوری کو اس خاص دہر پر فائز فرمایا اور دہر رویت اس مہمدہ خلافت سے ممتاز تھا (صفحہ ۱۷۸-۱۷۹)

امامت اور وراثت کو ایک خاندان کے ساتھ مخصوص کر دینا اور امتدادی ائمہ کے بارے میں عصمت کا عقیدہ رکھنا یہ عقیدت کا وہ غلو ہے جس سے اسلام میں رد کیا گیا ہے -

"سقیفہ کے نوہی اوصاف اور انتخاب کے لحاظ سے ہے قاعدہ کا اسلامی کو تسلیم کر کے (حضرت علی) کمال ایشار

اور کس نفسی کا اظہار فرماتے ہیں اور اسلام میں فتنہ پیدا نہیں ہونے دیتے" (ص ۱۷۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سقیفہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انتخاب کرنے کے قاعدہ کا اسلامی کہن الہاس

خلافت و سنت کی خلاف ورزی کسی صورت میں ممکن نہیں :-

اسلامی ریاست کے خطوط و حال کیا ہوتے ہیں ؟ اس کا اس کتاب میں خاصی تشریح کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور مصنف نے یہاں اسلامی کے ساتھ متعلقہ باب کے آخر میں لکھ دیا ہے کہ یہ فیصلہ اس احمد صاحب کے مضمون سے یہ باب ماخوذ ہے !

حکومت اسلامیہ کا قانون :-

”آزادی کو بالکل قانون کے رحم و کرم پر چھوڑنا درست نہیں، اس لئے کہ بعض حکومتیں ایسی جاہلانہ اور غیر جمہوری ہوتی ہیں کہ وہ عوام کی آزادی سلب کرنے کے وہ پہلے ہوتی ہیں اور امت مسلمہ کے بل بوتے پر ظالمانہ قوانین نافذ کرتی ہیں ۔۔۔۔۔۔“

اسٹیوٹسٹل نے بڑی اچھی بات کہی :-

”اے ان ہرگز غیر مطمئن رہنا جائز ہے کہ مطمئن رہنے سے بہتر ہے ؟“

اشتراکیت کیا ہے ؟

”لفظ اشتراکیت، اجتماعیت کے علاوہ ائے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے کہ اس لفظ کی صحیح تعریف مشکل ہو گئی ہے، اس کے مضمون نگار نے اشتراکیت کی چھ سو تعریفات جمع کیں ہیں، و بعض اشتراکی ہیں اسی ہی اشتراکیتیں ہیں، یا اشتراکی نہیں ہیں چنانچہ کہ اشتراکیت کیا ہے ؟“

کسی اشتراکیت پر مصنف نے تنقید کی ہے کہ اس کی بنیاد صرف قوم پرستی کا شعار خیالی ہے جسے عملی طور پر اسے عام کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔

دوسرا نسخہ :-

”اسنادادہ اصل کریں (صفحہ ۲۱) ”اصل“ زاید ہے۔ ”اللہ ہی اسے بہتر جانے، (صفحہ ۱۸) اس سے کہ ”نہی“ نے دوائے عام کی صرف اختصار کیا ہے۔“ ”اس طرح کے نقلی بھی یہ نہیں ہے اس نے سینکڑوں دساتیر کا مطالعہ کرنے کے بعد بعض نتائج اخذ کئے“ (صفحہ ۲۲) ”سینکڑوں دساتیر“ میں باندھا پایا جاتا ہے، متعدد دساتیر لکھا تھا۔ ”مصالحات ارضیں مطاب“ (صفحہ ۱۹) ”و“ زاید ہے۔ ”تیل مطاب“ لہنے اور لکھتے ہیں :-

”خدا کے بعد سب سے برتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت ہے جو خود خدا نہیں تھے، بلکہ انسان تھے، عیسائی بادشاہوں کی طرح بے لگام مطلق العنانیت حاصل نہ تھی“ (صفحہ ۳۰) اس پہلی عبارت کو تبدیل دینے کی ضرورت ہے تب یہ لگام خاص طور سے نکال دینا چاہئے۔ ”حکومت نے نظریہ انفرادیت میں جان ڈالا ہے“ ”دس لاکھ“ یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے کہ ”جان ڈالی“ کی بجائے ”جان نکالا“ چھپ گیا۔ ”صفحہ ۲۰ پر یہ خط ”کو“ خلیفہ ”لکھا گیا ہے، اسی طرح ”تالیخ“ کوئی مقامات پر ”تالیخ“ (صفحہ ۲۹) کتابت کیا گیا ہے اور مطالعہ ”کو“ مطالعہ :-

۱۱

مارکس کے ”نظریہ قدم زاید“ میں فاضل مصنف نے تنقید کی ہے۔

”قدم زاید کے تعین میں مارکس نے غلط تجزیہ کیا ہے اس لئے کہ سرمایہ دار مزدوری اور عام مال کے علاوہ دیگر اخراجات بھی کرتے ہیں مثلاً کپڑے، ٹیکس ادا کرتا ہے اور بہت سی ایسا اخراجات جو مال کی حفاظت وغیرہ سے متعلق ہوتے ہیں کیا پڑتے ہیں، نیز سماجی نظام کی کاموں میں بہت سی چیزیں دیکھائی ہیں ؟“

اس کے علاوہ یہ دیکھا تھا کہ سرمایہ دار لگنے والا سرمایہ کے علاوہ اپنا وقت، توانائی اور معاش جو اس کام میں صرف کرتا ہے اس کا معاوضہ بھی تو

یا ایہمال الذین آمنوا لیسنی قرعاً من قریب۔۔۔

اے ایمان والو! نہ کرو کہ مرید سے چٹے ۱ (ص ۳۸۶)

۔ چٹے کی جگہ۔ ٹھکانہ کریں۔ یا۔ غلام نہ آئیں۔ ترجمہ کرنا تھا۔

”نظری سیاست“۔ کوئی شک نہیں اسچے موضوع پر کامیاب علمی اور سیاسی پیشکش ہے، خاصاً محض کینی رجحانات اور اسلامی اندازِ محبت مندانہ ہیں، جن کی جھلکیاں اس کتاب میں بھی نظر آتی ہیں!

ہمہ قسم کی سیٹری کاسامان

جی آئی پائپ۔ سی آئی پائپ۔ آر سی سی پائپ۔ بین

ڈبلیو سی۔ ملکی (غیر ملکی) کی خریداری کیے

پتہ ذیل پر تشریف لائیں

سلمان برادر کی سیٹری اسلام آباد اکبر روڈ (دوبلنگل سیمینا)
صدر کراچی ۳۲

آدم جی کاٹن ملز

آدم جی کاٹن ملز
پارچہ بچہ
میرے ہاتھ میں



آدم جی کاٹن ملز لاندھی کراچی

مختلف

۱

۱

کے

۱۰

صرف اخیہ
رہنہ کیوں
پولٹے اور کہ

بہ گام مطلق

۱۰

۱۰

۱۰

۱۰

۱۰

۱۰

۱۰

۱۰

۱۰

۱۰

۱۰

۱۰

۱۰

۱۰

۱۰

۱۰

۱۰

ہے کہ تم ننگہ شرم کر رہے۔ ایسا ہی ہے جتنے دھندلے ہمارے دل سے۔ ان کا دل شاکستہ انداز پر حال رہے اللہ تمہاری نفسیات سے واقف ہے لہذا اس سے ڈرتے ہو۔ اللہ غفور و رحیم ہی ہے۔ ۲۳۵: ۱۲

فقیر غمخوار! شریف المصباح حاجت مندوں کی نفسیات انسان کی شناخت بتائی گئی کہ:

"چاہے انہیں ان کی غلط دماغی افکار سے کبھی بھی خبر نہ ہو۔ لیکن ان کے دل میں گہرے پیمانے پر کچھ ہو رہا ہے۔ وہ لوگ سماج و ماحول کے ساتھ بہت کم بات کرتے ہیں۔ ۲۴۳: ۲۔ حیرت منانہی احتیاج چھپاتے ہیں مگر کنگھڑے پہرے سے کھنکھاتے ہیں۔ ان کے دل میں بے شمار غم و اندوہ ہے۔ ان کا فقر و غم اس انداز کا ہوتا ہے جس کی ترجمانی انبیا نے کی ہے۔"

گمانی میں بھی وہ اللہ والے تھے غمخوار تھے کہ غم کو گلوں کے ڈر سے دینے کا نہ تھا بار بار

ایسے غمخواروں کے ساتھ غریب ہی مل سکتا ہے۔ حضرت عمر بن عثمان کا ملافاتی شاعر عربوں کیس ایک بار اپنے پیچھے ہوئے پاس کو بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا: "اے عمر! یہ غمخوار ہیں۔ انہیں غم سے آلودہ کر لیا اور اس کی حاجت رسانی کی اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ واقعہ عمر بن سعد کا تب اور حضرت عمر بن العاص کے درمیان ہوا جبکہ حضرت عمر نے وہ ہزار ہا غم اور سو کپڑوں کی خلعت عطا کی اور اس کا شاسٹ ٹھونکنے لگا اور دیکھا سیف اللہ جیسے سخن بچہ بادشاہ نے تنبیہ سے ان اشعار پر بغیر غم کی کڑی تنبیہ، اشارات سے غم میں کہ بے کہے دل نہیں مانتا:

ساشکس عمل ما تراخت منین	ایا دی مسخ منین دان می جلدت
میں عمر صبر و عزم کا شکر گزار رہوں گا	ان اگر انقدر عظیمات پر جن پر احسان نہیں جتا گیا
فتی غیر محبوب الغنی من صد یقہ	ولا مظهر اللہ کوی اذا اللہ رقت
ایہ جہان کہ اپنے دولت سے کچھ دیکھ نہیں سکتا	اللہ احتیاج کے دولت کسی سے شکایت نہیں کرتا
رأی خلقی من حیث یخفی مسکانتہا	دکانت قذی عینہ حتی تجلبت
میرے غم کو اس نے غمی جگہ سے جب غمی کر لیا	تو میرا فقر و غربت تک دھندلے ہوا اس کے گم گھوٹوں کی گھٹک بن گیا

غالب موعود کا دارا تو رہا حال ہی کے لکھا ہے کہ غم کے سارے غم سے ایک ٹکڑی کے بدل پر پھینٹ کا فرض دیکھو کہ تب ہو گئے اور میں علی کا انداز اختیار کر کے کہنے لگے آپ کا فرض مجھے بہت پسند ہے چاہے اس کے بدلے اپنا قیمتی فرض ان میں کی نذر کر دیا،

جذبات غیظ و غضب! ارشاد ہوا۔ مسلمانوں نے غیروں سے بدگوار کرنا جو تمہارے نقصان کے لیے ہے۔ اللہ تمہاری مصیبت پر غور کرے۔ انہیں بغض و عناد و قرآن کے منہ سے نکال دیا ہے۔ اللہ دلوں کا غنی و غبار تو بہت بڑا ہے۔ ۱۷: ۳

پھر باطن کا آئینہ برتا ہے۔ دل میں جو جہاں ہے وہ اس آئینہ میں ہلک پڑتا ہے۔ تیرا دھرم و دسرت تمام جذبات اس میں عکس ڈالتے رہتے ہیں مگر غصہ اور بغض کے ضبط سے باخبر و متوازن رہتے ہیں۔ انہیں غیظ و غضب کا جھگڑا نہ ہے۔

محبت فاتح عالم! قرآن نے اپنا پیغام بھی محبت کا ہے۔ اللہ وہ اس بات کا قائل ہے کہ "میں نے لوگوں میں جاوہر ہے کہ حسن اخلاق سے دین بھی درست ہو جاتا ہے۔" فاخذا الذین بینک و بینہ عداوتہ کا نہ دینی جہم۔ آنحضرت سے خطاب کیا گیا۔

"اللہ کی دیکھو! محبت ہی کی وجہ سے آپ پر مہم طبع ہیں اگر آپ سچ گوشت و مادہ تھے تو یہ لوگ ان کی کھانے کے پاس سے جا چکے ہوتے۔ انہیں ان کی غلطیوں پر معاف نہ کرنا کہ ان کے لئے استغفار کیا کیجئے، شرمہ میں شریک رکھئے اللہ عز و جل کے وقت اللہ کے لئے کیجئے۔ ۱۵۸: ۳

فردا اور جماعت کا تعلق! اچھے افراد ہی سے اچھا معاشرہ وجود میں آتا ہے، جیسے ننگ ننگ کے چھوٹے سے چمن نادر ہوتا ہے۔ دعوت و کثرت نقطہ و دنیا، اللہ و فکر اور اجتماع اپنے تعلقات کی وجہ سے ہر وقت ایک دوسرے پر اثر ڈالتے ہیں۔ ان سے متاثر بھی ہوتے ہیں فرد اپنے انہماک کی ہر گیری کے لحاظ سے جماعت بھی ہے اور جماعت بہ حقیقت ایک اکائی فرد بھی ہے۔